کرونا کی وبا

اور

بعض مسائل واحکام

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے 30ویں فقہی سمینار مؤرخہ 3 تا 4/ اکتوبر 2021ء منعقدہ ''المعہد العالی الاسلامی'' (حیدرآباد) میں پیش کئے جانے والے علمی وتحقیقی مقالات اور مباحثات کا مجموعہ]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	کرونا کی وبا اور بعض مسائل و احکام
مرتب	:	مفتی احمد نادر القاسمی
کمپوزنگ	:	محمد خالد اعظمی
صفحات	:	۶۱۸
سن طباعت	:	اکتوبر ۲۰۲۲ء
قیمت	:	۵۲۰/روپئے

ناشر

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

161-ایف، جوگا بائی، پوسٹ باکس نمبر:9746

جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

ای میل:fiqhacademyindia@gmail.com

فون:011 - 26981779,26987492

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا بدر الحسن قاسمی

۳- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۴- مولانا عتیق احمد بستوی

۵- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست کتب

نمبر شمار	عنوان	نام	صفحہ نمبر
۱-	پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱
پہلا باب-تمہیدی امور			
۲-	فقہ اکیڈمی کے فیصلے		۱۵
۳-	سوالنامہ		۱۷
۴-	تلخیص مقالات	مفتی احمد نادر القاسمی	۱۹
۵-	عرض مسئلہ	مفتی شاہد علی قاسمی	۵۵
دوسرا باب-تفصیلی مقالات			
۱	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	ڈاکٹر مفتی محمد صادق محی الدین فہیم	۶۹
۲	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	مفتی جمیل احمد نذیری	۷۹
۳	کرونا سے پیدا ہونے والے چند پیش آمدہ اہم مسائل	مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی	۹۱
۴	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی	۱۲۱
۵	عمومی وباء میں فرض نمازوں اور تجہیز وتکفین کے احکام	مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی	۱۳۶
۶	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۱۵۱
۷	کرونا کی پابندیوں کے زمانہ میں چند مسائل اور ان کا شرعی حل	مفتی راشد حسین ندوی	۱۶۹
۸	کرونا وائرس کی وبا کے ماحول میں بعض احکام شرعیہ	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۸۳
۹	کرونا سے متعلق شرعی مسائل	مفتی محمد عثمان بستوی	۱۹۲
۱۰	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	مفتی تنظیم عالم قاسمی	۲۰۶
۱۱	کرونا کے شرعی مسائل	مفتی عبدالتواب اناوی	۲۱۴

۱۲	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	مولانا محمد صابر حسین ندوی	۲۲۸
۱۳	کرونا کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل اور ان کا شرعی حل	مفتی محمد شاہد حسین مدھوبنی	۲۵۶
۱۴	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	مولانا محمد سلیم الدین قاسمی	۲۷۰
۱۵	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض نئے مسائل	مفتی امانت علی قاسمی	۲۹۱
۱۶	کرونا-چند اہم مسائل	مفتی اسجد دیولوی	۳۰۵
۱۷	کرونا سے پیدا شدہ مسائل کا شرعی حل	مفتی محمد حذیفہ داحودی	۳۱۸
۱۸	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	مولانا ابراہیم ورٹھی فلاحی	۳۳۲
۱۹	کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ اور نماز جنازہ کا حکم	مفتی محمد سلطان قاسمی	۳۴۶
۲۰	کرونا کی صورت حال سے متعلق چند اہم مسائل	مفتی عباد اللہ قاسمی	۳۵۶
۲۱	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی	۳۷۲
۲۲	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین ندوی	۳۸۳
۲۳	کرونا میں جمعہ جماعت اور تجہیز و تکفین کا مسئلہ	مفتی محمد اشرف قاسمی	۳۹۷
۲۴	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	مفتی فیاض احمد محمود برمارو ے	۴۱۷
۲۵	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض مسائل	مولانا محمد زبیر ندوی	۴۲۶
۲۶	کرونا کی وجہ سے پیدا ہونے والے اہم مسائل	مفتی عبید اللہ ندوی	۴۳۹
۲۷	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	مفتی سید باقر ارشد قاسمی	۴۵۳
۲۸	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	مولانا محمد اسعد بن عبدالرزاق	۴۷۱
۲۹	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	مولانا محمد سعد نور القاسمی	۴۸۴
	تیسرا باب-مختصر تحریریں		
۱	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی	۵۰۱
۲	کرونا سے پیدا شدہ چند فقہی مسائل	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۵۰۳
۳	کرونا سے متعلق چند اہم مسائل اور ان کے شرعی احکام	مفتی محمد ابوبکر قاسمی	۵۰۹

۴	کرونا کے شرعی مسائل	مفتی غلام اللہ کاوی	۵۱۶
۵	کرونا کے سبب پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	مولانا رحمت اللہ ندوی	۵۲۲
٦	کرونا کی صورت حال سے متعلق چند مسائل	مفتی شاہد علی قاسمی	۵۲۷
۷	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی	۵۳۵
۸	کرونا سے متعلق چند مسائل کا شرعی حل	مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی	۵۴۱
۹	کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ	مولانا عبد الخالق ندوی	۵۴۵
۱۰	کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی	۵۵۰
۱۱	کرونا کے شرعی مسائل	مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید	۵۵٦
۱۲	کرونا سے متعلق چند فقہی مسائل	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۵٦۴
۱۳	کرونا کے مسائل	مفتی محمد معز الدین قاسمی	۵۷۰
۱۴	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم سوالات کے مدلل جوابات	مولانا محمد صالح الزماں ازہری	۵۷۳
۱۵	کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل	مولانا محمد سلمان انور قاسمی	۵۸۱
۱٦	کرونا کے مسائل	مفتی سلمان پالنپوری	۵۸۷
۱۷	کرونا-احکام ومسائل	مفتی یحیی سمر	۵۹۱
۱۸	احکام الجمعۃ والجماعۃ وصلاۃ الجنازۃ والتکفین	مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی	۵۹۳
باب چہارم-اختتامی امور			
	مناقشہ		۵۹۹

☆☆☆

پیش لفظ

جماعت علماء!

۲۰۲۰ء کا آغاز ہر سال کی طرح بڑی تمناؤں اور افسوس کہ حسب معمول خدا فراموشی کی کیفیت کے ساتھ ہوا، نئے سال کو بمشکل تین مہینے ہوئے تھے کہ چین سے نکلے ایک وائرس نے تھوڑے ہی عرصے میں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، کاروبار حیات پوری طرح معطل ہو گیا، حکومتوں نے شہر اور ملک میں لاک ڈاؤن نافذ کر دیا، لوگوں نے خود کو گھروں میں بند کر لیا، دور کے رشتہ داروں کی تو بات ہی کیا، والدین تک کے آخری رسومات ادا کرنے سے خود اولاد نے انکار کر دیا، آکسیجن کی قلت اور اس کیلئے مارا ماری دیکھ کر گویا میدان حشر کا منظر سامنے آ گیا جب ایک نیکی کے لئے انسان ہر جگہ دوڑ رہا ہو گا لیکن ہر جگہ سے اسے مایوسی ہاتھ لگے گی۔

کورونا عذاب تھا یا آزمائش؛ یہ بحث پرانی ہو چکی ہے؛ لیکن اس وبا نے کچھ اہم شرعی مسائل بھی سامنے لا کھڑے کیے، نماز جمعہ کے تعلق سے شریعت کا جو مقصود ہے، وہ سب کے سامنے ہے لیکن کورونا میں یہ ممکن نہیں تھا تو ایک ایک بستی میں کئی گھروں میں نماز جمعہ کا مسئلہ سامنے آیا، اسی طرح کورونا کی بیماری سے مرنے والوں کی نعش سرکاری اسپتال پلاسٹک میں لپیٹ کر دے رہے تھے، میت کو غسل دینا اور کفن پہنانا ایک اہم مسئلہ تھا، اسی طرح نماز جنارہ کا مسئلہ تھا، اور بھی کئی مسائل اس طرح کے سامنے آئے تھے، فقہ اکیڈمی انڈیا نے ہمیشہ اہم عصری مسائل کو تحقیق کا موضوع بنایا ہے، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے 30 ویں فقہی سمینار مؤرخہ 3 تا 4/ اکتوبر 2021ء منعقدہ ''المعہد العالی الاسلامی'' (حیدرآباد) میں ایک اہم موضوع ''کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل'' تھا، سوالنامہ کے جواب میں اہل علم حضرات نے اپنی بیش قیمت آراء سامنے رکھیں، جس میں اہم اصولی باتیں اور قیمتی نکات سامنے آئے، علماء حضرات کے اس موضوع پر لکھے گئے ۴۷ مقالے اب قارئین کے سامنے ہیں، جس میں نہ صرف کورونا کے تعلق سے اصولی معلومات ہیں، بلکہ اضطرار کی حالت، وبا کے دور میں شرعی مسائل پر عمل جیسی

اہم باتیں بھی آگئی ہیں۔ اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے محبّ عزیز مفتی احمد نادر القاسمی (رفیق شعبہ علمی اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا) کو کہ انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے اس کتاب کی ترتیب کا کام انجام دیا ہے، امید ہے کہ اہل علم اور علم دوست حضرات اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ واللہ ہو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

مؤرخہ: ۲۷ ؍صفر المظفر ۱۴۴۴ھ

مطابق: ۲۴ ؍ستمبر ۲۰۲۲ء

پہلا باب

تمہیدی امور

فقہ اکیڈمی کے فیصلے:

کورونا کی وجہ سے پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا ۲۹ واں اور ۳۰ واں فقہی سمینار ریاست تلنگانہ کے دار السلطنت اور تاریخی، تہذیبی، علمی اور ادبی شہر حیدرآباد کے مشہور و معروف تحقیقی ادارہ ''المعہد العالی الاسلامی'' میں مؤرخہ ۱ تا ۴/ اکتوبر ۲۰۲۱ کو منعقد ہوا، اکیڈمی کا ۲۹ واں فقہی سمینار ۲۰۱۹ کے اواخر میں ہونا تھا، لیکن بعض وجوہات اور رکاوٹوں کی وجہ سے منعقد نہیں ہوسکا، اور پھر کورونا کی وجہ سے ۲۰۲۰ میں بھی سمینار کا انعقاد ممکن نہ ہوسکا، اب یہ ۲۰۲۱ کا سال بھی اپنے اختتام کو ہے، لہذا یہ مناسب سمجھا گیا کہ دونوں سمیناروں کو ایک ساتھ منعقد کیا جائے، مختلف اداروں سے رابطہ کے بعد ''المعہد العالی الاسلامی'' کے ذمہ داروں نے ہمت کی اور اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے یہاں دونوں سمیناروں کو ایک ساتھ منعقد کرنے کی حامی بھر لی، بلا شبہ یہ ادارہ صوری و معنوی ہر لحاظ سے اسلامک فقہ اکیڈمی کے سمینار کے لئے مناسب تھا، چنانچہ متعینہ تاریخوں میں یہ دونوں سمینار منعقد ہوئے۔

ان دونوں سمیناروں کی کل آٹھ نشستیں ہوئیں، جن میں دو افتتاحی اور اختتامی نشستیں بھی تھیں، اس سمینار کا افتتاحی اجلاس ۲/ اکتوبر کی صبح میں منعقد ہوا، اس افتتاحی اجلاس میں ملک کے اہم اداروں مثلا دار العلوم دیوبند، دار العلوم وقف دیوبند، دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ، امارت شرعیہ پٹنہ کے علاوہ ریاستہائے گجرات، مہاراشٹر، تلنگانہ، آندھرا پردیش، جھارکھنڈ، اتر پردیش، بہار، کیرالا سے تقریبا ایک سو سے زائد ارباب علم و دانش شریک ہوئے، جن میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (آن لائن)، حضرت مولانا نعمت اللہ قاسمی، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، حضرت مولانا عتیق احمد بستوی، حضرت مولانا محمد عبید اللہ اسعدی، حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی، حضرت مولانا مفتی صادق محی الدین نظامی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد اللہ جولم، حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی، حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی برطانیہ (آن لائن)، اور پروفیسر نجم الحسن (مانو، حیدرآباد) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۲۹ ویں سمینار میں چار موضوعات اور ۳۰ ویں سمینار میں دو موضوعات پر بحث و مناقشہ ہوا، اور درج ذیل تجاویز متفقہ طور پر منظور کی گئیں:

کورونا وبا کی وجہ سے جہاں دوسرے شعبہ ہائے حیات میں مشکلات پیدا ہوئیں، وہیں عبادات کے بعض اہم مسائل میں بھی رکاوٹیں پیدا ہوئیں، جن میں سے چند کے احکام یہ ہیں:

۱- کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں پنج وقتہ اور جمعہ وعیدین کی نماز میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی؛ البتہ اس کا خیال رکھا جائے کہ ہر جماعت کا امام الگ ہو اور دوسری جماعت تبدیلیٔ ہیئت کے ساتھ ہو۔

۲- عام حالات میں، جب کہ نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور ایک مرتبہ میں مسجد کے اندر نہ آسکتے ہوں اور نمازیوں کے مسجد سے باہر نماز ادا کرنے میں دشواریاں پیدا ہوتی ہوں تو اس صورت میں توسیع مسجد یا دوسری مسجد کی تعمیر ہونے تک ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہے۔

۳- کورونا جیسے وبائی دور میں طبی اور انتظامی ہدایات اور تقاضوں کے مطابق مسجد کی جماعت کے علاوہ متعدد مقامات و مکانات میں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے؛ البتہ مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی کو اس رائے سے اتفاق نہیں ہے۔

۴- جو لوگ کورونا جیسی پابندیوں کی وجہ سے اپنے گھروں میں نماز ظہر پڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے جماعت سے بھی پڑھنا درست ہے اور انفراداً بھی۔

۵- اگر کورونا پابندیوں کی وجہ سے میت کو غسل دینا یا تیمّم کرانا دشوار ہو تو فریضۂ غسل ساقط ہو جائے گا اور اس پر نماز جنازہ ادا کرنا درست ہوگا۔

۶- اگر کورونا میت کو کفن مسنون دینا دشوار نہ ہو تو کور پر کفن مسنون پہنانا بہتر ہے اور دشواری کی صورت میں کور ہی کفن کے حکم میں ہوگا۔

۷- اگر کورونا میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر اس وقت تک نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے جب تک کہ اس کی لاش کے تغیر کا ظن غالب نہ ہو۔

☆☆☆

سوالنامہ:

کرونا کی وجہ سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

کورونا بیماری کے اثرات ۲۰۲۰ء کے آغاز میں شروع ہوئے جس نے ایک وبا کی صورت اختیار کر لی، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس بیماری نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور لاکھوں لوگ اس بیماری کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن گئے، بہر حال اس نے پوری دنیا کو اور انسانی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے، دینی اور دنیوی ہر سطح کے مسائل پیدا کئے، دینی مسائل پیدائش سے لے کر موت تک کے اور نماز سے لے کر حج تک کے، نیز دیگر معاملات ومناکحات کے بھی مسائل پیدا کئے ہیں جن کے جوابات علماء امت نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے دیئے ہیں۔

مسائل تو اتنے ہیں کہ ایک پورا سمینار اس موضوع پر ہوسکتا ہے؛ لیکن اس موقع سے صرف چار مسائل کا انتخاب کیا گیا ہے: ۱-کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ، ۲-کرونا کے میت کا غسل، ۳-قبر پر نماز جنازہ، ۴-غائبانہ نماز جنازہ۔

۱-کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

شریعت میں نماز جمعہ کی اہمیت اور عامۃ المسلمین کی طرف سے اس کا اہتمام معلوم ومعروف ہے، عوام کی بہت بڑی تعداد صرف جمعہ کی ہی حد تک نماز کا اہتمام کرتی ہے، اور اس کی وجہ سے صرف ایک دن مسجد میں آتی ہے اور مسجد سے اور مسلم معاشرہ سے جڑتی ہے، کچھ دین کی باتیں بھی سن لیتی ہے، کورونا کی وجہ سے عام نمازوں اور جمعہ میں جو پابندی لگی تو کئی سوالات سامنے آئے کہ مسجدوں میں پابندیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی متعدد جماعتیں کی جائیں، یا مسجد کی ایک جماعت سے الگ مکانات وغیرہ میں بھی نماز جمعہ کا انعقاد کیا جائے؟ یا مسجد کی ایک جماعت پر اکتفا کر کے بقیہ لوگ جمعہ ادا کرنے کے بجائے ظہر پڑھیں، اور اگر ظہر ادا کریں تو جماعت سے یا تنہا، جبکہ اس صورت میں عوام کی بڑی تعداد نماز جمعہ و نماز ظہر دونوں سے دور رہتی ہے اور ابھی جیسا کہ اطلاعات ملیں کہ جن جگہوں میں تعدد جمعہ کا نظام نہیں بنا وہاں عامۃ المسلمین بالکل بیگانہ ہو گئے اور اب تک ان پر اثر ہے۔

الف-اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عام حالات میں ایک مسجد میں کسی بھی نماز کی ایک ہی جماعت ہوتی ہے اور دوسری منع ہے، لیکن کیا کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی؛ جبکہ ہر جماعت کا امام الگ ہو اور جواز کی صورت میں کیا پابندیاں ہوں گی؟

ب-واضح رہے کہ جمعہ کی دوسری یا مزید جماعتوں کا معاملہ اس صورت میں بھی پیدا ہوتا ہے جبکہ جمعہ کے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور ایک مرتبہ سب مسجد میں نہ آسکتے ہوں اور نمازیوں کے مسجد سے باہر نماز ادا کرنے میں مسائل پیدا ہوتے ہیں، اس وقت ہندوستان میں اس کی وجہ سے متعدد جگہ مسائل بلکہ فساد کی شکلیں بھی پیدا ہوئیں، اس کی وجہ سے بعض شہروں میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت ہوتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے اس پر بھی روشنی ڈالی جائے؟

۲-مسجد میں ایک جماعت پر اکتفا کرتے ہوئے یا مزید دو ایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازیوں کے لئے محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے نظام کا کیا حکم ہے؟ جبکہ یہ معمول کے خلاف ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس سے تشتت پیدا ہوگا اور لوگ اس کو آئندہ کے لئے معمول بنالیں گے۔

۳-مسجد میں ایک ہی جماعت کے علاوہ بقیہ لوگ یا جورہ جائیں پابندیوں کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے یا ان حالات میں ان کو جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔

تجہیز وتکفین:

۴-کورونا کے میت کی تجہیز وتکفین سے متعلق بھی کئی مسائل پیدا ہوئے، ان میں سے ایک غسل وکفن کا مسئلہ ہے، کورونا کے میت کو متعلقین کے سپرد کرنے میں مختلف معاملات سامنے آئے ہیں، اگر کسی بندش کے بغیر سپردگی ہو تب تو غسل وکفن کا اہتمام کیا گیا اور کرنا چاہئے، لیکن پابندیوں کی صورت میں جبکہ میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے اور کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو ایسی صورت میں کیا وہی کورکفن کے حکم میں ہوجائے گا، یا الگ کفن دینا ضروری ہوگا، مگر زیادہ مسئلہ غسل کا ہے، ایسی صورت میں کیا غسل دیا جائے یا تیمّم کرایا جائے، اور اگر چہرہ وہاتھ کے بھی کھولنے کی اجازت نہ ہو تو کیا اسی کور کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے، جیسا کہ شہداء جنگ کے حق میں شریعت نے کفن کا حکم رکھا ہے غسل کا نہیں۔

نماز جنازہ:

۵-بسا اوقات طبی عملہ کورونا کے میت کو خود قبرستان لے جاکر سپرد خاک کرتا ہے اور متعلقین کو حوالہ نہیں کرتا، یا کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتا؛ بلکہ بعض اوقات تدفین کی خبر دیتا ہے اور جگہ بتادیتا ہے، اور کبھی تو جگہ بھی نہیں بتاتا، تو ایسی صورت میں:

الف-اگر قبرستان وقبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہوجائے، یا میت کو حوالہ کردے مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں کیا میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جاسکتی ہے؟ گر ادا کی جاسکتی ہے تو اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

ب-اگر قبرستان اور قبر کا کوئی علم نہ ہوسکے تو کیا اس مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی؟ جبکہ عام حالات میں حنفیہ کے یہاں اس کی اجازت نہیں ہے؟

تلخیص مقالات:

کرونا کی وجہ سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مفتی احمد نادر القاسمی☆

تمہید:

اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں دنیا ایک ایسی بیماری سے روشناس ہوئی جس کی کیفیت، اثرات، اور نقصانات کی نوعیت سے ماضی کی شعوری اور طبی دنیا آشنا نہیں ہوئی تھی، اور نہ ہی اس طرح کی بے ترتیب اور انجان تباہی وہولناکی کا مشاہدہ انسانوں نے کبھی کیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا خاموش اور اپنے گھروں میں قید ہو کر رہ گئی، دنیا کی اس ابتری اور بے بسی کو مختلف ناموں سے نوازا جانے لگا، کسی نے لیبارٹی میں تیار کردہ جان لیوا وائرس کا عالمی پھیلاؤ قرار دیا تو کسی نے قدرتی وائرس کا نام دیا، کسی نے وبائی مرض کہا، جتنی سمجھ اتنی باتیں، یہی نہیں، بلکہ کرونا کے نام سے بین الاقوامی سطح پر مشہور یہ وائرس ہی ہے، جس کی تشخیص اور اس کے اثرات کی نوعیت جاننے میں طبی دنیا آج تک حیرت زدہ ہے کہ آخر اس کو کون سا نام دیا جائے۔

بہر حال کرونا کی وجہ سے جو صورت حال سامنے آئی وہ یہ کہ عالمی سطح پر دنیا یک لخت خاموش ہوگئی، لوگ ایک دوسرے سے بات تک کرنے سے اجتناب کرنے لگے، دوریاں اس قدر بڑھیں کہ وہی انسان جو کل تک انسان کو اپنا ہر دکھ کا درماں سمجھتا تھا، اسے ہر پریشانی اور بیماری کا منبع تصور کرنے لگا، انسان کی لاشیں ندیوں میں پھینکیں جانے لگیں، انسان، انسان سے نفرت کرنے لگا، دوگز دوری ماسک ضروری انسانی زندگی کا جزلاینفک بن گیا، تمام مذہبی مسلمات انسانوں کے اس خوف کے آگے تارعنکبوت ثابت ہوئے، اب صورت حال یہ ہے کہ حقائق کا علم تو رب علیم وخبیر کو ہے، دنیا نے ''کرونا'' کو ایک غیر مرئی حقیقت تسلیم کرلیا ہے، اور زندگی کے تانے بانے اب اسی تناظر میں بنے جا رہے ہیں، اہل ایمان کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ رب کائنات اور خالق مطلق پر یقین رکھے اور ظاہری دنیا کے بارے میں دعا کرتا رہے:

☆ شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

''اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه''

دنیا کی اس صورت حال میں بہت سے ایسے شرعی، دینی اور فقہی مسائل بھی سامنے آئے ہیں جن کا تعلق طب سے بھی ہے اور عبادات سے بھی ہے، ان میں بطور خاص ''لاک ڈاؤن'' میں جمعہ کا قیام، کرونا سے وفات پانے والے میت کے غسل کا مسئلہ، قبر پر نماز جنازہ اور غائبانہ نماز جنازہ'' قابل ذکر ہیں۔

ان مسائل کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے ایک سوالنامہ مرتب کر کے اہل علم اور ارباب افتاء کی خدمت میں ارسال کیا، چنانچہ اہل علم نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور مقالات تحریر کئے، اور اکیڈمی کو روانہ کیا۔

جو ۴۶ تفصیلی مقالات اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے دفتر کو موصول ہوئے ہیں ان کی تلخیص اور اہل علم وفکر کی آراء مع دلائل پیش خدمت ہے:

مقالہ نگاران کے اسمائے گرامی:

مقالہ نگاران کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی سلیم الدین قاسمی، مفتی مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی سلمان انور قاسمی، مولانا ابومعاویہ معین الدین ندوی قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد اسعد پالنپوری، مولانا سلمان بن سلیمان حسینی، ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی، مفتی امانت علی قاسمی، مولانا محمد اکرم اسلم رشید، مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی معز الدین قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا عبد الخالق ندوی، مولانا ابراہیم ورتھی فلاحی، مفتی اسجد دیولوی، مفتی صالح الزماں قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی فیاض احمد محمود شافعی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی عبد التواب اناوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابومحمد سعد نور القاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی محمد حذیفہ داحودی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، ڈاکٹر محمد مبین سلیم، مفتی عباد اللہ قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا یحیی معین سمر، مفتی سلطان احمد قاسمی (کشمیر)، مفتی صادق محی الدین فہیم۔

سوال نمبر ۱ - کرونا کے ماحول میں مساجد میں تکرار جماعت:

الف - اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عام حالات میں ایک مسجد میں کسی بھی نماز کی ایک ہی جماعت ہوتی ہے اور دوسری منع ہے، لیکن کیا کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی؛ جبکہ ہر جماعت

کا امام الگ ہو اور جواز کی صورت میں کیا پابندیاں ہوں گی؟

اس سوال کے جواب میں دو رجحان ہے:

پہلا رجحان:

اس سوال کے جواب میں ۴۶ مقالہ نگاران میں سے ۴۰ حضرات کی رائے یہ ہے کہ کرونا جیسی بیماری کی صورتحال اور مجبوری و اضطرار کی وجہ سے، نیز تعداد کی ممانعت کی وجہ سے، جبکہ تقلیل جماعت کا بھی سوال نہیں ہے، اگر جماعت ثانیہ کی ہیئت تبدیل کر دی جائے تو ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی شرعاً گنجائش ہے، بشرطیکہ ہر جماعت کا امام الگ الگ ہو، حضرات مقالہ نگاران مجوزین نے مندرجہ ذیل پابندیاں اور شرائط بھی ذکر کئے ہیں:

۱- تمام مصلیان مسجد کی پہلی جماعت میں نہ سما سکتے ہوں، اور بہت سے نمازی رہ جاتے ہوں۔

۲- اور اگر جمعہ کا مسئلہ ہو تو مسجد کے علاوہ جمعہ کی نماز کے لئے کوئی متبادل دوسری جگہ دستیاب نہ ہو۔

۳- پہلی جماعت کے مقابلہ دوسری جماعت کی ہیئت مختلف ہو، دوسرے جماعت کا امام پہلی جماعت کے امام کی جگہ کھڑا نہ ہو۔

۴- دوسری جماعت کا امام پہلی جماعت سے الگ ہو۔

۵- دوسری جماعت کے لئے خطبہ اور خطبہ سے پہلے اذان ضروری ہے (دیکھیے مقالہ: مفتی سلیم الدین قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی سلمان پالنپوری)۔

۶- یہ اجازت اسی وقت تک ہے جبتک وبا موجود ہے۔

۷- جب تک مجمع اکٹھا ہونے کی ممانعت ہو اسی وقت ہیئت کی تبدیلی کے ساتھ درست ہے۔

۸- جماعت ثانیہ میں صرف اقامت پر اکتفاء کیا جائے۔

۹- محکمہ صحت کی ہدایات کی پابندی کی جائے۔

۱۰- تعدد جماعت کے لئے عذر معقول ہو۔

۱۱- بعض حضرات نے کراہت سے بچنے کے لئے بغیر اذان و اقامت کی بھی شرط لگائی ہے (مقالہ: اسلم اسید وغیرہ)۔

۱۲- ہر جماعت کا وقت متعین ہو۔

۱۳- مسجد میں ایک جماعت کے لئے تمام حضرات کے سما جانے کی بالکل گنجائش نہ ہو اور تنگی کا مسئلہ دامن گیر ہو۔

۱۴-مسجد پہلی جماعت میں اچھی طرح بھر جائے، کوئی گنجائش نہ ہو۔

۱۵-تداعی نہ ہو۔

۱۶-تکرار کا معاملہ ہمیشہ کے لئے نہ ہو، عارضی ہو(ابراہیم ورتھی فلاحی، مفتی اسجد دیولوی)۔

۱۷-اذان، اقامت، اور امام کا محراب پر کھڑا نہ ہونا، یہ تینوں پابندیاں ہیں (مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی)۔

۱۸-اس کی عادت نہ بنائی جائے، وبا کی وجہ سے ممانعت تک محدود رکھا جائے۔

مذکورہ بالا شرائط اور پابندیوں کے ساتھ ۳۸ مقالہ نگاران کی رائے ہے کہ تکرار جماعت فی مسجد واحد، یعنی جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے، اس وقت تک جب تک وبائی صورت حال برقرار ہے اور حکومت کی طرف سے مساجد میں مجمع اکٹھا ہونے کی ممانعت ہے۔

اس موقف کے لئے مقالہ نگاران نے مختلف آیات واحادیث، فقہی مذاہب سے منقول ائمہ کی فقہی عبارات اور اردو فتاوی سے استشہاد کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

دلائل اور استشہادات:

-"**وإذا كنت فيهم فأقمت لهم الصلاة فلتقم طائفة منهم معک**"(سورۂ نساء:۱۰۲)(اور جب تم ان میں ہو اور ان کے لئے نماز کھڑی کرو تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو)۔

-"**وإن صلاة الرجل مع الرجل أزكى من صلاته وحده، وصلاته مع الرجلين أزكى من صلاته مع الرجل وما كثر فهو أحب إلى الله تعالى**"(سنن ابی داؤد باب فضل صلاۃ الجماعۃ ۲/۲۴۸، حدیث نمبر:۵۵۴-مقالہ مولانا اختر امام عادل)۔

-"**وعن أبی سعید الخدری أن رسول الله ﷺ أبصر رجلا یصلی وحده، فقال:ألا رجل یتصدق علی هذا، فیصلی معه**"(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب فی الجمع فی المسجد مرتین:۵۷۴، ترمذی:ابواب الصلاۃ باب الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ/۲۲۰)۔

-"**جاء أنس بن مالک إلی مسجد قد صلی فیه فأذن وأقام وصلی جماعة**"(صحیح البخاری ۱/۱۳۳، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)۔

-"**وعن انس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ صلاة الرجل فی بیته بصلاة، وصلاته المسجد القبائل بخمس وعشرین صلاة وقوة، فبا المسجد الذی یجمع فیه بخمسأة صلاة وصلاة**

فی المسجد الأقصی"(مشکوۃ ۷۲/۲)۔

"مامن ثلاثة فی قرية ولا بدو لاتقام فيهم الصلاة إلا قد استحوذ عليهم الشيطان، فعليک بالجماعة؛ فإنما يأكل الذئب القاصية"(ابوداؤد ۷۱/۱)۔

-"**عن أبی هريرةؓ قال: أن رسول الله ﷺ قال: والذی نفسی بيده لقد همت أن آمر بحطب ثم آمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلی رجال لايشهدون الصلاة، فأحرق عليهم بيوتهم**"(بخاری مع الفتح ۱۲۵/۲، مسلم ۴۵۲/۱)۔

-"**عن عبد الله بن عمرؓ: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة**"(بخاری کتاب الاذان باب فضل صلاۃ الجماعۃ رقم:۶۱۹)، وفی روایۃ:"**بخمس وعشرين درجة، فقد جعل النبی ﷺ الجماعة لإحراز الفضيلة، وذا آية السنن، وقال عبد الله بن مسعود فی الصلوات: إنها من سنن الهدی**"(دیکھئے: بدائع الصنائع ۱۵۵/۱، شامی ۳۷۱/۱، فتح القدیر ۳۰۰/۱، مراقی الفلاح وحاشیۃ طحطاوی ۱۵۶، الدسوقی ۳۱۹/۱، الحطاب ۸۱/۲، القوانین الفقہیہ ۶۹، المہذب ۱۰۰/۱، شرح المحلی علی المنہاج ۲۲۱/۱)۔

-"**المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة فی محلة، فصلی أهله فيه بالجماعة، لايباح تكرار ها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعا، وكذا فی مسجد قارعة الطريق**"(الفتاوی الہندیہ ۸۳/۱، مکتبہ شاملہ، مقالہ: ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا راشد ندوی)۔

-"**نعم قد علمت أن الصحيح أنه لا يكره تكرار الجماعة إذالم تكن علی الهيئة الأولی......وعن أبی يوسف إذا لم تكن علی الهيئة الأولی لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة**"(ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فی فقہ الحنفی ۳۹۵/۱، طبع دار الفکر للطباعۃ والنشر: ۱۴۲۱ھ)۔

-"**ولا تكره إعادة الجماعة فی غير مسجد الثلاثة، معنی إعادة الجماعة (إلی) استحب لهم أن يصلوا جماعة، وهذا قول ابن مسعود و عطا، والحسن والنخعی واسحاق، و مالک والثوری والليث وأبو حنيفة والشافعی: لاتعاد الجماعة فی مسجد له إمام راتب**"(۷/۲-۸، وکذا فی المجموع ۸۵/۴)۔

-"**ويكره أن تقام جماعة فی مسجد بغير إذن إمامه الراتب قبله أوبعده أو معه خوف الفتنة، إلا أن كان المسجد مطروقا، فلا يكره إقامتها فيه، وكذا لولم يكن مطروقا، وليس له إمام راتب أوله**

راتب، وأذن في إقامتها، أولم يأذن وضاق المسجد عن الجميع"(مغنی المحتاج ۱/۴۲۱،المجموع ۴/۱۹۳،الأم ۲/۲۹۲، البیان ۲/۳۷۳)۔

-"بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق؛لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدي إلى تقليل الجماعات، وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله؛ لأنه لا يؤدي إلى تقليل الجماعة، لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف، فيحضرون حينئذ"(بدائع الصنائع کتاب الصلاۃ فصل فی بیان محل وجوب الأذان ۱/۳۸۰)(دیکھئے:مقالہ مولانا اسجد دیولوی)۔

-"وقدمنا في باب الأذان......وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية، وفي التاتارخانية عن الولوالجية:وبه نأخذ"(ردالمحتار ۲/۲۹۸)(مفتی صالح الزماں قاسمی ازہری وغیرہ)۔

-"جماعة من أهل المسجد إذا نوى في المسجد على وجه المخافتة بحيث لم يسمع غيرهم، وصلوا، ثم حضر قوم من أهل المسجد، ولم يعلموا ما صنع الفريق الأول، وإذا نوى على وجه الجهر والإعلان، ثم علموا ماصنع الفريق الأول، فلهم أن يصلوا بالجماعة على وجهها لا غيره بالجماعة الأولى؛لأنها ماأقيمت على وجه السنة بإظهار الأذان والإقامة، ولا يبطل حق الباقين"(المحیط البرہانی ۱/۴۰۳)(مقالہ مفتی محمد عثمان بستوی)۔

اردو فتاوی:

-"اگر کبھی کسی عذر کی بنا پر جماعت ثانیہ کر لی جائے تو جائز ہے، لیکن اس کی عادت بنالینا گناہ ہے"(کتاب النوازل ۴/۵۱۵،مفتی سلمان منصور پوری)۔

-"کرونا بھی عذر ہی ہے، اس وجہ سے جب تک یہ مرض رہے گا اس وقت ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کر سکتے ہیں، البتہ حالات درست ہونے کے بعد ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا، اس بارے میں مفتی عبید اللہ اسعدی صاحب لکھتے ہیں:

-"اسی طرح جب کرونا جیسی صورت حال میں ایک محدود تعداد کی جماعت کی اجازت ہے اور اسی تعداد میں لوگ دوسری جماعت کرنا چاہیں تو اس کی بھی گنجائش ہوگی"(کرونا مسائل واحکام/۵۰،ازمفتی عبید اللہ الاسعدی)۔

دوسرا رجحان:

ایک بار مسجد میں باجماعت نماز ہوجانے کے بعد دوبارہ جماعت کو مندرجہ ذیل حضرات نے مکروہ، نامناسب اور

بہتر نہ ہونے کی بات کہی ہے:

مفتی محمد معز الدین قاسمی (اورنگ آباد) مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مولانا عبدالحق ندوی (رامپور)۔

عقیل الرحمٰن قاسمی، سخت مجبوری میں گنجائش ہے، مگر کرونا ایسی مجبوری نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی اجازت دی جائے (مقالہ موصوف ر ۳)۔

دلائل واستشہاد:

-"ألا صلوا فی بیوتکم، ألاصلوا فی رحالهم" (بخاری کتاب الأذان باب من قال لیؤذن فی السفر موذن واحد)۔

-"وإن صلى فی مسجد حیة مفردافحسن"(ردالمحتار)۔

-"لأن التکرار یؤدی إلى تقلیل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون، فتکثرا الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم یتأخرون فتقل الجماعة ، وتقلیل الجماعة مکروه، بخلاف المساجد التی على قوارع الطریق"(بدائع الصنائع کتاب الصلاة تکرار الجماعة فی المسجد ۱ر ۳۸۰)۔

-"رجل دخل مسجدا قد صلى فیه أهله، فإنه یصلی بغیر أذان وإقامة؛لأن فی تکرار الجماعة تقلیلها"(البحرالرائق کتاب الصلاة باب الامامة ۱ر ۶۰۵)۔

-"عن کثیر عن الحسن قال: کان أصحاب محمد ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلی فیه، صلوا فرادی......حدثنا هشیم، قالا خبرنا منصور عن الحسن، قال:إنما کانوا یکرهون أن یجمعوا مخافة السلطان"(المصنف لابن أبی شیبه، کتاب الصلاة باب من قال یصلون فرادی ولا یجمعون، وباب فی القوم یجیؤن إلی المسجد وقد صلی فیه۔رقم:۷۱۸۸، ۷۱۷۷، ۵ر ۵۵-۵۳، المجلہ العلمی سملک)۔

-"ننصح بإقامة صلوة الجماعة فی البیوت عند تعذر إقامتها فی المساجد للسبب المذکور، والصبر على هذا الوضع واحتساب أجره، وتکثیر الدعا کی یفرج الله على الإنسانیة، هذه الکربة الشدیدة"(فتاوى العلماء حول فیروس کرونا مسائل فقهیة وآداب شرعیة، فتوى رقم ۳ر ۲۹)۔

-"أن الحنفیة قالوا: یکره تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة، إلا إذا صلى بها فیه أولا غیر أهله، أو أهله لکن بمخافتة الأذان، أو کرر الجماعة بدون الأذان والإقامة أو کان مسجد طریق، أو مسجدا لا إمام له ولا مؤذن، ویصلی الناس فیه فوجا فوجا،والأفضل أن یصلی کل فریق

بإذان وإقامة على حدة، والمراد بمسجد محله ماله إمام وجماعة معلومين، والكراهة إذا تكرر الأذان، فلوصلى جماعة فى مسجد المحلة بغير أذان أبيح، لكن ظاهر الرواية عند الحنفية أنه مكروه، فما يفعل فى بعض المساجد من الصلاة بأئمة متعددة وجماعات مترتبة مكروه عندهم

ودليلهم أنه عليه الصلاة والسلام كان قد خرج ليصلح بين قوم، فعاد إلى المسجد، وقد صلى أهل المسجد، فرجع إلى منزله فجمع أهله وصلى، ولو جاز ذلک لما اختار الصلاة فى بيته على الجماعة فى المسجد، ولأن ذلک حامل على تكثير الجماعة، فلو أبيح التكرار بدون كراهة لا يجتمع الناس، لعلمهم أن الجماعة لاتفوتهم"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲؍ ۱۶۴)۔

کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

ب-مساجد میں جمعہ کی ایک سے زائد اور محلے کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں:

یہ سوال دو جز پر مشتمل ہے، نمبر:۱-وہ مساجد جہاں پہلے سے نماز جمعہ قائم ہے، کرونا جیسی صورت حال میں ان مساجد میں ایک سے زائد نماز جمعہ کا قیام شرعا درست ہے یا نہیں۔

۲-اگر مساجد تنگ پڑ جائیں یا حالات کی وجہ سے مساجد میں لوگوں کا ایک ساتھ جمع ہو کر نماز جمعہ ادا کرنا، خواہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہو یا حکومت کی ممانعت کی وجہ سے، ممکن نہ ہو تو محلّہ کے مختلف مقامات، دالان وبیٹھک وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر جمعہ ادا کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟۔

مقالہ نگاران کا موقف:

اس سوال کے جواب میں ۳۷ مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ کرونا جیسی صورت حال، مسجد کی تنگی یا مسجد میں ایک ساتھ لوگوں کے جمع ہونے پر پابندی کی وجہ جمعہ سے جیسے اجتماعی فریضہ کی ادائیگی اہم ہونے کی وجہ سے مساجد میں جمعہ کی نماز کی ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہے، تاکہ لوگ اس اہم فریضہ کی سعادت سے محروم نہ رہیں، نیز یہ کہ تقلیل جماعت کے جس خدشہ کی وجہ سے تکرار جماعت سے منع کیا گیا ہے وہ یہاں مفقود ہے، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ مندرجہ ذیل حضرات مقالہ نگاران کا ہے:

مولانا محمد سعد نور القاسمی، مفتی سلیم الدین قاسمی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، محمد صابر حسین ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی اسعد پالنپوری فلاحی، مولانا سلمان بن سلیمان حسینی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی امانت علی قاسمی، مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، ابراہیم ورتھی فلاحی، مفتی اسجد دیولوی، مفتی محمد حذیفہ داحودی، ڈاکٹر ظفر الاسلام

صدیقی، مولانا محمد صالح الزماں قاسمی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی فیاض احمد محمود حسینی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی غلام اللہ کاوی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مفتی عباد اللہ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، ڈاکٹر محمد مبین سلیم، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی یحیی معین سمر، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی حافظ صادق محی الدین فہیم۔

دلائل وشواہد:

-"**وعنه لا بأس به مطلقا إذا صلى في غير مقام الإمام**" (البحر الرائق ۱/۳٦۷)۔

-"**الضرورات تبيح المحظورات**"۔

-"**الضرر الأشد يزال بضرر الأخف**" (شرح المجلہ ۱/۳۱، ۲۷)۔

-"**إذا تعارض مفسدتان روعى أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما**" (مجموعہ قواعد الفقہ ۱۴، شرح المجلہ ۱/۳۲، ۲۸)۔

-"**يختار أهون الشرين**" (شرح المجلہ ۱/۳۲، ۲۹) (ماخوذ از مفتی عبد اللہ کاوی والا)۔

-"**واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز للضرورة، كما فعل عليؓ في محاصرة عثمانؓ، وإن فعلوا ذلك لغير ما ذكر لا يجوز لعدم الضرورة، وروى ذلك عن محمد في العيون وهو الصحيح**" (حاشیہ علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ۱/۳۲۸، احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی الحنفی) (ماخوذ از مولانا اختر امام عادل)۔

ان نظائر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ شریعت میں اقامت جمعہ کی جو اہمیت ہے فقہاء نے اپنے اجتہادات میں اس کو بڑی اہمیت دی ہے، اس لئے تکرار جماعت کی کراہت سے بڑھ کر یہ ہے کہ کچھ مسلمان جمعہ کی سعادت سے محروم ہو جائیں، لہٰذا راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ:

الف- اولاً تو مسجد کے ذمہ داران اس بات کی کوشش کریں کہ جمعہ کے لئے مستقل طور پر کوئی ہال حاصل ہو جائے۔

ب- جب تک یہ سہولت حاصل نہ ہو، تکرار جماعت ہی کے ذریعہ سہی، مسلمانوں کو جمعہ سے محروم نہ ہونے دیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے ان کی دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر مرتب ہوگا۔

ج- صورت یہ ہو کہ صرف پہلی جماعت سے پہلے اذان اور اقامت ہو، دوسری یا تیسری جماعت کے لئے اذان اور اقامت نہ کہی جائے، تاکہ اس قول کے مطابق کہ "دوسری جماعت بغیر اذان واقامت کے درست ہے"، تکرار جماعت درست قرار پائے۔

د- پہلی جماعت میں امام جہاں کھڑا ہو، دوسری جماعت میں اس سے کسی قدر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اور دوسری جماعت میں امام کی جو جگہ ہو، تیسری جماعت میں امام اس سے ہٹ کر نماز پڑھائے، اس طرح تغیر ہیئت کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، جو امام ابو یوسف کے قول پر مکروہ نہیں ہے۔

ھ- یہ بات بھی مناسب ہوگی کہ مسجد کا مقررہ امام آخری جماعت کی امامت کرے، تاکہ اس کا شمار اہل محلّہ کی جماعت میں ہو اور پہلی جماعتوں کا شمار غیر اہل محلّہ کی جماعتوں میں ہو اور غیر اہل محلّہ کی جماعت کے بعد بھی اہل محلّہ کی جماعت بالاتفاق درست ہے (کتاب الفتاوی ۳/ ۸۰-۸۱، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)۔

-"**ولو كرربدونهما......جاز إجماعا**" (شامی ۱/ ۴۰۸)۔

-"**أما إذا صلوا بغير أذان جاز إجماعا**" (ہندیہ ۱/ ۸۳)۔

-"**قوله: ترک واحد منهما(إلى أن قال) فإن دخل مع رفقائه في مسجد قد صلى فيه بأذان وإقامة، وصلى مع الجماعة لم يؤذن ولا بأس بالإقامة، بل هو الأفضل بناء على أن تكرار الأداء في وقت واحد مشوش، والإقامة للحاضرين وهم في الجماعة الثانية غير الأولين، فينبغي لهم الإقامة**" (شرح الوقایہ ۱/ ۱۳۶، باب الأذان، عمدۃ الرعایہ، عبدالحئی فرنگی محلی)۔

-"ایک مسجد و جگہ میں ایک سے زائد جماعت کے لئے ضروری ہے کہ امام الگ الگ ہو، نیز جماعت کے لئے خطبہ اور اذان خطبہ بھی ہو" (کرونا مسائل واحکام، مولانا عبید اللہ اسعدی/ ۵۱)۔

-"**فيجوز التعدد للحاجة بحسبها؛ الأن الإمام الشافعي** ؓ-**دخل بغداد وأهلها يقيمون بها جماعتين**" (حاشیہ بجیرمی علی الخطیب ۲/ ۱۹۵)۔

-"**إلا أن عسر اجتماع الناس بموضع لكثرتهم أو للقتال بينهم، أوبعد أطراف البلد، فيجوز التعدد بقدر الحاجة**" (العباب ۲/ ۲۸۸) (مفتی فیاض احمد محمود برمارے)۔

"سد الذریعۃ" اس کی اجازت ہے، تاکہ لوگ جمعہ چھوڑ دینے کے عادی نہ ہو جائیں، یا ہمیشہ اس نعمت سے محروم نہ رہیں (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

-"اگر وہاں قریب میں کوئی ایسا مکان یا بڑا ہال میسر ہو کہ اس میں جمعہ کی دوسری جماعت ادا کی جاسکتی ہو تو وہ صورت اختیار کی جائے اور اگر ایسا کوئی مکان یا ہال میسر نہیں ہو تو بدرجہ مجبوری جمعہ کی دوسری نماز اسی مسجد میں قائم کی جاسکتی ہے، البتہ اس کے لئے ایسی ترتیب اختیار کی جائے کہ دونوں جماعتوں کا حق ادا ہو کہ کسی ایک کی تقلیل یا اسکی طرف سے

بے اتفاقی لازم نہ آئے'' (محمود الفتاوی ۳/۱۸۹)۔

-'' اصل یہ ہے کہ مسجد میں ایک ہی جماعت ہو، اس لئے اس کے لئے کوشش جاری رکھنی چاہئے اور جب تک یہ سہولت نہ پہنچے تکرار جماعت کے ساتھ ہی سہی تمام آنے والوں کے لئے جمعہ کی سہولت برقرار رکھنا چاہئے، کہ اس سے فریضہ دین کی اہمیت لوگوں کے ذہن میں باقی رہے گی، اور ان کے ذہنوں میں اپنی مذہبی شناخت بھی قائم رہے گی'' (کتاب الفتاوی ۳/۸۱)۔

-'' اگر شہر میں اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد دور دور تک نہیں ہے، جہاں جا کر یہ لوگ اپنا فریضۃ ادا کر سکیں اور دوسری جماعت کرنے کے لئے کوئی دوسری جگہ بھی نہیں ہے، اور دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کی ایک بھاری تعداد جمعہ سے محروم ہو جاتی ہے اور اس تعداد کو وقت پر حاضر ہونے میں کوئی تاخیر بھی نہیں ہوتی ہے تو ایسی شدید ضرورت کے تحت اس مسجد میں دو مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی جانے کی گنجائش ہے، اگر یہ اعذار نہیں ہیں تو جائز نہیں ہے، جماعت ثانیہ کے لئے باقاعدہ اذان نہ دی جائے، اس کی گنجائش اس وقت تک ہے جب تک دوسری مسجد کا نظم نہ ہو، سب لوگوں پر ضروری ہے کہ دوسری مسجد قائم کرنے کا انتظام کریں، تکرار جماعت کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت متاثر ہوتی ہے، یہاں سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل جماعت متاثر نہیں ہے، نیز یہاں تکرار جماعت نہ کیا جائے تو شہر کی بھاری تعداد کو جمعہ سے محروم ہونا پڑے گا'' (فتاوی قاسمیہ ۶/ ۲۱۴-۲۲۴-۲۲۵،۹/۲۷۴، مفتی شبیر احمد قاسمی)۔

-'' بڑے شہروں وغیرہ میں اگر ایک مسجد میں بیک وقت سب نمازی نہ سما پائیں اور دوسری جماعت کی ضرورت ہو تو اولی یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ کسی قریبی ہال یا میدان میں جمع ہو کر دوسری جماعت کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ایک مسجد میں تکرار جماعت کا محظور لازم نہ آئے، لیکن اگر دوسری جگہ جماعت کرنے کا انتظام ممکن نہ ہو تو ایک ہی مسجد میں دوسرے امام کی اقتداء میں مابقیہ لوگ جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں، کیونکہ یہاں تکرار جماعت کی علت تقلیل جماعت نہیں پائی جا رہی ہے، دوسری مرتبہ جو جماعت ادا کی جا رہی ہے، اس کے لئے اذان واقامت نہیں کہی جائے گی، اگر نمازی زیادہ ہوں اور جماعت کے لئے کوئی اور جگہ دستیاب نہ ہو تو بارش کی شدت کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں تکرار جماعت کی گنجائش ہے (کتاب المسائل ۱/۴۲۱، کتاب النوازل ۲/ ۵۱۵، ۵۱۹) (ماخوذ از مقالہ مفتی محمد حذیفہ داحودی)۔

-''شرط أن يصلى مع الإمام ثلاثة فأكثر لإجماع العلماء على أنه لا بدفيها من الجماعة'' (ابن عابدین، البحر الرائق باب صلاۃ الجمعۃ ۲/۱۶۱)۔

-''اعلم أن الجمعة فريضة بالكتاب والسنة، أما الشرائط فی المصلی لوجوب الجمعة

فالإقامة والحرية والذكورة والصحة لحديث جابر قال: قال رسول الله ﷺ : من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة، إلا مسافر ومملوك وصبى وامرأة ومريض، فمن استغنى عنها بلهو أو تجارة استغنى الله عنه، والله غنى حميد" (المبسوط للسرخسی ۲/۲۱، باب صلاۃ الجمعہ)۔

-"وإن كان المسجد صغيرا من مساجد المحال والأسواق التى يؤم فيها جيرانها جاز إقامة الجماعة بعد جماعته والجهربالأذان بعد أذانه، والله اعلم" (الحادی الکبیر ۲/۶۵ باب صفۃ الآزان وما یقام بہ من الصلوات)۔

-"وأما الخطبة، فالدليل على كونها شرطا فى قوله تعالى: "فاسعوا إلى ذكر الله" والخطبة ذكر الله، فتدخل الأمر بالسعى بها من حيث هى ذكر الله، أو المراد من الذكرهى الخطبة، وقد أمر بالسعى إلى الخطبة، فدل على وجوبها، وكونها شرطا لانعقاد الجمعة" (بدائع الصنائع ۱/۵۸۹) (مقالہ مولانا محمد سلیم الدین قاسمی)۔

تکرار جماعت جمعہ فی المساجد سے متعلق دوسرا موقف:

مساجد میں دوبارہ جمعہ کی نماز کے قیام سے متعلق مندرجہ ذیل حضرات کی رائے یہ ہے کہ مساجد میں دوبارہ جماعت کی اجازت نہیں ہے، مکروہ ہے، جن لوگوں کی جماعت رہ جائے وہ یا تو کسی دوسری جگہ جماعت کا اہتمام کریں یا پھر اپنے اپنے گھروں پر تنہا ظہر ادا کریں اور کرونا جیسے حالات میں بھی جماعت ثانیہ سے احتراز ہی بہتر ہے (مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی معز الدین قاسمی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا عبدالخالق ندوی)۔

جبکہ مولانا رحمت اللہ ندوی نے اس بارے میں دونوں طرح کا رجحان قدرے تفصیل سے ظاہر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"مسجد تنگ ہونے اور نمازیوں کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد سے باہر جمعہ کی جماعت کرنے سے بہتر دوسری جماعت کر لینا ہے، بالخصوص ہندوستان کے موجودہ حالات میں، جبکہ ذرا ذرا سی بات پر، بلکہ بغیر کسی بات کے شر پسند عناصر کی طرف سے فساد پھوٹ پڑتا ہے"۔

اور اگر بعض شہروں میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت ہوتی ہے اور اس وجہ سے ہوتی ہے کہ لوگ زیادہ ہیں اور مسجد ناکافی ہے، تب تو اجازت ہے، اور اگر کئی مساجد ہیں اور ان میں افراد سما جاتے ہیں کہ مسجد میں دوبارہ جماعت کرنے کی

ضرورت نہیں ہے،تو ایسی صورت میں ہر مسجد کا نظام ایسا بنایا جائے کہ جن کی جماعت چھوٹ جائے وہ نماز جمعہ ادا کرنے سے رہ جائیں تو دوسری مسجد میں جا کر ادا کرسکیں،ایک ہی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنے کی ضرورت نہیں،جیسا کہ آج کل مساجد کا نظام اسی طرح ہوتا ہے''(دیکھئے موصوف کا مقالہ خلاصۃ الجواب)۔

مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی لکھتے ہیں کہ اس کی اجازت سخت مجبوری میں،اور کرونا وائرس سخت مجبور نہیں ہے۔

دلائل وشواہد:

-''ویکره تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة، لافی مسجد طریق أو مسجد لاإمام له ولامؤذن''(حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۵۰۳)۔

-''فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ، فی منزل بعض أهله، فجمع أهله فصلی بهم جماعة......ولولم یکره تکرار الجماعة فی المسجد لما ترکها رسول الله ﷺ مع علمه بفضل الجماعة فی المسجد''(بدائع الصنائع ۱/ ۳۰۷،اعلاء السنن ۴/ ۲۵۱،مجمع الزوائد ۱/ ۱۶۰)۔

-''صلوا فی المسجد فرادی''(کتاب الأم ۱/ ۳۰۷،المدونۃ الکبری ۱/ ۸۹،اعلاء السنن ۴/ ۲۴۸)۔

وغیرہ دلائل اوپر گذر چکے ہیں،اس لئے تکرار سے بچتے ہوئے یہاں مزید دلائل نقل کرنے سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

۲-محلوں کے چھوٹے چھوٹے مکانات میں متعدد مقامات پر جمعہ کا قیام:

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ موجودہ کرونا جیسی صورت حال میں تا کہ لوگ جمعہ جیسی مبارک عبادت سے محروم نہ رہیں،چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شرعاً گنجائش ہے،اگر یہ سہولت ممکن ہو،اور کوئی دشواری نہ ہو بشرطیکہ جمعہ سے متعلق جملہ شرائط وضوابط کا لحاظ کیا جائے،اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا رحمت اللہ ندوی،مولانا سلمان انور قاسمی،مفتی عباد اللہ قاسمی،ڈاکٹر مبین سلیم،مفتی تنظیم عالم قاسمی،مولانا محمد سعد نور القاسمی،مفتی محمد سلیم الدین قاسمی،مولانا محمد صابر حسین ندوی،مفتی جمیل احمد نذیری،مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی،مولانا ابو معاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی،مولانا محمد اشرف قاسمی،مولانا محمد شاہد علی قاسمی،مفتی اسعد پالنپوری فلاحی،مولانا سلمان بن سلیمان حسینی،مفتی امانت علی قاسمی،محمد اکرم اسلم رشید،مفتی سلمان پالنپوری قاسمی،مولانا ابراہیم ورتھی فلاحی،مولانا اسجد دیولوی،مولانا محمد حذیفہ داحودی،ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی،مولانا محمد صالح الزماں قاسمی،مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی،مولانا محمد فیاض احمد محمود برماروے،مفتی راشد حسین ندوی،مولانا محمد زبیر ندوی،مولانا عبید اللہ ندوی،مولانا اختر امام عادل،مفتی

عبداللہ کاوی والا، مولانا عبدالتواب اناوی، ڈاکٹر سید اسرارالحق سبیلی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی خیرآبادی، مفتی یحییٰ معین سمر، مفتی صادق محی الدین فہیم، مفتی محمد سلطان قاسمی کشمیر، مفتی ابوبکر قاسمی۔

دلائل وشواہد:

مذکورہ حضرات نے اپنے اس موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

-"وفی رواية: عن ابن عمرو أبی هريرةؓ: أنهما رسول الله ﷺ يقول علی أعواد منبره: لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات أو ليختمن الله علی قلوبهم،ثم ليكونن من الغافلين"(صحیح مسلم حدیث نمبر:۸٦۵،وقال ایضا:الجمعۃ علی من سمع النداء-ابوداؤد ١٠۵٦)۔

-"وفی حديث ابن عمر قال رسول الله ﷺ: من ترک ثلاث جمع تهاونا طبع علی قلبه"(المبسوط للسرخسی ۲/۲۵)۔

-"وفی الفتاوی الغياثية: لوصلی الجمعة فی قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قری، وفيها وال وحاكم جازت الجمعة بنو المسجد أو لم يبنوا، والمسجد الجامع ليس بشرط، ولهذا أجمعوا علی جواز ها بالمصلی، وفی فناء مصر"(کبیری/۵۵١ فصل فی صلوۃ الجمعۃ)۔

-"(قوله دفعا للحرج) لأن فی إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا"(شامی باب الجمعہ ۳/١۵،١۳۵)۔

-"ومتی كانت أی الجماعة فرض كفاية (فتحب)اقامتها(الشعار) أی شعار الجماعة فی تلک المحلة بإقامتها فی كل موداة من الخمس بخمس بجماعة ذكور أحرار بالغين......فإن كانت كبيرة اشترط تعددها فيها بادية أو غيرها، ولا يكفی فعلها فی نحومحل ولا فی البيوت، وإن ظهرت فی الأسواق، لأن الشعار لا يحصل بذلک، ومقتضی هذا التعليل أنه إذا ظهر بها الشعار الاكتفاء بذلک وهو المعتمد، كما نقله القاضی أبو الطيب عن أبی اسحاق، كأن فتحت أبوابها بحيث لا يحتشم كبير ولا صغير من دخولها، ومن ثم كان الأوجه الاكتفاء بإقامتها فی الأسواق إن كانت كذلک، وإلافلا؛لأن لأ كثرالناس مروات تأبی دخول بيوت الناس والأسواق ولا يشترط اقامتها بجمهورهم، بل تسقط بطائفة قليلة ظهر الشعار بهم۔وأما فی القرية الصغيرة فلا يشترط تعددها فيها لحصول الفرض بدونه، وضبط الشيخ أبوحامد القرية الصغيرة بأن يكون فيها نحو ثلاثين رجلا،

والظاهر أنه تقريب بل لو ضبط ذلک بالعرف لكان أقرب إلى المعنى"(نہایۃ المحتاج ۱۳۶/۲، ۱۳۷)(مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی)۔

''جمعہ بغیر جماعت کے نہیں اور حنفیہ کے یہاں اس کے لئے کم از کم چار افراد، عاقل بالغ مرد ہونا معروف قول کے مطابق ضروری وکافی ہے، لہذا کسی گھر یا کسی جگہ اگر چار عاقل بالغ مرد موجود ہوں تو وہ جمعہ ادا کر سکتے ہیں، ایک امام اور تین مقتدی''(کرونا مسائل واحکام/۴۸)۔

جامعہ بنوری ٹاؤن نے بھی گھر میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے(فتوی آن لائن)۔

-"والخامس من شروط صحة الجمعة، الإذن العام، كذا فى الكنز، لأنهامن شعائر الإسلام وخصائص الدين، فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم، حتى غلق الإمام باب قصره أو المحل الذى يصلى فيه بأصحابه لم يجز، وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت، ولكن لم يقض حق المسجد الجامع، فيكره"(مراقی الفلاح ۱/ ۱۹۴)۔

-"عن عبد الرحمن بن بكر عن أبيه أن رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الأنصار، فرجع وقد صلى فى المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ فى منزل بعض أهله، فجمع أهله، فصلى بهم جماعة"(ردالمحتار مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد ۵۹/۲)۔

-"وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب، وعليه الفتوى، شرح المجمع للعينى وإمامة فتح القدير: دفعا للحرج، وفى الرد:قوله: (مطلقا) أى سواء كان المصر كبيرا، أولا، سواء كان التعدد فى مسجدين أو أكثر، هكذا يفاد من الفتح ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة، قوله: (دفعا للحرج) لأن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لا ستدعاء تطويل المسافة على أكثر الحاضرين، ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد، بل قضية الضرورة عدم اشتراط لا سيما إذا كان مصرا كبيرا كمصرنا"(الدرمع الرد ۱۶/۳-۱۵۔الہندیہ ۳۰۶/۲)۔

-"فى الدر: والسابع الأذن العام من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين فلا يضر غلق باب القلعة لعدوأ وعادة قديمة؛لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا للمصلى، نعم لولم يغلق لكان أحسن.....وفى الرد:والذى يضرإنما هو منع المصلين لا منع العدو"(الدرمع الرد ۲۵/۳)۔

-"(قوله: الإذن العام) اى أن يأذن للناس إذناعاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه، وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وكذا فى البرجندى اسماعيل، وإنما كان هذا شرطا، لأن الله تعالى شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله:"فاسعوا إلى ذكر الله"(الجمعه: ۹) والنداء للاشتهار، وكذا تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها، فاقتضى أن تكون الجماعات كلها ماذونين بالحضور تحقيقا لمعنى الإسم"(الدرالمختارمع الرد۲/۱۵۱)۔

-"وكذا السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى داره، فإن فتح بابها، وأذن للناس اذناعاما جازت صلاته، شهد تها العامة أولا، وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز، لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، ولايحصل إلا بالإذن العام"(ردالمحتار۱/۶۰، کتاب الجمعہ)۔

''اگر چھاونی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے، گھر چھاونی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آ سکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے، بلکہ انتظام مقصود ہے(امدادالاحکام ۱/۷۵۱، طبع دارالعلوم کراچی)۔

متفرق رجحانات:

مفتی عثمان بستوی: مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ وثالثہ ضرورت کے وقت، گھروں پر جمعہ کے قیام سے افضل ہے۔

ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی: گھروں میں جمعہ کی جماعت بہتر نہیں ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی: نماز جمعہ گھروں وغیرہ میں قائم کرنا درست نہیں ہے۔

مولانا عبدالخالق ندوی: گھروں اور محلے کے چھوٹے چھوٹے مکانات میں جمعہ کے قیام کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ دوراول اوردورصحابہ میں ایسا نہیں کیا گیا۔

مفتی معزالدین قاسمی: اپنے اپنے گھروں میں جمعہ نہیں پڑھیں گے، کیونکہ جمعہ کی جو حکمتیں ذکر کی گئی ہیں وہ اس کے خلاف ہیں۔

مفتی باقرارشد قاسمی: جمعہ کی جماعت گھر پر بنانا جائز نہیں ہے۔

مفتی یحیٰ معین سمر: اگر مساجد میں دوتین جماعت کی اجازت ہے تو پھر محلے کے مکانات میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۳- جمعہ کے دن جو لوگ جمعہ نہ پڑھ سکیں وہ ظہر کی نماز با جماعت ادا کریں یا تنہا:

اس بارے میں مقالہ نگاران کے درمیان دونوں طرح کی رائے پائی جاتی ہے، جبکہ بعض حضرات دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیتے ہیں۔

پہلی رائے: (جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا بہتر ہے):

کرونا وبا کی وجہ سے جو لوگ شہر میں جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکیں انہیں اپنے گھر میں ظہر پڑھنی چاہئے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے کہ ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا اولی ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا عبد الخالق ندوی، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مولانا سلمان انور قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد حذیفہ داحودی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبد التواب اناوی، مفتی فیاض احمد محمود حسینی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی۔

ان حضرات میں سے مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، ڈاکٹر مبین سلیم، مولانا محمد اسعد پالنپوری فلاحی، مفتی محمد حذیفہ داحودی اور مولانا محمد صالح الزماں قاسمی کا خیال ہے کہ تنہا اور با جماعت دونوں طرح سے نماز ظہر ادا کرنے کا اختیار ہے، مولانا ابو معاویہ معین الدین کے خیال میں اگر لوگ ہوں تو جماعت، ورنہ نہیں۔

اسی طرح مفتی محمد عثمان بستوی کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کے لئے گھروں میں با جماعت ظہر ادا کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ جمعہ کے معارض نہیں ہے۔

دلائل وشواہد:

-"**ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادى لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة**" (الفتاوی الخانیۃ علی ہامش الہندیہ کتاب الصلاۃ ۱/ ۱۷۷)۔

-موجودہ خاص صورت حال میں با جماعت ظہر ادا کرنے کی اجازت دینی چاہئے کہ جمعہ کے محل میں کچھ حق جمعہ کسی شکل میں ادا ہو جائے (کرونا مسائل واحکام/ ۵۶، مفتی محمد عبید اللہ اسعدی)۔

-صورت معارضہ موجود نہیں ہے، اس لئے ظہر کی نماز کی جماعت مکروہ نہیں ہوگی۔

-"**عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ صلاة الرجل فى بيته بصلاة وصلاته المسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وقوة فبا المسجد الذى يجمع فيه بخمسهأة صلاة وصلاة فى المسجد الأقصى**" (مشکوۃ/ ۷۲)۔

-”اثنان فما فوقهما جماعة“(بخاری حدیث نمبر:۹۷۲)۔

-”ولنا ماروی عبد الرحمن ابن أبی بکر عن أبیه رضی الله عنهما-أن رسول الله ﷺ خرج من بیته لیصح بین الأنصار لتستاجر(جوی)بینهم، فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ فی منزل بعض أهله، فجمع أهله فصلی بهم جماعة“(بدائع الصنائع ۱/۳۷۹،اخرجہ الطبرانیف یا لأوسط ورجالہ ثقات کذافی مجمع الزوائد)۔

-”وأما ما یکره فی یوم الجمعة فنقول تکره صلاة الظهر یوم الجمعة بجماعة فی المصر فی سجن وغیرسجن، هکذا روی عن علیؓ، وهکذا جری التوارث بإغلاق أبواب المساجد فی وقت الظهر یوم الجمعة فی الأمصار، فدل ذلک علی کراهة الجماعة فیها فی حق الکل، ولأنا لو أطلقنا لمعذور إقامة الظهر بالجماعة فی المصر فربما یقتدی به غیر المعذور، فیؤدی إلی تقلیل جمع الجمعة، وهذا لایجوز، ولأن ساکن المصر ماموربشیئن فی هذا الوقت، بترک الجماعات وشهود الجمعة، والمعذور قدر علی أحدهما وهو ترک الجماعات، فیؤمر بالترک، وأما أهل القری فإنهم یصلون الظهر بجماعة بأذان وإقامة، لأنه لیس علیهم شهود الجمعة، ولأن فی إقامة الجماعة فیها تقلیل جمع الجمعة، فکان هذا الیوم فی حقهم کسائر الأیام“(بدائع الصنائع کتاب الجنائز فصل بیان ماتصح بہ صلاۃ الجنازۃ ۲/۲۲۰)۔

-”قال الإمام النووی رحمه الله: قال الشافعی رحمه الله تعالی والأصحاب: ویستجب للمعذورین الجماعة فی ظهرهم“(المجموع ۱/۴/۴۹۳)۔

-”قال الإمام ا لدمیریؒ:ومن لا جمعة علیهم تسن الجماعة فی ظهرهم فی الأصح“ (النجم الوہاج ۲/۱۲۰)۔

-”قال العلامة الشاشیؒ: لأرباب الأعذار أن یوخروا فعل الظهر إلی أن تفوت الجمعة، ثم یصلونها جماعة“(حلیۃ العلماء۲/۲۲۶)۔

-”ذکر القدوری: یجمع بأهله ویصلی بهم، یعنی وینال ثواب الجماعة، کذا فی الفتح“(شامی ۲/۲۹۱)۔

-”قوم لا یجب علیهم أن یحضروا الجمعة لبعد المواضع صلوا الظهر جماعة؛لأنه لا یؤدی

إلى تقليل الجماعة، فإن كانوا في السواد فظاهر، وإن كانوا في المصر فهي مستثناة من كلام المصنف"(البحر الرائق کتاب الصلاۃ باب صلاۃ الجمعۃ ۲/۱۶۶)۔

دوسری رائے:

جمعہ کی جماعت سے رہ جانے والے حضرات کے لئے جمعہ کے دن ان مقامات پر جہاں پہلے نماز جمعہ کا قیام ہوا ہے اور جمعہ کی شرائط بھی پائی جارہی ہے ان مقامات پر گھروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ اور درست نہیں ہے، اس لئے تنہا تنہا ادا کریں گے، کیونکہ اس دن جماعت سے ظہر ادا کرنا نماز جمعہ سے معارضہ کی شکل ہے، جس سے منع کیا گیا ہے، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد زبیر ندوی بہرائچی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی اسجد دیولوی، مفتی ابراہیم ورٹھی فلاحی، مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، مولانا محمد اکرم اسلم رشید (لوناواڑہ)، مفتی امانت علی قاسمی، مولانا سلمان بن سلیمان حسینی، مفتی اسعد پالنپوری فلاحی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی (اجین)، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی محمد سلیم الدین قاسمی، مولانا سعد نور القاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عباد اللہ قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی حافظ صادق محی الدین فہیم، مفتی یحییٰ معین سمر، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی معز الدین قاسمی، مولانا محمد اسعد پالنپوری فلاحی کی رائے میں اگر جماعت سے بھی ادا کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

دلائل وشواہد:

-"**لأن ساكن المصر مأمور بشيئين في هذا الوقت بترك الجماعات وشهود الجمعة والمعذور قدر على أحدهما، وهو ترك الجماعات، فيؤمر بالترك**"(بدائع الصنائع ۱/۲۸۰)۔

-"**وكره تحريما لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة**"(الدر المختار مع الرد ۲/۱۵۷)۔

دار العلوم دیوبند کا فتویٰ:

-" قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لئے جمعہ کا نظم نہ ہوسکے وہ کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں، کیونکہ بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لئے ظہر

کی نماز باجماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علمائے دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے اور جو لوگ ظہر باجماعت کی اجازت دیتے ہیں ان کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتوی کا عدم اطمینان بجا ہے“۔

-”قوله:وصورة المعارضة: لأن شعار المسلمين فی هذا اليوم صلوة الجمعة، وقصد المعارضة لهم يودی إلی أمر عظيم، فكان فی صورتها كراهة التحريم، رحمتی“(شامی ۳/۳۳،زکریا)۔

-جس بڑی آبادی میں عذر کی وجہ سے لوگ مسجد کی جماعت میں شامل نہ ہوسکیں وہ اپنے اپنے گھروں میں بلا جماعت ظہر کی نماز پڑھیں گے،معلوم ہوا کہ ظہر بلا جماعت تنہا تنہا ادا کی جائے گی(موجودہ حالات میں فقہی رہنمائی/۲،مفتی محمد سلمان منصور پوری)۔

-”لأن المامور به فی حق يسكن المصر فی هذا الوقت شيئان:ترک الجماعة وشهود الجمعة، وأصحاب السجن قدرواعلی أحدهما وهو ترک الجماعة، فيأتون بذلک“(المبسوط للسرخسی باب صلاۃ الجمعہ/۳۹۲)۔

-”فی النسفية: سئل عن أهل مصر تركوا الجمعة بعذر مانع يجوز آداء الظهر بالجماعة فی ذلک اليوم؟،فقال:يكره لهم ذلک ويستجب أن يصلوا واحدانا لعموم قول محمد فی كتاب الصلاة“(فتاوی تاتارخانیہ ۲/۵۹۰،مسئلہ نمبر:۳۳۸۶،باب صلاۃ الجمعہ)۔

-”وروی ابن سماعة عن أبی يوسف يكره أن يصلی الظهر يوم الجمعة فی المصر بجماعة فی سجن أو غير سجن، هكذا روی عن علیؓ بخلاف القری حيث يصلی أهلها الظهر بحماعة، وفی الخانية بأذان وإقامة“(تاتارخانیہ ۲/۵۸۹،مسئلہ نمبر:۳۳۸۵)۔

-”لوكان أحدهما أعظم ضررا من الأخر، فإن الأشد يزال بالأخف“(الاشباہ والنظائر القاعدۃ الخامسہ)۔

”أهل القری والبوادی يجوز لهم أن يصلوا الظهر بجماعة بأذان وإقامة يوم الجمعة بخلاف أهل السجن والمرضی يكره لهم الجماعة فی الظهر فی يوم الجمعة“(مختارات النوازل ۱/۳۸۶)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا فتوی:

-ب-”نماز ظہر کے سلسلہ میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: پہلی بات یہ ہے کہ جب مسجد میں جمعہ کی نماز ہوجائے تب گھروں میں ظہر کی نماز ادا کی جائے،اگر اس سے پہلے ظہر کی نماز ادا کرلی تو یہ مکروہ ہے، بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو اس کی

نماز ہی نہیں ہوتی‘‘(تبیین الحقائق ۱؍۲۲۲)۔

دوسرے: جو لوگ گھروں پر ظہر کی نماز ادا کریں، ان کو انفرادی طور پر ظہر ادا کرنی چاہئے، نہ کہ جماعت سے، اس لئے کہ جمعہ کے احترام کا تقاضا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور جماعت نہ ہو، ایک تو ظہر کی جماعت سے شرکاء جمعہ کی تعداد کم ہوتی ہے، دوسرے: معارضہ یعنی ایک دینی شعار کے مقابلہ میں دوسرا عمل انجام دینے کی صورت بنتی ہے، اس لئے بعض مشائخ نے جمعہ کے دن ظہر کے ساتھ جماعت کو مکروہ تحریمی اور بعض نے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، علامہ شامی نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲؍۱۵۷)، نیز اس وقت لاک ڈاؤن یا کرفیو کی وجہ سے لوگوں کے گھروں کی حیثیت ان کے قید خانہ کی سی ہوگئی ہے، اور امام محمد سے منقول ہے کہ انسان قید میں ہو یا قید سے باہر جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہے (محیط برہانی ۲؍۹۲)۔

اس لئے جمعہ کے دن گھروں میں ظہر (انفرادی طور پر) پڑھی جائے‘‘ (وبائی صورت حال میں پیش آنے والے چند اہم مسائل اپریل ۲۰۲۰، انقلاب ایڈیشن، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)۔

-’’**وكره جماعة الظهر لأهل المصر إذا لم يجمعوا المانع**‘‘ (فتاوی ہندیہ ۱؍۱۴۹)۔

-’’**أداء الظهر بجماعة، سواء كان قبل الجمعة أوبعدها، وإنما قيد بالمعذور ليعلم حكم غيره بالأولى، ووجه الكراهة أنها تفضى إلى تقليل جماعة الجمعة، لأنه ربما تطرق غير المعذور للاقتداء بالمعذور، ولأن فيه صورة المعارضة بإقامة غيرها**‘‘ (حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ۱؍۵۲۲)۔

۴-تجہیز وتکفین:

اگر میت کو مخصوص کوَر میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے اور کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو ایسی صورت میں کیا وہی کوَر کفن کے حکم میں ہو جائے گا، یا الگ کفن دینا ضروری ہوگا، اور اگر غسل اور تیمم کے معاملہ میں چہرہ و ہاتھ کے بھی کھولنے کی اجازت نہ ہو تو کیا شہداء کی طرح ان سے غسل وتیمّم ساقط ہو جائے گا؟۔

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ اگر الگ سے کفن پہنانے کی حکومت کی طرف سے ممانعت ہو تو جس پلاسٹک کور میں میت کو لپیٹ کر دیا گیا ہے اسے ہی کفن تصور کیا جائے گا، اور غسل دینے کی ممانعت ہو تو تیمّم کرانے کی کوشش کی جائے گی، اگر ہاتھ اور چہرہ بھی کھولنے کی اجازت نہ ہو تو پھر بدرجہ مجبوری میت سے غسل اور تیمّم دونوں ساقط ہو جائیں گے اور شہداء کی طرح میت کو بغیر غسل وتیمّم کے تعذر کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا، چونکہ اس مسئلہ میں حضرات مقالہ نگاران تقریباً متفق ہیں، اس لئے اسمائے گرامی نقل کرنے سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

متفرق قیودات:

البتہ بعض حضرات نے پلاسٹک کے کور پر پانی بہانے کی بات کہی ہے، جیسے مفتی جمیل احمد نذیری صاحب کہتے ہیں کہ محض دل کی تسلی کے لئے اگر پانی بہانا ممکن ہوتو پائپ سے پانی بہادیا جائے، اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب میت کو چھونے کی اجازت نہیں ہے تو پھر تیمّم کیسے کرادیا جائے گا؟۔

مولانا ابومعاویہ معین الدین ندوی قاسمی بھی کہتے ہیں کہ کور کے اوپر سے پانی بہادیا جائے۔

مفتی محمد سلمان انور قاسمی کہتے ہیں: ''مجبوری میں تیمّم کرایا جائے''۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی کہتے ہیں کہ اگر چہرہ اور ہاتھ کھلا ہوا ہوتو تیمّم کرایا جائے۔

مفتی محمد حذیفہ داحودی کہتے ہیں کہ اگر غسل نہ ہوسکے تو تیمّم کرایا جائے۔

مولانا محمد اسعد پالنپوری فلاحی کہتے ہیں: کور پر تیمّم کرانے سے فریضہ ساقط نہیں ہوگا۔

مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی کہتے ہیں کہ کور کے اوپر کفن لپیٹ دیا جائے۔

مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی نے اپنے مقالہ میں ذکر کیا ہے کہ ''صرف چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی اجازت ہوتو غسل کی جگہ تیمّم کرایا جائے گا، اگر اس کی بھی اجازت نہ ہوتو کور کے اوپر پانی بہایا جائے گا، یا کپڑے سے اس کے اوپر مسح کیا جائے گا، اس کے بعد اسی کور کے اوپر کفن کے کپڑے لپیٹ کر دفن کردیا جائے گا، پابندیوں کی صورت میں جبکہ میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر متعلقین کو سپرد کیا جائے اور کچھ بھی کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو وہی کور کفن کے حکم میں نہیں ہوگا، بلکہ کور کے اوپر سے کفن دینا ضروری ہوگا''۔

دلائل وتائیدات:

اسپتال کی طرف سے دیئے گئے کور کے کفن کے حکم میں ہونے اور مجبوری میں غسل وتیمّم کے ساقط ہونے پر مقالہ نگاران نے مندرجہ ذیل دلائل وتائیدات پیش کئے ہیں:

-''**لایکلف الله نفسا إلا وسعها**'' (سورۂ بقرہ:۲۸۶)۔

-''**فاتقوا الله ماستطعتم**''(سورۂ تغابن:۱۶)۔

-''**لاتلقوا بأیدیکم إلی التهلكة وأحسنوا إن الله یحب المحسنین**''(سورۂ بقرہ:۱۹۵)۔

-''**وإذا امرتکم بأمر فأتوا منه مااستعطتم**''(بخاری باب الاقتدار حدیث نمبر:۷۲۸۸)۔

-''**لاضرر ولا ضرار**'' (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر:۲۳۴۰)۔

-"فيجب نظيره بالغسل شرعاً كرامة له وشرفا، صححه فى الكافى، ونسبه فى البدائع إلى عامة المشائخ، قال فى "فتح القدير وقدروى": فى حديث أبى هريرة سبحان الله إن الميت لا ينجس حيا ولا ميتا۔رواه البخارى" (البحر الرائق ۳٫۳۰۷)۔

-"وشرطها اسلام الميت وطهارته مادام الغسل ممكنا"(الفتاوی الہندیہ ۲٫۳۹۲)(مفتی معز الدین قاسمی)۔

-"ويترك المسح كالغسل أى يترك المسح على الجبيرة، كما يترك الغسل لما تحتها (ردالمحتار) قوله: عن مسح نفس الموضع أى وعن غسله، وإنما تركه؛لأن العجز عن المسح يستلزم العجز عن الغسل"(تحفۃ الاخیار علی الدر المختار للحلبی ۱٫۸)۔

-"وينبغى أن يكون فى حكم من دفن بلاصلاة من تردى فى نحو بئرأووقع عليه بنيان، ولم يمكن إخراجه بخلاف مالوغرق فى بحر لعدم تحقق وجوده أمام المصلى "(ردالمحتار ۳٫۱۰۳)(مفتی تنظیم عالم قاسمی،مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید)۔

-"قوله:كخوف تقطيع الخ: ولم يذكرواهنا مسحا على الجبائر ولا المسح على الكفن وليس من عمل الناس"(التقریرات علی حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱٫۴۱۰)۔

-"بخلاف الطرفين إذالم يستطع غسل الأعضاء ولا التيمم، فإن الأعضاء يجعل كالذاهبة أصلا للعذر، فلهذا يصلى بغير طهارة"(ایضا المعنوی ۱۸۳)(مولانا ابو محمد محمد سعد نور القاسمی)۔

-"من تعذر غسله وتيممه، كما إذا كثرت الموتى جدا، فغسله مطلوب ابتداء ا لكن يسقط للتعذر، ولا تسقط، الصلاة عليه" (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ،حاشیہ دسوقی)۔

-"وإذا دفن قبل أن يغسل يصلى على قبره؛لأنه صار بحال تعذر غسله"(فتاوی والوالجیۃ: ۵۵٫۱۵۵)۔

-"جزم الدارمى وغيره:أن تعذر غسله صلى عليه، قال الدارمى: وإلا لزم أن من أحرق فصار رمادا أو أكله السبع لم يصل عليه، ولا أعلم أحدا من أصحابنا قال بذلک" (مغنی المحتاج ۲٫۳۴۷،کتاب الجنائز-یشترط لصحۃ الصلاۃ تقدم الغسل)۔

-"ويكره أقل من ذلک (و كفن الضرورة لهما ما يوجد) أقله مايعم البدن، وعند الشافعى ما

يستر العورة كالحي-وفي الرد:قوله: عند الشافعي ما يستر العورة كالحي، وظاهره أنه لولم يوجد له ذلک سألوا الناس له ثوبا يعمه، وإن مادون ذلک بمنزلة العدم، وأنه لا يسقط به الفرض عن المكلفين، وإن كان ساترا للعورة مالم يعم البدن، لكن لا يخفيان كفى الضرر ومالايصار إلا عند العجز، فلا يناسب تقييده بشئ، وكذا غير المصنف "بمايوجد".

نعم مايعم البدن هو كفن الفرض كما صرح به في شرح المنية، فيسقط به الفرض عن المكلفين لا بقيد كونه عند الضرورة؛لأنها تقدر بقدرها، ولذا لما استشهد مصعب بن عمير رضی اللہ عنہ يوم أحد ولم يكن عنده إلا نمرة أي كساء مخطط، فكان إذا غطى به رأسه بدت رجلاه وبالعكس، أمر النبي ﷺ بتغطية رأسه بها ورجليه بالإذخر" (بخاری ۲/ ۵۸۵،باب من قتل من المسلمین یوم احد)۔

-"إلا أن يقال: مالايستر البدن لا يكفى عند الضرورة أيضا، بل يجب ستر باقيه بنحو حشيش كالإذخر، ولذا قال الزيلعي بعد سوق حديث مصعب:وهذا دليل على أن ستر العورة وحدها لا يكفى خلاف للشافعي" (ردالمحتار مع الدرالمختار ۳/ ۹۸،باب صلاۃ الجنازۃ،مختارات النوازل ۱/ ۴۰۳،مادہ:۶۸۴)۔

-"مالايدرک كله لا يترک كله" (الاشباہ)۔

-"وقال الكرخي:يصلي وهو الاستحسان؛لأن الأولى لم يعتدبها لترک الشرط مع الإمكان، والأن زال الإمكان فسقطت فرضية الغسل، وهذا يقتضي ترجيح الإطلاق وهو الأولى-نهر"(الدرالمختار مع الرد ۲/ ۲۴۲)۔

فتوی دارالعلوم دیوبند:

"اگر کسی جگہ تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے اور اسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک اور سیل کر دیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعا اجازت نہ ہو اور بہ صورت دیگر مختلف نا قابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دست بردار ہو جانا یا یوں ہی نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دینا درست نہ ہوگا، بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم ساقط ہو جائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔ اور اس صورت میں چونکہ میت کی پیکنگ یا لفافے پر پانی بہانے یا بھیگا کپڑا پھیرنے یا اوپر ہی سے تیمّم کرانے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، اس لئے پیکنگ پر پانی بہانے، مسح کرنے یا تیمّم کرانے کی ضرورت نہیں ہے، لہذا ان سب چیزوں سے پرہیز کیا جائے" (کرونا وائرس کی وجہ سے میت کو غسل دینے سے متعلق دارالعلوم دیوبند کا ایک فتوی-کرونا مسائل واحکام/ص ۱۰۴)۔

-"قال ابن حبیب: ولا بأس عند الوباء وما یشتد علی الناس من غسل الموتی لکثرتهم أن یجتزوا فیه بغسلة واحدة، بغیر وضوء یصب الماء علیهم صبا ولو نزل الأمر الفظیع، فکثر فیه الموتی، فلا بأس أن یدفنوا بغیر غسل أو إذا لم یجد من یغسلهم، ویجعل منهم فی قبر واحد "(الجامع لمسائل المدونۃ ۳/ ۱۰۲۳)۔

-"ولو نزل الأمر الفظیع وکثر الوباء جدا وموت الغرباء، فلا بأس أن یقبروا بغیر غسل إذا لم یوجد من یغسلهم"(التوضیح فی شرح المختصر الفرعی لابن رجب ۲/ ۱۳۶)۔

-"فلو دفن بلا غسل ولم یمکن إخراجه إلا بالنبش سقط الغسل وصلی علی قبره بلا غسل للضرورة، وشرطها ستة، اسلام المیت، وطهارته مالم یهل علیه التراب، فیصلی علی قبره بلا غسل، وإن صلی علیه أولا استحسانا، وأما شهداء غیر المعرکة کالغریق والحریق والمبطون والغریب فیکفن کسائر الموتی، وذلک باتفاق جمیع الفقهاء"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۸-۲۹، درمختار ۲/ ۲۰۷)(مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا اسجد دیولوی، مولانا اختر امام عادل وغیرہم)۔

-"المشقة تجلب التیسیر"(الاشباہ)۔

-"الضرورات تبیح المحظورات"(الاشباہ)۔

-"لا تکلیف إلا بالمقدور" ۔

-"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"(سورۂ حج:۷۸)۔

-"یسروا ولا تعسروا" (حدیث)(مولانا عبید اللہ ندوی)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا فتوی:

-" اسپتال کی طرف سے ہی لاش کپڑے میں کردی جاتی ہو اور حکومت کی طرف سے اس طرح اس کو دفن کرنے کا حکم ہو تو اس صورت میں جس کپڑے میں لپیٹا گیا ہے وہی اس کا کفن ہے اور یہ کافی ہو جائے گا، کیونکہ اس درجہ کا کفن ضروری ہے جس سے میت کا جسم ڈھک جائے اور ستر کے تقاضے پورے ہو جائیں اس پر فقہاء کا اتفاق ہے(سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر: ۴۵، شمارہ جنوری، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)۔

-" اگر ڈاکٹر کسی جھلی یا پلاسٹک میں لپیٹ کر لاش حوالہ کرتا ہے اور اس کو کھولنے سے منع کرتا ہے تو اس جھلی یا پلاسٹک کو کفن کا درجہ دیا جائے گا، جیسے شہید کے خون آلود کپڑے کو اس کے لئے کفن تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ کفن کا اصل مقصد مردے

کا ستر ہے اور وہ اس کور سے بھی حاصل ہوجاتا ہے اور کس قسم کے کپڑے میں مردے کو دفن کیا جائے اس کی شریعت میں کوئی تحدید نہیں ہے (وبائی امراض شرعی مسائل وحل-مفتی سلمان رحمانی قاسمی)۔

-"الميسور لا يسقط بالمعسور" (قاعدہ)۔

-"والواجب هو الغسل مرة واحدة والتكرار سنة، حتى لو اكتفى بغسلة واحدة او غمسة واحدة فى ماء جار جاز، ولوكان الميت متفسخا يتعذر سحه كفن صب الماء عليه، كذا فى التاتار خانيه نقلا عن الغياثية"(ہندیہ الفصل الثانی فی الغسل ۱/۱۵۸-۶۰)۔

-"أولا:بالنسبة لغسل المتوفى من المصابين بهذا المرض، فإن المجلس بعد نقاشات مستفيضة وسوال الأطباء العاملين فى مناطق الوباء–انتهى إلى ترجيح دفن الميت المصاب بداء كورونا بالكيس وفى التابوت الذى خرج به من المشفى، دون تغسيل أو تيمم حتى إن سمع به قانونا وذلك لما ......:

إن تغسيل الميت المسلم على اختلاف بين الفقهاء فى حكمه، فجمهورهم على الوجوب، وفى قول عند المالكيه والحنفية أنه سنة مؤكدة وخلاف معتبر، وسببه: أن الغسل نقل بالعمل لابالقول، والعمل ليس له صيغة تفهم الوجوب أولا تفهمه، كما أنه ورد على سبيل التعليم له، لا الأمربه، والراجح هو وجوب الغسل، لكنه لايقدر عليه، إلا فى الأحوال الطبيعية، أما فى الأحوال الاستثنائية أوقات الأوبئة والطواعين، فيجوز ترک التغسيل والتيمم"(فتاوی العلماء حول فیروس کرونا:البیان الختامی للمجلس الأوروبی للافتاء والبحوث المنعقدہ بتقنیۃ Zoom التواصلیۃ رقم الفتوی ۱۹/۳۰،ص:۴۷ دار البشیر القاہرۃ)(ماخوذ از مقالہ مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

"ولو كان فى مكان ليس فيه إلا واحد، وذلک الواحد ليس له إلا ثوب لا يلزمه تكفينه به"(الدرالمختار کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ الجنازۃ)۔

-"الضرر يزال"(الاشباہ)۔ **-"درأالمفاسد أولى من جلب المنافع"**(الاشباہ)۔

"أما كفن الضرورة أن يكفن فيما يوجد"(المحیط البرہانی ۲/۳۱۶)(مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

قبر پر نماز جنازہ:

۵-بسا اوقات طبی عملہ کورونا کے میت کو خود قبرستان لے جاکر سپرد خاک کرتا ہے اور متعلقین کو حوالہ نہیں کرتا، یا کچھ

کرنے کی اجازت نہیں دیتا؛ بلکہ بعض اوقات تدفین کی خبر دیتا ہے اور جگہ بتا دیتا ہے، اور کبھی تو جگہ بھی نہیں بتاتا، تو ایسی صورت میں:

الف-اگر قبرستان وقبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہوجائے، یا میت کو حوالہ کردے، مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں کیا میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جاسکتی ہے؟ گرادا کی جاسکتی ہے تو اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاران اتفاقی طور پر اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی میت کو بغیر جنازے کے دفن کردیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے، یہ میت کا حق ہے، بشرطیکہ ۱-میت پر کسی نے بھی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو، ۲-میت کے قبر میں نہ پھولنے اور پھٹنے کا ظن غالب ہو، ۳-یہ کہ میت کے ولی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو، چونکہ اس مسئلہ پر تمام مقالہ نگاران کا اتفاق ہے، اس لئے یہاں اسمائے گرامی درج کرنے سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

البتہ قبر میں میت کے جسم کے پھولنے اور پھٹنے سے متعلق مندرجہ ذیل حضرات نے فقہاء کے ذکر کردہ تین دن، دس دن اور ایک ماہ میں اس کے لئے تین دن کو معتدل مدت ہونے کا تذکرہ کیا ہے:

مولانا عبد الخالق ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی ابراہیم ورتھی۔

جبکہ تمام دیگر حضرات نے اماکن واوقات اور جگہوں کے موسم، نیز موسم سرما اور گرما کے لحاظ سے دونوں کی تحدید کو مسترد کرتے ہوئے، میت کے نہ پھولنے اور نہ پھٹنے کے ظن غالب کا ہی تذکرہ کیا ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ اس کی مدت کی کوئی تعیین نہیں ہے، اس لئے جب تک میت کے جسم کے خراب نہ ہونے، نہ پھولنے اور پھٹنے کا ظن غالب ہو اس وقت تک میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

دلائل اور تائیدات:

میت کی قبر پر نماز جنازہ کے جواز پر مقالہ نگاران مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

-"**عن ابن عباسؓ: أن رسول الله ﷺ مر بقبر دفن ليلا، فقال: متى دفن هذا؟فقالوا:البارحة، قال: أفلا أذنتمونى؟،قالوا:دفناه فى ظلمة الليل، فكرهنا أن نوقظك، فقام فصففنا خلفه**"(بخاری ۱/۱۷۶، کتاب الجنائز باب صفوف الصبیان مع الرجال)۔

-"**قال الشعبى: أخبرنى مع مرمع النبى ﷺ على قبر منبوذ فأمهم وصلوا عليه**"(بخاری کتاب الاذان باب وضوء الصبیان ومتی یجب علیہم الغسل ۱/۱۱۸)۔

-"عن عقبة بن عامر أن رسول الله ﷺ خرج يوما فصلى على أهل أحد صلاته على الميت، ثم انصرف إلى المنبر فقال: إنى فرط لكم وأنا شهيد عليكم"(بخاری ۱/۱۷۹، کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی الشہید)۔

-"عن سهل بن حنيف أنه قال: اشتكت امرأة بالعوالى مسكينة، فقال النبى ﷺ: يسألهم عنها، وقال: إن ماتت فلا تدفنوها حتى أصلى عليها، فتوفيت، فجأوابها إلى المدينة بعد العتمة فوجدوا رسول الله ﷺ قد نام، فكرهوا أن يوقظوه فصلوا عليها ودفنوها ببقيع الغرقد فلما أصبح رسول الله ﷺ جأووا فسألهم عنها، فقالوا: قد دفنت يا رسول الله! وقد جئناك فوجدناك نائما، فكرهنا أن نوقظك فال فانطلقوا فانطلق يمشى ومشوا معه حتى أروه قبرها، فقام رسول الله ﷺ وصفوا وراء ه فصلى عليها وكبر أربعا"(نسائی کتاب الجنائز باب الصلاح علی الجنازہ باللیل حدیث نمبر:۱۹۶۹)۔

-"عن أبى هريرة أن امرأة سوداء كانت تعّم المسجد، ففقدها رسول الله ﷺ فسأل عنها بعد أيام فقيل له: إنها ماتت، قال: فهلا أذنتمونى، فأتى قبرها فصلى عليها"(ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلاۃ علی القبر ،حدیث نمبر:۱۵۲۷)۔

-"مالم يهل عليه التراب فيصلى على قبره بلا غسل، وإن صلى عليه أولا، ثم تذكروا أنه دفن بلا غسل استحسانا؛لأن تلك الصلاة لم يعتدبها لترك الطهارة مع الإمكان وسقطت فريضة الغسل"(الردمع الدر ۱/ ۶۴۰)۔

-"وإن دفن وأهيل عليه التراب لغيرصلاة أو بها بلاغسل أو ممن لاولاية له صلى على قبره استحسانا، أى افتراضافى الأوليين وجوازا فى الثالثة، لأنها لحق الولى"(الردمع الدر المختار ۱/ ۶۵۲، کتاب الجنائز)۔

-"مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح؛لأنه يختلف باختلاف الأوقات حرا وبردا، والميت سمنا وهزالا، والأمكنة، وقيل: بقدر بثلاثة أيام، وقيل: عشرة، وقيل:شهر: وظاهره أنه لوشک فى تفسخه صلى عليه، لكن فى النهر عن محمد:لا، كأنه تقديما للمانع"(الردمع الدر ۱/ ۶۵۲، کتاب الجنائز)(مذکورہ دلائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے مقالہ:مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

-"وقيده بعدم التفسخ؛لأنه لا يصلى عليه بعد التفسخ؛لأن الصلاة شرعت على بدن الميت، فإذا تفسخ لم يبق بدنه قائما"(البحر الرائق ۲/ ۳۲۰)۔

-"وإنما كان هذا هو الأصح؛ لأنه يختلف باختلاف الأوقات فى الحر والبرد وباختلاف حال الميت فى السمن والهزال وباختلاف الأمكنة، فيحكم فيه غالب الرأى"(البحر الرائق ۲/۳۲۰)۔

-"فإن صلى غير الولى أو السلطان أعاد الولى؛لأن الحق للأولياء، وإن صلى الولى لم يجز لأحد أن يصلى بعده"(ردالمختار ۳/۱۲۴)۔

-"واتفق القائلون بإجازة الصلاة على القبر إن من شرطه ذلك حدوث الدفن واختلفوا فى هذه المدة وأكثرها شهر"(بدایۃ المجتہد لابن رشد ۱/۱۷۳)۔

-"وعن سعد بن المسيب أن أم سعد ماتت والنبیﷺ غائب فلما قدم صلى عليها، وقد مضى لذالك شهر"(ترمذی، حدیث نمبر: ۱۰۳۸)(مفتی سلیم الدین قاسمی)۔

-"فان دفن ولم يصل عليه صلى على قبره، مالم يغلب على الظن تفسخه لاختلاف الحال والزمان والمكان"(موسوعۃ الفقہ الاسلامی والقضایا المعاصرۃ ۲/۴۲۶)۔

-"عن يزيد بن ثابتؓ قال: خرجنا مع رسول اللهﷺ فلما وردنا البقيع إذا هو بقبر، فسأل عنه؟فقالوا: فلانة فعرفها، فقال:ألا أذنتمونى؟ قالوا كنت قائلا صائما، قال: فلا تفعوا، لا أعرفن ما مات منكم ميت ما كنت بين أظهركم إلا أذنتمونى به، فإن صلاتى عليه رحمة، ثم أتى القبر، فصففنا خلفه، وكبر عليه أربعا"(فتح القدیر مطبوعۃ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ ۲/۱۲۳)۔

-"(والمعتبر فى ذلک)اى فى عدم التفسخ وقوله: (هو الصحيح) احتراز عما روى عن أبى يوسف فى الأمال أنه يصلى على الميت فى القبر إلى ثلاثة أيام، وبعده لا يصلى عليه، وهكذا ذكر ابن رستم فى نوادره، عن محمد عن أبى حنيفة، والصحيح أن ذلک ليس بتقدير لازم؛لأن تفرق الاجزاء يختلف باختلاف حال الميت من السمن والهزال وباختلاف الزمان من الحر والبرد وباختلاف المكان من الصلابة والرخاوة"(عنایہ ۲/۱۲۱)(مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید، مفتی اسجد دیولوی)۔

-"فلو دفن بلا غسل ولم يمكن اخراجه إلا بالنبش سقط الغسل وصلى على قبره بلا غسل للضرورة، ولو دفن الميت قبل الصلاة أو قبل الغسل فإنه يصلى عليه، وهو فى غيره مالم يعلم أنه تمزق، وهذا مذهب الحنفية"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۶۰، ۱۶/۲۸، ۲۹، الفتاوی الہندیہ ۱/۶۵)۔

-اگر لاش متعلقین کے سپرد نہ کی جائے، بلکہ طبی وسرکاری عملہ براہ راست اس کو دفن کردے تو متعلقین کو چاہئے کہ قبر

کا علم ہونے پر وہاں جا کر قبر پر نماز جنازہ ادا کریں، حنفیہ کے یہاں بھی قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت ہے، جبکہ کسی میت کو نماز جنازہ کے بغیر دفن کیا گیا ہو'' (کرونا کے مسائل واحکام ر ۱۶۰، مولانا عبید اللہ اسعدی) (مولانا معین الدین ندوی قاسمی)۔

''وسواء حضر الذين لم يصلوا قبل الدفن أو بعده، فإن الصلاة على القبر عندنا جائزة، ولو دفن بلا صلاة أثم الدافنون، فإن تقديم الصلاة على الدفن واجب، لكن لاينبش، بل يصلون على قبره'' (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ۲ر ۱۳۰) (مولانا محمد فیاض برماروے حسینی)۔

غائبانہ نماز جنازہ:

ب-اگر قبرستان اور قبر کا کوئی علم نہ ہو سکے تو کیا اس مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی؟ جبکہ عام حالات میں حنفیہ کے یہاں اس کی اجازت نہیں ہے؟

اس سوال کے جواب میں حضرات مقالہ نگاران کے دو رجحانات سامنے آئے ہیں:

پہلا رجحان:

پہلا رجحان یہ ہے کہ اگر کسی میت کو بغیر جنازے کے دفن کر دیا گیا اور اس کی قبر اور قبرستان کا علم بھی نہیں ہے، تو چونکہ جنازہ ایک مومن کا حق ہے، اس لئے مخصوص حالات اور مجبوری کی وجہ سے اسے عذر تصور کرتے ہوئے اس میت کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے، اس کی گنجائش ہے، اس رجحان کے حامل مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، مولانا عبد الخالق ندوی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا سلمان انور قاسمی، مولانا ابومعاویہ معین الدین ندوی قاسمی، ڈاکٹر مبین سلیم، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی اسجد دیولوی، مفتی امانت علی قاسمی، مولانا اسعد پالنپوری فلاحی، مفتی عباد اللہ قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مفتی سلیم الدین قاسمی، مفتی یحییٰ معین سمر، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی خیر آبادی، مفتی حافظ صادق محی الدین فہیم۔

دلائل ووجوہ:

-**''ويتحرى عاجز عن معرفة القبلة بمامر (فان ظهر خطئوه لم يعد لما مر، وفي الشامية: وهو كون الطاعة بحسب الطاقة''** (الدر المختار مع الشامیہ ۲ر ۱۱۵-۱۱۶)۔

-**''ويصلى على الغائب بالنية، فإن كان في أحد جانبي البلد، لم يصل عليه بالنية، في أصح الوجهين، تجوز الصلاة على الغائب في بلد آخر بالنية بعيدا كان البلد أو قريبا فيستقبل القبلة''** (الشرح الکبیر علی المقنع ۶ر ۱۸۲)۔

-**''فإن علم أنه لم يصل عليه لعائق أو مانع عذر كانت السنة أن يصلى عليه ولا يترك ذلك**

لبعد المسافة" (معالم السنن ۱/۳۱۰، عمدۃ القاری ۸/۲۱)۔

-"الصواب أن الغائب أن من مات ببلد لم يصل عليه فيه، صلى عليه صلاة الغائب، كماصلى النبى ﷺ على النجاشى؛لأنه مات بين الكفار ولم يصل عليه، وإن صلى عليه حيث مات، لم يصل عليه صلاة الغائب، لأن الفرض قد سقط بصلاة المسلمين عليه والنبىﷺ صلى على الغائب، وتركه، فعله، وتركه سنة، وهذا له موضع ،وهذا له موضع" (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۱/۵۰۱ فصل فی الصلاۃ علی الغائب) (مفتی عباد اللہ قاسمی)۔

-"أن رسول الله ﷺ نعى النجاشى فى اليوم الذى مات فيه، وخرج بهم إلى المصلى، فصف بهم وكبر عليه أربع تكبيرات" (صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۳۳۴، باب التکبیر علی الجنازۃ اربعا)۔

-"هذا تأويل فاسد؛لأن رسول الله ﷺ إذا فعل شيئا من أفعال الشرعية كان علينا اتباعه، والايتاء به، والتخصيص لا يعلم إلا بدليل، ومماييبن ذلک أنه ﷺ خرج بالناس إلى الصلاة، فصف بهم فصلوا معه، فعلم أن هذا التاويل فاسد، قلت: هذا التشنيع على الحنفية غير توجيه ولا تحقيق" (عمدۃ القاری ۸/۲۲)۔

-"قلنا إن ربناعليه لقادر وإن نبينا لأهل لذلک ولا تقولوا إلا ماورويتم ولا تخترعوا حديثا من عند أنفسكم ولا تحدثوا إلا بالثابت ودعوا الضعاف فانهاسبيل تلاف إلى ما ليس له تلاف" (فتح الباری ۳/۱۸۹) (مفتی عباد اللہ قاسمی، مولانا محمد اسعد پالنپوری فلاحی)۔

-"ولا بأس أن يصلى على الميت بالنية، فقد فعل ذلک رسول الله ﷺ بالنجاشى صلى عليه بالنية، وقال بعض:لا يصلى عليه بالنية، وهذا خلاف سنة رسول الله ﷺ الذى لا يحل لأحد خلافها،وما نعلمه روى فى ذلک شيئا إلا قال برأيه" (کتاب الام للامام الشافعی ۲/۱۴۲)۔

-"الصلاة على الميت دعاء له وهو إذا كان ملففا يصلى عليه، فكيف لا يدعى له وهو غائب أو فى القبر بذلک الوجه الذى يدعى له وهو ملفف" (حوالہ سابق)۔

-"وأما الاستناد للتخصيص إلى ماذكروه من حديث ابن عباسؓ وحديث عمران بن حصين رضى الله عنه، فليس بشئ" (مرعاۃ المفاتیح ۵/۴۷۵)۔

-"فقمنا فصففنا كما يصف على الميت، وصلينا عليه كما يصلى على الميت" (ترمذی ۱/۲۰۱، نسائی ۱/۲۳۶)۔

-"لا بأس بالتقليد عندالضرورة" (درمختار فی بحث جمع الروایۃ ۵/ ۸۲، ۸۳، امداد الفتاوی ۱/ ۳۷۵)۔

-"إذا مات المسلم ببلد من البلدان وقد قضى حقه من الصلاة عليه، فإنه لا يصلى عليه من كان ببلد آخر غائبا عنه، فإن علم أنه لم يصلى عليه لعائق أو مانع عذر كانت السنة أن يصلى عليه، ولا يترک ذلک لبعد المسافة، فإذا صلوا عليه استقبلوا القبلة ولم يتوجهوا إلى بلد الميت، إن كان فى غير جهة القبلة" (عمدۃ القاری شرح بخاری، باب الرجل ینعی إلی أہل المیت بنفسہ/ ۲۲)۔

-"الصلاة على الجنازة فرض كفاية إذا قام به البعض واحدا كان أو جماعة ذكرا كان أو انثى سقط عن الباقين، وإذا ترک الكل أثموا هكذا فى التاتارخانيه" (الہندیہ باب الجنائز فصل الخامس ۱/ ۴۵۲) (ماخوذ از مقالہ مولانا امانت علی قاسمی)۔

-اور اگر نہ تو لاش دی جائے اور نہ یہ پتہ چل سکے کہ میت کو کہاں دفن کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ ہی ہوسکتی ہے، جو حنفیہ کے یہاں نہیں ہے، البتہ امام شافعی وامام احمدؒ کے نزدیک ہے، ایسی خاص صورت میں حنفی حضرات اگر غائبانہ نماز جنازہ ادا کریں تو گنجائش ہے، اس لئے کہ یہاں ایسا نہیں ہے کہ نماز ادا کر کے دفن کیا گیا ہے، اور دوبارہ سہ بارہ کچھ لوگ نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں، بلکہ نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تو نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں (کرونا مسائل و احکام/ ۱۰۶، مولانا عبیداللہ اسعدی) (ماخوذ از مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

-"وقال ابن حزم: ويصلى الميت الغائب بإمام وجماعة، وقد صلى رسول الله ﷺ على النجاشیؓ ومات بأرض الحبشة وصلى معه أصحابه صفوفا، وهذا إجماع منهم، لايجوز تعديه، وخالف فى ذلک أبوحنيفة ومالک، وليس لهما حجة يمكن أن يعتد بها" (فقہ السنہ ۱/ ۵۳۵)۔

-"ويقول ابن قدامة الحنبلى، مستدلا بحديث الصلاة على النجاشى......ولنا أن نقتدى بالنبى ﷺ مالم يثبت مايقتضى اختصاصه" (المغنی لابن قدامہ)۔

-"أن النبى ﷺ قال: إن أخاكم مات بغيرأ رضكم فقوموا فصلوا عليه" (اعلاء السنن/ ۲۸۵، مسئلۃ الصلاح علی الجنازۃ الغائبۃ)۔

-"آپ ﷺ نے حضرت معاویہ بن معاویہ لیثی مزنی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی" (المعجم الکبر للطبرانی ۸/ ۱۱۶، حدیث نمبر: ۷۵۳۷، مسند الشامیین للطبرانی ۴/ ۱۶۳، حدیث نمبر: ۳۸۷۴، السنن الکبری للبیہقی ۴/ ۵۰، حدیث نمبر: ۶۸۳۲، نیز ۴/ ۱۵، حدیث نمبر: ۶۸۲۴، المعجم الأوسط للطبرانی ۴/ ۱۶۳، حدیث نمبر: ۳۸۷۴، مسند ابی یعلی ۷/ ۲۵۶، حدیث نمبر: ۴۲۶۶)۔

-"حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة

الدعوة وتشميت العاطس"(بخاری کتاب الجنائز باب الأمر باتباع الجنائز حدیث نمبر: ۱۲۴۰، مسلم کتاب السلام حدیث نمبر: ۲۱۶۲، صحیح ابن حبان ۱/۶۷۴، حدیث نمبر: ۲۴۱، مسند احمد ۱۴/۱۲۵، حدیث نمبر: ۸۹۷ عن أبی ہریرۃ) (ماخوذ از ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

-**"لا يكلف إلا بمقدور"** ۔

-**"ويمكن لمن شاء من المسلمين أن يصلي عليه صلاة الغائب ولو فرادى، فقد ذكر بعض الشافعية والحنابلة جواز الصلاة على الميت (صلوة الغائب) إذا شق حضور الصلاة عليه، والصلاة في هذه الحالة من باب أولى لتعذر الحضور**"(فتاوی العلماء حول فیروس کرونا ۵۷، رقم الفتوی ۱۹/۳۰)۔

دوسرا رجحان: (غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں):

غائبانہ نماز سے متعلق دوسرا رجحان یہ ہے کہ چونکہ نماز جنازہ کی صحت کے لئے میت کے جسم کا سامنے ہونا شرط ہے اور میت کے غائب ہونے کی صورت میں یہ شرط مفقود ہوجاتی ہے، اسی لئے حنفیہ کے مسلک کے مطابق غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں ہے، اور شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ جو آپ ﷺ نے ادا فرمائی تھی وہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، اس لئے اس کو عام نہیں کیا جاسکتا، لہذا غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت دینا عمومی حالات میں مناسب نہیں ہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا محمد اکرم بن اسلم رشید، مولانا سلمان بن سلیمان حسینی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی اشرف قاسمی، مولانا محمد سعد نور القاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی معز الدین قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا صالح الزماں قاسمی، مولانا محمد فیاض احمد محمود برمارو ے، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا اختر امام عادل، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، مفتی ابراہیم ورٹھی فلاحی۔

مذکورہ بالا حضرات مانعین نے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل تائیدات ودلائل پیش کئے ہیں:

دلائل وتائیدات:

-**"خصوصية أولأنه رفع سريره حتى رأه عليه الصلاة والسلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه على ميت يرأه الإمام، وبحضرته دون المأمومين، وهذا غير مانع من الاقتداء (فتح)من جملة ذلک أنه توفى خلق كثير من أصحابه ﷺ من أعزهم عليه القراء ولم ينقل عنه أنه صلى عليهم مع**

حرصه على ذلک حتى قال: لا يموتن أحدمنكم إلا أذنتمونى، فإن صلاتى عليه رحمة له" (ردالمحتار ۱/۶۴۱، کتاب الجنائز،ہل یسقط فرض الکفایۃ بفعل الصبی)۔

-"ومن الشروط حضور الميت ووضعه، وكونه أمام المصلى فلا تصح على الغائب"(کذافی النہرالفائق، الفتاوی الہندیہ ۲/۳۹۹)۔

-"قال أصحابنا: لا يصلى على ميت غائب، وقال الشافعي يصلى عليه استدلالا بصلاة النبى ﷺ على النجاشى وهو غائب، ولا حجة له فيه لما بينا على أنه روى أن الأرض طويت له، ولا يوجد مثل ذلک فى حق غيره"(بدائع الصنائع ۲/۴۸)۔

-"وقال ابوحنيفة ومالک:هذا خاص به وليس ذلک لغيره قال أصحابهما، ومن الجنائز أن يكون رفع له سريره فصلى عليه وهو يرى صلاته على الحاضر المشاهد، وإن كان على مسافة من البعد والصحابة، وإن لم يروه فهم تابعون للنبى ﷺ قالوا: ويدل على هذا أنه لم ينقل أنه ﷺ كان يصلى على كل الغائبين غيره......ويؤيده ما ذكرالواحدى بلا اسناد عن ابن عباس، قال: كشف النبى ﷺ على سريره النجاشى حتى رأه و صلى عليه، وابن حبان عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ فصلينا خلفه ونحن لا نرى إلا أن الجنازه قدامنا واجيبب أيضا بأن ذلک خاص بالنجاشى لاشاعة أنه مات واستئلاف قلوب الملوک الذين أسلموا فى حياته إذ لم يأت فى حديث أنه ﷺ صلى على ميت غائب"(اوجزالمسالک کتاب الجنائز ۴/۲۱۸، ۲۱۹، دارتالیفات اشرفیہ،عمدۃ القاری کتاب الجنائز ۸/۲۲)۔

-"وقال شيخ الاسلام ابن تيمية: الصواب أن الغائب إن مات ببلد لم يصل عليه فيه، صلى عليه صلاة الغائب كما صلى النبى ﷺ على النجاشى؛ لأنه ما ت بين الكفار ولم يصلى عليه، وإن صلى عليه حيث مات، لم يصل عليه صلاة الغائب، لأن الفرض قد سقط بصلاة المسلمين عليه"(زاد المعاد ۱/۵۰۱)۔

-"خالفوهم (الحنابلة الحنفية) فى اشتراط حضور الجنازة، فجوّزوا الصلاة على الغائب عن بلددون مسافة قصر أو فى غير قبلته، وعلى فريق وأسير ونحوه إلى شهر بالنية ......ووافق الشافعية الحنابلة على عدم اشتراط حضوره، وتجويز الصلاة على الغائب، ووافقت المالكية الحنفية على اشتراط حضوره"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۱)۔

"وشرطها ای شرط صحتها......وهی ستر العورة، وحضور الميت، وكونه أو أكثره أمام المصلى، ومن الشروط حضور الميت ووضعه، وكونه أمام المصلى فلا تصح على غائب"(ہندیہ ا/۱۶۴، شامی ۲/۲۰۷)۔

-"الصلاة على النجاشی كانت بمشهده كرامة له و معجزة للنبی ﷺ (قوله كانت بمشهده) أی بمشهد النبی ﷺ ای بمكان رأه وشاهده فيه ﷺ ،فرفع له سريره حی رأه بحضرته فتكون صلاة خلفه على ميت يراه الإمام دون المامومين، وهذا غير مانع من الاقتداء أو أنها خصوصية للنجاشی أو أن المراد بالصلاة الدعاء لا الصلاة الخصوصة، ومثل ما ذكر يقال فی صلاته ﷺ على زيد بن حارثة وجعفر بن أبی طالب حين استشهد بموته"(طحاوی علی مراقی الفلاح ۳۱۹/)۔

-"وما نحسب الجنازة إلا موضوعة بين يديه" (مسند احمد عمران بن حصین، حدیث نمبر:۲۰۰۰۵)۔

-"أما الصلاة على الغائب فلم تثبت إلا واقعة النجاشی، أما واقعة بن معاوية الليثی فاختلفوا فيها، والظاهر أنه منكر، فإذا لم تثبت تلك الصلاة فی عهد النبی ﷺ مع أن كثيرا من المسلمين ماتوا من دار غربة فی عهده ﷺ ناسب أن تختتم بعهد النبی ﷺ ولا سيما إذا لم يجر عليها توارث الأمة أيضا، بخلاف الصلاة على القبر، فإن بعضهم عملوا بها فيما بعد أيضا"(فیض الباری ۲/۴۶۹، وبالجملة لا تترك سنة فاشية مستمرة لأجل للوقائع الجزئية التی لم تنكشف وجوهها ولم تدرأسبا به)(ماخوذ از مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

البتہ مانعین حضرات میں مفتی محمد عثمان بستوی کہتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اگر جو لوگ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل ہیں ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

مفتی ابوبکر قاسمی کہتے ہیں کہ اگر میت کا علاقہ مصلی کے سمت مخالف میں ہو تو غائبانہ نماز درست نہیں ہوگی۔

جبکہ مفتی جمیل احمد نذیری اپنے استدلال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ یہی وہ دو واقعات ہیں (یعنی نجاشی اور معاویہ بن معاویہ لیثی مزنی والا) جن سے اس مسئلہ کے لئے استدلال کیا جاتا ہے، جن میں معاویہ بن معاویہ والا قصہ تو ویسے ہی ثابت نہیں ہے، اگر یہ صحیح بھی ہو تب بھی اس سے دلیل لینا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا، رہا نجاشی والا قصہ تو اس کے بارے میں امام خطابی نے جو تفصیل ذکر کی ہے وہی قوی ہے، کیونکہ اگر غائب میت کی نماز غائبانہ مشروع ہوتی تو نبی ﷺ نجاشی کے علاوہ کم از کم کسی ایک کی تو غائبانہ

نماز جنازہ ادا کرتے، جبکہ آپ ﷺ سے ایسا قطعا ثابت نہیں ہے، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اگر میت غائب پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام اپنے صحابہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتے، مشرق غرب میں مسلمان، خلفاء اربعہ اور دیگر لوگوں کی بھی یہ نماز پڑھتے، لیکن ایسا کرنا کسی سے بھی منقول نہیں'۔

اور اس عبارت کے اوپر مولانا عبد السلام عبد الرؤف بن عبد الحنان سے ان کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے:

''غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے پر نجاشی کے قصے سے دلیل لی جاتی ہے، جو بخاری ومسلم اور سنن اربعہ وغیرہ میں مختلف صحابہؓ سے مروی ہے، مگر اس سے مطلق غائبانہ نماز جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے'' (القول المقبول فی تخریج تعلیق صلاۃ الرسول ر ۱۴۷) (ماخوذ از مفتی جمیل احمد نذیری، مبارک پور اعظم گڑھ)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ :

کورونا کے سبب پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مفتی شاہد علی قاسمی☆

الحمد لله وحده و الصلاة و السلام علی من لا نبی بعده، اما بعد!

راقم الحروف کو کورونا کے سبب پیدا ہونے والے چند اہم مسائل سے متعلق مقالات پر عرض مسئلہ تیار کرنے کی ذمہ داری دی گئی تھی، اس موضوع پر اکتالیس مقالات موصول ہوئے، مقالہ نگاروں کے نام حسب ذیل ہیں:

مفتی غلام اللہ کاوی، مفتی اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مولانا سلمان انور قاسمی، مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی محمد اسعد پالن پوری، مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی، ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی امانت علی قاسمی، مولانا محمد اکرم لوناواڑہ، مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی معزالدین قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا عبدالخالق ندوی، مفتی ابراہیم ورتھی فلاحی، مفتی اسجد دیولوی، مفتی صالح الزماں قاسمی ازہری، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مفتی امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی شافعی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی عباداللہ قاسمی، ڈاکٹر محمد مبین سلیم، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، ڈاکٹر سید اسرارالحق سبیلی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی کانپور، عبدالخالق ندوی رام پور، اور راقم الحروف شاہد علی قاسمی۔

سوال- ۱ (الف): کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

اس میں شبہ نہیں کہ عام حالات میں ایک مسجد میں کسی بھی نماز کی ایک ہی جماعت ہوتی ہے، اور دوسری منع ہے، لیکن کیا کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی، جب کہ ہر جماعت کا

☆ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

امام الگ ہو اور جواز کی صورت میں کیا پابندیاں ہوں گی؟

اس سوال کے جواب میں تقریبا تمام مقالہ نگار حضرات نے اس وبائی دور اور حکومتی گائیڈ لائن کو مجبوری کے درجہ میں رکھتے ہوئے تعدد جماعت کی اجازت دی ہے، البتہ اس کے لئے چند شرطوں کا ذکر کیا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

الف: ہر جماعت کا امام الگ ہو، تا کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل لازم نہ آئے:

"**لا يجوز اقتداء المفترض خلف المتنفل، و على القلب يجوز**" (الفتاوی الخانیۃ مع الفتاوی الہندیۃ 58/7)۔

ب: دوسری جماعت محراب سے ہٹ کر ہو، تا کہ ہیئت بدل جائے۔

"**وعن أبى يوسف:إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره، و إلا تكره، و هو الصحيح، و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة**"(ردالمحتار ۲/ ۶۴)۔

ج: دوسری جماعت اذان واقامت کے بغیر ہو، تا کہ ہیئت ثانیہ مؤکد ہو جائے۔

"**و فى المجتبى : يكره تكرارها فى مسجد بأذان و إقامة**"(البحر الرائق 366/1)۔

د: جماعت ثانیہ کی عادت نہ بنائی جائے، بلکہ یہ مجبوری اور کورونا کی پابندیوں کی وجہ سے ہو، کیونکہ تکرار جماعت کی بلا کراہت اجازت عام حالات میں نہیں ہے۔

ھ: جمعہ کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے، جس میں امام کے علاوہ تین بالغ مرد ہوں۔

"**و لا يؤدى صلاة الجمعة إلا بجماعة، أقلها ثلاثة رجال سوى الإمام، لأن طلب الحضور إلى الجمعة بلفظ الجمع (فاسعوا) فلزم أن يكون مع الإمام جمع** "(ردالمحتار 545/1)۔

مقالہ نگار حضرات نے اس موقف کو محول کرنے کے لئے مزید درج ذیل دلائل سے استفادہ کیا ہے:

" **لأن تكرار الجماعة فى هذا الفصل لا يؤدى إلى تقليل الجماعة**" (المحیط البرہانی 403/1)۔

"**......عن أبى ليلى : أنه سأله رجل قال : دخلت المسجد و قد صلى أهله بأذان؟ قال : قد كفيت ذالک، و عن عبد الله بن يزيد قال : دخلت مسجد محارب، فأمنى، و لم يؤذن و لم يقم** "(المصنف لابن أبی شیبہ، رقم الحدیث: 2316)۔

مفتی محمد عثمان گورینی صاحب نے حکومتی گائیڈ لائن کی وجہ سے مسجد میں چھوٹی چھوٹی متعدد جماعت کو باعث فضیلت قرار دیا ہے، اور درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

"أما إذا صلى أحد بأحد أو بإثنين بعد ما صلى فيه أهله، فلا بأس، لما روى أن رسول الله ﷺ صلى بأصحابه، فدخل أعرابى و قام يصلى، فقال عليه السلام : من يتصدق على هذا فيقوم و يصلى معه" (المحیط البرہانی 402/1)۔

مذکورہ بالا رائے کے مقابلہ میں عبدالخالق ندوی (رام پور) صاحب لکھتے ہیں کہ حکومت کی گائیڈ لائن کے مطابق وہی پانچ لوگ ہمیشہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھیں، دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں میں اگر ممکن ہو تو جماعت سے نماز ادا کریں، ورنہ تنہا پڑھیں، موصوف نے وائرس کے تعدیہ کو دیکھتے ہوئے یہ رائے اختیار کی ہے، تاہم یہ رائے قوی معلوم نہیں ہوتی کہ لوگوں کے متفرق طور پر آنے کی وجہ سے تعدیہ کا اندیشہ کم ہوجاتا ہے، نیز تکرار جماعت کی اجازت نہ دینے میں بڑی تعداد میں لوگ نماز سے دور ہوجائیں گے، جو ایک حقیقت ہے، نیز تکرار جماعت کی کراہت تقلیل جماعت کے اندیشہ پر مبنی ہے، اور مذکورہ حالات میں تکثیر جماعت مقصود ہی نہیں ہے۔

جن حضرات نے مسجد میں تکرار جماعت کی اجازت دی ہے۔ان میں متعدد مقالہ نگار حضرات نے یہ رائے پیش کی ہے کہ اگر مسجد کے علاوہ متبادل جگہ موجود ہو، جیسے بڑا ہال، شادی خانہ وغیرہ تو مسجد میں تعدد جماعت سے گریز کیا جائے، کیونکہ عام نماز اور جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کی شرط نہیں ہے، اور مسجد میں تکرار جماعت مجبوری میں درست ہے، اور جب متبادل جگہ دستیاب ہو تو مجبوری کا تحقق نہیں ہوا، لہذا اس صورت میں مسجد میں تکرار جماعت سے گریز کیا جائے، دیکھئے: مقالہ : مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ابراہیم ورتھی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے زیر بحث سوال کا جواب دینے سے پہلے عام اور معتدل حالات میں تکرار جماعت کے حکم کو پیش کیا ہے، چونکہ اس صورت میں فقہی عبارتیں بہ کثرت ہیں اور بعض احادیث بھی، اس لئے ان عبارتوں سے استفادہ کرتے ہوئے عام حالات میں مسجد میں تکرار جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے، اکثر نے مکروہ تحریمی کے درجہ میں رکھا ہے، اور بعض حضرات نے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، البتہ ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی صاحب کی تحریر سے اس میں توسع معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ برصغیر ہند و پاک میں مسجد میں جماعت کے تکرار کو مطلقاً ممنوع ٹھہرانے کا جو رواج چل پڑا ہے وہ مناسب نہیں ہے۔ نیز بعض مقالہ نگار حضرات نے کورونا وائرس کے متعدی ہونے اور نہ ہونے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، جس کی تفصیل پیش کرنے کا اس وقت موقع نہیں۔

بہرحال زیر بحث مسئلہ میں تقریباً اتفاق ہے کہ حکومتی گائیڈ لائن کے پس منظر میں مسجد میں تکرار جماعت کی گنجائش ہوگی، البتہ متبادل جگہ دستیاب ہو تو پھر اجتناب بہتر ہے۔

ب: مسجد تنگ پڑنے پر مکرر نماز جمعہ:

واضح رہے کہ جمعہ کی دوسری یا مزید جماعتوں کا معاملہ اس صورت میں بھی پیدا ہوتا ہے، جب کہ جمعہ کے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو، اور ایک مرتبہ سب مسجد میں نہ آ سکتے ہوں، اور نمازیوں کے مسجد سے باہر نماز ادا کرنے میں مسائل پیدا ہوتے ہیں، اس وقت ہندوستان میں اس کی وجہ سے متعدد جگہ مسائل، بلکہ فساد کی شکلیں بھی پیدا ہوئیں، اس کی وجہ سے بعض شہروں میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت ہوتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

اس سوال کو سمجھنے میں دو تین مقالہ نگار حضرات کو غلط فہمی ہوئی اور اسے کورونائی دور سے جوڑتے ہوئے جواب دیا، جب کہ اس سوال کا تعلق عام حالات سے ہے، اس لئے ان حضرات نے شق الف: والے سوال کو نماز پنج وقتہ سے جوڑا اور شق: ب کو نماز جمعہ سے جوڑا۔

باقی مقالہ نگار حضرات نے عام حالات میں کچھ قیود کے ساتھ ایک مسجد میں نماز جمعہ مکرر پڑھنے کی اجازت دی، وہ قیود حسب ذیل ہیں:

الف: مسجد کے علاوہ کوئی متبادل جگہ جیسے ہال، میدان وغیرہ نہ ہو۔

ب: دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں بہت سے لوگ نماز جمعہ سے محروم ہو جائیں، اس کے علاوہ بعض حضرات نے نفس نماز سے متعلق بھی شرطیں ذکر کی ہیں، جیسے دوسری جماعت کے لئے مستقل خطبہ ہونا، الگ امام ہونا، امام کے علاوہ تین بالغ مرد ہونا، محراب سے ہٹ کر دوسری جماعت قائم کرنا وغیرہ۔

چونکہ یہ اجازت مسجد کے تنگ پڑ جانے اور متبادل جگہ کے فراہم نہ ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے بیشتر مقالہ نگار حضرات نے مسجد کی توسیع یا دوسری مسجد کی تعمیر یا متبادل جگہ کی تلاش کو ضروری قرار دیا، تاکہ مصلیان محسوس کریں کہ یہ اجازت عارضی طور پر مجبوری میں ہے، جوں ہی متبادل صورت فراہم ہو جائے جماعت ثانیہ موقوف کر دی جائے گی۔

جہاں تک دلائل کی بات ہے تو اس کے زیادہ تر دلائل وہی پیش کئے گئے جو شق الف کے جواب میں تحریر کئے گئے، ان کے علاوہ مشہور فقہی قاعدہ: "الضرورات تبيح المحظورات"، اسی طرح "المشقة تجلب التيسير" اور "إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما" (الاشباہ والنظائر) سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۲- مکانات میں نماز جمعہ:

مسجد میں ایک جماعت پر اکتفاء کرتے ہوئے یا مزید دو ایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازوں کے لئے محلے کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے نظام کا کیا حکم ہے؟ جب کہ یہ معمول کے خلاف ہے، اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ

اس سے تشتت پیدا ہوگا، اور لوگ اسے آئندہ کے لئے معمول بنالیں گے۔

اس سوال کے جواب میں تینتیس مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ متعدد مقامات پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے، بلکہ نماز ظہر پڑھنے کے مقابلہ نماز جمعہ کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ:

الف: نماز جمعہ کے قیام سے بہت سے لوگوں کا رشتہ نماز سے باقی رہے گا، اگر نماز جمعہ نہ ہوتو نماز سے دور اور پھر دین سے دور ہوجائیں گے،

ب: جب جمعہ کی شرطیں پائی جارہی ہیں تو جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھنا ہی اصل فریضہ ہے، ان حضرات نے درج ذیل عبارتوں سے استفادہ کیا ہے:

" .....و تؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقا أی سواء کان المصر کبیرا أو لا، و سواء فصل بین جانبیه نهر کبیر کبغداد أو لا، و سواء قطع الجسر أو بقی متصلا، و سواء کان التعدد فی مسجدین أو أکثر، هکذا یفاد من الفتح، و مقتضاه أنه لا یلزم أن یکون التعدد بقدر الحاجة کما یدل علیه کلام السرخسی علی المذهب، و علیه الفتوی، شرح المجمع للعینی و إمامة فتح القدیر دفعا للحرج "(شامی 15/3)۔

" ....فلا یضر غلق باب القلعة لعدو أو إعادة قدیمة، لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدو لا للمصلی " (شامی25/2)۔

" .....و لم یوجد دلیل علی عدم جواز التعدد بل قضیة الضرورة عدم اشتراطه، و قد قال الله تعالی : لا یکلف الله نفسا إلا وسعها " (البقرة:286)**"و قال تعالی : و ما جعل علیکم فی الدین من حرج"**(الحج: 78) **"الخ بلفظه، مع ما لزم من فعلها فی زماننا من المفسدة العظیمة، و هو اعتقاد الجهلة أن الجمعة لیست بفرض، لما یشاهدون من صلاة الظهر فیظنون أنها الفرض، وإن الجمعة لیست بفرض، فیتکاسلون عن أداء الجمعة فکان الاحتیاط فی ترکها و علی تقدیر فعلها ممن لا یخاف علیه مفسدة منها، فالاولی أن تکون فی بیته خفیة خوفا من مفسدة فعلها "** (البحر الرائق 251/2)۔

" قوله دفعا للحرج–لأن فی الزام اتحاد الموضع حرجا بینا"(شامی15/3)۔

ان حضرات میں بعض نے شرائط جمعہ کی رعایت کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنے کو ضروری قرار دیا ہے، جیسا کہ مفتی محمد عثمان صاحب گورینی نے لکھا ہے، جب کہ بیشتر حضرات نے گنجائش یا بہتر کی تعبیر اختیار کی ہے، مولانا اکرم لوناواڑہ نے نماز

جمعہ اور نماز ظہر پڑھنے کی بابت اختیار کی بات لکھی ہے، جب کہ ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی صاحب نے گھر میں جمعہ کی جماعت کو غیر بہتر قرار دیا ہے، بعض فاضل مقالہ نگار نے ذیلی طور پر اذن عام کی بحث بھی پیش کی ہے، اور صحت جمعہ کے لئے اذن عام کی شرط کو ضروری قرار دیا ہے، جب کہ کچھ حضرات نے اسے ضروری قرار نہیں دیا ہے، مفتی اشرف قاسمی اجین کا یہی نقطۂ نظر ہے، اس مسئلہ میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نماز جمعہ گھر گھر پڑھنا درست نہیں ہے، اس نقطہ نظر کے حاملین درج ذیل ہیں:

مفتی سید ارشد باقوی، مولانا عبد الخالق ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا عبید اللہ ندوی بھروچ، البتہ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی نے مکروہ کی تعبیر اختیار کی ہے۔

ان حضرات میں بعض نے جواز نماز جمعہ کی صورت تشتت پیدا ہونے اور مسجد کی جماعت کی بے توقیری لازم آنے کی بات لکھی ہے، ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی صاحب نے اس پر تفصیلی بحث پیش کی ہے، اور بنیادی طور پر چھ وجوہات سے اپنی بات کو مدلل کیا ہے، جن میں اعذار کی صورت ترک جماعت کی رخصت، دین کے مزاج یسر پر عمل، وائرس کے پھیلاؤ کو کم سے کم کرنے اور حفاظتی تدبیر کے طور پر گھر میں رہنا، حفظ نفس، اور اندیشہ تشتت قابل ذکر ہیں۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ جمعہ کی شرائط پائے جانے کے بعد اقامت جمعہ کی ممانعت کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے، اور جب ممانعت کی واضح دلیل نہیں تو اسے غیر درست قرار نہیں دیا جائیگا، البتہ کوئی نماز ظہر ہی پڑھنا چاہے تو ممانعت بھی نہیں ہوگی، بلا شبہ نماز جمعہ کی کثرت ناپسندیدہ ہے، لیکن یہ عام حالات کے لئے ہے، وبائی پس منظر میں کثرت نماز جمعہ ناپسندیدہ نہیں، جن کی وجوہات اور فقہی عبارتیں اوپر پیش کی گئیں۔

۳ - جمعہ کے دن نماز ظہر جماعت کے ساتھ یا انفرادی طور پر پڑھی جائے؟

مسجد میں ایک ہی جماعت کے علاوہ بقیہ لوگ یا جو رہ جائیں، پابندیوں کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہاء اداء کریں گے یا ان حالات میں ان کو جماعت کے ساتھ ظہر اداء کرنے کی اجازت ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں تین نقاط نظر پائے جاتے ہیں، ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ انفرادی طور پر پڑھنے کے مقابلہ جماعت سے پڑھنا بہتر ہے، دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ دونوں کا اختیار ہے، تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ انفرادی طور پر پڑھی جائے، اس رائے کے حاملین میں بعضوں نے جماعت سے پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا، دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان گورینی، جب کہ بعض حضرات نے مطلقا مکروہ لکھا ہے، دیکھئے: مقالہ: ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، تاہم اکثر حضرات نے کراہت کی صراحت کے بغیر سادہ تعبیر اختیار کی ہے کہ تنہا تنہا نماز پڑھی جائے، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد

زبیرندوی صاحب نے یہی تعبیر اختیار کی ہے۔

جوحضرات انفرادی نماز کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ گو کراہت کی ایک علت تقلیل جماعت والی مفقود ہے، لیکن دوسری علت معارضہ والی باقی ہے، نماز جمعہ کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس دن نماز ظہر پڑھنے والے جماعت سے گریز کریں۔ اس رائے کے حاملین نے درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

"و يكره أن يصلى الظهر يوم الجمعة فى المصر جماعة فى سجن أو فى غير سجن هكذا روى عن على رضى الله عنه، و لأن الناس أغلقوا أبواب المساجد فى وقت الظهر يوم الجمعة فى الأمصار، فدل أنه لا يصلى جماعة فيها، و لأن المامور به فى حق من يسكن المصر فى هذا الوقت شيئان : ترک الجماعة و شهود الجمعة و أصحاب السجن قدروا على أحدهما و هو ترک الجماعة فيأتون بذالک" (المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الجمعۃ 35/2)۔

اسی طرح علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"(و كره) تحريما (لمعذور و مسجون) و مسافر (أداء ظهر بجماعة فى مصر) قبل الجمعة و بعدها" (الدر المختار مع الرد، باب الجمعۃ 32/3)۔

اس مفہوم کی عبارتیں مختلف کتب فقہ میں موجود ہیں، جنہیں متعدد حضرات نے پیش کیا ہے۔

جوحضرات جماعت سے پڑھنے کو بہتر قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جماعت سے پڑھنے کی ممانعت دو علتوں کی وجہ سے ہے، ایک نماز جمعہ میں تقلیل کا خوف اور دوسرے نماز جمعہ سے معارضہ، اس وبائی دور میں یہ دونوں علتیں مفقود ہیں، نیز بعض حضرات نے تائید میں مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے بھی پیش کی ہے جو جواز جماعت کے قائل ہیں۔ دیکھئے: مقالہ: مولانا سلمان انور قاسمی مئو، واضح ہو کہ اس رائے کے حاملین چودہ ہیں، جوحضرات جماعت اور انفرادی دونوں میں عدم حرج کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ وبائی حالات کے احکام عام حالات کے احکام سے مختلف ہوں گے، جماعت کی کراہت کا قول عام حالات کے لئے ہے، وبائی دور میں کراہت کا حکم نہیں لگے گا، بلکہ حسب سہولت دونوں کی گنجائش ہوگی۔ دیکھئے: مقالہ: مفتی محمد اسعد پالن پوری فلاحی، مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس معاملہ میں شدت اختیار کئے بغیر دونوں پہلو کی گنجائش ہونی چاہیے، حسب سہولت اور حسب موقع جماعت سے پڑھنے کی بھی اجازت ہو اور انفرادی پڑھنے والے پر نکیر بھی نہ ہو، کیونکہ ایک تو معارضہ والی علت اجتہادی ہے، منصوص نہیں، نیز وبائی دور میں چھوٹی چھوٹی جماعت ہونے کی وجہ سے معارضہ کا تحقق بھی مشکوک ہے،

دوسرے یہ کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے، تیسرے جماعت کی اجازت سے بہت سے لوگ نماز پڑھ لیں گے، جبکہ انفرادی میں یہ بات پیدا نہیں ہوگی، لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نماز سے جوڑنے کی تدبیر اختیار کرنا بہرحال بہتر ہے۔

۴-بغیر غسل وتیمّم کے نماز جنازہ:

اگر کورونا پابندیوں کی وجہ سے میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے اور کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو کیا وہی کور کفن کے حکم میں ہوجائے گا یا الگ کفن دینا ضروری ہوگا؟ مگر زیادہ مسئلہ غسل کا ہے، ایسی صورت میں کیا غسل دیا جائے یا تیمّم کرایا جائے اور چہرہ وہاتھ کے بھی کھولنے کی اجازت نہ ہو تو کیا اسی کور کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے؟ جیسا کہ شہداء جنگ کے حق میں شریعت نے کفن کا حکم رکھا ہے، غسل کا نہیں؟

اس سوال میں دو شقیں ہیں، ایک کور پر کفن والا کپڑا لپیٹنا، دوسرے غسل وتیمّم کا مسئلہ، کفن کا کپڑا لپیٹنے کی بابت متعدد حضرات نے اتنا لکھا ہے کہ کور کو کفن کے قائم مقام مانا جائے گا، اور اسی کور میں تدفین ہوگی، تاہم بیشتر مقالہ نگار نے کفن مسنون دینے کو پیش کیا ہے، اور بلاوجہ اسے چھوڑنے کو بعض حضرات نے مکروہ قرار دیا ہے، مفتی محمد عثمان گورینی صاحب نے مزید یہ لکھا ہے کہ کافر میت سے مسلم میت کو ممتاز رکھنے اور مشابہت سے بچانے کے لئے کفن کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔

بہرحال، میت کو کفن مسنون دینا دشوار نہ ہو تو کور پر الگ سے کفن مسنون پہنانے کو اہمیت دینی چاہیے۔

جہاں تک غسل وتیمّم کا مسئلہ ہے تو سینتیس مقالہ نگار حضرات نے مشہور ترتیب ذکر کی ہے کہ غسل دینے کی حتی الامکان کوشش ہو، اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہو تو تیمّم کرانے کی کوشش ہو، اگر یہ بھی متعذر ہو تو غسل وتیمّم کا فریضہ ساقط ہوجائے گا، اور اسی حال میں نماز پڑھ لی جائے گی، کور پر پانی بہانے یا مسح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس سلسلہ میں جو فقہی عبارتیں پیش کی گئی ہیں ان میں کچھ اہم اس طرح ہیں:

"و لو قطعت يداه و رجلاه من المرفق و الكعب و بوجهه جراحة صلى بغير طهارة و لا يتيمم و لا يعيد و هو الأصح" (درمختار 423/1)۔

"– فلو دفن بلا غسل و لم يمكن إخراجه إلا بالنبش سقط الغسل و صلى على قبره بلا غسل للضرورة بخلاف ما إذا لم يهل عليه التراب بعد وفاته فإنه يخرج و يغسل" (طحاوی علی المراقی 581)۔

اسی طرح علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جو کنواں میں گر گیا یا عمارت اس پر گر گئی اور مر گیا اور اس کا نکالنا ممکن نہ رہا تو اس پر نماز جنازہ اسی حال میں غسل وتیمّم کے بغیر پڑھ لی جائے گی (دیکھئے: شامی 125/3)، بعض حضرات نے شوافع کی رائے کو بہ طور تائید پیش کیا ہے، کیونکہ بعض کتب شوافع میں صراحت ہے کہ جس میت کا غسل متعذر ہو تو بغیر غسل کے نماز پڑھی

جائے گی۔

"من تعذر غسله صلى عليه، قال الدارقي : و إلا لزم أن من أحرق فصار رمادا أو أكله السبع لم يصل عليه، و لا أعلم أحدا من أصحابنا قال بذالك" (مغنی المحتاج 347/2)۔

مذکورہ رائے کے مقابلہ میں دوسری رائے چار مقالہ نگار حضرات کی یہ ہے کہ کور پر پانی بہا دیا جائے، اب یہ ہے کہ پانی بہانے کا عمل تیمّم متعذر رہونے سے پہلے ہے یا بعد میں؟ تو مولانا اختر امام عادل قاسمی صاحب نے تیمّم سے پہلے کی بات کہی ہے، اگر پانی بہانا بھی متعذر رہو تب تیمّم کرایا جائے گا، اور تیمّم بھی متعذر رہو تو یہ فریضہ ساقط ہو جائیگا، اور اسی حالت میں نماز پڑھ لی جائے گی، جب کہ مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، اور مولانا محمد عثمان گورینی صاحب نے تیمّم متعذر رہونے کی صورت میں کور پر مسح کرنے کی بات لکھی ہے، ان حضرات نے اس مسئلہ کو مسح علی الجبیرہ پر قیاس کیا ہے، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ پانی بہانا غیر مفید عمل ہے کہ میت کے غسل کے مسئلہ میں مسح علی الجبیرہ کی بات فقہاء کے یہاں سرے سے نہیں ہے، نیز زندہ شخص کے غسل میں پٹی پر مسح کی اجازت اس وقت ہے جب کہ اکثر اعضاء بدن قابل غسل ہوں، اور یہاں تو بالکلیہ غسل ہی متعذر رہے، اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پٹی بدن سے چپکی ہوئی رہتی ہے، جب کہ کور کا معاملہ میں پورے بدن میں ایسا نہیں رہتا ہے، اس لئے کور پر پانی بہانے کی بات قوی معلوم نہیں ہوتی ہے۔

۵-قبر کے پاس نماز جنازہ:

بسا اوقات طبی عملہ کورونا کے میت کو خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کرتا ہے، اور متعلقین کو حوالہ نہیں کرتا یا کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ بعض اوقات تدفین کی خبر دیتا ہے اور جگہ بتا دیتا ہے اور کبھی تو جگہ بھی نہیں بتاتا تو ایسی صورت میں:

الف: اگر قبرستان و قبر کا علم متعلقین کو ہو جائے یا میت کو حوالہ کردے، مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں کیا میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جا سکتی ہے؟ اور ادا کی جا سکتی ہے تو اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار متفق ہیں کہ قبر کے سامنے نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، اور شرائط میں قبل التفسخ کی بات سب نے تحریر کی ہے، اور بعض حضرات نے بہ طور شرط یہ بات بھی لکھی کہ ولی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو، نیز بعض مقالہ نگار حضرات نے قبل التفسخ کا اندازہ تین دن سے لگایا ہے، جیسا کہ بعض فقہاء نے تین دن کی قید لگائی ہے، تاہم اکثر مقالہ نگار نے اس کی تحدید نہیں کی ہے، کیونکہ میت کے پھولنے پھٹنے کا عمل موسم اور علاقوں کے فرق سے جداگانہ ہوتا ہے، اس لئے علاقہ علاقہ کے اعتبار سے یہ ایام مختلف ہوں گے۔

جہاں تک دلائل کی بات ہے تو اس سلسلہ میں عام طور پر بخاری شریف کی وہ روایت پیش کی گئی ہے جس میں آپ ﷺ کے ایک خاتون کی قبر پر نماز پڑھنے کا واقعہ منقول ہے (دیکھئے: بخاری شریف 176/1، کتاب الجنائز)، اسی طرح درج ذیل فقہی عبارت سے استفادہ کیا گیا ہے:

"و إن دفن و أهيل عليه التراب لغير صلاة أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له صلى على قبره استحسانا، أي : افتراضا في الأوليين و جوازا في الثالثة، لأنها لحق الولي" (ردالمحتار مع الدر 652/1)۔

اسی طرح علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک میت کے پھولنے پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو تب تک نماز پڑھی جا سکتی ہے، اور اصح قول کے مطابق اس کی مدت کی کوئی تحدید نہیں ہے (ردالمحتار مع الدر 652/1)۔

۵-ب: غائبانہ نماز جنازہ:

اگر قبرستان اور قبر کا کوئی علم نہ ہو سکے تو کیا اس مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی؟ جب کہ عام حالات میں حنفیہ کے یہاں اس کی اجازت نہیں ہے؟

اس سوال کے جواب میں دو نقاط نظر ہیں، سترہ مقالہ نگار حضرات نے موجودہ صورت حال میں اس کی اجازت دی ہے، اور عام طور پر گنجائش کی تعبیر اختیار کی ہے، صرف ایک فاضل مقالہ نگار مولانا عبید اللہ ندوی صاحب بھروچ نے اسے واجب قرار دیا ہے بہ شرطیکہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو، موصوف نے ایک مشہور عرب عالم شیخ صالح العثیمین کی رائے سے استفادہ کیا ہے، لیکن وجوب کی یہ رائے ضعیف معلوم ہوتی ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ کی بابت وجوب پر دلالت کرنے والی کوئی نص نہیں ہے، جن حضرات نے نماز جنازہ غائبانہ کو گنجائش کے دائرہ میں رکھا ہے، ان حضرات نے شاہ حبشہ حضرت نجاشی اور معاویہ بن معاویہ لیثی مزنی کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ ائمہ اربعہ میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے، گویا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، جس سے مجبوری کے حالات میں استفادہ کی گنجائش ہے، موجودہ وبائی دور بھی مجبوری کے دائرہ میں ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہی نہیں ہے، یہ رائے تئیس مقالہ نگار حضرات کی ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ جو عمل رسول غائبانہ نماز کی بابت منقول ہے وہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ متعدد فقہی کتب میں اس کی صراحت کی گئی ہے، اسی لئے متعدد مقالہ نگاروں نے درج ذیل عبارتوں کو پیش کیا ہے:

"(قوله : خصوصية) أو لأنه رفع سريره حتى رآه ...عليه السلام ....بحضرته، فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الإمام بحضرته دون المامومين، و هذا غير مانع من الاقتداء .فتح .و استدل

لهذين الاحتمالين بما لا مزيد عليه فارجع إليه، من جملة ذالک أنه توفی خلق كثير من أصحابه . صلى الله عليه وسلم ..من أعزهم عليه القراء، و لم ينقل عنه أنه صلى عليهم مع حرصه على ذالک، حتى قال : لا يموتن أحد منكم إلا آذنتمونی به، فإن صلاتی عليه رحمة له“ (ردالمحتار مع الدر 641/1)۔

اس سلسلہ میں مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ بہت سے صحابہ عہد رسالت میں شہید ہوئے، جیسے بئر معونہ اور رجیع والے واقعہ میں، لیکن آپ ﷺ نے ان پر نماز غائبانہ نہیں پڑھی، تو اگر نماز غائبانہ کی عام اجازت ہوتی تو آپ ﷺ ضرور ہی ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھتے۔ مفتی محمد عثمان صاحب گورینی نے غائبانہ نماز پڑھنے کے لئے یہ شکل پیش کی ہے کہ امام شافعی المسلک ہو تو حنفی لوگ اقتداء میں نماز پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ اقتداء المخالف فی الفروع والے مسئلہ میں قدرے توسع سے کام لیا جاتا ہے، بہر حال، نماز غائبانہ کی بابت مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک عدم مشروعیت کا ہے، جو قوی دلیل پر مبنی ہے، جس کا ترک بلا مجبوری مناسب نہیں، اب غور کیا جائے کہ کیا میت غائب پر نماز پڑھنا ایسی مجبوری میں داخل ہے کہ مذہب غیر سے استفادہ کیا جائے؟ تو خیال ہوتا ہے کہ یہ معاملہ عمومی انداز سے مشروع ہی نہیں ہے، اگر اس کی عام اجازت ہوتی تو خود رسول اللہ ﷺ اس کا اہتمام فرماتے، یعنی ہر ایسے صحابی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھتے جو دور دراز علاقوں میں شہید ہوئے، لیکن آپ ﷺ نے ان پر نماز نہیں پڑھی، یہ بذات خود دلیل ہے کہ یہ امتی کے لئے اصلا مشروع ہی نہیں ہے، اور جب اصلا مشروع ہی نہیں، تو اب اسے مجبوری ماننا ہی محل غور بلکہ مستبعد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

کورونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیم☆

۱-کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ؟

شریعت میں نماز جمعہ کی اہمیت اور عامۃ المسلمین کی طرف سے اس کا اہتمام معلوم ومعروف ہے،عوام کی بہت بڑی تعداد صرف جمعہ کی ہی حد تک نماز کا اہتمام کرتی ہے اوراس کی وجہ سے صرف ایک دن مسجد میں آتی ہے اور مسجد سے اور مسلم معاشرہ سے جڑتی ہے، کچھ دین کی باتیں بھی سن لیتی ہے،کورونا کی وجہ سے عام نمازوں اور جمعہ میں جو پابندی لگی تو کئی سوالات سامنے آئے کہ مسجدوں میں پابندیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی متعدد جماعتیں کی جائیں، یا مسجد کی ایک جماعت سے الگ مکانات وغیرہ میں بھی نماز جمعہ کا انعقاد کیا جائے؟ یا مسجد کی ایک جماعت پر اکتفا کر کے بقیہ لوگ جمعہ ادا کرنے کے بجائے ظہر پڑھیں اور اگر ظہر ادا کریں تو جماعت سے یا تنہا، جبکہ اس صورت میں عوام کی بڑی تعداد نماز جمعہ ونماز ظہر دونوں سے دور رہتی ہے اور ابھی جیسا کہ اطلاعات ملیں کہ جن جگہوں میں تعدد جمعہ کا نظام نہیں بنا وہاں عامۃ المسلمین بالکل بیگانہ ہوگئے اور اب تک ان پر اثر ہے۔

۱-الف،ب: کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ؟

جن مساجد میں امام ومؤذن مقرر ہوں اور وہاں مصلیوں کی ایک معتد بہ تعداد بھی شریک جماعت ہوتی ہو ایسی مساجد میں تعدد جماعت کو فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے،کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور وہاں جماعت ہو چکی ہو تو اس کو چاہئے کہ بغیر اذان واقامت کے وہ تنہا نماز ادا کرے،اس کے لئے مکروہ ہے کہ وہ اذان واقامت کے ساتھ با جماعت نماز ادا کرے۔

”**رجل دخل مسجد ا صلى فيه أهله، فإنه يصلى وحده من غير أذان و إقامة، ويكره له أن يصلى بجماعة بأذان وإقامة**“(تاتارخانیہ ۱/ ۵۲۷)،حدیث پاک میں ایک واقعہ درج ہے یہ اس کی اصل ہے،سیدنا محمد

☆ سابق مفتی،جامعہ نظامیہ،حیدرآباد۔

رسول اللہ ﷺ ایک موقع پر دوفریقین کے درمیان صلح کرانے کیلئے تشریف لے گئے آمد میں اس قدر تاخیر ہوگئی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے انتظار کے بعد با جماعت نماز ادا کر لی۔

"**والأ صل فی ذلک ماروی أن رسول الله ﷺ خرج لیصلح بین الأنصار و استخلف عبدالرحمن بن عوف رضی الله عنه، فرجع بعد ما صلی عبدالرحمن، فدخل بیته و جمع اصحابه و صلی بهم**" (حوالہ سابق)، آپ ﷺ چاہتے تو مسجد میں دوسری جماعت کا نظم فرما لیتے لیکن آپ ﷺ اپنے دولت کدہ میں اپنے صحابہ کو جمع کر کے باجماعت نماز ادا فرمائی، اگر مسجد میں دوسری جماعت کی اجازت ہوتی تو آپ ﷺ ضرور با جماعت نماز ادا فرماتے کیونکہ مسجد میں نماز کا ادا کرنا افضل ہے، اگر آپ ﷺ سے ایسا ثابت ہوتا تو یہ بیان جواز کیلئے کافی سمجھا جاتا، "**ولو کان یجوز إعادة الصلاة فی المسجد لما ترک الصلاة فی المسجد مع أن الصلاة فی المسجد أفضل**" (حوالہ سابق)، مساجد میں مقررہ جماعت کے علاوہ متعدد جماعتوں کی اجازت دینے سے تقلیل جماعت کا اندیشہ ہے، اگر جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو مقررہ جماعت میں شرکت سے تساہل برتیں گے متعدد جماعتوں سے یہ خرابی بھی لازم آئے گی کہ ہر شخص مقررہ جماعت کے علاوہ اپنے طور پر جماعت سے نماز ادا کرنے پر تکیہ کر لے گا،" **ولأن فی هذا تقلیل الجماعة؛ لأن الجماعة إن کانت لا تفوتهم لا یعجلون للحضور، فإن کل واحد یعتمد علی الجماعة**" (حوالہ سابق)۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء کرام بلا کراہت اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں، بستیوں میں اگر متعدد مساجد ہوں اور ان کے اوقات نماز بھی کچھ فرق کے ساتھ متعین ہوں اور ایک مسجد میں نماز کی جماعت نہیں مل سکی ہے تو دوسری مسجد کی جماعت میں شرکت کر لینا چاہئے یا پھر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے جیسے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنے دولت کدہ میں باجماعت نماز ادا فرمائی ہے اسی طرح اہتمام کر لیا جائے یا پھر تنہا انفرادی طور پر نماز ادا کر لی جائے۔

تاہم کبھی کبھار دوسری جماعت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو ہیئت اولیٰ یعنی جس جگہ سے پہلی جماعت ادا کی گئی ہے اس سے ہٹ کر مسجد کے گوشہ میں کسی اور جگہ پر جماعت ثانیہ کا اہتمام کرنے کی اجازت ہے، البتہ اس کو عادت نہیں بنا لینا چاہئے، حضرت امام یوسف ؒ کثیر تعداد ہو تو جماعت ثانیہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں اس صورت میں ان کی رائے یہ ہے کہ مجمع کثیر نہ ہو، دو، چار اصحاب جماعت سے پڑھنا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، دلیل یہ دی ہے کہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرما چکے تھے کہ ایک اعرابی مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھنے لگے آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے جوان کے ساتھ نماز ادا کر کے نیکی حاصل کرے؟ آپ ﷺ کے اس سوال فرمانے

پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اوران کے ساتھ نماز ادا کی۔البتہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعداد کی قلت وکثرت کی بحث سے قطع نظر ہر صورت میں تکرار جماعت کو مکروہ نہیں سمجھتے بشرطیکہ پہلی جماعت کی جگہ سے کنارے ہوکر مسجد کے کسی اور گوشہ میں کسی اعلان کے بغیر جماعت کا اہتمام کرلیا جائے،اعلان اوراجتماع کے ساتھ اس طرح کے اہتمام کو وہ بھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تکرار جماعت کے قائل ہیں۔

”و به وقع الفرق بين هذا، و بين ما إذا صلى فيه قوم ليسوا من أهله حيث كان لأهله أن يصلوا فيه بجماعة بأذان و إقامة، وروى عن أبى يوسف فى الفصل الأول أنه قال: إنما يكره تكرار الجماعة إذا كان القوم كثيرا، أما اذا صلى واحد بواحد اوباثنين بعد ما صلى فيه أهله، فلا باس به، لماروى ان رسول الله ﷺ صلى باصحابه فدخل اعرابى و قام يصلى فقال ﷺ من يتصدق على هذا فيقوم و يصلى معه؟ فقام أبو بكرؓ وصلى معه“(حوالہ سابق)۔

” وروى عن محمد رحمه الله انه لم يربالتكرار بأسا إذا صلوافى زاوية المسجد على سبيل الخفية، وإنما يكره إذا صلوا على سبيل التداعى والاجتماع. وفى الولوالجية: ولم يقم مقام الاول، وبه ناخذ، و فى الخلاصة: وقال الشافعى رحمه الله: لا بأس بتكرار الجماعة“ (تاتارخانیہ ۱/۵۲۸)۔

کورونا کی موجودہ عمومی وباء کی وجہ حکومتوں نے نماز جمعہ کی جماعت میں مصلیوں کی تعداد کو کم سے کم رکھنے کی ہدایت دی ہے،ظاہر ہے یہ ایک اضطراری کیفیت ہے،اضطراری واختیاری حالات کے احکام مختلف ہوتے ہیں،اس عذر کی بناء خاص طور پر نماز جمعہ کی حد تک تکرار جماعت کی اجازت دی جاسکتی ہے۔تکرار جماعت کے عدم جواز کی علت تقلیل جماعت ہے اور یہاں کورونا کے باعث تعداد کی قلت ہی مقصود ہے۔

(۲) البتہ بازاروں اور گزرگاہوں کی مساجد کا یہ حکم نہیں رہے گا چونکہ ان میں اکثر امام وموذن مقرر نہیں ہوتے اور ہوتے بھی ہیں تو تمام مصلیوں کا مقررہ وقت میں جمع ہونا ممکن نہیں رہتا،کیونکہ نماز کا وقت ہوجائے تو لوگ متفرق اوقات میں مسجد پہنچتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں،ایسی صورت میں شرعاً اس بات کی گنجائش ہوگی کہ کئی ایک جماعتیں قائم کی جاسکیں۔

” وان كا ن المسجد على قارعة الطريق و ليس فيه قوم معينون فلا باس بتكرار الجماعة“ (تاتارخانیہ ۱/۵۲۸)،تاہم یہ احکام نماز پنجگانہ کیلئے ہیں،انعقاد جمعہ کے احکام اس سے جدا ہیں،عام حالات میں مسجد میں جمعہ کی ایک ہی جماعت قائم کی جانی چاہئے،چونکہ نماز جمعہ سے شریعت کا مقصود مسلمانوں کو ایک مسجد میں جمع کرنا ہے تاکہ اجتماع کی کثرت کے مادی وروحانی فوائد حاصل ہوں،اس لئے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں اور نمازِ عیدین،عیدگاہوں میں ادا کرنے

کی فضیلت ہے تا کہ مساجد کی عمارتوں سے ہٹ کر کھلے میدانوں میں کثیر اجتماع کے ساتھ (عیدین کی) نمازیں ادا کی جائیں، اس سے مقصود سال میں دو مرتبہ بستی کے تمام مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے تا کہ امت مسلمہ کی کثرت کا نظارہ دنیا دیکھ سکے۔ اس کے بہت سے مصالح ہیں، امیر وغریب، بادشاہ وفقیر کا چھوٹے بڑے کے فرق اور امتیاز کے بغیر کثیر تعداد کا ایک جگہ جمع ہو کر عبادت کرنے سے مساوات کا پیغام ملتا ہے اور امت کے درمیان یہ اتحاد واتفاق پیار ومحبت کا مظہر ہے، اب سوال یہ ہے کہ بستیوں میں متعدد مساجد میں جمعہ وعیدین کی نمازوں کا اہتمام کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا ایک مسجد میں جمعہ کی متعدد جماعتیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

جہاں تک متعدد مساجد میں جمعہ کے انعقاد کا مسئلہ ہے ظاہر ہے مساجد زیادہ ہوں اور آبادیاں کم ہوں تو افضل وبہتر بات یہی ہے کہ سارے مسلمان جامع مسجد میں جمع ہو کر نماز ادا کریں اس کا اجر زیادہ ہے، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی آبادی اتنی زیادہ ہو کہ بستی کی ساری مساجد تنگ دامنی کا شکوہ کر رہی ہوں تو متعدد مساجد میں جمعہ کا اہتمام کیا جا سکتا ہے، ایک مسجد میں متعدد جمعہ کی نمازوں کا اہتمام ظاہر ہے عام حالات میں تو شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی، خاص حالات جیسے آبادی کثیر ہو بیک وقت سارے نمازیوں کیلئے مسجد کی جماعت میں شریک ہو کر نماز جمعہ وعیدین ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو یا کورونا جیسے وبائی امراض کی وجہ ماہر اطباء کی رائے کے پیش نظر ملکی قانون کی رو سے وباء سے حفاظت کیلئے آپسی میل جول میں فاصلہ برقرار رکھنا ضروری ہو، ایسی صورتحال میں جب مساجد میں نمازیں با جماعت ادا کی جائیں تو اس کا لحاظ بہر حال ضروری ہوگا، چنانچہ کورونا وباء کے موقع پر اطباء کی رائے کو پیش نظر رکھتے ہوئے وقت کے مقتدر علماء نے اجتماعی طور پر یہ طئے کیا کہ مساجد میں بھی دوران جماعت مصلیوں کے درمیان فاصلہ برقرار رکھا جائے اس کی پابندی کی وجہ خاص طور پر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہوئے مساجد تنگ دامنی کا شکوہ کر رہی ہوں تو حسب گنجائش مساجد میں جمعہ کا اہتمام کرنا چاہئے اور جو عدم گنجائش کی وجہ مساجد کی نماز جمعہ میں شریک نہ ہو سکے ہوں تو اس کا ایک حل یہ ہے کہ بستیوں میں شادی خانوں یا کسی عمارت کے بڑے ہالوں یا پھر کھلے میدانوں میں نماز جمعہ کی جماعتیں قائم کی جانی چاہئے۔ چونکہ نماز جمعہ کے قیام کے لئے مسجد شرط نہیں ہیا اس لئے اس کی اجازت ہوگی بشرطیکہ کھلے میدان موجود ہوں اور ملکی قانون بھی اس کی اجازت دیتا ہو، ایسی سہولتیں میسر نہ ہوں تو مساجد میں متعدد جمعہ کے قیام کی اجازت دی جا سکتی ہے، البتہ امام وخطیب تبدیل کر دیئے گئے ہوں یعنی پہلی جماعت ادا کرنے والے امام وخطیب نہ ہوں، بلکہ دوسری جماعت کے دوسرے امام وخطیب ہوں اور دوسری جماعت کے موقع پر جگہ تبدیل کر لی گئی ہو، یہی صورتحال عام حالات میں بھی بعض مغربی ممالک میں مسلمانوں کو درپیش ہے، وہاں اسلامی مراکز ہیں جہاں نماز پنجگانہ، نماز جمعہ وعیدین ادا کی جاتی ہیں۔ اکثر حالات میں کھلے میدانوں وغیرہ میں نماز کی جماعت قائم کرنا ممکن

نہیں ہوتا تو ان کیلئے بھی اس کی اجازت ہوگی کہ وہ حسب صراحت صدر ایک مسجد میں جمعہ کی متعدد جماعتوں کا اہتمام کریں۔

(ب) ان امور کا پاس ولحاظ نہ رکھا جائے تو بسا اوقات فتنہ وفساد کا اندیشہ رہتا ہے، ویسے کورونا وباء کے ماحول میں بعض مقامات پر فتنہ وفساد برپا ہوا ہے، یہ بات درست ہے کہ امت مسلمہ کی ایک معتدبہ تعداد پنجگانہ نماز باجماعت مساجد میں ادا کرنے سے غافل رہی ہے، جمعہ کی نماز کا اکثر مسلمان اہتمام کرتے ہیں اور عیدین میں مزید اس اہتمام میں اضافہ ہوجاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ مساجد میں خاص طور پر کورونا کی وجہ عائد پابندیوں کے باعث جہاں نماز پنجگانہ میں مصلیوں کی تعداد کم ہوگئی ہے، وہیں جمعہ اور عیدین میں بھی مصلیوں کی تعداد ہمیشہ سے کم دیکھی گئی ہے۔

۲- کورونا وباء کی وجہ احتیاط کے پیش نظر حکومت کی ہدایات کے پیش نظر جہاں ایک مسجد میں نماز جمعہ کے اہتمام کیلئے تکرار جماعت کو اجازت دی گئی ہے، وہیں اس میں کوئی دشواری ہو تو محلّہ کے مختلف مکانات میں جہاں سہولت ہو نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے پھر یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ جن شہروں میں حفاظتی احتیاطات میں نرمی برتی جارہی ہو اور جہاں ہدایات کے نفاذ میں سختی سے کام لیا جارہا ہو ہر دوجگہ کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقامی علماء کو عامۃ المسلمین کی رہبری کرنا چاہئے، جن کا یہ خیال ہے کہ متفرق جماعتوں کی اجازت دی جائے تو اس سے تشتت پیدا ہوگا اور لوگ اس کو معمول بنالیں گے، ظاہر ہے اس کی وجہ تکرار جماعت کی وقتی اجازت کو منع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نماز جمعہ کی پابندی کرتی ہے، اس امکانی خطرہ کے پیش نظر مساجد ومکانات یا شادی خانوں اور کھلے ہالوں میں اجازت نہ دی جائے تو احترام جمعہ سے متعلق جو جذبہ مسلمانوں میں ہے وہ سرد پڑ جائے گا اس میں یہ خطرہ بھی ہے کہ آئندہ وہ نماز جمعہ کے اہتمام میں تساہل برتیں گے۔ علماء کرام نے موجودہ حالات کی وجہ جو تکرار جماعت کی اجازت دی ہے وہ وقتی حل ہے اور اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے، البتہ اس ضمن میں خاص طور پر جمعہ کی جماعت کے اہتمام کے سلسلہ میں ''اذن عام'' کا مسئلہ بھی زیر بحث رہا ہے، بعضوں نے اس شرط کے نہ پائے جانے کو بنیاد بنا کر تکرار جمعہ کے عدم جواز کی رائے دی ہے، لیکن عالم اسلام کے ایک مؤخر ادارہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے جاری فتوی (نشان نمبر ۶۸۱) مورخہ ۳ شعبان المکرّم ۱۴۴۱ھ م ۲۹ مارچ ۲۰۲۰ء یہ فتوی رہبری کیلئے کافی ہے، چنانچہ اس فتوی میں یہ حوالے درج ہیں، البتہ اطباء کی رائے کے پیش نظر معمر اصحاب اور اطفال کو جماعت میں شرکت سے احتیاط کرنی چاہئے اور حکومت نے بھی ایسی ہدایات جاری کی ہیں، اس لئے ان کو چاہئے کہ جمعہ کے دن اپنے اپنے مکانات میں انفرادی طور پر ظہر کی نماز ادا کرلیں اور جو اس وباء سے متاثر ہیں ان کو بھی اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

۳- جمعہ کے دن جہاں انعقاد جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں تو وہاں جمعہ کی نماز ہی ادا کی جائے گی، وبائی امراض پھیل

گئے ہوں، ایک ہی جماعت کی اجازت ہو جس کی وجہ کچھ لوگ یا جو ضعیفی کی وجہ جماعت میں شریک نہ ہو سکے ہوں ان کو اپنے گھروں میں تنہا نماز ادا کرنا چاہئے، جمعہ کے دن خاص طور پر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی شریعت نے دو علتوں کی وجہ اجازت نہیں دی ہے، ایک علت ہے ''تقلیل جماعت''، دوسری علت ''نماز جمعہ سے معارضہ'' ظاہر ہے یہاں کورونا وباء کے باعث تقلیل جماعت زیر بحث نہیں ہے، اب رہا دوسرا عذر ''معارضہ'' اگر ظہر کی نماز جمعہ کے دن باجماعت پڑھنے کی اجازت دی جائے تو معارضہ کی صورت ہوگی، اس لئے موجودہ کورونا وباء کے حالات میں حکومتی ہدایات پر عمل آوری کی وجہ بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

''**وكره تحريما لمعذور و مسجون و مسافر أداء ظهر بجماعة فی مصر قبل الجمعة و بعدها لتقليل الجماعة و صورة المعارضة**'' (الدر المختار ۶/ ۱۰۵)، کیونکہ شہروں میں رہنے والے یا تو کسی وجہ جمعہ کی جماعت میں شریک نہ ہو سکے ہوں یا ایسے معذور ہوں کہ مسجد تک نہ جاسکتے ہوں تو ان کو ظہر کی نماز تنہا پڑھ لینا چاہئے کہ یہ ان کے حق میں جمعہ کا متبادل ہوگا۔

''**لأن ساكن المصر مامور بشيئين فی هذا الوقت بترک الجماعات و شهود الجمعة، والمعذور قدر علی أحدهما و هو ترک الجماعات فيؤمر بالترک**'' (بدائع الصنائع ۳/ ۶۲)۔

تجہیز و تکفین:

اسلام نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے کئی حقوق بیان کئے ہیں جو زندگی و موت سے متعلق ہیں، میت سے متعلق جو حقوق بیان ہوئے ہیں ان میں مسلم میت کو غسل دینا ایک واجب حق ہے، جو فرض کے درجہ میں ہے، عام حالات میں تو یہ آسان ہے اور اس پر مسلمان عمل بھی کرتے ہیں لیکن کورونا کی وجہ فوت ہونے والوں کے مسائل جدا ہیں، کچھ تو اطباء کی آراء کی وجہ اور کچھ تو اس ابتلاء کے ڈر و خوف سے مسلمان بھی اس سے خائف ہو گئے ہیں جس کی وجہ اس طرح کے بعض واقعات منظر عام پر آئے ہیں، لیکن ایسی میتوں کو بھی ممکنہ حد تک غسل دینے کی کوشش ضرور کی جانی چاہئے، یا تو قریبی اعزہ واقرباء یا پھر مسلمانوں میں سے کوئی کورونا سے حفاظتی احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے غسل دے، یا پھر وہ دواخانہ کا عملہ جو کورونا مریضوں کی تیمارداری اور علاج و معالجہ پر مامور ہے، ان سے خواہش کی جائے کہ وہ حفاظتی اقدامات کے ساتھ جیسے تیمارداری کر رہے تھے ویسے ہی ان کو غسل دیں، اس عملہ میں مسلم اصحاب موجود نہ ہوں تو غیر مسلم اصحاب سے بھی اس کی خواہش کی جاسکتی ہے وہ اگر غسل دیں تو کافی ہے۔ راست طور پر حفاظتی اقدامات کے ساتھ غسل دینے میں بھی کوئی خطرہ ہو تو ایک فاصلہ سے میت پر پائپ کے ذریعہ پانی بہادیا جاسکتا ہے، ان شاء اللہ یہ بھی غسل کے قائم مقام ہوگا، بعض طبی عملہ کے

ذمہ داروں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ عام طور پر دواخانوں میں کورونا میتوں پر کور لپیٹنے سے پہلے ایسے محلول سے جسم کو صاف کیا جاتا ہے جس میں پانی اور جراثیم کش ادویہ شامل ہوتی ہیں، خاص حالات میں اس کو بھی غسل کے قائم مقام سمجھا جاسکتا ہے۔

”غُسْلُ الْمَيِّتِ حَقٌّ وَاجِبٌ على الْأَحْيَاءِ بِالسُّنَّةِ وإجمَاعِ الْأُمَّةِ كَذَا فى النِّهَايَةِ، وَلٰكِنْ إذَا قام بِهِ الْبَعْضُ سَقَطَ عن الْبَاقِينَ، كَذَا فى الْكَافِي، وَالْوَاجِبُ هو الْغُسْلُ مَرَّةً وَاحِدَةً وَالتَّكْرَارُ سُنَّةٌ، حتى لو اكْتَفَى بِغَسْلَةٍ وَاحِدَةٍ أو غَمْسَةٍ وَاحِدَةٍ فى مَاءٍ جَارٍ جَازَ، كَذَا فى الْبَدَائِعِ، وَيُجَرَّدُ الْمَيِّتُ إذَا أُرِيدُ غُسْلُهُ“ (فتاوی الہندیہ ۱/۱۵۸)۔

” وَلَوْ كان الْمَيِّتُ مُتَفَسِّخًا يَتَعَذَّرُ مَسْحُهُ كَفَى صَبُّ الْمَاءِ عليه كَذَا فى التَّتَارْخَانِيَّة نَاقِلًا عن الْعَتَّابِيَّةِ وَحُكْمُ الْمَرْأَةِ فى الْغُسْلِ كَحُكْمِ الرَّجُلِ وَلَا يُرْسَلُ شَعْرُهَا على ظَهْرِهَا“ (حوالہ سابق)، اگر طبی احتیاط پر مبنی پابندی کی بنا ڈاکٹروں کی طرف سے غسل دینے کی کسی طرح بھی اجازت نہ ہو تو پیکنگ سے پہلے ہی میت کو تیمّم کرا دیا جائے، تیمّم کا طریقہ یہ ہوگا کہ پاک مٹی پر ہاتھ مار کر ایک مرتبہ میت کے چہرے پر پھیرا جائے، پھر دوسری مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر میت کے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیرا جائے، بس اتنا ہی کافی ہے۔ واضح رہے کہ بوقت مجبوری یہ کام ہاتھوں میں دستانے وغیرہ لگا کر بھی کیا جاسکتا ہے۔

” حبلى... ماتت بين رجال أو هو بين نساء يممه المحرم، فإن لم يكن فالأجنبى بخرقة وييمم الخنثى المشكل لو مراهقا وإلا فكغيره، فيغسله الرجال والنساء يمم لفقد ماء“ (الدر المختار ۲/۲۰۱)، مسنون کفن بھی دیا جانا چاہئے، یہ بھی میت کا ایک حق ہے، کورونا کی وجہ فوت میتوں کو عام طور پر پلاسٹک کے کور میں لپیٹ کر متعلقین کے حوالہ کیا جاتا ہے ایسی صورت میں لواحقین کو چاہئے کہ مسنون کفن طبی عملہ کے حوالہ کریں اور خواہش کریں کہ کور لپیٹنے سے پہلے کفن پہنادیں، لیکن طبی عملہ اس کو قبول نہ کرے اور پلاسٹک کا کور لپیٹ کر ہی لواحقین کے حوالہ کرتے ہوئے اسے کھولنے کی اجازت نہ دے تو لواحقین کو چاہئے کہ اس کور پر ہی کفن پہنادیں، اس کی بھی اجازت نہ ہو تو پھر وہ معذور سمجھے جائیں گے۔ وہی کور کفن کے قائم مقام ہوجائے گا، بالفرض اس بات کا پتہ چلے کہ مذکورہ قسم کے محلول سے جسم کو دھویا نہیں گیا ہے اور تیمّم کرانے کی اجازت بھی نہیں دی گئی ہے اور اس پر کور لپیٹ دیا گیا ہے تو اب کور کے اوپر سے تیمّم کرنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی، ارشاد باری ہے:” لا يكلف الله نفسا الا وسعها “ (البقرہ/۲۸۶)، فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ کسی عذر و دشواری کے بغیر میت کو غسل دینے پر قدرت حاصل تھی پھر بھی میت کو غسل دئے بغیر ہی اس پر نماز جنازہ ادا کر لی گئی ہو

اور تدفین بھی کردی گئی ہو تو میت کو قبر سے کر نکال کر غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ تیمّم نام ہے راست چہرہ اور ہاتھ پر کہنیوں تک مٹی پر ہاتھ مار کر مسح کرنے کا البتہ طبی ہدایات کے مطابق ہاتھوں پر دستانے پہن کر تیمّم کرنے کی اجازت دی جائے تو شرعاً تیمّم ہو جائے گا۔

۵- دواخانہ کا عملہ حفاظتی اقدامات کے طور پر میت کو متعلقین کے حوالہ کرنے تیار نہ ہو خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کرنا چاہے تو یہ بات دو حال سے خالی نہیں ہوگی، ایک میت کے متعلقین کو قبرستان یا تدفین کی جگہ کی اطلاع دے دی جائے اور کچھ افراد کو وہاں پہنچنے کی اجازت بھی مل جائے تو ان سے خواہش کر کے سپرد خاک کرنے سے قبل نماز جنازہ ادا کر لینا چاہئے، اگر اس کی اجازت نہ ملے یا متعلقین کو تدفین کی جگہ کی اطلاع بھی نہ دی جائے اور سپرد خاک کر دیا جائے تو علم ہونے پر ان احادیث کی روشنی میں قبر پر نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔

"خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا وَرَدْنَا الْبَقِيعَ إِذَا هُوَ بِقَبْرٍ جَدِيدٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقِيلَ فُلَانَةُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ أَلَا آذَنْتُمُونِی بِهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كُنْتَ قَائِلًا صَائِمًا، فَكَرِهْنَا أَنْ نُؤْذِنَكَ فَقَالَ: لَا تَفْعَلُوا لَا يَمُوتَنَّ فِيكُمْ مَيِّتٌ مَا كُنْتُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ أَلَا آذَنْتُمُونِي بِهِ، فَإِنَّ صَلَاتِي عَلَيْهِ لَهُ رَحْمَةٌ، قَالَ ثُمَّ أَتَى الْقَبْرَ فَصَفَّنَا خَلْفَهُ وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا" (مسند احمد ۳۹/۴۴۶)۔ "اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى قَبْرٍ" (صحیح مسلم ۵/۵۸) "اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى قَبْرِ امْرَاَةٍ بَعْدَ مَا دُفِنَتْ" (سنن النسائی ۷/۱۴۲)، لیکن شرط یہ ہوگی کہ میت کے جسم کے سالم رہنے کا یقین ہو، فقہاء کرام نے میت کی جسمانی حالت اور موسم کا لحاظ رکھتے ہوئے کب تک نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے اس کی صراحت کی ہے (تاتارخانیہ ۲/۱۷۴)۔

جواب (الف، ب):۔ نماز جنازہ ادا کرنا فرض کفایہ ہے، حکومت کی اجازت ہو تو قبل از تدفین کچھ افراد ضرور نماز جنازہ ادا کریں، البتہ صراحت صدر کے مطابق فقہائے احناف کے ہاں میت کا امام کے سامنے ہونا شرط ہے، (وشرطها)......(اسلام الميت وطهارته)......و......حضوره (ووضعه) وكونه هوا واكثره (امام المصلى) (درمختار ۲/۲۰۷) نماز جنازہ غائبانہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، ائمۂ احناف وموالک اس کی اجازت نہیں دیتے، "وعن أبى حنيفة و المالكية لا يشرع ذلك" (بذل المجهود ۱۰/۴۹۴)، البتہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس کی اجازت ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے حبش کے شاہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی ہے، اس لئے نماز جنازہ غائبانہ جائز ہے، ہمارے فقہائے کرام نے بھی اس کی صراحت کی ہے، "قال أصحابنا: لا يصلى على ميت غائب، و قال الشافعي: يصلى عليه استدلالا بصلاة النبى ﷺ على النجاشي، و هو غائب، و لا حجة له فيه

لما بينا على أنه روى أن الأرض طويت له ولا" (یوجد مثل ذالک فی حق غیرہ (بدائع الصنائع ۲/۴۷)۔حنفیہ کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، البتہ جس کی نماز جنازہ ادا نہ کی گئی ہو تو اس کی نماز جنازہ ادا کرنا واجب ہے (تاتارخانیہ ۲/۱۷۴)، لیکن جس کی نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا گوکہ مشروع نہیں ہے، تاہم بعض خاص احوال میں اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی تفصیل ہے۔

بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ جس غائب پر اس کے شہر میں نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہے تو اس پر دوبارہ نہ پڑھی جائے اور بعض اہل علم اس کے پڑھنے کے قائل ہیں۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ جس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا رہی ہے اس کی اسلام میں خاص شان وشوکت ہو جیسا کہ نجاشیؒ تھے۔ کیونکہ جب نجاشیؒ اپنے وطن میں فوت ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی خبر دی اور ان پر غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔ مگر یہ ثابت نہیں ہے کہ ان کے علاوہ بھی اس طرح سے اوروں پر غائبانہ نماز جنازہ آپ ﷺ نے پڑھی ہو۔

جس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا رہی ہے وہ کوئی عادل و اچھا حکمران ہو تو اس پر ولی امر اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتا ہے اور ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح سے علماء حق و داعیان ہدایت پر بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے نجاشی رحمہ اللہ پر ادا فرمائی تھی، البتہ عام لوگوں پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ہر غائب شخص پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں ادا کرنا ثابت نہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت نجاشی رحمہ اللہ پر غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔ آپ رحمہ اللہ کی اسلام کی خاطر بڑی خدمات تھیں آپ رحمہ اللہ نے ان مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے پاس پناہ دی تھی جو حبشہ کی طرف ہجرت کئے تھے، آپ رحمہ اللہ نے ان کی نصرت فرمائی کی، ان کا دفاع فرمایا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ فرمایا، آپ رحمہ اللہ کی وجہ اسلام کو عظیم تائید حاصل ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ رحمہ اللہ پر غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ اس حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے بعض فقہاء کرام اس بات کے قائل ہیں کہ جس شخص کا ایسا درجہ ہو اور اسلام کے لئے اس کی عظیم خدمات ہوں تو اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شخصیت اس پائے کی ہو جو مسلمان حکمرانوں میں سے یا علماء کرام میں اس کا شمار ہو مسلمان اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کریں خواہ وہ کسی دوسرے ملک یا شہر میں فوت ہوں یا ان کے اپنے ملک و شہر میں، جس کی دلیل یہی نجاشی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا قصہ ہے۔

"**(ولابأس باتخاذ تابوت) ولو من حجر أو حديد (له عند الحاجة) كرخاوة الأرض....**

(قوله: ولا بأس باتخاذ تابوت الخ) أی یرخص ذلک عند الحاجة، وإلا کره کما قدمناه آنفا"

(ردالمحتار ۶/۳۶۹)۔تاہم اس سوال میں ذکر کردہ صورتحال میں کورونا مسلم میت پر قبل از تدفین نماز جنازہ نہ پڑھی جاسکی ہو تو یہ ایک اضطراری صورت ہے،اس لئے اس کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کرنے کی اجازت دی جانے چاہئے، چونکہ بہت سے مسائل میں وقت وحالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض خاص حالات میں مسلک حنفی سے عدول کی اجازت ثابت ہے، بریں بنا اس مسئلہ میں بھی گو کہ مسلک حنفی میں اس کی گنجائش نہیں، لیکن اس مسئلہ میں بھی وقت کے متبحر علماء علام کو اضطراری صورتحال کے پیش نظر اجازت دینا چاہئے تاکہ میت کا یہ جو حق ہے کسی نہ کسی درجہ میں ادا ہو جائے۔ چونکہ حنابلہ وشوافع کے ہاں عام حالات میں بھی اس کی اجازت ہے ظاہر ہے اس کے جواز کی دلیل بھی ان کے ہاں حدیث میں مذکورہ نجاشی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے۔

☆☆☆

کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری☆

مساجد میں تکرارِ جماعت کا مسئلہ:

''درمختار'' میں ہے:''ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة، لا فی مسجد طریق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن'' (حاشیہ ابن عابدین ردالمحتار ۳/ ۵۰۳) (مکروہ ہے تکرارِ جماعت، اذان واقامت کے ساتھ محلّہ کی مسجد میں، لیکن راستے کی مسجد اور وہ مسجد جس میں امام اور مؤذن مقرر نہیں، مکروہ نہیں)۔

تکرار جماعت کی کراہت کی وجہ حضور ﷺ کا فعل ہے، چنانچہ عبدالرحمنؓ بن ابی بکرہ اپنے والد ابوبکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ انصار کے پاس ان کے مابین ایک جھگڑا طے کرانے اور صلح کرانے تشریف لے گئے، واپس آئے تو جماعت ہوچکی۔

''فرجع وقد صلّی فی المسجد بجماعة فدخل رسول الله ﷺ فی منزل بعض أهله فجمع أهله فصلی بهم جماعة'' (بدائع الصنائع ۱/ ۳۷۹، اعلاء السنن ۴/ ۲۵۱، مجمع الزوائد ۱/ ۱۶۰) (پس جب رسول اللہ ﷺ لوٹ کر آئے تو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہوچکی تھی، پھر آپ ﷺ اپنی بعض ازواجِ مطہرات کے گھر گئے، انہیں لیکر جماعت سے نماز پڑھائی)۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام کاسانیؒ لکھتے ہیں:''ولو لم یکرہ تکرار الجماعة فی المسجد لما ترکها رسول الله ﷺ مع علمه بفضل الجماعة فی المسجد.'' (بدائع الصنائع ۱/ ۳۷۹) (اگر مسجد میں تکرار جماعت، مکروہ نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ (دوسری) جماعت کو ترک نہ کرتے جبکہ آپ مسجد میں جماعت کی فضیلت سے واقف تھے)۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی جب جماعت چھوٹ جاتی تھی تو تنہا تنہا

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی۔

نماز پڑھتے تھے۔

"صلوا فی المسجد فرادیٰ "(کتاب الأم ۱/۳۷،المدونۃ الکبریٰ ۱/۸۹،اعلاء السنن ۴/۲۴۸)(مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے)۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:"ولأن التکرار یؤدی الیٰ تقلیل الجماعة؛ لأن الناس"(اس لئے کہ تکرار جماعت کا نتیجہ تقلیل جماعت ہے، اس لئے کہ لوگ)"إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون، فتکثر الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم یتأخرون فتقل الجماعة وتقلیل الجماعة مکروه" (بدائع ۱/۳۸۰)۔

(جب یہ جانیں گے کہ ان کی جماعت فوت ہورہی ہے تو جلدی کرکے جماعت میں شرکت کے لئے آئیں گے، اس طرح جماعت میں لوگوں کی کثرت ہوجائے گی۔اور جب جانیں گے کہ ان کی جماعت فوت نہیں ہورہی ہے (کیونکہ دوسری جماعت ہوجائے گی) تو لوگ آنے میں دیر لگائیں گے اور پہلی جماعت میں لوگ گھٹ جائیں گے اور تقلیل جماعت مکروہ ہے)۔

''ردالمحتار''میں ہے:"ولأن فی الإطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنیً، فانهم لا یجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتهم " (حاشیہ ابن عابدین ۳/۵۰۴)(اس لئے کہ اس طرح آزاد چھوڑ دینے میں معنیً تقلیلِ جماعت ہے، کیونکہ لوگ جمع نہیں ہوں گے، جب یہ جانیں گے کہ ان کی جماعت فوت نہیں ہورہی ہے)۔

''درمختار'' کی جو عبارت پہلے لکھی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکرارِ جماعت اس وقت مکروہ ہے جب اذان واقامت کے ساتھ ہو، لیکن یہاں نقل کردہ حوالہ جات کا ماحصل یہ ہے کہ تکرار جماعت، بغیر اذان واقامت کے بھی مکروہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:"ومقتضیٰ هٰذا الاستدلال کراهة التکرار فی مسجد المحلة ولو بدون اذان ویؤیده مافی الظهیریة لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه اهله یصلون وحداناً، وهو ظاهر الروایة اه"(حوالہ مذکور)۔

(اس استدلال کا مقتضیٰ مسجدِ محلّہ میں تکرار جماعت کی کراہت ہے، اگرچہ بغیر اذان کے ہو، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے کہ اگر کچھ لوگ مسجد میں اس وقت داخل ہوں جب اس میں نماز پڑھی جاچکی ہو تو سب کے سب تنہا نماز پڑھیں، یہی ظاہر روایت ہے)۔

اس سے چند سطور پہلے ''المنبع'' کے حوالے سے لکھ چکے ہیں:"وبالأذان الثانی احتراز عما إذا صلیّ فی مسجد المحلة جماعة بغیر أذان حیث یباح إجماعاً"(اذانِ ثانی کے ذریعہ احتراز ہے اس صورت سے جب مسجدِ

محلّہ میں جماعت بغیر اذان کے ہوئی ہو، اس لئے کہ اس وقت جماعتِ ثانیہ مباح ہوگی)۔

مگر ''ظہیریہ'' سے ظاہر الروایہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''وهذا مخالف لحكاية الإجماع المارة''(یہ اس کے مخالف ہے جو ابھی اجماع بیان کرنا گزرا ہے، گویا بغیر اذان کے بھی تکرارِ جماعت مکروہ ہے)۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثانی (مفتی دارالعلوم دیوبند) ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''پس آنحضرت ﷺ کے فعل سے اور فقہاء کی تصریح سے کراہتِ جماعتِ ثانیہ مسجد محلّہ میں ثابت ہوئی، اس صورت میں اگر بعض روایات جواز کی بھی ہوں تو اول تو جواز کراہت کے ساتھ بھی جمع ہوتا ہے تو وہاں جواز مع الکراہہ مراد ہوگا، غایت یہ کہ کراہت تنزیہی ہوگی، بہر حال جماعتِ ثانیہ کراہتِ تحریمی یا تنزیہی سے خالی نہیں، اور دوسرے یہ کہ جہاں کراہت اور عدمِ کراہت میں تعارض ہوتا ہے تو کراہت کو ترجیح دی جاتی ہے۔'' لأن دفع المضار أولیٰ من جلب المنافع''، یہی مضامین ہیں جن کو مولانا گنگوہی قدس سرہ نے (مفصلاً) اپنے رسالہ ''کراہتِ جماعتِ ثانیہ'' میں بیان فرمائے ہیں، اور اس میں جواب ان روایاتِ حدیث وفقہ کا دیا ہے جس سے جواز مفہوم ہوتا ہے، مولانا قاسم صاحب نانوتوی ؒ نے اس بارے میں ایک امر فیصلہ کن ارشاد فرمایا ہے، انہوں نے فرمایا کہ عدمِ جواز جماعتِ ثانیہ میں ایک دلیل مجھ کو ظاہر ہوئی، اور ایک حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری قدس سرہ کو جو کہ استاذ ہیں مولانا نانوتویؒ کے۔

وہ دلیل جو مولانا نانوتویؒ کو معلوم ہوئی وہ قصہ صلاۃِ خوف کا ہے کہ باوجود ایسی کشاکشی کے کہ جنگ کا موقع ہے، ایک ہی جماعت کی گئی، اور نمازیوں کے دو طائفہ کئے گئے، اور اس قدر حرکات اور ذہاب وایاب نماز کے اندر جائز کیا گیا، مگر جماعتِ ثانیہ کی اجازت نہ ہوئی، حالانکہ یہ آسان تھا کہ ایک امام ایک طائفہ کو پوری نماز پڑھا دیتا، اور دوسرا امام اس کے بعد دوسرے طائفہ کو پوری نماز باجماعت پڑھا دیتا، اس کو فرمایا کہ یہ دلیل ظاہر تر ہے، اور چونکہ یہ نماز آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں تھی، بلکہ اب بھی اسی طرح پڑھنے کا حکم ہے، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اس لئے تھا کہ سب کو ان کی اقتداء کی فضیلت حاصل ہو۔

اور وہ دلیل جو مولانا احمد علیؒ نے فرمائی ہے وہ دقیق ہے، مولانا احمد علی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ ہے کہ جس مسجد میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز ہو چکی ہو تو اس مسجد میں پھر جمعہ کی جماعت درست نہیں ہے، چنانچہ شامی (والظاهر انه يغلق أيضا بعد اقامة الجمعة لئلا يجتمع فيه أحد بعدها، ردالمحتار ۳/کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة)ظفیر) وغیرہ میں تصریح ہے کہ جمعہ کے بعد جامع مسجد کے کواڑ بند کر دیئے جائیں کہ ایسا نہ ہو کہ پھر چند آدمی آکر جماعتِ ثانیہ کرلیں تو اس کی وجہ میں جو غور کیا کہ کیا وجہ اس عدمِ جواز کی ہے، حالانکہ شرائطِ جمعہ سب علیٰ حالہا موجود ہیں، مصر بھی ہے، اِذنِ عام بھی

ہے، نمازی بھی موجود ہیں، ایک مصر میں تعددِ جمعہ بھی درست ہے، پھر کیا وجہ کہ دوبارہ جماعتِ جمعہ ایک مسجد میں صحیح نہ ہوتو اس کے سوا کچھ وجہ نہیں کہ جمعہ کے لئے جماعت بھی شرط ہے، پس معلوم ہوا کہ جماعتِ ثانیہ، جماعتِ مشروع نہیں ہے، اور جب کہ وہ جماعت معتبر نہ ہوئی تو ایک شرط جمعہ کی فوت ہوگئی، پس معلوم ہوا کہ جماعتِ ثانیہ ایک مسجد میں درست نہیں ہے'' (فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۷۵،۷۶)۔

اب ایک دوسرا نقطہ نظر بھی دیکھئے: مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

''ایسا ہی مکروہ تحریمی ہے ہر فرض کی دوسری جماعت مسجد میں ان چار شرطوں سے (۱) مسجد محلّہ کی ہو، عام رہ گزر پر نہ ہو۔ (۲) پہلی جماعت بلند آواز سے اذان و اقامت کہہ کر پڑھی گئی ہو۔ (۳) پہلی جماعت ان لوگوں نے پڑھی ہو جو اس محلّہ میں رہتے ہوں اور جن کو اس مسجد کے انتظامات کا اختیار حاصل ہے۔ (۴) دوسری جماعت اسی ہیئت اور اہتمام سے ادا کی جائے جس ہیئت اور اہتمام سے پہلی جماعت ادا کی گئی ہے۔

اگر دوسری جماعت، مسجد میں نہ ادا کی جائے بلکہ گھر میں تو پھر مکروہ نہیں، اسی طرح اگر کوئی شرط ان چاروں شرطوں میں سے نہ پائی جائے مثلاً مسجد عام رہ گزر پر ہو محلّہ کی نہ ہو تو اس میں دوسری بلکہ تیسری چوتھی جماعت بھی مکروہ نہیں، یا پہلی جماعت بلند آواز سے اذان و اقامت کہہ کر نہ پڑھی گئی ہو تو دوسری جماعت مکروہ نہیں، یا پہلی جماعت ان لوگوں نے پڑھی ہو جو اس محلّہ میں نہیں رہتے نہ ان کو مسجد کے انتظامات کا اختیار حاصل ہے، یا دوسری جماعت اس ہیئت سے نہ ادا کی جائے جس ہیئت سے پہلی جماعت ادا کی گئی ہے، جس جگہ پہلی جماعت کا امام کھڑا ہوا تھا، دوسری جماعت کا امام وہاں سے ہٹ کر کھڑا ہو تو ہیئت بدل جائے گی، اور یہ جماعت مکروہ نہ ہوگی (ردالمحتار،علم الفقہ ۲/ ۹۸)۔

اسی مسئلہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''اگرچہ ظاہر الروایت میں حنفیہ کے نزدیک دوسری جماعت کی کراہت منقول ہے اور اسی بنا پر بعض علماء اس صورت میں بھی دوسری جماعت کو مکروہ کہتے ہیں، مگر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ہیئت بدل دی جائے تو مکروہ نہیں اور انہیں کے قول پر فتویٰ ہے۔ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس کو بہت بسط سے لکھا ہے، احادیث میں بھی دوسری جماعت کا جواز نکلتا ہے، ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو تنہا نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ کون ہے جو اس کے ساتھ احسان کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھ لے، یعنی اس کو جماعت کا ثواب دلا دے، پس ایک شخص کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھ لی، بعض روایتوں میں ہے کہ جو اس شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کو کھڑے ہوگئے وہ امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ تھے اور نیز بخاری میں بطور تعلیق کے مذکور ہے کہ انس رضی اللہ عنہ بنی رفاعہ کی مسجد میں آئے وہاں نماز ہو چکی تھی، انہوں نے وہاں پھر اذان و اقامت کے ساتھ دوسری جماعت ادا کی، بعض

لوگوں کا خیال ہے کہ اگر دوسری جماعت کی اجازت دے دی جائے گی تو پہلی جماعت کے کم ہوجانے کا خوف ہے، حالانکہ یہ اس وقت لازم آئے گا کہ دوسری جماعت بطور التزام کے قائم کردی جائے اور جب بطور التزام کے ایک ہی جماعت مقرر ہے اور اتفاقاً کچھ لوگ اس میں نہ ہوئے تو ان کے جماعت کرنے سے یہ امر لازم نہیں آتا، علاوہ اس کے جب پہلی جماعت کے برابر دوسری جماعت کا ثواب نہیں رکھا گیا تو طالبانِ ثواب کسی طرح پہلی جماعت میں کمی نہ کریں گے اور جو لوگ جماعت ہی نہیں کرتے اس کا کیا علاج'' (کتاب مذکور ص۹۹)۔ واللہ اعلم

''بدائع الصنائع'' میں ہے:''روی عن أبی یوسف أنه انما یکره اذا کانت الجماعة الثانیة کثیرة، فأما إذا کانوا ثلاثة أو أربعة فقاموا فی زاویة من زوایا المسجد وصلّوا بجماعة لا یکره وروی عن محمد أنه أنما یکره إذا کانت الثانیة علیٰ سبیل التداعی والاجتماع، فأما اذا لم یکن فلا یکره''(بدائع الصنائع ۱/۳۷۹)۔

(امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ جماعتِ ثانیہ اس وقت مکروہ ہے جب جماعتِ ثانیہ میں بہت زیادہ لوگ شریک ہونے لگیں، لیکن اگر تین یا چار افراد ہوں اور وہ مسجد کے گوشوں میں سے کسی گوشے میں کھڑے ہوجائیں اور جماعت سے نماز پڑھ لیں تو مکروہ نہیں، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جماعتِ ثانیہ اس وقت مکروہ ہے جب تداعی اور اجتماع کے طریقہ پر ہو، اگر ایسا نہ ہو تو مکروہ نہیں)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ جماعتِ ثانیہ کے جواز و عدمِ جواز پر مفصل گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں:''هٰذا وقدمنا فی باب الأذان عن اٰخر شرح المنیة عن أبی یوسف أنه اذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الاولی لا تکره وإلا تکره وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة کذا فی البزازیة انتهی وفی التتارخانیة عن الولوالجیةوبه نأخذ''(حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۵۰۳، ۵۰۴)۔

تکرار جماعت کی کراہت کا بیان ہوگیا، لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ہم''باب الاذان'' میں'' شرح المنیہ'' کے آخر کے حوالہ سے امام ابو یوسفؒ سے یہ نقل''الاولیٰ لا تکره وإلا تکره وهوالصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة کذا فی البزازیة انتهیٰ وفی التتارخانیة عن الولوالجیة وبه نأخذ'' کر چکے ہیں کہ اگر دوسری جماعت، پہلی جماعت کی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں، ورنہ پھر مکروہ ہے، یہی صحیح ہے، اور محراب سے ہٹ جانے سے ہیئت بدل جاتی ہے، ایسے ہی بزازیہ میں ہے، اور تاتارخانیہ میں ہے''ولوالجیہ'' سے، اور اسی کو ہم لیتے ہیں (یعنی یہی مفتیٰ بہ ہے)۔

عباراتِ مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعتِ ثانیہ سے یقیناً تقلیل جماعت ہے، بہت سے لوگ اذان ہوجانے،

جماعت کا وقت ہو جانے کے باوجود، اپنے کاروبار، اپنی دکانوں، اپنی مجلسوں، اپنی گفتگوؤں میں لگے رہیں گے کہ ابھی کیا جلدی ہے، بیٹھے رہو، چل کے پھر سے اپنی جماعت کرلیں گے، اس سے جماعتِ اولیٰ میں شریک ہونے سے متعلق سستی پیدا ہوگی۔

لیکن یہ اس صورت میں ہوگا، جب کسی مسجد میں لازماً دوسری، تیسری جماعت بنائی جاتی رہی ہو، لیکن اگر ایسا نہ ہو، جماعت تو صرف ایک ہی ہوتی ہو، مگر کبھی اتفاق سے کچھ لوگ کسی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہوسکے ہوں اور دوسری جماعت جگہ بدل کر کرلیں (جگہ بدلنے کی تفصیل علم الفقہ اور حاشیہ ابن عابدین کے حوالے سے بتائی جاچکی ہے) تو اس کی بہر حال گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس میں تشدد نہیں کرنا چاہئے، اس صورت میں اگر کراہت ہوگی بھی تو کراہت تنزیہی کے درجہ کی، اور کراہتِ تنزیہی خلافِ اولیٰ کو کہتے ہیں، حرام کو نہیں کہتے، اور مجبوری، پریشانی اور کسی حکومتی یا خارجی زبردست دباؤ کے نتیجے میں مکروہ تنزیہی بھی نہیں رہے گا، خاص طور پر ان مواقع اور حالات میں جب مجبوری اور اضطرار کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

فقہ حنفی میں بھی اس طرح کی جماعتِ ثانیہ کا جواز بالکل واضح ہے، حوالہ جات والی عبارتوں پر غور کرلیا جائے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں جس جماعتِ ثانیہ کی کراہت لکھی گئی ہے، غور کیا جائے تو وہ وہی جماعتِ ثانیہ ہے جو التزاماً کی جاتی ہو، جس کی عادت بنالی گئی ہو، صلوٰۃِ خوف میں جماعتِ ثانیہ اگر کی جائے گی تو التزاماً ہی ہوگی، کیونکہ شدتِ خوف کے وقت تو جماعت ہی نہیں ہے، تنہا تنہا پڑھنا ہے، جو جیسے پڑھ سکے پڑھ لے۔

"وان اشتد الخوف صلوا ركبانا وحدانايؤمون بالركوع والسجود الىٰ أى جهة شائوا اذا لم يقدروا على التوجه إلى القبلة" (المختصر للقدوری/۵۰ باب صلوۃ الخوف)۔

(اور اگر خوف سخت ہو جائے تو لوگ سواری پر ہی تنہا تنہا نماز پڑھیں، رکوع اور سجدے میں اشارہ کریں، اگر قبلہ کی طرف رخ کرنے پر قادر نہ ہوں تو جس جہت پر چاہیں، نماز پڑھ لیں)۔

اسی طرح نمازِ جمعہ ہو جانے کے بعد، اسی مسجد میں دوسری جماعتِ جمعہ بھی التزاماً ہی ہوگی، اس لئے کہ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد شرط نہیں ہے، اگر ان کا جمعہ چھوٹ گیا ہے تو وہ مسجد کے علاوہ کسی دوسری مناسب جگہ (دوسری مسجد وغیرہ) میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نمازِ ظہر پڑھ سکتے ہیں، اسی مسجد میں آکر نمازِ جمعہ پڑھنا التزاماً ہی ہوا، مجبوری، اضطراری، حکومتی دباؤ، یا کبھی اتفاقیہ (جماعت کے وقت کے ذہول یا لاعلمی یا وقت پر نہ پہونچ پانا، مثلاً اس مقام کے نو وارد حضرات، مسافر حضرات کی) جماعتِ ثانیہ اس بحث سے خارج ہے۔

دوسرے یہ کہ خود اسی فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں جماعتِ ثانیہ کو کراہتِ تنزیہی بھی لکھا ہے، اور کراہتِ تنزیہی،

خلافِ اولیٰ کو کہتے ہیں، یعنی بہتر کے خلاف، بہتر یہ ہے کہ صرف ایک جماعت ہو، دوسری جماعت نہ ہوا کرے، لیکن اَعذار کی صورتیں، اتفاقیہ ہوجانے والی صورتیں اس میں شامل نہ ہوں گی، کیونکہ تقلیلِ جماعت قصداً، اس وقت ہوگی جب التزاماً اور عادۃً جماعتِ ثانیہ ہونے لگے، دباؤ، مجبوری، مفسد عناصر کے شر سے بچنے یا اسی قسم کے اعذار کی صورت میں نمازیوں کی طرف سے تقلیلِ جماعت کا قصد نہ ہونا بالکل واضح ہے، اور اتفاقیہ صورت میں بھی جماعتِ ثانیہ کرنے والے تقلیلِ جماعت کا باعث بننے والے نہیں کہے جاسکتے، اتفاقیہ امور قصد سے خارج ہوا کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تقلیلِ جماعت اس وقت ہوگی جب لازمی طور پر دوسری جماعت ہوا ہی کرتی ہو، جماعتِ اولیٰ میں نہ حاضر ہونے والے لوگ، دوسری جماعت کر ہی لیتے ہوں جیسا کہ بعض عرب ممالک کی مساجد میں عام ہے، اس میں بلاشبہ، جماعتِ اولیٰ کی تقلیل ہے، بہت سے لوگ بالقصد جماعتِ اولیٰ چھوڑ دیتے ہیں کہ جب پہونچیں گے، اپنی جماعت کرلیں گے، اس کے مکروہ تحریمی ہونے میں کیا شک؟

اس جگہ مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ کے اقتباس کا یہ جملہ دہرانے کا جی چاہتا ہے: ''علاوہ اس کے جب پہلی جماعت کے برابر، دوسری جماعت کا ثواب نہیں رکھا گیا تو طالبانِ ثواب کسی طرح پہلی جماعت (غالباً یہاں یہ جملہ رہا ہوگا: ''جو لوگ جماعت میں شرکت ہی نہیں کرتے، اس کا کیا علاج'') میں کمی نہ کریں گے، اور جو لوگ جماعت ہی نہیں کرتے اس کا کیا علاج'' (علم الفقہ ۲/۹۹)۔

اور غالباً یہی مجبوری، اضطراری، اتفاقیہ صورتیں تھیں جب ہمارے فقہائے عظام نے ظاہر الروایۃ کے خلاف ہیئت بدل کر، جماعتِ ثانیہ کے جواز کا فتویٰ دیا، جس کے متعلق علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: ''وبہ ناخذ'' (حاشیہ ابن عابدین ۳/۵۰۴ مکمل عبارت پیچھے گذر چکی) ہم اسی کو لیتے ہیں (یعنی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں)۔

الف-کورونا کے ماحول میں نمازِ جمعہ:

کورونا وباء جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی، جبکہ ہر جماعت کا امام الگ ہو، اور پہلا امام جہاں کھڑا ہوا تھا، دوسرا امام جگہ بدل کر دوسری جگہ کھڑا ہو، اسی طرح ہر امام کرے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مسجد کی جماعت کا ثواب حاصل کرسکیں، اور یہ اجازت پابندیوں کے زمانے تک محدود رہے گی، عادت بنالینے اور التزام کرلینے کی گنجائش نہ ہوگی۔

مگر خیال رہے کہ سوال میں کورونا کی پابندیوں کا ذکر ہے، ان پابندیوں کے تحت اتنے زیادہ لوگوں کو اجازت ہی کہاں تھی کہ وہ بار بار جماعت کرسکیں، ہمارے علم کے مطابق چار پانچ لوگوں سے زیادہ کے آنے کی اجازت ہی نہیں تھی یہ

بات عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔

لہٰذا کورونا کی پابندیوں کے ذکر کے ساتھ اس طرح کا سوال ہی محلِ غور ہے۔

ب: جب جمعہ کے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور ایک مرتبہ میں سب مسجد میں نہ آسکتے ہوں، اور نمازیوں کے مسجد کے باہر نماز ادا کرنے میں مسائل پیدا ہوتے ہوں، اور فتنہ وفساد کی شکلیں پیدا ہو رہی ہوں، تو اس مجبوری میں اور ان پریشان کن حالات میں ایک مسجد میں جمعہ کی ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہے۔

گزشتہ سطور میں اس پر تفصیلی گفتگو آچکی ہے۔

۲۔ مسجد میں جمعہ کی ایک جماعت پر اکتفاء کرتے ہوئے، یا مزید ایک دو جماعتوں کے بعد بقیہ نمازی اپنے گھروں کے باہری حصے میں اس طرح نمازِ جمعہ ادا کرلیں کہ کوئی آنا چاہے تو اس پر روک اور پابندی نہ ہو۔

مجبوری، اضطراری اور حکومتی دباؤ کے اس ماحول میں وقتی طور پر اس تشتت کو گوارہ کرنا پڑے گا، ساتھ ساتھ لوگوں کو یہ تلقین بھی کی جائے کہ کورونا کی یا اس طرح کی کسی بھی پابندی کے ختم ہونے کے بعد، حسبِ سابق مساجد میں نمازِ جمعہ ادا کریں اور اسے آئندہ کا معمول نہ بنائیں۔

۳۔ مسجد میں نمازِ جمعہ کی ایک ہی جماعت کے علاوہ بقیہ جو لوگ رہ جائیں، وہ مجبوراً اپنے گھروں کے باہری حصے میں نمازِ جمعہ، شرائطِ جمعہ کے ساتھ نہ پڑھ سکیں تو وہ نمازِ ظہر ادا کریں، تنہا بھی پڑھ سکتے ہیں، جماعت کے ساتھ بھی۔

یہاں راقم سطور اس سلسلے کی اپنی ہی ایک مختصر تحریر پیش کرنا چاہتا ہے:

جمعہ کے دن نمازِ ظہر با جماعت۔ چند قابلِ غور پہلو:

جس جگہ جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور جمعہ قائم بھی ہوتا ہو، بعض مسجدوں میں بڑی جماعت، بعض میں چھوٹی جماعت ہوتی ہو، جہاں جتنے اس مسجد کے مصلی ہوں، اسی اعتبار سے کم، زیادہ آتے ہوں، وہاں ان لوگوں کے لئے جو جمعہ نہ پڑھ سکے ہوں، با جماعت نمازِ ظہر پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، یہ عام حالات کی بات ہے۔

لیکن موجودہ وبائی مرض کورونا وائرس کی وجہ سے احتیاطی اقدامات کے تحت ہر جمعہ مسجد کی جماعت، خواہ وہ پہلے سے بڑی ہوتی رہی ہو، یا چھوٹی، اسے چھوٹی سے چھوٹی کر کے چار، پانچ افراد میں محدود کر دیا گیا، اور اس اعتبار سے پہلے سے بڑی جماعت یا پہلے سے چھوٹی جماعت، سب کی سب، افراد کی تعداد میں یکساں ہوگئی ہیں، اور ہر دو مسجدوں کے بقیہ مصلی جمعہ چھوڑنے پر مجبور ہو کر ظہر پر اکتفاء کر رہے ہیں۔

جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے لئے پوری تیاری کے ساتھ جمعہ مسجد کی طرف جوق در جوق جاتے ہوئے نمازی نظر نہ

آئیں، نمازِ جمعہ جو کہ شعارِ مسلمین ہے، اس کا شعار ہونا نہ لگے، جمعہ کی آن، بان، شان دکھائی نہ دے، جمعہ کی اجتماعت کا منظر مفقود ہو، لگے ہی نہ کہ جمعہ میں کوئی اجتماعیت بھی ہوتی ہے، جمعہ کی کوئی شان بھی ہوتی ہے، جمعہ مسلمانوں کے ہفتہ کی عید ہوتا ہے، اور ساری جمعہ مسجدوں میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی محض خانہ پُری کی صورت اختیار کر چکی ہو، اور نمازِ جمعہ کے لئے ایسے حالات آچکے ہوں جن کی زمانہ قدیم میں بظاہر کوئی نظیر نہ ملتی ہو، ایسا بھی نہیں کہ جمعہ مسجدیں ہماری ملکیت سے نکل گئی ہوں، اور دوسرے قابض ہو کر اس کا نظام چلا رہے ہوں، سب کچھ ہمارے پاس ہے، مگر حالات سے بے دست و پا بنے ہوئے ہیں، کہ خود امام و مؤذن یا منتظم، متعینہ تعداد کے علاوہ کو مسجد میں آنے نہیں دیں گے، ان مخصوص ناگفتہ بہ حالات پر درمختار اور ردالمحتار کی یہ عبارتیں منطبق کرنا احقر کو درست نہیں لگتا۔

”کرہ تحریمالمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهربجماعة فی مصر قبل الجمعةوبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة“

” وقوله وصورة المعارضة لان شعار المسلمين فی هٰذا اليوم صلاة الجمعة وقصدالمعارضة لهم يو?دی الیٰ امر عظيم فكان فی صورتها كراهة التحريم“

ان دونوں عبارتوں سے نمازِ ظہر با جماعت ادا کرنے کی ممانعت دو علتوں پر مبنی ہے۔

۱۔ تقلیلِ جماعت: یہ یہاں ہے ہی نہیں، کیوں کہ ان کی وجہ سے تقلیلِ جماعت نہیں ہے، یہ لوگ چاہیں بھی تو تکثیرِ جماعت پر قادر نہیں، تقلیلِ جماعت پر قانوناً خود منتظمین مسجد مجبور ہیں۔

۲۔ دوسری علت معارضہ ہے: لیکن یہاں حقیقۃً معارضہ بھی نہیں، صرف صورۃً معارضہ ہے، اور قصدِ معارضہ تو بالکل ہی نہیں، کیونکہ اگر اجازت مل جاتی تو یہ لوگ اپنی نماز ظہر با جماعت چھوڑ کر فوراً جمعہ مسجد چلے جاتے جمعہ پڑھنے کے لئے۔

اگر جمعہ کی اجتماعیت والی آن، بان، شان باقی ہوتی، اس کی شعار والی کیفیت موجود ہوتی تو ضرور معارضہ حقیقۃً لازم آتا، یہ صورۃً معارضہ ہے، حقیقۃً معارضہ نہیں ہے، صرف دیکھنے میں یہ لگ رہا ہے کہ یہ نمازِ ظہر با جماعت ادا کرنے والے جماعتِ جمعہ سے معارضہ کر رہے ہیں، ورنہ اجازت ملنے پر یہ خود جمعہ مسجد بھاگتے، اور اپنی جماعت ختم کر دیتے، یہ کیفیتِ معارضہ ہے، حقیقۃً معارضہ نہیں ہے، حقیقۃً معارضہ کرنے والے ہر حال میں اپنی جماعت باقی رکھتے، انھیں جمعہ مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کی اجازت مل جاتی پھر بھی۔

انھیں وجوہ سے موجودہ مخصوص حالات میں احقر کا رجحان یہ ہے کہ جمعہ کے دن نمازِ ظہر با جماعت جائز ہے، کیوں کہ ممانعت کی علتیں مفقود ہیں۔

کورونا کی میت کی تجہیز وتکفین:

''الموسوعۃ الفقھیہ''میں ہے:''التكفين مصدر كفن ومثله الكفن ومعناهما فى اللغة التغطية والستر ومنه سمى كفن الميت لأنه يستره ومنه تكفين الميت أى لفه بالكفن ولا يخرج المعنى الاصطلاحى عن ذالک ''(الموسوعۃ الفقھیۃ ۱۳/۲۳۷)۔

(تکفین،کفن کا مصدر ہے،اسی کے مثل کفن ہے،دونوں کا معنیٰ لغوی اعتبار سے ڈھانکنے اور چھپانے کے ہے،اسی سے میت کے کفن کا بھی نام پڑا ہے کیونکہ وہ میت کو چھپالیتا ہے،اسی سے تکفین المیت ہے،یعنی میت کو کفن میں لپیٹنا،اور اصطلاحی معنیٰ میں بھی کفن اسی کو کہتے ہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ میت کو ڈھانک لینے اور چھپالینے والی چیز،جومیت پر لپیٹی جائے،وہ لغوی اعتبار سے بھی کفن ہے اور اصطلاحی معنیٰ میں بھی کفن ہے۔

''فتاویٰ عالمگیری''میں ہے:''وكل ما يباح للرجال لبسه فى حال الحياة يباح تكفينه بعدالوفاة ومالا يباح له لبسه حال الحياة لايباح تكفينه بعدالوفاة، كذا فى شرح الطحاوى ''(فتاوی عالمگیری ۲/۳۸۶، البحرالرائق ۲/۳۰۸)۔

(ہر وہ چیز جس کا پہننا لوگوں کے لئے زندگی میں مباح ہو،مرنے کے بعد اس سے اس کا کفن دینا بھی مباح ہے، اور جو چیز زندگی میں پہننا مباح نہ ہو،اس کا مرنے کے بعد کفن دینا بھی مباح نہیں،ایسے ہی''شرح الطحاوی''میں ہے)۔

اور جہاں تک معلوم ہے،پلاسٹک کا لباس پہننا مرد وعورت کو ممنوع نہیں ہے،ان ساری باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کور جس میں لپیٹ کر اسپتال والے کورونا کی میت کو پیک کرتے ہیں،اگر کسی اور کفن کی گنجائش نہ مل سکے تو اسی کور کو کفن کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

اور اگر قانونی اعتبار سے مزید کفن کی گنجائش مل جائے تو مسنون طریقے سے کپڑے کا کفن دیا جائے،اگر پلاسٹک ہٹانے کی اجازت ملے تو پلاسٹک کا کور ہٹا کر،ورنہ اسی کور کے اوپر کپڑے کا مسنون کفن دیا جائے۔

غسل کا مسئلہ:

اگر ایسی میت کو بغیر غسل دیئے ہوئے پیک کردیا گیا ہو اور کھولنے کی اجازت نہ ہو اور چھونے سے بھی منع کیا جاتا ہو تو دور سے کسی پائپ یا فوارہ یا کسی اور ذریعہ سے پانی بہادیا جائے،تاکہ کسی حد تک،جتنا ممکن ہوسکا،میت کے غسل کا حق ادا کردیا جائے جو کہ فرضِ کفایہ ہے۔یہ محض دل کی تسلّی کی بات ہوگی،نہ وہ غسل جو اصلاً شروع ہے۔

اگر چھونے کی اجازت نہ ہوگی تو تیمّم کیسے کرایا جاسکتا ہے، ہاں! دور سے اس کو غسل دینے کی صورت بن سکتی ہے، جو بتادی گئی۔

شوافع کے یہاں تیمّم کا بھی مسئلہ ہے۔

نمازِ جنازہ:

الف: اگر قبرستان وقبر کی جگہ کا، متعلقین کو علم ہوجائے، میت حوالہ کردی جائے مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں میت کی نمازِ جنازہ قبر پر دفن کے تین دن کے اندر اندر ادا کی جاسکتی ہے، یعنی جب تک میت بغیر پھٹے، اصل حالت پر رہ جاتی ہے، اس کا ایک اندازہ تین دن سے کیا گیا ہے، یہ مدت ضروری نہیں، کم وبیش بھی ہوسکتی ہے۔

"ولو دفن الميت قبل الصلوٰة أو قبل الغسل فإنه يصلى علىٰ قبره إلىٰ ثلاثة أيام والصحيح أن هٰذا ليس بتقدير لازم بل يصلى عليه مالم يعلم أنه قد تمزق، كذا فى السراجية" (الفتاوی العالمگیریہ ۲/۲۰۶، حاشیہ ابن عابدین ۵/۳۰۱)۔

(اگر میت نمازِ جنازہ یا غسل سے پہلے دفن کردی گئی ہو تو اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے، تین دن تک اور صحیح یہ ہے کہ یہ تین دن کا اندازہ لازمی چیز نہیں، بلکہ اس پر اس وقت تک نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے جب تک یہ نہ جانا جائے کہ میت پھٹ گئی ہوگی، ایسے ہی "سراجیہ" میں ہے)۔

ب: قبرستان اور قبر کا علم نہ ہوسکے تو بھی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاسکتی، بس اس کے لئے دعاء مغفرت کی جائے، کیونکہ نمازِ جنازہ کے لئے میت کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے۔

"الفقہ علی المذاہب الاربعہ" میں ہے: **"ومنها أن يكون الميت حاضراً فلا تجوز الصلوٰة على الغائب، أما صلوٰة النبى ﷺ على النجاشى فهى خصوصية له باتفاق الحنفية والمالكية"** (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۴۷۴)۔

(نمازِ جنازہ کی شرائط میں سے میت کا موجود ہونا ہے، پس غائب پر نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے، جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے نجاشی کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا تعلق ہے تو یہ آپ کی خصوصیت ہے باتفاق حنفیہ اور مالکیہ)۔

"درمختار" میں ہے: **"فلا تصح على الغائب"** (غائب پر نمازِ جنازہ صحیح نہیں)۔

اگر اس صورت میں مسلکِ غیر پر عمل کرتے ہوئے غائبانہ نمازِ جنازہ کی اجازت دیدی جائے تو اس سے بھی دردناک واقعات ہیں، جو پیش آتے رہتے ہیں، مثلاً فسادات کے موقعوں پر کسی مسلمان کا غائب ہوجانا اور لاش تک نہ ملنا،

جبکہ اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ شہید کردیا گیا، مگر اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں ادا کی جاتی۔

جواز کے ہمنواؤں میں سے ایک مولانا ابوعبدالسلام عبدالرؤف بن عبدالحنان صاحب اپنی کتاب ''القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول'' میں حکیم صادق صاحب سیالکوٹی، جنہوں نے اپنی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' میں غائبانہ نمازِ جنازہ کو جائز قرار دیا تھا، پر رَد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے پر نجاشی کے قصے سے دلیل لی جاتی ہے جو بخاری ومسلم اور سننِ اربعہ وغیرہ میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، مگر اس سے مطلق غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے'' (ص ۱۴۷)۔

دو صفحات کے بعد پھر لکھتے ہیں: ''حاصل کلام یہ ہے کہ یہی وہ دو واقعات ہیں جن سے اس مسئلے کے لئے استدلال کیا جاتا ہے، جن میں سے معاویہ بن معاویہ والا قصہ تو ویسے ہی ثابت نہیں، اگر یہ صحیح ثابت بھی ہو تب بھی اس سے دلیل لینا صحیح نہیں جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا۔

رہا نجاشی والا قصہ تو اس کے بارے میں امام خطابی نے جو تفصیل ذکر کی ہے، وہی قوی ہے، کیونکہ اگر ہر غائب میت کی نمازِ غائبانہ مشروع ہوتی تو نبی علیہ السلام نجاشی کے علاوہ کم از کم کسی ایک کی تو غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرتے، جبکہ آپ سے ایسا قطعاً ثابت نہیں، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اگر میت غائب پر نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرتے، شرق وغرب میں مسلمان، خلفاء اربعہ اور دیگر لوگوں کی بھی یہ نماز پڑھتے، لیکن ایسا کرنا کسی سے بھی منقول نہیں۔ نقلا عن الجواہر النقی:

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی فوت ہوئے جو نبی ﷺ سے غائب تھے، مگر آپ نے ان میں سے کسی کی بھی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں ادا کی، اس مسئلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مذہب بھی خطابی والا مذہب ہے، حنبلی مذہب میں بھی صحیح ترین قول یہی ہے (دیکھیں: ''زاد المعاد'' القول المقبول ص ۱۷۷)۔

☆☆☆

کورونا سے پیدا ہونے والے چند پیش آمدہ اہم مسائل

ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی☆

کورونا بیماری ۲۰۲۰ء کے آغاز میں آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس بیماری نے تقریباً پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، مزید برآں اس کی وجہ سے لاک ڈاؤن نافذ رہا، جس کی وجہ سے جانی مالی نقصان ناقابل تصور ہوا، اور اس نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا، دینی اور دنیاوی ہر طرح کے مسائل پیدا کئے۔ دینی مسائل کے جوابات علماء امت نے دیئے، بعض مسائل میں ان کے درمیان اختلاف بھی ہوا، خاص طور پر نماز جمعہ کی بابت شدید اختلاف ہوا، بعض ارباب افتاء نے اسکول، مدرسہ اور گھر گھر جمعہ قائم کرنے کے لئے فتوی دیا، بعض نے فتوے دیا کہ کہیں بھی جمعہ قائم کرنا درست نہیں اور بعض نے صرف مسجدوں میں جمعہ قائم کرنے کو جائز قرار دیا اور جو مسجد آنے سے معذور ہیں وہ گھروں میں ظہر کی نماز انفرادی طور پر اور جماعت قائم کرنا ممکن ہو تو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا فتوی دیا۔ بہتر ہوا کہ یہ سیمینار کا موضوع بنا؛ تاکہ مسئلہ منقح ہو کر عوام کے سامنے آجائے اور شرح صدر کے ساتھ عمل کرنا ممکن ہو۔

۱-کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ کا مسئلہ:

اسلام میں مساجد کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں، اسی طرح لوگوں کے دلوں میں جمعہ کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت بھی بہت ہے، عام مسلمانوں کے یہاں نماز جمعہ کا اہتمام بھی اور نمازوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی پایا جاتا ہے؛ اسی وجہ سے دوسری نمازوں کی بہ نسبت نماز جمعہ میں لوگوں کی بھیڑ زیادہ ہوتی ہے اور عام طور پر مسجدیں بھری ہوتی ہیں، گویا کہ ان کا رشتہ مسجدوں سے ہفتہ میں ایک دن قائم ہوتا ہے اور اسی بہانہ ان کو ہفتہ میں ایک دن کچھ دین کی باتیں سننے کا موقع ملتا ہے۔ اِدھر جب سے کورونا کا قہر شروع ہوا ہے اور اس کی وجہ سے عام نمازوں اور جمعہ میں جو پابندی لگی تو جہاں نمازیوں کے دلوں پر ایک بجلی بن کر گری، وہیں فقہی اعتبار سے کئی سوالات جنم لئے، جن کے جوابات علماء نے دیئے اور ان کے درمیان کئی مسائل میں شدید اختلاف ہوا۔ ایک طرف جہاں صورت حال یہ ہے تو دوسری طرف ہندوستان کے بعض قصبات میں جہاں مسلم

☆ عمید کلیۃ البحث والتحقیق جامعۃ العلوم، گڑھا- گجرات۔

اکثریت میں ہیں، ان کی تعداد ہزار اور ہزار سے اوپر ہے، اس کے باوجود وہاں نماز جمعہ نہیں ہوتی ہے اور اس کی جگہ پر نماز ظہر جماعت سے پڑھی جاتی ہے۔ ایسی جگہوں پر وہاں کے مسلمانوں کی بڑی تعداد جمعہ سے محروم ہی نہیں بلکہ ان کی پہچان ہفتہ واری مسلمان ہونے کی جو ہے وہ بھی ان کے زندگی سے ناپید ہے، بسا اوقات وہاں کی عوام جمعہ قائم کرنا چاہتی ہیں لیکن وہاں کے بااثر علماء اور مفتیان کرام اتنے متشدد ہیں کہ وہ فقہ حنفی کے جزئیہ کا پورے طور پر انطباق کے چکر میں جمعہ قائم ہونے نہیں دے رہے ہیں، ان کو پتہ نہیں ہے کہ فقہ حنفی کا فقہی جزئیہ قائم اسلامی مملکت کے پس منظر میں ہے؛ حالانکہ ملک میں ارتداد کا بادل منڈلا رہا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ماحول سازی جاری ہے، مخالف عناصر عروج پر ہیں، اسلام اور مسلم مخالف میڈیا ہر دن زہر اگل رہا ہے، اور مسلمانوں کا رشتہ ان کے مذہب سے کاٹنے کی ناپاک کوششیں ہی نہیں بلکہ منظّم مہم جاری ہے۔ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ بعض مفتیان کرام ان مساجد میں بھی جمعہ قائم کرنے کا فتوی دے رہے ہیں، جہاں پہلے سے جمعہ قائم نہیں چلا آ رہا ہے، وہاں کے نمازی گاؤں کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھتے ہوئے آ رہے ہیں، بعض جگہوں پر محض مسلکی ومشربی اور نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر ایک ہی گاؤں بلکہ ایک ہی محلّہ میں دو مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہوا آ رہا ہے حالانکہ دونوں ہی مسجدوں میں اچھی خاصی جگہیں خالی ہوتی ہیں، دونوں میں سے ہر ایک میں اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ تمام کے تمام نمازی ایک مسجد میں بڑی آسانی سے سما سکتے ہیں بلکہ بسا اوقات اس کے بعد بھی کچھ جگہیں خالی رہ سکتی ہیں، اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ جب تک ایک جامع مسجد میں جگہ تنگ نہ پڑ جائے دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا مکروہ ہے، اسی طرح ایک محلّہ اور ایک چھوٹے گاؤں بستی میں پنجوقتہ نماز کے لئے موجود مسجد نمازیوں کے لئے جب تک تنگ نہ پڑے دوسری مسجد اس گاؤں اور محلّہ میں تعمیر کرنا مکروہ ہے (تفصیل کے لئے سورہ توبہ کی آیت: ۱۸ کی تفسیر کتب تفسیر میں ملاحظہ ہو)۔

کورونا کے ماحول اور اس کی وجہ سے عام نمازوں اور نماز جمعہ پر پابندی کے پس منظر میں کیا اگر مسجدوں میں چھوٹی چھوٹی متعدد جماعتیں قائم کی جائیں، یا مسجد کی ایک جماعت سے الگ مکانات وغیرہ میں بھی نماز جمعہ کا انعقاد کیا جائے تو کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟ یا مسجد کی ایک جماعت پر اکتفا کر کے بقیہ لوگ جمعہ ادا کرنے کے بجائے ظہر پڑھیں، اور اگر ظہر ادا کریں تو جماعت سے یا تنہا، جبکہ اس صورت میں عوام کی بڑی تعداد نماز جمعہ ونماز ظہر دونوں سے دور رہتی ہے اور ابھی جیسا کہ اطلاعات ملیں کہ جن جگہوں میں تعدد جمعہ کا نظام نہیں بنا وہاں عامۃ المسلمین بالکل بیگانہ ہوگئے اور اب تک ان پر اس کا اثر ہے۔

کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں مساجد میں نماز جمعہ کا حکم:

روز اول ہی سے نماز جمعہ کا مساجد سے بڑا گہرہ رشتہ قائم ودائم ہے، اس کا انکار دن میں سورج کا انکار سے عبارت ہوگا؛ یہی وجہ ہے کہ کچھ شرطوں کے ساتھ مسجدوں میں نماز جمعہ کی صحت کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔

بنیادی طور پر تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کتنے لوگوں سے جمعہ کی جماعت قائم ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں احناف کے یہاں راجح قول کے مطابق امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مردوں کا ہونا ضروری ہے (ردالمحتار: ۳؍۲۴)؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّه'' (الجمعۃ:۹) (تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو) ''فَاسْعَوْا'' جمع ہے، اور اقل جمع کی تعداد تین ہے، جو مقتدی ہونگے، امام وخطیب ذاکر ہیں، جو ان تین مقتدیوں کے علاوہ ہونگے؛ اس لئے کہ امام و خطیب کا ذکر ''ذِکرِ اللّٰہ'' میں کیا گیا، جو اللہ کے ذکر کو انجام دینے والے ہیں۔

اب رہی بات موجودہ حالات میں مسجدوں میں جمعہ کی نماز کی صحت کی، تو چند معاصرین مفتیان کرام کو چھوڑ کر تمام معاصرین فقہاء ومفتیان عظام نے جواز وصحت کا فتوی دیا ہے، ان میں سے چند ارباب افتاء کے فتاوی اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہو:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: مسجد میں چند افراد جمعہ پڑھ لیں، جس میں نہایت مختصر خطبہ دیا جائے اور مختصر نماز پڑھ لی جائے؛ تاکہ مسجدیں جمعہ سے محروم نہ رہ جائیں۔

مفتی محمود الحسنؒ کے خلیفہ مفتی محمد طاہر (مظاہر العلوم سہارنپور) کا واضح الفاظ میں دوٹوک فتوی ہے: ''موجودہ حالات میں حکومت کی اجازت کے مطابق چار پانچ افراد مسجد میں جمعہ پڑھ لیں، باقی حضرات اپنے اپنے گھروں میں ظہر ادا کریں''۔

جہاں تک دلائل کی بات ہے تو سر دست مختلف نوع کی دلائل میں سے چند درج ذیل سطور میں ملاحظہ ہو:

۱- امام بخاریؒ اور امام مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے مؤذن سے کہا: جب تم ''أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ'' کہہ لوگے تو تم ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ'' مت کہنا، اس کی جگہ ''صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ'' کہنا، یعنی تم لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو، لوگوں نے اس کو برا سمجھا، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ایسا اس شخص نے کیا جو مجھ سے بہتر ہے، بیشک جمعہ واجبی عمل ہے، لیکن میں نے ناپسند سمجھا کہ میں تم لوگوں کو مشقت وحرج میں ڈالوں، کہ تم لوگ کیچڑ میں آؤ (بخاری، باب الرخصة ان لم یحضر الجمعة فی المطر، حدیث: ۹۰۱، مسلم، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر، حدیث: ۲۶- ۶۹۹)۔

اس حدیث میں مسجد میں جمعہ قائم نہ کئے جانے یا عدم صحت کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے ساتھ عذر ہے وہ اپنے گھروں میں نماز ظہر ادا کریں گے اور جن کے ساتھ کوئی عذر نہیں ہے، اس طور پر کہ وہ پہلے سے مسجد میں موجود ہیں تو وہ مسجد میں نماز جمعہ پڑھیں گے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، مؤذن اور کچھ دوسرے

لوگ وہاں ہونگے جن کے ساتھ جمعہ قائم کئے ہونگے ،جن کے گھر مسجد سے دور ہونگے ان کے لئے اعلان کروایا گیا کہ وہ معذور ہیں وہ اپنے گھروں میں نماز ظہر ادا کریں۔مسجد میں حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ کچھ لوگوں کے موجود ہونے پر حدیث شریف کے یہ الفاظ ''فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا ذَاكَ، فَقَالَ: أَتَعْجَبُونَ مِنْ ذَا''(مسلم، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر، حدیث:۲۶- ۶۹۹)۔واضح طور پر دلالت کررہے ہیں۔

پس موجودہ حالات میں جو لوگ مسجد میں پہلے سے موجود ہیں، یا اتنے لوگ پہنچے ہیں جن سے نماز جمعہ قائم ہوسکتی ہے تو نماز جمعہ قائم کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں، بلا کراہت درست و صحیح ہوگی۔

۲- نیز اس وجہ سے بھی کہ اسلام کا ایک شعار پورا ہوجائے اور انسانی زندگی کی مصلحت بھی برقرار رہے۔

۳- نیز سدّاً للذریعہ قاعدہ کا تقاضا ہے کہ موجودہ حالات میں مساجد میں جمعہ کا قیام جاری رہے؛ کیونکہ اگر آج مساجد میں جمعہ کا قیام روک دیا گیا تو آنے والے دنوں میں ہندوستان اور اس جیسے غیر مسلم جمہوری حکومت انتظامیہ کو موقع ملے گا کہ وہ معمولی عذر کو بہانہ بنا کر جمعہ کے قیام کو روکوا دے اور دلیل کے طور پر آج کی اس نظیر کو پیش کرے، ظاہر ہے کہ اس طرح سے حکومت کو شریعت میں مداخلت کے لئے راستہ کو مزید ہموار کرنے میں یہ معین و مددگار ثابت ہوگا۔

۴- قرآن کریم کی آیت کریمہ:''فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّه''(الجمعۃ:۹)(تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو) کی رو سے جتنے لوگ یعنی اقل ترین مطلوبہ تعداد اور اس سے زیادہ جتنے بھی مسجد میں جمع ہوجائیں اتنے لوگوں سے جمعہ قائم کیا جائے؛ اس لئے کہ ذکر اللہ کی طرف سعی پایا جارہا ہے۔واضح رہے کہ لوگ مسجد میں پہلے سے موجود ہوں یا اذان کے بعد مسجد میں آئیں سب سعی الی ذکر اللہ میں شامل ہیں۔

۵- جن لوگوں نے مسجد میں جمعہ قائم کرنے سے روکا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جمعہ کی صحت کے لئے''اذن عام'' شرط ہے، موجودہ حالات میں یہ شرط مفقود ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ''ذن عام'' کی شرط منصوص نہیں ہے، اور مسجد میں جمعہ کا قیام منصوص ہے، عمل رسول ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، تو مسئلہ منصوص کو محض اجتہادی شرط کی بناء پر کیسے ترک کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا ترک کیا جانا قرین صواب ہوگا؟

دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک''اذن عام'' کی شرط نہیں ہے، رہے احناف تو ان کے درمیان اختلاف ہے بعض کے یہاں یہ شرط ہے اور بعض کے یہاں نہیں ہے، امام محمدؒ نے ظاہر روایت میں اس شرط کا ذکر نہیں کیا ہے؛ نوادر میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اور نوادر کی روایت کو بڑی شہرت ملی ہے۔اس رو سے دیکھا جائے تو جمہور علماء اور احناف کی ظاہر روایت

کے مطابق جمعہ کی نماز مسجد میں بلا کراہت درست ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے اذن عام کی شرط مانا جائے تو یہاں اذن عام پایا جارہا ہے اس طور پر کہ حکومت انتظامیہ کی طرف سے محدود جماعت کا اذن موجود ہے، مسجد کا باہر سے مقفل ہونا اس اذن عام کے مغائر نہیں؛ کیونکہ مسجد کھلی رہے یا مقفل رہے بہر صورت حکومت انتظامیہ کی طرف سے محدود جماعت کے قیام میں کوئی رخنہ نہیں۔ واضح رہے کہ اذن عام کے تحقق کے لئے زیادہ سے زیادہ تعداد کی کوئی تحدید نہیں ہے، ہاں اقل تعداد کی تحدید ضرور ہے اور وہ کم سے کم امام کے علاوہ تین بالغ مردوں کا ہونا ہے، گویا کہ اذن عام ایک جنس ہے، جس کے اقل ترین افراد بشمول امام چار ہیں، جیسا کہ اس آیت کریمہ :"فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰه" (الجمعۃ:۹) (تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو) کی تفسیر سے واضح ہے۔

۱-الف: کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں مساجد کے اندر تعدد جماعت کا حکم:

عام حالات میں بازار کی مسجد، لبِ سڑک مسجد اور وہ مسجد جس میں امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں، میں بالاتفاق ایک سے زائد جماعت مکروہ نہیں ہے (بدائع الصنائع:1/ 53، فتاوی والوالجیہ :1/ 72، ردالمحتار:2/ 288–289، ط: زکریا دیوبند، المدونۃ الکبری: 1/ 89، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی:1/ 528، المجموع شرح المهذب للنووی:4/ 222، ط: دارالفکر ,المغنی:2/ 5، المقنع والشرح الکبیر والإنصاف:4/ 285)۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی مسجدوں میں جب عام حالات میں عام پنجوقتہ نمازوں کی تعدد جماعت درست ہے تو کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں اس کی اجازت بدرجہ اولی ہوگی اور سب کی نمازیں بلا کراہت صحیح ہوں گی۔ جہاں تک نماز جمعہ کی بات ہے تو کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں اوپر ذکر کردہ مسجدوں میں اس کی بھی ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی اور سب کی نمازیں بغیر کراہت کے درست ہوں گی۔

رہی وہ مسجد جس میں امام مقرر ہو اور جماعت ہوتی ہو تو اس میں ایک سے زائد جاعت قائم کرنے کے بارے میں مجتہدین فقہاء کے درمیان اختلاف ہے؛ چنانچہ حنابلہ کے نزدیک بلا کراہت **مطلق** درست ہے، جبکہ شوافع کے یہاں امام مسجد کی اجازت کی شرط ہے، یعنی امام راتب کی اجازت سے ایک سے زائد جماعت قائم کرنا بغیر کسی کراہت کے صحیح ہے اور اس کی اجازت کے بغیر مکروہ ہے (المجموع شرح المهذب للنووی:4/ 222، ط: دارالفکر ,المغنی:2/ 5، المقنع والشرح الکبیر والإنصاف:4/ 285)۔ مالکیہ کے نزدیک **مطلق** مکروہ ہے (الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی:1/ 528)، اور احناف مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں ہے (بدائع الصنائع: 1/ 53، فتاوی والوالجیہ :1/ 72، ردالمحتار:2/ 288–289، ط: زکریا دیوبند)؛ البتہ ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسفؒ سے ایک قول منقول ہے کہ امام اول کی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ ایک سے زائد جماعت قائم کرنا مکروہ نہیں ہے، "وَعَنْهُ لَا بَأْسَ بِهِ مُطْلَقًا إِذَا صَلَّى فِي غَيْرِ مَقَامِ الْإِمَامِ" (البحر الرائق:1/ 605)، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے صاحب بزازیہ سے اس قول کی تصحیح نقل

کیا ہے،اور صاحب ولوالجیہ نے اس قول کواختیار کیا ہے:

"وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إذَا لَمْ تَكُنْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى لَا تُكْرَهُ وَإِلَّا تُكْرَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ، وَبِالْعُدُولِ عَنْ الْمِحْرَابِ تَخْتَلِفُ الْهَيْئَةُ كَذَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ .اهـ .وَفِي التَّتَارْخَانِيَّة عَنْ الْوَلْوَالِجِيَّةِ: وَبِهِ نَأْخُذُ"(ردالمحتار:2/64،باب الأذان،289،باب الإمامة،فتاوی تتارخانیہ:1/528)۔

(امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جب پہلی ہیئت پر جماعت نہ ہوتو مکروہ نہیں ہوگی، یہی صحیح قول ہے،محراب سے ہٹ کر(جماعت ثانیہ قائم کرنے کی صورت میں) ہیئت بدل جاتی ہے۔اسی طرح بزازیہ میں ہے،اور فتاوی والوالجیہ کے حوالہ سے فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:اور ہم اسی قول کواختیار کرتے ہیں)۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کے پر اس حدیث پاک سے استدلال کیا جاسکتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:"اَیُّکُم یَتَّجِرُ عَلٰی ہٰذَا؟"(کون ہے جو اس شخص پر تجارت کرے)؟ایک شخص اٹھا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی(ترمذی،بَابُ مَاجَاءَ فِی الجَمَاعَۃِ فِی مَسجِدٍ قَدْ صُلِّیَ فِیہِ مَرَّۃً،حدیث نمبر:220،امام ترمذیؒ کا بیان ہے:حدیث حسن ہے)۔وجہ استدلال یوں ہے کہ جہاں آپ نے نماز پڑھائی تھی اُس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ یہ جماعت ثانیہ ہوئی تھی جیسا کہ پوری حدیث کے الفاظ سے واضح ہے۔نیز حدیث سے بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں ایک سے زائد جماعت قائم کی جائے تو تداعی نہ ہونی چاہئے؛اس لئے کہ آپ ﷺ نے: "أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلَى هَذَا؟" کہنے پر اکتفا کیا،مزید اعلان نہ خود کیا اور نہ اعلان کروایا کہ جن لوگوں کی جماعت چھوٹ گئی ہو وہ آکر اس میں شریک ہوجائیں،یا جب بھی کچھ لوگوں کی جماعت چھوٹ جائے تو وہ مسجد میں آکر دوسری جماعت قائم کرلیا کریں۔

تداعی کی تشریح منصوص نہیں ہے کہ کتنی تعداد پر تداعی کا اطلاق ہوگا اور کتنی پر تداعی کا اطلاق نہیں ہوگا،یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ نے بغیر کسی تعداد کی تحدید کے کہا کہ بلا تداعی کسی گوشہ میں چھپ کر پڑھ لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے"وَعَنْ مُحَمَّدٍ إنَّمَا يُكْرَهُ تَكْرَارُهَا عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي أَمَّا إذَا كَانَ خُفْيَةً فِي زَاوِيَةِ الْمَسْجِدِ لَا بَأْسَ بِهِ"(البحرالرائق:1/605)۔ بعض دوسرے فقہاء سے تعداد منقول ہے،جیسے امام ابو یوسف سے ایک قول کے مطابق تین اور اس سے زیادہ کی تعداد تداعی کے حکم میں ہے،اور دوسرا قول امام اول کی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ قائم کرنا بلا کراہت درست ہے،"وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إنَّمَا يُكْرَهُ تَكْرَارُهَا بِقَوْمٍ كَثِيرٍ أَمَّا إذَا صَلَّى وَاحِدٌ بِوَاحِدٍ وَاثْنَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِهِ وَعَنْهُ لَا بَأْسَ بِهِ مُطْلَقًا إذَا صَلَّى فِي غَيْرِ مَقَامِ الْإِمَامِ "(البحرالرائق:1/605)۔علامہ ابن عابدین شامی نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ تین آدمی سے زیادہ ہوں تو کراہت ہے (ردالمحتار:2/64)،خود علامہ ابن عابدین شامیؒ کی

تصریح وتوضیح کے مطابق ایک امام کی اقتداء چار اور چار سے زیادہ تداعی کے حکم میں داخل ہے (ردالمحتار:2/ 288، باب الإمامۃ، 500، باب الوتر والنوافل)۔

اس اختلاف سے معلوم ہوا کہ اصل میں تعداد مقصود نہیں ہے، بلکہ تداعی واعلان نہ ہونا مقصود ہے؛ کیونکہ اعلان کی وجہ سے پہلی جماعت میں لوگوں کی شرکت کم ہوجائے گی، دوسرے الفاظ میں ایک سے زائد جماعت قائم کرنے کے اعلان کی صورت میں تقلیل جماعت لازم آئے گی اور ہر وہ عمل جس کی وجہ سے پہلی جماعت میں لوگوں کی شرکت کم ہو، وہ مکروہ ہے، چنانچہ ''موسوعہ فقہیہ'' کویت میں لکھا ہے: **"تَقْلِيل الْجَمَاعَةِ مَكْرُوهٌ، وَهَذَا رَأْيُ جُمْهُورِ الْفُقَهَاءِ – الْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ – فِي الْجُمْلَةِ"** (موسوعہ فقہیہ کویت:27/ 176)۔معلوم ہوا کہ فقہاء کے نزدیک پہلی جماعت کے قیام کے بعد دوسری، چوتھی اور اس سے زائد جاعتیں قائم کرنا مکروہ ہونے کی بنیادی وجہ تقلیل جماعت ہے،یعنی پہلی جماعت میں لوگوں کی شرکت کم ہوجائیگی ،تعداد وجہ کراہت نہیں ہے۔

یہ عام حالات میں عام فرض نمازوں کی جماعتوں کا مسئلہ ہوا، اب رہی بات کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں عام فرض نمازوں اور نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعتیں قائم کرنے کی تو اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد میں شرکت پر پابندی ہوتی ہے، ہر حال میں تھوڑی تعداد ہی آسکتی ہے، اس سے پہلی جماعت کی قلت وکثرت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ کیونکہ سرکاری طور پر پابندی کے پیش نظر زیادہ لوگ نہیں آسکتے، جتنے کی اجازت ہوگی اتنے ہی شرکت کریں گے؛اس لئے پہلی جماعت کے بعد دوسری، تیسری، چوتھی اور اس سے زائد جماعتوں کے قیام کی وجہ کراہت نہیں پائی جارہی ہے؛لہذا اس مسجد میں جہاں امام ومؤذن مقرر ہوں اور نمازیں جماعت سے ہوتی ہوں، وہاں نماز جمعہ اور دیگر فرض نمازوں میں ایک سے زائد جماعتیں قائم کرنا بلا کراہت درست ہوگا؛ جبکہ پہلی جماعت کے امام راتب کے کھڑے ہونے کی جگہ محراب یا جس جگہ کھڑے ہوکر اس نے نماز پڑھائی ہو، دوسری اور اس کے بعد کی جماعت کا امام اس جگہ کو چھوڑ کر تھوڑا پیچھے ہٹ جائے اور نماز پڑھائے، اس طرح تغیر ہیئت ہوجائے گی، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول اوپر گذر چکا ہے۔

اسی طرح کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت کی اجازت اس وقت بھی ہوگی جبکہ اس مسجد کا مقرر امام پہلی جماعت کی امامت نہ کرے؛ بلکہ وہ آخری جماعت کی امامت کرے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ایک سے زائد جماعت کی کراہت سے مستثنی صورتوں کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: **"يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، إلَّا إذَا صَلَّى بِهِمَا فِيهِ أَوَّلًا غَيْرُ أَهْلِهِ"** (ردالمحتار:2/ 288، باب الإمامۃ، الہندیۃ:1/ 54)۔

۱-الف: جمعہ کے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مزید جماعتوں کا قیام:

جوشکل اوپر بیان کی گئی ہے، اس میں بھی نماز جمعہ کی دوسری اور مزید جماعتوں کا قائم کرنا درست ہوگا بشرطیکہ پہلے امام کی جگہ کو چھوڑ کر مزید جماعتیں قائم کی جائیں، یا اس مسجد کا مقرر امام پہلی جماعت کی امامت نہ کرے؛ بلکہ وہ آخری جماعت کی امامت کرے؛ اس لئے کہ جس طرح کورونا جیسی پابندی عذر ہے، اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں فساد کی شکل اختیار کرنا بھی عذر ہے، نیز راہ گیروں کو ضرر پہنچتا ہے، اور اسلام نے دوسروں کو ضرر پہونچانے سے روکا ہے اور جہاں تک ممکن ہو ضرر کو دور کیا جائے اور لوگوں کو ضرر سے بچایا جائے، یہ اسلام کی تعلیم اور اس کا بنیادی اصول ہے؛ چنانچہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "الضرر یزال" (الأشباہ والنظائر للسبکی: 1/41، لابن نجیم المصری: 1/86)، یعنی ضرر کو دور کیا جائیگا۔

۱-گھروں میں نماز جمعہ:

سب کو معلوم ہے کہ حکومت انتظامیہ کی طرف سے کورونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن نافذ ہوا، اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے مسجدوں میں پنج وقتہ نمازوں کی جماعت اور جمعہ میں بھیڑ اکٹھا ہونے پر پابندی عائد ہوئی؛ تاکہ کرونا وائرس کو پھیلنے سے روکا جاسکے اور جلد سے جلد اس پر قابو پایا جاسکے اور حکومت کی طرف سے اس پر سختی سے عمل کی تاکید ہی نہیں، بلکہ بزور طاقت اس پر عمل کروایا گیا یہاں تک جن لوگوں نے گھروں کی چھتوں پر یا ہال میں اکٹھا ہوکر جمعہ یا دوسری نمازوں کی جماعت قائم کئے تو معلوم ہونے پر ان کے خلاف کاروائی ہوئی اور مصلیوں کے خلاف ایف آئی آر درج کیا گیا اور مار پیٹ اور گرفتاریاں ہوئیں، اس صورت حال میں اُس وقت پنجوقتہ نمازوں کی جماعت کے بارے میں تمام معاصرین علماء اور مفتیان کرام کا اتفاق رہا کہ مسجدوں میں ایک امام کے علاوہ دو مقتدی مل کر جماعت قائم کرلیں اور بقیہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز خواہ جماعت کے ساتھ ہو یا تنہا تنہا پڑھ لیں، البتہ گھروں میں نماز جمعہ کے بارے میں اختلاف ہوا، اور مجموعی اعتبار سے تین اقوال سامنے آئے:

اول: ایک یا دو مفتیان کرام کی رائے کے مطابق جمعہ مسجد اور گھر کہیں قائم کرنا درست نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے جمعہ کی صحت کے لئے اذن عام کی شرط ہے، اور یہاں یہ شرط نہیں پائی جارہی ہے۔

دوم: بعض اہل علم اور ارباب افتاء کے نزدیک اگر امام کے علاوہ تین عاقل بالغ مرد موجود ہوں تو جمعہ مسجد، اسکول، مدرسہ، فیکٹری اور ہر گھر میں قائم کرنا درست ہے، اس کے قائلین میں مولانا مفتی انعام الحق صاحب (صدر دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، پاکستان)، مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری، اور مفتی زین الاسلام صاحب، یہی رائے دار الافتاء جامعہ فاروقیہ پاکستان اور دار الافتاء دار العلوم دیوبند کی ہے؛ کیونکہ اذن عام کی شرط ہر جگہ پوری ہورہی ہے اور چونکہ جمعہ کی

صحت کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے۔ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے فتوی میں امدادالفتاوی (۱ / ۶۱۶، مطبوعہ: مکتبہ زکریا دیوبند) کے حوالہ سے اذن عام کی تشریح یوں نقل کی گئی ہے: ''اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، تو وہ اذن عام میں مخل نہیں''۔

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء نے مؤرخہ: ۶ / ۸ / ۱۴۴۱ھ مطابق یکم اپریل ۲۰۲۰ء کو اپنا موقف کا اظہار چند شرطوں اور وضاحت کے ساتھ کیا ہے اور وہ یہ ہے:

ب: ''محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ ادا نہ کرسکیں اور وہ اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر، اذن عام کے ساتھ جمعہ قائم کرسکتے ہوں، یعنی آس پاس والوں کو جمعہ کو اطلاع کردی جائے؛ تاکہ جو کوئی جمعہ میں آنا چاہے، آسکے اگرچہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کردیا جائے تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم ازکم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لے کر مختصر خطبہ اور مختصر قرائت کے ساتھ جمعہ ہی ادا کریں، اور اگر کسی جگہ انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو تو جمعہ سے پہلے زبانی بات چیت کے ذریعے انہیں اعتماد میں لے لیا جائے ...

ج: اور جو حضرات اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق جمعہ قائم نہ کرسکیں، خواہ اس وجہ سے کہ کوئی جمعہ پڑھانے والا میسر نہ ہو یا انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو اور انتظامیہ کو اعتماد میں نہ لیا جاسکے یا کسی کی طبیعت پر خوف وہراس غالب ہو یا امام کے علاوہ مرد مقتدی صرف ایک یا دو ہوں، وہ حضرات شریعت کی نظر میں معذور ہوں گے اور ان کے لئے جمعہ کی جگہ ظہر پڑھنا بلا کراہت درست ہوگا؛ کیونکہ اسلام میں اپنے کو پریشانی میں ڈالنے کا حکم نہیں ہے اور نہ اس کی اجازت ہے۔

(۲): شہر قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لئے جمعہ کا نظم نہ ہوسکے یا وہ کسی عذر کی بناء پر بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں، وہ ظہر کی نماز تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں؛ کیونکہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ، وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لئے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علماء دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے۔ اور جو لوگ ظہر باجماعت کی اجازت دیتے ہیں، اُن کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتوی کا عدم اطمینان بجا ہے۔

اور جن چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں، وہاں کے باشندگان، حسب معمول، جمعہ کے دن بھی مسجد

یا اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کریں گے، انہیں ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھنے کی ضرورت نہیں‘‘۔

دار العلوم دیوبند کا فتوی غور سے پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دوٹوک فتوی نہیں ہے، بعض صورتوں میں وہ جمہور کے ساتھ نظر آتے ہیں، جیسا کہ اس فقرہ ’’انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو اور انتظامیہ کو اعتماد میں نہ لیا جاسکے یا کسی کی طبیعت پر خوف وہراس غالب ہو‘‘ سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومتی انتظامیہ کی طرف سے روک ٹوک واضح طور پر تھا، نہ ماننے والوں پر لاٹھی چارج ہو رہی تھی اور ان کے خلاف مقدمہ درج کیا جارہا تھا، اور حقیقت یہی ہے کہ لوگوں کی طبیعت پر خوف وہراس غالب تھی، اور بعض صورتوں میں دوسرے گروہ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

سوم: اس سلسلہ میں ایک تیسری رائے یہ ہے کہ مسلمان اپنے اپنے گھروں میں صرف نماز ظہر ادا کریں، جو شرعاً جمعہ کے دن نماز جمعہ کا متبادل ہے جمعہ نہیں، خواہ جماعت کے ساتھ ہو یا انفرادی طور پر؛ البتہ جمعہ مسجدوں میں قائم ہوگا اور وہ بھی مختصر جماعت تین عاقل بالغ مرد مقتدی اور ایک امام پر مشتمل ہوگی اور نماز اور خطبہ ممکن حد تک مختصر ہونگے۔ اس کے قائلین اکثر علماء ومشائخ اور ارباب افتاء ہیں؛ بلکہ کہنا چاہیے کہ جمہور معاصرین معتبر علماء اور مفتیان کرام کی یہی رائے ہے، جن میں قابل ذکر مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی رفیع عثمانی (صدر دالعلوم کراچی، پاکستان)، مفتی طارق مسعود پاکستان، مفتی محمد پاکستان (صدر دار الافتاء، جامعۃ الرشید پاکستان)، مفتی محمود الحسنؒ کے خلیفہ مفتی محمد طاہر (مظاہر العلوم سہارنپور) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سجاد نعمانی ندوی، مفتی شبیر احمد قاسمی ہیں، اس کے علاوہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اعلامیہ اسی رائے کے مطابق ہے۔

عالم اسلام کے بہت سارے مراکز فقہ وفتاوی جیسے: ہیئۃ کبار العلماء بالأزہر الشریف، ہیئۃ کبار العلماء بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ، اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء السعودیۃ، الاتحاد العالمی الأعلی لعلماء المسلمین، المجلس الأوروبی للإفتاء والبحوث، المجلس العلمی الأعلی بالمغرب، اللجنۃ الوزاریۃ للإفتاء بالجزائر، ہیئۃ الفتوی بدولۃ الکویت، مجلس الإفتاء بالإمارات، المجمع الفقہی العراقی لکبار العلماء للدعوۃ والإفتاء، لجنۃ الإفتاء بدائرۃ الإفتاء بالأردن، المجلس الإسلامی للإفتاء فی الداخل الفلسطینی کی طرف سے فتوی جاری ہوا کہ جمعہ کے دن لوگ اپنے اپنے گھروں میں جمعہ قائم کرنے کے بجائے ظہر کی نماز پڑھیں، اسی طرح کا فتوی قطر یونیورسیٹی کے شعبہ کلیہ شریعہ کے اساتذہ نے بھی دیا ہے، اور شخصی طور پر جن اکابر علماء اور ماہرین فقہ وفتاوی نے اسی طرح کا فتوی دیا ہے، ان میں قابل ذکر یہ ہیں: ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی (جنرل سکریٹری الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین)، ڈاکٹر خالد حنفی (نائب سکریٹری المجلس الاوربی للافتاء والبحوث)، ڈاکٹر مراد فضل (استاذ قطر یونیورسیٹی) شیخ عبد الرحمن برّاک، شیخ محمد بن صالح عثیمین، ڈاکٹر سعد ختلان (صدر مجلس ادارۃ الجمعیۃ الفقہیۃ السعودیۃ)، ڈاکٹر احمد حداد میر

(دہلی)۔طوالت سے بچتے ہوئے یہاں صرف برصغیر کے حضرات مفتیان کرام کے فتاوی اختصار کے ساتھ نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے، جامعۃ العلوم کراچی پاکستان کے دارالافتاء کی طرف سے جاری کردہ فتوی میں لکھا ہے:

۱-کورونا وائرس کی وجہ سے حکومت نے محدود افراد سے زیادہ لوگوں کو جمعہ میں شرکت سے منع کیا ہے، لوگ اس کی پابندی کریں۔

۲-جو حضرات اس پابندی کی وجہ سے جمعہ میں شریک نہیں ہونگے، وہ شرعاً معذور ہیں، ایسے لوگ اپنی اپنی جگہوں پر نمازِ ظہر حتی الامکان جماعت کے ساتھ، ورنہ انفرادی طور پر ادا کریں۔

منجانب: مولانا محمد رفیع عثمانی (صدر دالعلوم کراچی)، مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا عبد الرؤف سکھروی (مؤرخہ: شب ۲/شعبان ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۷/مارچ ۲۰۲۰ء)۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے ترجمان کے طور پر امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانیؒ نے اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ مسلمانان ہند کل جمعہ کے دن اپنے اپنے گھروں میں نماز ظہر ادا کریں (لیٹر پیڈ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ- ۲۶/۳/۲۰۲۰ء)۔

مفتی محمود الحسنؒ کے خلیفہ مفتی محمد طاہر (مظاہر العلوم سہارنپور) کا دوٹوک واضح فتوی ہے: ''عموم خواہ مقام اور موضع صلاۃ کے لحاظ سے ہو، یا عام اذن کے لحاظ سے ہو، گھروں میں یہ شرط نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لئے گھروں میں جمعہ قائم نہ کیا جائے۔—— موجودہ حالات میں حکومت کی اجازت کے مطابق چار پانچ افراد مسجد میں جمعہ پڑھ لیں، باقی حضرات اپنے اپنے گھروں میں ظہر ادا کریں، خواہ جماعت کے ساتھ یا بلا جماعت کے، کتب فقہ میں اگرچہ یوم جمعہ میں نماز ظہر جماعت سے پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے مگر وہ علت موجودہ حالات میں مفقود ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے مؤرخہ ۲۴/مارچ ۲۰۲۰ء کو ایک وضاحتی بیان میں فرمایا: ''نمازوں میں نماز جمعہ کی بڑی اہمیت ہے، اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے تین بار جمعہ کی نماز کسی عذر اور بیماری کے بغیر چھوڑ دی تو اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیں گے''۔یعنی اس سے نیکی کی توفیق سلب کرلی جائیگی، اس ارشاد میں اس بات کی وضاحت بھی موجود ہے کہ اگر کوئی شخص عذر کی بناء پر اور خاص کر بیماری کی وجہ سے جمعہ کی نماز ادا نہ کرسکے تو وہ اس وعید میں شامل نہیں، اس وقت کورونا وائرس کا خطرہ بہت بڑا خطرہ ہے، عام طور پر بیماری کا اثر ایک شخص کی اپنی ذات پر ہوتا ہے؛ لیکن اس سے شدید اجتماعی ضرر کا اندیشہ ہے، شرعاً اپنے آپ کو اور دوسروں کو ضرر سے بچانا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لاضرر ولاضرار'' ان حالات میں ماہرین کی رائے کے مطابق جمعہ کے لئے لوگوں کا جمع ہونا بےحد نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے؛ لہذا جب تک حالات معمول پر نہ آئیں، بہتر ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز ادا

کرلیں، جوشرعاً جمعہ کے دن نماز جمعہ کا متبادل ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب نے (یکم شعبان ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۷/ مارچ ۲۰۲۰ء) کو ایک فتوی میں لکھا ہے:'' آج کے حالات میں مطلقاً گھروں میں ظہر کی نماز ادا کریں، چاہے جماعت کے ساتھ یا تنہا تنہا دونوں طرح جائز ہے''۔

مزید دلائل اور وضاحتیں درج ذیل سطور میں ملاحظہ ہو:

۱- ہماری شریعت اسلامیہ میں عذر کی وجہ سے عام نمازوں کی جماعتیں اور جمعہ ترک کرنے کی رخصت ہے، جیسے بیماری، ڈروخوف اور کثرت سے بارش؛ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ، عُذْرٌ«، قَالُوا: وَمَا الْعُذْرُ؟، قَالَ: »خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ، لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّ'' (ابوداؤد، بَابٌ فِي التَّشْدِيدِ فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ،حدیث:۵۵۱، مستدرک حاکم، حدیث:۸۹۶، سنن کبری از بیہقی، حدیث:۵۰۴۷)، جس نے مؤذن کی پکارسنی اور اس کو نماز کے لئے (مسجد جانے سے) کوئی عذر اور خوف مانع نہیں رہا''، حضرات صحابہ کرامؓ عرض کناں ہوئے: عذر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:'' خوف یا مرض''۔ نیز امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح (باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر ،حدیث:۹۰۱)اور امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح (باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر ،حدیث:۲۶-۶۹۹) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے مؤذن سے کہا: جب تم'' أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ'' کہہ لو گے تو تم ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ'' مت کہنا، اس کی جگہ ''صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ'' کہنا، یعنی تم لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو، لوگوں نے اس کو برا سمجھا، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ایسا اس شخص نے کیا جو مجھ سے بہتر ہیں، بیشک جمعہ واجبی عمل ہے، لیکن میں نے ناپسند سمجھا کہ میں تم لوگوں کو مشقت وحرج میں ڈالوں، کہ تم لوگ کیچڑ میں آؤ''۔— ظاہر ہے کہ یہ عذریں وبائی مرض کورونا وائرس کے مقابلہ میں اخف ہیں، تو کورونا وائرس کے خوف سے ترک جمعہ اور پنجوقتہ جماعتیں ترک کرنے کی رخصت بدرجہ اولی حاصل ہوگی اور لوگ معذور قرار پائیں گے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے ذمہ سے جمعہ کی فرضیت کی ادائیگی اس وقت تک ساقط رہے گی جب تک کہ حالات معمول پر نہ آجائیں؛ لہذ لوگ حالات کے معمول پر آنے تک جمعہ کے دن اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز ادا کریں گے، جوشرعاً جمعہ کے دن نماز جمعہ کا متبادل ہے۔

۲- اسی طرح ان حضرات نے قرآن وحدیث کی ان عمومی تصریحات سے بھی استدلال کیا ہے، جو رفع حرج، دفع مشقت اور دین میں یسر وسہولت پر دلالت کرتی ہیں (دیکھئے: بقرہ:۱۸۵، مائدہ:۶، حج:۷۸، بخاری، ایمان، باب الدین یسر، حدیث:۳۹،

وضو، باصبّ الماءعلی البول فی المسجد، حدیث:۲۲۰)۔اور ظاہر ہے کہ کورونا وائرس، نیز اس کی وجہ سے لاک ڈاؤن نافذ کے ماحول میں جمعہ اور دوسری نمازوں کی ادائیگی کے لئے مسجد جانے کا مکلّف بنانا دین کے عام مزاج کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو خواہ مخواہ حرج ومشقت میں ڈالنا اور لوگوں کی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہوگا، جو ایک غیر معقول بات ہے۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو مسجد آنے سے روکا ہے جن کے منہ سے بدبو آتی ہو، جیسے کسی نے کچی پیاز کھائی ہو (بخاری، اذان، باب فی الثوم والبصل، حدیث:۸۵۵، مسلم، المساجد، باب نہی من أکل ثوما، حدیث ۷۳-۵۶۴)، جب منہ کی بدبو کی بناء پر مسجد جانا درست نہیں؛ تاکہ دیگر نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، تو کورونا وائرس کی وجہ سے بدرجہ اولی مسجد جانے سے روکا جائے گا، تاکہ اس سے دوسرے لوگ اس کے ضرر سے محفوظ رہ سکیں۔معلوم ہے کہ منہ کی بدبو زود زائل ہے، زیادہ سے زیادہ نماز سے فراغت تک ختم ہوجاسکتی ہے، اور کورونا وائرس کا خطرہ بہت بڑا خطرہ ہے، عام طور پر بیماری کا اثر ایک شخص کی اپنی ذات پر ہوتا ہے؛ لیکن اس سے شدید اجتماعی ضرر کا اندیشہ ہے، شرعاً اپنے آپ کو اور دوسروں کو ضرر سے بچانا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" (موطأ الإمام مالک، الأقضیۃ، باب الأقضیۃ فی المرافق، حدیث:۲۲۶، ابن ماجہ، الأحکام، باب من بنی فی حقہ مایضر جارہ، حدیث:۲۳۴۰، مستدرک حاکم، بیوع:۲/۵۷، دارقطنی، الأقضیۃ والأحکام:۴/۲۲۸)۔ان حالات میں ماہرین کی رائے کے مطابق جمعہ کے لئے لوگوں کا جمع ہونا بے حد نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے واضح رہے کورونا وائرس کا اثر فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتا ہے، تقریبا چودہ پندرہ دنوں کے بعد پتہ چلتا ہے کہ فلاں اس سے متاثر تھا، اس درمیان میں کتنوں کو وہ متاثر کر چکا ہوگا۔

۴- مقاصد شریعت میں سے حفظ نفس، یعنی موت یا ہلاکت سے جان کی حفاظت ہے (دیکھئے: بقرہ:۱۹۵، نساء:۲۹)، اور یہ ضروریات دین میں سے ہے اور مسجدوں میں پنجوقتہ فرض نمازوں اور جمعہ کی جماعتوں کا قیام دین کی تکمیلات میں سے ہے، اور بات واضح ہے کہ ضرورت دین حفظ نفس تکمیل دین پر مقدم ہوگا۔اور موجودہ حالات میں مسجدوں کو جانا اور وہاں جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور دوسروں کو ہلاکت سے دوچار کرنا ہوگا، اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ ہلاکت وضرر کے خوف کی وجہ سے جمعہ ساقط ہوجاتا ہے (بخاری، باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر، حدیث:۹۰۱، مسلم، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر، حدیث:۲۶-۶۹۹)، نیز رسول اللہ ﷺ نے خود کو اور دوسروں کو ضرر سے بچانے کی تاکید فرمائی ہے: "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" (موطأ الإمام مالک، حدیث:۲۲۶، ابن ماجہ، حدیث:۲۳۴۰، مستدرک حاکم:۲/۵۷، دارقطنی:۴/۲۲۸)، اسی اساس پر شریعت اسلامیہ کا اصول وقاعدہ ہے: "الضَررَ یزال" (الاشباہ والنظائر:۱/۸۶)، اور اس سے قریب ایک اصل یہ ہے کہ "الضَّرَر یدْفع بِقدرِالْإِمْکَان" (شرح القواعد الفقہیۃ للزرقاء، ص:۲۰۷) (یعنی اگر پورے طور پر ضرر سے بچنا ممکن ہے تو اچھی بات ہے ورنہ ممکن

حد تک ضرر سے بچا جائیگا)۔

۵- فقہاء نے نماز جمعہ مکلّف مسلمانوں کے ذمہ میں واجب ہونے کے لئے بیماری سے محفوظ اور تندرست ہونا اور ڈر و خوف سے مامون ہونا ضروری قرار دیا ہے (درمختار ورد المحتار ۳/ ۲۷، ۲۹)۔ اور یہاں موجودہ صورت حال میں ماہرین کی رائے کے مطابق جمعہ کے لئے لوگوں کا جمع ہونا بے حد نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے، یعنی یہاں بیماری کا اندیشہ بھی ہے، جس سے جان خطرہ میں پڑسکتی ہے اور حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے پولیس کے ڈنڈے کھانے اور ایف آئی آر درج ہونے کا خوف ہے۔

۵- جمہور علماء جن میں احناف بھی شامل ہیں، کے یہاں ایک شہر میں ایک سے زائد جمعہ بلا ضرورت قائم کرنا درست نہیں ہے، جیسے شہر میں مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی، اور ایک ہی جامع مسجد ہے، جہاں جمعہ قائم ہوتا ہے، اب یہ جامع مسجد تنگ پڑنے لگی، ایسی صورت میں دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنا درست ہوگا۔ کرونا وائرس کوئی ایسی حاجت نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں اور مزید جمعہ قائم کرنے کی ضرورت ہو؛ بلکہ یہ ایک عذر ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے ذمہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے، اور اس کے بدلہ میں نماز ظہر کی ادائیگی فرض ہوتی ہے۔

۶- تھوڑی دیر کے لئے دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے دیکھا جائے تو موجودہ حالات میں گھروں میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دینا مصلحت شرع کے خلاف بھی معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ جب کورونا وائرس کی وباء ختم ہوجائیگی اور لاک ڈاؤن اٹھ جائیگا اور حالات جب معمول پر آجائیں گے تو لوگ جمعہ کے لئے مسجد آنے میں سستی کریں گے اس خیال سے کہ جمعہ گھر میں درست ہوجاتا ہے، اسکول و کالیج کے طلبہ اپنے اسکول میں جمعہ قائم کریں گے فیکٹری کے مزدور کسی مولوی کو بلا کر فیکٹری میں قائم کریں گے، تو جمعہ کا جو مقصد ہے وہ فوت ہوجائیگا؛ لہذا سدًّا للذریعۃ بھی مسجد سے باہر جمعہ قائم کرنے کا فتوی جاری کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے۔

نیز گھروں میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دینے سے لوگوں کے دلوں سے جمعہ کی اہمیت نکل جائیگی، معمول کے حالات کے وقت جو ماحول دیکھنے کو ملتا ہے کہ لوگ جوق درجوق جامع مسجدوں کی طرف رخ کرتے ہیں، اور شعار اسلام کا اعلان ہوتا ہوا نظر آتا ہے، اس کی شان وشوکت کا ظہور ہوتا ہے، ہفتہ واری عید کا منظر نمودار ہوتا ہے، اس کا غیروں پر مثبت اثر پڑتا ہے اور ان کے دلوں میں اسلام کی شان وشوکت بیٹھتی ہے اور وہ مرعوب ہوتے ہیں۔ اس کا قوی اندیشہ ہے کہ جب حالات معمول پر آجائیں گے تو یہ چیزیں متاثر ہونگی اور عام پنجوقتہ نمازوں کا جیسا حال جمعہ کا بھی نہ ہوجائے اور آہستہ آہستہ ہفتہ واری مسلمانوں کی تعداد میں نمایاں فرق نظر آنے لگے گا اور بڑی کمی آسکتی ہے؛ اس لئے سدًّا للذریعۃ بھی مسجد سے باہر

جمعہ قائم کرنے کا فتوی جاری کرنا محل نظر معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ مختلف دلائل اور وجوہ سے راجح معلوم یہ ہوتا ہے کہ موجودہ حالات میں لوگوں کے ذمہ سے جمعہ ساقط ہوجاتا ہے، وہ معذور ہیں، اور معذورین گھروں میں ظہر کی نماز پڑھنے کے مکلّف ہیں نہ کہ جمعہ؛ لہذا وہ اپنے اپنے گھروں یا وہ جہاں بھی ہوں، ظہر کی نماز پڑھیں گے، ان کو اختیار ہے کہ چاہے وہ جماعت سے پڑھیں یا انفرادی طور پر۔

مسجد کے علاوہ جگہوں میں نماز جمعہ کے قیام کے فتوی پر ایک نظر اور بعض شبہات کا ازالہ:

غور وفکر کا مقام ہے کہ اصولی طور پر دیکھا جائے تو مساجد کے علاوہ گھروں، بنگلوں، اسکول ومدارس اور دوسری جگہوں میں نماز جمعہ قائم کرنے کا فتوی جن مفتیان کرام نے دیا ہے، تو اس کی بنیادیں دو ہوسکتی ہیں:

پہلی بنیاد: کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے جو حالت بنی ہوئی ہے، اس کے پیش نظر ضرورت وحاجت کی وجہ سے مساجد کے علاوہ گھروں وغیرہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دیا گیا ہے، جب حالات معمول پر آجائیں گے تو لوگ حسب معمول جامع مسجدوں میں جمعہ پڑھنا شروع کردیں گے۔ تو یہ بنیاد درست معلوم نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ ضرورت کی وجہ سے ان احکام میں تبدیلی واقع ہوتی ہے جن کا بدل نہ ہو، جن کا بدل ہو تو وہاں احکام میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ جو بدل ہے وہ اصل کے قائم مقام ہوجاتا ہے، مثال کے طور پر ایک شخص کسی معقول عذر کی وجہ سے وضو پر قادر نہیں ہے تو ایسا نہیں ہے کہ اس سے نماز کے لئے حصول طہارت ساقط ہوجائے گی یا اس کو ہر حال میں وضو کرنے کا مکلّف بنایا جائیگا؛ اس لئے کہ وضو کا نائب یعنی بدل تیمّم موجود ہے، ایسا شخص تیمّم کرے گا اور نماز پڑھے گا، ہاں! اگر تیمّم پر بھی قادر نہ ہو تو فاقد الطہورین کا مسئلہ پیدا ہوگا، ورنہ اس سے پہلے وضو کا بدل تیمّم موجود ہے۔ یہاں جمعہ کا بدل ظہر ہے؛ پس جب جمعہ پڑھنے سے جو لوگ معذور قرار پائے ہیں تو ان کے لئے جمعہ کا بدل ظہر ہے، وہ ظہر پڑھیں گے نہ کہ جمعہ، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیماری، ڈر وخوف اور بارش کی کثرت ایسے اعذار ہیں جن کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے اور ان میں مبتلا افراد معذور کہلاتے ہیں، وہ جمعہ کے متبادل کے طور پر نماز ظہر اپنے اپنے گھروں میں پڑھنے کے مکلّف ہیں (دیکھئے: ابوداؤد، بَابٌ فِی التَّشْدِیدِ فِی تَرْکِ الْجُمَاعَۃِ، حدیث: ۵۵۱، مستدرک حاکم، حدیث: ۸۹۶، سنن کبری از بیہقی، حدیث: ۵۰۴۷، بخاری، باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر، حدیث: ۹۰۱، مسلم، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر، حدیث: ۲۶– ۶۹۹)۔ ان ہی احادیث اور دوسری دلائل کی بنیاد پر فقہاء نے نماز جمعہ مکلّف مسلمانوں کے ذمہ میں واجب ہونے کے لئے بیماری سے محفوظ اور تندرست ہونا اور ڈر وخوف سے مامون ہونا ضروری قرار دیا ہے (درمختار ورد المحتار: ۳/ ۲۷، ۲۹)۔

نیز معلوم ہونا چاہیے کہ ضرورت وحاجت کی اصل وبنیاد پر گھروں میں جمعہ کی صحت کا فتوی اور رائے اِس وجہ سے

بھی درست معلوم نہیں ہوتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں حاجت وضرورت کی وجہ سے کسی حکم شرع پر عمل جائز ہونے کیلئے ضروری اور شرط یہ ہے کہ وہ حکم حاجت وضرورت کے وقت باقی ہو اور مکلفین اس حکم پر عمل کے مخاطب ومکلّف ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو وہ اس حکم پر عمل کے مخاطب ومکلّف نہیں ہیں۔اور یہاں ایسا ہی ہے کہ حاجت وضرورت کے وقت جمعہ پڑھنے کا حکم ساقط ہوجاتا ہے،اس کے بدلہ میں ظہر کی نماز ادا کرنے کا حکم لازم ہوجاتا ہے؛اس لئے ضرورت وحاجت کے وقت مسلمان جمعہ پڑھنے کے حکم کے مخاطب نہیں رہے تو اس کی ادائیگی کے مکلّف نہیں رہے، جب جمعہ پڑھنے کے مکلّف ومخاطب نہیں رہے تو اس کی ادائیگی درست نہیں ہوگی بلکہ نماز ظہر ہی پڑھنا لازم وضروری ہوگا۔

دوسری بنیاد: اصل مشروعیت کی اساس پر، یعنی اصل کے اعتبار سے گھروں وغیرہ میں جمعہ قائم کرنا درست ہے، تو یہ دو وجہوں سے نادرست معلوم ہوتا ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ملتا ہے، اور عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ بلکہ بعد کے ادوار میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی ہے، جبکہ ماضی میں کورونا وائرس سے زیادہ خطرناک طاعون جیسی متعدی بیماری آچکی ہے، جس میں ایک ایک دن میں سینکڑوں کی تعداد میں بلکہ علامہ شوکانیؒ کے بیان کے مطابق ۸۰۲ھ میں قاہرہ میں اس حد تک سخت سنگین وباء آئی کہ بیت المال کی رپورٹ کے مطابق ایک دن سات ہزار لوگ شہید ہوئے ہیں (البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع للشوکانی، ص: ۷۳۰)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ مسکوت عنہ احکام میں سے ہے، اور یہ عبادت کا مسئلہ ہے، خورد ونوش، خرید وفروخت اور عادات ومباحات کے قبیل سے نہیں ہے، اور فقہاء کے یہاں عبادت کے باب میں اصل ''حظر''، یعنی ممانعت ہے، ''**الأصل فی العبادات الحظر، وفی العادات الإباحة**'' (القواعد الفقہیۃ وتطبیقاتہا فی المذاہب للدکتور محمد مصطفیٰ الزحیلی: ۱/ ۱۱۲)، عبادات میں اصل ممانعت اور عادات میں اصل اباحت، ''**الأصل فی العبادات التوقیف**'' (الغرر البہیۃ فی شرح بہجۃ الوردیۃ، فصل فی بیان صلاۃ النفل للرملی، ص: ۷۹، القواعد الفقہیۃ وتطبیقاتہا فی المذاہب للدکتور محمد مصطفیٰ الزحیلی: ۱/ ۷۶۹)، عبادات کے میں اصل توقیف ہے، ''**الأصل فی العبادات التعبد**'' (نظریۃ المقاصد عند الإمام الشاطبی، ص: ۱۸۷، ۳۲۰، تیسیر علم أصول الفقہ للجدیعی: ۱/ ۱۷۵)، عبادات کے میں اصل تعبدی ہے۔ حظر، توقیف اور تعبدی کے الفاظ قریب المعنی ہیں، سب کا حاصل یہ ہے کہ عبادات کے باب میں قرآن اور حدیث میں جو کچھ آیا ہے، ان ہی پر عمل ہوگا، ان پر مزید اضافہ درست نہیں ہوگا، بلکہ اضافہ شدہ بدعت اور مردود ہوگا، جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا: ''جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز کا اضافہ کیا جو ہمارے دین میں سے نہیں ہے تو وہ باطل ہے'' (بخاری، صلح، حدیث: ۲۶۹۷، مسلم، حدود، حدیث: ۱۷- ۱۷۱۸)۔ نماز جمعہ ایک عبادت

ہے،تو یہ تعبدی توقیفی اور منعی وحظری ہوگی،جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جیسا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے اسی نہج وطریقہ پر جمعہ پڑھا جائیگا،اس سے ہٹ کر کسی اور طریقہ پر پڑھنا درست نہیں ہوگا،رسول اللہ ﷺ نے نماز کی بابت فرمایا: ''صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي''(صحیح ابن حبان،حدیث:۱۶۵۸)''جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح تم لوگ نماز پڑھو''،اور آپ ﷺ نے قرآن کے اجمال ''نماز جمعہ وخطبہ کی طرف سعی'' کی اپنے عمل سے تفسیر فرمائی،دوسری طرف بہت سارے موقعوں پر جمعہ کو ترک فرمایا جبکہ آپ ﷺ چاہتے تو گھروں میں جمعہ قائم کر سکتے تھے اور قائم کرنے پر قادر بھی تھے۔واضح رہے کہ آپ ﷺ نے جس ہیئت وصفت،صورت وشکل اور طریقے پر نماز جمعہ کی ادائیگی کا اسوہ امت کے لئے چھوڑا،اسی اسوہ پر حضرات صحابہ کرامؓ،تابعینؒ،تبع تابعین اور بعد کے دوروں میں لوگ عمل پیرا ہوتے ہوئے آرہے ہیں،حضرات صحابہ کرامؓ یہاں تک کہ حضرات تابعینؒ،تبع تابعینؒ،ائمہ مجتہدینؒ،فقہاء اور علماء راسخین میں سے کسی سے منقول نہیں ہے کہ انہوں نے اسوہ رسول ﷺ کو چھوڑ کر کسی اور طریقہ پر مساجد کے علاوہ گھروں اور دوسری جگہوں پر جمعہ پڑھے ہوں؛لہذا مسجدوں کو چھوڑ کر گھروں وغیرہ میں جمعہ قائم کرنا دین میں خلاف سنت ایک نئی چیز کا ایجاد ہوگا،جس کی نظیر پچھلی تاریخوں میں نہیں ملتی ہے،جبکہ پچھلی تاریخوں میں ایک سے زائد بار طاعون اور اسی جیسی وبائی مرض آچکا ہے،اتنا شدید اور خطرناک تھا کہ مسجدوں جمعہ اور دیگر نمازوں کی جماعتیں موقوف کردینی پڑی لیکن گھروں میں کسی نے جمعہ قائم کرنے کا فتوی نہیں دیا اور نہ ہی لوگوں نے قائم کیا۔دیکھئے یہ حافظ ذھبیؒ ہیں،جو اہل علم کے درمیان ایک بڑے مؤرخ ومحدث وسعت نظر،صاحب استقراء اور تحقیق کے میدان میں حرف آخر کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہیں،ان کا بیان ہے کہ مصر اور اندلس میں زبردست خطرناک قحط پڑا تھا،قرطبہ میں تو اس جیسی وباء اور قحط اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا،یہاں تک کہ مسجدیں بند ہوگئیں،مسجد میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں (سیر أعلام النبلاء:۱۳/ ۴۳۸)۔مشہور مؤرخ مقریزی لکھتے ہیں:لوگوں کے درمیان میں شادیاں بند ہوگئیں، خوشیاں ختم ہوگئیں اور ان کے درمیان سے خوشی ومسرت کی تقریبات اٹھ گئیں،کتنی جگہوں پر اذان رک گئی،پورے شہر میں صرف ایک جگہ اذان ہوتی تھی،خانقاہیں اور مساجد مقفل ہوگئیں (السلوک لمعرفۃ دول الملوک:۴/ ۸۸)۔

اس سلسلہ میں مزید بعض امور قابل توجہ ہیں،اور وہ یہ ہیں:

۱-اسلامی اصول کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے،دیکھئے اسلام کا ایک بنیادی نظریہ حیات اور بے نظیر قانون زندگی اور عقل سے قریب تر اصول ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے معجزانہ جامع الفاظ میں فرمایا:''لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ'' (موطأ الإمام مالک،حدیث:۲۲۶،ابن ماجہ،حدیث:۲۳۴۰،مستدرک حاکم:۲/ ۵۷،دار قطنی:۴/ ۲۲۸)یعنی شرعاً اپنے آپ کو اور دوسروں کو ضرر سے بچانا ضروری ہے،اور سب کو معلوم ہے کہ کورونا وائرس کا خطرہ بہت بڑا خطرہ ہے،عام طور پر بیماری کا اثر ایک شخص

کی اپنی ذات پر ہوتا ہے؛لیکن اس سے شدید اجتماعی ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے اور پوری پوری فیملی اور سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے؛اسی وجہ سے ماہرین کی رائے کے مطابق لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا بے حد نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔---ایسی صورت حال میں لوگوں کو گھروں، بنگلوں، اسکول وکالیج اور مدرسوں میں جمعہ قائم کرنے کی ترغیب دینا اور قیام کے جواز کا فتوی دینا دوسرے الفاظ میں جان بوجھ کر گھر والوں سمیت اپنے آپ کو اور دوسرے پڑوس کو بھی ہلاک وبرباد کرنے اور خودکشی کی طرف دعوت دینا ہوگا۔پوری دنیا سماجی دوری کو یقینی بنانے کے لئے رضا کارانہ تنظیم سے لے کر حکومت تک انتھک کوشش کررہی ہے، اسی مقصد کے لئے لاک ڈاؤن نافذ کیا گیا اور اس میں مزید سختی آرہی ہے، اور ہم ہیں کہ شریعت کی رخصت کو بالائے طاق رکھ کر لوگوں کو گھروں میں جمع ہونے اور جمعہ قائم کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔--- غور وفکر کا مقام ہے کہ لاک ڈاؤن کے ذریعہ لوگوں کو گھروں میں محبوس کرنے کا مقصد خود گھر والوں کو کورونا وائرس سے بچانا اور دوسروں کو بھی ضرر سے محفوظ کرنا ہے،اور موجودہ حالت میں یہ ہماری شریعت اسلامیہ کے اصول ''لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ''،اپنے آپ کو اور دوسروں کو ضرر سے بچانا'' کے عین مطابق ہے۔ہمارا مذہب اسلام کہتا ہے ضرر کو دور کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو ضرر کو دور کیا جائے''اَلضَرَرُ یُزَالُ''(الاشباہ والنظائر:۱/۸۶)،''الضَّرَر یدْفع بِقدر الْإِمْكَان''(شرح القواعد الفقہیۃ للزرقاء،ص:۲۰۷)، اور گھروں وغیرہ میں جمعہ کے جواز کا فتوی اور اس کے رو سے ہم مسلمانوں کا عمل اس اصول کے بالکل منافی ہوگا۔

۲-آٹھ صدی ہجری کے ایک بڑے فقیہ شافعی شیخ الاسلام تقی الدین سبکی متوفی ۷۵۶ھ نے ایک کتابچہ تحریر فرمایا، جس کا نام''الاعتصام بالواحد الأحد من إقامة جمعتين في بلد'' رکھا اور اس میں انہوں نے بلا ضرورت وحاجت کے ایک شہر میں تعدد جمعہ کے عدم جواز والے قول کو راجح قرار دیا،اس کے بعد لکھا ہے کہ بغیر ضرروت وحاجت کے ایک شہر کے تمام مساجد میں جمعہ کے جواز کا خیال منکر امر ہے(فتاوی السبکی:۱/۱۸۰)۔یہ تو ایک شہر کی مساجد میں تعدد جمعہ کے بارے میں ان کا فتوی ہے،اس وقت گھروں میں تعدد جمعہ کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ جب فقہاء ایک شہر میں بغیر ضرورت وحاجت کے تعدد جمعہ سے روکتے ہیں، جبکہ مسجدوں میں جمعہ ادا ہورہا ہے،اور لوگ بھی بڑی تعداد میں ہوتے ہیں،تو ایک شہر کے گھروں میں تعدد جمعہ کیسے درست ہوگا؟ بلکہ یہ علامہ سبکیؒ کے قول کی بنیاد پر بدرجہ اولی بدعت ومنکر ہوگا۔نیز کیا یہ معقول بات ہوگی کہ ایک شہر میں دس بار سے زائد جمعہ قائم ہو؟ پھر تو جمعہ کا مطلب کیا باقی رہے گا۔

۳-جب ایک حکم کے دو پہلو ہوں تو جو حالات کے اعتبار سے آسان اور اخف ہو،اس پر فتوی دینا چاہئے؛تا کہ لوگ دین سے متنفر نہ ہوسکیں اور دین پر عمل کو بوجھ نہ سمجھیں، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے فرمایا:''لوگوں کو خوشخبری سناؤ،ان کو دین سے دور مت کرو،لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرو تنگی وسختی پیدا مت کرو''(مسلم،جہاد،باب الامر بالتبشیر وترک

التنفیر، حدیث:۴۵۲۵)، اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کو حاکم وقاضی بنا کر یمن کی طرف روانہ فرماتے وقت فرمایا:''يَسِّرَا وَلاَ تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلاَ تُنَفِّرَا''(بخاری، جہاد وسیر، باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب، حدیث:۳۰۳۸،مسلم، جہاد، باب الامر بالتبشیر وترک التنفیر، حدیث:۴۵۲۵)،''اُس کو اختیار کرنا جس میں لوگوں کے لئے آسانی ہو اور سختی اختیار مت کرنا، لوگوں کو خوشخبری سناؤ؛ تاکہ وہ دین سے قریب ہوں اور ان کو دین سے دور مت کرو(یعنی ایسی چیز کا تذکرہ مت کرو، جس کی وجہ سے وہ دین سے متنفر وبرگشتہ ہوں اور دین سے دور بھاگیں''۔

اسی بناء پر فقہاء نے کہا: مفتی کیلئے ضروری ہے کہ فتوی میں اس پہلو کو اختیار کرے جس میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت اور نرمی ہو(شرح عقود رسم المفتی،ص:۱۸۱، ردالمحتار، کتاب الوقف:۶/ ۵۵۴)۔ زیر بحث مسئلہ میں لوگوں کیلئے جمعہ کے دن نماز ظہر پڑھنے میں آسانی ہے، اس میں حسب سہولت جماعت سے اور بغیر جماعت کے انفرادی طور پر بھی پڑھنے کی گنجائش ہے، اس میں لوگوں میں جماعت قائم کرنے کے لئے اعلان کی ضرورت نہیں ہے، گھر کے ہی افراد مرد وعورت مل کر جماعت کر لے سکتے ہیں اور چاہیں تو تنہا تنہا اپنے طور بھی نماز پڑھ لے سکتے ہیں، پولیس کی لاٹھی اور ایف آئی آر کے اندراج سے بچا جا سکتا ہے۔

۴۔اسی طرح ہماری شریعت اسلامیہ کا ایک اہم قاعدہ واصول ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب کسی حکم شرعی پر عمل کرتے وقت دو مفاسد وضرر پیدا ہو رہے ہوں تو ان میں سے جو بڑا ہو اس کو کمتر واخف پر مقدم کیا جائیگا، یعنی بڑے ضرر ومفسدہ سے بچایا جائیگا اور چھوٹے ضرر ومفسدہ کا تحمل وارتکاب کیا جائے گا،''إِذَا تَعَارَضَ مَفْسَدَتَانِ رُوعِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَا''(الأشباہ والنظائر للسیوطی،ص:۸۷، الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری:۱/ ۹۰)،''لَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا أَعْظَمَ ضَرَرًا مِنَ الْآخَرِ؛ فَإِنَّ الْأَشَدَّ يُزَالُ بِالْأَخَفِّ''(الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری:۱/ ۸۹)،''ضَرَرُ الْأَشَدِّ يُزَالُ بِالْأَخَفِّ''(شرح القواعد الفقہیۃ للزرقاء،ص:۱۹۹)۔ زیر بحث مسئلہ میں ایک طرف محدود زمانہ تک ترک جمعہ کا مفسدہ وضرر ہے تو دوسری طرف لوگوں کے اختلاط سے کورونا وائرس کی وباء پھیلے گی اور لوگ بیمار پڑیں گے اور بسا اوقات جب مرض شدت اختیار کرے گا تو اموات بھی ہوں گی۔ ان دو مفسدوں اور ضرر میں سے جمعہ کا ترک اخف وادنی اور چھوٹا ضرر ومفسدہ ہے؛ کیونکہ جمعہ فوت ہوگا؛ لیکن اس کا بدل ظہر موجود ہے، جس سے اس کی تلافی ممکن ہے کہ جمعہ کے بدلہ نماز ظہر گھروں میں پڑھی جا سکتی ہے؛ لیکن بیماری اور جانوں کے تلف کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ نیز حفظ جان مسجدوں میں جمعہ کی ادائیگی پر مقدم ہوگا؛ اس لئے کہ حفظ نفس ضروریات دین میں سے ہے اور جمعہ تکمیلات دین میں سے ہے۔

۵۔اس وقت ہندوستان اور اس جیسے غیر مسلم جمہوری ممالک کا ماحول اسلام اور مسلم مخالف ماحول ہے، اس میں

کسی مسلمان کی طرف سے ادنی لغزش آتش فشاں پہاڑ بن کر پھٹ پڑتی ہے اور وہ ایٹم بم سے کچھ کم نہیں فضا کو پراگندہ اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کو ہوا دیتی ہے، جس کی واضح اور تازہ ترین مثال تبلیغی جماعت کا مرکز نظام الدین ہمارے سامنے ہے، ایسے میں مساجد کے علاوہ گھروں اور دوسری جگہوں میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ اس سے حکومت اور دوسروں تک غلط پیغام جائیگا کہ مسلمانوں کو جس مقصد سے مسجد میں جمع ہونے سے روکا گیا، وہ مقصد حاصل نہیں ہورہا ہے؛ اس لئے کہ یہ لوگ گھروں اور دوسری جگہوں پر جمع ہوکر کورونا وائرس کو پھیلا رہے ہیں، مسلمان بڑی ضدی قانون شکن اور اجڈ قوم ہوتے ہیں، گویا اس وقت زخم پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہوگا، اور ایسا ہورہا ہے کہ گھروں میں جمعہ قائم کرنے کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے لوگ گھروں کی چھتوں پر، بڑے ہال میں یا اسکول میں اور اسی طرح دوسری جگہوں پر جمعہ قائم کررہے ہیں، پولیس کئی جگہوں پر چھاپہ مار کر کتنے لوگوں کے خلاف مقدم درج کرچکی ہیں، کتنوں کو گرفتار کرچکی ہیں اور لاٹھی سے پیٹائی بھی کرچکی ہیں۔

۶- نئے مسائل کو حل کرتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھنے بلکہ دل کے نہاں خانہ میں محفوظ رکھنے اور دامن دال سے باندھ رکھنے کی ضرورت ہے، کہ اسلام کا قانون فطرت انسانی سے یکسر ہم آہنگ، اس کے قانون کی خاص خاصیت: توازن، اعتدال اور لچک، اور لچک بھی ایسی کہ ہر زمانہ اور ہر دور کے نت نئے مسائل حل کرنے کی اس میں بڑی صلاحیت موجزن ہے، وہ بھی دقت نظر اور توازن کے ساتھ حل پیش کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، یہ کوئی فرسودہ اور مردہ مذہب نہیں ہے بلکہ ہر دور میں زندہ، تروتازہ اور اپڈیٹ ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زمانہ کی برق رفتاری کے ساتھ چلنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کی قیادت کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔ اس پر واضح دلیل ایک یہ ہے کہ اسلام کے احکام کے دو طرح کے ہیں: ایک حالت اختیار اور معمول حالات کے ہیں، دوسرے عذر و مجبوری، اکراہ واضطرار اور اجباری حالات کے ہیں، اور دونوں کے احکام کے درمیان واضح فرق ہوتا ہے، اور یہ مذہب اسلام کے ایک زندہ دین ہونے کی علامت ہے، اس میں بڑی معقولیت ہے اور یہ عقل انسانی سے قریب تر بات ہے، ورنہ لوگوں کا اسلام پر عمل کرنا دشوار ہوجاتا اور شریعت باعث رحمت ہونے کے بجائے زحمت، ناقابل عمل اور بوجھ بن جاتی ۔—— حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیَ فَلَمْ یَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ، عُذْرٌ“، قَالُوا: وَمَا الْعُذْرُ؟، قَالَ: ”خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ، لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِی صَلَّی“ (ابوداؤد، بَابٌ فِی التَّشْدِیدِ فِی تَرْکِ الْجَمَاعَۃِ، حدیث: ۵۵۱، مستدرک حاکم، حدیث: ۸۹۶، سنن کبری از بیہقی، حدیث: ۵۰۴۷)، (جس نے مؤذن کی پکار سنی اور اس کو نماز کے لئے (مسجد جانے سے) کوئی عذر اور خوف مانع نہیں رہا ”، حضرات صحابہ کرامؓ عرض کناں ہوئے: عذر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خوف یا مرض)۔ نیز امام بخاریؒ نے اپنی کتاب

صحیح (باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر ،حدیث:۹۰۱) اور امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح (باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر ،حدیث:۲۶– ۶۹۹) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے مؤذن سے کہا: جب تم "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ" کہہ لوگے تو تم "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" مت کہنا، اس کی جگہ "صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ" کہنا، یعنی تم لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو، لوگوں نے اس کو برا سمجھا، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ایسا اس شخص نے کیا جو مجھ سے بہتر ہیں، بیشک جمعہ واجبی عمل ہے، لیکن میں نے ناپسند سمجھا کہ میں تم لوگوں کو مشقت وحرج میں ڈالوں، کہ تم لوگ کیچڑ اور پھسلائٹ میں آؤ۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر ومجبوری کے وجہ سے نماز جمعہ اور دیگر نمازوں کی جماعت میں عدم شرکت کی رخصت حاصل ہے اور لوگ معذور متصور ہوتے ہیں اور عدم شرکت پر گناہ گار نہیں ہوتے ہیں، حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مجبوری خواہ جسمانی ہو جیسے مرض، اس میں کورونا وائرس وبائی مرض بھی شامل ہے، جس میں سماجی دوری بے حد ضروری ہے اور مؤثر احتیاطی تدبیر وعلاج ہے، یا خارجی ہو جیسے درندہ، دشمن کا خوف ہو، اس کے ذیل میں لاک ڈاؤن کے ماحول میں قانون شکنی کے پاداش میں پولیس کے ڈنڈے کھانے اور ایف آئی آر کیس کا ڈر وخوف ہو، دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں ہم اس ملک کے باشی ہونے کی حیثیت سے یہاں کے شہری ہیں، اور شہری ہونے کی حیثیت سے ہم نے یہاں کے قانون پر عمل آوری کا عہد کیا ہے، اور اس رو سے ہم یہاں کے قانون کی پاسداری اور اس پر عمل کے پابند ہیں، اور شرعی نقطہ نظر سے بھی ہم پر یہاں کے قانون پر عمل کرنا واجب ہے؛ اللہ تعالی نے فرمایا: "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" (المائدۃ:۱) (اور اے لوگو جو ایمان لاچکے ہو! عہد پورے کیا کرو)۔ اس کے بعد اگر ہم قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں یا اس کے علاوہ کوئی متبادل صورت پر عمل کرتے ہیں تو ایفاء عہد کے خلاف عمل ہوگا اور عہد کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

دوسری عبادتوں کی طرح نماز بھی ایک ایسی عبادت ہے جس میں اعذار کی شدت کے لحاظ سے بتدریج تخفیف اور رخصت حاصل ہوتی ہے، جس کی ترجمانی فقہ کا مشہور قاعدہ "اَلْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِير" کرتا ہے، جو مختلف قرآنی آیات اور احادیث سے عبارت ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمران بن حصینؓ۔ جن کو بواسیر کی بیماری تھی۔ سے فرمایا: "کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر، اور اگر بیٹھنے پر قدرت نہ ہو تو پہلو کے بل (لیٹ کر)" (بخاری، تقصیر الصلاۃ، باب إذا لم یطق قاعدۃ فصلی علی جنب، حدیث: ۱۱۱۷)۔

"فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِكُمْ" (نساء:۱۰۳) (پس جب تم نماز ادا کرو تو اللہ کو بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرو)۔ مریض کی نماز میں رخصت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہاں "ذکر" سے مراد نماز

ہے، مطلب یہ ہے کہ مریض اگر قیام پر قادر ہے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا، ورنہ بیٹھ کر پڑھے گا، اگر بیٹھ کر پڑھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے گا، یہی تفسیر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۸۴، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۴/ ۱۹۸)۔

اس سے واضح ہو گیا کہ موجودہ صورت حال میں کورونا وائرس کی وجہ سے سماجی دوری اور حکومتی قانون لاک ڈاؤن – جو کہ یقیناً ایک معقول اور قرآن وحدیث، اصول فقہ، قواعد فقہیہ، مقاصد شریعت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں معتبر عذر ہے – کی بناء پر لوگ مسجدوں میں جا کر نماز جمعہ اور پنجوقتہ نمازوں کی جماعتوں میں شرکت سے معذور قرار پائے، اب وہ اپنے اپنے گھروں میں جمعہ کے دن نماز ظہر ادا کریں گے، جو کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کا متبادل ہے، اور بلا اختلاف تمام فقہاء قدیم اور حدیث اور معاصرین مفتیان کرام کے نزدیک اس کی نماز ظہر بغیر کسی کراہت کے درست ہوگی، اور جن لوگوں کی نیت نماز جمعہ مسجد میں جا کر پڑھنے کی تھی لیکن کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن عذر کی وجہ سے مسجد نہیں پہنچ سکے تو ان کو ان کی اپنی نیت کی بناء پر نماز جمعہ کا ثواب ملے گا، **"وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها المبيحة للتخلف"، "وكانت نيته حضورها لولا العذر الحاصل"، "يحصل له ثوابها" لقوله صلى الله عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرء ما نوى"** (مراقی الفلاح، ص: ۱۱۳)۔

اب رہی بات گھروں میں نماز جمعہ کی بات تو جو لوگ گھروں میں نماز جمعہ پڑھ رہے ہیں، ان کی نماز جمعہ مشکوک ادا ہو رہی ہے؛ کیونکہ موجودہ حالات میں مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں تو نماز جمعہ درست ہی نہیں ہوتی ہے، اور احناف میں بھی اکثر معاصرین حنفی مفتیان کرام ناجائز ہی کا فتوی دے رہے ہیں، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس میں شک وشبہ ہو اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک اور مشتبہ کو اختیار کرو (ترمذی، أبواب صفة القيامة، حدیث: ۲۵۱۸، بخاری موقوفا، باب تفسیر المشبہات)؛ اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اشتباہ کے وقت خاص طور پر عبادات کے باب میں احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنا واجب ہے، **"الْأَخْذَ بِالاحْتِيَاطِ عِنْدَ الاشْتِبَاهِ وَاجِبٌ"** (بدائع الصنائع، فصل بیان ما ینقض الوضوء: ۱/ ۲۷)، **"الْأَخْذَ بِالاحْتِيَاطِ فِي بَابِ الْعِبَادَاتِ وَاجِبٌ"** (رد المحتار: ۲/ ۳۶۶، نیز دیکھئے: المحیط البرہانی: ۱/ ۲۶۸، تبیین الحقائق: ۱/ ۲۶۲)۔

جو لوگ جمعہ کو گھروں میں جائز قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ جمعہ کی صحت کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؛ کیونکہ حدیث میں مسجد کی شرط کی صراحت نہیں ہے، تو سوال یہ ہے کہ مسجد سے باہر نماز جمعہ صحیح ہونے کے لئے حدیث وقرآن میں کہاں ذکر ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جمعہ کی صحت کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہ ہونے سے یہ لازم کہاں آتا ہے کہ گھر گھر میں نماز

جمعہ درست ہوجائیگی۔ واضح رہے کہ جن فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں جمعہ کی صحت کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ ان جگہوں میں جمعہ کا قیام درست ہوگا، جیسے ایسے گاؤں میں جہاں مسجد نہیں ہے، وہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، یا لب شہر صحراء جہاں مسجد نہیں ہے اور وہاں سے مسجد کافی دور ہے، غرضیکہ ہر اس جگہ جمعہ قائم کرنا درست ہے جہاں لوگوں کا اجتماع و بھیڑ ہو اور وہاں کوئی مسجد نہ ہو، یہ جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔ ان کے یہاں مسجد رہتے ہوئے گھر گھر جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسلم اور یورپین ممالک کی فقہ اکیڈمیاں، فقہ و فتاوی کے مراکز اور بعض مشہور ماہرین شریعت علماء — جو مختلف دبستان فقہ سے تعلق رکھتے ہیں — کی طرف سے گھروں میں جمعہ کی عدم صحت کے فتاوی شائع ہوئے، ان سب کو ڈاکٹر مسعو دصبری نے جمع کر کے ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کر دیا ہے، جس کا نام "فتاوی العلماء حول فیروس کورونا (مطبوعہ: دار النشر ،۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰۲۰ء) رکھا ہے اہل علم اس کی طرف ضرور مراجعت کریں۔

نیز سوال یہ ہے کہ عبادات کے باب میں خاص طور پر کسی حکم شرع کے ثبوت کے لئے نص چاہیے یا عدم ثبوت کے لئے؟ مسجد سے باہر نماز جمعہ درست ہونے کے لئے صریح نص یا کم از کم عمل رسول یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد عمل صحابہ چاہئے، یہاں کچھ بھی نہیں ہے، اگر نص ضروری نہیں ہے تو بدعت اور جائز امر شرع کے درمیان فرق کیسے کیا جائے گا؟ اسی وجہ سے فقہاء اصولیین نے عبادات کے باب میں اصل ممانعت، توقیف اور تعبد قرار دیا ہے یہاں تک کہ کسی حکم کے ثبوت کے لئے نص مل جائے، "**الأصل فی العبادات الحظر، وفی العادات الإباحة**" (القواعد الفقہیۃ وتطبیقاتہا فی المذاہب للدکتور محمد مصطفی الزحیلی: ۱/ ۱۱۲)، "**الأصل فی العبادات التوقیف**" (الغرر البہیۃ فی شرح بہجۃ الوردیۃ، فصل فی بیان صلاۃ النفل للرملی، ص: ۷۹، القواعد الفقہیۃ وتطبیقاتہا فی المذاہب للدکتور محمد مصطفی الزحیلی: ۱/ ۷۶۹)، "**الأصل فی العبادات التعبد**" (نظریۃ المقاصد عند الإمام الشاطبی، ص: ۱۸۷، ۲۰۳، تیسیر علم أصول الفقہ للجدیعی: ۱/ ۱۷۵)۔ نیز قابل غور امر ہے کہ آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مواظبت کے ساتھ مسجدوں میں جمعہ پڑھنا ثابت ہے، جس کو عملی متواتر کہا جاسکتا ہے، اور متواتر سے وجوب وفرض ثابت ہوتا ہے۔

موجودہ حالات میں گھروں میں جمعہ کے قائلین کا دعوی ہے کہ گھروں میں اذن عام پایا جاتا ہے، اور اذن عام کی تعریف وتشریح کے لئے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "امداد الفتاوی" (۱/ ۶۱۶، مطبوعہ: مکتبہ زکریا دیوبند) کا یہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے: "اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، تو وہ اذن عام میں مخل نہیں"۔ ——

سوال یہ ہے کہ اس تعریف وتشریح کے پیچھے کوئی نص یا اثر صحابی بھی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تعریف وتشریح یقیناً معاصر اکابر مفتیان کرام کی نظر سے گذری ہوگی، اس کے باوجود انہوں نے عدم جواز کا فتوی دیا، جن میں سرفہرست: مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی رفیع عثمانی، مفتی طارق مسعود، مفتی محمد، مفتی محمود الحسنؒ کے خلیفہ مفتی محمد طاہر (مظاہر العلوم سہارنپور)، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک موجودہ حالات میں گھروں میں جمعہ کی صحت کے لئے اذن عام کا تحقق نہیں ہورہا ہے۔ نیز قابل غور ہے کہ گو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اذن عام کی یہ وتوضیح ضرور فرمائی ہے؛ لیکن کیا انہوں نے اپنے زمانہ میں اس تعریف کی بنیاد پر گھر گھر جمعہ قائم کرنے کا فتوی صادر فرمایا ہے؟

غور کیا جائے! مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کیا فرمایا: ''خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو''۔ یہاں خود نماز پڑھنے والے کو اکھٹا ہو کر نماز پڑھنے سے روکا جارہا ہے، اور جمع ہو کر نماز پڑھنے سے روکنا مقصود ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو پولیس نمازیوں پر لاٹھی نہیں چلاتی، اور نہ ہی لوگوں کو گرفتار کرتی اور نہ ہی جمع ہو کر پڑھنے والے کے خلاف ایف آئی آر درج کرتی، اور یہ بات طے ہے کہ اگر مصلی کو جماعت قائم کرنے سے روکا جائے تو اذن عام نہیں پایا جائے گا، ''لَا الْمُصَلّٰی'' (منحۃ الخالق علی البحر الرائق، شُرُوطُ وُجُوبِ الْجُمُعَۃِ: ۲/ ۱۶۳)۔

قدیم فقہاء کے یہاں اذن عام کی جو تشریح ملتی ہے وہ یہ ہے کہ دروازہ کھلے ہوں، لوگوں کو اندر آنے کی عام اجازت ہو، یہاں تک اگر کچھ لوگ جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جمع ہوجائیں اور اندر سے دروازہ بند کرلیں تو ان کی نماز جمعہ درست نہیں ہوگی، درج ذیل فقہی جزئیات پر غور کریں:

''الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع، ويؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا فى الجامع وأغلقوا الأبواب على أنفسهم وجمعوا لم يجزئهم ذلک وكذلک إذا أراد السلطان أن يجمع بحشمه فى داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذناً عاماً جازت صلاته، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب كلها، وأجلس عليها البوابين ليمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة'' (المحیط البرہانی: ۲/ ۸۶، الفصل الخامس والعشرون فی صلاۃ الجمعۃ)۔

''من شروط صحة الجمعة "الإذن العام" كذا فى الكنز لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم'' (مراقی الفلاح، باب صلاۃ الجمعۃ، ص: ۲۹۴)۔

''الْإِذْنُ الْعَامُّ) أَیْ أَنْ يَأْذَنَ لِلنَّاسِ إذْنًا عَامًّا بِأَنْ لَا يَمْنَعَ أَحَدًا مِمَّنْ تَصِحُّ مِنْهُ الْجُمُعَةُ عَنْ دُخُولِ الْمَوْضِعِ الَّذِی تُصَلَّى فِيهِ وَهَذَا مُرَادُ مَنْ فَسَّرَ الْإِذْنَ الْعَامَّ بِالِاشْتِهَارِ'' (ردالمحتار: ۳/ ۲۵)۔

اگر موجودہ حالات میں جو لوگ گھروں میں نماز جمعہ قائم کرتے ہیں تو مناسب ہوگا کہ وہ اذن عام کے تحقق کے لئے اپنے گھروں سے مائک سے اذان دیں "وَالنِّدَاءُ لِلاشْتِهَارِ" (ردالمحتار: ۳/ ۲۵)؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں صاحب کے گھر میں نماز جمعہ قائم ہو رہی ہے، یا اپنے باہر کے دروازہ پر جہاں سے لوگوں کا گذر ہوتا ہو ایک بینر آویزاں کر دیں، جس پر لکھا ہو کہ فلاں گھر میں ڈور نمبر اتنا غرضیکہ پورا پتہ لکھا ہو اور اپنے گھر کے دروازے کھلے رکھیں؛ تاکہ وہاں تک لوگوں کا پہنچنا آسان ہو، "وَلَيْسَ يُعْتَبَرُ لِلْإِذْنِ وُجُودُ صِيغَةٍ، بَلْ يَكْفِي مَا دَلَّ عَلَيْهِ مِنْ فَتْحِ الْأَبْوَابِ وَالتَّأْذِينِ، أَوْ كِتَابَةِ لَوْحٍ بِالْأَذَانِ" (مطالب أولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی: ۴/ ۲۷۲)، یا آج کل پرنٹ میڈیا پر اشتہار و اعلان دیدیں، یا مائک سے اعلان کر دیں کہ میرے مسلم بھائیو! فلاں جگہ یا فلاں گھر میں نماز جمعہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے، اتنے وقت تک آپ لوگ پہنچ جائیں "الْإِذْنُ الْعَامُّ) أَيْ أَنْ يَأْذَنَ لِلنَّاسِ إِذْنًا عَامًّا بِأَنْ لَا يَمْنَعَ أَحَدًا مِمَّنْ تَصِحُّ مِنْهُ الْجُمُعَةُ عَنْ دُخُولِ الْمَوْضِعِ الَّذِي تُصَلَّى فِيهِ وَهَذَا مُرَادُ مَنْ فَسَّرَ الْإِذْنَ الْعَامَّ بِالِاشْتِهَارِ" (ردالمحتار: ۳/ ۲۵)۔ اگر آپ ایسا کر سکتے ہیں تو آپ کی نماز جمعہ درست ہوگی، ورنہ درست نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ جمعہ کی صحت کے لئے ایک شرط اذن عام مفقود ہو جا رہی ہے۔ نیز حکومت کی طرف سے تادیبی کاروائی کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنا ہوگا۔

نیز آخری بات اہل علم و دانش اور خصوصی طور پر ارباب فقہ و فتاوی کی خدمت میں غور و فکر کے لئے پیش ہے: بعض محدثین کی تحقیق کے مطابق جمعہ مکی زندگی میں فرض ہو چکا تھا؛ لیکن وہاں اذن عام کے لئے حالات ساز گار نہیں تھے؛ کیونکہ مشرکین کی طرف سے اذیت رسانی کا خوف تھا، جس کی وجہ سے اذن عام کے ساتھ جمعہ پڑھنے کا موقعہ نہیں تھا؛ اس لئے گھروں میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھ سکے (دیکھئے: نیل الاوطار: ۳/ ۲۷۴، الدر المنضو د علی سنن ابی داؤد: ۲/ ۴۱۳)۔ اسی طرح آج کے حالات میں کورونا وائرس کے پھیلنے کا خوف پایا جاتا ہے، حکومت کی طرف سے لاک ڈاؤن نافذ ہے، لوگوں کے اکھٹا ہونے پر پابندی ہے، قانون شکنی کے نتیجہ میں پولیس کی لاٹھی کھانے، ایف آئی آر کیس اور سزا کا ڈر ہے، جس کی وجہ سے اذن عام کے ساتھ نماز جمعہ گھروں میں ادا کرنا ناممکن ہے۔

ج- جمعہ کے دن گھروں میں نماز ظہر جماعت سے یا تنہا:

اوپر ذکر کردہ مفصل دلائل سے بات ثابت ہو چکی ہے کہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں بھی نماز جمعہ گھروں وغیرہ میں قائم کرنا درست نہیں ہے، اس دن مسجد میں جماعت کے علاوہ بقیہ لوگ یا جو رہ جائیں پابندیوں کی وجہ سے وہ اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں یا جماعت سے، دونوں شکلیں درست ہیں؛ تاہم جماعت کا قیام ممکن ہو تو جماعت سے پڑھ لینا بہتر ہے؛ تاکہ جماعت کا ثواب مل سکے۔ جہاں تک مسجد میں نماز جمعہ پڑھی جانے سے پہلے گھروں میں نماز ظہر

کی جماعت قائم کرنے کی بات ہے،توغور وفکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں نماز جمعہ کے قیام سے پہلے اور اس کے بعد دونوں ہی صورتوں میں نماز ظہر جماعت سے ادا کرنا درست ہے؛اس لئے کہ فقہاء نے جو معذورین کے لئے نماز ظہر جماعت سے پڑھنے کو مکروہ جو قرار دیا ہے،اس کی وجہ صورتِ معارضہ اور تقلیل جماعت ہے (الدر المختار ورد المحتار:3/ 32–33)،یعنی اس کی وجہ سے جمعہ کی نماز میں لوگ کم شریک ہونگے اور نیز نماز جمعہ کی جماعت سے ٹکراؤ ہوگا۔ یہاں زیر بحث مسئلہ میں تقلیل جماعت والی وجہ مفقود ہے؛ کیونکہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں مساجد میں بڑی جماعتیں قائم کرنا ممنوع ہے،حکومت کی طرف سے امام کے ساتھ چار یا پانچ لوگوں کو پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے،اس سے زائد کی نہیں،خواہ مسجد چھوٹی ہو یا بڑی،مسجدوں میں پڑھنے والوں کے علاوہ جو لوگ بچ رہے ہیں وہ اپنے اپنے گھروں میں نماز ظہر ادا کرنے پر مجبور ہیں؛ پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ گھروں میں نماز ظہر جمعہ سے پہلے پڑھیں یا جمعہ کے بعد،تنہا ادا کریں یا جماعت کے ساتھ؛البتہ صورت معارضہ سے بچنے کے لئے قریبی مسجد میں جس وقت نماز جمعہ قائم ہو رہی ہو اس وقت ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے سے بچا جائے گا۔

۲-تجہیز وتکفین:

الف-غسل وکفن کے لئے میت کے رشتہ داروں کو حوالہ کرنے کا مسئلہ:

کورونا بیماری سے مرنے والے کو ان کے رشتہ داروں کے حوالہ کرنے کی بابت دیکھنا ہوگا کہ آیا موت سے کورونا کا اثر زائل ہوجاتا ہے یا زائل نہیں ہوتا ہے،اگر کورونا کا اثر زائل نہیں ہوتا ہے بلکہ دفن تک باقی رہتا ہے جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے،اسی وجہ سے بعض مرتبہ کورونا کے میت کو اس کے متعلقین کے سپرد نہیں کیا جاتا ہے؛لیکن حقیقت یہ ہے اس کا اثر موت سے زائل ہوجاتا ہے جیسا کہ عالمی ادارۂ صحت کی رپورٹ ہے،تو کورونا سے مرنے والے کو ان کے رشتہ داروں کے حوالہ کردینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛اس لئے ان کے حوالہ کردینا چاہیے؛ تاکہ وہ اپنے میت کے غسل وکفن کا اہتمام خود کرسکیں، اور جب میت کو ان کے حوالہ کیا جائے تو وہ ان کی تجہیز وتکفین سے راہ فرار اختیار نہ کریں اور نہ ہی انکار کریں،ورنہ وہ اللہ کے یہاں آخرت میں ماخوذ اور جواب دہ ہونگے۔

ب-کورونا کے میت کو غسل وکفن دینے کا مسئلہ:

میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے؛لہذا اگر کورونا کے میت کو غسل دکفن دینا ممکن ہو اس طور پر کہ اس کو غسل وکفن دینے والے کو کسی طرح کا ضرر نہیں پہنچے گا اور نہ وہ کورونا کی بیماری سے متاثر ہوں گے،تو متعلقین مکلفین پر کورونا کے میت کو غسل دینا ضروری وفرض کفایہ ہے، لہذا اگر کورونا کے میت کو اس کے متعلقین کے سپرد کیا گیا یا اس کا گھر میں ہی انتقال ہوا تو اس کو غسل

وکفن دینا متعلقین پر واجب وضروری ہے، اگران لوگوں نے ناخدا ترسی کا ثبوت دیا اور مارے ڈر وخوف کے میت کو نہیں لیا یا اس کو اسی طرح بغیر غسل وکفن کے دفن کردیا تو وہ کل کے دن اللہ کے یہاں، یعنی آخرت میں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ پائیں گے۔

بہر حال اگر کورونا کا مریض گھر میں ہی مر گیا یا ہاسپیٹل میں انتقال ہوا اور اس کے متعلقین کو بغیر کسی بندش کے سپرد کردیا گیا تو اس کو غسل وکفن اسی طرح دیا جائیگا جیسا کہ دوسرے میت کو دیا جاتا ہے؛ لیکن پابندیوں کی صورت میں جبکہ میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے کھولنے کی اجازت ہو تو اس کو کھول کر معمول کے مطابق غسل دیا جائیگا جبکہ غسل دینے سے کسی طرح کے ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، اگر غسل دینے سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو یا کسی وجہ سے غسل دینا ممکن نہ ہو تو اس کو تیمّم کرایا جائیگا اس کے بعد اس کو کپڑے کا کفن دیا جائیگا یا اس کو اسی کور میں لپیٹنے کے بعد اس کے اوپر سے کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائیگا۔ اور اگر سرے سے کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی تو ایسی صورت میں کور کے اوپر سے پانی بہا جائیگا، اس کے بعد اس کو اسی کور کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے گا۔ یہ اس وقت ہے، جبکہ بغیر کسی ضرر کے کور کے اوپر پانی بہانا ممکن ہو، ورنہ اگر پانی بہانا ممکن نہ ہو اس طور پر کہ اگر کور کے اوپر پانی بہایا گیا تو کورونا لاحق ہوجائے گا اور اس کے جراثیم پھیلیں گے، سب سے پہلے غسل دینے والے اس کا نشانہ بنیں گے اور اس مرض سے دوچار ہونگے، تو اس کو تیمّم کرایا جائے گا، جبکہ تیمّم کرانا ممکن ہو اس طور پر کہ کم سے کم چہرہ اور کہنی تک ہاتھ کھولنے کی اجازت ہو تو ہاتھ میں کپڑے لے کر یا ہاتھ میں کپڑے کا دستانہ پہن کر، یا پلاسٹک کا کور پہن کر تیمّم کرایا جائے گا؛ کیونکہ ایسی صورت میں فریضہ غسل متعلقین مکلفین سے ساقط ہوگیا اور اس کا بدل تیمّم کرانا ان پر لازم ہوگیا۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ'' (النساء: 43) (پھر پانی میسر نہ ہو تو پاک زمین سے تیمّم کرلیا کرو، اس طرح کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرلو) اور اگر چہرہ اور ہاتھ بھی کھولنے کی اجازت نہ ہو یا ماہرین ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق اتنا بھی کھولنے سے جراثیم پھیلنے اور منتقل ہونے کا اندیشہ ہو تو ہاتھ میں دستانہ پہن کر ایک دوسرا کپڑا ہاتھ میں لیا جائیگا اور اس کو پاک پانی میں گیلا کرکے کور کے اوپر سے ممکن حد تک پورا جسم مسح کردیا جائے گا، جیسا کہ زخم کے پٹی پر مسح کیا جاتا ہے، اس کے بعد اسی کور کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائیگا، اور اگر کور کے اوپر مسح کرنا بھی ممکن نہ ہو، یا اس کی بھی اجازت نہ ہو، تو اسی حال میں اسی کور کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے گا، ایسی صورت میں وہی کور کفن کے حکم میں ہوجائیگا؛ اس لئے کہ مذکورہ صورت حال میں مکلفین کے ذمہ سے غسل اور اس کا بدل تیمّم بھی ساقط ہوگیا اور آخر میں کور کے علاوہ کپڑے کا کفن دینا بھی ساقط ہوگیا؛ کیونکہ میت کو حقیقی غسل دینا یا اس کے قائم مقام حکمی غسل تیمّم کرانا اور کفن دینا فرض کفایہ ہیں، اور یہ فرض کفایہ امکان وقدرت

کے ساتھ مقید ہے، جب امکان وقدرت نہیں رہی تو فریضہ غسل وتیمّم ساقط ہوگئے (دیکھئے: ردالمحتار معزیا إلی الجوہرۃ:3/103، ط: زکریا، دیوبند)۔

کیونکہ دفع ضرر واجب ہے اور انسان حسب قدرت ہی شرعی احکام کا مکلّف ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" (النساء:29) (اور اپنا خون نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے ساتھ بڑے مہربان ہیں) "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" (البقرۃ:195) (اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" (أخرجہ مالک فی الأقضیۃ، باب الأقضیۃ فی المرافق، برقم:226، وابن ماجہ، فی الأحکام، باب من بنی فی حقہ ما یضر جارہ، برقم:3340، 334، والحاکم فی المستدرک، فی البیوع:2/66، برقم:2345، وقال: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، ووافقه الذهبي بقوله:على شرط مسلم، والدارقطنی، فی الأقضیۃ والأحکام، برقم:4539)، یعنی دوسروں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی ضرر سے بچایا جائے۔ ان نصوص سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالی نے جان کی حفاظت کا حکم دیا اور انسانی زندگی کی اہمیت دی کہ زندہ شخص کے ضرر کو میت کے ضرر پر مقدم کیا جائے گا، اور تندرست زندہ انسان کی حیات کو فرض کفایہ کی ادائیگی پر مقدم کیا جائیگا۔

نیز انسان شرعی احکام پر عمل کا مکلّف امکانِ عمل، انتفاء حرج اور قدرت کے ساتھ بنایا جاتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "لَايُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" (البقرۃ:286) (اللہ تعالی کسی کو اس کی طاقت کے بہ قدر ہی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں) "لَايُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّاوُسْعَهَا" (ہم کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر عمل کا پابند نہیں بناتے) "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" (الحج:78)، "وَلَا يُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" (المؤمنون:62) (اور ہم تو کسی کو اسی کی طاقت کے بقدر ہی مکلّف بناتے ہیں) "فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (التغابن:16)" نیز نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: "وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (أخرجه البخاری فی الاعتصام، بَابُ الِاقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، برقم:7288، ومسلم فی الفضائل، بَابُ تَوْقِيرِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَرْكِ إِكْثَارِ سُؤَالِهِ عَمَّا لَا ضَرُورَةَ إِلَيْهِ، أَوْ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ تَكْلِيفٌ وَمَا لَا يَقَعُ، وَنَحْوِ ذَلِكَ، 130-1337) (جب میں تم لوگوں کو کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو جتنا ہوسکے اتنا بجالو)۔ ان ہی نصوص کی روشنی میں فقہاء اصولیین نے ایک فقہی قاعدہ بنایا: "لا تكليف إلا بمقدور"، یعنی تکلیف شرع بہ قدر طاقت ہی۔ علامہ کاسانیؒ نے عبادات کے تعلق سے لکھا ہے: "وَالْأَصْلُ فِي الْعِبَادَاتِ وُجُوبُهَا عَلَى الدَّوَامِ بِشَرْطِ الْإِمْكَانِ وَانْتِفَاءِ الْحَرَجِ" (بدائع الصنائع:2/88)، عبادات کے باب میں اصل یہ ہے کہ اس کا وجوب امکان اور حرج کے معدوم کی شرط کے ساتھ دوام باقی رہتا ہے۔ اور جب فرض کفایہ کی ادائیگی کا امکان نہیں رہا تو مکلفین اس کی ادائیگی سے قاصر رہے؛ کیونکہ اس

کی ادائیگی میں بڑا حرج لازم آرہا ہے، تو فرض کفایہ ساقط ہوگیا۔

۳-الف-نماز جنازہ قبر پر:

اس میں کوئی شک نہیں ہے میت پر نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے، اب سوال یہی ہے کہ کورونا کے میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی صورت کیا ہوگی؟ اس سلسلہ میں بتدریج دیکھا جائے گا اور اسی اعتبار سے نماز جنازہ ادا کی جائے گی، اور وہ یہ ہے کہ اگر دفن سے پہلے کورونا کی وباء پھیلنے کا امکان نہ ہو اور نہ ہی دوسرے کی طرف متعدی ہونے کا اندیشہ ہو، یعنی پورے طور پر ضرر سے حفاظت یقینی یا کم از کم غالب گمان ہو، تو معمول کے مطابق جنازہ کی نماز پڑھی جائیگی اور کوشش ہوگی کہ لوگ کم سے کم تعداد میں شریک ہوں؛ تا کہ بھیڑ جمع نہ ہونے پائے جس سے کورونا وباء کے پھیلنے کا امکان قوی ہوجاتا ہے؛ بلکہ اس موقع سے ملک کے ادارہ صحت کی ہدایات کے مطابق جتنے لوگوں کی شرکت کی اجازت ہو اتنے ہی لوگ شریک ہوں، اس سے زیادہ شرکت سے احتراز کریں، اگر اقل جماعت یعنی امام کے علاوہ دو بالغ مرد ہوں تو بھی کافی ہے۔

اگر میت متعلقین کے حوالہ نہ کیا جائے صرف قبر و قبرستان بتایا جائے، یا میت کو حوالہ تو کردیا جائے لیکن دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے، یہاں تک غسل و نماز کا بھی موقع نہ دیا جائے اور عجلت میں دفن کردیا جائے، تو ایسی صورت میں میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جائے گی؛ چنانچہ نے فقہاء نے ایسے میت کے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے جس پر کسی بھی وجہ سے دفن سے پہلے نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکی اور نماز جنازہ کی صحت کے لئے شرط لگاتے ہیں کہ میت پھلی پھٹی نہ ہو (ردالمحتار:3 / 103، ط: زکریا، دیوبند)۔

نیز ہر حال میں ضروری ہے کہ امام کے محاذات میں میت کا کوئی نہ کوئی حصہ ہو، اور بہتر و افضل یہ ہے کہ امام قبر کے عرض میں سرہانہ جانب مرد میت کے سر کے مقابل اور عورت میت کے وسط کے مقابل قبلہ رخ کھڑا ہو (فتح القدیر: ۲ / ۱۳۰- ۱۳۱، ط: زکریا، دیوبند، شرح معانی لآثار للطحاوی، باب الرجل یصلی علی المیت أین ینبغی أن یقوم منہ: ۱ / ۲۳۷، العرف الشذی: 2 / 160) جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے (بخاری، بَابُ الصَّلَاۃِ عَلَی النُّفَسَاءِ إِذَا مَاتَتْ فِی نِفَاسِہَا، حدیث: 1331، ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ أَیْنَ یَقُومُ الإِمَامُ مِنَ الرَّجُلِ وَالمَرْأَۃِ، حدیث: 1034) بقیہ لوگ امام کے پیچھے حسب معمول کھڑے ہوں گے اور جیسے نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح پڑھی جائیگی۔ اس طرح مکلفین کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہوجائیگا؛ کیونکہ فرض کفایہ کی ادائیگی امکان اور مکلفین کی قدرت کے ساتھ مربوط ہے، جیسا کہ دلائل کے ساتھ اوپر بات آچکی ہے، جتنا مکلفین سے ہوسکا اتنا انہوں نے کیا۔

ب-کورونا کے میت پر غائبانہ نماز جنازہ:

نماز جنازہ میں اصل یہی ہے کہ جنازہ قبلہ رخ امام اور مصلیان کے سامنے ہو؛ لیکن جب جنازہ کو نماز جنازہ کے لئے سامنے حاضر کرنا دشوار ہوجائے جیسا کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں کورونا کے میت کے جنازہ کے سلسلہ میں ایسا ہوا کہ بسا اوقات کورونا کے میت کو طبی عملہ نے خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کر دیا، متعلقین کے حوالہ نہیں کیا، کبھی تو قبرستان کا پتہ بتایا، لیکن جگہ نہیں بتایا کہ کس جگہ دفن کیا، اور کبھی تو قبرستان اور قبر دونوں کا علم نہیں ہوسکا، ایسی صورت حال میں کہا جاسکتا ہے نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اور یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان شرعی احکام کا مکلّف بہ قدر طاقت ہی ہوتا ہے اس سے زیادہ نہیں تو جب کورونا کے کسی میت کی قبر وقبرستان کا کوئی علم نہ ہو، اور یہ بات یقینی یا غالب ظن سے معلوم ہو کہ اس پر جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑھی گئی ہے، تو فقہاء کے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مخصوص حالت میں کہا جاسکتا ہے، اس طرح کے میت پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست ہوگا؛ تاکہ عدم کے مقابلہ میں کچھ تو ہست ہوجائے اور مرنیوالے کو فائدہ پہنچ جائے۔ نیز چونکہ زیر بحث مسئلہ میں مکلفین غائبانہ نماز پڑھنے پر قدرت رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر ان کے بس سے باہر ہے، اور پیچھے ذکر کردہ مختلف قسم کی دلیلوں کی روشنی میں بات آچکی ہے کہ انسان بہ قدر طاقت شریعت اسلامیہ کا مکلّف ہے " لا يكلف إلا بمقدور "۔

☆☆☆

کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی☆

۱-الف: ایک مسجد میں کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ کی دوسری جماعت:

جمعہ کی نماز دین کی مخصوص علامتوں، نشانیوں اور شعائر میں سے ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ جم غفیر اور کثرت تعداد مطلوب ہے، ارشاد باری تعالی ہے:"**يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله**"(سورۂ جمعہ:۹) (اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کی طرف لپکو)، لہذا عام حالات میں یہ درست نہیں ہے کہ مختلف ٹولیوں یا گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے۔

البتہ کرونا وائرس کی مجبوری کی وجہ سے اگر سوشل ڈسٹنسنگ کی رعایت کے ساتھ مسلمانوں کو ہفتہ واری عید جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہو تو پھر دوسری جماعت کی اجازت اس صورت میں ہوگی، جبکہ مسجد میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ تمام لوگ پہلی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرسکیں؛ کیونکہ مجبوری کی حالت میں ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت ہونے کی صورت میں پہلی جماعت کی تقلیل یا سستی و کاہلی وغیرہ کی علت مفقود ہے۔

لیکن اگر سوشل ڈسٹنسنگ کی رعایت کے باوجود بھی ایک بڑی تعداد کے ساتھ جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ ہو، تو پھر کرونا وائرس کی وجہ سے عائد پابندی کے عذر کی بنا پر جمعہ کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے، اس وجہ سے کہ فقہاء نے جمعہ کے وجوب کے ساقط ہونے کے لئے زوردار بارش کو بھی عذر مانا ہے، ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:"**إذا أصاب الناس مطر شديد يوم الجمعة فهم في سعة من التخلف**"(ہندیہ ۱/۱۴۵، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۱ھ) (اگر جمعہ کے دن زوردار بارش ہو (جس سے لوگ جمعہ میں شرکت نہ کر پائیں) تو ان کے لئے گنجائش ہے کہ جمعہ میں شرکت نہ کریں)۔ ایک جگہ درج ہے:"**والمطر الشديد، والاختفاء من السلطان الظالم مسقط (أي لوجوب الجمعة)**"(مرجع سابق ۱/۱۴۴) (زوردار بارش، اور ظالم بادشاہ سے پوشیدگی (فرضیت جمعہ کو) ساقط کر دیتی ہے)۔

ایسی صورت میں مسجد کے خدام: امام و مؤذن اور آس پاس کے دو چار لوگ جس تعداد کی انتظامیہ کی طرف سے

☆ مدیر معہد الامام النورسی وصدر شعبہ فقہ وافتاء وشیخ الحدیث والفقہ جامعہ سید احمد شہید، کٹولی، ملیح آباد، لکھنؤ۔

اجازت ہے، یعنی پانچ عاقل بالغ مرد جمعہ کی نماز ادا کرلیں، تاکہ جمعہ کا انقطاع نہ ہو، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه" (سنن نسائی، حدیث نمبر: ۱۳۶۹، سنن ابی داوٗد، حدیث نمبر ۱۰۵۲، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۴۹۸، بہ روایت: ابوجعد ضمریؓ اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (جو سستی کی وجہ سے تین جمعہ ترک کردے اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگادے گا)۔

علامہ سرخسیؒ رقم طراز ہیں: "فإن صلى الإمام بأهل المصر الظهر يوم الجمعة أجزأهم، وقد أساؤوا في ترک الجمعة، أما الجواز فلأنهم أدواأصل فرض الوقت، ولولم نجوّز ها لهم أمرنا بإعادة الظهر بعد خروج الوقت، والأمر بإعادة الظهر عند تفويتها في الوقت، وما فوّتوها، وأما الإسائة فلترکهم أداء الجمعة بعد ما استجمعوا شرائطها" (سرخسی، المبسوط ۲/ ۲۴، طبع: اول، بیروت، دار الفکر ۱۴۲۱ھ، تحقیق خلیل میں) (اگر امام جمعہ کے دن شہر والوں کو ظہر کی نماز پڑھادے، تو یہ نماز ان کے لئے کافی ہوجائے گی، اور ان لوگوں نے جمعہ ترک کرکے برا کام کیا، بہر حال ظہر کی نماز تو اس لئے کافی ہوگئی کہ انہوں نے اصل فرض وقت کو ادا کیا ہے، اور اگر ہم ان کے لئے اس نماز کو جائز نہ ٹھہرائیں تو پھر ان کو وقت نکلنے کے بعد ظہر کی نماز لوٹانے کا حکم دیں گے، اور ظہر لوٹانے کا حکم اس وقت ہوگا، جبکہ وقت کے اندر اسے فوت کردیا جائے، حالانکہ انہوں نے ظہر کی نماز فوت نہیں کی ہے، بہر حال جہاں تک کہ ان کے برا کرنے کا تعلق ہے تو اس وجہ سے کہ انہوں نے جمعہ کے شرائط مکمل کرنے کے بعد اس کی ادائیگی ترک کردی)۔

باقی حضرات جن کو کرونا وائرس کے عذر کی وجہ سے مسجد میں آنے کی اجازت نہ ہو، وہ جماعت کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز ادا کرلیں، کیونکہ عذر 'کرونا وائرس' کی وجہ سے نہ اس میں تقلیل جماعت کی علت پائی جاتی ہے، اور نہ جمعہ کی جماعت سے حقیقی معارضہ ہے، اور نہ ہی اس میں غیر معذور کے شامل ہونے کی علت موجود ہے، اور فقہاء نے معذوروں، مسافروں اور قیدیوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ذکر کردہ علتوں کی وجہ سے قرار دیا ہے، علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں: "وكره تحريما لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها، لتقليل الجماعة، وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع، وكذا أهل مصر فاتتهم الجماعة فإنهم يصلون الظهر بغيرأذان ولاإقامة ولاجماعة" (حصکفی، الدر المختار مع تنویر الأبصار ۲/ ۱۵۷، بیروت، دار الفکر، ۱۳۸۶ھ) (معذور، قیدی اور مسافر کے لئے شہر کے اندر جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد تقلیل جماعت اور معارضہ کی صورت کی وجہ سے جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، مصنف کے کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ جمعہ کے دن سوائے جامع مسجد کے دیگر مسجدیں بند رہیں گی۔ اسی

طرح شہر کے وہ لوگ جن کی جمعہ کی جماعت فوت ہوجائے وہ اذان، اقامت اور جماعت کے بغیر ہی ظہر کی نماز پڑھیں گے)۔

اورعلامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**لأن المعذور قد يقتدي به غيره، فيؤدي إلى تركها، وكذا إذا علم أنه يصلي بعدها بجماعة، ربما يتركها ليصلي معه**"(ابن عابدین، ردالمحتار، باب الجمعۃ ۲/۱۵۷، بیروت، دار الفکر ۱۴۲۱ھ)(اس لئے کہ کبھی معذور کی اقتدا غیر معذور کرسکتا ہے، لہذا یہ جمعہ کی جماعت کے ترک کا سبب ہوسکتا ہے، ایسے ہی یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر معذور یہ جان کر کہ معذور ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے گا، جمعہ اس لئے ترک کردے کہ معذور کے ساتھ نماز پڑھ لے گا)۔

البتہ کرونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت کے ساقط ہونے کے باوجود اگر چار یا اس سے زائد عاقل بالغ مرد گھروں یا دروازوں یا کسی اور جگہ میں ظہر کی نماز کی بجائے جمعہ کی نماز ادا کرلیتے ہیں تو فریضہ وقت ادا ہوجائے گا، 'ہندیہ' میں ہے:"**ومن لا جمعة عليه إن أداها جاز عن فرض الوقت**" (عالمگیری ۱/ ۱۴۴، ۱۴۵)(جس پر جمعہ واجب نہ ہو، اگر وہ اسے ادا کرلے تو وقت کے فریضہ کی طرف سے جمعہ کی ادائیگی جائز اور کافی ہوجائیگی)۔

خواہ یہ حضرات دروازہ کھلا رکھیں یا بند رکھیں؛ کیونکہ کرونا وائرس کی بنا کی بنا پر عائد پابندی کی وجہ سے موجودہ حالات میں 'اذن عام' کی شرط کی کوئی معنویت نہیں ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ چاروں فقہی مسالک میں سے امام یا اذن امام اور اذن عام کی شرط صرف حنفیہ کے یہاں ہے۔

البتہ گھروں میں اسی طرح مسجدوں میں جمعہ کی جماعت بار بار کرنا بہتر نہیں ہے، کیونکہ ماضی میں بھی بہت سی وبائیں آئی ہیں، لیکن اس دور کے علماء نے گھروں میں یا مسجد میں باری باری سے جمعہ قائم کیا ہو، یہ بات منقول نہیں ہے۔

جواز کی صورت میں عائد ہونے والی پابندیاں:

کرونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہے، البتہ درج ذیل پابندیوں کا التزام کیا جائے:

۱- دوسری جماعت پہلی جماعت کی جگہ سے کچھ ہٹ کر ہو۔

۲- اس اجازت کو عارضی سمجھا جائے، آئندہ حالات کے معمول پر آنے کے بعد اسے مثال نہ بنایا جائے۔

۳- اگر جمعہ کی دوسری جماعت ہو، تو ضروری ہے کہ ہر جماعت سے پہلے خطبہ ہو، خواہ مختصر خطبہ ہو جو حمد و درود

وتقوی کی نصیحت اور اہل ایمان کے لئے دعا پر مشتمل ہو۔

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”**والرابع: الخطبة فيه**“(حصکفی، الدر المختار، باب صلاۃ الجمعۃ ۲/۱۴۷، بیروت، دارالفکر ۱۳۸۶ھ)(اور جمعہ کی صحت کی چوتھی شرط ظہر کے وقت میں خطبہ کا ہونا ہے)۔

۴-کرونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جمعہ کی جماعت کی صورت میں ہر جماعت میں امام کے علاوہ کم سے کم تین عاقل وبالغ مرد ہوں، علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں: ”**شرط أن يصلي مع الإمام ثلاثة فأكثر لإجماع العلماء على أنه لابدفيها من الجماعة**“(ابن عابدین، البحر الرائق، باب صلاۃ الجمعۃ ۲/۱۶۱، بیروت، دار المعرفۃ)(شرط ہے کہ امام کے ساتھ تین یا زیادہ عاقل و بالغ افراد نماز پڑھیں؛ کیونکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ میں جماعت ضروری ہے)۔

ب: عام حالات میں بڑے شہروں میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت کا حکم:

عام حالات میں بڑے شہروں میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت کے حکم پر روشنی ڈالنے سے قبل مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں تکرار جماعت کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر واضح کر دیا جائے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

اگر بغیر اتفاق کئے ہوئے، اور کسی عذر کی وجہ سے کوئی جماعت ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہوئی ہو، جبکہ امام نماز سے فارغ ہو چکے ہوں، اور مسجد ایسی ہو جس کے امام متعین ہوں اور راستہ کی مسجد نہ ہو، تو حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک دوسری جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں: ”**ومنها حكم تكرارها في مسجد واحد، ففي المجمع: ولانكررهافي مسجد محلة بأذان ثان، وفي المجتبى: ويكره تكرارها في مسجد بأذان وإقامة، وعن أبي يوسف: إنما يكره تكرارها بقوم كثير، أما إذا صلى واحد بواحد واثنين، فلا بأس به، وعنه: لا بأس به مطلقا إذا صلى في غير مقام الإمام۔**

وعن محمد: إنما يكره تكرارها على سبيل التداعي، أما إذا كان خفية في زاوية المسجد: لا بأس به۔

وقال القدوري: لا بأس بها في مسجد في قارعة الطريق“ (ابن نجیم، البحر الرائق ۱/۳۶۶-۳۶۷، بیروت، دارالمعرفہ)(اور جماعت کے احکام میں سے ایک حکم ایک ہی مسجد میں اسے مکرر کرنے کے بارے میں ہے، چنانچہ ’المجمع‘ نامی کتاب میں درج ہے کہ دوسری اذان کے ساتھ ہم اسے محلّہ کی مسجد میں مکرر نہیں کریں گے، اور ’مجتبی‘ نامی کتاب میں ہے کہ

اذان اور اقامت کے ساتھ مسجد میں جماعت کی تکرار مکروہ ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ کثیر تعداد کے ساتھ جماعت کی تکرار مکروہ ہے، لیکن اگر ایک آدمی ایک اور دو آدمی کے ساتھ نماز پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ تکرار جماعت میں مطلقا کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ امام کی جگہ کے علاوہ میں نماز پڑھے۔ اور امام محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ جماعت کی تکرار تداعی (باضابطہ لوگوں کو جمع کرنے) کے طور پر مکروہ ہے، بہر حال مسجد کے ایک گوشہ میں خفیہ طور پر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور قدوریؒ کا قول ہے کہ وسط راہ کی مسجد میں تکرار جماعت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔

علامہ حصکفیؒ رقم طراز ہیں: "**ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة، لافي مسجد طريق، أو مسجد لاإمام له ولامؤذن**" (حصکفی، الدر المختار ۱/ ۵۵۲، بیروت، دار الفکر، ۱۳۸۶ھ) (محلّہ کی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت کی تکرار مکروہ ہے، ایسی مسجد میں مکروہ نہیں ہے جو راستہ پر ہو، یا جس مسجد کے امام و مؤذن متعین نہ ہوں۔

علامہ ابن عابدینؒ نے اس سلسلہ میں یہ وضاحت فرمائی ہے: "**وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية......وعن أبي يوسف :إذالم تكن على الهيئة الأولى لاتكره، وإلا تكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية، وفي التاتارخانية عن الولوالجية:وبه نأخذ**" (ابن عابدین، ردالمحتار ۱/ ۳۹۵، بیروت، دار الفکر ۱۴۲۱ھ) (تب تو کوئی جماعت اگر مسجد میں اس وقت داخل ہو جبکہ مسجد والے نماز سے فارغ ہو چکے ہوں تو وہ لوگ تنہا نماز پڑھیں گے، یہی ظاہر الروایہ ہے......اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر دوسری جماعت پہلی ہیئت میں نہ ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے، ورنہ مکروہ ہے، اور یہی صحیح ہے، اور اگر محراب سے ہٹ کر جماعت قائم کی جائے تو ہیئت بدل جاتی ہے، ایسا ہی 'بزازیہ' میں ہے، اور 'تاتارخانیہ' میں 'ولوالجیہ' کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ہم اسی قول کو لیتے ہیں)۔

گزشتہ تفصیلات سے درج ذیل امور ظاہر ہوئے:

۱- مسجد میں تکرار جماعت مکروہ تحریمی ہے، جبکہ اہل محلّہ کی طرف سے ہو۔

۲- ایسی مسجد جو راستہ کے کنارہ پر ہو اس میں راستہ سے گزرنیوالے لوگوں کے لئے تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے۔

۳- جس مسجد کے امام و مؤذن مقرر نہ ہوں، اس میں تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے۔

۴- اگر دوسری جماعت پہلی جماعت کی ہیئت پر نہ ہو، تو مکروہ نہیں ہے، اور یہی صحیح ہے، یہ امام ابو یوسفؒ سے ایک

روایت ہے۔

۵-اگر دوسری جماعت تداعی (یعنی باضابطہ لوگوں کو دعوت دے کر جمع کرنے) کے طور پر نہ ہو، تو یہ مکروہ نہیں ہے (خاص طور پر اس وقت جبکہ کبھی کبھار ایسا کرلیا جائے)۔

یہ امام محمدؒ سے ایک روایت ہے۔ واضح رہے کہ بعض اہل علم وفقہ نے تداعی کی حد یہ مقرر کی ہے کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار آدمی ہوں۔

مالکیہ کا مسلک:

'موطأ' میں مالکی مسلک کچھ اس طرح درج ذیل ہے: **"وسئل مالک عن مؤذن أذن لقوم، ثم انتظر هل يأتيه أحد، فلم يأنه أحد، فأقام الصلاة وصلى وحده، ثم جاء الناس، بعد أن فرغ أيعيد الصلاة معهم؟قال:لا يعيد الصلاة، ومن جاء بعد انصرافه فليصل لنفسه وحده"** (امام مالک، الموطأ ۱/ ۰۷، مصر، دار احیاء التراث العربی، نیز دیکھئے حطاب عینی مالکی، مواہب الجلیل ۲/ ۸۵) (امام مالکؒ سے اس مؤذن کے بارے میں پوچھا گیا جو قوم کے لئے اذان دے، پھر اس نے انتظار کیا کہ کیا اس کے پاس کوئی آتا ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے پاس کوئی نہیں پہنچا، اس نے اقامت کہی اور تنہا نماز پڑھ لی، پھر نماز سے فراغت کے بعد لوگ آئے، کیا وہ ان کے ساتھ نماز لوٹائے گا؟ امام مالکؒ نے جواب دیا: وہ نماز نہیں لوٹائے گا، اور جو اس کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد آئے، وہ تنہا نماز پڑھے)۔

شافعیہ کا مسلک:

شافعیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ابن حجر ہیثمی شافعیؒ رقم طراز ہیں: **"تكره إقامة جماعة بمسجد غير مطروق، له إمام راتب بغير إذنه قبله أومعه أوبعده"** (ابن حجر ہیثمی، تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج ۱/ ۶۹، بیروت، دار الکتب العلمیہ) (ایسی مسجد جو راستہ پر نہ ہو اور اس کا امام مقرر ہو، اس کی اجازت کے بغیر اس کی جماعت سے پہلے یا اس کے ساتھ یا اس کے بعد جماعت قائم کرنا مکروہ ہے)۔

جمہور کے دلائل:

ایسی مسجد میں جس کے امام ومؤذن مقرر ہوں تکرار جماعت کے مکروہ ہونے کے سلسلہ میں جمہور کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ انصار کے درمیان صلح کے لئے تشریف لے گئے، لوٹنے پر جماعت ہوچکی تھی، تو گھر تشریف لے گئے: **"فجمع أهله فصلى بهم"** (اور اپنے گھر والوں کو جمع کر کے انہیں نماز

پڑھائی)(طبرانی، المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۴۶۰۱، ۶۸۲۰، اس کے ایک راوی معاویہ بن یحی صدفی پر کلام ہے، نیز ذہبیؒ نے بھی اس پر کلام کیا ہے(دیکھئے: میزان الاعتدال ۹/ ۱۴۰، طبع حلبی)۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ مسجد میں دوسری جماعت مکروہ نہیں ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبوی میں جماعت کی فضیلت کو ترک نہی کرتے۔

مناقشہ: یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں نماز اس وجہ سے ادا نہ کی ہو کہ گھر پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرسکیں اور اس طریقہ کی طرف لوگوں کی توجہ دلاسکیں۔

۲- دوسری جماعت کی مشروعیت پہلی جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے سلسلہ میں سستی اور کاہلی کا محرک بنے گی؛ کیونکہ لوگوں کو جب یہ بات معلوم ہوگی کہ ان کو کوئی نہ کوئی جماعت مل جائے گی تو پھر وہ پہلی جماعت سے غفلت برتیں گے۔

حنابلہ کا مسلک:

بغیر سابقہ اتفاق کے کسی عذر کی وجہ سے بچھڑ جانے والوں کے لئے دوسری جماعت سے نماز ادا کرنا مستحب ہے، علامہ ابن قدامہؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**إذا صلى إمام الحي، وحضر جماعة أخرى استحب طعم أن يصلوا جماعة**'' (ابن قدامہ مقدسی، المغنی ۲/ ۷، بیروت، دار الفکر ۱۴۰۵ھ) (اگر محلّہ کا امام نماز پڑھ چکا ہو، اور دوسری جماعت حاضر ہوئی ہو، تو ان کے لئے مستحب ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں)۔

حنابلہ کے دلائل:

حنابلہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة**'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر ۶۴۵، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۶۵۰، مسند احمد حدیث نمبر: ۵۳۳۲) (جماعت کی نماز انفرادی نماز پر ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے)۔

یہ حدیث اگرچہ ایک عام دلیل ہے، لیکن اس کے عموم میں دوسری جماعت بھی داخل ہے۔

۲- نبی کریم ﷺ ایک دن صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نماز ختم ہونے کے بعد آیا، اس موقع سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**من يتصدق على هذا فيصلي معه؟ فقام أحد القوم، فصلى مع الرجل**'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۲۰، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۱۴۲۶، صحیح ابن حبان ۶/ ۱۵۷، حدیث نمبر: ۲۳۹۷، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)

(کون اس پر صدقہ کرے گا کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے؟ لوگوں میں سے ایک شخص اٹھا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی)۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ جب ایسے شخص کو اس آدمی کے ساتھ نماز ادا کر کے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا جو نماز پڑھ چکا تھا، تو ایسے شخص کو یہ حکم کیوں کر نہ ہوگا جس نے نماز پڑھی ہی نہیں ہے۔ یہ ایک خاص دلیل ہے، جو زیر بحث مسئلہ پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔

چنانچہ شافعیہ دوسری جماعت کو اس وقت مکروہ قرار دیتے ہیں جبکہ امام کی اجازت نہ ہو؛ کیونکہ امام کی اجازت کے بغیر تکرار جماعت میں امام کی تحقیر ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک اگر کوئی جماعت ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہو، اور صرف نماز سے فارغ افراد موجود ہوں، جو جو لوگ موجود ہوں، ان میں سے بعض افراد کے لئے اس کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے تاکہ اس آدمی کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۲۷/۱۷۶ طبع اول، مصر مطابع دار الصفوۃ)۔

ترجیح:

حنابلہ کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے، اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

۱- عذر کی صورت میں عادت نہ بنانے کی وجہ سے تقلیل جماعت کی علت نہیں پائی جاتی ہے۔

۲- عارضی حالت کی صورت میں امت میں پھوٹ ڈالنے کی علت موجود نہیں ہے۔

۳- سابقہ طور پر اتفاق نہ کرنے کی وجہ سے اس میں سستی اور کاہلی کی دعوت نہیں ہے۔

۴- بغیر اتفاق کئے ہوئے کسی عذر کی وجہ سے بچھڑ جانے کی صورت میں امام سے دشمنی اور نفرت کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

۵- عذر کی وجہ سے بچھڑنے والوں کو جماعت کے ثواب کی تحصیل کی اجازت ہونی چاہئے۔

۶- جب تنہا نماز ادا کرنا امر مفضول ہے، تو دوسری جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔

۷- جہاں تک کہ جمہور کی دلیل کا تعلق ہے تو وہ ضعیف ہے، اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے، تو آپ ﷺ کے مسجد کی بجائے گھر میں جماعت کرنے سے مسجد میں جماعت کی تکرار کی کراہیت لازم نہیں ہے؛ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ مقصود ہو کہ جماعت فوت ہونے کی صورت میں ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی گھر جا کر گھر والوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھے۔

لہذا برصغیر ہندو پاک میں مسجد میں جماعت کی تکرار کو مطلقا ممنوع ٹھہرانے کا جو رواج چل پڑا ہے، وہ مناسب نہیں ہے، خاص طور سے اس صورت میں جبکہ دوسرے محلّہ کے لوگ یا غیر مقیم لوگ کسی محلے میں جماعت ہونے کے بعد پہنچے ہوں، یا جگہ کی تنگی یا کسی وبا کی وجہ سے تکرار جماعت کی ضرورت ہو۔

تنگی کی وجہ سے نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت کا حکم:

عام حالات میں مسلمانوں کی کوشش ہونی چاہئے کہ ضرورت کے مطابق مسجد کی تعمیر کریں، اگر ایک منزل سے کام نہ چلے تو دوسری منزل کی تعمیر کریں، اسی طرح ضرورت کے مطابق منزل بڑھاتے رہیں، لیکن اس کے باوجود بھی تنگی کا مسئلہ دامن گیر ہو، تو پھر جمعہ کی دوسری جماعت کی اجازت ہے، ایسی حالت میں سڑک کو جام کر کے نماز ادا کرنا مناسب نہیں ہے؛ کیونکہ شریعت کا عمومی مزاج یہ ہے کہ کسی کی مضرت کا سبب نہ بنا جائے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**لاضرر ولاضرار**'' (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۳۴۱، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۸۶۵، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو ضرر پہنچانا جائز ہے)۔

جب راستہ سے تکلیف دہ شئ ہٹانے کی وجہ سے مغفرت ہوجاتی ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**غفر لرجل أخر غصناعن طريق**'' (مسند ابی یعلی، ۱۰/۴۴۰، حدیث نمبر: ۶۰۵۱، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (ایک شخص کی مغفرت اس وجہ سے ہوگئی کہ اس نے راستہ سے ٹہنی ہٹادی)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: ''**كان على الطريق غصن شجرة يؤذي الناس فأماطها رجل فأدخل الجنة**'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۲۱، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۶۸۲، مسند احمد حدیث نمبر: ۱۰۴۲۳، بہ روایت ابو ہریرہؓ) (ایک راستہ پر درخت کی ٹہنی تھی جو لوگوں کو تکلیف پہنچاتی تھی، ایک شخص نے اسے ہٹادیا اور جنت میں داخل کیا گیا)۔

ایک حدیث میں ہے: ''**بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوک على الطريق فأخذه فشكر الله له فغفر له**'' (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب فضل التہجیر إلی الظہر، حدیث نمبر: ۶۵۲، نیز کتاب المظالم، باب من أخذ الغصن وما یؤذي الناس في الطریق فرمی بہ، حدیث نمبر: ۲۴۷۲، صحیح مسلم کتاب الإمارۃ، باب بیان الشہداء، حدیث نمبر: ۱۹۱۴، نیز: کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء في إماطۃ الأذی عن الطریق، حدیث نمبر ۱۹۱۴، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۵۳۶) (اس اثناء میں ایک شخص راستہ پر چل رہا تھا، اس نے راستہ پر کانٹے کی شاخ پائی، اور اسے لے کر ہٹادیا، اللہ تعالی نے اس کے اس عمل کو قبول کیا، اور اس کی بخشش فرمادی)۔

لہذا مسلمانوں کو سڑک جام کر کے کسی کی تکلیف کا ذریعہ نہیں بننا چاہئے، کیونکہ راستہ سے بیمار، حاجتمند اور ہر طرح کے لوگ گزرتے ہیں، چنانچہ ایسی تنگی کی صورت میں دوسری جماعت کرلینی چاہئے۔

۲-محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے نظام کے سلسلہ میں شرعی حکم:

یہ بات تفصیل سے گزرچکی ہے کہ وبا وغیرہ کی عارضی صورت حال کی وجہ سے یہ جائز ہے کہ مسجد میں ایک جماعت پر اکتفا کرتے ہوئے یا مزید دو ایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازیوں کے لئے محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا

نظام بنانے کی اجازت ہے؛ کیونکہ تمام نمازیوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ محض وبا کی وجہ سے یہ خلاف معمول نظام بنایا گیا ہے، لہذا اس سے نہ تشتت وتفرق پیدا ہوگا، اور نہ ہی لوگ اس کو آئندہ کے لئے معمول بنائیں گے، اس سلسلہ میں علماء کو برابر ذہن سازی کرتے رہنا چاہئے کہ تمام بالغ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ فرض نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں، کروناوائرس کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی جماعت کی اجازت ایک عارضی حالت ہے، اسے آئندہ کے لئے مثال نہ بنایا جائے، البتہ گھروں میں جمعہ کی نماز بہتر نہیں ہے۔

۳- پابندیوں کی وجہ سے گھروں میں ظہر کی نماز کی جماعت کا حکم:

مسجد میں ایک ہی جماعت کے علاوہ بقیہ لوگ جو رہ جائیں پابندیوں کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں جماعت کے ساتھ ظہر ادا کریں گے، کیونکہ عذر کرونا کی وجہ سے نہ اس میں تقلیل جماعت کی علت پائی جاتی ہے اور نہ جمعہ کی جماعت سے حقیقی معارضہ ہے، اور نہ ہی اس میں غیر معذور کے شامل ہونے کی علت موجود ہے۔

جبکہ فقہاء نے معذوروں، مسافروں اور قیدیوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ذکر کردہ علتوں کیوجہ سے قرار دیا ہے، لیکن کروناوائرس کی وجہ سے عائد پابندی کے عذر کی بنا پر جمعہ کا وجوب ساقط ہے، لہذا ایسی مجبوری کی حالت میں گھروں میں جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کرنے کی صورت میں یہ جمعہ کی جماعت کی تقلیل کا سبب نہیں ہے، اور جس صورت میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی حالت میں جمعہ کی جماعت کی تقلیل نہ ہو، نہ جمعہ کی جماعت سے حقیقی معارضہ ہو، اور نہ ہی اس میں غیر معذور کے شامل ہونے کی علت موجود ہو، ایسی صورت میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ نہیں ہے۔

خود فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے، علامہ ابن نجیمؒ فتاوی ولوالجیہ' کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "**قوم لا يجب عليهم أن يحضروا الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر جماعة؛ لأنه لايؤدي إلى تقليل الجماعة**" اھ، **فإن كانوا في السواد فظاهر، وإن كانوا في المصر فهي مستثناة من كلام المصنف**" (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ ۱۶۶/۲، بیروت، دار المعرفہ) (جن لوگوں پر مقام کی دوری کی وجہ سے جمعہ میں حاضر ہونا واجب نہ ہو، وہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں گے؛ اس لئے کہ یہ تقلیل جماعت کا سبب نہیں ہے (ولوالجیؒ کی بات ختم ہوئی)۔ اگر یہ لوگ دیہات میں ہوں تو یہ بات بالکل واضح ہے، اور اگر یہ لوگ شہر میں ہوں، تو یہ مصنف کے کلام سے مستثنی صورت ہے)۔

اس میں مقام کی دوری کو فرضیت جمعہ کے سقوط کا سبب مانتے ہوئے ظہر کی جماعت کی اجازت دی گئی ہے، یہی حکم وبا کی وجہ سے فرضیت جمعہ کے سقوط کی حالت میں بھی ہوگا کہ گھروں میں ظہر کی نماز کی جماعت کی اجازت ہوگی۔

۴-میت کومخصوص خول میں دفنانے اور غسل نہ دینے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر:

۱-اگر میت کو مخصوص خول کے اوپر کفن پہنانے کی اجازت ہو، تو پھر سنت کے مطابق کفن پہنایا جائے، ورنہ اسی خول پر اکتفا کیا جائے، 'ہندیہ' میں ہے:"**وهو فرض على الكفاية...... كفن الرجل سنة إذار وقميص ولفافة، وكفاية: إزار ولفافة، وضرورة: ماوجد...... وكفن المرأة سنة: درع وإزار وخمار ولفافة وخرقة يربط بها ثدياها، وكفاية: إزار ولفافة وخمار**"(ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی التکفین ۱/۱۶۰، بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۱ھ) (مردہ کو کفن پہنانا فرض کفایہ ہے...... مرد کے لئے مسنون کفن ازار (تہبند: جو سر سے پیر تک کی ہوتی ہے) قمیص (کرتا: جو گردن سے پیر تک ہوتا ہے) اور لفافہ (جو سر سے پاؤں تک کا ہوتا ہے) اور کفن کفائی: ازار اور لفافہ ہے۔ اور کفن کی ضرورت یہ ہے کہ جو بھی میسر آ جائے...... اور عورت کے لئے مسنون کفن کرتی، ازار، دوپٹہ، لفافہ اور سینہ بند ہے (جو سینہ سے ران تک کا ہوتا ہے)۔ اور عورت کے لئے کفن کفائی ازار، لفافہ اور دوپٹہ ہے)۔

۲-مخصوص خول پر تیمّم کی شرعی حیثیت:

اسپتال کے مسلم عملہ کو چاہئے کہ پائپ کے ذریعہ مسلمان میت کے اوپر غسل کی نیت سے پانی بہادے، اگر اس کی اجازت نہ ہو تو پھر حفاظتی لباس اور حفاظتی دستانہ پہن کر تیمّم کرادے، اگر اس کی بھی اجازت نہ ہو تو پھر غسل اور تیمّم کے بغیر ہی نماز پڑھ لی جائے، اور مردہ کو دفن کر دیا جائے۔

اسپتال کی پیکنگ یا مخصوص خول یا صندوق کے اوپر سے مردہ کو تیمّم کرانے کا کوئی مطلب نہیں ہے، اور نہ ہی شرعی لحاظ سے اس کا اعتبار ہے۔

'فتاوی عالمگیری' میں ہے:"**والواجب هو الغسل مرة واحدة، والتكرار سنة، حتى لو اكتفى بغسلة واحدة، أو غمسة واحدة في ماء جار جاز...... ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه، كذا في التاتارخانية ناقلا عن العتابية...... إذا كان للمرأة محرم يممها باليد، وأما الأجنبي فبخرقة على يده، ويغض بصره عن ذراعيها، وكذا الرجل في امرأته إلا في غض البصر**" (ہندیہ، الفصل الثاني في الغسل ۱/۱۵۸، ۱۶۰) (مردہ کو ایک بار غسل دینا فرض ہے، اور تکرار مسنون ہے (یعنی تین مرتبہ غسل دینا مسنون ہے)، یہاں تک کہ اگر ایک مرتبہ غسل دینے یا بہتے ہوئے پانی میں ایک مرتبہ غوطہ دینے پر اکتفا کرے، تو یہ جائز ہے، اور اگر مردہ گلا ہوا ہو کہ اس پر ہاتھ پھیرنا دشوار ہو، تو اس پر پانی بہا دینا کافی ہے، 'عتابیہ' سے نقل کر کے 'تاتارخانیہ' میں اسی طرح درج ہے...... اگر (غسل دلانے والی عورت موجود نہ ہو) اور خاتون کا کوئی محرم مرد رشتہ دار ہو تو وہ اسے ہاتھ سے تیمّم دلا دے، اور

جہاں تک کہ (محرم رشتہ دار ہونے کی صورت میں) اجنبی مرد کا تعلق ہے تو وہ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمّم کردے، اور اس کے ہاتھ سے اپنی نگاہ نیچی رکھے، اور ایسے ہی مرد جب اپنی بیوی کو تیمّم کرائے (تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے) البتہ اسے نگاہ نیچی رکھنے کی حاجت نہیں ہے (کیونکہ وہ اپنی متوفی بیوی کو دیکھ سکتا ہے)۔

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں: **"ماتت بين رجال، أوهو بين نساء يمه المحرم، فإن لم يكن فلأجنبي بخرقة"** (حصکفی، الدرالمختار ۲/۲۰۱، بیروت، دارالفکر ۱۳۸۶ھ) (کوئی خاتون مردوں کے درمیان مرجائے، یا کوئی مرد عورتوں کے درمیان مرجائے، تو محرم رشتہ دار اسے تیمّم کرادے، اور اگر محرم رشتہ دار نہ ہو تو کوئی اجنبی شخص اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمّم کرادے)۔

'ہندیہ' میں ہے: **"وشرطها إسلام الميت وطهارته، مادام الغسل ممكنا"** (ہندیہ، الفصل الخامس في الصلاة على الميت ۱/۱۶۲-۱۶۳) (مردہ پر نماز جنازہ پڑھی جانے کی شرط اس کا مسلمان ہونا اور پاک ہونا ہے، جب تک غسل ممکن ہو)۔

'تنویر الابصار' اور 'الدرالمختار' میں ہے: **"مستوعبا وجهه حتى لوترک شعرةأووترة منخره لم يجز، ويديه فينزع الخاتم والسوار، أو يحرک، به يفتى، مع مرفقيه، فيمسحه الأقطع بضربتين، ولو من غيره، أوما يقوم مقامهما، لما في الخلاصة وغيرها:لوحرک رأسه، أو أدخله في موضع الغبار بنية التيمم جاز، والشرط وجود الفصل منه"** (حصکفی، الدرالمختار مع تنویر الأبصار ۱/۲۳۷-۲۳۸) (اس طرح تیمّم کرے کہ اپنے چہرہ کا احادہ کرلے، یہاں تک کہ اگر ایک بال یا ناک کے نتھنوں کے درمیان کی دیوار کو چھوڑ دے تو جائز نہیں ہے، اور دونوں ہاتھوں کا احاطہ کرے، چنانچہ انگوٹھی اور کنگن نکال دے یا حرکت دے لے، اور احاطہ لازم ہونے کا فتوی دیا جاتا ہے، کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ کا مسح کرے گا، لہذا دست بریدہ شخص بھی کہنی کا مسح کرے گا (اگر کہنی سے کچھ باقی ہو خواہ بازو کا سرا ہی کیوں نہ ہو)۔ دوضربوں کے ساتھ تیمّم کرے، خواہ دوسرے کی طرف سے کیوں نہ ہو (یعنی دوسرا آدمی تیمّم کراسکتا ہے، البتہ حکم دینے والا خود ہی نیت کرے گا)، یا جو دوضربوں کے قائم مقام ہو، کیونکہ 'خلاصہ' وغیرہ میں ہے: 'اگر تیمّم کی نیت سے اپنے سر کو حرکت دے، یا غبار کی جگہ میں اپنے سر داخل کرلے تو یہ جائز ہے، اور شرط تیمّم کرنے والے کی طرف سے فعل کا وجود ہے (اور اس صورت میں وہ فعل مسح یا حرکت دینا ہے جو پایا گیا)۔

اس جزئیہ سے ظاہر ہے کہ ہاتھ پر مسح ہونا چاہئے، اور مخصوص خول کے اوپر سے میت کو تیمّم کرانے کی صورت میں تیمّم کی حقیقت نہیں پائی جاتی ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔

۵-الف: قبر پر میت کے نماز جنازہ ادا کرنے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر:

اگر قبرستان وقبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہو جائے، متعلقین کو میت حوالہ کر دیا جائے، مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے، تو ایسی صورت میں قبر پر میت کی نماز جنازہ اس وقت تک ادا کی جاسکتی ہے، جب تک وہ نہ پھولے پھٹے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے: "**وإن لم یمکن بأن دفن قبل الغسل، ولم یمکن إخراجه إلا بالنبش تجوز الصلاة علی قبره للضرورة، ولو صلی علیه، ولو صلی علیه قبل الغسل، تعاد الصلاة لفساد الأولی، هکذا في التبیین**" (ہندیہ، الفصل الخامس في الصلاۃ علی المیت ۱/ ۱۶۳، بیروت دار الفکر ۱۴۱۱ھ) (اور اگر غسل ممکن نہ ہو، اس طرح کہ غسل سے پہلے دفن کر دیا گیا ہو، اور قبر کھود کر ہی لاش نکالنا ممکن ہو، تو ضرورتا اس کی قبر پر نماز جائز ہے، اور اگر غسل سے پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی، پھر مردہ کو دفن کر دیا گیا، تو پہلی نماز کے فاسد ہونے کی وجہ سے نماز کا اعادہ کیا جائے گا، 'تبیین الحقائق' میں اسی طرح درج ہے)۔

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**مالم یھل علیه التراب، فیصلی علی قبره بلا غسل، وإن صلي علیه أولا، استحسانا**" (حصکفی، الدر المختار، باب صلاۃ الجنازۃ ۲/ ۲۰۷، بیروت، دار الفکر ۱۳۸۶ھ) (نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرط مردہ کا پاک ہونا ہے، جب تک اس پر مٹی نہ ڈال دی گئی ہو (اور اگر مٹی ڈال دی گئی ہو) تو اس کی قبر پر بلا غسل نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور اگر پہلے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی گئی (پھر لوگوں کو یاد آیا کہ اسے غسل کے بغیر دفن کیا گا ہے) تو بطور استحسان (اس کی نماز جنازہ دوبارہ پڑھی جائے گی، کیونکہ پہلی نماز کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ امکان کے باوجود طہارت ترک کی گئی)۔

قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی شرطیں:

قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی شرطیں درج ذیل ہیں:

۱-صرف دفن ہی کی اجازت ہو، نماز جنازہ ادا کرنے کی بالکل اجازت نہ ہو۔

۲-مردہ کے جسم کے گلنے سڑنے اور پھولنے پھٹنے سے پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "**عن رسول الله ﷺ صلی علی قبر امرأة قد دفنت**" (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر، حدیث نمبر: ۹۵۵، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۳۰۸۴، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۲۳۱۸) (نبی کریم ﷺ نے ایک (انصاریہ) خاتون کی قبر پر دفن کئے جانے کے بعد نماز جنازہ پڑھی)۔

علامہ ابراہیم حلبیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**وإن دفن بلاصلاة، صلي علی قبره مالم یظن تفسخه**" (حلبی، ملتقی الأبحر، کتاب الصلاۃ ۱/ ۱۸۱ بیروت، دار إحیاء التراث العربي) (اگر جنازہ کی نماز پڑھے بغیر مردہ کو دفن کر دیا گیا ہو، تو اس کی قبر پر نماز جنازہ اس وقت تک پڑھی جائے گی، جب تک اس کے پھولنے پھٹنے کا گمان غالب نہ ہو)۔

علامہ ابن نجیمؒ رقم طراز ہیں: ”ولم يقيد المصنف بمدة: لأن الصحيح أن ذلک جائز إلى أن يغلب على الظن تفسخه والمعتبر فيه أكبر الرأي على الصحيح من غير تقدير بمدة“ (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السطان حق بصلاتہ ۱۹۶/۲، بیروت، دار المعرفہ) (مصنف نے قبر پر نماز پڑھنے کو کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے، اس لئے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اس وقت تک جائز ہے جب تک مردہ کے پھولنے پھٹنے کا گمان غالب نہ ہوجائے، اور صحیح قول کے مطابق اس سلسلہ میں مدت کی تحدید کے بغیر گمان غالب کا اعتبار ہے)۔

۳- پھولنے پھٹنے کے بعد نماز جنازہ نہ پڑھی جائے:

نماز جنازہ مردہ کے بدن پر مشروع ہے، جب وہ گل سڑ جائے تو پھر اس کے بدن کا وجود ہی نہیں رہا، لہذا نماز جنازہ بھی مشروع نہیں رہے گی، اور گلنے سڑنے میں مختلف عوامل مؤثر ہوتے ہیں، اس لئے اس کے بارہ میں کسی مدت کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے، بلکہ گمان غالب کا ہی اعتبار ہوگا۔ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ”وإنما كان في الحر والبرد، وباختلاف حال الميت في السمن والهزال، وباختلاف الأمكنة فيحكم فيه غالب الرأي“ (ابن نجیم، البحر الرائق ۱۹۶/۲) (گلے سڑے کے سلسلہ میں گمان غالب کا معتبر ہونا ہی اس لئے صحیح ہے کہ یہ سردی اور گرمی کے اوقات کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے، نیز مردہ کے موٹے اور دبلے ہونے کی حالت سے مختلف ہوتا ہے، ایسے ہی مقامات کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے، لہذا اس بارہ میں گمان غالب کو فیصل قرار دیا جائے گا)۔

ب- کرونا کے مردہ کی غائبانہ نماز جنازہ:

اگر کرونا کے میت کے قبرستان اور قبر کا کوئی علم نہ ہوسکے تو ایسے مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- نبی کریم ﷺ نے شاہ حبشہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی (صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنازة، حدیث نمبر: ۱۳۱۸، ۱۳۲۸، ۳۸۸۱، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب في التكبير على الجنازة، حدیث نمبر: ۹۵۱، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۳۱۰۰، بہ روایت: ابوہریرہؓ)۔

رسول کریم ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ اس لئے پڑھی کہ وہ کافروں کے درمیان تھے، وہاں ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، لہذا ان کی نماز جنازہ پڑھ کر آپ ﷺ نے ان کا حق ادا کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مسلمان کی لاش کو سامنے رکھ کر، یا اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہے، تاکہ کوئی مسلمان بغیر نماز جنازہ کے نہ رہ جائے۔

۲- نبی کریم ﷺ نے معاویہ بن معاویہ لیث مزنی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، اس لئے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے، پیدل اور سوار ہر حالت میں ’قل ہو اللہ أحد‘ پڑھا کرتے تھے (دیکھئے: المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱۶/۸، حدیث نمبر: ۷۵۳۷، مسند الشامیین للطبرانی ۱۲/۲، حدیث نمبر: ۸۳۱، المعجم الأوسط للطبرانی ۱۶۳/۴، حدیث نمبر: ۳۸۷۴، مسند ابی یعلی ۲۵۶/۷، حدیث نمبر: ۶۸۲۳، نیز ۵۱/۴، حدیث نمبر ۶۸۲۴، اوراس کی سند پر سخت کلام ہے، لیکن اس کے مجموعہ طرق کو دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہے)۔

اگر چہ اس حدیث کی رو سے آپ ﷺ کے لئے ان کے جنازہ کو کھول دیا گیا تھا، لیکن اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مخصوص صورت حال میں غائبانہ نماز جنازہ کی گنجائش ہے۔

۳- رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **”حق المسلم علی المسلم خمس: رد السلام، وعیادة المریض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، تشمیت العاطس“** (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۴۰، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حدیث نمبر: ۲۱۶۲، صحیح ابن حبان ۴۷۶/۱، حدیث نمبر: ۲۴۱، مسند ۱۲۵/۱۴، حدیث نمبر: ۸۳۹۷، بہ روایت: ابو ہریرہؓ) (ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی مزاج پرسی کرنا، جنازہ کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا، چھینکنے والے کے الحمد للہ کے جواب میں ’یرحمک اللہ‘ کہہ کر دعا دینا)۔

جس مخصوص صورت میں مردہ کو سامنے رکھ کر، یا قبر پر نماز جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو، اس صورت میں مسلم بھائی کے حق کی ادائیگی اسی طرح ہوگی کہ اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے۔

☆☆☆

عمومی وباء میں فرض نمازوں اور تجہیز وتکفین کے احکام

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی☆

۱-الف: کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ وجماعت:

کرونا وائرس وبا سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر کے طور پر ماہرینِ صحت کی ہدایات کے بموجب حکومت نے مساجد میں لوگوں کے زیادہ اجتماع سے منع کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ صرف چار پانچ افراد ہی مسجد میں جمعہ اور جماعت کی نماز ادا کرسکتے ہیں، جبکہ بعض علاقوں میں مساجد میں داخلے ہی پر پابندی عائد کردی گئی، ایسے فیصلے صادر ہوتے ہی گھروں میں نماز ادا کرنے سے متعلق متعدد سوالات سامنے آئے، ذیل میں اسی حوالے سے چند اہم مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

جماعت کی اہمیت:

شریعت نے بڑی تاکید کے ساتھ مرد حضرات کو باجماعت نماز کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے حضرات فقہائے کرام اس کو واجب قرار دیتے ہیں، البتہ متعدد حضرات اہلِ علم کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ ہے، جوکہ واجب کے قریب ہے، اسی کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ میں باجماعت نماز کے بڑے فضائل بھی بیان کیے گئے ہیں، چنانچہ اللہ کے علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ''جماعت کی نماز انفرادی نماز سے ستائیس درجے افضل ہے''، جیسا کہ ''صحیح مسلم'' میں ہے:

''**عن نافع عن ابن عمر أنّ رسول اللهﷺ قال: "صلاةُ الجماعةِ أفضل مِنْ صلاةِ الفَذّ بسبعٍ وعشرين درجة**''(کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، باب فضل صلوۃ الجماعۃ، رقم الحدیث:۲۴۹/۶۵۰،ص:۱۵۹،ط:بیت الافکارالدولیہ الاردن)۔

''فتاوی ہندیہ''میں ہے: ''**الجماعة سنة مؤكدة،كذا في المتون والخلاصة والمحيط و محيط**

☆ شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

السرخسي. وفي الغاية: قال عامّة مشايخنا: إنها واجبة، وفى "المفيد" وتسميتُها سنة؛ لِوجُوبها بالسنّةِ. وفي "البدائع": تجبُ على الرجال العُقلاء البالغين الأحرارِ القادِرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج" (الفتاوى الہندیہ: کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الامامة، الفصل الاول فی الجماعة، ص:۹۱، ج:۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: "(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادُوا بالتأكيد الوُجُوب إلا في جُمعة وعِيدٍ فشرط....... (وقيل: واجبة ، وعليه العامة) أي عامة مشايخنا، وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب. (فتُسنُّ أو تجب) ثمرته تظهرُ فى الإثم بتركها مرّة (على الرجال العُقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)....إلخ" (الدر المختار: کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، ص:۲۸۷-۲۹۱، ج:۲، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)۔

جماعت کی تاکید، ایک ہی جماعت پر اکتفاء اور ایک سے زائد جماعت کی کراہت وممانعت کی علت فقہاء نے تقلیل جماعت بیان کی ہے، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے:

"ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون، فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق.." (بدائع الصنائع: کتاب الصلوۃ، تکرار الجماعۃ فی المسجد، ص: ۳۸۰، ج:۱، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)۔

علامہ ابن نجیمؒ رقمطراز ہیں: "قال قاضيخان فى شرح الجامع الصغير: رجل دخل مسجدا قد صلى فيه أهله، فإنه يصلي بغير أذان وإقامة، لأن فى تكرار الجماعة تقليلها" (البحر الرائق: کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ص:۶۰۵، ج:۱، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)۔

جماعت کی مذکور اہمیت پر عمل کی خواہش کے باوجود حکومتی پابندیوں کی وجہ سے مسجد میں پہنچنا مشکل ہوجاتا ہے، نیز وبائی صورت حال میں جماعت میں تقلیل ہی مقصود ہے، اور مسجد میں متعدد جماعتیں کی جائے تو لوگوں کی آمد ورفت مسلسل ہوتی رہے گی، جو خطرہ کا باعث اور افسران کی نظر میں قانون شکنی میں شمار کی جاسکتی ہے، اس لئے مسجد میں ایک ہی جماعت ہو، اور بقیہ حضرات اپنے اپنے محلوں میں جماعت سے نماز پڑھیں، اگر بآسانی پڑھی جاسکتی ہو۔

ویسے بھی عذر کی وجہ سے ترک جماعت کی اجازت ہوجاتی ہے، اور حکومتی پابندی بھی ایک عذر ہے، اس لئے مسجد میں ایک ہی جماعت پر اکتفاء بہتر ہے، علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وقد سمعت ان الجماعة تسقط بالعذر، فمن الأعذار المرض، وكونه مقطوع اليد والرجل من خلاف، او مفلوجا، أو مستخفيا من السلطان......"(فتح القدیر: کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ،ص:۳۵۳،ج:۱،ط: زکریا بکڈپو،دیوبند)۔

اس لئے مسجد میں جماعت ثانیہ نہ کرنا ہی بہتر ہے، تاکہ لوگ مسجد میں جمع نہ ہوجائیں، اور ممکن ہے کہ بعض لوگوں کووقت دیا جائے تو وہ اس کی رعایت نہ کریں، حضرت حسن بصریؒ صحابۂ کرام کا معمول ذکر کرتے ہیں کہ مسجد میں ایک جماعت ہوجانے کے بعد دوسری جماعت کرنے کے بجائے وہ تنہا نماز پڑھتے تھے۔

"عن كثير عن الحسن قال: كان أصحاب محمد ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صُلّى فيه صلّوا فرادى.... حدثنا هشيم، قال اخبرنا منصور عن الحسن، قال: إنما كانوا يكرهون ان يُجمّعوا مخافة السلطان"(المصنف لابن ابی شیبۃ: كتاب الصلوة ،باب من قال يصلون فرادى ولا يجمعون، وباب فى القوم يجيئون الى المسجد وقد صُلّي فيه...،رقم:۷۱۸۸،۷۱۷۷،ص:۵۵،۵۳،ج:۵،ط:المجلس العلمي،سملک)۔

یورپی افتاءکونسل کی طرف سے شائع فیصلہ میں بھی مسجدوں میں ایک سے زائد جماعتوں کے بجائے گھروں اور محلوں میں جماعت کا ہی فیصلہ تحریر کیا گیا، جودرج ذیل ہے:

"ننصح بإقامة صلوة الجماعة فى البيوت عند تعذر اقامتها فى المساجد للسبب المذكور، والصبر على هذا الوضع واحتساب أجره وتكثير الدعاء كي يفرج الله عن الانسانية هذه الكربة الشديدة"(فتاوی العلماء حول فیروس کورونا: مسائل فقہیۃ وآداب شرعیۃ،فتوی رقم:۳،ص:۲۹)۔

ب-کروناوائرس وباسے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر کے طور پر بہت سے شہروں میں حکومت نے مساجد میں جمعہ اور جماعت کی نماز میں نمازیوں کی تعدادنہایت ہی محدود کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ صرف چار پانچ افراد ہی مسجد میں جمعہ اور جماعت کی نماز ادا کرسکتے ہیں، یہ فیصلہ صادر ہوتے ہی گھروں میں نماز جمعہ ادا کرنے سے متعلق متعدد سوالات پیدا ہوئے، ذیل میں اسی حوالے سے کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مساجداوروہ مقامات جہاں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، وہاں امام سمیت کم ازکم چارافراد جمعہ کی نماز ادا کرلیں، جبکہ دیگر حضرات سے متعلق حضرات اکابر کی دوآراء سامنے آئی۔

(۱) جامعہ دارالعلوم کراچی کے حضرات کی رائے یہ ہے کہ دیگر حضرات گھروں میں جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں، بصورتِ دیگر تنہا ادا کرلیں، البتہ اس صورت میں جامعۃ الرشید کے اہل علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ ظہر

کی نماز باجماعت بھی جائز ہے،البتہ بہتر یہ ہے کہ تنہا ادا کر لی جائے۔

یہ رائے بعض فقہی جزئیات کو مدنظر رکھتے ہوئے قائم کی گئی ہے،جیسا کہ ''الموسوعۃ الفقہیہ''میں درج ہے کہ بادشاہ کے خوف ،بالفاظ دیگر قانونی مجبوری، دشمن، چور وغیرہ اعذار کی بناء پر ان لوگوں پر جمعہ واجب ہی نہ ہوگا جیسا کہ ''ملتقی الابحر'' کے حاشیہ میں ہے:

''وكذا لايخاطب بها المحبوس، والخائف من السلطان أو اللصوص، وكذا من حال بينه وبينها مطر شديد أو الثلج أو الوحل أو نحوها.

وكره للمعذور إلخ، يعني يكره تحريماً للمعذور والمسجون ومن فاتتهم الجمعة بمصر لعذر، أن يصلوا الظهر بجماعة يومها قبل الجمعة وبعدها، لما في ذلک من تقليل جماعة الجمعة، وصورة معارضة صلاة الجمعة بصلاة الظهر في يوم الجمعة'' (التعلیق المیسر ملتقی الابحر: باب الجمعۃ،ص:۱۴۶-۱۴۷، ج:۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)۔

(۲) جبکہ جامعہ بنوری ٹاؤن اور دیگر متعدد اہل علم کی رائے یہ ہے کہ چند حضرات مل کر گھروں اور دیگر مقامات میں جمعہ کی نماز قائم کرنے کی کوشش کریں، البتہ جہاں جمعہ کی ادائیگی مشکل ہو تو وہاں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں، ایسی صورت میں بعض حضرات باجماعت ظہر کی نماز کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

یہ رائے اس لئے اہم ہے کہ اجتماع کی صورت میں جن دیہاتوں میں جمعہ ہوتا تھا، وہاں انفرادی جماعتوں سے تقلیل جماعت کی علت باقی نہیں رہتی، کیونکہ حکومت اور ادارۂ صحت کو تقلیل ہی مقصود ہے، اور دوسری طرف معاشرہ میں بہت سے افراد نمازوں کے پابند نہیں ہوتے، البتہ جمعہ کی ان کے دلوں میں اہمیت ہے، تو یہ جمعہ میں شریک ہوجاتے ہیں، اور اس طرح وہ نماز کا فریضہ ادا کر لیتے ہیں، اگر ظہر ہی پڑھی گئی تو ممکن ہے کہ ایسے افراد مسجد سے اور نمازوں سے مربوط ہی نہ رہیں، اس لئے بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر بآسانی ممکن ہو تو محلوں میں جمعہ کی جماعتیں قائم کی جائیں۔

ہندوستان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے دارالعلوم دیوبند نے جو فیصلہ دیا ہے اس سے اسی دوسری رائے کی تائید ہوتی ہے، اور اس پر عمل مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جن شہروں، قصبات یا بڑے گاؤوں میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں اور وہاں کی مساجد میں باقاعدہ جمعہ ہوتا آرہا ہے، وہاں موجودہ صورت حال میں انتظامیہ (پرشاسن) کی طرف سے جتنے افراد کی اجازت ہو، اُن کے ساتھ جمعہ قائم کیا جائے؛ بہ شرطیکہ امام کے علاوہ کم از کم تین مرد مقتدی ہوں، اور اگر کسی شہر یا قصبہ میں موجودہ صورت حال سے پہلے، وہاں کی

بعض مساجد میں جمعہ ہوتا تھا اور بعض میں نہیں، تو جن مساجد میں جمعہ نہیں ہوتا تھا، وہاں بھی حالات کی بحالی تک (انتظامیہ کی اجازت کے مطابق) چار، پانچ افراد کے ساتھ جمعہ ادا کرلیا جائے، تا کہ کچھ لوگوں کا جمعہ وہاں ہوجائے۔

اور ملک کی موجودہ صورت حال میں مساجد میں جو پانچ، چھ سے زائد لوگوں کو منع کیا جارہا ہے، یہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی بنا پر ہے اور ایسی ممانعت اذن عام کے منافی نہیں ہوتی، کیوں کہ مقصد لوگوں کو نماز جمعہ سے روکنا نہیں، بلکہ قانون شکنی کی صورت میں ہونے والی بڑی پریشانیوں سے بچنا ہے۔

"أما إذا كان لمنع عدو يخشى دخوله، وهو في الصلاة، فالظاهر وجوب الغلق اهـ. حلبي" (حاشية الطحطاوي على الدر، ج:۱ص:۳۴۴، ط:مكتبة الاتحاد، دیوبند)۔

"قوله: "لم تنعقد": يحمل على ما إذا منع الناس، لا ما إذا كان لمنع عدو أو لقديم عادة، وقد مر" (المصدر السابق:۱:۳۴۴، ط:مكتبة الاتحاد، دیوبند)۔

"امدادالفتاوی" میں ہے: اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذن عام میں مخل نہیں (امدادالفتاوی: کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعہ والعیدین، سوال نمبر:۵۴۰، ص:۶۱۴، ج:۱، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند)۔

"امدادالاحکام" میں ہے: اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے، گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے؛ بلکہ انتظام مقصود ہے (امدادالاحکام:۱/۷۵۱، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

(ب) : محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ ادا نہ کرسکیں اور وہ اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر، اذن عام کے ساتھ جمعہ قائم کرسکتے ہوں، یعنی: آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کردی جائے، تا کہ جو کوئی جمعہ میں آنا چاہے آسکے: اگرچہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کردیا جائے، تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لے کر مختصر خطبہ اور مختصر قراءت کے ساتھ جمعہ ہی ادا کریں، اور اگر کسی جگہ انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو تو جمعہ سے پہلے زبانی بات چیت کے ذریعہ انہیں اعتماد میں لے لیا جائے۔

(ج): اور جو حضرات اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق جمعہ قائم نہ کرسکیں، خواہ اس وجہ سے کہ کوئی جمعہ پڑھانے والا میسر نہ ہو یا انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو اور انتظامیہ کو اعتماد میں نہ لیا جاسکے یا کسی کی طبیعت پر خوف وہراس غالب ہو یا امام کے علاوہ مرد مقتدی صرف ایک یا دو ہوں، وہ حضرات

شریعت کی نظر میں معذور ہوں گے اور اُن کے لیے جمعہ کی جگہ ظہر پڑھنا بلا کراہت درست ہوگا؛ کیوں کہ اسلام میں اپنے کو پریشانی میں ڈالنے کا حکم نہیں ہے اور نہ اس کی اجازت ہے۔

۲، ۳- جمعہ کا نظام بھی عام دنوں کی طرح رہے گا، مسجد میں ایک مختصر جماعت ہوگی جس میں متعین افراد ہی شریک ہوں اور باقی لوگ گھر میں تنہا ظہر کی نماز پڑھ لیں، البتہ جن جگہوں پر جمعہ ہوتی تھی لیکن موجودہ حالات کی بنا پر جمعہ کے لیے مسجد میں نہیں جا پا رہے ہیں، وہ لوگ مسجد کی جماعت کے بعد اپنے گھروں یا محلوں میں چند افراد مل کر جمعہ کر سکتے ہیں، جمعہ کی نماز کے لیے مسجد ضروری نہیں ہے؛ بلکہ شہر یا بڑا قصبہ ہونا اور اذن عام کا ہونا شرط ہے، اس لیے چند افراد مل کر محلّہ کے لوگوں کو مطلع کر کے باہر کے حصے میں جہاں محلّہ کے لوگوں کو آنے کی اجازت ہو، اس جگہ میں جمعہ قائم کریں اور زیادہ لوگوں کو جمع نہ کریں کہ حکومت کے قانون کی مخالفت لازم آئے، اس لیے چند ہی افراد ہو جس کی حکومت کی طرف سے اجازت ہے، اس سے زائد افراد جمع نہ ہوں، حالات کا تقاضہ ہے کہ گھروں پر بھی بڑا مجمع نہ کیا جائے؛ بلکہ چند حضرات مل کر اگر جمعہ قائم کر سکتے ہوں تو جمعہ قائم کر لیں، ورنہ تنہا ظہر کی نماز پڑھ لیں۔

اگر آدمی تنہا ہو یا دو لوگ ہوں تو وہ ظہر کی نماز پڑھیں، جمعہ کی نماز کے لیے امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا ضروری ہے، جن علاقوں میں پہلے سے جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی اور لوگ دور دراز کی مسجدوں میں جمعہ کے لیے جاتے تھے، اب وہ وہاں نہیں جا سکتے ہیں، تو وہ لوگ اپنی مسجد میں یا اپنے گھروں میں جمعہ نہیں کریں گے؛ بلکہ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں گے۔

دار العلوم دیوبند کا فتویٰ اس بابت درج ذیل ہے: ''شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لیے جمعہ کا نظم نہ ہو سکے یا وہ کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں، وہ ظہر کی نماز تنہا، تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں؛ کیوں کہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ؛ نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ، وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علمائے دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے، اور جو لوگ ظہر باجماعت کی اجازت دیتے ہیں، اُن کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتویٰ کا عدم اطمینان بجا ہے''۔

''قوله: صورة المعارضة'': لأن شعار المسلمين في هذا اليوم صلاة الجمعة ، وقصد المعارضة لهم يؤدي إلى أمر عظيم، فكان في صورتها كراهة التحريم، رحمتي'' (رد المحتار: کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ۱/ ۳۳، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند)۔

''لأن المأمور به في حق من يسكن المصر في هذا الوقت شيئان : ترك الجماعة وشهود

الجمعة، وأصحاب السجن قدروا على أحدهما، وهو ترک الجماعة فيأتون بذلک"(المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الجمعۃ، ص:۳۶، ج:۳، ط: دار المعرفۃ، بیروت)۔

اور جن چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں، وہاں کے باشندگان، حسب معمول، جمعہ کے دن بھی مسجد یا اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں گے، انہیں ظہر کی نماز تنہا، تنہا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

"**ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي؛ لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة**"(فتاوی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، ص: ۱۷۷، ج:۱، ط: المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، بولاق، مصر)۔

"**(قوله: في مصر) : أما في حق أهل السواد فغير مكروه؛ لأنه لا جمعة عليهم**" (حاشیۃ الطحطاوي علی الدر، ۱/ ۳۴۶، ط: مکتبۃ الاتحاد، دیوبند)۔

۴- تجہیز وتکفین:

مسلمان انتقال کر جائے تو اس کو غسل اور کفن دینا، اس کی صلوۃ جنازہ پڑھنا اور تدفین مسلمانوں پر میت کے حقوق میں سے ہے، کیونکہ انسان حیات میں بھی قابل عظمت واحترام ہے، تو مرنے کے بعد بھی شریعت نے اس کی تعظیم وتکریم کے طور پر یہ حقوق لازم فرمائے، اور فقہاء نے اس کو فرض کفایہ کہا، جیسا کہ دکتور سالم عبداللہ اور دکتور خلیل محمد لکھتے ہیں:

"**يُعد غسل الميت حقا وواجبا على المسلمين على الكفاية، فإذا قام به بعضهم سقط الفرض عن باقيهم، وان لم يقم البعض، حَرِج الجميع ، ولو اجتمع اهل بلدة على تركه قوتلوا، ولو صلوا عليه قبل الغسل اعادوا الصلوة**" ...(حقوق الموتی فی الشریعۃ الاسلامیۃ: المبحث الاول: ص: ۴، وزارۃ الاوقاف والشؤن الدینیۃ غزۃ فلسطین)۔

مختصراً یہ کہ موت اور اس کے بعد کے احکام فقہاء نے بالتفصیل بیان فرمائے، البتہ کورونا وبائی مرض میں لوگوں کے جو حالات ہیں، اور حکومت وشعبۂ صحت کے احکامات وہدایات کی روشنی میں حکومت کے شعبۂ صحت کی طرف سے پابندیاں عائد کر دی جائے یا اور کوئی عذر پیش آجائے تو اس وقت غسل وکفن کا کیا حکم ہوگا؟ کیا اس حکم میں کوئی تبدیلی ہوگی؟

اگر ہسپتال کا عملہ یا حکومتی افسران کی طرف سے کچھ نرمی برتی جائے، سختی نہ ہو، ایسی صورت میں اگر احتیاطی تدابیر کے ساتھ غسل اور تجہیز وتکفین ہوسکتی ہو تو اس کی ادائیگی واجب ہوگی، جیسا کہ مفتی احمد خانپوری ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: ہمارے یہاں ایک آدمی کا انتقال ہوا اور وہ ایڈز کا مریض تھا، اسپتال والوں نے اس کو سل پیک کر دیا

پلاسٹک سے، اور ان کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک میت دفن نہیں ہوتی اس کو کھولنے نہیں دیتے، تو اس صورت میں میت کے غسل کے لیے کیا کریں؟ کیا بغیر غسل دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب : حامداً و مصلیًاو مسلماً :

میت پلاسٹک میں سل پیک ہے تو غسل کا پانی اس کے جسم کو نہیں لگے گا اور غسل درست نہ ہوگا، ان کو بتلایا جائے کہ شریعت اسلامی میں میت کو غسل دینا زندوں پر فرض ہے، اس لئے ہم اس کو غسل دے دیں، اس کے بعد آپ اس کو پیک کر دیں؛ تاکہ ہم اور آپ دونوں اپنی ذمہ داری پوری کر سکیں، ان کے پیک کرنے کے بعد کفن پہنا کر دفنایا جائے۔ **فقط والله تعالی أعلم**. (محمود الفتاوی: کتاب الصلوۃ، باب احکام الجنائز ص:۲۳۹، ج:۵، ط: مکتبۂ محمودیہ، ڈابھیل)۔

اور اگر میت پلاسٹک کور میں لپیٹ کر حوالے کیا گیا اور کھولنے سے منع کیا گیا، اور اس کو غسل دینا اور کفن دینا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں پلاسٹک ہی کو کفن تصور کرتے ہوئے بلا غسل وتیمّم جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کیا جائے، ایسی صورت میں مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق میت کے حقوق بجالانے کا پابند ہونا چاہئے، جیسے قرآن مجید میں تکلیف شرعی کو استطاعت سے مقید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿**لا یکلف الله نفسا إلا وسعها**﴾. (البقرۃ:۲۸۶)، اور دوسری جگہ وسعت وقدرت سے زائد کی تکلیف نہ دیئے جانے کا تذکرہ فرمایا: { **لا یکلف الله نفسا إلا ما اتاها**﴾ (الطلاق:۷)۔

مولانا عبید اللہ اسعدی رقمطراز ہیں: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کا معاملہ و مریض ومیت ہو، وہاں کے طبی عملہ کی ہدایات کا پورا لحاظ کیا جائے، اگر ہسپتال والے میت کی لاش کو بغیر کسی کور وغیرہ کے دیں اور کہیں کہ متعلقین لے جا کر اپنے معمولات کے مطابق کفن دفن کریں، تو ایسی صورت میں غسل دیا جا سکتا ہے، مگر احتیاط کے ساتھ، اور بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل نہ دے کر تیمّم پر اکتفاء کی جائے، اس لئے کہ غسل کی صورت میں میت کے بدن کو زیادہ ہاتھ لگے گا، اور زیادہ دیر اس کے پاس رہنا ہوگا۔

اور اگر ہسپتال والے لاش کو پیک کر کے محض دفن کرنے کے لئے دیں تو پھر غسل وتیمّم دونوں ہی ناممکن ہے کہ بدن کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکے گا، تو غسل یا تیمّم کیسے ہوگا؟ لہذا دونوں ساقط ہوں گے، جیسے اس صورت میں ہوگا جبکہ طبی عملہ ہی براہ راست میت کی تدفین کر دے، اور متعلقین کو نہ لاش دے اور نہ معاملہ ان کے سپرد کرے۔

کتب فقہ میں ایسے مسائل موجود ہیں جن میں غسل کے بغیر تدفین کی بات آئی ہے، شہید جنگ کا حکم و معاملہ معروف ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جاتا، البتہ کفن دیا جاتا ہے، اور نماز پڑھی جاتی ہے (کرونا مسائل واحکام: باب موت اور اس کے احکام، ص:۱۰۵، ط: مکتبۂ احسان، لکھنؤ)۔

یورپی افتاء کونسل نے ۲۵-۲۸ مارچ ۲۰۲۰ میں ZOOM APP پر ”المستجدات الفقهية لنازلة فيروس كورونا كوفيد ۱۹“ عنوان پر ایک مجلس کا انعقاد کیا اور کورونا کے ماحول میں پیدا ہونے والے مختلف حالات کے پیش نظر ۳۰/سوالات کے جوابات جاری کئے، اس میں سوال نمبر ۱۹ کے تحت میت کے غسل وتیمّم کا متفقہ جواب درج ذیل ہے:

”الفتوى–كما هو معلوم – تتغير بتغير الزمان والمكان والظروف والأحوال، وقد تقرّرت في فقهنا الإسلامي جملة من القواعد التي تراعي الظروف الاستثنائية وحالات الضرورة، ومنا:”الضرورات تبيح المحظورات“، (المشقة تجلب التيسير)، (لا تكليف إلا بمقدور) ، وهذه القواعد كلّها ونظائرها وفروعها، إنما بُنيتْ على استقراء نصوص الوحي، ومن ذلک قول الله تعالى﴿لا يُكلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ وقوله: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّينِ حَرَجٍ﴾ وقوله ﷺ : (يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا) وغيرذلک من النصوص الكثيرة، ومن هنا فإننا ومع تأكيد ضرورة الالتزام بالقوانين والتعليمات الصادرة عن الدولة والجهات المعنية، نلخص الأجوبة عن أهم الأسئلة المطروحة في باب الجنائز وأحكامها في ظل هذا الوضع الحرج، في النقاط الآتية:

أولاً : بالنسبة لغسل المتوفَّى من المصابين بهذا المرض فإنّ المجلس بعد تقاشات مستفيضة وسؤال الأطباء العاملين في مناطق الوباء ، انتهى إلى ترجيح دفن الميت المصاب بداء كورونا بالكيس وفي التابوت الذي خرج به من المشفى، دون تغسيل أو تيمم حتى إن سُمح به قانوناً وذلک لما يلي:

– إنّ تغسيل الميت المسلم على اختلاف بين الفقهاء في حكمه، فجمهورهم على الوجوب، وفي قول عند المالكية والحنفية أنّه سنة مؤكدة، وهو خلافٌ معتبر، وسببه: أنّ الغسل نُقل بالعمل لا بالقول، والعمل ليس له صيغة تُفهِم الوجوب، أولا تُفهمه ، كما أنّه ورد على سبيل التعليم له، لا الأمر به، والراجح هو وجوب الغسل، لكنّه لايُقدر عليه إلا في الأحوال الطبيعيّة ، أما في الأحوال الاستثنائيّة كأوقات الأوبئة والطواعين فيجوز ترک التغسيل والتيمم“(فتاوی العلماء حول فیروس کورونا: البیان الختامی للمجلس الاوروبي للإفتاء والبحوث المنعقد ۃبتقنیۃ Zoom التواصلیۃ، رقم: الفتوی: ۱۹/ ۳۰، ص: ۴۷، ط: دار البشیر القاہرہ)۔

۵– ہر ایک کی موت کا ایک وقت مقرر ہے، اور ہر جاندار کو اس طے شدہ وقت میں موت آتی ہے، بعض مرتبہ اس موت

کے اسباب امراض ہوتے ہیں، اور آج کل بہت سے لوگ عمومی وباء یعنی ''کورونا'' مرض کے سبب انتقال کرگئے اور اس مرض میں ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق تعدیہ ہے، اور حکومت کی طرف سے اس مرض کا حامل شخص، زندہ ہو یا مردہ، اس کے بارے میں حکومت کے شعبۂ صحت کی طرف سے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوتی ہے، ایسے میں مسلمانوں کے لئے دیگر عبادات کی طرح تجہیز وتکفین کے بارے میں بھی کچھ سوالات پیدا ہوجاتے ہیں، اور اس کا حل اور عوام الناس کی رہنمائی ضروری ہوجاتی ہے، تجہیز وتکفین اور صلوۃ جنازہ کے بارے میں بھی کچھ سوالات سامنے آئے، اس کا جواب درج ذیل ہے۔

(الف) اگر کورونا میں فوت شدہ شخص کی قبر وقبرستان کا علم ہوجائے، یا ہسپتال کے ملازمین گائیڈ لائن کے مطابق میت حوالے کردیں، لیکن تدفین کے علاوہ کوئی موقع نہ دے تو ایسی صورت میں جب تک میت کے تفسخ کا ظن غالب نہ ہو جائے، اس وقت تک قبر پر صلوۃ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، چاہے گائیڈ لائن کے مطابق بے غسل وکفن تدفین عمل میں آئی ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو مسجد کی صفائی کرنے والے کسی مرد یا عورت کی موت کا علم نہ ہوا، ایک دن آپ نے علم ہونے پر اس کی قبر پر صلوۃ جنازہ پڑھی۔

''عن أبی رافع عن ابی هريرة رضي‌الله عنه أن أسود رجلا او امرأةً كان يَقُمُّ المسجد، فمات، ولم يعلم النبي ﷺ بموته، فذكره ذات يوم، فقال: ما فعل ذلک الانسان؟ قالوا: مات يا رسول الله! قال: أفلا آذنتُمُوني؟ فقالوا: إنه كان كذا، وكذا قصته، قال: فحقروا شأنه، قال: فحقروا شأنه، قال: فدُلّونى على قبره، فاتى قبره، فصلى عليه'' (صحیح البخاری: کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن، رقم: ۱۳۳۷، ص: ۱۶۱، ط: دار ابن حزم، القاہرہ)۔

اس باب پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ''**باب الصلوة على القبر بعد ما يدفن، وهذه ايضا من المسائل المختلف فيها، قال ابن المنذر: قال بمشروعيته الجمهور، ومنعه النخعي ومالک وأبو حنيفة، وعنهم ان دفن قبل ان يصلى عليه شرع، والا فل**'' (فتح الباری: ۳/۲۴۸)۔

تاہم احناف کے یہاں قبر پر نماز کے بارے میں شرط یہ ہے کہ قبر پر اس وقت تک نماز پڑھی جاسکتی ہے، جب تک میت کے تفسخ کا ظن غالب نہ ہو، یہ تفسخ کتنے دنوں میں ہوسکتا ہے؟ اس بابت ہمارے فقہاء کی ایک رائے یہ ہے کہ اس کی تحدید تین دن ہے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے، اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس کی کوئی تحدید نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ تفسخ کا تعلق موسم کے اختلاف، جگہ کے مختلف ہونے اور مردہ کی لاغری وموٹاپن سے ہے، اس لئے غالب گمان یہ ہو کہ تفسخ نہ ہوا ہوگا وہاں تک نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

جیسا کہ علامہ فرید الدین دہلویؒ رقمطراز ہیں:"قال الحاکم الشهيد رحمه الله: وفى الأمالى عن أبي يوسف أنه يصلى على الميت فى القبر إلى ثلاثة أيام، وبعد ما مضت الثلاثة لا يصلى عليه، وهكذا روى ابن رستم فى النوادر عن محمد عن أبى حنيفة، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم؛ لأن تفرق الأجزاء يختلف باختلاف الأوقات فى الحروالبرد وباختلاف الأمكنة وباختلاف حال الميت فى السمن والهزال، وإنما المعتبر غالب الرأى، وفي التهذيب: وعن محمد: إذا كان مهزولا يصلى إلى عشرة أيام، وفى شرح الطحاوي : إذا شک فى التمزق لم يصل عليه"(الفتاوی التاتارخانیہ: کتاب الجنائز، رقم: ۳۷۶۰،ص:۷۹،ج:۳،ط:زکریا بکڈپو،دیوبند)۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:"ولودفن بعد الغسل قبل الصلاة عليه صلى عليه في القبر ما لم يعلم أنه تفرق. وفي "الأمالي"عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه قال: يصلي عليه إلى ثلاثة أيام، هكذا ذكر ابن رستم عن محمد.

أما قبل مضي ثلاثة أيام فلما روينا أن النبيﷺصلى على قبر تلک المرأة.

فلما جازت الصلاة على القبر بعد ما صلى على الميت مرة، فلأن تجوز في موضع لم يصل عليه أصلاً أولى.

وأما بعد الثلاثة أيام لا يصلي، لأن الصلاة مشروعة على البدن، وبعد مضي الثلاث ينشق ويتفرق فلا يبقى البدن.وهذا لأن في المدة القليلة لا يتفرق.

وفي الكثيرة يتفرق فجعلت الثلاث في حد الكثرة لأنها جمع. والجمع ثبت بالكثرة. ولأن العبرة للمعتاد، والغالب في العادة أن بمضي الثلاث يتفسخ ويتفرق أعضاؤه، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم. لأنه يختلف باختلاف الأوقات في الحر والبرد، وباختلاف حال الميت في السمن والهزال، وباختلاف الأمكنة فيحكم فيه غالب الرأي وأكبر الظن.

فإن قيل: روي عن النبيﷺ أنه صلى على شهداء أحد بعد ثمان سنين. فالجواب أن معناه والله أعلم أنه دعا لهم"(بدائع الصنائع: کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ،فصل في بيان ما تصح وما تفسد وما يكره،ص:۵۵،ج:۲،ط:زکریا بکڈپو دیوبند)۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:"وفي المعتصر من مختصر مشكل الآثار للطحاوى بعد ذكر حديث

ابن عباسؓ: ”أن النبيﷺ صلى على قبر بعد ثلاث“ ما لفظه: من مات ولم يصل عليه؛ ذهب أبو حنيفة وأصحابه إلى أن يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام، لا يتجاوز إلى ما هو أكثر منها. لأن الميت بعدها يخرج من حال من يصلى عليه، لكن الحديث يدفع ذلک مع أن قولهم توقيف، والتوقيف لا يؤخذ إلا بالتوقيف، وقد رأينا غير واحد يخرجون من قبورهم بعد مدة طويلة . قال المحشي: وفيه نظر، لأن النبيﷺ علم بالوحى أنه لم يتغير، والذى قاله أبو حنيفة هو الغالب، والحكم للغالب اهـ.

قلت: - والقائل هو المحدث العثماني- والذي في البدائع أن التوقيت بالثلث غير لازم في المذهب“(اعلاء السنن: باب استحباب غرز الجريدة الرطبة على القبر، فائدة فى الصلوة على القبر،ص:۳۵۶،ج:۸، ط: دار احياء التراث العربي، بيروت)۔

(ب)اولاملی تنظیمیں اور بااثر ورسوخ حضرات کی طرف سے یہ کوششیں ہونی چاہئے کہ مذکور میت کی کم سے کم تدفین کی ہی اجازت مل جائے؛ تاکہ قبر پر اسی دن یا دوسرے دن صلوۃ جنازہ پڑھی جاسکے،اس کے باوجود بھی اگر اجازت نہ ملے،تو اب یہ قدرت واستطاعت سے خارج ہے،صلاۃ جنازہ کے لئے میت کا امام کے سامنے ہونا ضروری ہے،علامہ حصکفیؒ صلوۃ جنازہ کی شرائط ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وشرطها ايضا حضوره (ووضعه) وكونه هو أو أكثره (أمام المصلى)“

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:”(حضوره) اى كله او اكثره، كالنصف مع الرأس“(رد المحتار مع الدر المختار: کتاب الصلوۃ، باب الجنائز ۳/۱۰۴،ط: زکریا بکڈپو،دیوبند)۔

شیخ وھبہ زحیلیؒ نے صلوۃ جنازہ کی فرضیت کے لئے جو شرطیں ذکر کی ہے؛اس میں دو یہ ہے:

”ويشترط في الميت لفرضية الصلاة عليه ما يأتي:

(١) أن يكون جسده هو أو أكثره موجوداً، وهذا شرط عند الحنفية والمالكية، فلا يصلى على عضو.

(٢) أن يكون حاضرا موضوعاً على الأرض أمام المصلي، في اتجاه القبلة؛ وهذا شرط عند الحنفية، فلا يصلى على غائب ، محمول على نحو دابة، وموضوع خلف الإمام ، ووافقهم المالكية على اشتراط كون الميت حاضراً.

وأما الصلاة على النجاشي فهي خصوصية له.وأما وضع الميت أمام المصلي فمندوب عند

المالكية. وتجوز الصلاة عند الشافعية والمالكية على الميت المحمول على الدابة أو أيدي الناس أو أعناقهم"(الفقہ الاسلامي وادلتہ:الفصل العاشر:انواع الصلوۃ،المبحث الثامن:صلوۃ الجنازۃ،الفرض الثالث:الصلوۃ علی المیت،ص:۴۴۰،ج:۲،ط: الہدی انٹرنیشنل،دیوبند)۔

حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں نجاشی کی صلوۃ جنازہ کا ذکر زیادہ ملتا ہے، جو ان کی خصوصیت ہے، جبکہ بہت سے صحابہ دور دراز علاقوں میں شہید ہوئے، حضور ﷺ کو اطلاع بھی موصول ہوئی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز نہ پڑھی، جیسا کہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"**من جملة ذلک انه توفی خلق كثير من اصحابه ﷺ ، من اعزّهم عليه القراء، ولم ينقل عنه انه صلى عليهم مع حرصه على ذلک، حتى قال: لا يموتن أحد منكم الا آذنتمونی به، فان صلوتی عليه رحمة له**"(ردالمحتار: کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ،ص:۱۰۵،ج:۳،زکریا بکڈپو،دیوبند)۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "**وقال الزرقانی فی شرح الموطأ: أما الصلاة على القبر فقال بمشروعيتها الجمهور، ومنهم الشافعي، وابن وهب، وابن عبد الحكم، ومالک فی رواية شاذة، والمشهور عنه منعه، وبه قال أبو حنيفة والنخعي وجماعة. وعنهم إن دفن قبل الصلاة شرع، وإلا فلا. وأجابوا (أي عن حديث السوداء) بأن ذلک من خصائصه. والدليل على الخصوصية ما زاده مسلم وابن حبان فی حديث أبي هريرة : فصلی على القبر. ثم قال :"إن هذه القبور مملوء ة ظلمة على أهلها، وأن الله ينورها بصلاتی عليهم". وفي حديث زيد بن ثابت :'فإن صلاتی عليه رحمة" وهذا لا يتحقق فی غيره**"(اعلاء السنن: ابواب الجنائز، فائدۃ فی الصلوۃ علی القبر،ص:۳۵۳، ۳۵۴،ج:۸،ط: داراحیاء التراث العربی، بیروت)۔

ہاں اگر یہ مان لیں کہ مسلمان کی صلوۃ جنازہ مسلمانوں پر ایک حق ہے، اور نجاشی اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان آباد تھے، وہاں ان کی صلوۃ جنازہ پڑھنے والا کوئی مؤمن نہیں تھا، اس لئے نبی ﷺ نے غائبانہ صلوۃ جنازہ پڑھی، جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور امام خطابی کی رائے یہی ہے۔

علامہ ابن القیم الجوزیہؒ تحریر فرماتے ہیں: "**قال شيخ الإسلام ابن تيمية: الصواب: أن الغائب إن مات ببلد لم يُصلّ عليه فيه، صُلِّيَ عليه صلاة الغائب، كما صلّى النبيﷺ على النجاشي، لأنه مات بين الكفار ولم يُصلَّ عليه، وإن صُلِّيَ عليه حيثُ مات، لم يُصلَّ عليه صلاة الغائب، لأن الفرض قد سقط بصلاة المسلمين عليه**"(زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: فصل فی الصلوۃ علی الغائب، ولم یکن من ہدیہ وسنتہ ﷺ الصلوۃ علی کل میت الغائب،

ص:۱۵۰۱،ج:۱،ط:مؤسسۃ الرسالہ،بیروت)۔

اس کے حاشیہ میں شیخ شعیب الارناؤوط لکھتے ہیں:"وقد سبقه إلى هذا التفصيل الإمام أبو سليمان الخطابي، فقد قال في "معالم السنن": قلت: النجاشي رجل مسلم قد آمن برسول الله ﷺ، وصدقه على نبوته إلا أنه كان يكتم إيمانه، والمسلم إذا مات، وجب على المسلمين أن يصلوا عليه إلا أنه كان بين ظهراني أهل الكفر، ولم يكن بحضرته من يقوم بحقه في الصلاة عليه، فلزم رسول الله ﷺ أن يفعل ذلک إذ هو نبيه ووليه، وأحق الناس به، فهذا -والله أعلم- هو السبب الذي دعاه إلى الصلاة عليه بظهر الغيب، فعلى هذا إذا مات المسلم ببلد، من البلدان وقد قضي حقه في الصلاة عليه، فإنه لا يصلي عليه من كان ببلد آخر غائبا عنه، فإن علم أنه لم يصل عليه لعائق ، أو مانع عذر، كانت السنة أن يصلي عليه، ولا يترک ذلک لبعد المسافة، فإذا صلوا عليه، استقبلوا القبلة ولم يتوجهوا إلى بلد الميت إن كان في غير جهة القبلة، وقد استحسن الروياني ما ذهب إليه الخطابي"(الحوالۃ المذکورہ:رقم الہامش:۳)۔

اس تفصیل کے پیش نظر حکومت کی پابندی کے سبب ہسپتال کا عملہ میت حوالے نہ کرے،اوراس عملہ میں کوئی مسلمان بھی نہ ہوجس نے اس کی صلوۃ جنازہ پڑھی ہو،اورقبروقبرستان کے بارے میں بھی کوئی خبرواطلاع موصول نہ ہوئی ہوتواس کی غائبانہ صلوۃ جنازہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،جبکہ نجاشی کی صلوۃ جنازہ کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ اورامام خطابی کی رائے کو ترجیح دی جائے۔

غالبًا اسی رائے کومدنظر رکھتے ہوئے یورپی افتاءکونسل نے غائبانہ نماز کی گنجائش کافتوی دیاہے،جیساکہ فتوی میں مرقوم ہے:

"الصلوة على الميت فرض كفاية عند الجمهور، إذا قام بها بعضهم سقط وجوبها عن بقية المكلفين، ويكفى أن يصلى عليه من يسمح لهم القانون حتى لو كانوا ثلاثة ، بل ذهب بعض العلماء إلى أن الوجوب يسقط بصلوة المكلف من الرجال، كما هو عند الحنفية والشافعية والحنابلة.

ويمكن لمن شاء من المسلمين أن يصلى عليه صلوة الغائب ولو فرادى، فقد ذكر بعض الشافعية والحنابلة جواز الصلوة على الميت (صلوة الغائب) اذا شقّ حضور الصلوة عليه ، والصلوة فى هذه الحالة من باب أولى لتعذر الحضور"(فتاوی العلماء حول فیروس کورونا:۵۷،رقم الفتوی:۱۹/ ۳۰)۔

لیکن احناف کے یہاں راجح یہی ہے کہ جہاں میت پر صلوۃ جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو،تو مکلفین سے فریضہ ساقط ہوجائے گا،وہ معذور سمجھے جائیں گے،اور غائبانہ نماز نہ پڑھی جائے گی،جیسا کہ مولانا عبداللہ اسعدی صاحب کی تحریر کردہ عبارت گزرچکی،اسی طرح صلوۃ جنازہ کے لئے فقہ حنفی میں جو شرطیں مذکور ہے وہ متعدد حوالوں سے گزرچکی۔

☆☆☆

کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی☆

۱-ایک مسجد میں ایک سے زائد نماز جمعہ:

جمعہ کی نماز ہو یا پنج وقتہ نماز اس بابت دونوں کا حکم ایک ہے، ہر دو میں کثیر تعداد والی جماعت شرعا مطلوب ہے، جتنی بڑی جماعت ہوگی شعائر اسلام کا اظہار اسی قدر ہوگا اور اسلام کی شوکت وعظمت اسی قدر عیاں ہوگی، اسی لئے فقہاء احناف کے یہاں خاص طور پر فتوی دیا جاتا ہے کہ ایک سے زائد جماعت نہ ہو تاکہ لوگ یہ سمجھ کر کہ دوسری وتیسری جماعت کرلی جائے گی، جماعت کی شرکت میں سستی وکاہلی نہ کریں، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد صحابہؓ کا بھی یہی معمول نظر آتا ہے کہ اگر مسجد میں ایک بار جماعت ہوگئی ہے تو جماعت ثانی کرنے کے بجائے دوسری مسجد کا رخ کرتے ہیں یا گھر میں جماعت سے نماز پڑھتے ہیں بصورت دیگر منفرداً نماز پڑھنے پر قناعت کرتے ہیں۔

”**عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه صلوا فرادى**“(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۵۵، رقم:۷۱۸۸، کتاب الصلاۃ، باب من قال یصلون فرادی) (صحابہ جب مسجد میں جماعت کے بعد آتے تو منفرداً نماز پڑھا کرتے تھے)۔

”الدرمختار“ میں اللہ کے رسول ﷺ کا ایک موقع کا عمل بایں الفاظ منقول ہے: ”**ولنا أنه عليه السلام كان خرج ليصلح بين قوم فعاد إلى المسجد، وقد صلى أهل المسجد، فرجع إلى منزله فجمع أهله وصلى**“(ردالمحتار ۱/۵۱۸، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ ط رشیدیہ پاکستان) (ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک قوم کے مابین صلح کے لئے تشریف لے گئے، جب مسجد آئے تو اہل مسجد نماز سے فارغ ہوچکے تھے چنانچہ گھر پر اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے نماز پڑھی)۔

حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایۃ مسلک بھی یہی ہے کہ جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر ہو، یعنی باجماعت نماز ہوتی ہو

☆ استاذ حدیث جامعہ حسینیہ کایم کلم کیرالا۔

اور مسجد طریق نہ ہو تو وہاں جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے، ہاں مسجد طریق ہو یا امام ومؤذن مقرر ہو تو دوسری جماعت میں حرج نہیں ہے۔

"یکرہ تکرار الجماعة فی مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلی بهما فیه أولا غیر أهله أو أهله لكن بمخافتة الأذان، ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طریق جاز إجماعا، كما فی مسجد لیس له إمام ولا مؤذن ویصلی الناس فیه فوجا، فوجا فإن الأفضل أن یصلي كل فریق بأذان وإقامة علی حدة كما في أمالي قاضي خان" (ردالمحتار ا/۴۰۸، کتاب الصلاۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد رشیدیہ) (محلّہ کی مسجد میں دوبارہ جماعت اذان واقامت کے ساتھ مکروہ ہے الا یہ کہ دوسرے لوگوں نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہو، یا اہل محلّہ نے اذان ہلکی آواز میں دی ہو اور اگر اہل محلّہ بغیر اذان واقامت جماعت ثانیہ کریں، یا مسجد طریق ہو تو بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ اس مسجد میں جس میں امام ومؤذن مقرر نہ ہو کچھ کچھ لوگ آ کر جماعت سے پڑھ لیتے ہوں، پس افضل یہ ہے کہ ہر جماعت الگ الگ اذان واقامت سے پڑھیں جیسا کہ امالی قاضی خاں میں ہے)۔

"المراد بمسجد المحلة ماله إمام وجماعة معلومون كما في الدرر وغیرها، قال في المنبع: والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع وبالأذان الثاني احتراز عما إذا صلی في مسجد المحلة جماعة بغیر أذان حیث یباح إجماعا" (ردالمحتار ا/۴۰۸ کتاب الصلاۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد، طبع رشیدیہ) (مسجد محلّہ سے مراد یہ ہے کہ جہاں امام ونمازی متعین ہو، جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے، منبع میں ہے، مسجد کو مسجد محلّہ سے مختص کرنا مسجد طریق سے احتراز کے لئے ہے، اور اذان ثانی سے مختص کرنا اس صورت سے احتراز کے لئے ہے جبکہ مسجد محلّہ میں بغیر اذان جماعت سے نماز پڑھ لی گئی ہو تو اجماع ہے کہ مباح ہے)۔

اذان واقامت کے تعلق سے اتنی تفصیل مزید ملتی ہے کہ اگر اذان واقامت کے بغیر بھی پہلی نماز پڑھی گئی ہو اور مسجد پنج وقتہ جماعت والی ہو تو بھی جماعت ثانی مکروہ ہوگی، کیونکہ کراہت کی بنیاد علت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت میں لوگوں کی تعداد کم ہوگی، خواہ اذان ہو، یا نہ ہو اور اگر دوبارہ جماعت کا تصور پایا جائے گا، تو ہر جماعت چند افراد پر مشتمل ہوگی یا بھرپور لوگوں کی جماعت نہیں ہوگی، لہذا علامہ شامی اس نکتہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومقتضی هذ الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة، ولوبدون أذان، و یؤیده ما في الظهیریة: لودخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه أهله یصلون وحصانا، وهوظاهرالروایة" (ردالمحتار ا/۴۰۹، کتاب الصلاۃ، مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ طبع رشیدیہ) (تقلیل جماعت والی دلیل کا تقاضا ہے کہ مسجد محلّہ میں دوسری

جماعت خواہ بغیر اذان ہو مکروہ ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو کہ ظہیریہ میں ہے: اگر کچھ لوگ مسجد اس وقت آئیں جبکہ جماعت ہوچکی ہو تو سب منفرداً منفرداً نماز پڑھیں یہی ظاہر الروایۃ ہے)۔

تقریباً یہی بات فقہاء حنفیہ کے تمام فقہی ذخائر میں مرقوم ہے، "**المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لايباح تكرارها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعا، وكذا فى مسجد قارعة الطريق كذا فى شرح المجمع للمصنف**" (فتاوی ہندیہ ۱/۸۳، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس فی الامامۃ، الفصل الأولی فی الجماعۃ) (مسجد کا جب متعین امام ہو اور محلّہ کے مصلی معلوم ہوں اور اہل محلّہ نے جماعت سے نماز پڑھ لی ہو تو دوبارہ اذان ثانی سے جماعت کرنا مباح نہیں ہے، البتہ جب بغیر اذان پڑھ لیں تو بالاتفاق مباح ہے، اسی طرح مسجد طریق میں بھی مباح ہے)۔

"**وإذا دخل القوم مسجدا قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان وإقامة، ولكنهم يصلون وحدانا بغير أذان ولاإقامة**" (المبسوط للسرخسی ۱/۱۳۵ کتاب الأذان طبع دار الفکر بیروت) (جب لوگ کسی مسجد میں داخل ہوں جہاں کے لوگ نماز پڑھ چکے ہوں تو میں ان کے لئے مکروہ سمجھتا ہوں کہ اذان واقامت کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھیں، ہاں وہ لوگ بغیر اذان واقامت منفرداً پڑھ لیں)۔

"جواہر الفقہ" میں حضرت گنگوہیؒ کا بڑا مبسوط فتوی نقل کیا گیا ہے: پس جاننا چاہئے کہ ائمہ حنفیہ کی ظاہری روایت سے مطلق تکرار کی کراہت معلوم ہوتی ہے، خواہ اذان واقامت کے ساتھ ہو، خواہ بلا اذان واقامت، اور صاحب "ظہیریہ" نے بھی کراہت کو ہی لیا ہے اور "بدائع" میں بھی کراہت کو ہی مسلم رکھا ہے اور عقلی ونقلی دلیل سے ثابت کیا ہے (جواہر الفقہ ۲/۴۵۶ طبع زکریا دیوبند)۔

شافعیہ ومالکیہ کا مسلک:

حضرات مالکیہ کا مسلک بھی حنفیہ کے مسلک کی طرح جماعت ثانیہ کی ممانعت کا ہے، "المدونۃ الکبری" میں تفصیلی فتوی ہے: "**وقال مالك: فی مسجد علی طريق من طرق المسلمين ليس له إمام راتب أتی قوم فجمعوا فيه الصلاة مسفرين أو غيرهم، ثم أتی قوم من بعدهم، فلابأس أنيجمعوا فيه أيضا، وإن أتی كذلك عدد ممن يجمع فلا بأس ذلك.**

قلت لابن القاسم: أرأيت مسجدا له إمام راتب إن مربه قوم فجمعوا فيه صلاة من الصلوات الإمام أن يعيد تلك الصلاة فيه بجماعة؟ قال: نعم، وقد بلغنی ذلك عن مالك

قلت: فلو كان رجل هو إمام مسجد قوم ومؤذنهم أذن وأقام، فلم يأته أحد فصلى وحده ثم أتى أهل ذلك المسجد الذين كانوا يصلون فيه؟ قال: فليصلوا أخذاذا؛ لأن إمامهم قد أذن وصلى، قال: وهو قال مالك'' (المدونۃ الکبری ۱؍۹۰ فی المسجد تجمع الصلاۃ فیہ مرتین طبع دار احیاء التراث العربی)۔

(امام مالک نے مسجد طریق کے متعلق فرمایا: جس کا امام مقرر نہ ہو اس مسجد میں کچھ لوگ آئیں اور باجماعت نماز پڑھیں مسافر ہوں یا مقیم، تو کچھ دوسرے لوگ ان کے بعد آئے تو حرج نہیں ہے کہ وہ بھی جماعت سے نماز پڑھ لیں، اور اگر اسی طرح کچھ اور لوگ آجائیں تو بھی حرج نہیں ہے، میں نے ابن القاسم سے کہا: کیا رائے ہے ایسی مسجد کے بارے میں جس میں امام مقرر ہو اگر وہاں سے کچھ لوگوں کا مرور ہو اور نماز باجماعت پڑھ لیں تو امام کے لئے جائز ہے کہ اس نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھے؟ تو فرمایا کہ: ہاں، امام مالک سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے۔

میں نے کہا: اگر وہ شخص کسی قوم کا امام ومؤذن ہو اور اس نے اذان واقامت کہی، مگر کوئی نہیں آیا چنانچہ اس نے اکیلے نماز پڑھ لی پھر مسجد والے نماز آئے؟ تو فرمایا: سب لوگ الگ الگ پڑھیں گے جماعت نہیں کریں گے، اس لئے کہ ان کے امام نے اذان ونماز پڑھ لی ہے، یہ امام مالک کا قول ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں: ''**وقال المالكية: يكره تكرار الجماعة فى مسجد له إمام راتب، وكذلك يكره إقامة الجماعة قبل الإمام الاتب، ويحرم إقامة جماعة مع جماعة الإمام الراتب، والقاعدة عندهم: أنه متى أقيمت الصلاة مع الإمام، الراتب فلا يجوز إقامة صلاة أخرى فرض اأو نفلا، لاجماعة ولا فرادى، ومن صلى جماعة مع الإمام الراتب وجب عليه الخروج من المسجد لئلا يؤدى إلى الطعن فى الإمام**'' (الفقہ الاسلامی ۲؍۱۱۸۳ الفصل العاشر من انواع الصلاۃ)۔

(مالکیہ کے یہاں ایسی مسجد جس میں امام مقرر ہو تکرار جماعت مکروہ ہے، اسی طرح امام مقرر سے پہلے جماعت کرنا مکروہ ہے، اور امام مقرر کی جماعت کے ساتھ دوسری جماعت حرام ہے، ان کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جب امام مقرر کے ساتھ نماز ہوگئی تو اب دوسری نماز خواہ فرض ہو یا نفل، جماعت سے ہو یا الگ پڑھنا جائز نہیں ہے، اور جس نے امام مقرر کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اس پر واجب ہے کہ مسجد سے باہر چلا جائے تاکہ امام کی شان میں طعن کا سبب نہ ہو)۔

شافعیہ کے موقف میں کچھ توسع پایا جاتا ہے، ان کے یہاں اصل یہ ہے کہ امام کی دل آزاری نہ ہو، چنانچہ جہاں امام مقرر نہ ہو، یا مقرر ہو مگر امام کی جانب سے دوسری جماعت کی اجازت ہو، اسی طرح مسجد مطروق ہو جہاں لوگ آتے رہتے ہیں اور جماعت کرتے رہتے ہیں امام کی مخالفت وموافقت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے، یا پھر مسجد تنگ ہے اس لئے مختلف

جماعت کرلی جاتی ہے، یا وقت تنگ تھا سب کے جمع ہونے میں وقت کے نکلنے کا خوف ہوتو ان صورتوں میں دوسری جماعت کرنے میں حرج نہیں ہے، کیونکہ امام کی دل آزاری ومخالفت لازم نہیں آتی ہے،'' مہذب'' میں ہے:

''وإن حضرت وقد فرغ الإمام من الصلاة فإن كان المسجد له إمام راتب كره أن يستانف فيه جماعة؛لأنه ربما اعتقدأنه قصد الكياد والإفساد،وإن كان المسجد فى سوق أو ممرالناس لم يكره أن يستانف الجماعة؛لأنه لا يحتمل الأمر فيه على الكياد'' (مجموع شرح المہذب ۲۲۱/۴باب صلاۃ الجماعۃ)۔

(اگرکوئی اس وقت حاضر ہوجبکہ امام نماز سے فارغ ہو چکا ہوتو اگر مسجد کا امام راتب ہےتو دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہےاس لئے کہ بسا اوقات امام سمجھے گا کہ اس نے دشمنی وافساد کے قصد سے کیا،اوراگر مسجد سوق ہے، یا گزرگاہ پر مسجد ہےتو جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے؛اس لئے کہ یہاں پر یہ امر دشمنی پرمحمول نہیں کیا جائے گا)۔

علامہ نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:''أما إذا لم يكن له إمام راتب فلا كراهة في الجماعة الثانية والثالثة، وأكثر بالإجماع، وأما إذا كان له إمام راتب، وليس المسجد مطروقا فمذهبنا كراهة الجماعة الثانية بغير إذنه، وبه قال عثمان البيتى، والأوزاعى، ومالک، والليث والثورى، وأبوحنيفة'' (المجموع ۲۲۲/۴باب صلاۃ الجماعۃ)۔

(بہرحال جب مسجد کا مقرر امام نہ ہوتو دوسری، تیسری اوراس سے زیادہ جماعت میں (اصحاب شافعیہ کا) اجماع ہے کہ کراہت نہیں ہے، جب امام مقرر ہواور مسجد مطروق نہ ہوتو ہمارا مذہب بلا امام کی اجازت دوسری جماعت کی کراہت کا ہے، یہی قول ہے عثمان البیتی ،اوزاعی، مالک،لیث ،ثوری اورامام ابوحنیفہ کا)۔

ماوردی لکھتے ہیں:''وإذا حضررجل مسجدا قد أقيمت فيه الصلاة جماعة بأذان وإقامة فأراد أن يصلي فيه منفردا أسر الأذان لنفسه، ولوأراد أن يصلي جماعة تجهر بالأذان لها، فإن كان هذا مسجدا عظيما له إمام راتب بولاية سلطانية لم يجز لمن دخله أن يقيم فيه جماعة بعد جماعته ولا أن يجهر بالأذان بعد أذانه لما في ذلک من شق العصا وخوف التقاطع وإن كان المسجد صغيرا من مساجد المحال والأسواق التي يؤم فيها جيرانها جازإقامة الجماعة بعد جماعته والجهر بالأذان بعد أذانه والله اعلم''(الحاوی الکبیر ۶۵/۲ کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الأذان ومایقام بہ من الصلوات)۔

(جب کوئی شخص مسجد آئے حالانکہ اس میں اذان واقامت کے ساتھ جماعت ہوچکی ہے پس وہ منفردا نماز پڑھنا چاہتا ہےتو اپنے لئے سرا اذان کہے،اوراگر جماعت سے پڑھنا چاہتا ہےتو اس کے لئے جہرا اذان کہے، پس اگر یہ مسجد بڑی

ہو جس کا امام مقرر ہو حکومت کے ماتحت ہو تو داخل ہونے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ جماعت کے بعد جماعت کرے اور نہ یہ جائز ہے کہ اذان کے بعد اذان دے، کیونکہ اس میں امام کی مخالفت اور انتشار کا خوف ہے، اور اگر مسجد چھوٹی ہے ایسی جگہوں اور مارکیٹ کی مسجدوں میں سے ہے جہاں آس پاس کے لوگ آتے ہوں تو جماعت کے بعد جماعت کرنا اور جہراً اذان دینا جائز ہے)۔

حنابلہ کا موقف:

البتہ حنابلہ کے یہاں توسع پایا جاتا ہے چنانچہ حنبلی مکتبہ فکر میں دوسری، تیسری جماعت کرنا جائز ہی نہیں، بلکہ مستحب ہے ابن قدامہ کی عبارت ہے: ''**ولا يكره إعادة الجماعة في المسجد ومعناه أنه إذا صلى إمام الحي وحضر جماعة أخرى استحب لهم أن يصلوا جماعة، وهو قول ابن مسعود وعطاء والحسن والنخعي وقتاده وإسحاق**'' (المقنع علی المغنی ۲/۱۰ کتاب الإمامۃ، اعادۃ الصلاۃ فی المسجد) (مسجد میں جماعت کا اعادہ مکروہ نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جب محلّہ کے امام نے نماز پڑھ لی اور ایک دوسری جماعت آئی تو ان کے لئے مستحب ہے کہ جماعت سے نماز پڑھیں، یہی حضرت ابن مسعودؓ، عطاء، حسن، نخعی، قتادہ اور اسحاق کا قول ہے)۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول:

حنفیہ میں سے امام ابو یوسفل کا ایک قول پایا جاتا ہے، جس میں کسی قدر توسع بھی ہے اور مصالح کی رعایت بھی، چنانچہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہیئت اولی کے ساتھ جماعت ثانیہ نہ ہو تو نماز مکروہ نہیں ہے، ہیئت اولی میں اذان واقامت کے ساتھ امام کا محراب میں کھڑا ہونا ہے لہذا ان تینوں میں تبدیلی کردی جائے تو کراہت مرتفع ہو جائے گی۔

''**وعن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره، وإلا تكره وهو الصحيح، بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية......وفي التاتارخانية على الولوالجية: وبه نأخذ**'' (ردالمحتار ۱/۴۰۹، کتاب الصلاۃ، مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد طبع رشیدیہ) (امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر جماعت ہیئت اولی کے مطابق نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، ورنہ مکروہ ہے یہی صحیح ہے، اور محراب سے الگ ہو جانے کی صورت میں ہیئت اولی بدل جاتی ہے ایسا ہی بزازیہ میں ہے......اور تاتارخانیہ میں ولوالجیہ سے نقل ہے کہ اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں)۔

امام ابو یوسفؒ کے اس قول کے متعلق یہ بھی رائے ہے کہ اس میں جو کراہت کی نفی کیجارہی ہے اس کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے نہ کہ کراہت تنزیہی، یعنی کراہت تنزیہی ہر صورت میں باقی رہے گی حضرت گنگوہیؒ کا مبسوط فتوی اور

اس کا اردو ترجمہ جواہر الفقہ میں موجود ہے، حضرت نے اپنا سارا زور کراہت تنزیہی کے اثبات پر دیا ہے، اور چونکہ استحباب کو اختیار کرنے سے بہتر کراہت سے اجتناب کرنا ہوتا ہے اس لئے جماعت ثانیہ کا ترک ہی اس صورت میں بھی اولی وافضل ہے۔

"**إذا ترددالحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحا علی فعل البدعة**"(ردالمحتار ۱/ ۴۷۵، کتاب الصلاۃ، مکروہات الصلاۃ طبع رشیدیہ) (جب حکم سنت و بدعت کے مابین دائر ہو تو سنت کا ترک بدعت کے ارتکاب پر راجح ہے)۔

جماعت ثانیہ کی کراہت پر اگر غور کیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک اس کا مدار اس بات پر نظر آتا ہے کہ اس کے تصور کی وجہ سے لوگوں میں جماعت کی شرکت کے تئیں سستی پیدا ہوگی، نتیجۃً پہلی جماعت بھی قلیل تعداد پر مشتمل ہوگی جبکہ تکثیر تعداد مطلوب ومقصود ہے۔

"**ولأن التکرار یؤدي إلی تقلیل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر وإلا تأخروا**" (بدائع الصنائع ۱/ ۳۷۹ زکریا دیوبند)۔

(اس لئے کہ تکرار جماعت تقلیل کا سبب ہے، اس لئے کہ لوگوں کو جب معلوم ہوگا کہ ان کی جماعت فوت ہوجائے گی تو جلدی کریں گے پس تعداد کثیر ہوگی ورنہ پیچھے رہ جائیں گے)۔

مبسوط سرخسی میں ہے: "**إنا أمرنا بتکثیر الجماعة وفي تکرار الجماعة فی مسجد واحد تقلیلها؛ لأن الناس إذا عرفوا انهم تفوتهم الجماعة یعجلون للحضور فتکثر الجماعة، وإذا علموا أنه لا تفوتهم یؤخرون فیؤدی إلی تقلیل الجماعات وبهذا فارق المسجد الذي علی قارعة الطریق**"(المبسوط ۱/ ۱۳۵، ۱۳۶ باب الاذان طبع دار الفکر)۔

(ہمیں تکثیر جماعت کا حکم دیا گیا ہے، ایک مسجد میں تکرا جماعت کی صورت میں تقلیل جماعت ہوگی، اس لئے کہ لوگوں کو جب معلوم ہوگا کہ ان کی جماعت فوت ہوجائے گی تو حاضر ہونے میں جلدی کریں گے پس جماعت کثیر ہوگی، اور جب معلوم ہوگا کہ ان کی جماعت فوت نہیں ہوگی تو تقلیل جماعت کا سبب ہوگی، اسی سے مسجد طریق سے فرق ہوجاتا ہے)۔

موجودہ دور میں جمعہ کی متعدد جماعت کا حکم:

مسجد کی جماعت ثانیہ پنج وقتہ نماز کی ہو یا جمعہ کی دونوں کا حکم ایک ہی ہے، لہذا مذکورہ تفصیل کی روشنی میں حنفیہ کی ظاہر روایت کے مطابق جماعت ثانیہ مکروہ بمعنی مکروہ تحریمی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کے ایک قول کے مطابق اگر محراب سے یا

جس صف میں عام طور پر امام نماز پڑھاتا ہے اس سے پیچھے ہٹ کر نماز پڑھائے تو جماعت کے تعدد میں کراہت نہیں ہوگی، البتہ حضرت گنگوہیؒ جیسے اکابر کے نزدیک یہ بھی کراہت سے خالی نہیں ہے، لیکن علت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ کرونا کے دور میں جبکہ حکومت کی جانب سے سخت پابندی بھی عائد ہے، ڈاکٹروں وطبیبوں کا مشورہ بھی ہے کہ عالمی ادارہ صحت کی ہدایات کا بار بار حوالہ بھی دیا جاتا ہے تو تعدد جماعت میں حرج معلوم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اس سے تقلیل جماعت کا جو خطرہ ہے وہ شاید لاحق نہیں ہوگا، حنابلہ کے مسلک میں تو پہلے سے ہی گنجائش موجود ہے، حضرات شافعیہ کے یہاں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ شافعیہ نے کراہت کا مدار امام کے عدم اذن پر رکھا ہے جو وجہ اب تقریباً مفقود ہو چکی ہے، ہاں امام مالک کے مسلک کے مطابق یہ جائز نہیں ہوگا کہ ایک جماعت کے بعد یا امام وقت کی جماعت سے پہلے جماعت کر لی جائے۔

لیکن ان سب کے باوجود چونکہ جمعہ کی نماز کے لئے جماعت تو شرط ہے مگر مسجد شرط نہیں ہے، اور مسجد میں دوسری جماعت کا دروازہ کھولنے میں حالات صحیح ہو جانے پر جو لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آ چکی ہوگی، راہ راست پر لانا آسان نہیں ہوگا، جیسا کہ عرب ملکوں سے آنے والے حنفی عوام نہیں خواص اور علماء بھی مسجد میں جماعت ثانیہ کو امر مستحب گردانتے ہیں اور بلا کسی تردد اس کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں کیونکہ بار بار کے ارتکاب سے اس کی قباحت ذہن سے محو ہو ہی جاتی ہے اس لئے اگر مسجد کے علاوہ کسی جگہ مسجد میں جماعت کا انتظام ہو جانے کے بعد تعدد جماعت کا نظم کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، اس میں تشتت وانتشار محسوس ضرور ہو رہا ہے، مگر مسجد میں دو تین جماعت کرنے میں کہاں اجتماع واتحاد پایا جا رہا ہے، تشتت تو بہر حال ہر صورت میں ہوگا اور ہے تو ایک مسجد میں تکرار جماعت جو کہ فی نفسہ حنفیہ کے نزدیک قابل ترک عمل ہے یا کم از کم قابل قدر وتحسین نہیں ہے اس سے بچنا ہی بہتر ہوگا، ”**لأنه إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحا على فعل البدعة**“ (ردالمحتار ۱/۴۷۵ کتاب الصلاۃ باب: مکروہات الصلاۃ) (جب حکم سنت وبدعت کے مابین دائر ہو تو سنت کو ترک کرنا بدعت کے ارتکاب پر راجح ہوگا) ہاں دوسری جگہ انتظام میں پریشانی ہو تو امام ابو یوسف کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے ایک ہی مسجد میں متعدد جمعہ کی اجازت بھی دی جانی چاہئے۔

جواز کی صورت میں حکم:

بدرجہ مجبوری اگر امام ابو یوسف کا موقف اختیار کیا جائے تو ضروری ہوگا کہ ہیئت اولی کی کیفیت کو تبدیل کر دیا جائے، یعنی جس جگہ اول امام نے نماز پڑھائی ہے اس جگہ سے الگ ہو کر نماز پڑھائی جائے، نیز اس جمعہ کے لئے دوسری اذان نہ دی جائے۔

”**عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لاتكره، وإلا تكره وهو الصحيح**

ومالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا فى البزازية"(ردالمحتار ۱/۴۰۹ کتاب الصلاۃ، مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد)(امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جب جماعت ہیئت اولی پر نہ ہوتو مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے یہی صحیح ہے، محراب سے عدول کرنے کی صورت میں ہیئت تبدیل ہوجاتی ہے ایسا ہی بزازیہ میں ہے)۔

"**والتقييد بالمسجد المختص بالمحلة احتراز عن الشارع، وبالأذان الثاني احتراز عما إذا صلى في مسجد المحلة جماعة بغير أذان حيث يباح إجماعا**"(ردالمحتار ۱/۴۰۸ مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد)(محلّہ کی مسجد کی قید سے گزرگاہ کی مسجد سے احتراز ہوگیا، اوراذان ثانی کی قید سے اس صورت سے احتراز ہوگیا جب مسجد محلّہ میں جماعت سے بغیراذان نماز پڑھی جائے تو بالاتفاق مباح ہے)۔

۲-جگہ کی تنگی کی باعث ثانی جمعہ کاحکم:

محل غور یہ ہے کہ اس کا داعیہ محض جگہ کی تنگی ہے؟ اوراس کی وجہ سے پہلی جماعت میں شرکت کا رجحان کم نہیں ہورہا ہے؟ میرا خیال ہے کہ اگر اسی طرح متعدد جماعتوں کا رجحان رہا تو ابھی نہ سہی آگے چل کر جس خطرہ واندیشہ کی وجہ سے حنفیہ نے جماعت ثانیہ کا انکار کیا تھا وہی یہاں بھی پیدا ہوجائے گا اس لئے اگر واقعتاً مسجد تنگ ہوتو دوسری جماعت کے لئے مسجد کے باہر کسی میدان یا ہال وغیرہ میں نظم کیا جائے، کیونکہ بنیادی طور پر جمعہ کے انعقاد کے لئے جماعت تو شرط ہے مسجد شرط نہیں ہے، جبکہ مسجد کی شرط ہی نہیں ہے تو مسجد میں جماعت ثانیہ کر کے کراہت کا ارتکاب کیوں کر کیا جائے، لہذا اس رجحان کا سد باب ہونا چاہئے، نمازیوں کو چاہئے کہ مسجد کی توسیع کی فکر کریں، ایک منزل سے کام نہیں چلتا ہے تو دوسری وتیسری منزل کی تعمیر کریں اور جماعت وجمعہ کا شرعی طور پر اہتمام کریں۔

لیکن مسجد سے باہر کوئی ایسا ہال یا میدان میسر نہ ہو جہاں لوگ جمع ہوسکتے ہوں اوراذن عام کی صورت بھی پیدا ہو پاتی ہو تو یقیناً یہ مجبوری کی صورت ہے ایسے موقع پر ایک ہی مسجد میں امام ومؤذن کی تبدیلی کے ساتھ اوراول جمعہ کی جگہ سے تھوڑا سا انحراف کر کے جمعہ ثانی کی اجازت دی جائے گی۔

۳-گھروں میں جمعہ کاحکم:

چونکہ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں ہے، جماعت اور بنیادی طور پر اذن عام کی شرط ہے جو مسجد کے علاوہ مذکورہ مقامات پر متحقق ہوجاتی ہے اس لئے گھروں اور حجروں میں پڑھ لینے میں حرج نہیں ہے، جہاں تک بات ہے اس خطرہ و اندیشہ کی کہ بعد میں بھی گھروں میں پڑھنے کی عادت باقی رہ جائے گی، یقیناً یہ خدشہ ہے، لیکن فرضیت جمعہ کی ادائیگی کے لئے

فی الوقت کوئی اور راہ بھی نہیں ہے، اس لئے موہوم خطرہ کو نظر انداز کر کے اس فریضہ کی ادائیگی کو ترجیح دی جائے گی، فقہاء کی عبارتوں میں گھر پر جمعہ قائم کرنے کا ذکر ملتا ہے اس لئے حالات سدھرنے پر اگر موہوم خطرہ واقعی بن جاتا ہے تو وعظ ونصیحت سے اصلاح کی جائے گی۔

"وكذا السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره، فإن فتح بابها وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أولا، وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز؛لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذالايحصل إلا بالإذن العام" (ردالمحتار ۱/۶۰۱ کتاب الجمعہ طبع رشیدیہ پاکستان)۔

(ایسا ہی بادشاہ جب ارادہ کرے کہ اپنے خدام کے ساتھ اپنے گھر میں جمعہ پڑھے تو اگر گھر کا دروازہ کھول دیا اور لوگوں کو عام اجازت دے دی تو نماز جائز ہوگی عام لوگ شرکت کریں یا نہیں، اور دروازہ نہیں کھولا بلکہ بند کر دیا اور پہرہ دار بٹھا دیا کہ لوگوں کو آنے سے روکیں تو جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ سلطان کی شرط اس لئے ہے کہ جمعہ لوگوں سے فوت نہ ہو اور یہ اس وقت ہوگا جب اذن عام ہو)۔

''امدادالاحکام'' میں ہے: اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے بلکہ انتظام مقصود ہے (امدادالاحکام ۱/۵۱۷ طبع دارالعلوم کراچی)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی جماعت کے علاوہ گھروں میں بھی جمعہ کی جماعت ہوسکتی ہے۔

۴- جمعہ کے دن گھروں میں ظہر پڑھنے والوں کے لئے حکم:

جمعہ کے دن خطبہ اور نماز جمعہ شعار اسلام میں سے ہے اس شعار کو ختم کرنا یا کمزور کرنے کی جو بھی صورت ہو ممنوع وحرام ہے، اسی لئے تعدد جمعہ سے منع کیا جاتا ہے کہ ایک جگہ سب لوگ جمع ہو کر جمعہ ادا کریں گے تو شعار کا اظہار اچھے طور پر ہوسکے گا۔

اسی لئے فقہاء احناف کی تمام کتب میں بلا کسی تفریق جہاں جمعہ ہوتا ہو وہاں ظہر کی ادائیگی ایسے انداز سے جس میں معارضہ یا تقلیل جماعت کا خدشہ ہو ممنوع وحرام ہے، لہذا ایسی جگہ ظہر کی نماز بلا جماعت منفرداً منفرداً ادا کی جائے گی تاکہ تقلیل جماعت یا معارضہ کا خدشہ باقی نہ رہے۔

"كره تحريما لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة......وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنهم يصلون بغير أذان ولا إقامة

ولاجماعة"(درمختار ۱/۶۰۴ کتاب الجمعۃ طبع رشیدیہ پاکستان)(معذور،قیدی اور مسافر کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ ظہر کی نماز شہر میں جمعہ سے پہلے اور بعد میں جماعت سے ادا کرے، کیونکہ اس میں تقلیل جماعت ہے اور صورتا معارضہ ہے)۔

اسی طرح جس شہری کی نماز جمعہ فوت ہوجائے تو وہ بغیر اذان وبغیر اقامت اور بغیر جماعت نماز پڑھے گا۔

"وفي النسفية:سئل عن أهل مصر تركوا الجمعة بعذر مانع يجوز أداء الظهر بالجماعة في ذلك اليوم؟ فقال:يكره لهم ذلك ويستحب أن يصلوا وحدانا لعموم قول محمد في كتاب الصلاة"(تاتارخانیہ ۲/۵۹۰ مسئلہ:۳۳۸۶،باب صلاۃ الجمعۃ، باب المتفرقات)(سوال کیا گیا کہ اہل مصر عذر کی وجہ سے جمعہ ترک کردیں تو کیا اس دن ظہر جماعت سے پڑھنا جائز ہے؟ تو فرمایا کہ ان کے لئے مکروہ ہے،مستحب یہ ہے کہ الگ الگ پڑھیں یہی امام محمدؒ کا قول کتاب الصلاۃ میں ہے)۔

"روى ابن سماعة عن أبي يوسف يكره أن يصلى الظهر يوم الجمعة في المصر بجماعة في سجن أو غير سجن، هكذا روي عن عليؓ بخلاف القرى حيث يصلي أهلها الظهر بجماعة،وفي الخانية:بأذان وإقامة"(تاتارخانیہ ۲/۵۸۹ مسئلہ:۳۳۸۵ کتاب الجمعۃ باب المتفرقات)۔

(ابن سماعہ حضرت امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ مکروہ ہے کہ ظہر کی نماز جمعہ کے دن شہر میں جماعت سے پڑھے جیل میں اور جیل سے باہر، ایسا ہی حضرت علیؓ سے منقول ہے برخلاف قریہ کے کہ وہاں کے لوگ ظہر کی نماز جماعت سے (خانیہ میں ہے) اذان واقامت کے ساتھ پڑھیں گے)۔

بلکہ چاہئے کہ جمعہ کی نماز ہوجائے پھر ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

"وإن كان مريضا يستحب له أن يؤخر الظهر إلى أن يفرغ الإمام من الجمعة، ولو لم يؤخر لايكره، والصحيح والمقيم يؤخر ولو لم يؤخر يكره"(تاتارخانیہ ۲/۵۸۱ مسئلہ:۳۳۶۰ کتاب الجمعۃ،باب المتفرقات)۔

(اگر مریض ہو تو مستحب ہے کہ ظہر کی نماز امام کے فارغ ہونے تک مؤخر کردے،اگر مؤخر نہیں کیا تو مکروہ نہیں ہے، اور صحیح ومقیم مؤخر کرے گا اگر نہیں کیا تو مکروہ ہوگا)۔

صاحب درمختار نے تو ہر صورت میں کم از کم کراہت تنزیہی کا قول اختیار کیا ہے،"وللمريض تأخيرها إلى فراغ الإمام وكره إن لم يؤخر هو الصحيح، ظاهر قوله يستحب، أن الكراهة تنزيهية ،نهر، وعليه فما في شرح الدر للشيخ إسماعيل عن المحيط من عدم الكراهة اتفاقا محمول على نفي التحريمية"(ردالمحتار مع الدر المختار ۱/۶۰۵ کتاب الجمعۃ طبع رشیدیہ پاکستان)(مریض کو حکم ہے کہ امام کے فارغ ہونے تک ظہر کی ادائیگی کو مؤخر کرے اگر مؤخر نہیں کیا تو مکروہ ہے مصنف کا قول 'یستحب' کا ظاہر ہے کہ کراہت تنزیہی ہے(نہر) اسی بنیاد پر شیخ اسماعیل کی شرح الدر

میں محیط سے جوعدم کراہت منقول ہے وہ کراہت تحریمی کی نفی پر محمول ہے)۔

۵-کرونا میں مرنے والوں کوکفن وغسل کا مسئلہ:

کرونا وبا کا خوف اور حکومت کی جانب سے مختلف پابندیوں کے دوران نیز طبی عملہ کے بے جاہدایات ورویے سے غسل وکفن کا مسئلہ بھی متاثر ہوا ہے،اس بیماری کے زمانے میں مرنے والوں کے ساتھ عالمی ادارہ صحت کے فرمان کے مطابق طبی عملہ کا سلوک نازیبا ہوا کرتا ہے،مرنے کے بعد فوراً ایک پلاسٹک کور میں مردے کو لپیٹ دیا جاتا ہے نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ اس کو کھولنے کی اجازت دی جاتی ہے،اور جب غسل نہیں ہوپاتا ہے تو پھر نماز جنازہ کا قضیہ بھی خلجان کا شکار ہوجاتا ہے، کیونکہ جنازہ کے مختلف شرطوں میں سے ایک بنیادی شرط میت کا مغسول ہونا ہے،البتہ عذر کی حالت میں یہ فریضہ ساقط ہوجاتا ہے۔

"**شرطها ستة:إسلام الميت وطهارته مالم يهل عليه التراب......وفي القنية......الطهارة من النجاسة في ثوب وبدن ومكان، وسترالعورة شرط في حق الميت والإمام جميعا**"(درمختار ۱/ ۶۴۰ کتاب الجنائز،مطلب فی صلاۃ الجنازۃ)(نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں(ان میں سے) میت کا مسلمان ہونا اور طاہر ومغسول ہونا ہے جب تک اس پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو......قنیہ میں ہے......کپڑا بدن اور مکان کی طہارت نیز ستر عورت میت وامام دونوں کے لئے شرط ہیں)۔

''موسوعہ فقہیہ کویتیہ''میں ہے:"**شرط الحنفية فيما يلي:أولها إسلام الميت لقوله تعالى:"ولاتصل على أحدمنهم مات أبدا"، والثاني:طهارته من نجاسة حكمية وحقيقية فى البدن؛فلا تصح على من لم يغسل ولا على من عليه نجاسة، وهذا الشرط عند الإمكان، فلو دفن بلا غسل ولم يمكن إخراجه إلا بالنبش سقط الغسل**"(الموسوعۃ ۱۶/ ۱۹ مادہ:جنازہ)۔

(حنفیہ نے مندرجہ ذیل شرطیں لگائی ہیں:اول:میت کا مسلمان ہونا اللہ تعالی کے ارشاد''ولاتصل علی أحد ......الخ''کی وجہ سے،ثانی:میت کے بدن کا نجاست حکمیہ حقیقیہ سے پاک ہونا ہے،پس جس کو غسل نہیں دیا گیا اس کی نماز جنازہ نہیں ہے اور نہ اس کی نماز جنازہ صحیح ہے جس کے جسم پر نجاست ہو، نیز یہ شرط اس وقت ہے جبکہ حدالامکان میں ہو، پس اگر بغیر غسل دفن کردیا گیا اور اس کو نکالنا بلا کھودے ہوئے ممکن نہیں تو غسل ساقط ہوجائے گا)۔

حنابلہ وشافعیہ کی بھی یہی رائے ہے،علامہ شیرازی لکھتے ہیں:"**غسل الميت فرض على الكفاية لقوله ﷺ في الذي سقط عن بعيره: أغسلوه بماء وسدر**"(المہذب ص ۴۳۶ باب غسل المیت)(میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے حدیث کی وجہ سے:ایک شخص اونٹ سے گر کر مر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو پانی و بیری سے غسل دو)۔

"ومن شرط صحة صلاة الجنازة الطهارة وستر العورة؛لأنها صلاة فشرط فيها الطهارة وستر العورة كسائر الصلوات"(المہذب رص ۴۵۲، کتاب الجنائز، غسل المیت) (نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے میت کا طاہر ہونا اور ستر عورت ہے، اس لئے کہ یہ نماز ہے پس اس میں طہارت اور ستر عورت کی شرط دیگر نمازوں کی طرح ہوگی)۔

"وقد وافق الحنابلة الحنفية على اشتراط اسلام الميت وطهارته وستر عورته وحضوره بين يدي المصلي من الشروط التي ترجع إلى الميت"(موسوعہ فقہیہ: مادہ: جنازہ) (حنابلہ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے میت کے مسلمان، طاہر، مستور العورۃ اور مصلی کے سامنے ہونے والی شرائط میں جو میت کی جانب لوٹتی ہیں)۔ البتہ شہید اس بابت مستثنی ہیں ان کو بلا غسل دفن کیا جائے گا۔

موجودہ حالات میں جبکہ نعش ایک لفافہ میں ڈال کر دی جاتی ہے اتنی مہلت نہیں دی جاتی کہ غسل دیا جائے اور نہ اس کو کھولنے کی اجازت ہوتی ہے اس کی خلاف ورزی پر مختلف قسم کی چارہ جوئی اور جواب دہی کا سامنا ہوتا ہے تو ایسے میت کی نماز جنازہ کس طرح پڑھی جائے کیا اس کو تیمّم دیا جائے یا جبیرہ پر جس طرح مسح کیا جاتا ہے اسی طرح بھیگے ہاتھ پھیر دیئے جائیں یا بلا غسل ہی نماز پڑھ لی جائے؟

تیمّم کرانے کا حکم بظاہر سمجھ میں نہیں آتا ہے اس لئے کہ تیمّم کا تعلق سیدھے جسم سے ہوا کرتا ہے لفافہ کی وجہ سے میت کا جسم مستور و محجوب ہوجاتا ہے جس سے جسم پر مسح کے بجائے کور اور تھیلے پر مسح ہوتا ہے۔

"الثامن منها(من شروط التيمم)زوال ما يمنع المسح على البشرة كشمع وشحم؛لأنه يصيربه المسح عليه لا على الجسد" (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ۱۲۱، کتاب الطہارۃ، باب التیمّم طبع دار الکتب بیروت) (تیمّم کے صحیح ہونے کی آٹھویں شرط یہ ہے کہ کھال پر مسح کے مانع شئ موجود نہ ہو جیسے موم یا چربی، اس لئے کہ اس وقت مسح اس حال پر ہوگا جسم پر نہیں)۔

اسی طرح ایسا نہیں لگتا ہے کہ اس تھیلے کا حکم جبیرہ کا ہو، کیونکہ جبیرہ کے عمومی احوال و مسائل سے ایسا لگتا ہے کہ یہ اس وقت محسوس ہوتا ہے جبکہ اس کا کچھ حصہ بلکہ اکثر حصہ مغسول ہو، اگر اکثر حصہ نا قابل غسل ہو تو حکم تیمّم کا ہوتا ہے، اثر حصہ قابل غسل ہے بعض حصہ نا قابل غسل ہے تو حکم مسح علی الجبیرہ کا ہوتا ہے۔

"ولو كان أكثر البدن أو نصفه جريحا تيمم، وإن كان أكثره صحيحا غسل ومسح الجريح ولا يجمع بين الغسل والتيمم" (مراقی الفلاح رص ۱۲۱ کتاب الطہارۃ باب التیمّم) (اگر بدن کا اکثر حصہ یا نصف مجروح ہو تو تیمّم کرے اور اگر اکثر حصہ صحیح ہو تو غسل کرے اور مجروح والے حصہ کو مسح کرے، غسل و تیمّم کو جمع نہ کرے)۔

اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو غسل کا حکم ہے یا تیمّم کا، مسح چونکہ غسل ہی کے حکم میں ہے اس لئے جہاں غسل ممکن نہ ہو اس حصہ کا مسح ہوگا مگر اصل حکم غسل کا تحقق فی نفسہ ومن جملہ ہونا ضروری ہے، زیر بحث مسئلہ میں غسل ناممکن ہے اس لئے حکم تیمّم کا ہونا چاہئے، مگر تیمّم جسم کے ساتھ خاص ہے جو کہ یہاں مفقود ہے اس لئے تعذر کی صورت ہوگئی، لہذا ایسے میت کی نماز جنازہ بلا غسل ومسح پڑھی جائے گی، اس کی نظیر مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

”من به وجع رأس لا يستطيع معه مسحه محدثا ولا غسله جنبا ففي الفيض عن غريب الرواية يتمم، وأفتى قاري الهداية أنه ليسقط عنه فرض مسحه، ولو عليه جبيرة ففي مسحها قولان أنه يسقط غسله فيمسحه ولو على جبيرة إن لم يضره وإلا سقط أصلا وجعل عادما لذلک العضو حكما كما فى المعدوم حقيقة“ (درمختار ۱/۱۹۱ باب آخر التیمّم) (جس کے سر میں ایسا درد ہو کہ حالت حدث میں مسح نہیں کر سکتا ہو اور حالت جنابت میں غسل نہ کر سکتا ہو تو غریب الروایۃ سے فیض میں منقول ہے کہ تیمّم کرے گا، قاری الہدایہ (علامہ سراج الدین) نے فتوی دیا ہے کہ اس سے مسح کا فریضہ ساقط ہو جائے گا، اور اگر اس پر جبیرہ ہو تو اس پر مسح میں دو قول ہیں اور اس کا غسل ساقط ہو جائے گا پس مسح کرے اگر چہ جبیرہ پر ہو بشرطیکہ مضر نہ ہو ورنہ بالکل ساقط ہوگا، اور اس عضو کو معدوم سمجھا جائے گا جیسا کہ حقیقتا معدوم ہو)۔

”جزم الدارمي وغيره: أن من تعذر غسله صلى عليه، قال الدارمي: وإلا لزم أن من أحرق فصار ردما أو أكله السبع لم يصل عليه ولا أعلم أحدا من أصحابنا قال بذلک“ (مغنی المحتاج ۲/۷ ۳۴ کتاب الجنائز، بحث: یشترط لصحۃ الصلاۃ تقدم الغسل) (دارمی وغیرہ نے جزما یہ بات کہی ہے کہ جس کا غسل متعذر ہو تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، دارمی کہتے ہیں (اپنے مسلک شافعیہ کے مطابق) ورنہ لازم آئے گا کہ جو شخص جل کر راکھ ہو جائے یا درندے نے کھالیا ہو تو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی (یعنی غائبانہ) مجھے نہیں معلوم کہ کسی فقیہ شافعی نے یہ بات کہی ہو)۔

”ولو قطعت يداه ورجلاه من المرفق والكعب وبوجهه جراحة صلى بغير طهارة ولايتمم ولا يعيد وهو الأصح“ (الدر المختار ۱/۵۶۴، کتاب آخر المریض قبیل باب سجود التلاوۃ) (اگر کسی کے دونوں ہاتھ کہنی سے اور دونوں پاؤں ٹخنے سے کٹے ہوں نیز چہرہ پر زخم ہو تو بغیر وضو نماز پڑھے گا اور تیمّم نہیں کرے گا اور نہ بعد میں نماز کا اعادہ کرے گا یہی صحیح ہے)۔

جو حکم نمازی کے لئے نماز پڑھنے کی بابت ہے وہی حکم میت کے لئے اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلے میں ہوا کرتا ہے۔

الف-قبر نماز جنازہ:

اگر ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا ہو تب تو قبر پر نماز کی اجازت نہیں ہوگی، مگر بلا غسل وبلا جنازہ اگر دفن کر دیا گیا ہے تو نعش پھٹنے سے پہلے تک قبر نہ نماز ہو سکتی ہے احادیث مبارکہ میں مختلف واقعات ملتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ ادا کی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱-"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ مر بقبر دفن ليلا، فقال:متى دفن هذا؟فقالوا:البارحة، قال: أفلا آذنتموني؟قالوا:دفناه في ظلمة الليل فكرهنا أن نوقظك،فقام فصففنا خلفه"(بخاری۱/۱۷۶ کتاب الجنائز، باب صفوف الصبیان مع الرجال)۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کا گزر ایک قبر پر ہوا جس میں رات کو دفن کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا: کب دفن کیا گیا؟ تو صحابہ نے بتایا: گزشتہ رات، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے خبر کیوں نہیں کی؟ صحابہ نے فرمایا: ہم نے رات کی تاریکی میں دفن کر دیا، اچھا نہیں سمجھا کہ آپ ﷺ کو جگائیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہوئے، ہم نے آپ کے پیچھے صف لگالی)۔

"قال الشعبی:أخبرني من مر مع النبی ﷺ على قبر منبوذ فأمهم وصفوا عليه "(بخاری۱/۱۱۸، کتاب الأذان باب وضوء الصبیان ومتی یجب علیہم الغسل الخ)(شعبی کہتے ہیں کہ اس شخص نے خبر دی جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لقیط کی قبر سے گزرے تھے تو حضور ﷺ نے امامت کی اور لوگوں نے قبر پر صف بنائی)۔

"عن عقبة بن عامر أن النبي ﷺ خرج لوما فصلى على أهل أحد صلاته على الميت ثم الضرف إلى المنبر فقال:إني فرط لكم وأنا شهيد عليكم"(بخار۱/۱۷۹ کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی الشہید)۔

(حضرت عقبہ فرماتے ہیں: اللہ کے نبی ﷺ ایک دن نکلے اور اہل احد پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر منبر پر آئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں اور شاہد ہوں)۔

"عن سهل بن حنيف أنه قال:اشتكت امرأة بالعوالي يسكينة، فكان النبي ﷺ يسألهم عنها وقال: إن ماتت فلا تدفنوها حتى أصلي عليها، فتوفيت فجاؤوا بها إلى المدينة بعد العتمة فوجدوا رسول الله ﷺ قدنام، فكروا أن يوقظوه فصلوا عليها ودفنوهاببقيع الغرقد،فلما أصح رسول الله ﷺ جاؤوا فسألهم عنها، فقالوا:قد دفنت يارسول الله!وقد جئناک فوجدناک نائما فكرهنا أن لذقظک قال:فانطلقوا فانطلق يمشي ومشوا معه حتى أروه قبرها، فقام رسول الله ﷺوصفوا وراء ه

فصلی علیها و کبر اربعا"(نسائی: کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی الجنازۃ باللیل ۱۹۶۹)۔

(حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ عوامی مدینہ میں مسکینہ نامی عورت بیمار ہوگئی رسول اللہ ﷺ لوگوں سے اس کے متعلق پوچھتے رہتے، اور فرمایا: اگر مرجائے تو اس وقت تک دفن مت کرو جب تک میں نماز نہ پڑھ لوں، پس اس کا انتقال ہوگیا، لوگ میت کو مدینہ لے کر عشاء کے بعد آئے، رسول اللہ ﷺ سو چکے تھے، تو انہوں نے اچھا نہیں سمجھا کہ آپ کو جگائیں چنانچہ ان لوگوں نے نماز پڑھ کر جنت البقیع میں دفن کر دیا، جب صبح ہوئی اور لوگ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے اس خاتون کے متعلق معلوم کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! وہ تو دفن کردی گئی، ہم لوگ آپ کے پاس آئے تھے مگر آپ امام فرما رہے تھے ہم لوگوں نے جگانا اچھا نہیں سمجھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چلو! پس اللہ کے رسول ﷺ چلے، ساتھ میں صحابہ تھے یہاں تک کہ اس کی قبر دکھائی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے صف لگائی اور اس پر نماز پڑھی جس میں چار تکبیر کہی)۔

"عن أبي هريرة أن امرأة سوداء كانت تعمر المسجد ففقدها رسول الله ﷺ فسأل عنها بعد أيام فقيل له: إنها ماتت، قال: فهلا آذنتموني، فأتى قبرها فصلى عليها"(ابن ماجہ: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصلاۃ علی قبر: ۱۵۲۷)۔

(حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک سیاہ رنگ کی خاتون مسجد میں جھاڑو دیتی تھی، اس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پایا، تو کچھ دنوں کے بعد پوچھا تو کہا گیا کہ وہ انتقال کر گئی، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے خبر کیوں نہیں کی، پھر آپ ﷺ قبر کے پاس آئے اور نماز پڑھی)۔

یہ چند واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر میت کی نماز جنازہ کسی وجہ سے نہیں ہوئی تو قبر پر نماز ہوسکتی ہے، فقہاء نے بھی یہی بات لکھی ہے:

"مالم يهل عليه التراب فيصلى على قبره بلا غسل، وإن صلى عليه أولا ثم تذكروا أنه دفن بلا غسل استحسانا؛ لأن تلك الصلاة لم يعتدبها لترك الطهارة مع الإمكان وسقطت فريضة الغسل"(الردمع الدرالمختار ۱/ ۶۴۰ کتاب الصلاۃ، مطلب فی صلاۃ الجنازۃ)۔

(جب تک مٹی نہ ڈالی گئی ہو(غسل ضروری ہے مگر مٹی ڈال دینے کے بعد) اس کی قبر پر نماز پڑھے بلا غسل اگرچہ پہلے نماز ہو چکی ہو پھر یاد آیا ہو کہ بلا غسل دفن کیا گیا ہے(نماز کا یہ حکم) استحسانا ہے، اس لئے کہ(غسل کے بغیر) نماز غیر معتبر ہے امکان کے باوجود طہارت کے ترک کرنے کی وجہ سے، اور اب امکان ختم ہو چکا ہے اور غسل کا فریضہ ساقط ہو چکا ہے)۔

”وإن دفن وأهيل عليه التراب لغير صلاة أو بها بلاغسل أو ممن لا ولاية له صلى على قبره استحسانا، أي:افتراضا في الأولين وجوازا فى الثالثة:لأنها لحق الولى “(الردمع الدر المختار ۱/ ۶۵۲، کتاب الجنائز طبع رشیدیہ)۔

(اگر دفن کر دیا گیا، اور مٹی ڈال دی گئی بغیر نماز کے یا نماز بلا غسل کے، یا ان لوگوں نے نماز پڑھی جو ولی نہیں ہیں تو قبر پر استحسانا نماز ہوگی، مطلب یہ ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں بطور فرض، اور تیسری صورت میں بطور جواز، اس لئے کہ یہ ولی کے حق کی وجہ سے ہے)۔

کب تک پڑھنا صحیح ہوگا اس کا مدار اس بات پر ہے کہ میت کا بدن کب تک صحیح سالم رہتا ہے، اس کا فیصلہ احوال و زمان کے لحاظ سے کیا جائے گا، فقہاء لکھتے ہیں:

”مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح؛لأنه يختلف باختلاف الأوقات حرا وبردا؛والميت سمنا وهزالا؛ولاأمكنة،وقيل:يقدر بثلاثه أيام وقيل:عشرة،وقيل شهر، وظاهره: أنه لو شك في تفسخه صلى عليه، لكن في النهر عن محمد:لا،كأنه تقديما للمانع“(الردمع الدر المختار ۱/ ۶۵۲ کتاب الجنائز طبع رشیدیہ)۔

(جب تک ظن غالب نہ ہو کہ چھٹ گیا ہو، اس کا کوئی وقت متعین نہیں ہوگا یہی اصح ہے، اس لئے کہ تفسخ اوقات کے گرم وٹھنڈا ہونے، اور میت کے موٹے، دبلے ہونے، غیر قبر کی جگہ کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے، اور کہا گیا ہے کہ تین دنوں کی تعیین کی جائے گی، یہ بھی کیا گیا ہے کہ میں دنوں کی تعیین ہوگی، بعض نے کہا: ایک ماہ کی تعیین کی جائے گی۔

اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر تفسخ میں شک ہو تو اس کی نماز ہوگی، لیکن نہر میں امام محمد سے بھی منقول ہے گویا کہ مانع نماز کو مقدم کر کے یہ حکم دیا گیا ہے)۔

ب-اگر قبر کا علم نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

بعض اوقات انتظامیہ عملہ دفن کر دیتا ہے، گھر والوں کو صرف اطلاع دینا کافی سمجھتا ہے کہ تمہارے مرحوم کی موت ہو چکی ہے اور تدفین بھی، قبر کا پتا نہیں ہوتا ہے ایسی صورت میں اس مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا حنفیہ کے یہاں جائز نہیں ہوگا، ذخیرہ احادیث میں شاہ حبشہ حضرت نجاشیؓ کی موت پر رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کو جمع کرنا اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے، ایک دو واقعات اور بھی ہیں جن میں آپ ﷺ نے نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہے، مگر حنفیہ کے یہاں یہ تمام واقعات یا تو لغوی صلاۃ، یعنی دعائے مغفرت پر محمول ہیں یا ان تمام میں کشف میت ہوا تھا جیسا کہ روایت سے

ثابت ہے تو میت ہر چند کہ مصلیوں سے دور تھی اور محجوب تھی مگر امام کے سامنے تھے اور مکشوف تھی نیز صلاۃ علی المیت کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ امام کے سامنے میت ہو ہر مصلی کے سامنے ہونا تو کسی بھی جنازہ میں ممکن نہیں ہے اس لئے ان واقعات پر قیاس کر کے غائبانہ نماز کی اجازت نہیں دی جائے گی، وجہ یہ بھی ہے کہ ان تین واقعات کے علاوہ بہت سی ایسی اموات ہوئیں ہیں جن کی سرے سے نماز جنازہ ہوئی ہی نہیں اور نہ ان پر غائبانہ نماز پڑھی گئیں حالانکہ وہ مرحومین ان حضرات سے زیادہ فضیلت بھی رکھتے تھے اور مستحق بھی تھے کہ ان کی نماز ہو اصحاب بیر معونہ اور اصحاب رجیع زمانہ نبوی کے ان ہی واقعات میں سے ہیں جن کی شہادت نے رسول اللہ ﷺ آبدیدہ کر دیا تھا، حزن وملال کا صاف اثر چہرہ وبشرہ سے ظاہر ہو رہا تھا ان کی نماز جنازہ ہوئی نہیں تھی، اللہ کے رسول نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ تو پڑھی ہے مگر ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی ہے، ابن شہداء کے علاوہ بھی بہت سی اموات ہوئیں جن کی نماز کسی نے نہیں پڑھی، یہ سب بین ثبوت ہیں کہ اگر میت کی قبر کا علم نہ ہو تو جنازہ غائبانہ نہیں پڑھا جائے گا، ہاں ایصال ثواب کے جتنے طریقے ہیں ان میں سے جو ممکن ومیسر ہو اختیار کر کے میت کی روح کو ثواب پہنچایا جائے گا، علامہ شامی نے شاہ حبشہ حضرت نجاشیؒ پر صلاۃ کی بحث میں ذکر کیا ہے۔

”خصوصية أو لأنه رفع سريره حتى رأه عليه الصلاة والسلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الإمام وبحضرته دون المامومين، وهذا غير مانع من الاقتداء (فتح) من جملة ذلك أنه توفي خلق كثير من أصحابه ﷺ من أعزهم عليه القراء ولم ينقل عنه أنه صلى عليهم مع حرصه على ذلك حتى قال: لايموتن أحدمنكم إلا آذنتموني، فإن صلاتي عليه رحمة له“ (ردالمحتار ۱/۶۴۱ کتاب الجنائز، مطلب: ہل یسقط فرض الکفایۃ بفعل الصبی)۔

(حضرت نجاشی کا واقعہ خصوصیت پر محمول ہے، یا اس لئے کہ ان کا تخت کو اٹھایا گیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مشاہدہ کیا اپنے حضور، پس مقتدیوں کی نماز ایسی میت پر ہوئی جس کو امام دیکھ رہا ہے اور اس کے پاس ہے، مقتدیوں کے پاس نہیں ہے یہ اقتداء کے لئے مانع نہیں ہے)۔

غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر دلائل میں سے یہ ہے کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت فوت ہوئی ان میں سے سب سے زیادہ قابل عزت واحترام رسول اللہ ﷺ کے لئے قرائے صحابہ تھے لیکن منقول نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، حالانکہ آپ ﷺ جنازہ کے تعلق سے کافی حساس اور اہتمام کرنے والے تھے حتی کہ کہہ رکھا تھا کہ کسی کا بھی انتقال ہو تو مجھے خبر کرو، اس لئے کہ میری صلاۃ اس کے لئے رحمت ہے)۔

☆☆☆

کورونا کی پابندیوں کے زمانہ میں چند مسائل اور ان کا شرعی حل

مفتی راشد حسین ندوی☆

۱-الف-کورونا کے سبب متعدد جماعتوں کا حکم:

عام حالات میں مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا احناف بلکہ جمہور ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، احناف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے، البتہ مسجد طریق اور اسی طرح جس مسجد کا امام اور مؤذن مقرر نہ ہو، اس میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی گئی ہے، اس کی صراحت تمام ہی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ ''الدر المختار: ۱/ ۴۰۸-۴۰۹'' میں ہے:

''ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق أو مسجد لا إمام له.''

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: **''قوله یکرہ '' أی تحریما لقول الکافی: ''لا یجوز'' والمجمع: ''لا یباح'' وشرح الجامع الصغیر: أنه بدعة کما فی رسالة السندی.''**(ردالمحتار: ۱/ ۴۰۸)۔

البتہ اگر پہلی جماعت جس ہیئت پر ہوئی تھی اس میں دوسری جماعت کرتے ہوئے تبدیلی کردی جائے، تو امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ اس میں کراہیت نہیں ہوگی، کئی مشائخ نے اس قول کو اختیار کیا ہے، علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

''وقدمنا فی باب الأذان عن آخر شرح المنیة عن أبی یوسف أنه إذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الأولی لا تکرہ وإلا تکرہ وهو الصحیح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة، کذا فی البزازیة انتهی، وفی التتارخانیة عن الولوالجیة وبه نأخذ.''(ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/ ۴۰۹، باب الأذان: ۱/ ۲۹۱)۔

اور ''فتاویٰ ہندیہ'' میں تصریح ہے کہ اگر دوسری جماعت اذان کے بغیر کی جائے تو کراہت نہیں ہوگی:

☆ مدرسہ ضیاء العلوم-رائے بریلی۔

"المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة فی محلة فصلی أهله بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعا، وكذا فی مسجد قارعة الطريق، كذا فی شرح المجمع للمصنف."(ہندیہ ۱/۸۳)۔

بلکہ الدر المختار کی عبارت "ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة" کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بغیر اذان اور اقامت کے تکرار جماعت میں کراہت نہیں ہوگی، اسی لیے علامہ ابن عابدینؒ "بأذان و اقامة" کے تحت فرماتے ہیں:

"ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعا..الخ"(شامی:۱/۴۰۸)۔

لیکن آگے علامہ شامیؒ نے جماعت ثانیہ کی کراہت پر چند دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بغیر بھی جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہوگا:

"ومقتضى هذا الإستدلال كراهة التكرار فی مسجد المحلة، ولو بدون أذان..الخ"(شامی: ۱/۴۰۹)۔

ان عبارات سے دو اختلافات سامنے آتے ہیں:

(۱) ایک اختلاف یہ کہ اگر بغیر اذان کے جماعت ثانیہ کی جائے تو ایک روایت یہ ہے کہ کراہت نہیں ہوگی اور اجماعاً اس کا جواز ہوگا۔

(۲) دوسرا اختلاف یہ کہ اگر جماعت کی ہیئت بدل لی جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کراہت نہیں ہوگی، جبکہ امام صاحبؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی کراہت ہوگی، حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاویٰ: ۱/ص: ۳۶۲ تا ۳۷۰ وما بعد'' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ کرتے ہوئے مفتی سعید صاحب پالن پوریؒ لکھتے ہیں:

''حضرت مجیب قدس سرہ نے پہلے بحث ثانی پر گفتگو فرمائی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شیخین کے اقوال میں تعارض مانا جائے تو آداب افتاء کے پیش نظر امام صاحب کے قول پر عمل ہوگا اور اگر تطبیق کی راہ اختیار کی جائے تو وہ یہ ہے کہ امام صاحب کراہت تنزیہی کا اثبات فرماتے ہیں اور امام ابو یوسف کراہت تحریمی کی نفی فرماتے ہیں، کراہت تنزیہی ان کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہے، اسی سے بحث اول کا بھی تصفیہ ہوگیا کہ اصل کراہت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، پس جنہوں نے "جاز إجماعاً" کہا ہے، انہوں نے کراہت تحریمی کی نفی ہے اور جنہوں نے کراہت ثابت کی ہے، ان کی مراد اس سے کراہت تنزیہی ہے'' (امداد الفتاویٰ: ۱/۳۶۶۔حاشیہ)۔

دوسرے ائمہ کا مسلک:

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ احناف کے ساتھ جمہور کا بھی مسلک یہی ہے کہ جماعت ثانیہ مکروہ ہے، چنانچہ ''المغنی'' اور ''المجموع'' میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ وغیرہم کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے، لیکن امام احمد بن حنبلؒ اور کئی حضرات کے نزدیک تکرار جماعت میں کراہت نہیں ہے، بلکہ جماعت ثانیہ افضل اور مستحب ہے:

"ولا تكره إعادة الجماعة فى غير مسجد الثلاثة، معنى إعادة الجماعة (إلى) استحب لهم أن يصلوا جماعة وهذا قول ابن مسعود وعطاء والحسن والنخعي واسحاق، وقال مالك والثوري والليث وأبوحنيفة والشافعي: لا تعاد الجماعة فى مسجد له إمام راتب..الخ" (۲/۷-۸) وکذا فی المجموع: ۴/۸۵)۔

دلائل:

مجوزین کا استدلال ان احادیث سے ہے جن سے جماعت ثانیہ کی اجازت معلوم ہوتی ہے:

"عن أبى سعيد الخدري أن رسول الله ﷺ أبصر رجلا يصلى وحده فقال: ألا رجل يتصدق على هذا فيصلى معه." (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الجمع فی المسجد مرتین: ۵۷۴، سنن الترمذی، أبواب الصلاۃ، باب الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ: ۲۲۰)۔

اور مانعین نے بھی کئی دلائل پیش کیے ہیں:

(۱) **"عن عبد الرحمن بن أبى بكرة عن أبيهؓ أن رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الأنصار لتشاجر جرى بينهم، فرجع وقد صلى فى المسجد بجماعة، فخرج رسول الله ﷺ فى منزل بعض أهله، فجمع أهله فصلى بهم جماعة"** (أخرجہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط کما فی مجمع الزوائد: ۱/۱۶۰)۔

(حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے انصار کے ایک تنازع میں صلح کرانے کے لیے نکلے، تو آپ اس حال میں آئے کہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی جا چکی تھی، تو رسول اللہ ﷺ اپنی بعض ازواج کے گھر میں گئے اور گھر والوں کو اکٹھا کیا اور ان کو جماعت سے نماز پڑھائی)۔

صاحب ''بدائع'' فرماتے ہیں: **"ولو لم يكره تكرار الجماعة فى المسجد لما تركها رسول الله ﷺ مع علمه بفضل الجماعة فى المسجد."** (بدائع: ۱/۳۷۹)۔

(اگر مسجد میں جماعت کی تکرار مکروہ نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں جماعت کی فضیلت سے واقف ہوتے

ہوئے اس کو ترک نہ فرمایا ہوتا)۔

(۲)''**عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه صلوا فرادى.**'' (مصنف ابن أبي شيبة، کتاب الصلاۃ، باب من قال يصلون فرادى ولا يجمعون:'' (۱۸۸/۷)۔

(حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ جب ایسے حال میں مسجد میں آتے تھے کہ اس میں نماز پڑھی جا چکی ہو تو وہ فرداً فرداً نماز پڑھتے تھے، جماعت نہیں کرتے تھے)

(۳)اس کی عقلی توجیہ کرتے ہوئے علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

''**ولأن في الإطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى. .الخ**''(ردالمحتار:۱......۴۰۹، بدائع الصنائع:۱/ ۳۸۰)۔

(نیز اس طرح اجازت دینے سے معنوی طور پر جماعت کو کم کر دینا ہے، اس لیے کہ جب ان کو پتہ ہو کہ جماعت فوت نہیں ہوگی تو وہ اکٹھا ہی نہیں ہوں گے)

ان تفصیلات سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) ظاہر الروایہ کے مطابق اذان واقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، دوسرے کئی ائمہ بھی جماعت ثانیہ سے منع کرتے ہیں۔

(۲) امام احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے یہاں جماعت ثانیہ نہ صرف جائز، بلکہ مستحب ہے۔

(۳) امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ اگر جماعت کی پہلی ہیئت میں تبدیلی کر دی جائے، مثلاً: دوسری جماعت کا امام بجائے محراب کے الگ کھڑا ہو جائے تو کراہت نہیں ہوگی۔

(۴) راستہ کی مسجد اور ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے جس کا کوئی امام مقرر نہ ہو۔

(۵) اگر بغیر اذان واقامت کے دوسری جماعت کی جائے تو بعض روایات سے اس کا جواز اور بعض روایات سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، جس میں تطبیق یہ ہے کہ جن حضرات نے جائز کہا ہے، انہوں نے درحقیقت کراہت تحریمی کی نفی کی ہے اور جنہوں نے مکروہ کہا ہے، انہوں نے کراہت تنزیہی کا اثبات کیا ہے۔

(۶) دلائل دونوں فریق کے پاس احادیث سے موجود ہیں، لیکن ان دلائل پر کافی کلام کیا گیا ہے، جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

(۷) احناف نے جو عقلی دلیل دی ہے وہ کافی مضبوط ہے، یعنی اگر مطلقاً اجازت دے دی جائے تو تقلیل جماعت ہوگی اور جماعت کی اہمیت دلوں سے جاتی رہے گی، لوگ اطمینان سے اس خیال سے بیٹھ جائیں گے کہ جماعت اولیٰ چھوٹ

بھی گئی تو بعد میں جماعت کرلیں گے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے تفصیل کرتے ہوئے کہا کہ اہل محلّہ کے لیے جماعت ثانیہ مکروہ ہے، لیکن اگر مسافروں سے جماعت فوت ہوجائے تو ان کے لیے جماعت ثانیہ کرنا مکروہ نہیں ہوگا (کتاب النوازل: ۵۱۰/۴)۔

خلاصہ بحث:

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہی روایات اور دلائل کی روشنی میں اگر کسی ناگزیر ضرورت کے پیش نظر جماعت ثانیہ کی جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہیے، اس لیے کہ فقہاء نے کراہت کی تعلیل تقلیل جماعت سے کی ہے، وہ علت یہاں مفقود ہے، لیکن زیادہ بہتر ہوگا کہ دوسری جماعت میں پہلی جماعت والی ہیئت بدل دی جائے، تاکہ امام ابویوسفؒ کے قول کے پیش نظر مزید اطمینان ہو اور اس کی مسلسل وضاحت کی جائے کہ ایسا خاص حالات کی وجہ سے کیا جارہا ہے، ورنہ اصلاً ایسا کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے، بلکہ اگر ممکن ہو تو دوسری جماعت مسجد میں کرنے کے علاوہ کہیں الگ کی جائے۔

ب- ازدحام کے سبب دوسری جماعت:

جب دوسری جماعت کی ناگزیر حالات میں اجازت ہے تو اس سے واضح طور پر جانا جاسکتا ہے کہ بعض شہروں میں عام حالات میں بھی ازدحام کے سبب دوسری جماعت کرنے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ یہاں بھی دوسری جماعت میں کراہت کی اصل علت یعنی تقلیل جماعت مفقود ہے، لیکن پہلے اس کی کوشش کی جائے کہ کسی الگ ہال وغیرہ میں دوسرا جمعہ قائم کرلیا جائے، تکرار جماعت جمعہ کی اجازت ناگزیر حالات ہی میں دی جائے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے جمعہ کی جماعت ثانیہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تفصیلاً مختلف نصوص نقل کرنے کے بعد (جن کا کچھ حصہ (الف) کے تحت گزرچکا ہے) لکھتے ہیں:

’’ان نظائر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ شریعت میں اقامت جمعہ کی جو اہمیت ہے، فقہاء نے اپنے اجتہادات میں اس کو بڑی اہمیت دی ہے، اس لیے تکرار جماعت کی کراہت سے بڑھ کر یہ ہے کہ کچھ مسلمان جمعہ کی سعادت سے محروم ہوجائیں، لہٰذا راقم الحروف کی رائے ہے کہ:

(الف) اولاً تو مسجد کے ذمہ داران اس بات کی کوشش کریں کہ جمعہ کے لیے مستقل طور پر کوئی ہال حاصل ہوجائے۔

(ب) جب تک یہ سہولت حاصل نہ ہو، تکرار جماعت ہی کے ذریعہ سہی، مسلمانوں کو جمعہ سے محروم نہ ہونے دیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے ان کی دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر مرتب ہوگا۔

(ج) صورت یہ ہو کہ صرف پہلی جماعت سے پہلے اذان اور اقامت ہو، دوسری یا تیسری جماعت کے لیے اذان اور اقامت نہ کہی جائے، تاکہ اس قول کے مطابق کہ ’’دوسری جماعت بغیر اذان و اقامت کے درست ہے‘‘ تکرار جماعت درست قرار پائے۔

(د) پہلی جماعت میں امام جہاں کھڑا ہو، دوسری جماعت میں اس سے کسی قدر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اور دوسری جماعت میں امام کی جو جگہ ہو، تیسری جماعت میں امام اس سے بھی ہٹ کر نماز پڑھائے، اس طرح تغیر ہیئت کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، جو امام ابو یوسفؒ کے قول پر مکروہ نہیں ہے۔

(ھ) یہ بات بھی مناسب ہوگی کہ مسجد کا مقررہ امام آخری جماعت کی امامت کرے، تاکہ اس کا شمار اہل محلّہ کی جماعت میں ہو اور پہلی جماعتوں کا شمار غیر اہل محلّہ کی جماعتوں میں ہو اور غیر اہل محلّہ کی جماعت کے بعد بھی اہل محلّہ کی جماعت بالاتفاق درست ہے‘‘ (کتاب الفتاوی: ۳/۸۰-۸۱)۔

اس عبارت میں دوسری جماعت بغیر اذان و اقامت کرنے کو پسندیدہ کہا گیا ہے، صاحب الدر المختار اور صاحب رد المحتار کی عبارات سے یہی حکم ظاہر ہو رہا ہے: ’’ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة.‘‘۔

اور حاشیہ میں علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: ’’ولو کرر بدونهما... جاز إجماعا.‘‘ (شامی: ۱/۴۰۸)۔

لیکن ’’ہندیہ‘‘ میں صراحت سے ہے کہ اگر اذان کے بغیر تکرار ہو تو بالاجماع مباح ہے، اس میں اقامت کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اقامت کہنا جائز ہونا چاہیے: ’’أما إذا صلوا بغير أذان جاز إجماعا‘‘ (ہندیہ ۱/۸۳)۔

اور مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ شرح الوقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں فرماتے ہیں:

’’قوله ترک واحد منهما (إلى أن قال) فإن دخل مع رفقائه فی مسجد قد صلى فيه بأذان وإقامة وصلى مع الجماعة لم يؤذن ولا بأس بالإقامة، بل هو الأفضل بناء على أن تكرار الأذان فی وقت واحد مشوش، والإقامة للحاضرين وهم فی الجماعة الثانية غير الأولين فينبغی لهم الإقامة.‘‘ (شرح الوقایۃ: ۱/۱۳۶، باب الأذان)۔

اور منبر کے سامنے ہونے والی اذان ثانی کی حیثیت بھی اقامت کی طرح ہوگئی ہے، لہٰذا جماعت ثانیہ کرتے وقت اذان ثانی اور اقامت کا اعادہ کر لینا ہی مستحب اور بہتر ہوگا، مولانا عبیداللہ اسعدی فرماتے ہیں:

’’ایک مسجد و جگہ میں ایک سے زائد جماعت کے لیے ضروری ہے کہ امام الگ الگ ہو، نیز ہر جماعت کے لیے خطبہ اور اذان خطبہ بھی ہو‘‘ (کرونا مسائل و احکام: ۵۱)۔

خلاصہ جواب یہ کہ مجمع کی کثرت ہو اور کہیں الگ جمعہ قائم کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بدرجہ مجبوری جمعہ کی جماعت ثانیہ کی جاسکتی ہے، اس کی اجازت متعدد مستند مفتیوں اور دارالافتاؤں نے دی ہے۔

۲-گھروں میں جمعہ کی جماعت:

جمعہ کی نماز کی کچھ مخصوص شرطیں ہیں، جب وہ پائی جائیں تو گھروں میں بھی جمعہ کرنا جائز ہوگا، مثلاً: ایک شرط ہے اذن عام کا ہونا، اگر گھر میں جمعہ ہو رہا ہے تو یا وہ باہری بیٹھک والے کمرہ میں ہو، یا گھر کے اندر بھی اس انداز سے ہو کہ کوئی بھی وہاں آسکتا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ جس جگہ جمعہ پڑھ رہے ہیں وہ شہر قصبہ یا بڑا گاؤں ہو، چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ گھر تو کیا مسجد میں بھی جائز نہیں، تیسری شرط یہ ہے کہ امام کے علاوہ تین ایسے مقتدی ہوں جن کی امامت سے جمعہ پڑھا جاسکتا ہو، چنانچہ مقتدی بچے ہوں یا عورتیں ہوں تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا، چوتھی شرط یہ ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ ہو:

”**ويشترط لصحتها سبعة أشياء الأول: المصر.. والثاني: السلطان.. والثالث: وقت الظهر.. والرابع: الخطبة فيه.. والخامس: كونها قبلها.. بحضرة جماعة تنعقد الجمعة بهم... والسادس: الجماعة.. وأقلها ثلاثة رجال سوى الإمام.. والسابع: الإذن العام.**“(الدر المختار علی حاشیۃ رد المختار: ۱/ ۵۸۹-۶۰۰)۔

یہ سب شرطیں نیز فقہاء کی بیان کردہ دوسری شرطیں پائی جائیں، تو گھروں میں جمعہ جائز ہوگا، اس لیے کہ تعدد جمعہ کی اجازت دی گئی ہے اور نماز جمعہ کے لیے مسجد ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی ہے: ”**وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة**“(شامی: ۱/ ۵۹۵)۔

صرف اس خیال سے جمعہ کی جماعت قائم نہ کرنا کہ اس سے لوگوں کی عادتیں خراب ہو جائیں گی اور ان میں تشتت کا مزاج پیدا ہو جائے گا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ جمعہ نہ قائم کرنے میں اس سے بھی بڑی خرابیاں اور مفاسد ہیں، جمعہ ایسے بہت سے لوگ پڑھ لیتے ہیں جو پنج وقتہ نماز کے پابند نہیں ہوتے، اس طرح ان کا دین سے ایک رشتہ قائم رہتا ہے، جمعہ بند کردینے سے یہ رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا اور تشتت کا اندیشہ اس لیے نہیں ہے کہ سب حالات کی نزاکت اور جمعہ قائم کرنے کی مجبوری سمجھتے ہیں، چنانچہ لاک ڈاؤن ختم ہونے کے ساتھ ساتھ گھروں میں جمعہ کا سلسلہ بھی موقوف ہو گیا، البتہ بعض چھوٹی مساجد میں جہاں اس دوران جمعہ شروع ہوا تھا پہلے نہیں ہوتا تھا، ضرور اب بھی جمعہ پڑھا جا رہا ہے، اسی لیے اکثر علماء نے گھروں میں جمعہ کی اجازت دی، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے جو ہدایات جاری کی گئی تھیں اس کے صفحہ ۲/ پر ہے:

”**ب**: محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ نہ ادا کرسکیں اور وہ اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر اذن عام کے ساتھ جمعہ قائم کرسکتے ہوں، یعنی آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کردی جائے،

تا کہ جو کوئی جمعہ میں آنا چاہے آسکے، اگر چہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کر دیا جائے، تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لے کر مختصر خطبہ اور مختصر قراءت کے ساتھ جمعہ ادا کریں اور اگر کسی جگہ انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو تو جمعہ سے پہلے زبانی بات چیت کے ذریعہ انہیں اعتماد میں لیا جائے۔''

مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب لکھتے ہیں: ''جمعہ بغیر جماعت کے نہیں ہوسکتا اور حنفیہ کے یہاں اس کے لیے کم از کم چار افراد- عاقل بالغ مرد- کا ہونا معروف قول کے مطابق ضروری وکافی ہے، لہٰذا کسی گھر یا کسی جگہ اگر چار عاقل بالغ مرد موجود ہیں تو وہ جمعہ ادا کر سکتے ہیں، ایک امام اور تین مقتدی۔'' (کرونا مسائل واحکام: ۴۸)۔

جامعہ بنوری ٹاؤن نے بھی گھر میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے (یہ فتویٰ آن لائن موجود ہے)۔

۳- جو جمعہ نہ پڑھ سکیں وہ کیا کریں؟

جو لوگ جمعہ کی نماز مسجد میں ادا نہ کرسکیں، نہ ہی گھر میں جمعہ قائم کرسکیں تو وہ ظہر کی نماز پڑھیں گے، اتنی بات تو متفقہ ہے، پھر اختلاف اس میں ہے کہ ظہر کی نماز جماعت سے ادا کریں گے یا تنہا پڑھیں گے؟ علماء احناف کا عام فتویٰ یہی ہے کہ وہ انفرادی طور سے ظہر کی نماز ادا کریں گے، یہی بات دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں بھی موجود ہے، فرماتے ہیں:

''شہر قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لیے جمعہ کا نظم نہ ہوسکے، یا وہ کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں، وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے جماعت کے ساتھ نہیں، کیونکہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علماء دیوبند کے فتاویٰ میں ایسا ہی ہے اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے اور جو لوگ ظہر باجماعت کی اجازت دیتے ہیں، ان کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتویٰ کا عدم اطمینان بجا ہے۔'' (صفحہ ۳)۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ فقہاء احناف کی تمام معتبر کتابوں میں جمعہ کے دن معذورین کو ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے جماعت جمعہ سے معارضہ کی شکل نظر آتی ہے، مزید یہ کہ اس دن دو حکم دیے گئے ہیں، پہلا یہ کہ جمعہ کے لیے سعی کریں، دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ جماعت ترک کردیں، یہ معذورین پہلے حکم پر قادر نہیں ہیں، لیکن دوسرے کو انجام دے سکتے ہیں، لہٰذا ''لا يكلف الله نفسا إلا وسعها'' (سورۂ بقرہ: ۲۸۶) کے تحت ان کو ترک جماعت کا وہ کام انجام دینا چاہیے جس پر وہ قدرت رکھتے ہیں، چنانچہ صاحب ''الدر المختار'' فرماتے ہیں:

”وكره تحريما لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة فى مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة..الخ“ (الدرالمختار:۱/ ۶۰۴)۔

”(قوله وصورة المعارضة) لأن شعار المسلمين اليوم فى هذا اليوم صلاة الجمعة وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم فكان فى صورتها كراهة التحريم رحمتي.“(شامی:۱/ ۶۰۴)۔

اورعلامہ کاسانی اسی طرح کی عبارت تحریر کرنے کے بعدفرماتے ہیں:

”ولأن ساكن المصر مأمور بشيئين فى هذا الوقت بترك الجماعات وشهود الجمعة والمعذور قدر على أحدهما وهو ترک الجماعات فيؤمر بالترک.“(بدائع الصنائع:۱/ ۶۰۵)۔

اور”ہندیہ“میں تواس طرح کی عبارت کے بعدصراحت سےفرمایا گیا کہ اگرکسی وجہ سے جمعہ قائم نہ کیاجاسکےتوظہر کی جماعت مکروہ ہوگی:”وكره جماعة الظهر لأهل المصر إذا لم يجمعوا المانع.“(۱/۱۴۹)۔

ظہرکی جماعت کے جواز کاقول:

اوپر جوقول منقول ہواعمومی طور پر علماء نے اسی کواختیار کیا ہے،لیکن ایک جماعت وہ بھی ہے جو عام اور خاص حالات میں فرق کرتی ہے،اس کا کہنا ہے کہ ظہر کی جماعت عام حالات میں صورت معارضہ ہونے اورلوگوں کونماز جمعہ سے سستی برتنے سے روکنے کے لیے ہے،مذکورہ بالاعبارت میں اس کی صراحت موجود ہے،لیکن سوال یہ ہے کہ لاک ڈاؤن کے خاص حالات میں حکومت کی ممانعت اور جمعہ کاانتظام نہ ہونے کی وجہ سے جولوگ گھر میں ظہر کی جماعت کررہے ہیں،کیاان کی جماعت سے بھی موجودہ حالات میں بھی معارضہ کی شکل پیدا ہورہی ہے؟ کیا جمعہ کے لیےان کا نہ جانا غفلت کے سبب ہے؟ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ روز وہ ظہر جماعت سے پڑھیں،جمعہ کے دن بھی بقیہ نمازیں جماعت سے پڑھیں،صرف ظہر تنہا تنہا پڑھیں؟ پھر اگر جمعہ الگ الگ پڑھا جائے تو معارضہ نہیں ہےاور ظہر پڑھنے سے معارضہ ہے؟ لگتا ایسا ہے کہ یہ حکم اس زمانہ کا ہے جب شہر میں تعدد جمعہ کی ممانعت تھی،اسی لیے مساجد کے بند کرنے کا بھی ذکر موجود ہے،لہٰذاعام حالات میں تو گھر میں نہ جمعہ کی جماعت قائم کرنی چاہیے نہ ظہر کی،لیکن خاص حالات میں اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے، جب کہ اجازت کے لیے وہ تمام آیات اوراحادیث ذکر کی جاسکتی ہیں جو جماعت کی فضیلت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں،مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نےتفصیل سےاس طرح کی باتیں بیان کرنے کے بعداور دوسرے مسالک میں اس کے جواز کی بات نقل کرنے کے بعداخیر میں فرماتے ہیں:

”لہٰذا موجودہ خاص صورت حال میں باجماعت ظہرادا کرنے کی اجازت دینی چاہیے کہ جمعہ کےمحل میں کچھ حق

جمعہ کسی شکل میں ادا ہو جائے'' (کرونا مسائل واحکام:۵۶)۔

اور اسی صفحہ کے حاشیہ میں نقل کیا کہ یہی رائے مولانا تقی عثمانی صاحب اور پاکستان کے بعض دوسرے علماء کی بھی ہے۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن اکثر علماء نے ظہر کی جماعت کو گھر میں بھی قائم کرنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، کچھ نے اجازت دی ہے، کتب فقہیہ کی ظاہری عبارات کے اعتبار سے اکثر علماء کا موقف زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن ان عبارات کی اصل علت اور حالات کی نزاکت نیز مصلحت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے دوسری رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، لہٰذا راقم بھی دوسری رائے کی تائید کرتا ہے۔

۴-کورونا کی میت کی تجہیز وتکفین:

میت کو غسل دلانا اور اس کی تجہیز وتکفین کرنا عام حالات میں واجب کفائی ہے، یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے جس پر دلائل بھی دینے کی ضرورت نہیں ہے:

"غسل الميت حق واجب على الأحياء بالسنة وإجماع الأمة، كذا في النهاية، ولكن إذا قام به البعض سقط عن الباقين، كذا في الكافي." (ہندیہ۱/۱۵۸)۔

اور تکفین کے بارے میں فرماتے ہیں: **"وهو فرض على الكفاية."** (ہندیہ:۱/۱۶۰،شامی:۱/۶۳۶)۔

لہٰذا اگر حکومت کی طرف سے اجازت ہو تو غسل بھی دلایا جائے اور کفن بھی دلایا جائے اور الحمدللہ اس پر عمل بھی ہوتا ہے، البتہ اس سلسلہ میں جو ہدایات دی جاتی ہیں ان کا خیال رکھا جائے، حکومتی اور طبی ہدایات کو نظر انداز کرنا صحت کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے اور خواہ مخواہ تعزیر کا بھی خطرہ رہے گا۔

اور اگر غسل دلانا ممکن نہ ہو لیکن تیمّم کرایا جا سکتا ہو تو تیمّم کرا دیا جائے، اس لیے کہ خاص مواقع میں اس کی اجازت دی گئی ہے اور یہ بھی ایک خاص حالت ہے، چنانچہ مرد کو غسل دلانے کے لیے مرد اور عورت کو غسل دلانے کے لیے عورت موجود نہ ہو تو تیمّم کرانے کی اجازت دی گئی ہے:

"ماتت بين رجال أو هو بين نساء يممه المحرم..الخ" (شامی:۱/۶۳۵،ہندیہ:۱/۱۶۰)۔

اور اگر نہ غسل دلانا ممکن ہو، نہ تیمّم کرانا ممکن ہو تو ان کے بغیر بھی کیا نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ نماز جنازہ کے جواز کے لیے میت کا پاک ہونا شرط ہے اور شرط کے نہ پائے جانے پر نماز کی اجازت نہ ہونی چاہیے، لیکن مندرجہ

ذیل دلائل کی وجہ سے غسل وتیمّم کے بغیر بھی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہوگا:

(۱) ''الدر المختار'' میں میت کی طہارت کو نماز جنازہ کی صحت کے لیے شرط قرار دینے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اگر بغیر غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو قبر پر نماز پڑھیں گے:

''**وشرطها ستة: إسلام الميت وطهارته ما لم يهل عليه التراب فيصلى على قبره بلا غسل.**'' (شامی:۱/ ۶۴۰)۔

یہ حکم اسی لیے ہے کہ دفن کے بعد میت کو نکالنے کی اجازت شرعاً نہیں ہے، لیکن اگر نماز کا عدم جواز مطلقاً ہوتا تو یقیناً اس ضرورت کے لیے نکالنے کی اجازت ہوتی، معلوم ہوا کہ بغیر طہارت کے بھی دشواری کے وقت نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور یہاں بھی دشواری موجود ہے۔

(۲) شہید کی نماز جنازہ بغیر غسل دلائے پڑھنے کا حکم ہے، اس سے بھی استیناس کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ کورونا میں مرنے والا ان شاء اللہ اخروی احکام میں شہید ہوگا، جیسا کہ احادیث کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا ایک ضرورت کے تحت دنیوی احکام میں بھی اس کو شہید قرار دینے کی اجازت ہونی چاہیے۔

(۳) کتب فقہیہ میں صراحت کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ پیر کٹے ہوئے ہوں اور چہرے پر زخم ہوں تو وہ بلا طہارت نماز پڑھے گا اور بعد میں اسے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں ہے:

''**مقطوع اليدين والرجلين إذا كان بوجهه جراحة يصلى بغير طهارة ولا يتيمم ولا يعيد على الأصح (ولا يعيد على الأصح) لينظر الفرق بينه وبين فاقد الطهورين.**'' (شامی:۱/ ۱۸۵، ہندیہ:۱/ ۳۱)۔

دیکھئے یہاں نماز کی شرط طہارت نہیں پائی گئی، لیکن عذر کی وجہ سے نماز کی اجازت دی گئی، اسی طرح میت کا پاک ہونا اس کی نماز جنازہ کی شرط ہے، لیکن اس شرط پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں شرط کے مفقود ہونے کے باوجود نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

(۳) فاقد الطہورین مفتی بہ قول کے مطابق تشبہ بالمصلین اختیار کرے گا اور بعد میں نماز کا اعادہ کرے گا، ظاہر ہے کہ اگر بعد میں اعادہ کا موقع نہ مل سکے تو اس سے آخرت میں ترک صلاۃ پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، یہاں بھی وہی کیفیت ہے اور بعد میں اعادہ کا بھی امکان نہیں ہے، لہٰذا ''لا يكلف الله نفسا إلا وسعها'' کے تحت جنازہ پڑھ لیا جائے ان شاء اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا:

''**والمحصور فاقد الماء والتراب بأن حبس في مكان نجس ولا يمكنه اخراج تراب مطهر**

......وكذا العاجز منهما لمرض يؤخرها عنده وقالا، يتشبه بالمصلين وجوباً (إلى) به يفتى وإليه صح رجوعه.''(الدر المختار:۱/۱۸۵)۔

دار العلوم دیو بند کا فتویٰ:

یہی وجہ ہے کہ دار العلوم دیو بند کے آن لائن فتویٰ ۱۷۸۷۴۵ رمیں تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اگر کسی مسلمان کا کرونا وائرس میں انتقال ہوجائے تو عام مرحومین کی طرح اسے بھی غسل دینا ضروری ہوگا، بالخصوص جب کہ طبی اعتبار سے غسل دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو (آگے ہے) اور اگر خدانخواستہ میت کو غسل دینے کی کوئی صورت نہ بن سکے اور ہسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک کردیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو.....تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دست بردار ہوجانا یا یوں ہی نماز جنازہ کے بغیر دفن کردینا درست نہ ہوگا، بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم شرعاً ساقط ہوجائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی'' (کرونا مسائل واحکام:۱۰۴)۔

اسی طرح کی بات مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے بھی لکھی ہے۔

تکفین کا مسئلہ:

اگر طبی عملہ غسل دلانے کی اجازت دیتا ہے تب تو کفن دلانا ممکن ہے اور یہ فرض کفایہ ادا ہوجائے گا، لیکن اگر میت پیک کرکے دیتے ہیں اور اس کو کھولنے کی اجازت نہیں دیتے تو الگ سے تکفین کا وجوب ساقط ہوجائے گا، اس لیے کہ کفن کا مقصد ستر پوشی ہے اور وہ حاصل ہے۔

اور اگر طبی عملہ لاش پیک کرکے دیتا ہے، کھولنے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن کور کے اوپر سے کوئی کپڑا لپیٹنے سے منع نہیں کرتا تو کفن کا فرض اگر چہ ادا ہو چکا ہے، لیکن مناسب یہ ہوگا کہ کور کے اوپر سے کفن کی سنت پوری کردی جائے، یعنی مرد کو تین اور عورت کو پانچ کپڑوں کا مخصوص کفن دے دیا جائے، جیسا کہ فقہاء نے شہداء کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ انہی کے کپڑوں میں دفن کیا جائے، لیکن کپڑوں میں کمی بیشی کو دور کردیا جائے: ''ويزاد إن نقص ما عليه عن كفن السنة.'' (شامی: ۱/۲۷۱)۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ میت کی طہارت نماز جنازہ کی شرائط میں سے ہے اور غسل وتکفین زندوں پر فرض کفایہ ہے، لہٰذا غسل

دلانا ممکن ہوتو غسل دلایا جائے، تیمّم کرانا ممکن ہوتو تیمّم کرایا جائے،لیکن تیمّم چہرے اور ہاتھ پر ہونا چاہیے،کور کے اوپر سے تیمّم کرانے سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر یہ دونوں ممکن نہ ہوں تو طہارت میت کی شرط ساقط ہوجائے گی اور طہارت کے بغیر نماز جنازہ پڑھی جائے،کفن دینا ممکن ہوتو دیا جائے، ورنہ کور کو کفن مانا جاسکتا ہے،لیکن ممکن ہوتو کفن سنت کا اضافہ کردیا جائے۔

۵-الف: قبر پر نماز جنازہ:

اگر طبی عملہ خود سے تدفین کردے اور قبر کا پتہ بتادے تو جب تک غالب گمان ہو کہ لاش پھٹی نہیں ہوگی تب تک قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے،اگر یہ اندیشہ ہو کہ لاش پھٹ گئی ہوگی تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی،لاش پھٹنے کی کوئی مدت نہیں بتائی جاسکتی،اس لیے کہ سردی گرمی اور علاقہ نیز میت کے موٹے دبلے ہونے کے سبب اس میں بڑا فرق ہوتا ہے،البتہ اگر کوئی حتمی بات بتلانے والا نہ ہوتو ظن غالب پر عمل کیا جائے اور ظن غالب بھی نہ ہوتو تین دن تک پڑھ لی جائے، بعد میں نہ پڑھی جائے،اس لیے کہ ایک قول تین دن کی اجازت کا بھی آیا ہے:

”**ولو دفن الميت قبل الصلاة أو قبل الغسل فإنه يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم، بل يصلى عليه مالم يعلم أنه قد تمزق، كذا في السراجية.**“(ہندیہ:۱/۱۶۵،شامی: ۱/۶۴۰)۔

ب-جب قبر کا بھی پتہ نہ چلے:

اگر طبی عملہ خود سے تدفین کردے اور قبر کا بھی پتہ نہ چلے تو کیا ایسی مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ ہوسکتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے،البتہ بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے:

”**وشرطها أيضا حضوره (إلى) فلا تصح على غائب..الخ**“(شامی:۱/۶۴۱،ہندیہ:۱/۱۶۴)۔

علامہ ابن عابدینؒ نے صراحت کے ساتھ اس صورت کو بھی اس میں شامل کیا ہے، جب مجبوری کے تحت اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاسکی ہو، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کنوئیں میں گر کر مرجائے اور اس کا نکالنا ممکن نہ ہو یا اس پر کوئی عمارت گرجائے اور اس کو نکالا نہ جاسکتا ہو تو اس پر اوپر ہی سے جنازہ کی نماز پڑھ لی جائے گی، جیسا کہ قبر میں پڑھ لی جاتی ہے، پھر آگے فرمایا کہ اگر کوئی سمندر میں ڈوب کر فوت ہوجائے تو اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس لیے کہ اس کا سامنے ہونا محقق نہیں ہے:

”**بخلاف ما لو غرق فيبحر لعدم تحقق وجوده امام المصلى.**“(شامی:۱/۶۴۰)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خاص حالات میں بھی اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

اسی لیے احناف کے نقطہ نظر سے جب قبر کا پتہ نہ چلے تو متعلقین میت کے لیے استغفار کریں، دعا کریں، ایصال ثواب کریں، نماز جنازہ میں یہی کیا جاتا ہے، اس کی شرائط مفقود ہیں تو انشاء اللہ دعا واستغفار سے وہی فوائد حاصل ہوں گے۔

البتہ بعض حضرات نے ان خصوصی حالات میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت دی ہے، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب فرماتے ہیں:

''اور اگر نہ تو لاش دی جائے اور نہ پتہ چل سکے کہ میت کو کہاں دفن کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ ہی ہوسکتی ہے جو حنفیہ کے یہاں نہیں ہے، البتہ امام شافعی وامام احمد کے نزدیک ہے، ایسی خاص صورت میں حنفی حضرات اگر غائبانہ نماز جنازہ ادا کریں تو گنجائش ہے، اس لیے کہ یہاں ایسا نہیں ہے کہ نماز ادا کر کے دفن کیا گیا اور دوبارہ سہ بارہ کچھ لوگ نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں، بلکہ نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تو نماز پڑھ لینے میں حرج نہیں'' (کرونا مسائل واحکام:۱۰۶)۔

خلاصہ:

یہ کہ قبر کا پتہ نہ چلنے کی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی احناف کے یہاں اجازت نہیں ہے، مفتی بہ قول یہی ہے، لیکن اگر متعلقین پر جذبات کا غلبہ ہو تو مسلک شافعی پر عمل کرتے ہوئے پڑھ لیں تو کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حرمت وحلت کا مسئلہ نہیں ہے اور مجتہد فیہ مسئلہ میں بہت شدت اختیار کرنا مناسب نہیں۔

☆☆☆

کرونا وائرس کی وبا کے ماحول میں بعض احکام شرعیہ

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

۱-کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

(الف) جماعت ثانیہ:

جماعت ثانیہ سے مراد ایک ہی مسجد میں دو یا دو سے زائد بار کسی وقتی فریضہ نماز کی جماعت قائم کرنا ہے، ایسی مسجد جس کے نمازی متعین نہ ہوں جیسے راستہ اور روڈ کی مسجدیں جن میں بسا اوقات امام ومؤذن بھی متعین نہیں ہوتے ایسی مسجدوں میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت کسی کے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے: "وَإِنْ كَانَ مَسْجِدًا لَيْسَ لَهُ أَهْلٌ مَعْلُومٌ بِأَنْ كَانَ عَلَى شَوَارِعِ الطَّرِيقِ لَا يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ فِيهِ" (بدائع:۲۸۹)۔

اور ایسی مسجدیں جن میں امام ومؤذن مقرر ہوتے ہیں، اور اس کے نمازی بھی معلوم ومتعین ہوتے ہیں، یعنی عموماً پنجوقتہ نمازیں اسی مسجد میں پڑھتے ہیں، ایسی کسی مسجد میں اس کے معروف پابند مصلیوں کے علاوہ لوگوں نے پہلے پڑھ لیا (اگرچہ اذان واقامت کے ساتھ ہو) یا اس مسجد کے مصلیین نے خفیف آواز میں اذان کے ساتھ پڑھ لیا تو بقیہ لوگوں کے لئے جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے جیسا کہ مطلقا اذان واقامت کے بغیر جماعت ثانیہ احناف کے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے بعض لوگوں نے بغیر ہیئت اولی کی بھی قید لگائی ہے: "يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، إِلَّا إِذَا صَلَّى بِهِمَا فِيهِ أَوَّلًا غَيْرُ أَهْلِهِ، لَوْ أَهْلُهُ لَكِنْ بِمُخَافَتَةِ الْأَذَانِ، وَلَوْ كَرَّرَ أَهْلُهُ بِدُونِهِمَا أَوْ كَانَ مَسْجِدَ طَرِيقٍ جَازَ إِجْمَاعًا" (ردالمحتار: ۲/۲۸۸)، امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب یہ صراحت بھی منقول ہے کہ جماعت اولی سے جماعت ثانیہ کی ہیئت دیگر ہو مثلاً امام کا قیام اسی محراب میں نہ ہو تو بھی کوئی کراہت نہیں، احناف کے نزدیک جماعت ثانیہ کی کراہت اس صورت میں ہے جب کہ کسی مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے اعادہ کے ساتھ جماعت ثانیہ قائم کی جائے، جماعت ثانیہ کی کراہت کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی عام اجازت جماعت صلاۃ میں تقلیل مصلیین کو مستلزم

☆ جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو۔

ہے:"لَنَا أَنَّا أُمِرْنَا بِتَكْثِيرِ الْجَمَاعَةِ وَفِي تَكْرَارِ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ وَاحِدٍ تَقْلِيلُهَا" اور کراہت کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ انصار کی دو جماعتوں میں صلح کے لئے گئے ہوئے تھے اور واپس آئے، تو مسجد نبوی میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ادا کی جا چکی تھی، تو آپ ﷺ نے اپنے گھر میں ازواج مطہرات کے ساتھ اس نماز کو با جماعت ادا کیا مسجد میں نہیں پڑھا، "لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ لِيُصْلِحَ بَيْنَ الْأَنْصَارِ فَاسْتَخْلَفَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَرَجَعَ بَعْدَمَا صَلَّى فَدَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَهُ وَجَمَعَ أَهْلَهُ فَصَلَّى بِهِمْ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، فَلَوْ كَانَ يَجُوزُ إِعَادَةُ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ لَمَا تَرَكَ الصَّلَاةَ فِيهِ وَالصَّلَاةُ فِيهِ أَفْضَل" (البحر الرائق: ۱/۴۵۱، المحیط البرہانی: ۲/۱۳) (کتب احادیث میں یہ منقول ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی امامت کا واقعہ غزوہ تبوک کے سفر میں پیش آیا تھا، اور صورت حال یہ تھی کہ ایک رکعت ہو چکی تھی، تب آپ ﷺ تشریف لائے تھے اور جماعت میں شامل ہوئے تھے، اور بنو عمرو بن عوف کے درمیان مصالحت والے واقعہ میں آپ ﷺ کو واپسی میں تاخیر ہوئی تو نماز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں شروع ہوئی تھی، اور نماز کے دوران ہی آپ ﷺ واپس آئے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے آ گئے اور آپ ﷺ نے بقیہ نماز کی امامت فرمائی (صحیح مسلم مع شرح النووی: ج4 باب تقدیم الجماعت من یصلی بہم ۔۔۔ ممکن ہے البحر الرائق کی عبارت میں مذکور دوسرا کوئی واقعہ ہو، واللہ اعلم بالصواب)۔

" وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِنَّمَا يُكْرَهُ إِذَا كَانَتْ الْجَمَاعَةُ الثَّانِيَةُ كَثِيرَةً، فَأَمَّا إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً، أَوْ أَرْبَعَةً فَقَامُوا فِي زَاوِيَةٍ مِنْ زَوَايَا الْمَسْجِدِ وَصَلَّوْا بِجَمَاعَةٍ لَا يُكْرَهُ. (البحر الرائق: ۱/۶۰۵) وروی عن محمد أنه لم یرَ بالتکرار بأساً إذا صلوا فی زاویة من المسجد علی سبیل الخفیة إنما یکره علی سبیل التداعی والاجتماع." (المحیط البرہانی ۲/۱۴)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامی حالت میں ایسی ضرورت پیش آ جائے تو جو دو چار آدمی جماعت میں شریک نہیں ہو سکے وہ ایک طرف مسجد میں جماعت ثانیہ کر لیں تو کراہت نہیں ہے، کراہت کا مصداق وہ جماعت ثانیہ وہ جماعت ثانیہ ہو گی جو پلان اور منصوبہ کے تحت ہو۔

شوافع کے یہاں تکرار جماعت میں کوئی کراہت نہیں ہے، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں منقول ہے مسجد نبوی میں جماعت سے نماز ہو جانے کے بعد ایک صحابی آئے اور اپنی نماز انفراداً شروع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:"مَنْ يَتَصَدَّقُ عَلَى هَذَا فیصلی معه فقام رجل من القوم فصلی معه" (مسند احمد: ۳/۴۵، مسند ابوسعید الخدریؓ)۔

اور حنابلہ کے نزدیک اگرچہ تکرار جماعت کی عدم کراہت کا قول منقول ہے مگر ان کی عبارات سے محسوس ہوتا ہے کہ بالقصد جماعت ثانیہ کے لئے مسجد جانا مستحسن نہیں ہے،"ولا تکره إعادة الجماعة فی مسجد له إمام راتب

كغيره وكره قصد مسجد للإعادة ولا تكره إعادة جماعة في غير مسجدي مكة والمدينة ولا فيهما لعذر وتكره فيهما لغير عذر لئلا يتوانى الناس في حضور الجماعة مع الإمام الراتب.‘‘(الروض المربع" ۱/ ۹۲)۔

ان فقہی نصوص سے ظاہر ہے کہ جماعت ثانیہ کے ارادہ سے جماعت اولی کا ترک کرنا مکروہ ہے، اور کسی عذر کے سبب بلا اذان واقامت مسجد میں جگہ بدل کر جماعت ثانیہ احناف کے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے، لہذا کورونا وباء کے سبب حکومتی پابندیوں کی وجہ سے بلا اذان واقامت تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ لوگوں کے قلوب میں جماعت کی اہمیت باقی رہے گی۔

(ب) نماز جمعہ کی ایک سے زئد جماعت:

نماز جمعہ کا حکم دیگر نماز پنجگانہ سے کچھ مختلف ہے کہ اس میں جمعیت مطلوب ہے، اسی لئے اس کے بارے میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ ایک شہر میں متعدد مساجد میں جمعہ کا قیام جائز ہے یا نہیں، فتوی جواز کا ہے، البتہ ایک ہی مسجد میں نماز جمعہ کی جماعت ثانی کسی عذر یا فساد عوام کے خوف سے درست ہے یا نہیں؟ تو احناف کے نزدیک جماعت ثانیہ کی کراہت کی وجہ جماعت اولی کی تقلیل کا باعث ہونا ہے، ورنہ اصلاً فرض نماز کا جماعت سے نماز پڑھنا ہی افضل اور کثرت ثواب کا باعث ہے، کما ورد فی الحدیث: ’’وَإِنَّ صَلاَةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلاَتِهِ وَحْدَهُ وَصَلاَتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلاَتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى.‘‘(سنن ابوداؤد: باب فی فضل صلاۃ الجماعۃ) اور جماعت ثانیہ کا مطلقا جواز اس کی طرف سے بے اعتنائی کے مرادف ہے، لہذا جہاں جماعت ثانیہ کی وجہ تقلیل جماعت کے سوا کوئی دوسرا سبب ہو جو جماعت اولی میں شریک نہ ہونے کا عذر شرعی ہوسکتا ہو تو ایسے مواقع پر مسجد واحد میں نماز جمعہ کی جماعت ثانیہ بھی جائز ہوسکتی ہے، مثلاً نمازیوں کی کثرت تعداد جو بیک جماعت مسجد میں نماز ادا نہ کر پائے، یا کوئی حکومتی پابندی جس کے سبب لوگ بیک وقت محدود تعداد میں ہی نماز با جماعت ادا کرسکیں، وغیرہ۔

مفتی احمد صاخانپوری صاحب نے مولانا عبد الحئی صاحب ودیگر مفتیان علماء کے فتاوے نقل کئے ہیں کہ ’’سوال: جمعہ کی جماعت ہوجانے کے بعد دس پندرہ آدمی آ گئے، یہ لوگ اسی مسجد میں جمعہ مع خطبہ جماعت سے پڑھیں یا بجماعت ظہر ادا کریں؟

جواب: چونکہ تعدد جماعت جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے، اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں اس لئے ان لوگوں کو چاہئے کہ جمعہ بجماعت مع خطبہ ادا کریں، اگر اسی مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں اور اولی یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو (مجموعہ فتاوی مولانا عبد الحئی: ۱/ ۲۹۲، ۲۹۳)۔

''خیر الفتاوی: ۳/ ۹۵'' پر بھی مذکورہ صورت میں فتاوی عبد الحئیؒ ہی کے حوالہ سے جمعہ کی دوسری جماعت کی اجازت دی گئی ہے،

''امداد الاحکام: ۱/ ۶۹۱ تا ۶۹۳'' میں مولانا عبد الکریم صاحب گمتھلویؒ کا رجحان بھی مسئلہ مذکورہ میں جواز کا ہے، مفتی محمود حسن صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی وجہ سے تمام لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے، تو کیا بقیہ لوگ دوسری مرتبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ: یہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعت ثانیہ نہیں (ملفوظات فقیہ الامت: ۷/ ۳۸'' (محمود الفتاوی: ۱/ ۵۳۱)۔

۲-مکانات وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ نماز ادا کرنا:

''صاحب بدائع'' نے شرائط جمعہ کے تحت لکھا ہے: "**وهذا الذى ذكرنا من الشرائط (المصر الجامع، والسلطان، والخطبة، والجماعة، والوقت) مذكورة فى ظاهرة الرواية و ذكر فى النوادر شرطا آخر لم يذكره فى ظاهر الرواية و هو أداء الجمعة بطريق الإشتهار**'' (بدائع الصنائع: ۱/ ۶۰۲) یعنی صحت جمعہ کے لئے شہر وسلطان وغیرہ کی شرط کے ساتھ نوادر میں اذن عام کی بھی شرط ہے، رد المحتار میں علامہ شامی نے (الاذن العام) کے تحت لکھا ہے: "**أى يأذن للناس إذنًا عاما، بأن لا يمنع أحدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه و هذا مراد من فسر الإذن العام بالإشتهار**'' (رد المحتار علی الدر: ۳/ ۲۵)۔

یعنی احناف کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے دیگر شرائط کے ساتھ اذن عام کی بھی شرط ہے، اور کرونا وائرس کی وبا کی وجہ سے حکومتوں نے کسی بھی جگہ اجتماع سے منع کیا ہے، حتی کہ جمعہ کی نماز کے لئے بھی ایک محدود قلیل تعداد کی اجازت دی ہے، لہذا اس پابندی کو اذن عام کے منافی مانا جائے، اور محدود تعداد کے ساتھ نماز جمعہ کے قیام کو غیر صحیح قرار دیا جائے، یا کسی فتنہ (مثلاً عورت کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز سے منع کرنا) یا خوف عدو کی وجہ سے محدود تعداد کے ساتھ مسجد کے دروازہ کو بند کر کے نماز جمعہ پڑھنے کی بعض جزئیات کو سامنے رکھتے ہوئے، یا تیز بارش، راستہ کے کیچڑ، سخت ٹھنڈک، شدید آندھی، اور رات کی تاریکی کی وجہ سے احادیث نبویہ میں جو یہ اجازت مذکور ہے کہ مؤذن یہ اعلان کردے کہ اپنی قیامگاہ پر ہی لوگ نماز ادا لیں (اور جو لوگ مسجد چلے گئے وہ مسجد میں ہی پڑھیں گے)، اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس ممانعت کو اذن عام کے منافی نہ مانا جائے راقم سطور کی رائے یہ ہے کہ حکومت کی موجودہ پابندیاں اذن عام کے منافی منع صلاۃ کے لئے نہ قرار دی جائیں، بلکہ عدد کی تحدید حفظ صحت کی غرض سے اور وباء کے خوف کے سبب ہے، تخصیص کے لئے نہیں ہے، لہذا علی العموم کوئی بھی پانچ افراد جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں، یہ رکاوٹ متولی مسجد یا جمعہ کو قائم کرنے والوں کی طرف سے نہیں ہیان کی

طرف سے دروازہ کھلا ہے کوئی بھی پانچ مصلی آ سکتے ہے، البتہ انتشار سے بچنے کے لئے مصلی متعین کر لئے جائیں، اور ایک ہی مسجد میں کئی جماعت معمولی وقفہ سے کر لی جائے، شہر کی سبھی مساجد میں جمعہ قائم کر لیا جائے، تو اس میں کوئی ایسا حرج نہیں معلوم ہوتا جو آئندہ کے لئے مضر ہو، یا صحت صلاۃ پر اثر انداز ہو۔

''وَمَا يَقَعُ فِي بَعْضِ الْقِلَاعِ مِنْ غَلْقِ أَبْوَابِهِ خَوْفًا مِنَ الْأَعْدَاءِ أَوْ كَانَتْ لَهُ عَادَةٌ قَدِيمَةٌ عِنْدَ حُضُورِ الْوَقْتِ فَلَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّ إِذْنَ الْعَامِّ مُقَرَّرٌ لِأَهْلِهِ وَلَكِنْ لَوْ لَمْ يَكُنْ لَكَانَ أَحْسَنَ كَمَا فِي شَرْحِ عُيُونِ الْمَذَاهِبِ.وَفِي الْبَحْرِ وَالْمِنَحِ خِلَافُهُ لَكِنْ مَا قَرَّرْنَاهُ أَوْلَى لِأَنَّ الْإِذْنَ الْعَامَّ يَحْصُلُ بِفَتْحِ بَابِ الْجَامِعِ وَعَدَمِ الْمَنْعِ وَلَا مَدْخَلَ فِي غَلْقِ بَابِ الْقَلْعَةِ وَفَتْحِهِ وَلِأَنَّ غَلْقَ بَابِهَا لِمَنْعِ الْعَدُوِّ لَا لِمَنْعِ غَيْرِهِ تَدَبَّرْ وَعِنْدَ الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ لَا يُشْتَرَطُ الْإِذْنُ الْعَامُّ''(مجمع الانہر:۱۶۶/۲)۔

علامہ شامی نے اذن عام کی بحث میں لکھا ہے: ''قُلْت: وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مَحَلُّ النِّزَاعِ مَا إذَا كَانَتْ لَا تُقَامُ إلَّا فِي مَحَلٍّ وَاحِدٍ، أَمَّا لَوْ تَعَدَّدَتْ فَلَا لِأَنَّهُ لَا يَتَحَقَّقُ التَّفْوِيتُ كَمَا أَفَادَهُ التَّعْلِيلُ تَأَمَّلْ''(ردالمحتار علی الدر المختار:۲۶/۳)۔

کرونا وبا کی وجہ سے حکومتی پابندیوں کی موجودہ صورت حال میں جب کہ مسجد میں ایک وقت میں پانچ آدمیوں سے زیادہ کے جمع ہونے کی اجازت نہیں ہے، چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا قیام جائز اور درست ہے خواہ ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد جماعت قائم کی جائے، یا شہر کی تمام مساجد میں اس طرح قائم کر لی جائے، یا الگ الگ مکانات اور جگہوں میں، کیونکہ حدیث نبوی کے مطابق آدمی کی جماعت کی نماز انفرادی نماز سے ازکی وافضل ہے، اور چونکہ یہ ایک عذر کے سبب ہے اور یہ عذر سب کے نزدیک واضح اور معروف ہے مسجد کی جماعت کی تقلیل کی غرض سے نہیں ہے، لہذا یہ وہم کہ اس سے تشتت پیدا ہوگا اور لوگ آئندہ کے لئے اس کو معمول بنالیں گے قابل توجہ نہیں ہے۔

۳- البتہ کرونا وبا کی موجودہ صورت حال میں شہر میں جو لوگ جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکیں تو انھیں اپنے گھر ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے، انفراداً ہو یا باجماعت، جماعت کے ساتھ ادا کرنا اولی ہوگا، اور یہ قیام جمعہ کے منافی نہیں ہوگا کیونکہ یہ معروف لاعلی التعیین عذر کی وجہ سے ہے، ایسا عذر جو مسجد میں جمع ہونے سے مانع ہے لہذا جتنے افراد کے جمع ہونے کی رخصت ہے انھیں جماعت کی فضیلت سے محروم نہیں کیا جانا چاہئے۔

تجہیز و تکفین: (۱-غسل میت):

عام حالات میں میت کو غسل دینا فرض علی الکفایہ ہے، اور تثلیث واجب نہیں ہے، اور اگر غسل متعذر ہو تیمّم اس کے

قائم مقام ہوگا،اور اگر یہ بھی مشکل ہوتو بغیر غسل وتیمّم ہی اسے دفن کیا جائے گا،کرونا وباء کے ماحول میں ہسپتالوں میں اس وباء میں مبتلا اشخاص کی اموات نے اس مسئلہ سے بھی دوچار کیا ہے،کہ میت کو ہسپتالوں سے ہی کَوَر اور غلاف میں لپیٹ کر اہل خانہ اوران کے اولیاء کے حوالہ کیا گیا،اوران پر یہ پابندی بھی عائد کی گئی کہ اس غلاف کو ہٹایا اور کھولا نہ جائے،اور یہ بھی سننے میں آیا کہ اہل خانہ کے حوالہ نہ کرکے ہسپتال اور حکومت کی انتظامیہ نے ہی انھیں قبر تک پہونچایا،ان حالات میں جبکہ کرونا کے خطرات درپیش ہیں،اوراس مرض میں مبتلا ہوکر موت کا شکار ہونے کے واقعات ان اطباء اوڈاکٹروں کے بارے میں بھی سننے میں آئے جن کو اس مرض کے ابتلاء سے بچنے کے وسائل میسر تھے،اورانھوں نے تمامتر احتیاط اور تحفظات کا استعمال کرتے ہوئے کرونا کے مریضوں کے علاج میں اپنی خدمات پیش کیں،مگر وہ بھی بقضائے الٰہی اس کا شکار ہو گئے،تو ظاہر ہے عام لوگوں کے لئے طبی وحکومتی ہدایات اور پابندیوں کونظر انداز کرنا،اپنے آپ کوخطرات وہلاکت میں ڈالنا ہے جبکہ اللہ عزوجل نے متنبہ فرمایا ہے:

”وَلا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ“ اس آیت کریمہ کے تحت محمد امین شنقیطیؒ نے لکھا ہے:”الْمَسْأَلَةُ الثَّالِثَةُ: هَلْ يَجِبُ الْأَكْلُ مِنَ الْمَيْتَةِ وَنَحْوِهَا إِنْ خَافَ الْهَلَاكَ، أَوْ يُبَاحُ مِنْ غَيْرِ وُجُوبٍ؟ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي ذَلِكَ، وَأَظْهَرُ الْقَوْلَيْنِ الْوُجُوبُ ; لِقَوْلِهِ تَعَالَى: (وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ)(۲/ ۱۹۵)، وَقَوْلِهِ: (وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا)(۴/ ۲۹)“وَمِنْ هُنَا قَالَ جَمْعٌ مِنْ أَهْلِ الْأُصُولِ: إِنَّ الرُّخْصَةَ قَدْ تَكُونُ وَاجِبَةً، كَأَكْلِ الْمَيْتَةِ عِنْدَ خَوْفِ الْهَلَاكِ لَوْ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا، وَهُوَ الصَّحِيحُ مِنْ مَذْهَبِ مَالِكٍ، وَهُوَ أَحَدُ الْوَجْهَيْنِ لِلشَّافِعِيَّةِ، وَهُوَ أَحَدُ الْوَجْهَيْنِ عِنْدَ الْحَنَابِلَةِ أَيْضًا، وَهُوَ اخْتِيَارُ ابْنِ حَامِدٍ، وَهَذَا هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ“،(اضواء البیان:۱/ ۶۵)،جس کا ماحصل یہ ہے کہ جہاں ہلاکت کا خوف ہو،وہاں رخصت پرعمل کرنا واجب ہوتا ہے،اورکرونا کی ہلاکت خیزی میں احتیاط نہ کرنا اپنے کو ہلاکت سے دوچار کرنا ہے،نیز قاعدہ فقہیہ ہے: ”الضرر يزال“اور اس سے متعلق قواعد میں ہے:”درء المفاسد أولى من جلب المصالح“(الاشباہ والنظائر)۔

لہٰذا مذکورہ صورت حال میں کورونا کے میت کو بلاغسل وکفن اس کی نماز جنازہ کے بعد اسی حالت میں دفن کیا جائیگا، جب کہ اس غلاف وکور کو کھولنے کی اجازت نہ ہو،تو اس کے اوپر سے پانی بہانا یا تیمّم کرانا بے سود ہے،اورکفن کا مقصد ستر عورت ہے جو اس غلاف سے حاصل ہوجاتا ہے:”ثُمَّ التَّكْفِينُ إمَّا أَنْ يَكُونَ فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ أَوْ لَا، فَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ كُفِّنَ بِمَا وُجِدَ“(العنایۃ:۲/ ۴۷۸)،”أما كفن الضرورة أن يكفن فيما يوجد“(المحیط البرہانی:۲/ ۳۱۶)،ایسی

حالت میں صورت اضطرار کی ہے، کور ہٹانے میں خود کو دو مصیبت سے دو چار کرنا ہے، اس مرض میں ابتلاء کا بھی خدشہ ہے، اور قانونی گرفت کی زد میں آنے کا بھی، لہذا اسے غسل وکفن کے بغیر اسی حالت میں رکھا جائے گا۔

نماز جنازہ:

(الف) طبی عملہ کورونا کے میت کو خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کرتا ہے اور متعلقین کو حوالہ نہیں کرتا، مگر قبرستان اور قبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہوتا ہے یا متعلقین کے حوالہ کرتا ہے مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہیں دیتا، ان دونوں صورتوں میں اس میت کی نماز جنازہ اس کی قبر پر پڑھی جاسکتی ہے، جب تک اس کا اطمینان ہو کہ میت کا جسم پھٹا نہیں ہوگا، ''و شرطها (أى الصلاة على الميت) إسلام الميت و طهارته مادام الغسل ممكنًا، و إن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل و لم يمكن إخراجه إلا بالنبش تجوز الصلاة على قبره للضرورة''، نماز جنازہ کی شرط میت کا مسلمان ہونا اور اس کی طہارت ہے جب کہ غسل ممکن ہو، اور اگر ممکن نہ ہو، بایں طور کہ غسل سے پہلے دفن کر دیا گیا، اور نبش کے بغیر اس کا نکالنا ممکن نہ ہو تو ضرورۃً قبر پر اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہوگا (الفتاوی الہندیہ: ۱/ ۱۶۳)۔

''(قَوْلُهُ صَلَّى عَلَى قَبْرِهِ) هَذَا إذَا أُهِيلَ التُّرَابُ سَوَاءٌ كَانَ غُسِّلَ أَوْ لَا، لِأَنَّهُ صَارَ مُسْلَمًا لِمَالِكِهِ تَعَالَى وَخَرَجَ عَنْ أَيْدِينَا فَلَا يُتَعَرَّضُ لَهُ بَعْدُ، بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يُهَلْ فَإِنَّهُ يُخْرَجُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ، وَقَدَّمْنَا أَنَّهُ إذَا دُفِنَ بَعْدَ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْغُسْلِ إنْ أَهَالُوا عَلَيْهِ لَا يُخْرَجُ وَهَلْ يُصَلَّى عَلَى قَبْرِهِ، قِيلَ لَا، وَالْكَرْخِيُّ نَعَمْ، وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ لِأَنَّ الْأُولَى لَمْ يُعْتَدَّ بِهَا لِتَرْكِ الشَّرْطِ مَعَ الْإِمْكَانِ، وَالْآنَ زَالَ الْإِمْكَانُ فَسَقَطَتْ فَرْضِيَّةُ الْغُسْلِ لِأَنَّهَا صَلَاةٌ مِنْ وَجْهٍ وَدُعَاءٌ مِنْ وَجْهٍ، فَبِالنَّظَرِ إلَى الْأَوَّلِ لَا تَجُوزُ بِلَا طَهَارَةٍ أَصْلًا، وَإِلَى الثَّانِي تَجُوزُ بِلَا عَجْزٍ، فَقُلْنَا تَجُوزُ بِدُونِهَا حَالَةَ الْعَجْزِ لَا الْقُدْرَةِ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ (قَوْلُهُ هُوَ الصَّحِيحُ) احْتِرَازٌ عَمَّا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُصَلَّى إلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ (قَوْلُهُ لِاخْتِلَافِ الْحَالِ) أَيْ حَالِ الْمَيِّتِ مِنْ السِّمَنِ وَالْهُزَالِ وَالزَّمَانِ مِنْ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ وَالْمَكَانِ إذْ مِنْهُ مَا يُسْرِعُ بِالْإِبْلَاءِ وَمِنْهُ لَا، حَتَّى لَوْ كَانَ فِي رَأْيِهِمْ أَنَّهُ تَفَرَّقَتْ أَجْزَاؤُهُ قَبْلَ الثَّلَاثِ لَا يُصَلُّونَ إلَى الثَّلَاثِ'' (فتح القدیر: ۲/ ۸۴)۔

(ب) اور اگر قبرستان وقبر کا علم نہ ہو سکے، تو اس صورت میں اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کی آراء میں اختلاف ہے، شوافع کے نزدیک وہ میت جو شہر سے باہر ہو اس کی نماز غائبانہ بلا کراہت جائز ہے، اور حنابلہ کے نزدیک ایک ماہ کے اندر اندر پڑھی جاسکتی ہے، (الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۱/ ۴۸۳)، ''و تتوقف الصلاة

على الغائب بشهر، كالصلاة على القبر"(المغنی لابن قدامۃ: ۳/ ۴۴۷)، امام نووی شافعیؒ نے شرح مہذب میں لکھا ہے :"تجوز الصلاة على الميت الغائب لِمَا رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى النَّجَاشِيَّ لِأَصْحَابِهِ وهو بالمدينة وصلى عليه وصلوا خلفه وان كان الميت معه فى البلد لم يجز"(المجموع شرح المہذب: ۵/ ۲۵۰)، "وَمَذْهَبُنَا جَوَازُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ الْغَائِبِ عَنْ الْبَلَدِ"ہمارا مذہب شہر سے غائب میت کی نماز کے جواز کا ہے(۵/ ۲۵۲)اور میت جس شہر میں ہے، وہاں کے لوگوں کے لئے شوافع کے نزدیک بھی اس کا جواز نہیں ہے۔

اور مالکیہ واحناف کے نزدیک نماز جنازہ کی شرائط میں جنازہ کا مصلیین کے سامنے حاضر ہونا بھی ہے، "ومن الشروط حضور الميت و وضعه و كونه أمام المصلى فلا تصح على غائب و لا على محمول على دابة ولا على موضوع خلفه" (الفتاوی الہندیہ: ۱/ ۱۶۴)، "وَهِيَ: سَتْرُ الْعَوْرَةِ، وَحُضُورُ الْمَيِّتِ، وَكَوْنُهُ أَوْ أَكْثَرُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّي"(رد المحتار علی الدر المختار)، "وشرط صحتها إسلام الميت و طهارته و وضعه أمام المصلى، فلهذ القيد لا تجوز على غائب ولا حاضر محمول على دابة أو غيرها" (فتح القدیر: ۲/ ۸۰)۔

رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ غائبانہ کا ثبوت محض نجاشی کے بارے میں کتب حدیث میں منقول ہے اور آپ ﷺ نے ان کی نماز غائبانہ جو پڑھی ہے اس میں متعدد احتمالات ہیں، ان میں سے ایک قوی احتمال یہ ہے کہ ان کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر کیا گیا ہو، کیونکہ آپ ﷺ کے حق میں یہ بعید نہیں ہیں، واقعہ اسراء کی جب قریش نے تکذیب کی، اور آپ ﷺ سے بیت المقدس کے متعلق کچھ سوالات کئے تو آپ ﷺ کے لئے درمیان سے حواجز کو اٹھا دیا گیا، اور آپ ﷺ نے دیکھ کر ان کے جوابات دیئے، اس کا ذکر صحاح میں موجود ہے۔

نجاشی کے علاوہ نماز جنازہ غائبانہ کا ذکر معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بعض کتب حدیث میں ملتا ہے، جس کو محدثین نے ضعیف اور منکر بھی کہا ہے، "قَالَ: إِنَّ ذَلِكَ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ مُعَاوِيَةَ اللَّيْثِيَّ مَاتَ بِالْمَدِينَةِ الْيَوْمَ، فَبَعَثَ اللَّهُ إِلَيْهِ أَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ، قَالَ: وَفِيمَ ذَاكَ؟ قَالَ: قَالَ: كَانَ يُكْثِرُ قِرَائَةَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَفِي مَمْشَاهُ، وَقِيَامِهِ وَقُعُودِهِ، فَهَلْ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ أَقْبِضَ لَكَ الْأَرْضَ فَتُصَلِّي عَلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى عَلَيْهِ"(مسند ابویعلی موصلی: ۷/ ۲۵۶، حدیث: ۴۲۶۷)اس کے محقق حسین سلیم اسد نے اسے ضعیف جدا کہا ہے، اور ان کے علاوہ لوگوں نے منکر بھی کہا ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے: "وقد ذكرته في ترجمته في الصحابة أن خبره قوي بالنظر إلى مجموع طرقه"(کتاب الجنائز: ۳/ ۱۸۸)، اگر حافظ

ابن حجرؒ کے بقول اسے قوی مان لیا جاتا ہے تو اس حدیث سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے کہ درمیان سے تمام حواجز اٹھا دیئے گئے ہوں اور نجاشیؒ کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے ہو، یا آپ ﷺ کے سامنے ان کا جنازہ لایا گیا ہو جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے:''عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: " إِنَّ أَخَاكُمُ النَّجَاشِيَّ قَدْ مَاتَ، فَصَلُّوا عَلَيْهِ " قَالَ: وَنَحْنُ نَرَى أَنَّ الْجِنَازَةَ قَدْ أَتَتْ قَالَ: فَصَفَفْنَا فَصَلَّيْنَا عَلَيْهِ''(شرح مشکل الآثار: حدیث: ۴۸۵۰)،''وَمَا نَحْسِبُ الْجِنَازَةَ إِلَّا مَوْضُوعَةً بَيْنَ يَدَيْهِ''(مسند احمد: عمران بن حصین، حدیث: ۲۰۰۰۵)، رسول اللہ ﷺ سے ان دو کے سوا کسی کی نماز غائبانہ کا ثبوت نہیں ملتا، جب کہ آپ کے عہد مبارک دیگر کئی کبار صحابہ کی غزوات میں شہادت ہوئی جن میں آپ شریک نہیں تھے، غزوہ مؤتہ میں آپ ﷺ کے انتہائی عزیزوں کی شہادت ہوئی، زید حارثہ، جعفر طیار بن ابوطالب رضی اللہ عنہما، ان کی وفات کی خبر سن کر آپ ﷺ آبدیدہ ہوگئے، مگر ان کی نماز جنازہ غائبانہ کا بھی آپ سے ثبوت نہیں ملتا، اور نہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام سے اس کا ثبوت ملتا ہے، لہذا یہ توارث کے بھی خلاف ہے۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:''أما الصلاةُ على الغائبِ فلم تَثْبُت إلا واقعةُ النَّجاشي .أما واقعة ابن معاوية الليثى فاختلفوا فيها، والظاهر أنه مُنكر .فإذا لم تَثْبُت تلك الصلاةُ فى عهد النبيِّ ﷺ مع أنَّ كثيرًا مِنَ المسلمينَ ماتوا فى دار غربةٍ فى عهدِه ﷺناسَبَ أن تُخْتَمَ بِعَهْدِ النبيِّ ﷺ ولا سيما إذا لم يَجْرِ عليها توارثُ الأُمة أيضًا .بخلافِ الصلاةِ على القَبْر فإن بعضَهم عَمِلوا بها فيما بعد أيضًا.''(فیض الباری: ۲/۴۶۹)، لہذا راقم السطور کی رائے یہی ہے کرونا کے ماحول میں بھی نماز جنازہ غائبانہ کا فتوی نہ دیا جائے، اور یہ بے مایہ اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ امام العصر کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ:''وبالجملةِ لا تُترک سنةٌ فاشيةٌ مستمرةٌ لأَجْل الوقائعِ الجزئيةِ التى لم تَنكَشِف وجوهُها ولم تُدرَ أسبابها.''۔

☆☆☆

کرونا سے متعلق شرعی مسائل

مفتی محمد عثمان بستوی ☆

تمہید:

نماز کی فرضیت اور اس کے اوقات قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں، "إن الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا" (سورۂ نساء:۱۰۳)، "أقم الصلوة لدلوک الشمس إلى غسق الليل" (سورۂ اسراء:۷۸)، "أقم الصلوة طرفي النهار وزلفامن الليل" (سورۂ ہود:۱۱۴)۔

لیکن تفصیلی نماز اور اس کا طریقہ نبی ﷺ نے امت کو اپنے قول وعمل سے سکھلایا، چنانچہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "صلوا كما رأيتموني أصلي" (کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو اسی طرح نماز ادا کیا کرو) اور جماعت ثانیہ کے سلسلے میں حضرات فقہاء ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ لوگوں میں صلح کرانے کے لئے کسی جگہ تشریف لے گئے تھے، جب واپس تشریف لائے تو لوگ نماز ادا کر چکے تھے؛ تو آپ ﷺ اہل خانہ کے پاس گئے اور ان کو جمع کر کے ان کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔

"أن رسول الله ﷺ أقبل من نواحي المدينة يريد لم الصلوة، فوجد الناس قدصلوا فمال إلى منزله فجمع أهله فصلى بهم" (مجمع الزوائد ۲/۴۵)۔

تو اگر مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ نہ ہوتی تو آپ گھر کے بجائے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے، تاکہ مسجد کے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے، لیکن آپ نے گھر میں نماز باجماعت ادا فرمایا جس سے معلوم ہو کہ مسجد میں جماعت ثانیہ مشروع نہیں، اسی طرح حضرات صحابہ کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ کی جب جماعت چھوٹ جاتی تھی تو وہ مسجد میں اکیلے اکیلے بغیر جماعت کے نماز پڑھتے تھے، اگر جماعت مکروہ نہ ہوتی تو وہ حضرات جماعت ثانیہ کر کے جماعت کی فضیلت ضرور حاصل کرتے۔

☆ ریاض العلوم گورینی جونپور۔

"ورد عن أنس بن مالکؓ أن أصحاب رسول الله ﷺ کانوا إذا فاتتهم الجماعة صلوا في المسجد فرادی" (موسوعہ فقہیہ ۲۷/۱۲۵)۔

لیکن اس کے برعکس ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوچکے تھے، تو ایک صحابی آئے، وہ جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: کون ان کے ساتھ احسان کرے گا، ایک صحابی کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی۔

"أن رجلا جاء، وقد صلی النبي ﷺ فقال: من یتصدقه علی هذا؟ فقام رجل فصلی معه" (موسوعہ ۲۷/۱۷۶)۔

اس روایت سے حنابلہ وغیرہ نے جماعت ثانیہ کی عدم کراہت پر استدلال کیا ہے اور یہی مسلک ابن مسعود، حضرت عطا، حسن، نخعی، قتادہ، اسحاق وغیرہم کا ہے۔

"وهو قول ابن مسعود وعطاء والحسن والنخعي وقتادة وإسحاق" (موسوعہ ۲۷/۱۷۷)۔

حضرات احناف سے جماعت ثانیہ کی کراہت منقول ہے، البتہ جماعت ثانیہ اذان واقامت کے بغیر ہو؛ تو اس کی کراہت میں اختلاف ہے، جس کی تاویل میں حضرت گنگوہیؒ، مفتی شفیع صاحب اور مفتی رشید صاحب وغیرہم کے رسائل موجود ہیں، بہرحال یہ حضرات اس پر متفق ہیں کہ اگر کراہت تحریمیہ یعنی عدم جواز نہ بھی ثابت ہو، لیکن کراہت تنزیہہ سے خالی نہیں اور کراہت کی نفی سے زیادہ سے زیادہ اباحت ثابت ہوگی اور یہ عمل باعث فضیلت نہیں ہوگا، اس لئے جماعت فوت ہونے کی صورت میں مسجد میں نماز فراوی ہے، جیسا کہ اکثر صحابہ کا معمول ہے اور مجوزین کے اقوال وافعال صرف اباحت پر محمول ہوں گے نہ کہ سنیت وافضلیت پر اور یہ حکم عام حالات کا ہے اور ظاہر ہے کہ حالات وزمانہ اور دیگر مصالح کے وقت احکام میں تغیر ہو ہی جاتا ہے، تو کرونا کے ماحول میں نماز پنجگانہ کی جماعت ثانیہ اور تعدد جمعہ اور ان کی جماعت ثانیہ و ثالثہ کا حکم بہرحال تحقیق طلب ہے اب اس کے بعد سوال کے مطابق ان کے جوابات عرض ہیں:

۱-الف: جب قانونی پابندیاں ہوں، اور لوگ ایک ساتھ نماز نہ پڑھ سکیں، اور چند ہی لوگ جماعت کرسکتے ہوں تو اس صورت میں کراہت نہ بھی مانی جائے تو بھی مسجد کی جماعت ثانیہ افضل وبہتر ہے یا لوگوں کا گھروں میں نماز پڑھنا یا مسجد میں فرادی فرادی ادا کرنا، حضرات فقہاء کے کلام اور دیگر مصالح پر غور کرنے سے بندہ کی ناقص رائے میں مسجد میں جماعت ثانیہ بہتر ہے گھروں کی جماعت اور مسجد کی تنہا نماز سے جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱-جب پورے محلے اور آبادی کے لوگوں کو شریک ہونے سے جبراً روک دیا جائے، تو بقیہ لوگوں کا حق جماعت ختم

نہیں ہوگا، بلکہ ان کا حق جماعت باقی رہے گا، اسی بنا پر اگر کچھ لوگوں نے چپکے سے خفیہ جماعت کر لی ہو، تو یہ جماعت بقیہ لوگوں کے حق جماعت کو ساقط نہیں کرتی ہے، اسی طرح سے جب مابقیہ لوگوں کو جبراروک دیا گیا ہو، توان کا بھی حق ساقط نہیں ہوگا۔

”جماعة من أهل المسجد إذا نوى في المسجد على وجه المخافتة بحيث لم يسمع غيرهم، وصلوا ثم حضر قوم من أهل المسجد، ولم يعلموا ماصنع الفريق الأول، وإذا نوى على وجه الجهر، والإعلان، ثم علموا ما صنع الفريق الأول، فلهم أن يصلو بالجماعة على وجهها لاغيره بالجماعة الأولى؛ لأنها ما أقيمت على وجه السنة بإظهار الأذان والإقامة، ولا يبطل حق الباقين“ (المحیط البرہانی ۱/۴۰۳)۔

جب بقیہ لوگوں کا حق ساقط نہیں ہوا تو ان کو جماعت کرنے کا پورا حق حاصل ہے اوران کی جماعت ثانیہ صرف مباح ہی نہیں، بلکہ باعث فضیلت بھی ہوگی، جیسا کہ عبارت مذکورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

۲- اگر جماعت ثانیہ وثالثہ میں کثیر افراد نہ ہوں، بلکہ قلیل ہوں جو جماعت اولی کی تنقیص کا سبب نہ بنتے ہوں، تو وہ جماعت مکروہ نہیں، بلکہ قلیل افراد کی جماعت ثانیہ باعث فضیلت ہی ہے، جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے، ”أما إذا صلى أحد بأحد أو باثنين بعد ماصلى فيه أهله، فلا بأس لما روي أن رسول الله ﷺ صلى بأصحابه، فدخل أعرابي، وقام يصلى، فقال عليه السلام: من يتصدق على هذا فيقوم ويصلي معه“ (المحیط البرہانی ۱/۴۰۲)۔

۳- جب مسجد طریق ہو یا مسجد سرائے ہو، جس کے نمازی متعین نہ ہوں؛ تو ایسی مساجد میں جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے، ”وإن كان المسجد على قارعة الطريق ليس له قوم معينين فلا بأس بتكرار الجماعة فيه؛ لأن تكرار الجماعة في هذا الفصل لايؤدى إلى تقليل الجماعة“ (المحیط البرہانی ۱/۴۰۳، شامی ۲/۲۸۸)۔

۴- اور حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق اگر جماعت ثانیہ پہلی جماعت کے طرز پر نہ ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں اور اس روایت کی تصحیح وترجیح منقول ہے، ”عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا فى البزازية انتهى، وفي التاتار خانية عن الولوالجية: وبه نأخذ“ (شامی ۲/۲۸۹)۔

۵- جماعت ثانیہ اگر بغیر اذان یا بغیر اقامت کے ہو، تو اس کی کراہت میں اختلاف ہے، احناف کی بعض روایات سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے عدم اباحت، ”ولو كرر أهله بدونهما (أى بغير أذان وإقامة)......جاز

إجماعا"(شامی ۲/۲۸۸)۔"**لودخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه أهله ویصلون وحدانا وهو ظاهر الروایة**"(شامی ۲/۲۸۹)۔

۶-جماعت ثانیہ کے کراہت کی علت، جماعت اولی کے اہتمام کا فوت ہونا اور جماعت اولی کی تقلیل کا باعث ہونا ہے، اس لئے جس مسجد میں جماعت اولی کا اہتمام نہ ہوتا ہو، خواہ مسجد طریق یا مسافر خانہ ہونے کی وجہ سے یا آبادی کے نہ ہونے کی وجہ سے، ایسی مساجد میں جماعت ثانیہ کی نوبت آئے تو مکروہ نہیں، مسجد حرام اور مسجد نبی ﷺ کو بھی اسی حکم میں رکھا گیا ہے، "**لأن تکرار الجماعة في هذا الفصل لا یؤدي إلی تقلیل الجماعة**" (المحیط البرہانی ۱/۴۰۳)۔

مذکورہ بالا وجوہات میں سے اول دوم، سوم وغیرہ سے بڑی جماعت کی پابندی کی صورت میں جماعت ثانیہ کی افضلیت معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جماعت ثانیہ سے جماعت کا ثواب حاصل ہوگا، اور بقیہ وجوہات سے گرچہ افضلیت نہیں ثابت ہوتی، لیکن کراہت کی نفی بہرحال معلوم ہوتی ہے، تو جب کراہت کی نفی اور جماعت ثانیہ کی افضلیت معلوم ہوئی، تو جماعت ثانیہ کے ترک کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

مسجد کے بجائے گھر میں جماعت:

اس کے برعکس کچھ اہل علم مسجد کے مقابلے میں گھروں پر جماعت ثانیہ کے اہتمام کو افضل کہتے ہیں اور ان حضرات کے دلائل میں درج ذیل وجوہات بیان کی جاتی ہیں: لاک ڈاؤن کے بعد جماعت ثانیہ کے رواج پکڑ لینے کا اندیشہ، قانونی مجبوری کی بنا پر، مسجد کی منتظمہ کی طرف سے ممانعت اور ان کی طعن وتشنیع کا خطرہ اور اس طرح کی دیگر وجوہات بھی بیان کی جاتی ہیں، مثلاً گھروں پر جماعت کا اہتمام میں کراہت کا کوئی شائبہ نہیں اور مسجد والے میں کراہت نہ بھی ہو، لیکن افضلیت نہیں جب کہ گھروں کی جماعت افضل بھی ہے، مسجد کے مقابلے میں گھر کی جماعت افضل ہوئی۔

ترجیح: لیکن اگر پورے ملک وملت کے حالات اور دیگر خارجی مصالح پر غور کیا جائے، تو جماعت ثانیہ کی قانونی پابندی نہ ہونے کی صورت میں لاک ڈاؤن کے زمانے میں مسجد کی جماعت ثانیہ، گھروں کی جماعت کے مقابلے میں بہتر ہوگی، جس کی وجوہات ذیل میں ملاحظہ کی جائیں؛

۱-گھر میں عارضی طور پر قائم کی جانے والی جماعت کا صرف چند ایام اہتمام ہو پاتا ہے، اس کے بعد رفتہ رفتہ ترک نماز ہی کی نوبت پہنچ جاتی ہے، اس کے برعکس مسجد کی جماعت اولی یا ثانیہ میں شرکت سے جماعت کا اہتمام باقی رہتا ہے اور کم از کم ترک صلاۃ کے گناہ سے محفوظ رہتا ہے، لہذا لاک ڈاؤن ختم ہونے کے بعد، ترک نماز کا اندیشہ جماعت ثانیہ کے اندیشے سے اشد اور بڑھا ہوا ہے، اس لئے بلاضرورت ثانیہ والے احتمال پر، ترک نماز کا احتمال غالب اور مقدم ہوگا اور اس احتمال

ونقصان سے بچنے کے لئے بلاضرورت جماعت ثانیہ کے احتمال کو گوارا کیا جائے گا۔

۲-اگر جماعت ثانیہ ضرورت کے وقت ہیئت اولی سے ہٹ کر ہو، تو عدم کراہت اتفاق ہے اور فضیلت کا حصول بھی بعض وجوہات کی بنا پر متحقق ہے، تو جب ضرورت کے وقت جماعت ثانیہ میں کراہت نہ ہو اور فضیلت کا حصول بھی ممکن ہو، تو بلا وجہ مسجد کی فضیلت ممکنہ ترک نہیں کی جائے گی، البتہ اگر کراہت کا احتمال ہوتا تو یہ مسئلہ محل غور ہوتا جب کراہت کا احتمال نہیں، تو فضیلت ممکنہ کے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

۳-مسجد کی جماعت اور آبادی شعائر اسلام میں سے ہیں، اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے جماعت کثیرہ سے اس شعار کو قائم رکھنا ممکن نہ ہو تو کم از کم جماعت متعددہ سے اس شعار کو قائم و باقی رکھنے کی کوشش کی جانی چاہئے، ''**مالایدرک کله لایترک کله**''۔

۴-ہندوستان جیسے ممالک میں جہاں تعصب کا غلبہ ہو اور مساجد کو معطل کرنے کی پوری سازش اور کوشش ہو، تو ایسے ماحول میں مسجد کو آباد رکھنے کی گرچہ جماعت ثانیہ سے یا انفرادا ہو گھر کی جماعت سے مقدم ہوگی، نیز مسجد کی جماعت گھر کی جماعت کے مقابل وسائل وذرائع کے اعتبار سے تو سہل بھی ہے۔

ب-مسجد کے تنگ ہونے اور مسجد سے باہر کسی مناسب جگہ کے دستیاب نہ ہونے یا فتنہ یا فساد، جان ومال، عزت وآبرو پر اندیشے کی صورت میں جمعہ کی نماز بھی ایک مسجد میں متعدد مرتبہ قائم کرنا، گھروں کی چھوٹی چھوٹی جماعت سے افضل اور بہتر ہے، کیونکہ جمعہ میں خصوصا اجتماعیت مطلوب اور مقصود ہے، تو ضرر سے محفوظ رہتے ہوئے جتنا زیادہ سے زیادہ مجمع جمعہ میں ہوسکتا ہو، اس کی کوشش کی جائے گ اور ایسے اعذار کے وقت جماعت ثانیہ کی کراہت بھی نہ ہوگی، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب جگہ کی تنگی کی بنا پر ایک ہی جگہ میں عید کی جماعت ثانیہ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: ''جگہ کی تنگی کی بنا پر، اگر ایک ہی جگہ عید کی دو جماعتیں کر لی جائیں، تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں''، حضرت مولانا عبدالحیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''ظاہر عبارات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد نماز عید مطلقا جائز ہے، ایک موضوع میں ہو یا دو موضع میں، جیسا کہ ''طحطاوی حواشی مراقی الفلاح''میں لکھتے ہیں:''**ولو قدر بعدلم الفوات مع الإمام علی إدراکها مع غیره، فعل: للاتفاق علی جواز تعددها**''(فتاوی عثمانی ۱/ ۶۰۱)۔

اور جو حکم عیدین کا ہے وہی حکم جمعہ کا بھی ہے، لہذا جب اعذار کے وقت ایک جگہ میں تعدد عیدین کی اجازت ہے، جبکہ بلا عذر کے کراہت ہے، تو اسی طرح اعذار کے وقت ایک مسجد میں تعدد جمعہ کی بھی اجازت ہوگی گرچہ بلا عذر کے کراہت ہے۔

تائید مزید:

''احسن الفتاوی'' میں ضرورت کے وقت جمعہ کی جماعت ثانیہ کے سلسلے میں مفتی تقی عثمانی صاحب اور مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کا تصحیح شدہ ایک فتوی منقول ہے جس سے حکم بالا کی تائید ہوتی ہے وہ فتوی ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

اس مشکل کا اصل حل تو یہ ہے کہ اہل علاقہ کو چاہئے کہ جہاں سابقہ مسجد میں توسیع ممکن ہو وہاں توسیع کی جائے، تاکہ تمام نمازی ایک ہی جماعت میں شریک ہوسکیں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو اور مساجد تعمیر کرنے کا اہتمام کیا جائے، جہاں یہ دونوں باتیں مشکل ہوں تو مسجد میں گنجائش کم ہونے کی صورت میں ایک بار پوری مسجد بھر کر جماعت ہوجانے کے بعد جو لوگ جگہ میں گنجائش نہ ہونے پر پہلی جماعت میں شریک نہیں ہوسکے ان کے لئے اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ جن فقہاء نے تکرار جماعت سے منع کیا ہے انہوں نے ممانعت کی دو علتیں ذکر کی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱- اگر تکرار جماعت کی اجازت دے دی جائے تو پہلی جماعت کی اہمیت کم ہوگی، جماعت اولی سے تقاعد اور اسمیں تقلیل ہوگی، اور یہ بات تکرار جماعت سے ممانعت کی محض ایک حکمت نہیں، بلکہ علت ہے، اس لئے کہ جن صورتوں میں تکرار جماعت کی اجازت ہے فقہاء نے اس اجازت کو مذکورہ علت کے نہ ہونے پر متفرع فرمایا ہے، مثلاً مسجد شارع میں جماعت ثانیہ کا جواز، بعض فقہاء کے یہاں بلا تداعی تکرار جماعت کا جواز، غیر اہل محلّہ کے نماز پڑھنے کی صورت میں اہل محلّہ کے لئے جماعت ثانیہ کا جواز اور بلا اذان او اقامت تکرار جماعت کا جواز اسی علت کے نہ ہونے کی بنا پر ہے، چنانچہ ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

"ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة،لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثرا الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التي على قوار ع الطريق؛ لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدى إلى تقليل الجماعة، وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله، لأنه لا يؤدي إلى تقليل الجماعة، لأن المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف" (بدائع ۱/ ۱۵۳)۔

امام سرخسیؒ نے فرمایا:''**ولنا أنا أمرنا بتكثير الجماعة، وفي تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها؟لأن الناس إذا عرفوا أنهم تقوتهم الجماعة يعجلون للحضور، فتكثرالجماعة، وإذا علموا أنه لاتفوتهم يؤخرون فيؤدي إلى تقليل الجماعات، وبهذا فارق المسجد الذي على قارعة الطريق، لأنه**

ليس له، قوم معلومون فكل من حضر يصلى فيه فإعادة الجماعة فيه مرة بعد مرة لا تؤدي إلى تقليل الجماعات الخ"(المبسوط للسرخسی ۱/۱۳۶)۔

۲-بعض فقہاء نے تفرق کلمۃ المسلمین کوعلت قرار دیا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے:"**وإذا كان للمسجد إمام راتب ففات رجلا أو رجالا فيه الصلاة، صلوا فرادى ولاأحب أن يصلوا فيه جماعة، فان فعلوا أجزأتهم الجماعة فيه، وإنما كرهت ذلك، لأنه ليس مما فعل السلف قبلنا، بل قد عابه بعضهم، قال الشافعي: وأحسب كراهية من كره ذلك منهم إنما كان لتفرق الكلمة، وأن يرغب رجل عن الصلاة خلف إمام جماعة فيتخلف هو......إلى أن قال فأما مسجد بني على ظهر الطريق أو ناحية لا يؤذن فيه مؤذن راتب، ولا يكون له إمام معلوم، ويصلى فيه المارة، ويستظلون، فلا أكره ذلك فيه، لأنه ليس فيه المعنى الذي وصفت من تفرق الكلمة، وأن يرغب رجال عن إمامة رجل فيتخذون إماما غيره**"(الأم ۱/۱۵۴)۔

مذکورہ صورت میں یہ دونوں علتیں موجود نہیں، لہذا ایسی صورت میں تکرار جماعت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مسجد میں جتنے افراد کی گنجائش ہے پہلی جماعت میں اتنے افراد موجود ہوں، جگہ خالی نہ ہو، اگر پہلی جماعت میں گنجائش ہوتے ہوئے کچھ لوگ دوسری جماعت میں شریک ہوں گے تو وہ پہلی جماعت میں شریک ہونے میں سستی کے گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

جواب صحیح ہے، تکرار اذان کا تو جواز معلوم نہیں ہوتا، خارج از مسجد جماعت کے لئے مسجد محلّہ کی اذان کافی ہوجاتی ہے، تو مسجد میں جماعت ثانیہ کے لئے بطریق اولی کافی ہوگی، تکرار اقامت کے جواز میں تردد ہے، بلاعذر جماعت ثانیہ میں اقامت کے ساتھ زیادہ کراہت اور مزدلفہ میں مغرب وعشا کے درمیان عدم اقامۃ ان دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بھی اقامۃ ثانیہ نہ ہو، رجحان اس طرف ہورہا ہے کہ اگر دونوں جماعتوں کے درمیان کسی وجہ سے زیادہ فصل ہوا ہو تو اقامۃ دوبارہ کہی جائے، ورنہ نہیں۔

تنبیہ: واضح رہے کہ یہ جواب امریکا کے مخصوص حالات کے پیش نظر دیا گیا ہے اسے ہر جگہ کے لئے عام نہ سمجھا جائے گا (احسن الفتاوی ۱۰/۲۹۱-۲۹۳)۔

الجواب الثانی: اعذار ومجبوری کے وقت مساجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے اور حتی الامکان جمعہ کو مساجد میں ہی ادا کرنے کی پوری کوشش ہونی چاہئے، گرچہ اس کے لئے شہر وقصبہ کی تمام چھوٹی چھوٹی بڑی مساجد میں جمعہ قائم

کرنا پڑے، نیز اگر ایک جماعت سے کام نہ چلے اور جماعت ثانیہ ناگزیر ہو، تو گھروں میں جمعہ کے قیام کے بجائے، مساجد میں جماعت ثانیہ کے ذریعہ سے ضرورت پوری کی جائے، گھروں میں جمعہ کا قیام آخری اور مجبوری کے وقت ہے، ورنہ حتی الامکان مساجد ہی میں جمعہ کے قیام کا اہتمام ضروری ہے، اگر چہ جماعت ثانیہ کا ارتکاب کرنا پڑے، البتہ اگر کسی مجبوری سے مساجد میں جمعہ کا قیام ممکن نہ رہے، تو بقدر وسعت شہر وقصبات میں لوگ کسی مکان کے باہری حصے میں جمعہ ادا کریں، جمعہ کی قدرت کے وقت گھروں میں ظہر پڑھنا درست نہیں، البتہ جب کسی وجہ سے گھروں پر بھی جمعہ کا قیام نہ ہو سکے تو ظہر پڑھنے کی اجازت ہوگی، مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ، گھروں پر جمعہ کے قیام کے مقابل میں افضل اور مقدم ہونے کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱-مسجد میں جمعہ کی ادائیگی اور صحت گرچہ جماعت ثانیہ کی شکل میں ہو، متفق علیہ ہے اور ضرورت ومجبوری کے وقت کوئی کراہت بھی نہیں اور گھر کے کسی حصہ میں جمعہ کی صحت مختلف فیہ ہے، حضرات مالکیہ کے نزدیک جمعہ کی شرائط میں سے مسجد بھی ہے، لہذا متفق علیہ صورت مختلف فیہ کے مقابل میں افضل مقدم اور راجح ہوگی۔

”**واشترط المالكية لصحة صلاة الجمعة المسجد، فلاتصح الجمعة عندهم في الفضاء بين الأبنية إلا إذا صاق المسجد، فتجوز الصلاة في رحاب المسجد والطرق المتصلة به، ولا تجوز الصلاة على سطح المسجد، ولا في المواضع المحجوزة كالدور والحوانيت على المشهور**“ (فضائل الجمعہ محمد طاہر اسد اللہ ص ۲۷۲، الذخیرۃ للقرافی ۱۷۷/۲، شرح منح الجلیل ۲۵۶/۱)۔

۲-گھروں میں جمعہ کے قیام سے مقصد جمعہ یعنی اجتماعیت فوت ہوجاتی ہے، اس کے برعکس مسجد میں ادا کرنے سے گرچہ جماعت ثانیہ کی شکل میں ہو، یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔

۳-اعذار کے ختم ہونے کے بعد بھی، گھروں میں، جمعہ کے رواج کا خطرہ باقی رہے گا جو روح جمعہ کے منافی ہے، اس لئے مسجد کی جماعت ثانیہ سے اس خطرے کا سد باب ہی انسب ہے۔

۴-گھر کے بجائے مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ کی افضلیت وارجحیت کے لئے ان امور کو بھی ملحوظ رکھا جائے جو سوال نمبر ا کے تحت، نماز پنجگانہ کی جماعت ثانیہ کی ترجیح وعدم کراہت کے سلسلے میں ذکر کئے گئے ہیں۔

۳- قصبے اور شہر میں جو لوگ پابندیوں کی وجہ سے جمعہ کی نماز مسجد میں نہ ادا کرسکیں اور ان کی تعداد اتنی ہو کہ وہ جمعہ پڑھ سکتے ہوں اور امامت وغیرہ کے لئے افراد موجود ہوں اور گھر کا کوئی ایسا باہری حصہ موجود ہو، جس میں دوسرے کو آنے کی قدرت موجود ہو، تو ایسے افراد گھر کے اس باہری حصہ میں جمعہ کی نماز ادا کریں، ظہر ادا کرنا درست نہیں، کیونکہ جمعہ کے دن شہر

وقصبات میں اصل جمعہ کی نماز ہے اورضرورت ومجبوری کے وقت تعدد جمعہ میں کوئی کراہت بھی نہیں، اور جمعہ کی صحت کے لئے احناف کے نزدیک مسجد کی شرط نہیں، بلکہ میدان یا گھر کے باہری حصے یا کسی ایسے حصے میں جہاں دوسرے لوگوں کا اجتماع ممکن ہو، ادائیگی جمعہ صحیح ہے، لہذا حضرات جمعہ ادا کریں ظہر پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں۔

"وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا أي سواء كان المصر كبيرا أولا، وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أولا، وسواء قطع الجسر أوبقي متصلاوسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر هكذا مفاد، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسى، على المذهب، وعليه الفتوى شرح المجمع للعينى وإمامة فتح القدير، دفعا للحرج" (شامی ۱۵/۳)۔

البتہ اگر کسی وجہ سے یہ حضرات مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ جمعہ قائم نہ کر سکتے ہوں خواہ امام نہ ہونے کی وجہ سے یا مطلوبہ تعداد نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے تو ایسی صورت میں یہ حضرات ظہر جماعت سے ادا نہیں کریں گے، کیونکہ جمعہ کے دن شہر یا قصبہ میں معذورین کے لئے ظہر فرادی فرادی پڑھنے کا حکم ہے جماعت سے ادا کرنا منع ہے، حضرات فقہاء نے مکروہ تحریمی اور ناجائز لکھا ہے۔

"وكره تحريما لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظهر بجماعة فى مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع؛ لأن شعار المسلمين فى هذا اليوم صلاة الجمعة وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم فكان صورتها كراهة التحريم" (شامی ۳۲/۷۲)، یعنی معذورین کے لئے ظہر باجماعت میں کم از کم معارضہ کی صورت بہرحال پائی جائے گی اور صورتا معارضہ بھی شریعت میں ناجائز ہے، مثلاً رمضان المبارک میں دن کے اوقات میں معذورین وغیرہ کے لئے لوگوں کے سامنے کھانے پینے کی ممانعت صورتا معارضہ ہی کی وجہ سے۔

اس کے برعکس ایک تیسری شکل یہ بنتی ہے کہ کسی مجبوری سے پوری آبادی میں جمعہ کا قیام نہ ہو سکے تو اس صورت میں لوگ اپنے اپنے گھروں میں ظہر باجماعت ادا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ گھر پر بھی جمعہ ادا کرنا ممکن نہ ہو، کیونکہ کراہیت جماعت کی علت تقلیل جماعت جمعہ اور صورت معارضہ ہے اور جب یہ دونوں علتیں مفقود ہوں تو کراہت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی ہے، اسی وجہ سے دوسری نمازوں یا قضاء کی جماعت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

"أن القضاء بالجماعة غير مكروه وفى البحر، وقيد بالظهر؛ لأن فى غيرها لابأس أن يصلوا جماعة" (۳۲/۳)، **"ولأن الناس يتركون الجماعة هذا اليوم لإقامة الجمعة"** (المحیط البرہانی ۱۷۹/۲)۔

۴- کرونا کی وجہ سے سرکاری ہاسپٹل وغیرہ میں وفات پانے والے افراد جن کو مخصوص کور میں لپیٹ دیا گیا ہو اور کھولنے کی اجازت نہ دی گئی ہو یا کھولنے کی صورت میں معتبر اطبا کے مطابق ،مرض کے تعدیہ کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں غسل دینا فرض نہیں ، بلکہ کور کے اوپر سے پانی بہادینا کافی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کو بھی ترک کردینا جائز ہے اور کور کے اوپر پانی بہادینا مسح کے حکم میں ہے، اس لئے اگر پانی نہ بہا سکے اور پورے بدن پر مسح کیا جا سکتا ہو، کس تر کپڑے وغیرہ سے، تو مسح کرادینا کافی ہوگا، بہر حال پانی بہانا مسح کرادینا دونوں درست ہے لیکن غسل پر قدرت نہ ہونے کے وقت کور کے اوپر پانی بہانا سب سے بہتر صورت ہے، اس لئے کہ اس میں غسل سے مشابہت ہے اور مسح کرانا آخری درجہ ہے اور اگر چہرہ اور ہاتھ کھولنا ممکن ہو، لیکن پورے جسم سے کور ہٹانا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمّم کرانا ضروری ہے اور تیمّم کو ترک کر کے صرف کور کے اوپر پانی بہانا کافی نہیں۔

حضرات فقہاء نے غسل میت کے اسقاط کے لئے تین اسباب بیان فرمائے ہیں: انعدام الغاسل، انعدام مایغسل بہ، شہادہ، اول الذکر دونون اسباب پائے جانے کی صورت میں تیمّم کا حکم ہے، اور تیمّم بھی ممکن نہ ہو تو غسل ساقط ہے، البتہ مذکورہ صورت کو چہرہ سے بھی مشابہت حاصل ہے جس کا حکم یہ ہے کہ چہرہ پر مسح کیا جائے یا چہرہ کو دھلا جائے، لہذا مذکورہ صورت میں اگر تیمّم ممکن ہو تو تیمّم کرایا جائے گا ورنہ اسی کور کے اوپر پانی بہادیا جائے یا مسح کرادیا جائے۔

"غسل الميت يسقط بأسباب أحدها انعدام الغاسل والثانی انعدام مايغسل به، والثالث الشهادة"(المحیط البرہانی ۲/۲۸۵)، **"ولو أدخل رأسه الا ناء أو خفه أو جبرته وهو محدث أجزأه، ولم بصرالماء مستعملا وان نوی"**(شامی ۱/۲۱۴)، **"ويمسح نحو مفتصد وجريح على كل عصابة إن ضره الماء أوصلها أنكر ظفره، فجعل عليه دواء أو وضعه على شقوق رجله أجرى الماء عليه ان قد إلامسحه، وإلاتركه"**(شامی)۔

کفن کا حکم:

جب میت کے اوپر سے کور کو ہٹانا ممکن نہ ہو اور میت کے بدن پر پہلے سے لباس موجود ہو اور کور اسکے اوپر پہنایا گیا ہو تو ایسی صورت میں ضابطے کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر میت مرد ہو تو اس کے اوپر ایک سفید چادر ڈال کر اس میں لپیٹ دیا جائے تو کل تین کپڑے ہو جائیں گے، ایک اس کا اپنا لباس، ایک کور اور اوپر سے کفن اور اگر میت عورت ہو، تو ایسی صورت میں اس کو مزید تین کپڑے دیئے جائیں گے، تا کہ کفن مسنون کی تعداد پوری ہو جائے، یہ میت کا حق ہے، لہذا ورثہ اگر چہ نابالغ ہوں، تو بھی اس کے ترکہ سے کفن کی یہ تعداد پوری کرنا شرعاً مسنون ہے۔

حاصل یہ ہے کہ کور کو پورا کفن نہیں مانا جائے گا، کفن کے ایک کپڑے یعنی ازار یا کرتا کے حکم میں ہوگا، اب جتنی تعداد کفن مسنون سے کم ہو، وہ پوری کی جائے، اس سے بحث نہیں کہ نیچے کے کپڑے رنگین ہیں یا سفید، نئے ہیں یا پرانے، پاک ہیں یا ناپاک، کیونکہ جب ان کو اتارنا ممکن نہیں، تو جس طرح سے شہداء کے بدن پر موجود کپڑے کو کفن کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اسی طرح سے ایسے میت بدن کے پر موجود کپڑوں کا بھی کفن کا درجہ دے دیا جائے گا، اس حکم پر خصوصا اس وقت عمل ضروری ہوگا جب ورثہ میں کوئی نابالغ بھی ہو اور کفن ترکہ سے دیا جائے، کیونکہ کور اور اس کے بدن پر پہلے سے موجود کپڑوں کو کفن کا درجہ نہ دیا جائے پھر بھی احتمال ان کے کفن کے جز ہونے کا رہے گا، لہذا اس کو کالعدم ماننے کی صورت میں، تیمّم کے مال میں بلاوجہ شرعی تصرف ہوگا، جو احتیاط کے تقاضے کیخلاف ہے اور جب کسی حکم میں جہت حرمت واباحت دونوں جمع ہوں، تو ایسی صورت میں جہت حرمت کو مقدم رکھا جاتا ہے۔

اور اگر ورثہ بالغ ہوں اور ان کی اجازت ورضا سے کفن مسنون علاحدہ سے دیا جائے اور میت کے بدن پر موجود کور اور کپڑوں کو کالعدم رکھا جائے تو چونکہ اس میں میت کا اعزاز ہے اور کسی کے حق کا ضیاع نہیں، اس لئے اس کی بھی گنجائش ہوگی، اسی طرح کوئی بالغ وارث یا تیسرا شخص اپنے مال سے کور وغیرہ کو کالعدم مان کر، مستقل کفن مسنون دے دے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اس وجہ سے کہ جب حقیقت پر عمل ممکن نہ ہو تو صورت ہی اختیار کی جاتی ہے، مثلاً: تشبہ بالمصلین اور تشبہ بالصائمین وغیرہ کے احکام کتب فقہیہ میں مذکور ہیں، تو اسی طرح سے اس میت کی تکفین میں بھی وہی شکل وصورت اختیار کرنے کی گنجائش ہے، جو دیگر میت کے ساتھ اختیار کی جاتی ہے بشرطیکہ کسی محذور شرعی کا ارتکاب لازم نہ آئے، البتہ کرونا میت کے اوپر والے کور کو کفن کا حصہ شمار کر کے اگر کفن مسنون کی مقدار پوری ہو رہی ہے تو مزید کپڑوں کو ترک کردینے کے سلسلے میں یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہئے کہ کسی دوسری قوم سے مشابہت ہرگز نہ ہونے پائے، لہذا ہندوستان جیسے ملک میں کور کا رنگ لال، پیلا بھی ہوسکتا ہے، اس لئے اس سے بچنا بہرحال لازم اور ضروری ہے اور مشابہت سے احتراز کے لئے اصلا طریقہ کم از کم یہ ہے کہ اسی کور کے اوپر سفید کفن لپیٹ دی جائے، تاکہ غیر مسلموں کے شعار سے تحرز اور اسلامی طریقہ سے مشابہت پائی جائے، نیز اگر تمام اہل اسلام کور کے اوپر خواہ کسی رنگ کا ہو، سفید کپڑا لپیٹنے لگیں، تو دوسری میت سے امتیاز بھی ہوجائے گا اور مسلم میت کو غیر مسلم میت سے ممتاز کرنا شرعا مطلوب ہے اور آپ ﷺ نے سفید کپڑوں میں تکفین کا حکم بھی فرمایا ہے۔

"البسوا البياض: فإنها أطهر وأطيب وكفنوا فيها موتاكم" (شمائل ترمذی ص۵)، **"أووجد صريحا ميتا فى معركتهم فيزع عنه مالايصلح لكفن ويزاد إن نقص ماعليه عن كفن السنة وينقص إن زاد لأجل أن يتم كفنه المسنون"** (شامی ۲/۱۶۱)، **"ويزيدون فى أكفانهم ما شاء وا، وينقصون ماشاوا، قيل:**

معناه على ما عليه من الثياب إذا قل حتى يبلغ السنة وينقص مما عليه إذا كثر حتى يبلغ السنة"(المحیط البرہانی ۲/۲۹۸)۔

۵-الف: جب کسی مجبوری کی وجہ بغیر جنازہ کے دفن کردی جائے خواہ غسل دیا گیا ہو یا غسل نہ دیا گیا ہو،تو میت کے پھٹنے سے پہلے،اس کی قریب نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے،قبر پر نماز جنازہ کی صحت کے شرائط درج ذیل ہیں:

۱-میت کے قبر میں پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو،لیکن جب تدفین کے بعد اتنا زمانہ گذر گیا ہو،جس میں نعش کے پھٹ جانے کا ظن غالب ہوجائے،تو قبر پر نماز جنازہ صحیح نہیں اور پھٹنے کے لئے شرعا ایام کی کوئی تحدید نہیں،بلکہ موسم اور مٹی وغیر کے لحاظ سے اہل تجربہ کا قول معتبر ہوگا۔

"**وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أوبها بلا غسل أو ممن لاولاية له صلى على قبره استحسانا، قوله صلى على قبره أي افتراضا في الأوليين، وجوازا في الثالثة؛ لأنها لحق الولي**"(شامی ۳/۱۲۵)۔

"**قلت:والذي في البدائع أن التوقيت بالثلاث غير لازم في المذهب، ولفظه، ولو دفن بعد الغسل قبل الصلاة عليه صلى عليه في القبر مالم يعلم أنه تفرق وفي الأمالي عن أبي يوسف أنه قال: يصلى عليه إلى ثلاثة أيام......والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم ؛لأنه يختلف باختلاف الأوقات فى الحروالبرد، وباختلاف حال الميت فى السمن والهزال وباختلاف الأمكنة فيحكم فيه غالب الرأي و أكبر الطن**"(اعلاء السنن ۸/۳۵۶)۔

۲-قبر کا سامنے موجود ہونا صحت جنازہ کے لئے شرط ہے،لیکن غسل اور کفن کی طہارت وغیرہ شرط نہیں،ملبہ وغیرہ میں دریا میں ڑوبا ہو جس کو نکالنا ممکن ہو قبر میں مدفون کے حکم میں ہوگا،لہذا بغیر غسل اور کفن کے اس کی جنازہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ صحیح ہے۔

ب- اگر میت کو بغیر غسل وجنازہ وغیرہ کے غیر معلوم قبرستان میں دفن کردیا جائے،تو ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں،البتہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہے،خصوصا اس شخص کی جس کی نماز جنازہ پڑھی ہی نہ گئی ہو تو شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس کی غائبانہ نماز ادا کرنے کا حکم ہے،اور آپ ﷺ سے حضرت نجاشی اور معاویہ بن معایہ مزنیؓ کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت ہے،یہ یا تو آپ ﷺ کی خصوصیت ہے یا آپ ﷺ کے سامنے ان کے جنازے حاضر کردیئے گئے تھے،اس لئے یہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہوئی،بہر حال محدثین وفقہاء اس مسئلہ میں اختلاف

کرتے ہیں، یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، لہذا حنفیہ مستقلا غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ کریں، البتہ میت کے لئے دعا واستغفار کا حکم ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو جنازہ کے بعد آنے کی صورت میں میت کے لئے دعا واستغفار کا حکم فرمایا، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ اپنے بھائی عاصم کی قبر پر کھڑے ہوکر دعا فرمائی ،لیکن نماز جنازہ نہیں پڑھی (اعلاء السنن ۸/ ۱۷۴)۔

"علماؤنا رحمهم الله: احتجوا بما روي أن رسول الله ﷺ صلى على جنازة فلما فرغ جاء عمرؓ عنه، ومعه قوم، فأراد أن يصلي عليها، فقال عليه السلام: الصلاة على الجنازه لاتعاد، ولكن ادع للميت واستغفرله، وروي عن عبدالله بن عمرؓ أنه لما مات أخوه عاصم قال لابن عاصم: أرني قبر أبيک فأراه، فقام عليه ودعاولم يصل عليه" (المحیط البرہانی/ ۳۳۳)۔

لہذا جب غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت میں اختلاف ہوگیا، تو اختلاف کی وجہ سے یہ حکم ناجائز اور حرام نہیں، اس لئے اگر کوئی شافعی یا حنبلی یا اہل حدیث غائبانہ نماز جنازہ پڑھے اور حنفیہ اس کی اقتدا کرلیں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اگر ولی جس کو حق تقدم حاصل ہے اس نے نماز جنازہ نہ ادا کیا ہو، تو اس کو نماز جنازہ کے اعادہ یہاں تک کہ قبر پر بھی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے، تو جن لوگوں نے ابھی تک نہ پڑھا ہو تو وہ لوگ اس کی اقتدا میں پڑھ سکتے ہیں، تو جس طرح غیر اولیا جن کے لئے نماز ساقط ہوگئی تھی، لیکن ولی کے ساتھ اجازت حاصل ہوگئی اسی طرح سے جن کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہے ان کی اقتداء میں ان لوگوں کو بھی اجازت ہونی چاہئے جن کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ فرض ومسنون نہیں، اس لئے کہ نماز جنازہ میں دعا کا پہلو غالب ہے اور اگر نماز جنازہ صحیح نہ بھی ہوئی تو دعا واستغفار تو کہیں گیا نہیں اور یہ فعل و عمل اقتدا ہونے کی وجہ سے ناجائز بھی نہیں، ''انوار الباری'' میں ہے: عام کتب حنفیہ میں یہ بھی ہے کہ قبر پر نماز صرف ولی میت کے لئے جائز ہے، جبکہ اس کی نماز نہ ہوئی ہو، لیکن ''مبسوط'' میں نماز لوٹانے کا جواز مطلقا دوسروں کے لئے بھی ولی کے ساتھ ہے یہ سہولت احادیث کی روشنی میں بھی درست معلوم ہوتی ہے (انوار الباری ۱۹/ ۳۳۸)، **"فليس لمن صلى اولا، أن يعيد مع الولي"** (شامی ۳/ ۱۲۴)۔

"أفاده قيد لمن صلى أولا، وقيود الفقه احترازية" (امداد الاحکام ۱/ ۷۷۴)۔

قبر پر نماز جنازہ کا جواز جب کہ میت کو بلا غسل وغیرہ کے دفن کیا گیا ہو، جہت دعا کا لحاظ کرتے ہوئے ہے، اسی طرح اقتدا کا جواز بھی جہت دعا کا لحاظ کرتے ہوئے ہوگا۔

"صلاة الجنازة صلاة من وجه ودعاء من وجه (فإذا) كانت دعاء من وجه تجوز بدون الطهارة

(فی حالۃ العجز)"(المحیط البرہانی ۲/ ۳۲۸)۔

نیز اقتدا بالمخالف کے جواز سے بھی اس مسئلہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے، مثلاً فجر میں شافعیہ کی اقتدا اور دوسلام سے وتر پڑھنے والے کی اقتدا کو حضرات فقہاء نے جائز کہا ہے باوجودیکہ حنفیہ کے یہاں یہ امور غیر مشروع ہے، اس کے باوجود اقتدا کا جواز دلالت کرتا ہے کہ جن امور کو اصالۃ نہ کیا جاسکے اقتداء اس کی گنجائش ہوگی جبکہ معصیت اور منکر نہ ہو۔

قبرستان معلوم ہو قبر معلوم نہ ہو:

ایسی صورت میں علامت اور قرائن کے ذریعہ سے قبر پر نماز جنازہ کی اجازت معلوم ہوگی، گرچہ بندہ کی نظر سے کہیں صراحت نہیں گذری، لیکن تقریبا تمام کتب فقہیہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ جب مسلم وغیر مسلم دونوں طرح کے اموات جمع ہوں اور کوئی شناخت نہ ہو، تو ایسی صورت مین اگر قرائن اور علامات سے مسلم کی شناخت ہوسکتی ہو، تو اس کو علاحدہ کرکے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اسی طرح اگر شناخت نہ ہوسکے، تو مسلم اموات زیادہ ہیں، تو بھی مسلم کی نیت سے سب پر اجتماعا نماز جنازہ ادا کردی جائے گی (المحیط البرہانی ۲/ ۳۳۱)، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی میت بلا جنازہ کے دفن ہوگئی ہے ہے اور علامت اور قرائن سے قبر کی شناخت ہوسکتی ہو، تو علامت سے تعیین کرکے اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہونا چاہئے، مثلاً قبرستان میں کوئی قبر نئی اور تازہ ہو تو اس کے ذریعہ سے بھی تعیین کی جاسکتی ہے اور اگر بہت سی قبور نئی اور تازہ ہوں، جیسا کہ وبائی امراض وغیرہ کے وقت ایسا ہوتا ہے تو تازی قبروں کو سامنے رکھتے ہوئے جس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی ہے، اس کی نیت سے نماز جنازہ پڑھنے کا بھی جواز معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں بالکل قبر کے پاس کھڑا ہونا ضروری نہ ہوگا، جیسے کہ کوئی میت ملبہ وغیرہ میں دب جائے اور نکالنا ممکن نہ ہو تو اسی ملبے پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے اور ملبے کو قرمان لیا جائے گا (شامی ۳/ ۱۲۵ زکریا)۔

اسی طرح جب قبر کی نشان دہی نہ ہو اور قبر معلوم نہ ہو اور علامت سے بھی کسی ایک کی تعیین دشوار ہو تو ایسی صورت میں جن قبروں کے بارے میں گمان ہو کہ انہیں میں سے کوئی ایک ہے انہیں کو سامنے رکھتے ہوئے نماز جنازہ ادا کردی جائے۔

☆☆☆

کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مفتی تنظیم عالم قاسمی☆

۱-(الف) کورونا کے ماحول میں مسجد میں ایک سے زائد جماعت کا حکم:

مسلمانوں کا ایمان کمزور ضرور ہے مگر اتنا نہیں کہ بالکلیہ وہ اپنے خدا کو بھول جائیں اور ان میں خدا بیزاری پیدا ہو جائے، اس لئے مصیبت کے وقت ہی سہی وہ مسجدوں کا رخ کرتے ہیں اور اپنی پریشانیوں کا روحانی علاج چاہتے ہیں۔ اپنے رب کے سامنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرکے اسلامی زندگی گذارنے کا عہد کرتے ہیں، مصائب ومشکلات کے وقت یہ ایمانی جذبہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ حکومت یا انتظامیہ کی جانب سے منع کرنے کے باوجود مسجدوں میں نمازیوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے اور عام دنوں کے مقابلے میں مصلیوں کی تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے بالخصوص نماز جمعہ میں عوام کسی طرح سے بھی سمجھوتہ کرنا نہیں چاہتے۔ اب ایسے وقت میں علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ اگر جمعہ یا کسی نماز کے لئے بڑی جماعت کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے یا پیچیدگی پیدا ہوسکتی ہے تو فقہی جزئیات اور اصول وقواعد کو سامنے رکھتے ہوئے تعدد جماعت کی اجازت دیں اور انہیں نماز سے محروم نہ کریں۔ اس طرح انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جڑنے اور اپنے حقیقی مالک کے حضور کھڑا ہونے کا موقع ملے گا اور توبہ کی توفیق ہوگی اور اگر تعدد جماعت سے روکا گیا تو مساجد اور انتظامیہ سے نفرت ہوجائے گی اور بے دینی کی راہ پر چل کھڑے ہوں گے۔ گھروں میں نماز کا اہتمام دشوار ہوتا ہے اس لئے بھی مساجد کے دروازے جہاں تک ہو سکے کھولنے میں فراخ دلی سے کام لینا چاہئے۔

جمعہ ہو یا عیدین یا پنج وقتہ نماز، یہ مسئلہ ہر نماز کی جماعت ثانیہ کے لئے ہے کہ ایک مسجد میں ایک ہی نماز کی متعدد جماعتیں درست ہیں یا نہیں؟ ہیئت اولیٰ کے ساتھ محلّہ کے لوگوں کا محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اور ہیئت اولیٰ کی تبدیلی کے ساتھ مثلاً محراب سے ہٹ کر کسی کنارے پر جماعت ثانیہ کی جائے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے اور طرفین کے نزدیک مکروہ تحریمی۔ اسی طرح فقہی کتابوں میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ اگر مسجد میں

☆ استاذ حدیث دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد۔

امام وموذن مقرر نہ ہوں یا محلّہ کی مسجد نہ ہو بلکہ راستہ یا اسٹیشن کی مسجد ہو جہاں سے لوگ گذرتے رہتے ہیں یا محلّہ کی مسجد تو ہو مگر جماعت ثانیہ کرنے والے محلّہ کے لوگ نہ ہوں بلکہ عام مسافرین ہوں تو ان تمام صورتوں میں بلا کراہت جائز ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد جماعت عام حالات میں ممنوع ہے لیکن جب کوئی خاص صورت پیدا ہو جائے تو ممنوع نہیں ہے۔فقہاء کرام نے اس سے متعلق آراء کو سامنے رکھتے ہوے یہ تجزیہ کیا ہے کہ تعدد جماعت کی ممانعت کی علت تقلیل جماعت ہے۔

”لأ ن التكرار يؤدى إلىٰ تقليل الجماعة ؛لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعةو تقليل الجماعة مكروه“(بدائع الصنائع ۱/۳۸۰)۔

اگر عام حالات میں جماعت ثانیہ کی راہ کھول دی جائے تو لوگ سستی اور کوتاہی کے شکار ہو جائیں گے۔ان کے دماغ سے جماعت کی اہمیت ختم ہو جائے گی، وقت جماعت پر مسجد کی طرف رخ کرنے کے بجائے اپنے کاموں میں مصروف رہیں گے۔وہ یہ سمجھیں گے کہ جماعت کا وقت ہوا تو کیا ہوا، دو تین مل کر پھر ہم لوگ جماعت بنالیں گے اور اس طرح مختلف بہانوں سے ترک جماعت کے شکار ہو جائیں گے۔حالاں کہ احادیث مبارکہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے اور بلا عذر تارکین جماعت کے لئے رسول اکرم ﷺ نے سخت کلمات ارشاد فرمائے ہیں (صحیح مسلم) ......سخت وعید کا مطلب ہے کہ جماعت بلا عذر ترک نہ کی جائے ،اس کی وقعت اور اہمیت دل میں اتنی رہے کہ ایک مسلمان جماعت کے پانے کے لئے ہر طرح کا کام چھوڑ دے، تمام ضروریات پر اس کو مقدم رکھے۔البتہ مجبوری کی صورت میں تعدد جماعت کی اجازت ہوگی، جہاں جان بوجھ کر جماعت ترک نہ کی جا رہی ہو، جیسے چند لوگ مل کر سفر کر رہے ہیں اور کسی مسجد میں نماز ہو چکی ہے تو یہ اپنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں۔بازار کی کوئی مسجد ہے جس میں بیک وقت تمام مصلیان نہ سما سکیں، وہاں بھی تعدد جماعت کی گنجائش ہے، اگر عین جماعت کے وقت بارش کی وجہ سے لوگ مسجد میں نہ آسکیں تو بعد میں آنے والوں کے لئے ہیئت بدل کر جماعت ثانیہ کی اجازت دی گئی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے شامی ۲/۲۸۸)۔

کورونا وائرس کی وجہ سے نماز جمعہ، عیدین یا پنج وقتہ نماز کی جماعت کی تکثیر پر اگر پابندی ہو تو ایک سے زائد جماعت کی بلا کراہت اجازت ہوگی۔کیونکہ یہاں تہاون اور جماعت کی ناقدری کی وجہ سے جماعت کا تعدد نہیں ہو رہا ہے اور نہ ہی تقلیل جماعت کی علت یہاں پائی جا رہی ہے، بلکہ قانونی مجبوری یا وائرس کے پھیلنے کا اندیشہ ہے۔بالخصوص عیدین یا جمعہ کی نماز جو شعائر اسلام میں سے ہے اور مسلمان جس کا حد درجہ اہتمام کرتے ہیں، اس کے لئے تو باضابطہ امام اور کمیٹی کی جانب سے عام اعلان کر دینا چاہئے کہ جو چاہیں اپنی جماعت الگ سے بنالیں۔البتہ خیال رہے کہ ہر جماعت کا امام اور

ہر ایک کی جگہ علیحدہ علیحدہ ہو۔مسجد اگر چھوٹی ہے اور ہر ایک کے لئے ہیئت کی تبدیلی مشکل ہو تو ایک ہی جگہ کئی جماعتیں کی جاسکتی ہیں۔

۱-(ب)ازدحام کی وجہ سے نماز جمعہ کا تکرار:

تکرار جماعت کی کراہت کا مدار اصل جماعت کی کثرت کا متأثر ہونا ہے کہ اس سے پہلی جماعت میں افراد کم ہوں گے اور جماعت سے لوگوں کی لاپرواہی ہوگی ،لیکن جہاں یہ وجہ موجود نہ ہو وہاں تکرار جماعت کی گنجائش ہے۔جیسے اگر کسی مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے آئے ہوئے نمازی نہ سما سکیں ،مصلیوں کی تعداد زیادہ ہو اور وہاں دوسری مسجد بھی نہ ہو جہاں باقی افراد جا کر نماز جمعہ ادا کرسکیں ،باہر نماز ادا کرنے کی جگہ نہ ہو یا نماز پڑھنے سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں تو تمام صورتوں میں جمعہ کی نماز کے لئے ایک سے زائد جماعت کی جاسکتی ہے۔

”إنا أمرنا بتكثير الجماعة، و فی تكرار الجماعة فی مسجد واحد تقليلها؛ لأن الناس إذا عرفوا انهم تفوتهم الجماعة يعجلون للحضور فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنه لا تفوتهم يؤخرون فيؤدی إلی تقليل الجماعات“(مبسوط سرخسی ۱/ ۱۳۵)۔

تاہم بہتر یہ ہے کہ آس پاس میں اگر کسی کا کشادہ مکان ہو یا شادی خانہ یا ہال وغیرہ ،وہاں جماعت کر لی جائے تا کہ صورتاً جماعت اولیٰ کا استخفاف نہ ہو اور اس سے ہمیشہ کے لئے تعدد جماعت کی راہ پیدا نہ ہو جائے۔پھر مسجد کی کمیٹی کو چاہئے کہ جیسا بھی ہو مسجد کی توسیع کرے ،توسیع کی جگہ نہ ہو تو اسی پر دو تین چھت ڈال دے۔مساجد کی تعمیر میں آبادی کو ملحوظ رکھنا چاہئے ،محلّہ بڑا ہے تو اس کے لئے دوسری مسجد تعمیر کی جائے اور وہاں جمعہ کا اہتمام کیا جائے۔یہ مسلمانوں کے لئے المیہ ہے کہ شادیوں میں ،اپنے گھروں کی تعمیر اور آسائش میں لاکھوں روپے بے دریغ خرچ کرتے ہیں مگر مسجد کی توسیع اور اس کی تعمیر نو کی فکر نہیں ہوتی۔سڑکوں پر عیدین اور جمعہ کی نماز ادا کرنے کو اپنی شوکت سمجھتے ہیں جو غلط ہے۔برادران وطن کو اس کا غلط پیغام جاتا ہے اور اس میں گذرنے والوں کے لئے ایذا رسانی بھی ہے ،اس لئےلوگوں کو اعتراض ہو یا نہ ہو بہر حال اس سے گریز کرنا چاہئے۔

۲-وائرس کے دوران گھروں میں نماز جمعہ کا شرعی حکم:

جس جگہ جمعہ کی شرط پائی جاتی ہے وہاں آبادی کے اعتبار سے جمعہ کے تعدد پر سب کا اتفاق ہے۔ایک سے زائد جگہوں میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔”الدرالمختار“میں ہے:”و تؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة “ علامہ شامی اس کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

”أی سواء کان المصر کبیرا أو لا و سواء فصل بین جانبیه نهر کبیر کبغداد او لا ...... و مقتضاه أنه لا یلزم أن یکون التعدد بقدر الحاجة، کما یدل علیه کلام السرخسی ...... لأن فی الزام اتحاد المواضع حرجا بینا لاستدعائه تطویل المسافة علی أکثر الحاضرین، و لم یوجد دلیل علی عدم جواز التعدد بل قضیة الضرورة عدم اشتراطه لا سیما إذا کان مصرا کبیرا کما قاله الکمال“ (شامی ۲/۱۴۵)۔

پھر جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کا ہونا بھی شرط نہیں ہے۔کہیں بھی کھلی جگہ جوشہر یا فنائے شہر میں واقع ہو،اس کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔جیسے کسی یونیورسٹی ،کالج ،آفس وغیرہ میں کام کرنے والے اگر چاہیں تو نماز جمعہ اپنی جگہ رہتے ہوے ادا کر سکتے ہیں جب کہ آس پاس میں مسجد نہ ہو یا مسجد تک جانے میں دشواری پیش آتی ہو۔

”ولو صلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قری و فیها وال و حاکم جازت الجمعة بنوالمسجد او لم یبنوا......والمسجد الجامع لیس بشرط، و لهذا أجمعوا علی جوازها بالمصلی فی فناء المصر “(حلبی۔۵۵۱)۔

کورونا وائرس کے دوران مسجد میں تعدد جماعت کی صورت نہ بن سکے یا ہر ایک لئے وہاں حاضر ہو کر نماز پڑھنے میں بیماری کے پھیلنے کا اندیشہ ہو یا حکومتی گائڈ لائن کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو ان صورتوں میں گھروں میں نماز جمعہ کی اجازت ہوگی۔بہتر یہ ہے کہ چند گھروں کے افراد مل کر کسی ایک کشادہ مکان میں نماز جمعہ پڑھ لیں اور جماعت جتنی کم سے کم بنے اتنا ہی بہتر ہے،تا کہ اس میں ایک حد تک اجتماعیت کا معنی پایا جائے اور اس کے زیادہ پھیلاؤ سے جمعہ مذاق نہ بن جائے۔عوام کے ذہن میں جمعہ کی نماز میں جامعیت کا تصور ہے،کئی گھر کے لوگ مل کر ایک جگہ ادا کریں گے یا ایک گلی کے لوگ ایک جگہ ادا کرلیں گے تو اس سے تشتت پیدا نہیں ہوگا۔اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو راقم الحروف کا خیال ہے کہ پھر ہر گھر میں الگ الگ نماز جمعہ پڑھنے کے بجائے ظہر کی نماز پڑھ لی جائے۔مجبوری اور اعذار کی صورت میں جمعہ کی نماز ساقط ہو جاتی ہے،وائرس کا پھیلاؤ اور حکومت کی جانب سے اجازت کا نہ ملنا یہ بھی مجبوری ہے،لہذا جمعہ کی نماز کی جگہ ظہر کی گنجائش ہے۔تاہم کسی گھر کے افراد جمعہ پڑھنے پر اصرار ہی کریں تو پڑھنے کی اجازت ہوگی،جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی جب کہ امام کے علاوہ تین افراد ہوں اور اذن عام ہو خواہ مصلحتاً دروازہ بند کرلیا گیا ہو۔جمعہ کی نماز کی عوام میں بڑی اہمیت ہے اس لئے اس کی ادائیگی کی اجازت دی جانی چاہئے خاص طور پر اس لئے بھی کہ اب یہ مسلمانوں کا شعار ہے۔اس سے مسلم آبادی کا علم ہوتا ہے اور مسلمانوں میں جوش وخروش پایا جاتا ہے۔اس سے روک دیا جائے تو مسلمان جمعہ کی نماز سے بھی محروم ہوں گے اور ظہر کی نماز سے بھی، کیوں کہ ظہر کا لوگ اہتمام نہیں کرتے۔اس طرح مہینوں گذر جائیں گے بہت سے لوگ نماز ہی ادا نہیں کریں گے۔شاید یہی وجہ

ہے کہ سال گذشتہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء نے گھروں میں نماز جمعہ کے ادا کرنے کی اجازت دی ہے جس پر پوری دنیا میں عمل کیا گیا۔سب کو معلوم ہے کہ گھروں میں جمعہ کی نماز ایک عذر اور مجبوری کی وجہ سے ہے جبیہ عذر ختم ہو جائے گا تو اجازت بھی ختم ہو جائے گی۔آئندہ کے لئے معمول بننے اور تشتت کا خطرہ نہیں ہے۔

۳-جمعہ کے دن گھروں میں ظہر کی جماعت ادا کرنا:

معذورین کے لئے جمعہ کے دن مسجد کے بجائے گھروں میں نماز ظہر پڑھنے کی اجازت ہے۔ان کے اعذار کے سبب جمعہ ان سے ساقط ہو جاتا ہے لیکن گھروں میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ایک تو اس لئے کہ اس سے جمعہ کی جماعت سے معارضہ کی صورت پیدا ہوگی اور دوسرے تقلیل جماعت کا اندیشہ ہے کہ کچھ لوگ ممکن ہے کہ جمعہ کے بجائے یہیں ظہر ادا کرلیں۔یہاں تقلیل جماعت تو نہیں ہے تاہم معارضہ کی صورت بہر حال موجود ہے۔اس سے جمعہ کی عظمت دل سے نکل جائے گی اور دلوں میں جمعہ کا استخفاف پیدا ہوگا۔اس لئے کورونا وائرس کے حالات میں جمعہ کے دن گھروں میں جو لوگ ظہر پڑھنا چاہتے ہیں وہ تنہا تنہا پڑھ لیں۔

"لأن ساكن المصر مامور بشيئين فى هذالوقت بترک الجماعات و شهود الجمعة والمعذور قدر على احدهما و هو ترک اجماعات فيؤمر بالترک"(بدائع الصنائع ۱/۲۸۰)۔

"و كره تحريما لمعذور و مسجون و مسافر أداء ظهر بجماعة فى مصر قبل الجمعة و بعدها لتقليل الجماعة و صورة المعارضة"(الدرالمختار مع الرد ۲/۱۵۷)۔

۴-کورونا سے مرنے والوں کی تجہیز وتکفین:

ایک مسلمان کا حق ہے کہ اسے مرنے کے بعد غسل دیا جائے، تجہیز وتکفین کی جائے اور اس پر نماز جنازہ ادا کی جائے۔ یہ چیزیں اگرچہ فرض کفایہ ہیں تاہم تمام مسلمان اس کے ذمہ دار ہیں، نہ کرنے کی صورت میں عام مسلمان جو اس سے واقف تھے، گنہگار ہوں گے۔اس لئے عام حالات میں جب کہ غسل اور تجہیز وتکفین پر قادر ہوں، تو اس کے لئے ان چیزوں کا بالالتزام انتظام کرنا چاہئے اور مسلمان سماج میں اس پر عمل بھی شروع سے چلا آرہا ہے البتہ ہیضہ، طاعون اور دیگر وبائی امراض میں مرنے والوں کے احکام قدرے مختلف ہیں جن کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

کورونا وائرس بھی ایک وبائی مرض ہے جس کے متعدی ہونے پر ماہرین کا اتفاق ہے، اس لئے اس نے اس وبا سے مرنے والوں کے غسل اور کفن دفن کے لئے بھی کئی مسائل اور شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔اتنی بات تو ہمیں جان لینی چاہئے

کہ حتی المقدوران کے لئے بھی احتیاطی تدابیر کے ساتھ غسل وغیرہ کا انتظام کیا جائے گا۔WHO کی رپورٹ کے مطابق مرنے کے بعد وائرس منتقل نہیں ہوتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس کے غسل اور کفن دفن میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے، عام مردوں کی طرح اس کے ساتھ بھی طریقۂ مسنون اختیار کیا جائے گا لیکن شاید طبی ماہرین اور ہسپتال کے عملہ کو کورونا سے متاثر میت سے وائرس کے عدم پھیلاؤ پر یقین نہیں ہے اس لئے وہ میت کو کور میں لپیٹ کر اور مکمل طور پر پیک کر کے دیتے ہیں اور کبھی از خود قبرستان تک لے جاتے ہیں یا اسے دفن کر دیتے ہیں اور بعد میں اس کی جگہ بتائی جاتی ہے۔ یہ تمام صورتیں عام صورتوں سے مختلف ہیں اس لئے ان میں احکام قدرے مختلف ہوں گے اور جن پر عمل کرنا ممکن ہوگا ان کا ہی مکلّف بنایا جائے گا۔ سب سے پہلے میت کو حاصل کرنے اور اسے غسل دینے کی مکمل کوشش کی جائے گی، اگر غسل دینے والوں کو مرض کے لگنے کا خوف ہو تو مخصوص کپڑا پہن کر غسل دیں اور ماہرین کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں۔ اگر سنت کے مطابق غسل دینا ممکن نہ ہو تو صرف میت کے اوپر سے پانی بہا دیا جائے جیسا کہ میت کے پھولنے پھٹنے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ ''**ولو كان الميت متفسخا ليتعذ ر مسحه كفى صب الماء عليه**''(ہندیہ ۱/۱۵۸)۔ اگر ہسپتال کے عملہ میت کے دینے پر راضی نہ ہوں تو وہیں غسل کا انتظام کیا جائے۔ اس کے لئے بضرورت علاقے کی با اثر شخصیتوں، ملی تنظیموں اور سیاسی وسماجی افراد سے تعاون لیا جا سکتا ہے، اس کے لئے بسا اوقات فوائد دیکھے گئے ہیں۔ اگر ہسپتال میں بھی غسل دینے کی اجازت نہ دے تو ان ہی لوگوں سے غسل دینے کی خواہش کی جائے گی اگر عملہ بھی اس کے لئے تیار نہ ہوں تو میت سے غسل ساقط ہو جائے گا اور اس کے تیمّم پر اکتفاء کیا جائے گا۔

''**إذا اجنب الرجل و على جميع جسده أو على اكثره جراحة أو به جدرى فانه يتيمم و لا يمسح على الجراحة و لا يغسل الموضع الصحيح**'' (مقدمۃ الغزوی صفحہ ۳۳) ...... **(تيمم لو) كان (اكثره) أى أكثر أعضاء الوضوء عددا أو فى الغسل مساحة**''(**مجروحا**)**أو به جدرى اعتبارا للا كثر(و بعكسه يغسل الصحيح)ويمسح الجريح**''(الدر المختار مع رد المحتار ۱/۴۲۹)۔

اگر ہسپتال کے لوگ کور کے کھولنے کی اجازت نہ دیں اور بالکل میت کو پیک کر کے اس طرح دیا جائے کہ اس کا چہرہ اور ہتھیلی بھی نہ کھولا جا سکے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں تیمّم بھی دشوار بھی ہوگا۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہسپتال میں میت کو لپیٹتے وقت ہی تیمم کرا دیا جائے یا وہاں کے مسلم عملہ کے ذریعے اس کی مکمل کوشش کی جائے کہ اسے لپیٹے جانے سے پہلے ہی تیمّم کرا دیں، اگر تیمّم کی بھی کوئی صورت نہ بن سکے تو اس سے طہارت کا حکم ساقط ہو جائے گا اور بغیر غسل اور تیمّم کے اس کی تدفین درست ہوگی۔ اس کو فاقد الطہورین شخص پر قیاس کیا جائے گا کہ ایک شخص اگر پانی اور مٹی دونوں پر قادر نہ ہو یا قدرت علی الاستعمال نہ ہو تو اس سے طہارت کی

شرط ساقط ہوجاتی ہے اور وضو یا تیمّم کے بغیر ہی اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"و يترک المسح كالغسل اى يترک المسح على الجبيرة كما يترک الغسل لما تحتها (ردالمحتار) قوله عن مسح نفس الموضع أى و عن غسله، و إنما تركه؛ لأن العجز عن المسح يستلز م العجز عن الغسل"(تحفۃ الاخیار علی الدرالمختار للحلبی صفحہ ۸۱) ينبغى أن يكون فى حكم من دفن بلا صلاة من تردى فى نحو بئر أو وقع عليه بنيان و لم يكن اخراجه "(ردالمختار ۳/ ۱۰۳)۔

میت کے کور کے اوپر سے پانی بہانے یا اس پر مسح کرنے کی شرعاً کوئی نظیر نہیں اور اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے یہ لا حاصل عمل ہے۔اس لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔شریعت میں غسل یا تیمّم کا حکم براہ راست بدن سے ہوتا ہے کسی پیک کردہ چیز سے نہیں۔جہاں تک پورے پلاسٹک تھیلے پر مسح کا تعلق ہے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی،اس لئے کہ مسح بعض اعضاء کے غسل کے ساتھ جزوی طور پر مسح جبیرہ کیا جاتا ہے،یہاں تک کہ اگر اکثر اعضا زخمی ہوں کہ انہیں دھویا نہ جاسکے تو غسل کا حکم ساقط ہوکر تیمّم کا حکم ہوجاتا ہے۔پورے بدن پر مسح کی کوئی مثال نہیں ملتی اور یہاں جب تیمّم ساقط ہوگیا ہے تو اب مسح کی طرف عود کرنا بدل سے اصل کی طرف لوٹنا ہے جو غلط اور باطل ہے۔

انتظامیہ کی جانب سے جس کور میں اسے لپیٹا جاتا ہے وہی اس کے لئے کفن کے قائم مقام ہوگا۔اگر کھولنے کی اجازت ہو تو اسے کفن مسنون دیا جائے گا،اس کے اوپر سے پلاسٹک وغیرہ کے لپیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔عدم اجازت کی صورت میں اسی طرح تدفین عمل میں آئے گی جیسا کہ انتظامیہ نے دیا ہے،اس کے لئے کفن کفایت جس سے اس کا ستر چھپ جارہا ہے کافی ہے۔

۵-کورونا سے متأثر قبرستان پر نماز جنازہ:

الف-میت کے احترام میں یہ بات داخل ہے کہ اس پر جنازہ کی نماز ادا کی جائے۔احادیث مبارکہ میں مسلمانوں کا ایک حق اس پر نماز جنازہ پڑھنا بھی بیان کیا گیا ہے۔اس کی اس قدر اہمیت ہے کہ اگر کسی وجہ سے تدفین سے قبل اس پر نماز نہ پڑھی جاسکی تو بعد میں اس کے پھولنے پھٹنے سے پہلے پہلے تک قبرستان کے سامنے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

"و إن دفن واهيل عليه التراب بغير صلاة أو بها بلاغسل او ممن لا ولاية له صلى على قبره استحسانا مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح"(الدرالمختار مع الرد ۲/ ۲۲۴)۔

کورونا میں مرنے والے اشخاص کی نماز جنازہ اگر نہ پڑھی جاسکے۔انتظامیہ کی جانب سے اجازت نہ دی جائے یا اتنا موقع نہ دیا جائے جس میں اس کی نماز جنازہ پڑھی جاسکے تو اسی طرح بغیر نماز جنازہ اسے دفن کیا جاسکتا ہے،البتہ اس کے

پھٹنے اور پھولنے سے قبل تک ہی اس کی گنجائش ہے۔اس کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا جاسکتا۔آب وہوا اور مٹی کی نرمی اور سختی کے اعتبار سے اس میں فرق ہوسکتا ہے،اس کے لئے اگر چہ بعض فقہاء نے تین دن،بعض نے دس دن اور بعض نے ایک مہینہ قرار دیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی زمانہ اور وقت متعین نہ کیا جائے۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

”وقيل: يقدر بثلاثة ايام و قيل عشرة و قيل شهرعن الحموى“ (ردالمحتار مع الدر ۲/ ۲۲۴)۔

(ب) قبر کے علم نہ ہونے کی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ:

غائبانہ نماز جنازہ کے بارے میں احناف کا نقطۂ نظر عدم جواز کا ہے۔امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز ہے،ایک مسلک سے دوسرے مسلک کی طرف منتقل ہونے کے لئے ضرورت شدیدہ درکار ہے جس کا یہاں فقدان ہے۔ اس لئے کہ نماز جنازہ دعاء کا نام ہے،جنازہ حاضر ہو تو اس کے لئے نماز پڑھی جائے گی اور اگر حاضر نہ ہو تو اس کے لئے دعاء اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائے۔جیسا کہ عام حالات میں جو لوگ نماز جنازہ میں حاضر نہیں ہو سکتے وہ لوگ دعاء پر اکتفا کرتے ہیں ویسے ہی یہاں بھی صرف دعاء اور ایصال ثواب پر اکتفا کیا جائے گا۔عدول مذہب کی یہاں چنداں حاجت نہیں ہے۔نجاشی بادشاہ پر رسول اکرم ﷺ جنازہ کی نماز غائبانہ ادا کی تھی وہ آپ ﷺ کا خاصہ تھا،درمیان سے تمام حجابات اٹھا لئے گئے تھے،اگر باضابطہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہوتی تو عہد صحابہ اور عہد رسالت میں کثرت سے اس کی مثالیں ملتیں لیکن ایسا نہیں ہے۔

” قال أصحابنا لا يصلى على ميت غائب وقال الشافعي يصلى عليه استدلالا بصلاة النبى ﷺ على النجاشي وهو غائب ولا حجة له فيه لما بينا على أنه روى أن الارض طويت له ولا يوجد مثل ذلک فى حق غيره “(بدائع الصنائع ۲/ ۴۸)۔

اس لئے غائبانہ نماز جنازہ،وہ بھی تدفین کے بعد کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور نہ یہاں کوئی ایسی شدید مجبوری ہے جس کی بنیاد پر عدول مذہب کرتے ہوئے اس کی اجازت دی جائے۔

کورونا وائرس کے عروج کے دوران دیکھا گیا تھا کہ ہسپتال کے عملہ ایمبولینس پر ہی جنازہ لے کر آتے ہیں اور اسے اتارے بغیر گاڑی پر ہی رکھتے ہوئے جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی،یہ جنازہ کے ادب کے خلاف ہے۔

”ولا يصلى على صبِى وهو على الدابةِ وعلى يدِى الرِجالِ حتى يوضع؛ لِأن الميت بِمنزِلةِ الاِمامِ لهم، فلا يجوز أن يكون محمولا وهم على الارضِ“ (بدائع الصنائع ۳۱۲)۔

☆☆☆

کرونا کے شرعی مسائل

مولانا عبد التواب اناوی☆

"عن عبد الرحمن بن أبی بکرة عن أبيه أن رسول الله ﷺ ، أقبل من نواحی المدينة يريد الصلوة فوجد الناس قد صلوا، فمال إلى منزله، فجمع أهله، فصلى بهم"(المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث:۴۷۵۷)۔

(حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ مدینہ کے اطراف میں تشریف لے گئے تھے اور جب وہاں سے لوٹے تو دیکھا کہ مسجد میں جماعت ہو چکی ہے تو آپ گھر تشریف لائے اور اہل خانہ کو جمع کیا اور جماعت سے نماز ادا فرمائی)۔

"وفی الشامية قال: ولنا أنه عليه الصلوة والسلام كان خرج ليصلح بين قوم فعاد إلى المسجد وقد صلى أهل المسجد فرجع إلى منزله فجمع أهله وصلى بهم "(رد المحتار علی الدر المختار مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد ۲/۲۴۶)۔

(مسجد میں تکرار جماعت کے لئے مکروہ ہونے پر حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ اصلاح قوم کی غرض سے مدینے سے باہر نکلے، پھر جب اصلاحی کام سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو مسجد میں جماعت ہو چکی تھی، آپ ﷺ فوراً گھر تشریف لائے اور اہل خانہ کو جمع فرما کر جماعت سے نماز ادا فرمائی)۔

"وقال ابن عابدين تحت هذه الرواية: ولو جاز ذلک لما اختار الصلوة فی بيته على الجماعة فی المسجد"(فتاوی شامی ۲/۲۴۶)۔

(علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں اگر مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہوتی تو آپ ﷺ مسجد میں نماز باجماعت پڑھتے، پر گھر میں جماعت کرنے کو ترجیح ہرگز ہرگز نہ دیتے، بلکہ مسجد ہی میں دوسری جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ مسجد کی جماعت ثانیہ چھوڑ کر گھر پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو ترجیح دی جو واضح دلیل ہے مسجد میں جماعت ثانیہ کے مکروہ تحریمی ہونے پر)۔

☆ جامعہ اسلامیہ بانگر مئو، ضلع اناؤ۔

جماعت ثانیہ کی علت کراہت:

"وفی الشامیة قال: ولأن فی الإطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنی، فإنهم لا یجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتهم" (شامی ۲/۲۴۶)۔

مساجد میں تکرار جماعت یا جماعت ثانیہ کے لئے کراہت کا سبب اور علت یہ ہے کہ جماعت اولی میں جماعت ثانیہ کے جواز کی صورت میں لوگوں کی حاضری کا کم ہونا ہے، جبکہ جماعت کا مقصود تمام اصحاب بستی یا محلّہ کو یکجا کرنا ہے اور اس حاضری کے لئے تیار رہنا ہے جو جماعت ثانیہ کے جواز کی صورت میں جملہ احباب کی بیک وقت حاضری کا مقصود فوت ہوجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جماعت ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی، جیسے ہی مسجد میں تین آدمی جمع ہوئے یا دو ہی ہوئے فورا جماعت شروع، ابھی یہ جماعت ختم ہوئی یا ختم ہونے کے قریب ہوئی دوسرے آئے، انہوں نے تیسری شروع کردی، اس طرح ہر آنے والا ایسا ہی کرتا جائے گا اور جماعت اپنا مقصد کھوکر ایک تماشا ہوکر رہ جائے گی، اس لئے ایک جماعت پر اکتفا کرنا لازم اور ضروری ہے۔

مذکورہ تفصیل عام حالات اور معمول کے دنوں کے لئے عام ہے، اسی پر فتوی ہے اور یہی قرن اولی سے آج تک امت اور جمہور کا معمول بہا عمل ہے۔

حنفیہ کے ساتھ شافعیہ اور مالکیہ بھی مساجد میں تکرار جماعت کی کراہت کے قائل ہیں، حنابلہ اگر چہ بعض صورتوں میں کراہت تکرار جماعت فی المساجد کے قائل نہیں ہیں، لیکن ائمہ ثلاثہ کی طرح جماعت ان کے یہاں سنت مؤکدہ نہیں ہے، بلکہ وہ جماعت کو سنت کے بجائے فرض کا درجہ دیتے ہیں، اس لئے حنابلہ کے یہاں جماعت اور تکرار جماعت کے مسائل الگ ہیں، ان سے یہاں استدلال ممکن نہیں ہے۔

مخصوص احوال میں تکرار جماعت کی رخصت:

"وفی الشامیة قال: عن أبی حنیفة لو کانت الجماعة أکثر من ثلاثة یکره التکرار وإلافلا، وعن أبی یوسف، إذا لم تکن علی هیئة الأولی لا تکره، وإلا تکره، وهو الصحیح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة، کذا فی البزازیة، وفی التاتارخانیة عن الولوالجیة: وبه ناخذ" (ردالمحتار علی الدر المختار مطلب فی تکرار الجماعة ۲/۵۹، وفی باب الامامة ایضا مطلب فی کراہیۃ تکرار الجماعة ۲/۲۴۶)۔

مذکورہ بالا فقہی عبارت سے مستفاد ہوا کہ کسی نہ کسی درجہ میں حنفیہ کے یہاں تکرار جماعت کی رخصت موجود ہے،

جیسا کہ عبارت بالا سے ظاہر ہے۔

۱-امام صاحبؒ کے نزدیک تکرار جماعت اس وقت معروف ہوگی، جبکہ اول جماعت تین افراد سے زائد پر مشتمل ہو، یعنی ایک امام اور تین مقتدی، اب اگر جماعت اولی ایک امام اور دو مقتدی پر مشتمل ہو تو امام صاحب کے نزدیک گویا وہ جماعت کے زمرے میں نہیں ہے، اس لئے اس کے بعد جو جماعت ہوگی وہ جماعت ثانی نہیں کہی جائے گی، بلکہ وہ جماعت اولی ہی شمار ہوگی، کیونکہ جو نماز اس سے ماقبل پڑھی گئی ہے، وہ تین افراد کی وجہ سے جماعت شمار نہ ہوگی۔

۲-امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جماعت ثانیہ اگر جماعت اولی کی ہیئت پر نہ ہو تو جماعت ثانی مکروہ نہ ہوگی، اور محراب کی تبدیلی ہیئت اولی کو بدل دیتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرورۃ ایک مسجد میں محراب بدل بدل کر کئی جماعتیں کی جاسکتی ہیں، علامہ ابن عابدین نے اسی بات پر "هو الصحيح "کی مہر بھی ثبت کردی ہے، اور صاحب بزازیہ و تاتارخانیہ اور ولوالجیۃ کو بھی "وبه ناخذ" کے ساتھ نقل کرنا پڑا ہے۔

کرونا وائرس اور معاشرہ کی صورت حال:

کرونا وائرس کیا بلا یا وبا ہے اس سے صرف نظر اس وقت اس کے نتیجے میں دنیا بھر میں لگے لاک ڈاؤن سے جو پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے ہیں بس وہ پیش نظر ہیں، اور ان میں پہلا مسئلہ مساجد میں تکرار جماعت ہے، کیونکہ دنیا کے اکثر ممالک نے یا تو مساجد بند کردی ہیں یا صرف پانچ، سات آدمی کو ایک وقت میں مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، اب اس صورت میں جو لوگ مسجد جانے سے رہ گئے وہ پنج وقتہ نمازیں اپنے گھروں میں جس طرح ممکن ہو ادا کرلیں گے، لیکن بات ہے جمعہ کی اور ان لوگوں کی جو ہفتہ میں ایک دن نہا دھو کر اہتمام سے عید کی طرح جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد آتے ہیں اور وہاں کچھ دین کی باتیں بھی سن لیتے ہیں جس سے کچھ نہ کچھ انہیں دینی تقویت ہوتی ہے، اگر جمعہ کی نماز کی جگہ انہیں ظہر پر آمادہ کیا جائے تو ان کے لئے پھر سارے دن یکساں ہوجاتے ہیں، مزید یہ کہ جب نظام جمعہ ختم کردیا جائے گا تو مسلمانوں کا بڑا طبقہ جو صرف جمعہ والا ہے وہ نماز سے بالکل کٹ جائے گا اور آہستہ آہستہ دین سے بالکل بیگانہ، بلکہ کچھ دنوں بعد بیزار نظر آنے لگے گا، اس لئے ضرورت ہے کہ جمعہ اور جماعت پر نظر فرما کر عوام الناس کے لئے جو بھی سہولتیں اور آسانیاں برآمد ہوسکتی ہیں، ان کو بروئے عمل لانے کی سعی کی جائے۔

الف-مذکورہ آثار وروایات اور فقہی عبارات کی تفصیلات کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ لاک ڈاؤن جیسی پابندیوں کے وقت جب کہ مساجد میں چند لوگوں سے زائد کے جمع ہونے پر پابندی ہو تو ایسی صورتوں میں:

۱-اگر تین تین آدمیوں کی جماعتیں ہوں، یعنی ایک امام دو مقتدی تو مسجد کے جس حصے میں چاہیں جماعت کر سکتے

ہیں اور جتنی بار چاہیں جماعت ہوسکتی ہے جب تک کہ تین سے زائد کی جماعت نہ ہو، کیونکہ امام صاحبؒ نے تین کے عدد کو نماز کی جماعت کے لئے ناکافی قرار دیا ہے، اگرچہ تین کی جماعت کے ساتھ نماز ادا ہوجائے گی اور جماعت کا ثواب بھی پڑھنے والوں کو حاصل ہوگا، لیکن تین آدمی کی جماعت بعد کی جماعت کے لئے بسبب کراہت نہ ہوگی، جیسا کہ "**لو كانت الجماعة أكثر من ثلاثة يكره التكرار، وإلا فلا**" سے ظاہر ہے، یہی وجہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی جماعت چار سے کم میں نہیں ہوتی ہے۔

۲-اور اگر جماعت اول چار یا چار سے زائد افراد پر مشتمل ہو تو بایں صورت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے عمل کیا جائے گا جس کا طریقہ آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے: "**العدول عن المحراب تختلف الهيئة**" (یعنی امام کی جگہ تبدیل کردینے سے کراہت جماعت ثانیہ ختم ہوجائے گی)، یعنی پہلی جماعت کا امام جہاں کھڑا ہوا ہے اب دوسری جماعت کا امام اس جگہ سے ہٹ کر پہلی صف میں آجائے گا، اسی طرح تیسری جماعت کا اس کے نیچے والی صف میں کھڑا ہوکر نماز پڑھائے گا، لیکن اگر مسجد چھوٹی ہے اس میں ایک یا دو صف کی ہی جگہ ہے تو ایسی صورت میں امام کا مصلی تھوڑا سا نیچے کر کے دوسری جماعت کا امام کھڑا ہوگا اور پھر اس مسجد میں صغیر میں اگر ضرورت دو سے زائد بار جماعت کرنے کی پیش آجائے تو جس جگہ پر دوسری جماعت کا امام کھڑا ہوا تھا، اب مزید جماعتوں کا امام بھی اسی جگہ پر کھڑا ہوگا، اب مصلی اوپر نیچے یا دا ہنے باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ دیگر جتنی بھی جماعتیں ہوں گیں وہ جب تک اصل مصلے پر نہ ہونگی انکا اطلاق ہیئت اصلیہ پر نہیں ہوگا، اور ضرورت پڑنے پر یہی حکم مسجد کبیر کا بھی ہوگا، یعنی وہاں بھی ایک مرتبہ مصلی پیچھے کرنے کے بعد ہر جماعت میں مصلی پیچھے کرنا ضروری نہیں ہے۔

ب-جن شہروں میں گھنی آبادی چھوٹے چھوٹے مکانوں کی وجہ سے مساجد بھی عامۃ چھوٹی ہی ہوتی ہیں اور ان مساجد میں خارجی کوئی جگہ اتنی بھی نہیں ہوتی جس میں دو چار آدمی بھی جماعت سے نماز پڑھ سکیں، نیز مساجد کے علاوہ دیگر کوئی جگہ بشکل بڑے حال وغیرہ نہیں ہوتی ہے (جیسے ہندوستان میں ممبئی وغیرہ جیسے بڑے شہر) تو وہاں تعدد جمعہ کا مسئلہ سامنے آتا ہے، اگر وہاں مساجد میں تعدد جمعہ کی اجازت نہ دی جائے تو وہاں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی جو صرف جمعہ کے لئے ہی مساجد کا رخ کر پاتے ہیں وہ اس سے بھی محروم ہوجاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بالکل ہی بیگانہ ہوجاتے ہیں، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جو بچارے دیندار ہیں بسا اوقات کسی وجہ سے دیر ہوجانے کے سبب وہ مسجد میں داخل ہونے سے رہ جاتے ہیں اور ان کا جمعہ چھوٹ جاتا ہے۔

دوسری مساجد میں جمعہ ملنے کی گنجائش نہیں ہوتی، کیونکہ جمعہ کے حصول کے لئے لوگ دو دو، تین تین گھنٹہ جمعہ کی نماز

سے قبل ہی مسجد میں آ کر مسجد بھر لیتے ہیں، اب کسی نئے یا وقت پر آنے والے کے لئے مساجد میں داخل ہوسکنا ممکن نہیں ہوتا اور مساجد کے باہر نہ گلیوں میں کھڑے ہونے کی گنجائش ہوتی ہے اور آنے جانے والوں کی بھیڑ کی وجہ سے گنجائش کے مقامات پر انتظامیہ کی طرف سے بالکل اجازت نہیں ہوتی ہے کہ ان وسعت کی جگہوں کو کچھ ہی دیر کے لئے بند کیا جائے۔

اب مذکورہ بالا صورت میں اگر عام حالات میں عام مساجد کی طرح اگر مذکورہ بالا اوصاف کی مساجد میں عام ضابطہ جاری کیا جائے اور ان مساجد میں بھی تعدد جمعہ کو تکرار جماعت کی بنیاد پر مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ قرار دیا جائے تو ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی ادائیگی جمعہ سے محروم ہوسکتی ہے۔

اس لئے ''الضرورات تبیح المحذورات'' کے ضابطے سے یہاں پر حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا چاہئے اور اس طرح کی مساجد میں تعدد جمعہ کی اجازت پر فتوی دیا جانا چاہئے۔

لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینے میں بھی ایک مشکل یہ نظر آ رہی ہے کہ مساجد عامۃ چھوٹی ہیں اور عدول عن المحراب کی یہاں گنجائش نہیں ہے، تو پھر ان کے قول پر عمل کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جماعت جمعہ شکلاً ثانیہ ہے، لیکن اصلاً یہ جماعت اولی ہی ہے، کیونکہ یہاں لوگوں کی تعداد کی نہ قلت کا مسئلہ ہے اور نہ ہی جماعت اولی کی خفت کا، بلکہ ہر شخص جماعت اول میں ہی شریک ہونا چاہتا ہے، لیکن اندر گنجائش ختم ہوجانے کی وجہ سے اسے مجبورا باہر کھڑے رہ کر اس جماعت کے ختم ہونے کا انتظار کرنا ہوتا ہے، اس لئے یہ جماعت جماعت ثانی کا مصداق نہ ہوگی، بلکہ اسے جماعت اولی پر ہی محمول کیا جائے گا، اس لئے اب اس جماعت جمعہ کے لئے عدول عن المحراب لازم نہیں ہوگی، بلکہ امام اصل محراب میں ہی کھڑے ہو کر اس دوسری جماعت کی امامت کرے گا جس میں خطبہ اذان، خطبہ اور تکبیر بھی کہی جائے گی، البتہ اس جماعت کے لئے از سر نو اذان کی ضرورت نہیں پہلی اذان ہی کافی ہوگی۔

۲- ا-لاک ڈاؤن یا اس طرح کی پابندیوں میں جب مساجد بند کر دی جائیں، یا چند ایک سے زائد نمازیوں کے اجتماع پر پابندی ہو (جیسا کہ ہندوستان میں پانچ افراد سے زائد ایک ساتھ نماز پڑھنے پر کرونا لاک ڈاؤن کے ایام میں پابندی تھی) تو ظاہر ہے ایسے وقت میں جن مساجد میں سیکڑوں کی تعداد میں لوگ نماز پڑھتے ہیں، ان میں پانچ پانچ افراد کی اگر دس جماعتیں بھی کر لی جائیں تو بھی ایک بڑی تعداد لوگوں کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے سے رہ جائے گی، ایسی صورت میں مساجد میں ایک یا دو جماعت پر ہی اکتفاء کیا جائے، ساتھ ہی حکومت کی جانب سے عائد پابندی کا بھی پورا لحاظ کیا جائے، بعدہ جو لوگ مسجد نہیں آ سکتے یا آنے سے رہ گئے ہیں، اگر وہ کئی لوگ ہیں اور ان میں کوئی نماز پڑھانے والا بھی ہے

تو انہیں اپنے گھروں میں یا جہاں وہ ہیں اور وہاں جماعت سے نماز ادا کی جاسکتی ہو تو جماعت سے ہی نماز ادا کرنی چاہئے......، کیونکہ حضور ﷺ جب اطراف مدینہ سے واپس آئے تھے تو مسجد میں جماعت نہ پاکر اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور گھر میں جماعت سے نماز پڑھی۔

”عن عبد الرحمن بن أبی بکرؓ عن أبیه، ان رسول الله ﷺ خرج من بیته لیصلح بین الأنصار فرجع، وقد صلی فی المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ فی منزل بعض أهله فجمع أهله فصلی بهم جماعة“ (رد المحتار علی الدر المختار مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد ۲/ ۵۹)۔

مذکورہ بالا حدیث جہاں عام حالات میں تکرار جماعت فی مسجد سے منع کرتی نظر آتی ہے، ٹھیک اسی طرح اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جو لوگ کسی سبب مسجد کی جماعت میں شریک ہونے سے رہ گئے انہیں اپنے گھر میں اگر جماعت سے نماز پڑھنا ممکن ہو تو انہیں گھر میں جماعت سے نماز پڑھنی چاہئے۔

رہی بات تشتت کی تو وہ گھروں میں تنہا نماز پڑھنے میں بھی موجود ہے، جب لوگ گھروں میں نماز پڑھنے کے عادی ہو جائیں گے تو خواہ جماعت سے پڑھیں یا تنہا دونوں مساوی ہیں۔

دوسرے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس جگہ پر اتنے افراد ہوں جن سے جماعت ممکن ہو اور ان کو بغیر جماعت کے تنہا تنہا نماز پڑھنے پر مجبور کیا جائے تو اولاً یہ انہیں ثواب کثیر کے حصول سے محروم رکھنے پر مجبور کرنا ہے، کیونکہ وہ جماعت کرنے پر قادر ہیں اور جماعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں، مگر انہیں ایسا نہ کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو غیر پابندی کے دنوں میں کبھی بغیر جماعت کے نماز نہیں پڑھتے تھے اور اب پابندی کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے پر مجبور ہیں، لیکن گھر میں وہ جماعت سے نماز پڑھنے پر قادر ہیں، اب اگر ان کو جماعت سے نماز نہ پڑھنے پر مجبور کیا جائے گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں، اور پھر اس انکار کے سبب وہ بڑے درجہ کے گناہ کے مرتکب ہوں، اس لئے جن لوگوں کو مسجد میں پابندی کی وجہ سے جانا مشکل ہو رہا ہے انہیں ان دنوں میں گھروں پر جماعت کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

۲- وبا اور پابندیوں کے زمانے میں جمعہ کی نماز گھروں میں:

”وفی البخاری عن عبد الله بن الحارث، ابن عم محمدبن سیرین قال: ابن عباسؓ لمؤذنه فی یوم مطیر: اذا قلت اشهدان محمدارسول الله فلا تقل حی علی الصلوة، قل: صلوا فی بیوتکم، فکان الناس استنکروا قال: فعله من هو خیر منی، ان الجمعةعزمة، وإنی کرهت ان أخرجکم فتمشون فی

الطين والد حض"(الصحیح البخاری،فی باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر،حدیث نمبر:۹۰۱)۔

"**وفيها أيضا، عن نافع، أن ابن عمرؓ:أذن بالصلوةذات برد وريح، ثم قال: "ألا صلوا في الرحال"، ثم قال: إن رسول الله ﷺ كان يأمر المؤذن إذا كانت ليلة ذات برد، ومطر، يقول: ألاصلوا في الرحال**"(صحیح بخاری باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ أن یصلی فی رحلہ،حدیث نمبر:۶۶۶)۔

"**وفی الهندية:الإمام إذا منع أهل المصر أن يجمعوا لم يجمعوا، قال الفقيه أبوجعفرؒ: هذا إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب، وأراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصرا، فأما إذا نهاهم متعنتا أو ضرارابهم، فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلي بهم الجمعة، كذا في الظهيرية**"(فتاوی ہندیہ باب الجمعہ ۱/۱۴۶،بنایۃ باب الجمعہ ۳/۷۸)۔

مذکورہ روایات اورعبارات فقہاء سے مستفاد ہوا کہ کرونا وائرس یا کسی اور وجہ سے پابندی یا آندھی طوفان بارش وغیرہ کے وقت جب دور سے مسجد آنا مشکل یا پریشانی کا سبب ہوتو ایسی صورت میں مسجد کے پڑوسی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھیں اور دیگرلوگ اپنے گھروں میں جماعت سے نماز پڑھیں گے۔

کرونا پابندیوں میں گھروں میں جمعہ کی جماعت:

کرونا وائرس کے تحت لاک ڈاؤن میں پانچ سات آدمی سے زائد کا مساجد میں ایک ساتھ،یعنی جماعت سے نماز پڑھنا قانونا جرم ہے،خلاف ورزی کرنے والوں کوانتظامیہ سزابھی دیتی ہے،اس پس منظر میں ملکی قانون کی پاسداری کرتے ہوئے لاک داؤن میں مساجد میں ایک یا دو جماعتوں میں کتنے افراد کا جمعہ ہو سکے گا ظاہر ہے،جبکہ جمعہ اور جماعت کی فضیلت بھی اپنی جگہ مسلم ہے،اور یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ جمعہ کے دن جن بستیوں میں جمعہ جائز ہے وہاں بلا عذر ظہر پڑھنا جائز نہیں ہے،اس لئے جولوگ مسجد میں جمعہ پڑھنے سے رہ جائیں گےان کے لئے جائز ہوگا،بلکہ ضروری ہوگا کہ وہ امام اور خطبہ کا انتظام کرکے اپنے اپنے گھروں میں کارخانوں میں جہاں چارآدمی بالغ جمع ہوں اورنماز ادا کر سکتے ہوں،انہیں جمعہ کی نماز ہی ادا کرنی چاہئے،جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کے اثر سے واضح ہے۔

"**قل صلوا في بيوتكم: إلى أن قال: إن الجمعة عزمة، وإني كرهت أن أخرجكم فتمشون في الطين والدحض**"،حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے قوم سے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں جمعہ فرض ہے عزیمت ہے ایک جگہ جمع ہو کر پڑھنا شعائر اسلام اور باعث فضیلت ہے،لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ کو پریشانی کے وقت گھروں سے نکال کر مصیبت میں مبتلا کروں،اس لئے آپ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیجئے،اس میں جمعہ کی نماز گھر میں پڑھنے کا صاف اشارہ موجود ہے۔

لیکن یہ جماعت صرف محدود وقت یا ایام پر ہی مشروع ہے، یعنی جب اس طرح کے احوال پیش آئیں گے، یعنی تیز بارش ہورہی ہو اور مسجد تک پہنچنا کسی بھی طرح ممکن نہ ہو، سخت ترین آندھی اور طوفان ہو جس میں گھر کے باہر نکلنا بے حد مشکل ہو، مہلک وبا، بیماری پھیلی ہوئی ہو اور انتظامیہ گھر سے باہر نہ نکلنے پر مجبور کر رہی ہو، گھروں سے باہر نکلنے پر شدید جھگڑے کا اندیشہ، فساد کا ماحول کرفیو اور پولیس کا پہرہ ہو، مساجد تک پہنچنے کے راستے میں خونخوار جانور یا ظالم، دشمن وغیرہ کے مل جانے کا خوف ہو یا گھر کے باہر نکلنے میں فتنہ کا خطرہ ہو تو ان تمام صورتوں میں جو لوگ بھی مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنے سے رہ گئے ہوں انہیں اپنے گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کرنی چاہئے اور ممکن حد تک کسی بھی حال میں جمعہ کی نماز چھوڑنی نہیں چاہئے۔

رخصت جمعہ اور جماعت کا مطلب:

روایات میں ''**صلوا في رحالكم**''اور''**صلوا في بيوتكم**''کے الفاظ آئے ہیں جس میں نہ جمعہ کی صراحت ہے، نہ جماعت کی، روایت کا پس منظر''**إذا كانت ليلة برد، ومطر**''اور''**في يوم مطير**''اور''**ان الجمعة عزم**''کا تعلق''**يوم مطير**'' سے ہے، جس سے واضح ہوا کہ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت مخصوص فی الجمعہ ہے، جماعت کی فضیلت اور اہتمام روایات میں اس قدر وارد ہوا ہے کہ جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دور صحابہ میں جماعت کا چھوڑنا نفاق کی علامت قرار دیا جاتا تھا، نیز حضور ﷺ کی ایک بار جماعت چھوٹ گئی تو آپ ﷺ نے گھر میں باجماعت نماز ادا فرمائی، عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی گھر میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا منقول ہے وغیرہ ذلک۔

اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ رخصت جماعت نہیں ہے، بلکہ فقط مسجد میں ان دشواریوں کے وقت میں تمام لوگوں کے جمع نہ ہونے کی رخصت ہے، یعنی قریب کے لوگ مسجد میں آکر جمعہ و دیگر نمازی جماعت سے ادا کریں اور بقیہ، یعنی دور والے لوگ اپنے گھروں میں جمعہ و دیگر نمازیں جماعت سے ادا کریں، جس طرح حضور ﷺ نے گھر میں نماز جماعت سے ادا فرمائی تھی اور جس طرح حضرت عبداللہ ابن مسعود کا عمل موجود ہے۔

رہی بات تشتت کی تو وہ اس لئے بھی قابل تسلیم نہیں ہے کہ عام حالات میں، یعنی غیر پابندی کے دنوں میں جمعہ پڑھنے والا ہر شخص فطرۃ جمعہ کو مسجد میں ہی پڑھنے کو ترجیح دیتا ہے، غیر مسجد میں کسی بھی شخص کا دل جمعہ پڑھنے پر عام دنوں میں آمادہ اور تیار نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ خود عبداللہ ابن عباسؓ کے اثر سے ظاہر ہے کہ جب آپ نے مؤذن سے جمعہ کو گھر میں پڑھ لینے کا اعلان کروایا تو فوراً لوگوں نے ناگواری کا اظہار کیا، اور اس ناگواری کو دور کرنے کے لئے عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا لوگوں میں نے وہی کام کیا ہے جو ہم سب میں بہتر، یعنی حضور ﷺ سے نے ایسے وقت میں کیا تھا، میں جانتا ہوں کہ جمعہ فرض ہے اور مسجد میں ادا کرنے کی کیا فضیلت ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم بارش کے کیچڑ میں پھسل کر گرو اور اپنے کپڑے خراب کرو۔

"وكره تحريما لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة فی مصر قبل الجمعة، وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلاالجامع، وكذا أهل المصر فاتتهم الجمعة، فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة، ويستحب للمريض تأخيرها إلى فراغ الإمام، وكره إن لم يؤخر هو الصحيح"(درمختار،شامی ۳/۳۰زکریا)۔

"وفی الشامية، قال: قوله فی مصر بخلاف القرى؛ لأنه لا جمعة عليهم فكان هذا اليوم فی حقهم كغيره من الأيام، شرح المنية، وفی المعراج عن المجتبى: من لا تجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة

قوله: لتقليل الجماعة، لأن المعذور قد يقتدی به غيره فيؤدی الی تركها بحر، وكذا اذا علم أنه يصلی بعدها الجماعة ربما يتركها ليصلی معه، فإنهم قوله "وصورة المعارضة" لأن شعار المسلمين فی هذا اليوم صلاة الجمعة، وقصد المعارضة لهم يؤدی إلى أمر عظيم، فكان فی صورتها كراهة التحريم"(ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب الجمعہ ۳/۳۰زکریا)۔

مذکورہ بالاعبارات سے مفہوم ہوا کہ جن بستیوں میں جمعہ جائز ہے وہاں اگر کچھ یا بہت لوگوں کی نماز جمعہ چھوٹ جائے خواہ وہ بیماری کی وجہ سے ہو یا وبا اور خوف کی وجہ سے ہو، یا انتظامیہ کی لگائی پابندی کی وجہ سے ان کی دوصورتیں بنتی ہیں:

۱-جن لوگوں کو جمعہ مسجد میں نہیں مل سکا، خواہ وجہ کوئی بھی ہو، اب دیکھا جائے گا ان کی تعداد کتنی ہے، اگر تین سے زائد ہیں اوران میں کوئی نماز پڑھ سکتا ہواور کسی بھی طرح خطبہ پڑھ سکتا ہوتو ان کو چاہئے کہ جمعہ کی نماز ادا کریں ظہر ہرگز ہرگز نہ پڑھیں۔

۲-جمعہ چھوٹنے والوں کی تعداد چار سے کم ہے یا ہےتو زیادہ، مگر وہ مختلف جگہوں پر ایک دوسرے کے رابطہ سے باہر ہوں تو ایسے لوگ عام ضابطہ کے مطابق اپنے گھروں میں یا جہاں کہیں وہ ہوں ظہر کی نماز بلا اذان واقامت اور بغیر جماعت کے تنہا تنہا پڑھیں گے، ان کے لئے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

لیکن لاک ڈاؤن جیسے صورتحال میں ہم پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے استفادہ کرتے ہوئے انہیں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قوم کومسجد میں نہ آنے کی تو رخصت دی تھی، لیکن یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم لوگ جماعت بھی نہ کرنا، بلکہ ہرشخص تنہا نماز پڑھے، اور ساتھ ہی یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم لوگ جمعہ

کی نماز نہ پڑھنا، بلکہ ظہر پڑھنا، آپ نے تو بس مطلقاً یہ اعلان کرایا تھا کہ جو لوگ مسجد سے دور ہیں وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھلیں۔

پس جس جگہ پر چار یا چار سے زائد لوگ ہوں وہ جمعہ کی نماز پڑھیں اور جہاں چار سے کم ہوں وہ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں، یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، اسی پر عمل ہونا چاہئے، تاکہ پابندیوں سے مجبور لوگ جماعت کی فضیلت سے محروم نہ رہیں، اور پھر چار سے کم کی جماعت معارض جمعہ نہیں ہے، کیونکہ جمعہ کی جماعت چار سے کم افراد پر مشروع نہیں ہے۔

"الصلوة علی المیت فرض کفایة، إذا قام به البعض، ولو واحدا سقط عن الباقین، وکذلک تغسیله وتکفینه ودفنه"(الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۱/۳۳۶)۔

میت کو غسل دینا، کفن دینا، اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا پھر اسے دفن کرنا اصحاب میت یا عام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، یعنی یہ سب بعض کے کرنے سے بھی سب کے ذمہ سے فرض ادا ہوجاتا ہے اور کسی کے بھی نہ کرنے سے سب گنہگار ہوں گے، یہ عام حالات اور معمول کی زندگی میں ہے، لیکن بسا اوقات حالات کچھ ایسے بھی ہوجاتے ہیں کہ یہ سب کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن کی حد تک پہنچ جاتا ہے اس وقت ممکنہ صورتوں پر عمل لازم ہوگا اور ناممکن کو چھوڑ دیا جائے گا۔

قرآن کریم کی آیت **"لایکلف الله نفسا الا وسعها"** (سورۂ بقرہ:۲۸۶) سے یہی مفہوم ہوتا ہے، کرونا متاثرین میت کو اگر انتظامیہ متعلقین کو سپرد کردے تو احتیاطی تدابیر کے ساتھ حقوق میت کے تمام امور کما حقہ انجام دینا احباب پر واجب ہے، اور اگر میت کو پابندیوں کے سپرد کرے تو دیکھا جائے گا کس طرح کی پابندیاں ہیں:

۱- اگر لوگوں سے دور رکھ کر وہ خود غسل دینے اور کفن پہنانے کی بات کہیں تو انہیں ایسا کرنے دینے میں کچھ حرج نہیں ہے، البتہ انہیں میت کو نہلانے کی بات کہیں تو انہیں ایسا کرنے دینے میں کچھ حرج نہیں ہے، البتہ انہیں میت کو نہلانے اور کفن پہنانے کا طریقہ بتا دیا جائے، بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ غسل وکفن کے طریقے سے واقف اپنا آدمی بھی اسی جگہ پر موجود رہے، خواہ کچھ فاصلہ پر ہی سہی جو انہیں ہدایات دیتا رہے۔

۲- اگر انتظامیہ غسل کی اجازت نہ دے، مگر چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی اجازت دے تو ایسی صورت میں میت کو تیمّم کرادیا جائے گا، خواہ یہ تیمّم خود اصحاب میت کرائیں یا ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں حکومت کے کارندوں سے بھی یہ تیمّم کروالینے کی اجازت ہوگی، نیز اگر میت کے ہاتھ کھولنے کی بھی اجازت نہ ہو، بلکہ صرف چہرہ دکھانے کی حد تک اجازت ہو تو اس وقت صرف چہرہ پر مسح کرنے یا انہیں سے کروانے کی سعی کرنا واجب ہوگی۔

۳-اور اگر سیل کور بالکل کھولنے کی انتظامیہ کی طرف سے اجازت نہ ہو تو پھر اس صورت میں غسل ساقط ہو جائے گا اور تیمّم بھی ساقط ہو جائے گا، اسی سیل کور کے اوپر کفن کے کپڑے لپیٹ دیئے جائیں گے۔

۴-اگر انتظامیہ کی طرف سے سخت پابندی ہو کسی بھی طرح میت کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہو، یعنی سیل کور کے اوپر سے کفن پہنانے کی انتظامیہ نہ اجازت دے اور نہ ہی خود کفن پہنانے پر آمادہ ہو تو پھر ایسی صورت میں اسی سیل کور کو کفن کا قائم مقام مان لیا جائے گا، اور اسی طرح اس میت کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔

سیل کور اگرچہ باضابطہ کفن نہیں ہے، لیکن اس سے میت کا پورا بدن ڈھکا ہوا ہے، اس لئے ضرورت کے وقت اسے کفن کے قائم مقام مان لیا جائے گا جس طرح تنگی کے زمانے میں اسلام میں ایک چادر میں شہداء وغیرہ کو دفن کر دیا جانا بہت معروف ہے، اور یہی "فاتقوا الله ماستطعتم" (سورۂ تغابن:۱۶) سے مفہوم ہے۔

الف: "**وفی الدر المختار قال: وإن دفن وأهيل على التراب بغير صلوة أو بها بلا غسل، أو ممن لا ولاية له صلى على قبره، استحسانا، مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح، وظاهره أنه لو شق فى تفسخه صلى عليه، لكن فى "النهر" عن محمدؒ لا، كانه تقديما للمانع**" (درمختار باب الجنائز، شامی ۳/۱۱۷ زکریا)۔

"**وفى بحر الرائق:قال: فإن دفن بلا صلوة صلى على قبره مالم يتفسخ، لأن النبى ﷺ صلى على قبر امرأة من الأنصار أطلقه فشمل ما إذ اكان مدفونا بعد الغسل أو قبله، كما قدمناه، وهو رواية ابن سماعة عن محمد، لكن صحيح فى غاية البيان معزيا إلى القدورى، وصاحب التحفة أنه لا يصلى على قبره؛ لأن الصلوة بدون الغسل ليست بمشروعة، ولا يؤمر بالغسل لتضمنه أمرا حراما، وهو نبش القبر فسقطت الصلوة**" (بحر الرائق علی کنز الدقائق، کتاب الجنائز ۲/۳۱۹، ۳۲۰ زکریا)۔

"**وفى الهداية، وإن دفن الميت ولم يصل عليه صلى على قبره، لأن النبى ﷺ صلى على قبر امرأة من الأنصار، ويصلى عليه قبل أن يتفسخ، والمعتبر فى معرفة ذلک أكبر الرأى هو الصحيح لا ختلاف الحال والزمان والمكان**" (ہدایہ فتح القدیر ۲/۱۲۵، زکریا دیوبند)۔

"**وفى فتح القدير:قوله صلى على قبره، هذا إذا أهيل التراب سواء كان غسل أولا، لأنه صار مسلمالمالكه تعالى، وخرج عن ايدينا، فلا يعترض له بعد، بخلاف إذا لم يحل، فإنه يخرج ويصلى علييه، وهو الاستحسان، لأن الاولى لم يعتد بها لترک الشرط مع الامكان والآن زال الامكان**

فسقطت فرضية الغسل، لأنها صلاة من وجه ودعاء من وجه، فبالنظر إلى الأول لا تجوز بلا طهارة أصلا، وإلى الثانی تجوز بلا عجز، فقلنا تجوز بدونها حالة العجز لا لقدرة عملا بالشبهين'' (فتح القدیر علی الهدایہ ۲/ ۱۲۴، زکریا دیوبند)۔

مذکورہ بالا عبارات فقہاء کرام سے مستفاد ہوا کہ اگر میت کو انتظامیہ متعلقین کو سپرد تو کرے، مگر تدفین کے علاوہ کسی بھی عمل کی اجازت نہ دے تو ایسی صورت میں میت کی قبر پر اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی بقیہ تمام احکام وہی ہوں گے جو عام نماز جنازہ کے ہوتے ہی البتہ اگر ایک ساتھ زیادہ لوگوں کو نماز جنازہ پڑھنے کی انتظامیہ اجازت نہ دے تو ایسی صورت میں تھوڑے آدمی اولیا کے علاوہ باضابطہ نماز ادا کریں گے اور آخر میں میت کے اولیاء نماز جنازہ پڑھیں گے، خواہ اس عمل میں دوسرا دن کیوں نہ لگ جائے، کیونکہ فقہاء کی عبارات میں یہ صراحت موجود ہے کہ جب تک جسم پھٹ جانے کا اندازہ نہ ہوجائے نماز جنازہ پڑھی جائے گی، نیز ولی کے نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد کسی کو بھی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے جب سب لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو آخر میں تمام اولیاء ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھیں گے۔

اور اگر انتظامیہ نے خود بلا جنازہ دفن کردیا ہے اور متعلقین کو صرف قبر کی نشاندہی کی ہے تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ تدفین میں وقت کتنا گزرا ہے اور میت کا بدن موٹا تھا یا پتلا، نیز موسم سردی کا ہے، یا گرمی یا برسات ہے، جیسا کہ صاحب ''ہدایہؒ'' فرماتے ہیں:

''ويصلى عليه قبل ان يتفسخ، والمعتبر فی معرفة ذلک أكبر الرأی، هو الصحيح لاختلاف الحال والزمان والمكان'' (ہدایہ، فتح القدیر باب الجنائز ۲/ ۱۲۵)۔

''وفی القدير لا ختلاف الحال، أی حال الميت من السمن والهزال، والزمان، أی من الحروالبرد، والمكان، أی اذمنه مايسرع بالإبلاء، ومنه لا، حتى لو كان فی رأيهم أنه تفرقت أجزائه قبل الثلاث لا يصلون إلى الثلاث'' (فتح القدیر علی الہدایہ کتاب الصلوۃ باب الجنائز، فتح القدیر ۲/ ۱۲۵)۔

''وفی العناية: وإذا كان أكثر الرأی هو المعتبر، فإن كان فی أكبر رأيهم ان أجزاء الميت تفرقت قبل ثلاثة أيام لا يصلون عليه إلى ثلاثة أيام، وإن كان فيه أنها لم تتفرق بعد ثلاثة أيام يصلى عليه بعد ثلاثة أيام'' (عنایۃ علی الہدایہ کتاب الصلاۃ باب الجنائز مع الفتح ۲/ ۱۲۵)۔

''وفی البحر الرائق، قال: ولم يقيد المصنف بمدة، لان الصحيح أن ذلک جائز إلى أن يغلب على الظن تفسخه، والمعتبر فيه أكبر الرأی على الصحيح من غير تقدير بمدة، كذا فی شرح المجمع

وغیرہ، وظاهره أنه لو شک فی تفسخه یصلی علیه، والمذکور فی غایة البیان أنه لو شک لا یصلی علیه، رواه ابن رستم عن محمد، وإنما کان هذا هو الأصح، لأنه یختلف باختلاف الأوقات فی الحر والبرد، وباختلاف حال المیت فی السمن والهزال، وباختلاف الأمکنة، فیحکم فیه غالب الرأی"(بحر الرائق، کتاب الجنائز،فصل السلطان احق بصلاتہ ۲/۳۲۰)۔

مذکورہ عبارات فقہاء سے مستفاد ہوا کہ میت کی بدنی کیفیت اور موسم کی صورت حال کو سامنے رکھ کر میت کے بدن کے پھٹنے کے سلسلے میں اہل بصیرت کی رائے پر عمل کیا جائے گا اگر اصحاب رائے کی نظر میں بدن پھٹا نہیں ہے خواہ وقت تین دن سے زائد گذر چکا ہو تو اس صورت میں باتفاق فقہاء صلوۃ الجنازہ علی القبر درست ہوگی، اور اگر اکثر اصحاب رائے اس بات پر متفق ہوں کہ میت کا بدن پھٹ چکا ہے، خواہ وقت ابھی تین دن سے کم گزرا ہے تو بھی اکثر رائے پر اس صورت میں عمل کیا جائے گا اور صلوۃ الجنازہ علی القبر کو بایں صورت ناجائز قرار دیا جائے گا، کیونکہ نماز جنازہ کے درست ہونے کے لئے حنفیہ کے یہاں امام کے سامنے میت کا صحیح وسالم موجود ہونا لازم اور ضروری ہے خواہ قبر کے اندر ہی کیوں نہ ہو، اور میت کا جسم پھٹنے کے بعد چونکہ میت کی سالمیت ختم ہوگئی اس لئے اس کی نماز جنازہ درست نہ ہوگی، بخلاف اس صورت کے جبکہ میت کا جسم تدفین سے قبل ہی پھٹ گیا ہو، تو اس صورت میں اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ یہاں میت براہ راست امام کے سامنے ہے۔

ب-"وفی الدر المختار، قال:وشرطها أیضا، حضوره ووضعه وکونه هو أو أکثر أمام المصلی، وکونه للقبلة، فلا تصح علی غائب، ومحمول علی نحو دابة، وموضوع خلفه، لأنه کالإمام من وجه دون وجه لصحتها علی الصبی، وصلوة النبی ﷺ علی النجاشی لغویة أو خصوصیة"(درمختار، شامی ۲/۹۹ دیوبند)۔

"وفی فتح القدیر، قال:وشرط صحتها إسلام المیت، وطهارته، ووضعه إمام المصلی، فلهذا القید لا تجوز علی غائب، ولا حاضر محمول علی دابة أوغیرها، ولا موضوع متقدم علیه المصلی، وهو کالإمام من وجه"(فتح القدیر فصل فی الصلوۃ علی المیت ۲/۱۲۰)۔

مذکورہ عبارات فقہاء کرام سے مستفاد ہوا کہ اگر انتظامیہ کرونا سے متاثرہ میت کی قبر کی بھی نشاندہی نہ کرے، بلکہ صرف موت کی خبر پر ہی اکتفا کرے تو اس صورت میں غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ عندالحنفیہ نماز جنازہ کی شرائط صحت میں میت کا مصلیوں کے سامنے ہونا ہے اور ترک شرط پر نماز باطل ہوگی، اس لئے غائبانہ نماز جنازہ کسی بھی حال

میں جائز نہیں ہے۔

ضرورت تھی کہ اس ناگہانی موقع پر حنابلہ کی طرف رجوع کیا جاتا، کیونکہ عند الحنابلہ غائبانہ نماز جنازہ جائز اور درست ہے لیکن خوف ہے اس بات کا کہ اگر اس مجبوری کے وقت بھی اس کی اجازت دی گئی تو عوام الناس ہمیشہ کے لئے، یعنی غیر مجبوری کے وقت میں بھی اسی پر عمل کریں گے اور آہستہ آہستہ ہر موت کی خبر پر اپنے ہی یہاں چند لوگ جمع ہو کر نماز جنازہ پڑھ لیں گے، اور میت تک پہنچ کر نماز جنازہ کی شرکت کو موقوف کر دیں گے، اس لئے کسی بھی حال میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، البتہ ایسی صورت میں اصحاب میت اور دیگر اقارب واحباب کو میت کے حق میں، ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ ایصال کرنا چاہئے۔

☆☆☆

کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مولانا محمد صابر حسین ندوی☆

نماز با جماعت ادا کرنا:

نماز با جماعت کی ایک خاص اہمیت ہے، اس سے امت میں اجتماعیت، اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے اور مصائب و مشکلات میں سیسہ پلائی دیوار بن جانے کا سبق دیا جاتا ہے، با جماعت نماز کی فضیلت بہت زیادہ ہے؛ حتی کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قائم کی جائے۔ان میں سے ایک امام بنے اور دوسرا مقتدی جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''إِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ''، '' دو یا دو کے اوپر جماعت ہے''(ابن ماجہ، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الاثنان جماعة، ۱:۵۲۲، رقم: ۹۷۲--) با جماعت نماز کی فضیلت کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔حضرت عبد بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:''صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً''(با جماعت نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے پر ستائیس درجے فضیلت رکھتا ہے)(بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، رقم:۶۱۹)۔

۲۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:'' جب آدمی اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے اور اس طرح جاتا ہے کہ نماز کے سوا کوئی دوسری چیز اسے نہیں لے جاتی تو وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے اس کے ذریعے اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ (کا بوجھ) ہلکا کیا جاتا ہے پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس پر اس وقت تک سلامتی بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ باوضو رہتا ہے اور اس کے لیے یہ دعا کرتے ہیں: اے اللہ! اس پر سلامتی بھیج، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔تم میں سے ہر ایک جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے وہ نماز ہی میں ہوتا ہے''(بخاری، الصحیح، کتاب الجماعة والإمامة، باب فضل صلاة الجماعة، ۱/ ۲۳۲ رقم:۶۱۹)۔

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور-کرناٹک۔

۳۔حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"جو اللہ کے لیے چالیس دن نماز باجماعت ادا کرے اور تکبیر اولیٰ پائے اس کے لیے دو آزادیاں لکھ دی جائیں گی ایک دوزخ سے دوسری نفاق سے"(ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الصلاۃ، باب فی فضل التکبیرۃ الاولی، رقم:۲۴۱)۔

۴۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:"جس کو یہ پسند ہو کہ وہ حالت اسلام میں کل (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے کامل مومن کی حیثیت سے ملاقات کرے، اسے چاہئے کہ جس جگہ اذان دی جاتی ہے وہاں ان نمازوں کی حفاظت کرے (یعنی وہ نمازِ پنجگانہ باجماعت ادا کرے)۔" پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:"اگر تم منافقوں کی طرح بلاعذر مسجدوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے تو اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے اور اگر اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے"(مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الہدی، رقم:۶۵۴)۔

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم:

صحابہ کرامؓ کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ نماز باجماعت کا خوب اہتمام کرتے تھے، اگر کبھی مسجد میں آتے اور وہاں نماز ہو چکی ہوتی تو بعض دوسری مسجد کی جماعت میں شامل ہوتے اور بعض انفرادی نماز ادا کرتے تھے، مگر اسی مسجد میں دوسری جماعت نہیں کراتے تھے، تاکہ جماعت کی اہمیت باقی رہے، اور دوسری جماعت پہلی جماعت کو نقصان نہ پہنچائے، اس کی ایک سب سے بڑی مثال خود نبی کریم ﷺ کے عمل سے ملتی ہے، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو فریقوں کے درمیان صلح کے لیے تشریف لے گئے تھے، واپس تشریف لائے تو جماعت ہو چکی تھی، آپ نے گھر والوں کو جمع کر کے جماعت سے نماز ادا فرمائی:"**ولنا أنه عليه الصلاة والسلام كان خرج ليصلح بين قوم، فعاد إلى المسجد وقد صلى أهل المسجد، فرجع إلى منزله فجمع أهله وصلى**"(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ ۱/۵۱۸ طبع: سوم ۱/۵۵۳۔۱۲)۔

حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ صحابہ کرامؓ جب مسجد میں آتے کہ وہاں نماز ہو چکی ہوتی تو وہ انفرادی نماز ادا کرتے تھے۔

"**عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه، صلوا فرادى**" (المصنف لابن أبی شیبۃ، کتاب الصلاۃ، باب من قال: یصلون فرادی، ولا یجمعون ۔ مؤسسۃ علوم القرآن جدید ۵/۵۵، رقم:۷۱۸۸)۔

فقہاء کرام کی رائے:

نماز باجماعت دراصل دین سے تعبیر ہے، اسلام کے شعائر میں سے ہے، اس لئے اجتماعی طور پر اگر شہروں میں

بسنے والے اسے ترک کردیں تو ان سے جنگ کی جائے گی؛ جبکہ اہل قریہ اگر ایسا کریں تو انہیں مجبور کیا جائے گا کہ وہ نماز باجماعت کا اہتمام کریں (المغنی ۲/۱۷۶، ۱۷۷، المجموع ۴/ ۱۹۳، ۱۹۴۔ الحطاب بھامش المواق ۲/۸۱، مغنی المحتاج ۱/۲۲۹) تاہم فقہاء نے عام حالت کے سلسلہ میں بھی احکام بیان کئے ہیں؛ کہ جماعت کا کیا حکم ہے؟

حنفیہ- فقہاء اربعہ میں صحیح قول کے مطابق حنفیہ اور اکثر مالکیہ نیز شوافع کا بھی ایک قول یہ ہے کہ مردوں کے حق میں نماز باجماعت سنت موکدہ ہے، یہاں پر یہ خیال رہے کہ احناف قوت دلیل کی بنا پر موکدہ کو واجب میں شمار کرتے ہیں، ان کی دلیل حضور ﷺ سے مروی وہ روایت ہے جس میں جماعت کی فضیلت بتلائی گئی ہے:

" صَلاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ عَلَى صَلاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً " (تقدم تخريجه) وَفِي رِوَايَةٍ: بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً <، فَقَدْ جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْجَمَاعَةَ لإِحْرَازِ الْفَضِيلَةِ، وَذَا آيَةُ السُّنَنِ، وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ فِي الصَّلَوَاتِ: إِنَّهَا مِنْ سُنَنِ الْهَدْيِ" (دیکھئے: بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۵، شامی ۱/ ۳۷۱، فتح القدیر ۱/ ۳۰۰، مراقی الفلاح وحاشیہ الطحطاوی ۱۵۶، الدسوقی ۱/ ۳۱۹، الحطاب ۲/ ۸۱، القوانین الفقھیۃ ۶۹، المھذب ۱/ ۱۰۰، شرح المحلی علی المنھاج ۱/ ۲۲۱)۔

شافعیہ- شوافع کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ نماز باجماعت فرض کفایہ ہے، حنفیہ میں سے کرخی اور طحاوی کی بھی یہی رائے ہے، اور مالکیہ میں علامہ مازری سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے (مغنی المحتاج ۱/ ۲۲۹، المھذب ۱/ ۱۰۰، فتح القدیر ۱/ ۳۰۰، ابن عابدین ۱/ ۳۷۱، طحطاوی علی مراقی الفلاح ۱۵۶، الدسوقی ۱/ ۳۱۹، الشرح الصغیر ۱/ ۱۵۲، مواھب الجلیل ۱/ ۸۱)، ان کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے: "مامن ثلاثة فی قریة ولا بدو لاتقام فیهم الصلاة الا قد الستحوذ علیهم اشیطان، فعلیک بالجماعة فانما یاکل الذئب القاصیة" (ابوداود ۱/ ۳۷۱)۔

مالکیہ- بعض مالکیہ نے اس سلسلہ میں تفصیل بیان کی ہے، کہتے ہیں کہ جملہ کسی شہر میں نماز باجماعت فرض کفایہ ہے، اگر سب کے سب ترک کردیں تو ان سے جنگ کی جائے گی، اور ہر مسجد میں سنت ہے؛ جبکہ مردوں کیلئے اس سلسلہ میں خاص فضیلت ہے (الدسوقی ۱/ ۳۱۹، ۳۲۰۔ الشرح الصغیر ۱/ ۱۵۲)۔

حنابلہ- مسلک حنابلہ میں بھی جماعت عین واجب ہے، ان کا استدلال فرمان الٰہی ہے: "واذا کنت فیهم فأقمت لهم الصلاة فلتقم طائفة منهم معک" (نساء: ۱۰۲)، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حالت خوف میں جماعت کا حکم دیا ہے، تو عام حالت میں بدرجہ اولیٰ اسے برتا جانا چاہئے، ساتھ ہی یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے: "الذی نفسی بیده لقد هممت أن آمر بحطب ثم آمر بالصلاة فیوذن لها، ثم آمر رجلاً فیؤم الناس، ثم أخالف الی رجال لایشهدون الصلاة، فاحرق علیهم بیوتهم" (بخاری مع الفتح ۲/ ۱۲۵، مسلم ۱/ ۴۵۲)، اس کے علاوہ جماعت کی اہمیت پر

وارد متعدد روایات نقل کی گئی ہیں (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ-صلاۃ الجماعۃ)۔

تکرار جماعت:

جماعت کا قیام ہی اس لئے ہے کہ اتحاد قائم ہو، مسلمانوں کے مابین صف بندی رہے اور وہ ایک دوسرے سے جسم کے مانند جڑے رہیں، مگر جماعت اگر بار بار کی جائے، ایک ہی مسجد میں کئی کئی جماعتیں ہوں تو پہلی جماعت کی کوئی اہمیت نہ رہے گی اور آہستہ آہستہ جماعت کی اہمیت کلی طور پر مفقود ہوجائے گی، اس لئے یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ ایک ہی محلے کی مسجد میں جماعت کی تکرار مکروہ ہے، جیسا کہ ابوبکرہ کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے:

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَقْبَلَ مِنْ نَوَاحِي الْمَدِينَةِ يُرِيدُ الصَّلاةَ، فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا فَمَالَ إِلَى مَنْزِلِهِ فَجَمَعَ أَهْلَهُ فَصَلَّى بِهِمْ“ (مجمع الزوائد ۲/۴۵)، اگر فرض نماز کی دوسری جماعت مسجد میں بلا کراہت درست ہوتی تو رسول اللہ ﷺ خود بیانِ جواز کیلئے وہاں جماعت فرماتے، حضرت انس بن مالک سے بھی یہ مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جب جماعت چھوٹ جاتی تو وہ تنہا نماز پڑھا کرتے تھے، ظاہر بات ہے یہ اسی لئے ہوا کرتا تھا کہ جماعت کی اہمیت کم نہ ہوجائے؛ چنانچہ فقہاء نے یہ بات لکھی ہے کہ شریعت مطہرہ کے اندر ایسی مسجد میں ایک نماز کی دو جماعتیں کرانے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے جس میں امام ومؤذن مقرر ہو اور اس کے مخصوص نمازی بھی ہوں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ”**ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن .(قوله: ويكره) أي تحريماً؛ لقول الكافي: لايجوز، والمجمع: لايباح، وشرح الجامع الصغير: إنه بدعة، كما في رسالة السندي، (قوله: بأذان وإقامة إلخ) ...والمراد بمسجد المحلة ما له إمام وجماعة معلومون، كما في الدرر وغيرها .قال في المنبع: والتقييد بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع، وبالأذان الثاني احتراز عما إذا صلى في مسجد المحلة جماعة بغير أذان حيث يباح إجماعاً .اهـ**“ (۱/۵۵۲، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، مطلب في تکرار الجماعۃ في المسجد، ط: سعید)۔

مفتی کفایت اللہؒ اسی نوعیت کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”جس مسجد میں کہ پنج وقتہ جماعت اہتمام وانتظام سے ہوتی ہو، اس میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے؛ کیونکہ جماعت دراصل پہلی جماعت ہے، اور مسجد میں ایک وقت کی فرض نماز کی ایک ہی جماعت مطلوب ہے، حضورِ انور ﷺ کے زمانہ مبارک اور خلفائے اربعہ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں مساجد میں صرف ایک ہی مرتبہ جماعت کا معمول تھا، پہلی جماعت کے بعد پھر جماعت کرنے کا طریقہ اور رواج نہیں تھا، دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت میں نمازیوں کی حاضری میں سستی پیدا

ہوتی ہے اور جماعت اولیٰ کی تقلیل لازمی ہوتی ہے؛ اس لیے جماعت ثانیہ کو حضرت امام صاحبؒ نے مکروہ فرمایا اور اجازت نہ دی۔ اور جن ائمہ نے اجازت دی انہوں نے بھی اتفاقی طور پر جماعتِ اولیٰ سے رہ جانے والوں کو اس طور سے اجازت دی کہ وہ اذان واقامت کا اعادہ نہ کریں اور پہلی جماعت کی جگہ بھی چھوڑ دیں تو خیر پڑھ لیں، لیکن روزانہ دوسری جماعت مقرر کرلینا اور اہتمام کے ساتھ اس کو ادا کرنا اور اس کے لیے تداعی یعنی لوگوں کو بلانا اور ترغیب دینا یہ تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، نہ اس کے لیے کوئی فقہی عبارت دلیل بن سکتی ہے، یہ تو قطعاً ممنوع اور مکروہ ہے‘‘ (کفایت المفتی، جلد سوم، ص: ۱۴۰، کتاب الصلوۃ، دارالاشاعت)۔

استثنائی صورتحال:

حنفیہ تکرار جماعت کے سلسلہ میں کراہت کچھ شرطوں کے ساتھ لگاتے ہیں، جب محلے کی مسجد میں محلے والے اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا کر چکے ہوں، مگر ایسا ہو کہ محلے کے علاوہ لوگوں نے یا پھر بغیر اذان واقامت کے نماز ادا کر لی ہو تو دوسری جماعت کرنے میں کراہت نہیں ہے، اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے مروی ہے کہ دوسری جماعت میں اگر بہت زیادہ افراد جمع ہو جائیں تو بھی مکروہ ہے، اگر تین/ چار لوگ ہوں اور وہ مسجد کے کسی کونے میں جماعت کرلیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، امام محمد سے روایت ہے کہ تکرار جماعت اگر تداعی اور اجتماع کی صورت میں ہو تو پھر مکروہ ہے، امام ابویوسف سے مروی ہے کہ اگر دوسری جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو، جیسے محراب سے ہٹ کر پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مالکیہ نے امام راتب کیلئے اجتماعی طور پر تکرار جماعت کی اجازت دی ہے؛ لیکن اگر اس نے بہت تاخیر کی ہے تو مسلمانوں کے درمیان انتشار کی بنا پر تکرار جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے، اس حکم سے مکہ، مدینہ اور مسجد اقصیٰ خارج ہے؛ کیوں یہاں جب بھی جائیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے۔

شوافع نے جس مسجد میں امام راتب ہو یا پھر امام نے جماعت ثانیہ کی اجازت نہ دی ہو اس میں تکرار جماعت کو مکروہ نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد آئے اور پائے کہ سبھی نماز پڑھ چکے ہیں تو مناسب ہے کہ کوئی اس کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرلے تاکہ اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، جیسا کہ حضرت سعید خدریؓ کی رایت سے معلوہوتا ہے: ’’ أَنَّ رَجُلا جَاءَ، وَقَدْ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: مَنْ يَتَصَدَّقُ عَلَى هَذَا؟ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَه‘‘ (احمد ۳/ ۴۵، حاکم ۱/ ۲۰۹)، یہ ملحوظ رہے کہ جس مسجد میں امام راتب نہ ہو یا پھر وہ بازار، گزرگاہ کی مساجد ہوں تو وہاں متفق علیہ طور پر تکرار جماعت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک خواہ مسجد میں امام راتب ہو یا نہ ہو، وہ محلے کی ہو یا کہیں اور کی ہر صورت میں تکرار جماعت

بلا کراہت گنجائش ہے؛ بلکہ کہتے ہیں کہ اگر محلے کی مسجد میں جماعت ہوگئی ہو اور کچھ لوگ آئیں تو ان کیلئے مستحب ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھیں، ابن مسعود، عطاء، حسن، نخعی، قتادۃ اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی ماننا تھا، ان کی دلیل جماعت کے سلسلہ میں وارد فضیلتیں اور احادیث ہیں (دیکھئے: ابن عابدین: ۱/ ۳۷۱، بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۳، الدسوقی ۱/ ۳۳۲، المغنی ۲/ ۱۸۰، ۱۸۱، المجموع شرح المھذب ۴/ ۲۲۱، کشاف القناع ۱/ ۴۵۷، المھذب ۱/ ۱۰۲)۔

لاک ڈاؤن میں تکرار جماعت:

کرورنا وائرس اور لاک ڈاون کی وجہ سے مسجدیں ویران ہوگئیں، لوگ مسجدوں میں جانے اور سجدہ نیاز سے محروم ہوگئے، یہ ایک ایسا موقع ہے جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی، اس پر یہ کہ حکومت کا متعصّبانہ رویہ مزید اسے سنگین بناتا چلا گیا، مسجدوں میں بمشکل صرف امام، موذن اور ایک/ دو مصلیوں کیلئے نماز کی اجازت دی گئی، ایسے میں بعض جگہوں پر متعدد جماعتیں کی گئیں، مسجدوں سے محبت رکھنے والوں کیلئے یہ انمول تحفہ تھا؛ شرعی اعتبار سے دیکھا جائے تو عام طور پر ضرورت کی وجہ سے امام کی جگہ سے ہٹ کر دوسری جماعت کرنے کی اجازت ہے، بعض فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں کوئی شرط بھی نہیں ہے، ان اختلافات سے ایسی نازک ترین صورتحال میں استفادہ کرنا چاہئے، چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر لاک ڈاون جیسی گمبھیر صورت ہو تو لوگ اگر چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں؛ نیز حکومتی گائڈ لائن کی صریح مخالفت نہ کی جائے، اس طور پر کہ مسلم قوم مشکل میں پڑ جائے، عوام شکوک وشبہات میں پڑ جائے تو نماز ادا کی جاسکتی ہے؛ لیکن یہ خیال رہے کہ اس سے معاشرے میں کوئی انتشار، بیماری اور نزاع کا طوفان نہ بپا ہوتا ہو، اصل انسان کی جان اور امت کا شیرازہ ہے، ان کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کرنا پڑے، اور اسے صرف استثنائی مسئلہ ہی سمجھا جائے۔

لاک ڈاؤن میں گھر پر جمعہ:

کورونا اور لاک ڈاؤن کے دوران جمعہ کی نماز باجماعت گھر پر پڑھنے کا حکم جاننے سے پہلے جمعہ کی شرائط کا جاننا ضروری ہے، اس سلسلہ میں سب سے اہم بحث نمازیوں کی تعداد کے متعلق ہے؛ کیونکہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کی نماز باجماعت ہی ادا ہوسکتی ہے، منفرد نہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة، الا اربعة: عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض....**“ (رواہ احمد وابوداود عن طارق بن شہاب)۔

چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ نے اقامت جمعہ کیلئے چالیس افراد کی شرط لگائی ہے؛ جبکہ حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا لازمی ہے؛ خواہ وہ مسافر ہوں یا مریض، بعضوں نے امام کے علاوہ بارہ لوگوں کی شرط

رکھی ہے، مالکیہ کے مشہور مسلک کے مطابق انہیں مسافر نہیں ہونا چاہئے (بدائع الصنائع ۱/۲۵۹، المہذب مع المجموع ۴/۵۰۱، المغنی لابن قدامہ ۲/۲۷۵، الجواہر الزکیۃ / ۱۲۳)۔

تعداد متعین نہیں:

فقہاء کرام نے جمعہ کے قیام کیلئے افراد کی تعیین کی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ نصوص میں صراحتاً اس کی کوئی تعداد مذکور نہیں ہے، عموماً اس سلسلہ میں جس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے اس میں ظنی طور پر تعداد کی تعیین پائی جاتی ہے، جس سے متعینہ تعداد کا تیقن کے ساتھ نفاذ مشکل معلوم ہوتا ہے، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ نے کعب بن مالک سے وہ روایت اس طرح نقل کی ہے: "عن كعب بن مالك، أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة، فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زرارة، قال: "لأنه أول من جمع بنا في هزم النبيت من حرة بني بياضة في نقيع، يقال له: نَقِيعِ الْخَضَمَاتِ، فِي هَزْمٍ مِنْ حَرَّةِ بَنِي بَيَاضَةَ، قلت: كم أنتم يومئذ، قال: أربعون"، بلاشبہ یہ ایک حکایت ہے کہ صحابی رسول ﷺ نے جمعہ پڑھتے وقت ایک خاص تعداد کی بات کہی؛ اس میں اللہ کے نبی ﷺ کی کوئی تائید یا تعداد کی متعین تعداد کی کوئی تشریح واضح نہیں ہوتی ہے۔

بہت سے علماء نے اس روایت پر اپنی رائے نقل کی ہے، محمد بن حزم نے یہی بات کہی ہے کہ اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر اس سے کم افراد جمعہ ادا کرلیں تو جمعہ کی نماز ادا نہیں ہوگی: " قال أبو محمد بن حزم في "المحلى" (۳/۲۵۰) بعدما روى هذا الحديث: "ولا حجة له في هذا؛ لأن رسول الله ﷺ لم يقل: إنه لا تجوز الجمعة بأقل من هذا العدد، نعم والجمعة واجبة بأربعين رجلاً، وبأكثر من أربعين، وبأقل من أربعين؟!" (ابن تیمیہ نے تین افراد کے ساتھ بھی نماز جمعہ کے انعقاد کی بات کہی ہے، ایک خطبہ دینے والا ہو اور دو سننے والے ہوں، یہ امام احمد کی بھی ایک رائے ہے: "وقال أبو العباس شيخ الإسلام ابن تيمية في "المستدرك على مجموع الفتاوى" (۳/۱۲۷)، والاختيارات (۲/۸۶): "وتنعقد الجمعة بثلاثة، واحد يخطب، واثنان يستمعان، وهو إحدى الروايات عن أحمد، وقول طائفة من العلماء، وقد يقال بوجوبها على الأربعين؛ لأنه لم يثبت وجوبها على من دونهم، وتصح ممن دونهم؛ لأنه انتقال إلى أعلى الفرضين كالمريض، بخلاف المسافر فإن فرضه ركعتان"۔

علامہ شوکانی نے اس سلسلہ میں مزید وسعت اختیار کی ہے، اور یہاں تک کہا ہے کہ جو لوگ جمعہ کے سلسلہ میں زائد شرطیں لگاتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے: "وقال الشوكاني في "السيل الجرار المتدفق على حدائق

الأزهار" (ص: ۱۸۲)، "والحاصل أن صلاة الجماعة قد صحت بواحد مع الإمام، وصلاة الجمعة هى صلاة من الصلوات، فمن اشترط فيها زيادة على ما تنعقد به الجماعة فعليه الدليل، ولا دليل؛ وقد عرفناک غير مرة أن الشروط إنما تثبت بأدلة خاصة تدل على انعدام المشروط عند انعدام شرطه، فإثبات مثل هذه الشروط بما ليس بدليل أصلاً، فضلاً عن أن يكون دليلاً على الشرطية، مجازفة بالغة، وجرأة على التقول على الله وعلى رسوله وعلى شريعته .والعجب من كثرة الأقوال فى تقدير العدد حتى بلغت إلى خمسة عشر قولاً، وليس على شيء منها دليل يستدل به قط، إلا قول من قال إنها تنعقد جماعة الجمعة بما تنعقد به سائر الجماعات"۔

جمعہ کیلئے مسجد شرط نہیں:

جمعہ کی ادائیگی کیلئے کیا مسجد شرط نہیں؟ مالکیہ کے یہاں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ جمعہ کی ادائیگی کیلئے مسجد شرط قرار دیتے ہیں، جمہور ائمہ اور متبعین کا یہ ماننا ہے کہ جمعہ کیلئے مسجد شرط نہیں؛ یہی راجح قول ہے، علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ مصعب بن عمیر نے جہاں جمعہ کی نماز منعقد کی تھی وہ مسجد نہیں تھی، پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جمعہ کیلئے لوگوں کا جمع ہونا اور خطبہ ضروری ہے:" جاء فى "المغنى"(۲/ ۲۴۶): ..."ولنا، أن مصعب بن عمير جمع بالأنصار فى هزم النبيت فى نقيع الخضمات، والنقيع: بطن من الأرض يستنقع فيه الماء مدة، فإذا نضب الماء نبت الكلا ."أوقال أيضًا (۲/ ۲۴۸): "ولنا: أنها صلاة شُرع لها الاجتماع والخطبة، فجازت فيما يحتاج إليه من المواضع ...قال أبو داؤد: سمعت أحمد يقول: أى حد كان يقام بالمدينة، قدمها مصعب بن عمير وهم مختبئون فى دار، فجمع بهم وهم أربعون"

علامہ شوکانی نے بھی اس سلسلہ میں یہی بات کہی ہے کہ مسجد کی شرط بے بنیاد ہے؛ البتہ اسے مستحب، افضل کہا جاسکتا ہے:"وقال الشوكانى فى "السيل الجرار"(ص: ۱۸۲) متعقبًا قول صاحب "مختصر الأزهار" (ومسجد فى مستوطن): "أقول: وهذا الشرط أيضًا لم يدل عليه دليل يصلح للتمسک به لمجرد الاستحباب، فضلاً عن الشرطية، ولقد كثر التلاعب بهذه العبادة وبلغ إلى حد تقضى منه العجب. والحق أن هذه الجمعة فريضة من فرائض الله سبحانه، وشعار من شعارات الإسلام، وصلاة من الصلوات-: فمن زعم أنه يعتبر فيها ما لا يعتبر فى غيرها من الصلوات، لم يسمع منه ذلک إلا بدليل وقد تخصصت بالخطبة، وليست الخطبة إلا مجرد موعظة يتواعظ بها عباد الله، فإذا لم يكن فى

المكان إلا رجلان قام أحدهما يخطب واستمع له الآخر، ثم قأما فصليا صلاة الجمعة ."

علامہ ابن رشد کا ماننا ہے کہ جمعہ کے سلسلہ میں اس کی اہمیت اور فضیلت کی بنا پر بہت سی بحثیں وجود میں آئی ہیں، جن کا تعلق عین جمعہ سے نہیں ہے، جیسے ایک زمانے میں اس بات پر بھی بحث کی گئی تھی کہ مسجد ہوتو کیا مسقّف ہو یا غیر مسقّف ہو ....ایک خاص عبارت پڑھنے کے قابل ہے: "وقال ابن رشد -المالكي- فی "بداية المجتهد ونهاية المقتصد"(۱/۱۷۰) – فی معرض كلامه عن شروط الوجوب والصحة المختصة بيوم الجمعة –: "والسبب فی اختلافهم فی اشتراط الأحوال والأفعال المقترنة بها، هو كون بعض تلك الأحوال أشد مناسبة لأفعال الصلاة من بعض، ولذلک اتفقوا على اشتراط الجماعة، إذ كان معلومًا من الشرع أنها حال من الأحوال الموجودة فی الصلاة، ولم ير مالک المصر ولا السلطان شرطًا فی ذلک؛ لكونه غير مناسب لأحوال الصلاة، ورأى المسجد شرطًا؛ لكونه أقرب مناسبة، حتى لقد اختلف المتأخرون من أصحابه هل من شرط المسجد السقف أم لا؟ وهل من شرطه أن تكون الجمعة راتبة فيه أم لا؟ وهذا كله تعمق فی هذا الباب ودين الله يسر! ولقائل أن يقول: إن هذه لو كانت شروطاً فی صحة الصلاة، لما جاز أن يسكت عنها النبی ﷺ ولا أن يترک بيانها؛ لقوله تعالى: 'لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ'(النحل:44)، ولقوله تعالى: 'لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ'(النحل: ٦۴).

متعدد جمعہ کی جماعتیں:

جمعہ کی درستگی کیلئے فقہاء نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہیکہ اس کی جماعتیں متعدد نہ ہوں بلکہ ایک شہر میں ایک جماعت ہو، تا کہ مسلمانوں کی جماعتیں متعدد نہ ہوں، جمعہ ان میں ایک اتفاق واتحاد کا کام کرے، امام شافعی، احمد اور امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ شہر بڑا ہو کہ چھوٹا بلاضرورت جمعہ کی متعدد جماعتیں نہیں ہوسکتیں (دیکھئے: المحلی علی المنہاج ۱/ ۲۷۲، المغنی لابن قدامۃ ۲/ ۲۷۷، ۲۷۸، الدسوقی ۱/ ۳۷۴)، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی ماننا ہے، ابن عابدین شامی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ طحاوی اور تمرتاشی نے اسی کو اختیار کیا ہے؛ حالانکہ ''نہر اور تکملہ'' کے حوالے سے ''شرح المُنیہ'' میں امام اعظم کی جانب سے دو اقوال منقول ہیں، مگر فتوی مذکورہ رائے پر ہے، اس کے برعکس ''بدائع الصنائع'' میں امام کرخی سے روایت ہے کہ امام محمد کے نزدیک دو یا تین جگہ بھی جمعہ منعقد کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے، امام ابویوسف سے دو روایتیں ہیں: ایک کے مطابق دو جماعتیں وہیں ہوسکتی ہیں جب ان کے درمیان کسی بڑے نہر یا محل کا فاصلہ ہو دوم: جب شہر بڑا ہو تو دو مقام پر جمعہ کی نماز

ہوسکتی ہے(مجمع الأنھر ۱/ ۲۶۲، رد المحتار ۱/ ۵۶۵، بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰)۔

ظہر کی نماز تنہا پڑھیں؟

فقہاء نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے، تمام مباحث کو پڑھنے کے بعد خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، وہ معذور ہیں، مسافر ہیں یا پھر خواتین ہیں تو انہیں اجازت ہے کہ وہ گھر پر تنہا یا جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ لیں، بلکہ امام سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں، ابن قدامہ نے لکھا ہے: "**فَأَمَّا مَنْ لا تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ, كَالْمُسَافِرِ ,وَالْعَبْدِ ,وَالْمَرْأَةِ ,وَالْمَرِيضِ ,وَسَائِرِ الْمَعْذُورِينَ ,فَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الظُّهْرَ قَبْلَ صَلاةِ الإِمَامِ فِي قَوْلِ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ**"، مگر ابوبکر عبدالعزیز نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ مناسب ہے کہ امام کی فراغت کے بعد نماز ادا کریں، اس لئے کہ ممکن ہے کہ معذورین کا عذر ختم ہو جائے، جیسے کوئی مسافر یا معذور ہو مگر اب تندرست اور مقیم ہو گیا؟ ابن قدامہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ مسئلہ تیمّم کی مانند ہے، تیمّم کی اجازت اس وقت بھی ہوتی ہے جب اس بات کا امکان ہو کہ عذر ختم ہو سکتا ہے، اور پھر خاتون ہونا کوئی عذر نہیں، غالباً اس سلسلہ میں ابن قدامہ کی بات مناسب ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں ہے، خواہ وہ کن ہی وجوہات کی بنا پر ہو انہیں ظہر پڑھنے کی اجازت ہو (المغنی لابن قدامہ ۲/ ۳۴۲)، البتہ ابن عابدین کی صراحت کے مطابق بہتر ہے کہ امام کی فراغت کے بعد پڑھا جائے، اور اگر کہیں ایسی جگہ پر ہیں، جیسے گاؤں ہو یا پھر دور دراز علاقہ جہاں مسجد سے دور کا تعلق ہو تو پھر وہاں اگر امام سے پہلے بھی ظہر پڑھ لی جائے تو کوئی دقت نہیں (الدر المختار بھامش ابن عابدین ۱/ ۵۷۲، مجمع الأنھر ۱/ ۱۶۵)۔

لاک ڈاون کی صورت میں:

کورونا وائرس اور لاک ڈاون کی صورت میں نماز جمعہ کا مسئلہ بڑا سنگین ہو گیا ہے، مسجدیں بند ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز ادا نہیں ہو پا رہی ہے، اس سلسلہ میں فقہی جائزہ لیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ لوگ انہیں عام معذر کی طرح ہو گئے ہیں جو جمعہ کی ادائیگی کے اہل نہیں، اگرچہ وہ صحت مند اور تندرست ہیں، مگر قانونی بندشیں اور آسمانی آفت انہیں اجازت نہیں دیتیں کہ جمعہ کو اس کی شرطوں کے ساتھ ادا کیا جائے، اس سلسلہ میں سیرت طیبہ ﷺ کی ایک مثال یاد آتی ہے، چھٹی ہجری میں آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا؛ لیکن اہل مکہ نے انہیں مقام حدیبیہ سے آگے نہ بڑھنے دیا، وہیں پر تاریخی صلح ہوئی تھی، مگر بیت اللہ کی زیارت سے محرومی بھی رہی، ایسے میں آپ ﷺ نے وہیں پر احرام کھول لیا تھا، قربانی کی اور عمرہ سے فارغ ہو گئے تھے، اس نظیر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص عمل کا اہل ہے؛ لیکن رکاوٹیں آ گئی ہیں تو اس عمل کو جس استطاعت کے ساتھ انجام دے اس کی گنجائش ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر گھروں پر یا محلے میں کہیں ایک جگہ کچھ افراد ملکر

جمعہ کی نماز ادا کرلیں اور مسجد میں بھی جمعہ کی نماز ایک چھوٹی جماعت ادا کرلے تو کوئی حرج نہ ہو۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر معذورین جمعہ کی نماز میں شامل ہوجائیں، اگر چہ ان پر جمعہ فرض نہیں تب بھی ان کی جانب سے جمعہ کی ادائیگی ہوجاتی ہے، ظاہر ہے ان دنوں مسلمان اس حالت میں ہیں کہ انہیں معذور سمجھا جائے، ”فقد جاء فی کتاب "الأم"(۲۱۸/۱) للإمام الشافعی: "ومن قلت لا جمعة علیه من الأحرار للعذر بالحبس، أو غیره ومن النساء، وغیر البالغین، والممالیک-: فإذا شهد الجمعة صلاها رکعتین، وإذا أدرک منها رکعة أضاف إلیها أخری، وأجزأته عن الجمعة: (قال: الشافعی): وإنما قیل لا جمعة علیهم- والله تعالی أعلم - لا یحرجون بترکه ."

وجاء فی "نهایة المحتاج إلی شرح المنهاج" (۲۸۷/۲) فی الفقه الشافعی: "(ومن صحت ظهره)، ممن لا جمعة علیه، (صحت جمعته)، بالإجماع کالصبی والعبد والمرأة ."اه .وکذلک نص الإمام ابن قدامة فی "المغنی"(۲۵۳/۲) علی أن من لم تجب علیه الجمعة إن صلاها أجزأته، فقال:"(وإن حضروها أجزأتهم)، یعنی تجزئهم الجمعة عن الظهر، ولا نعلم فی هذا خلافًا؛ قال ابن المنذر أجمع کل من نحفظ عنه من أهل العلم أن لا جمعة علی النساء، وأجمعوا علی أنهن إذا حضرن فصلین الجمعة أن ذلک یجزء عنهن؛ لأن إسقاط الجمعة للتخفیف عنهن، فإذا تحملوا المشقة وصلوا، أجزأهم، کالمریض ."اه .وقال شیخ الإسلام فی "مجموع الفتاوی" (۱۶۶/۲۳): "وکما لا تجب الجمعة علی المریض والمسافر والعبد، وإن جاز له فعلها“

ایک اہم بات:

کورونا اور لاک ڈاون کے وقت یہ بات بھی سامنے آئی کہ لوگ بضد مسجد میں ہی جمعہ ادا کرنا چاہتے تھے، اس کی ترکیب یہ نکالی گئی کہ چند افراد جمعہ پڑھ لیں پھر اس کے بعد چند لوگوں کی جماعت دوسری مرتبہ جمعہ ادا کرے، اس سلسلہ میں علامہ دسوقی نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ یہ جماعت اس مسجد میں کرنا مکروہ ہے جس میں امام راتب ہو، مناسب ہے کہ اسے اخفاء رکھا جائے، اس طور پر کہ اذان بھی نہ دی جائے:

”(قَوْلُهُ فَالْأَوْلَى لَهُمْ الْجَمْعُ) أَیْ وَلَا یُحْرَمُونَ فَضْلَ الْجَمَاعَةِ (قَوْلُهُ وَإِخْفَاءُ جَمَاعَتِهِمْ) أَیْ فَإِذَا جَمَعُوا فَلَا یُؤَذِّنُونَ وَیَجْمَعُونَ فِی غَیْرِ مَسْجِدٍ أَوْ فِی مَسْجِدٍ لَا رَاتِبَ لَهُ وَأَمَّا جَمْعُهُمْ فِی مَسْجِدٍ بَعْدَ رَاتِبَةٍ فَهُوَ مَکْرُوهٌ“(حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۳۸۴)؛ نیز اس میں یہ بھی خدشہ ہے کہ نماز جمعہ کی اہمیت کم ہوگی، لوگوں اس کے شرائط

کے تعلق سے خفت پیدا ہو جائیگی، پھر یہ کہ مسجد اور جماعت کی اہمیت بھی جاتی رہے گی۔

بعض اہم فتاوی:

عام حالات میں بلا عذر گھروں میں جمعہ کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر کسی علاقے میں مساجد میں جمعہ کے اجتماع پر پابندی ہے تو وہاں کے بالغ مردوں کو چاہیے کہ وہ مساجد کے علاوہ کسی ایسی جگہ میں (خواہ گھر یا کوئی اور جگہ) جہاں چار یا چار سے زیادہ بالغ مرد جمع ہو سکیں اور ان لوگوں کی طرف سے دیگر لوگوں کی نماز میں شرکت کی ممانعت نہ ہو، جمعہ قائم کرنے کی کوشش کریں، جس جگہ نمازِ جمعہ ادا کر رہے ہوں وہاں کا دروازہ کھلا رکھیں؛ تاکہ اگر کوئی نماز میں شریک ہونا چاہے تو شریک ہو سکے۔

باقی شہر، فنائے شہر یا قصبہ میں جمعہ کی نماز میں چوں کہ مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدی ہوں تو بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی؛ پس جمعہ کا وقت داخل ہونے کے بعد پہلی اذان دی جائے، پھر سنتیں ادا کی جائیں، پھر امام منبر یا کرسی وغیرہ پر بیٹھ جائے، اس کے سامنے دوسری اذان دی جائے، پھر امام کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھ کر دو رکعت نمازِ جمعہ پڑھا دے۔ عربی خطبہ اگر یاد نہ ہو تو کوئی خطبہ دیکھ کر پڑھ لیا جائے، ورنہ عربی زبان میں حمد وصلاۃ اور قرآنِ پاک کی چند آیات پڑھ کر دونوں خطبے دے دیں۔ شہر، فنائے شہر یا قصبہ میں اگر بالغ مرد چار کی تعداد میں جمع نہ ہو سکیں تو ظہر کی نماز جماعت کے بغیر انفرادی طور پر پڑھ لیں (ماخذ: دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن - تاریخ اجراء: ۳/ ۴/ ۲۰۲۰ء)۔

''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے: ''نماز جمعہ کسی بھی طرح (چاہے مالی نقصان برداشت کرنا پڑے) اس کی اصل جگہ یعنی مسجد میں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو عبادت خانہ میں جم غفیر کے ساتھ ادا کرے، اگر وہاں کبھی کبھار پہنچ نہ سکے تو ایک امام اور کم از کم تین مقتدیوں کے ساتھ کسی اور جگہ یا کارخانہ میں با جماعت ادا کرے، جہاں امام اور مؤذن مقرر ہو اور پنجگانہ نماز بروقت باجماعت ہوتی ہو وہاں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، ''مبسوط سرخسی'' میں ہے: ''**قال: (وإذا دخل القوم مسجداً قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعةً بأذان وإقامة، ولكنهم يصلون وحداناً بغير أذان وإقامة)؛ لحديث الحسن: قال: كانت الصحابة إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات، ومنهم من صلى في مسجده بغير أذان ولا إقامة**'' (مبسوط سرخسی ۱/ ۱۳۵، شامی ۱/ ۳۶۷ باب الاذان)۔

دار العلوم دیوبند کی رائے:

لاک ڈاؤن اور کورونا وائرس کے درمیان دار العلوم دیوبند کی جانب سے جمعہ کے تعلق سے ایک اہم فتوی صادر ہوا تھا، جس میں کئی سوالات، اعتراضات اور غلط فہمیوں کا جواد یا گیا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کر دیا جائے:

(۱) کورونا وائرس کو لے کر پورے ملک میں جو لاک ڈاؤن ہوا ہے، اس کے پیش نظر، حالات کی بحالی تک مساجد یا غیر مساجد میں جمعہ کے سلسلہ میں درج ذیل تفصیل ہوگی:

(الف) جن شہروں، قصبات یا بڑے گاؤں میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں اور وہاں کی مساجد میں با قاعدہ جمعہ ہوتا آ رہا ہے، وہاں موجودہ صورت حال میں انتظامیہ (پرشاسن) کی طرف سے جتنے افراد کی اجازت ہو، ان کے ساتھ جمعہ قائم کیا جائے بہ شرطیکہ امام کے علاوہ کم از کم تین مرد مقتدی ہوں۔ اور اگر کسی شہر یا قصبہ میں موجودہ صورت حال سے پہلے وہاں کی بعض مساجد میں جمعہ ہوتا تھا اور بعض میں نہیں تو جن مساجد میں جمعہ نہیں ہوتا تھا، وہاں بھی حالات کی بحالی تک (انتظامیہ کی اجازت کے مطابق چار، پانچ افراد کے ساتھ جمعہ ادا کر لیا جائے؛ تا کہ کچھ لوگوں کا جمعہ وہاں ہو جائے۔

اور ملک کی موجودہ صورت حال میں مساجد میں جو پانچ چھ سے زائد لوگوں کو منع کیا جا رہا ہے، یہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی بنا پر ہے اور ایسی ممانعت اذن عام کے منافی نہیں ہوتی؛ کیوں کہ مقصد لوگوں کو نماز جمعہ سے روکنا نہیں ہے؛ بلکہ قانون شکنی کی صورت میں ہونے والی بڑی پریشانیوں سے بچنا ہے۔

" **أما إذا كان لمنع عدو يخشى دخوله وهو في الصلاة فالظاهر وجوب الغلق** " حلبی (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر......، ط: مکتبۃ الاتحاد، دیوبند) .**قوله: "لم تنعقد": يحمل على ما إذا منع الناس لا ما إذا كان لمنع عدو أو لقديم عادة، وقد مر**" (المصدر السابق، ۱/ ۳۴۴، ط: مکتبۃ الاتحاد، دیوبند)۔

''امداد الفتاوی'' میں ہے: اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذن عام میں مخل نہیں (امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۴، مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند)، ''امداد الاحکام'' میں ہے: اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آ سکتے ہوں؛ کیوں کہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے بلکہ انتظام مقصود ہے (امداد الاحکام ۱/ ۷۵۱، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

(ب) محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ ادا نہ کر سکیں اور وہ اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر، اذن عام کے ساتھ جمعہ قائم کر سکتے ہوں، یعنی آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کر دی جائے تا کہ جو کوئی جمعہ میں آنا چاہے، آ سکے اگر چہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کر دیا جائے تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لے کر مختصر خطبہ اور مختصر قرائت کے ساتھ جمعہ ہی ادا کریں۔ اور اگر کسی جگہ انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو تو جمعہ سے پہلے زبانی بات چیت کے ذریعے انھیں اعتماد میں لے لیا جائے۔

اور بطور احتیاط درج ذیل باتوں کا مزید لحاظ رکھا جائے:

(ایک) جو شخص اپنے گھر کی بیٹھک یا باہری کمرے میں آس پاس کے تین، چار لوگوں کے ساتھ جمعہ قائم کرنا چاہے، وہ خطرات اور اندیشوں کے سلسلے میں محض اپنی رائے پر بھروسہ نہ کرے؛ بلکہ ایک، دو مقامی علما اور حالات و واقعات پر گہری نظر رکھنے والے اہل محلّہ سے بھی مشورہ کرلے۔

(دوسری بات) آئندہ کے حالات کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا؛ اس لیے ہر جمعہ کو بیٹھک یا باہری کمرے میں جمعہ قائم کرنے میں خاص اس دن کے حالات مدنظر رکھے جائیں؛ حالات سے صرف نظر کر کے کسی سابقہ جمعہ کو نظیر نہ بنایا جائے، یعنی اگر کسی جمعہ میں حالات زیادہ سخت ہوجائیں تو انھیں مدنظر رکھا جائے۔

(ج) اور جو حضرات اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق جمعہ قائم نہ کرسکیں، خواہ اس وجہ سے کہ کوئی جمعہ پڑھانے والا میسر نہ ہو یا انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو اور انتظامیہ کو اعتماد میں نہ لیا جاسکے یا کسی کی طبیعت پر خوف و ہراس غالب ہو یا امام کے علاوہ مرد مقتدی صرف ایک یا دو ہوں، وہ حضرات شریعت کی نظر میں معذور ہوں گے اور ان کے لیے جمعہ کی جگہ ظہر پڑھنا بلا کراہت درست ہوگا؛ کیوں کہ اسلام میں اپنے کو پریشانی میں ڈالنے کا حکم نہیں ہے اور نہ اس کی اجازت ہے۔

(۲): شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لیے جمعہ کا نظم نہ ہوسکے یا وہ کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں، وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں؛ کیونکہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز با جماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علمائے دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے۔ اور جو لوگ ظہر با جماعت کی اجازت دیتے ہیں، ان کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتوی کا عدم اطمینان بجا ہے۔ **قوله: وصورة المعارضة": لأن شعار المسلمين فى هذا اليوم صلا الجمعة، وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم، فكان فى صورتها كراهة التحريم، رحمتى** (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ،: ۳۳، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند: ۶۸۰۵ ث: الفرفور، ط دمشق)۔

اور جن چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں، وہاں کے باشندگان، حسب معمول جمعہ کے دن بھی مسجد یا اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کریں گے، انھیں ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

" ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادى لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم

الجمعة بأذان و إقامة "(الفتاوی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، ۱:۱۷۷، ط: المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، بولاق، مصر)۔ (قوله: فی مصر): **أما فی حق أهل السواد فغیر مکروه؛ لأنه لا جمعة علیهم**" (حاشیۃ الطحاوی علی الدر، ط مکتبۃ الاتحاد، دیوبند)، واضح رہے کہ دونوں سوالوں کے جواب میں فقہ حنفی کے بنیادی مراجع اور اکابر علمائے دیوبند کے فتاوی اور اختلاف کی صورت میں راجح قول کا لحاظ کیا گیا ہے؛ البتہ تطویل سے بچنے کے لیے صرف اہم وضروری حوالہ جات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

تجہیز وتکفین اور جنازہ کی صورتیں:

کورونا وائرس کی وجہ سے انسانی جان کا نقصان اور اس سے بڑھ کر مرنے کے بعد بھی اسے بیقراری کا سامنا کرنا بڑی بدنصیبی کا دور ہے، ایک شخص جو مر جائے وہ بھی عزت ووقار میں وہی مقام رکھتا ہے جو زندہ کا ہو، مگر متعدی بیماری کی وجہ سے اس کے اپنے بھی اسے چھونا نہیں چاہتے، دیکھنا نہیں چاہتے، ہسپتال کا پورا محکمہ اس پر بضد تھا کہ اسے بنا کوئی دیکھے دفن کر دیا جائے، عالمی صحتی ادارے اور حکومتی پیمانے پر اس کام کو انجام دیا گیا، بہت سے اپنے اصحاب اگر اپنوں کو دیکھنا بھی چاہتے تو انہیں میسر نہ ہوتا، بسا اوقات کئی روز کے بعد انہیں بتایا جاتا کہ ان کے اپنے وفات پا گئے ہیں اور انہیں کسی گڑھے میں دفن کر دیا گیا ہے، کئی ممالک نے باقاعدہ ایک بڑا گڑھا کھود دیا تھا جس میں ان لاشوں کو اسپتال کی جانب سے پلاسٹک خول میں پھینک دیا جاتا تھا، مگر ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ بہت ناگوار بات ہے، جب کوئی فوت ہو جائے تو مسلمانوں پر یہ فرض کفایہ ہے کہ اس کو غسل دے اور تجہیز وتکفین کرے۔

"**جاء فی الموسوعة الفقهیة: ذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ إِلَى أَنَّ تَغْسِيلَ الْمَيِّتِ الْمُسْلِمِ وَاجِبُ كِفَايَةٍ، بِحَيْثُ إِذَا قَامَ بِهِ الْبَعْضُ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ كَسَائِرِ الْوَاجِبَاتِ عَلَى سَبِيلِ الْكِفَايَةِ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ وَعَدَّ مِنْهَا: أَنْ يُغَسِّلَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَالْأَصْل فِيهِ: تَغْسِيل الْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِم الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِآدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ .ثُمَّ قَالُوا: يَا بَنِي آدَمَ هَذِهِ سُنَّتُكُمْ .وَأَمَّا الْقَوْل بِسُنِّيَّةِ الْغُسْل عِنْدَ بَعْضِ الْمَالِكِيَّةِ، فَقَدِ اقْتَصَرَ عَلَى تَصْحِيحِهِ ابْنُ الْحَاجِبِ وَغَيْرُهُ**"۔

مگر شریعت اسلامیہ کی واضح تعلیمات میں سے ہے کہ ایک مومن اسی حد تک مکلّف ہوتا ہے جس قدر اس کی استطاعت ہو، اگر حالات نامناسب ہوں اور کسی حکم پر عمل کی گنجائش نہ ہو تو پھر اس میں رخصت دے دی جاتی ہے، قرآن مجید میں کہہ دیا گیا ہے: "**لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا**" (سورۃ البقرۃ: ۲۸۶)، وقولہ تعالی: "**لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا**" (سورۃ الطلاق: ۷)، " **وقوله تعالی: فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**" (سورۃ التغابن: ۱۶)، اللہ کے رسول ﷺ نے بھی

وضاحت فرمادی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ (صحیح البخاری باب الاقتداء: ۷۲۸۸)، پھر یہ کہ اسلامی اصول ہے کہ انسان نہ خود نقصان اٹھائے اور نہ کسی کو نقصان پہنچائے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" (سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۰)۔

ان شرعی اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک وبائی دور میں ان تمام گائڈ لائن کا خیال رکھنا چاہئے جو ضروری ہوں، اس سلسلہ میں بعض ان احکامات میں بھی وسعت پیدا کرنی چاہئے جن سے دشواری کا امکان ہو، بیماری کے پھیلنے اور اموات کا خدشہ زیادہ قوی ہوجاتا ہو، یہ بات تو یقینی ہے کہ شریعت کا سب سے پہلا مقصود انسانی جان کی حفاظت ہے، مقاصد شریعہ میں اسے اولیت دی جاتی ہے؛ نیز قرآن مجید میں کئی جگہ مسلمانوں کو اس بات سے بھی روکا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی بھی مہلک شئی میں مبتلا کریں، کوئی بھی ایسا سبب اختیار کریں جس سے موت کا اندیشہ بڑھ جاتا ہو: ” لاتلقوا بایدیکم الی التهلكة“ (بقرۃ: ۱۹۵)، اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو پھر وہ خودکشی کے مترادف سمجھا جائے گا۔

ان بنیادی باتوں کی روشنی میں وبائی دور میں میت کے غسل، تجہیز وتکفین کے متعلق غور کرنا چاہئے، الحمد للہ ملک کی قدآور فقہی شخصیتوں اور اداروں نے اس پر توجہ دی ہے، اور بروقت مناسب فتاوے صادر کئے ہیں، اگرچہ ان فتاوی کے درمیان قدرے اختلاف بھی ہے؛ ان سب میں بنیادی بات یہی ہے کہ میت کو غسل دینے، تجہیز وتکفین کرنے میں حتی المقدور شرعی پابندیوں کا خیال رکھا جائے گا، اگر میت کو سرے سے غسل دینے سے روک دیا جائے اور اس کی کوئی سبیل نہ ہو تو پھر تیمّم پر اکتفا کیا جائے گا، تیمّم کیلئے دستانے استعمال کئے جائیں گے، اگر چہرہ کھولنے کی اجازت نہ ہوگی تو پھر لپیٹے ہوئے کپڑے پر ہی تیمّم کروادیا جائے گا، ”موسوعہ فقہیہ کی یہ عبارت بڑی واضح ہے: ”تَغْسِيلُ الْمَيِّتِ الْمُحْتَرِقِ: ذَهَبَ الْفُقَهَاءُ إِلَى أَنَّ مَنِ احْتَرَقَ بِالنَّارِ يُغَسَّلُ كَغَيْرِهِ مِنَ الْمَوْتَى إِنْ أَمْكَنَ تَغْسِيلُهُ؛ لِأَنَّ الَّذِي لَا يُغَسَّلُ إِنَّمَا هُوَ شَهِيدُ الْمَعْرَكَةِ وَلَوْ كَانَ مُحْتَرِقًا بِفِعْلٍ مِنْ أَفْعَالِهَا، أَمَّا الْمُحْتَرِقُ خَارِجَ الْمَعْرَكَةِ فَهُوَ مِنْ شُهَدَاءِ الْآخِرَةِ، وَلَا تَجْرِي عَلَيْهِ أَحْكَامُ شُهَدَاءِ الْمَعْرَكَةِ، فَإِنْ خِيفَ تَقَطُّعُهُ بِالْغُسْلِ يُصَبُّ عَلَيْهِ الْمَاءُ صَبًّا وَلَا يُمَسُّ، فَإِنْ خِيفَ تَقَطُّعُهُ بِصَبِّ الْمَاءِ لَمْ يُغَسَّلْ وَيُيَمَّمُ إِنْ أَمْكَنَ، كَالْحَيِّ الَّذِي يُؤْذِيهِ الْمَاءُ، وَإِنْ تَعَذَّرَ غُسْلُ بَعْضِهِ دُونَ بَعْضٍ غُسِّلَ مَا أَمْكَنَ غُسْلُهُ وَيُيَمَّمُ الْبَاقِي كَالْحَيِّ سَوَاءٌ“۔

اور اگر ان میں سے کسی چیز کی گنجائش نہ ہو تب بھی نماز جنازہ ضرور ادا کی جائے گی، علامہ دسوقی کی یہ عبارت پڑھئے! ”مَنْ تَعَذَّرَ غُسْلُهُ وَتَيَمُّمُهُ، كَمَا إِذَا كَثُرَتِ الْمَوْتَى جِدًّا، فَغُسْلُهُ مَطْلُوبٌ ابْتِدَاءً، لَكِنْ يَسْقُطُ لِلتَّعَذُّرِ، وَلَا تَسْقُطُ الصَّلَاةُ عَلَيْهِ“ (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ- حاشیۃ الدسوقی)، فقہائے کرام نے اس بارے میں بالکل واضح

لفظوں میں لکھا ہے کہ: اگر میت کو غسل دینے سے کسی خطرے کا اندیشہ ہو یعنی میت کو پانی سے نقصان پہنچ سکتا ہو تو غسل دینا ساقط ہو جائے گا، چنانچہ میت کو تیمّم کروایا جائے گا، ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''جس میت کو پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے، یا میت کے جلے ہوئے ہونے کی وجہ سے یا میت کے جسم میں زہر سرائیت کرنے کی وجہ سے غسل دینا ناممکن ہو، اور اگر غسل دیا گیا تو میت کا جسم (زہر کی وجہ سے) پیلا پڑ جائے گا، یا غسل دینے والے کیلئے خطرہ ہو، اور ان خطرات سے بچاؤ کا کوئی راستہ بھی نہ ہو، تو وجوبِ غسل ساقط ہو جائے گا، اور میت کو واجب طور پر تیمّم کروایا جائے گا'' (تحفۃ المحتاج ۳/ ۱۸۴، المجموع ۵/ ۱۸۷)۔

غسل اور تیمّم ممکن نہ ہو:

فقہائے کرام کا ایسے شخص کے بارے میں اختلاف ہے جسے غسل دینا یا تیمّم کروانا مشکل ہو کہ کیا اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ چنانچہ ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' (۲/ ۱۱۹) میں ہے: ''مالکی فقہاء میں سے ابن حبیب، حنبلی، اور شافعی فقہاء میں سے متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ غسل اور تیمّم ناممکن ہونے کی صورت میں بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ کیونکہ اس کی نمازِ جنازہ ترک کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے؛ اس لئے کہ جو کام ممکن ہو وہ ناممکن کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو) اور ویسے بھی نمازِ جنازہ کا مقصد میت کیلئے دعا اور شفاعت ہوتا ہے؛ جبکہ احناف، جمہور شافعی، اور مالکی فقہائے کرام کے نزدیک ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی؛ کیونکہ ان میں سے بعض فقہائے کرام میت پر نمازِ جنازہ درست ہونے کیلئے نماز جنازہ سے پہلے میت کو غسل دینے کی شرط لگاتے ہیں، اور بعض فقہائے کرام نمازِ جنازہ کیلئے میت سامنے ہونا یا میت کا اکثر حصہ موجود ہونا لازمی قرار دیتے ہیں، چنانچہ میت کو اگر غسل دینا یا تیمّم کروانا ناممکن ہوا تو اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی؛ کیونکہ شرط نہیں پائی گئی''۔

راجح - واللہ اعلم - پہلا قول ہے کہ چاہے میت کو غسل دینا یا تیمّم کروانا بھی ناممکن ہو تب بھی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ نماز جنازہ میت کا مسلمانوں پر حق ہے، اسی طرح غسل بھی اور اگر غسل ناممکن ہو تو تیمّم میت کا حق ہے؛ لیکن جب کچھ واجبات کو ادا کرنا ناممکن ہو جائے تو جن واجبات کو ادا کرنا ممکن ہے وہ ساقط نہیں ہونگے؛ چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ '' (تم اللہ تعالی سے اپنی استطاعت کے مطابق ڈرو) (تغابن: ۱۶)، علامہ خطیب شربینیؒ کہتے ہیں: ''اگر کوئی کسی چیز کے نیچے دب کا مر جائے، یا ایسے کنویں یا گہرے پانی میں گر جائے جہاں سے اسے نکالنا اور غسل دینا ناممکن ہو، تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؛ کیونکہ غسل اور میت کی موجودگی کی (شرط مفقود ہے، یہی موقف

شیخین) یعنی رافعی اورنووی نے متولی سے نقل کیا، اوراسے تسلیم بھی کیا ہے۔

اسی طرح مجموع میں ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، جبکہ کچھ متاخرین کا کہنا ہے کہ ایسی میت پرنماز جنازہ ترک کرنے کی کوئی (قابل قبول) وجہ نہیں ہے؛ کیونکہ ممکن الحصول غیرممکن الحصول کی وجہ سے ساقط نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اس پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرو(متفق علیہ) اور ویسے بھی اس نماز سے مقصود میت کیلئے دعا، اور شفاعت ہوتی ہے۔امام دارمی نے ٹھوس الفاظ میں کہا ہے کہ جس میت کوغسل دینا ممکن نہ ہواس کا جنازہ پڑھا جائے گا، دارمی کہتے ہیں: اگر اسکا جنازہ نہ پڑھا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جو شخص جل کر راکھ بن گیا، یا درندے اسے کھا جائیں تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، جبکہ مجھے اپنے ہم مذہب فقہاء میں سے کوئی اس بات کا قائل نظر نہیں آتا، علامہ اذرعیؒ نے بھی اس مسئلے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے‘‘۔انتھی (مغنی المحتاج ۲/ ۴۹)۔

اسی کے مطابق (یعنی جنازہ پڑھا جائے گا) کویت کی فتوی کمیٹی نے بھی فتوی جاری کیا ہے، جو کہ ایک لمبی علمی بحث کی شکل میں ہے، مزید استفادے کیلئے اس کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا ہے۔

بلا شبہ نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ میت کوغسل دیا جا چکا ہو، البتہ جب غسل متعذر ہو جائے تو یہ ساقط ہو جاتا ہے۔فقہائے کرام نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ اس کو دفنا دیا گیا اور اس پر مٹی ڈال دی گئی ہو، چونکہ اب نبشِ قبر جائز نہیں تو میت اس حال کو پہنچ گئی کہ اس کوغسل دینا متعذر ہو گیا اب اس کی قبر پر ہی اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

’’تبیین الحقائق‘‘، پھر’’فتاوی عالمگیری‘‘میں’’تبیین‘‘ہی کے حوالے سے ہے:’’**وشرطها: إسلام ا لميت وطهارته مادام الغسل ممكنا،وإن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل ولم يمكن إخراجه إلابالنبش تجوزالصلاة على قبره للضرورة، ولوصلى عليه قبل ا لغسل ثم دفن تعاد الصلاةلفساد الأولى**‘‘میت پر جنازہ درست ہونے کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے اور جب تک غسل ممکن ہے اس کوغسل دینا شرط ہے، اگر غسل دینا ممکن نہ ہو بایں طور پر کہ اسے غسل سے قبل ہی دفنا دیا گیا اور اب قبر کھولے بغیر اسے نکالنا ممکن نہیں تو اس کی قبر پر ضرورت کی وجہ سے نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے اور اگر اس پر بلاغسل ہی نماز پڑھ لی گئی تھی پھر اسے دفنا دیا گیا تو پہلی نماز کے فاسد ہونے کے سبب اس نماز کا اعادہ کیا جائے گا‘‘ (تبیین الحقائق ۱/ ، الفتاوی الہندیہ ۱/ ۱۶۳)۔

’’فتاوی والوالجیہ‘‘میں ہے:’’**إذا دفن قبل أن يغسل يصلى على قبره؛ لأنه صار بحال تعذر غسله**‘‘، جب میت کوغسل سے قبل دفنا دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی اس لیے کہ وہ اس حال کو پہنچ چکی ہے کہ اس کو

غسل متعذر رہو گیا(فتاوی والوالجیہ ۱/ ۱۵۵)، درر الحکام شرح غرر الاحکام میں ہے:''(وإن دفن بلا صلاة صلی علی قبره ما لم يظن تفسخه) والمعتبر فيه أكبر الرأى على الصحيح لأنه يختلف باختلاف الزمان والمكان والأشخاص''،اوراس پر نماز پڑھے بغیر اسے دفنا دیا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی جب تک اس کے پھولنے پھٹنے کا گمان نہ ہواوراس میں اعتبار صحیح قول پر اکبر رائے کا ہے کیونکہ میت کا پھول پھٹ جانا وقت جگہ اور افراد کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔

اس پر حاشیہ شرنبلالی میں ہے: کہ (اس پر نماز پڑھے بغیر اسے دفنا دیا گیا تو۔۔۔ الخ) بایں طور کہ اس پر مٹی ڈال دی گئی ہو چاہے اسے غسل دیا ہو یا نہ دیا ہو اس لیے کہ وہ اپنے مالک رب تبارک وتعالی کے سپرد کر دیا گیا اور ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے، تو شرعاً غسل کے امکان کے زائل ہونے کے سبب ہم اس کے درپے نہیں ہوں گے، لہذا عجز کے سبب اس پر بلا غسل بھی نماز جنازہ جائز ہوگی، اس علت کے پیشِ نظر کے نماز جنازہ من وجہ دعا ہے، برخلاف اس صورت کے کہ جب اس پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو کیونکہ اب اسے نکالا جائے گا، غسل دیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ اسی طرح ''فتح القدیر'' میں ہے (غنیۃ ذوی الاحکام: ۱/ ۱۶۵)۔

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:''(وشرطها) ستة (إسلام الميت وطهارته) ما لم يهل عليه التراب فيصلى على قبره بلا غسل، وإن صلى عليه أولا استحسانا'' - علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:''(قوله: ما لم يهل عليه التراب) أما لو دفن بلا غسل ولم يهل عليه التراب فإنه يخرج ويغسل ويصلى عليه جوهرة'' - مزید فرماتے ہیں:''(قوله فيصلى على قبره بلا غسل) أى قبل أن يتفسخ كما سيأتى عند قول المصنف: وإن دفن بلا صلاة .هذا، وذكر فى البحر هناك أن الصلاة عليه إذا دفن بلا غسل رواية ابن سماعة عن محمد، وأنه صحح فى غاية البيان معزيا إلى القدورى وصاحب التحفة أنه لا يصلى على قبره لأنها بلا غسل غير مشروعة رملى ويأتى تمام الكلام عليه .(قوله وإن صلى عليه أولا) أى ثم تذكروا أنه دفن بلا غسل (قوله استحسانا)لأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل جوهرة''(الدر المختار مع رد المحتار، ۲/ ۲۰۷، ۲۰۸، طبع دار الفکر، بیروت)۔

بہار شریعت میں نماز جنازہ میں میت سے متعلق شرط کے بیان میں ہے:''میت کا بدن وکفن پاک ہونا، بدن پاک ہونے سے یہ مراد ہے کہ اُسے غسل دیا گیا ہو یا غسل ناممکن ہونے کی صورت میں تیمّم کرایا گیا ہو اور کفن پہنانے سے پیشتر اُسکے بدن سے نجاست نکلی تو دھو ڈالی جائے اور بعد میں خارج ہوئی تو دھونے کی حاجت نہیں اور کفن پاک ہونے کا یہ مطلب

ہے کہ پاک کفن پہنایا جائے اور بعد میں اگر نجاست خارج ہوئی اور کفن آلودہ ہوا تو حرج نہیں۔ بغیر غسل نماز پڑھی گئی نہ ہوئی، اُسے غسل دے کر پھر پڑھیں اور اگر قبر میں رکھ چکے، مگر مٹی ابھی نہیں ڈالی گئی تو قبر سے نکالیں اور غسل دے کر نماز پڑھیں اور مٹی دے چکے تو اب نہیں نکال سکتے، لہٰذا اب اُس کی قبر پر نماز پڑھیں کہ پہلی نماز نہ ہوئی تھی کہ بغیر غسل ہوئی تھی اور اب چونکہ غسل ناممکن ہے لہٰذا اب ہوجائے گی'' (بہار شریعت: ۴/ ۸۲۷، ۸۲۸ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)۔

یہاں پر ان فتاوی میں سے چند فتاوی نقل کریں گے اور انہیں کے ذیل میں اختلافات اور مسئلہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے، اولاً مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی ایک فتوی میں لکھتے ہیں:

الجواب وباللہ التوفیق: کرونا وائرس کی وجہ سے جس شخص کی موت ہو، اس سے متعلق چار مسائل قابل غور ہیں:

۱۔ اس کے غسل سے متعلق، ۲۔ اس کو کفن پہنانے سے متعلق، ۳۔ اس پر نماز پڑھنے سے متعلق، ۴۔ اس کی تدفین سے متعلق

جہاں تک غسل کا مسئلہ ہے تو اگر ڈاکٹرس اجازت دیتے ہوں کہ احتیاط کے ساتھ اس کو غسل دیا جاسکتا ہے اور اس سلسلہ میں ڈاکٹر کی جو رائے ہو، وہی رائے اصل ہے، اگر غسل دینے کی گنجائش ہو تو احتیاط کے ساتھ اس طور پر کہ اس سے غسل دینے والے کو یا دوسروں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، تب تو غسل دیا جائے گا؛ ورنہ غسل دینے کے بجائے تیمّم پر اکتفاء کیا جائے گا، تیمّم کا طریقہ یہ ہوگا کہ اپنے ہاتھوں پر وہ غلاف پہن کر اس صورت حال میں جس کی ہدایت دی جارہی ہے اور اپنے چہرے پر ماسک لگا کر اس ہاتھ کو صاف مٹی پر مار کر میت کے چہرہ کا اور ہاتھوں کا مسح کروا دیا جائے، جیسے کہ زندہ آدمی کا تیمّم کرایا جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ اس کو کفن دینے کا ہے، یہ بھی ڈاکٹر اور حکومت کی ہدایت پر موقوف ہے، اگر حکومت الگ سے کفن پہنانے کی اجازت دیتی ہو اور اس سے کفن پہنانے والے کو ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو باضابطہ کفن پہنایا جائے گا، اگر ڈاکٹر کسی جھلی میں لپیٹ کر لاش حوالہ کرتا ہے اور اس کو کھولنے سے منع کرتا ہے تو اسی جھلی کو کفن کا درجہ دیا جائے گا، جیسے شہید کے خون آلود کپڑے کو ہی اس کے لئے کفن تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح اس جھلی کو اس کا کفن تصور کیا جائے گا؛ کیوں کہ کفن کا اصل مقصود مردہ کا ستر ہے اور وہ مقصد اس سے حاصل ہوجاتا ہے، اور کس قسم کے کپڑوں میں مُردوں کو کفن دیا جائے، شریعت میں اس کی کوئی تحدید نہیں آئی ہے، عام حالات میں درست ہے کہ کپڑے کا استعمال ہوتا ہے؛ لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کسی دوسری ساتر چیز کا استعمال کیا جائے اور اس میں مُردہ کو لپیٹ دیا جائے تو یہ بھی کفن ہی کے حکم میں ہوگا، اگر جھلی کو کھولنے کی اجازت نہیں ہو تو اب یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جیسے جسم پر اگر جبیرہ لگا یا گیا ہو یا زخم پر پٹی باندھی گئی ہو تو پٹی پر مسح کرنا کافی ہوجاتا ہے، جیسے بعض فقہاء کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنا کافی ہوجاتا ہے، اور محدثین نے اس کے لئے مستقل ''مسح علی العمامہ'' کا

باب قائم کیا ہے، اگر چہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے؛ لیکن مجبوری کی صورت میں اس اختلاف سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسی جھلی کے اوپر سے چہرے اور ہاتھوں کا تیمّم ہوتو ان شاء اللہ یہ صورت کافی ہوجائے گی۔

تیسرا مسئلہ نماز جنازہ کا ہے، نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ لیکن تیمّم کے بعد ہی پڑھی جائے گی؛ کیوں کہ نماز جنازہ کے لئے شرط ہے کہ میت کو طہارت کے مرحلہ سے گزارا جائے، طہارت کا ایک طریقہ پانی کا استعمال ہے اور دوسرا طریقہ تیمّم ہے؛ کیوں کہ یہ لاش اس طرح پھٹی ہوئی نہیں ہے، جس کے بارے میں فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر نماز نہیں پڑھی جائے۔

چوتھا مسئلہ تدفین کا ہے، اسلام میں تدفین کا طریقہ یہی ہے کہ مٹی کے اندر دفن کیا جائے، اس وقت مغربی ملکوں میں طبی ماہرین کی طرف سے یہ بات آرہی ہے اور اس پر اصرار کیا جارہا ہے کہ لاش کو جلا دیا جائے، یہ اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس لاش کو تابوت میں بند کردیا جائے اور اس تابوت کو دفن کردیا جائے، اس بات کی گنجائش ہے۔

یہ جو رائے ہم نے ذکر کی ہے، اس میں سارے مسئلے کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ موجود نہیں ہیں؛ لیکن شریعت کی مصلحت، فقہاء کے درمیان اختلاف رائے اور اس غیر معمولی قسم کی مجبوری اور شریعت کے بنیادی مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے کہا ہے، دوسرے اہل علم سے بھی اس سلسلہ میں استفسار کرلیا جائے۔

عالم عربی کی مشہور تنظیم ''الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین'' کی جانب سے تقریباً یہی فتوی صادر کیا گیا ہے؛ حتی الامکان غسل، اگر اس کا امکان نہ ہو تو تیمّم اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف نماز جنازہ پر اکتفا کیا جائے گا؛ خواہ کوئی ایک شخص ہی نماز کیوں نہ پڑھے، مگر میت کی حاضری میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو نماز غائبانہ ادا کی جائے تاکہ وبائی مرض سے زندوں کی حفاظت ہوسکے، تنظیم کی جانب سے جاری فتوی بھی پڑھتے جایئے!

''الميت المصاب بفيروس كورونا المستجد (كوفيد-١٩) يُغسل بالتنسيق مع الجهات المعنية والمسؤولة عن الاحتراز والحماية من هذا الوباء، فإذا أمكن تغسيله بما لا ينقل العدوى فقد وجب غسله، وإن تعذر ذلك فيلجأ حينئذ للتيمم بدلًا من الغسل، فإن تعذر التيمم أيضًا تُرك غسله وسقطت المطالبة به شرعًا كما فى بداية المجتهد ونهاية المقتصد (١/٢٢٦) وما بعدها، وروضة الطالبين وعمدة المفتين (٢/٩٨) وما بعدها، وشرح منتهى الإرادات (١/٣٤٤).

وعلى الجهات المسؤولة إتمام إجرائات الدفن، ولأهل الميت -إذا سمح بذلك الفريق المختص بإجرائات الدفن- المشاركة فى مراسم الدفن وفق النُّظم واللوائح التى تنظم تلك المراسم من حيث التقيد والالتزام بعدد المشاركين، وإجرائات السلامة المتخذة، ومن برّ الأبناء

بوالدهم ومن حقّه عليهم أن يقوموا بواجب التشييع إذا أمن الضرر.

وبالنسبة إلى الصلاة عليه، فإذا أمكن الصلاة عليه قبل دفنه ولو من شخص واحد فيصلّى عليه، وبصلاته عليه يتحقّق الواجب المطلوب، وإلّا يصلّى عليه بعد دفنه فى البيت، أو فى أى مكان آخر صلاة الغائب شرط الالتزام بإجرائات وتدابير السلامة والأمان.والله أعلم، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم"

اس مسئلہ میں سب سے تفصیلی جواب دارالعلوم دیوبند کی جانب سے دیا گیا ہے،اس میں اگرچہ اختلاف کی گنجائش ہے مگر یہ فتوی اپنے آپ میں بہت وقیع ہے، ہم اس فتوی کو نقل کئے دیتے ہیں،اس میں بعض بحثیں طول کا باعث بنی ہیں؛ لیکن وہ علمی موشگافیاں فقہی میدان کیلئے رحمت ہیں،اس لئے اس کا پڑھنا فائدہ سے خالی نہیں:''اگر کوئی مسلمان شخص، کورونا وائرس(Coronavirus) میں انتقال کرجائے تو عام مرحومین کی طرح اُسے بھی غسل دینا شرعاً ضروری ہے؛ البتہ W.H.O(World Health Organization) یعنی: عالمی ادارہ صحت کی طرف سے غسل وغیرہ سے متعلق جن طبی احتیاطی تدابیر کی ہدایت کی گئی ہے، ان کا بہ طور خاص لحاظ رکھا جائے، ان میں غفلت یا بے احتیاطی نہ برتی جائے، اور اگر ہسپتال کی انتظامیہ غسل دینے کی اجازت نہ دے تو طبی احتیاطی تدابیر پرعمل درآمد کی یقین دہانی کر کے اُنھیں اعتماد میں لینے کی کوشش کی جائے، اور اگر وہ ہسپتال ہی میں غسل کا نظم کریں تو وہیں غسل دیدیا جائے، اور اگر غسل کی کوئی صورت نہ بن سکے تو مجبوری میں میت کو تیمّم کرادیا جائے، مجبوری میں یہ تیمّم، غسل کا بدل ہوجائے گا۔

اور اگر تمام تر کوشش کے باوجود کسی مرحوم کے غسل یا تیمّم کی کوئی صورت نہ بن سکے اور ہسپتال کے عملہ کی طرف سے میت کو مخصوص تھیلے(Body Bag) میں پیک کردیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو اور بہ صورت دیگر مختلف ناقابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دست بردار ہوجانا یا یونہی نماز جنازہ کے بغیر میت کی تدفین کردینا درست نہیں؛ بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی اور اس صورت میں چوں کہ باڈی بیگ(Body Bag) وغیرہ پر بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا وغیرہ پھیرنے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے؛ اس لیے باڈی بیگ وغیرہ پر بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا وغیرہ پھیرنے کی ضرورت نہیں۔

صورت مسئولہ میں غسل اور تیمّم ساقط ہونے اور میت کی طہارت کے بغیر نماز جنازہ درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح مطلق نماز کے لیے نمازی کی کلی یا جزوی طہارت ایسی شرط ہے، جو عذر و مجبوری میں ساقط ہوجاتی ہے، اسی طرح

نماز جنازہ کے لیے میت کی طہارت بھی ایسی شرط ہے، جو عذر و مجبوری میں ساقط ہوجاتی ہے، چنانچہ:

الف: اگر کوئی بیمار شخص، غسل اعضا اور تیمّم پر قادر نہ ہوتو وہ بلا طہارت نماز پڑھے گا: "**بخلاف المريض إذا لم يستطع غسل الأعضاء ولا التيمم فإن الأعضاء يجعل كالذاهبة أصلاً للعذر فلهذا يصلى بغير طهارة كذا في الإيضاح**" (الضیاء المعنوی، ص:۱۸۲، ب، مخطوطۃ)۔

ب: اگر کسی کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت اور دونوں پیر ٹخنے سمیت کٹے ہوئے ہوں اور چہرے پر زخم ہو، جس کی وجہ سے چہرہ پر مسح وغیرہ نہ ہوسکے تو طہارت کا حکم ساقط ہوجائے گا اور ایسا شخص بلا طہارت نماز پڑھے گا۔

ج: اگر کسی جنبی کے سر میں بہت زیادہ درد ہو اور وہ سر دھو نہ سکتا ہو تو اس کے ذمہ سے سر کا دھونا ساقط ہوجائے گا؛ البتہ اگر مسح کرسکتا ہو تو مسح ضروری ہوگا، اور اگر براہ راست مسح نہ کیا جاسکتا ہو، پٹی پر کیا جاسکتا ہو اور پٹی باندھنا ممکن ہو تو پٹی باندکر اس پر مسح کرنا ضروری ہوگا، اور اگر پٹی پر بھی مسح نہ کیا جاسکتا ہو یا پٹی باندھنا ممکن نہ ہو تو یہ عضو، معدوم کے درجے میں ہوگا اور غسل و مسح سب ساقط ہوجائے گا۔

د: اگر نماز جنازہ کے بغیر میت کی تدفین کردی گئی تو اس وقت تک قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب تک میت کے نہ پھٹنے کا یقین یا غالب گمان رہے۔ اس صورت میں حرمت نبش کی وجہ سے میت کو غسل یا تیمّم دینے کا حکم ساقط ہوجائے گا۔

ھ: اگر کسی حادثہ وغیرہ میں مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو کہ ان سب کو غسل دینا یا تیمّم کرانا لوگوں کے لیے ناقابل برداشت مشقت و پریشانی کا باعث ہو تو ایسی صورت میں فقہ مالکی کی صراحت کے مطابق غسل اور تیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا اور بلا طہارت ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ کورونا وائرس میں انتقال کرنے والی میت کو اگر تمام تر کوشش کے باوجود غسل دینے یا تیمّم کرانے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو ایسی مجبوری میں غسل یا تیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا اور اسی حالت میں اس کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی۔ اور جو اہل علم اس صورت میں نماز جنازہ کے لیے باڈی بیگ (Body Bag) پر بھیگے ہاتھ یا کسی بھیگے کپڑے سے مسح کے قائل ہیں، اُن کی رائے درج ذیل وجوہ سے صحیح نہیں:

پہلی وجہ: جبیرہ یا جبیرہ جیسی چیز پر مسح اس وقت جائز ہوتا ہے؛ جب وہ عضو پر بندھی ہوئی ہو، یعنی: جسم سے اچھی طرح چپکی ہوئی ہو جیسا کہ علامہ سید احمد طحطاوی نے صراحت فرمائی ہے۔ اور باڈی بیگ (Body Bag)، جسم سے منفصل ہوتا ہے؛ لہٰذا باڈی بیگ، ڈبل باڈی بیگ (Double Body Bag) یا کافین (Coffin) یعنی: تابوت وغیرہ پر مسح

جائز نہ ہوگا؛ ورنہ صندوق کی طرح قبر پر بھی مسح جائز ہوگا؛ جب کہ فقہانے صراحت فرمائی ہے کہ اگر کوئی میت بغیر غسل دفن کردی گئی تو جب تک میت کے نہ پھٹنے کا یقین یا غالب گمان ہو، قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس میں فقہانے قبر پر مسح کا حکم نہیں فرمایا ہے۔

دوسری وجہ: غَسل اعضا، زخم یا پٹی پر مسح اور تیمّم سے متعلق فقہانے جو جزئیات ذکر فرمائی ہیں، اُن سے اصولی طور پر حسب ذیل چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

الف: احناف کے نزدیک وضو یا غُسل میں غَسلِ اعضا اور تیمّم دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ وضو یا غُسل میں غَسلِ اعضا اصل ہے اور تیمّم بدل ہے۔ اور بلا دلیل اصل اور بدل کا اجتماع درست نہیں؛ اسی لیے اگر جنبی یا محدث کے کچھ اعضا صحیح اور کچھ زخمی یا چیچک زدہ ہوں تو غَسل اور تیمّم دونوں کا حکم نہیں ہوتا؛ بلکہ اگر اکثر اعضا صحیح ہوں تو غَسل کا حکم ہوتا ہے۔ اور اگر اکثر زخمی یا چیچک زدہ ہوں تو تیمّم کا۔

ب: زخم یا پٹی پر مسح، غَسل عضو کا بدل نہیں ہے؛ بلکہ غسل ہی کے درجے میں ہے؛ لہذا غَسلِ اعضا کے ساتھ زخم یا پٹی پر مسح میں کچھ حرج نہیں؛ اسی لیے اگر جنبی یا محدث کے اکثر اعضا صحیح ہوں اور کچھ زخمی یا چیچک زدہ تو صحیح کو دھونے کا اور زخمی پر مسح کا حکم ہوتا ہے۔ اور اگر زخم پر مسح نقصان دہ ہو اور پٹی باندھ کر اُس پر مسح ممکن ہو تو پٹی باندھ کر پٹی پر مسح ضروری ہوتا ہے۔

ج: جس طرح غَسلِ اعضا اور تیمّم کا اجتماع درست نہیں، اسی طرح تیمّم اور (زخم یا پٹی پر) مسح کا اجتماع بھی درست نہیں؛ کیوں کہ (زخم یا پٹی پر) مسح، غَسل کے درجے میں ہوتا ہے؛ لہذا اگر جنبی یا محدث کے اکثر اعضا زخمی یا چیچک زدہ ہوں اور اعضائے تیمّم پر تیمّم ممکن ہو تو صرف تیمّم کا حکم ہوگا اور وہ کافی ہوگا، تیمّم کے ساتھ دوسرے اعضا پر غسل یا مسح کا حکم نہ ہوگا۔

د: تیمّم کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب اکثر اعضا کا غَسل متعذر رہو۔ اور اگر اس صورت میں تیمّم بھی متعذر رہو تو دوبارہ غسل کی طرف عود نہیں کیا جاتا؛ لہذا اس صورت میں مسح کی طرف بھی عود نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ یہ بدل سے اصل کی طرف عود کرنا ہے؛ جب کہ اصل کے تعذر ہی کی وجہ سے بدل کی طرف رجوع کیا گیا تھا، نیز تیمّم سے عجز، غسل اور مسح سے عجز کو مستلزم ہے، پس تیمّم سے عجز کی صورت میں غسل کی طرح مسح کا بھی حکم نہیں ہوسکتا۔

ھ: اگر جنبی یا محدث کا اکثر بدن صحیح ہو اور کچھ زخمی ہو تو صحیح اعضا کو دھونے اور زخمی اعضا پر یا اُن کی پٹیوں پر مسح کا حکم ہوتا ہے۔ اور اگر اکثر بدن زخمی ہو اور کچھ صحیح ہو تو تیمّم کا حکم ہوتا ہے۔ اس دوسرے جزو سے معلوم ہوا ہے کہ اگر کل یا اکثر اعضا زخمی ہوں کہ اُنھیں پانی سے دھونا نقصان دہ ہو تو اُن پر پٹی باندھ کر مسح کا حکم نہ ہوگا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ زخم یا پٹی پر مسح، غَسل کے ساتھ ایک جزوی و تبعی اور ضمنی حکم ہے، مستقل نہیں؛ اسی لیے شریعت میں وضو یا غسل کے تمام اعضا پر مسح کی نظیر نہیں ہے:

"وفی نصاب الفقه: من عجز عن غسل أكثر الأعضاء فی الوضوء والجنابة يتيمم ويصلی؛ لأن للأكثر حكم الكل، وإن عجز عن غسل عضو واحد غسل سائر الأعضاء ومسح ذلک العضو، وبه نأخذ "(الضیاء المعنوی علی مقدمۃ الغزنوی، ص:۱۸۸، اَلف، مخطوطہ، ص:۱۴۲، اَلف، مخطوطہ اُخری)۔

ان اصولی جزئیات سے واضح ہوا کہ اگر میت کو غسل دینا یا تیمّم کرانا ممکن نہ ہو تو باڈی بیگ وغیرہ پر مسح کا حکم نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ بدل سے دوبارہ اصل کی طرف سے لوٹنے کے مرادف ہے، نیز شریعت میں کل اعضا پر مسح کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

تیسری وجہ: فقہی جزئیات ودلائل کی روشنی میں بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وضو یا غسل میں پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح کا مسئلہ زندوں کے ساتھ خاص ہے، مرحومین کے غسل میں پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح نہیں ہے؛ بلکہ گر میت کے جسم پر کوئی پلاسٹر یا پٹی وغیرہ ہو تو غسل میں پلاسٹر کاٹ دینا چاہیے اور بندھی ہوئی پٹیاں کھول دینی چاہیے؛ جیسا کہ بعض اکابر کے فتاوی میں بھی ہے (فتاوی محمودیہ مع حاشیہ، ۸:۵۰۰، جواب سوال: ۳۹۸۵، مطبوعہ: ادارہ صدیق، ڈابھیل، ۱۳: ۵۶، مطبوعہ: مکتبہ محمودیہ، علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ)؛ اسی لیے فقہ کی کسی کتاب میں غسل میت میں پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح کا مسئلہ نہیں آیا ہے؛ جب کہ فقہا نادر سے نادر جزئیہ بھی ترک نہیں فرماتے ہیں۔

نیز پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح چوں کہ غسل کے درجے میں ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ تیمّم پر مقدم ہوگا۔ اور فقہا غسل کے تعذر کی صورت میں براہ راست تیمّم کا حکم فرماتے ہیں، پورے جسم پر پٹیاں باندھ کر یا بندھی ہوئی پٹیوں پر مسح کی اجازت نہیں دیتے؛ بلکہ اگر پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح کی اجازت ہوتی تو فقہا جن صورتوں میں تیمّم کا حکم فرماتے ہیں، ان میں تیمّم کے بجائے جسم پر پٹیاں باندھ کر یا اچھی طرح کفن لپیٹ کر مسح کا کا حکم فرماتے؛ جب کہ ایسا نہیں ہے۔

اگر میت کی یہ پوزیشن ہو چکی ہو کہ کسی صورت میں اس پر پانی ڈال کر غسل نہیں دیا جا سکتا؛ بلکہ آہستہ آہستہ پانی ڈال کر غسل دینے میں بھی میت کی کھال یا گوشت الگ ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں میت کو تیمّم کرایا جائے گا، غسل نہیں دیا جائے گا، تمام فقہا کا یہی مسلک ہے۔ فقہ مالکی کے مشہور فقیہ: شیخ محمد علیش مالکی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں فقہا نے جبائر پر مسح کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا ہے کہ اگر غسل میت میں مسح علی الجبائر جائز ہوتا تو کفن پر بھی مسح درست ہوتا؛ جب کہ کفن پر مسح توارث امت کے خلاف ہے؛ اس لیے غسل میت میں جبائر پر مسح کا حکم نہیں ہے۔

اور فقہ حنفی میں اگرچہ اس طرح کی کوئی صراحت احقر کو نہیں ملی؛ لیکن اصول وقواعد اسی کی تائید کرتے ہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں باڈی بیگ (Body Bag) یا ڈبل باڈی بیگ (Double Body Bag) وغیرہ پر بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیر کر مسح کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ عذر ومجبوری کی وجہ سے طہارت کا حکم سرے سے ساقط

ہو جائے گا اور اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی۔

قبر کے اوپر نماز جنازہ:

یہ بات تو طے ہے کہ میت اگر مسلمان ہے تو اس پر نماز جنازہ حتی المقدور پڑھی جائے گی، عام حالت میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ کیا میت حاضر ہو تبھی نماز پڑھی جائے گی یا غائبانہ بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، اس طور پر کہ لوگ گھروں یا دور کہیں موجود ہوں اور وہیں نماز ادا کرلیں؟ یہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جائز ہے؛ جبکہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں: ”**فلاتصح علی غائب وصلاة النبی ﷺ علی النجاشی لغویة أو خصوصیة**“ (باب صلاۃ الجنازۃ: ۲/۲۰۹)، اگر صورتحال مختلف ہو، اور میت کو کن ہی وجوہات کی بنا پر بغیر نماز کے دفن کردیا جائے تو پھر قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہوگی، قبر پر نماز پڑھنا خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک خاتون جو مسجد نبوی ﷺ میں جھاڑو لگایا کرتی تھی جب اس کا انتقال ہو گیا تو اسے دفن کردیا گیا، آپ ﷺ کو اس کی خبر دوسرے دن صبح میں ملی، آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز ادا کی:

”**فقد ثبت عنه علیه الصلاة والسلام أنه ذکر له أن امرأة کانت تقم المسجد، کانت تکنس المسجد، کانت امرأة سوداء تکنس المسجد فماتت لیلاً، فغسلها المسلمون وصلوا علیها ودفنوها فی اللیل ولم یخبروا النبی ﷺ بذلک، وکرهوا أن یوقظوه فلما أصبح وأخبروه قال: أفلا کنتم آذنتمونی؟! دلونی علی قبرها فدلوه علی قبرها، فصلی علیها علیه الصلاة والسلام وقال: لا یموتن أحد من المسلمین إلا أخبرتمونی، فإن الله جاعل من صلاتی علیهم خیرًا لهم وقال نورًا لهم علیه الصلاة والسلام**“ (صحیح مسلم: ۹۵۶)۔

ابن قدامہ نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی میت جنازہ سے قبل دفن کردی جائے تو امام احمد کے مطابق قبر کو کھودا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی، آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر قبر پر نماز پڑھ لی جائے تب بھی جائز ہے، قاضی نے اسی کو اختیار کیا ہے، حنفیہ اور امام شافعی کا بھی یہی ماننا ہے کہ قبر کھودی نہ جائے بلکہ اسی پر نماز پڑھ لی جائے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے مسکینہ خاتون کے تعلق سے یہی عمل کیا تھا:

”**وَإِنْ دُفِنَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَعَنْ أَحْمَدَ أَنَّهُ يُنْبَشُ، وَيُصَلَّى عَلَيْهِ. وَعَنْهُ أَنَّهُ إنْ صُلِّيَ عَلَى الْقَبْرِ جَازَ. وَاخْتَارَ الْقَاضِي أَنَّهُ يُصَلَّى عَلَى الْقَبْرِ وَلَا يُنْبَشُ. وَهُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَالشَّافِعِيِّ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ – ﷺ – صَلَّى عَلَى قَبْرِ الْمِسْكِينَةِ وَلَمْ يَنْبُشْهَا. وَوَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ دُفِنَ قَبْلَ وَاجِبٍ، فَنُبِشَ، كَمَا لَوْ دُفِنَ مِنْ غَيْرِ**

غُسلٍ، وَإِنَّمَا يُصَلَّى عَلَى الْقَبرِ عِندَ الضَّرُورَةِ" (المغنی لابن قدامہ)۔

موسوعہ فقہیہ نے اسی مسئلے کو اس طرح نقل کیا ہے: "إنْ دُفِنَ قَبْلَ الصَّلاَةِ عَلَيْهِ، فَذَهَبَ الحَنَفِيَّةُ والشّافِعِيَّةُ، وهُوَ رِوايَةٌ عَنِ الحَنابِلَةِ اختارَها القاضِي أَنَّهُ يُصَلّى عَلى القَبْرِ ولاَ يُنْبَشُ؛ لأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّى عَلى قَبْرِ المِسْكِينَةِ حديث: »أن النبی ﷺ صلی علی قبر المسکینة« أخرجه البخاری" (الفتح طبع السلفیۃ، ومسلم-طبع الحلبی)،" من حديث أبی هريرة" (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ)، امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہے اس لئے ایک مطلق مسئلہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے میت کی نماز جنازہ نہ پائی اور اسے دفن کردیا گیا تو پھر قبر پر ہی نماز پڑھ لی جائے گی: "ومن لم يدرك الصلاة حتى دفن يصلى على القبر" (التہذیب فی فقہ الإمام الشافعی)۔

جس طرح کورونا کے دور میں قبرستان بھی جانے نہ دیا جاتا تھا اور ان کے متعلقین کو نماز جنازہ سے محروم کردیا جاتا تھا، اگر ایسی حالت ہو تو پھر اولیاء کو غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت دی جاسکتی ہے؛ لیکن اولیاء بھی نہ ہوں تو وہاں موجود مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ نماز جنازہ ادا کرلیں، اس صورت میں بھی قبر پر نماز جنازہ درست ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے بدن کے سلامت رہنے کا ظنِ غالب ہو، حاشیہ شرنبلالی سے ایک تصریح اوپر مذکور ہو چکی۔

''متن مختار'' اور ''غنیۃ المتملی'' میں ہے: "والنظم للثانی ومن دفن ولم يصل عليه صلى على قبره ما لم يغلب على الظن أنه تفسخ" جسے دفن کردیا گیا اور اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی تھی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی جب تک اس کے پھولنے پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو (المختار مع الاختیار ۱/ ۹۴، غنیۃ المتملی ص ۵۰۸)۔

مشہور شامی فقیہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''میت کو بغیر نماز پڑھے دفن کردیا اور مٹی بھی دے دی گئی تو اب اس کی قبر پر نماز پڑھیں جب تک پھٹنے کا گمان نہ ہو، اور مٹی نہ دی گئی ہو تو نکالیں اور نماز پڑھ کر دفن کریں، اور قبر پر نماز پڑھنے میں دنوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں کہ کتنے دن تک پڑھی جائے کہ یہ موسم اور زمین اور میت کے جسم و مرض کے اختلاف سے مختلف ہے، گرمی میں جلد پھٹے گا اور جاڑے (یعنی سردی) میں بدیر (یعنی دیر میں) تر (یعنی گیلی) یا شور (یعنی کھاری) زمین میں جلد خشک اور غیر شور میں بدیر، فربہ (یعنی موٹا) جسم جلد لاغر (یعنی دبلا پتلا) دیر میں'' (ردالمحتار ۳/۱۴۶)۔

اگر قبر کے متعلق نہ معلوم ہو:

اگر میت کو بغیر نماز دفن کردیا جائے تو اس کی قبر پر نماز ادا ہوگی اور اگر اس کے تدفین کی جگہ معلوم نہ ہو، اسپتال کا عملہ اسے چھپا جائے تب بھی اس میت کا ہم پر حق ہے کہ نماز جنازہ پڑھی جائے؛ حالانکہ حنفیہ کے اصول کے مطابق جنازے کا سامنے ہونا یا معلوم ہونا ضروری ہے، علامہ شامی کی اس عبارت سے یہی پتہ چلتا ہے: ''کوئیں میں گر کر مر گیا یا اس کے اوپر

مکان گر پڑا اور مردہ نکالا نہ جاسکا تو اُسی جگہ اس کی نماز پڑھیں، اور دریا میں ڈوب گیا اور نکالا نہ جاسکا تو اس کی نماز نہیں ہوسکتی کہ میت کا مصلی (یعنی نماز پڑھنے والے) کے آگے ہونا معلوم نہیں' (ردالمحتار ۳/ ۱۴۷)۔

پچھلی تصریحات کے مطابق اسے ایک عذر جان کر نماز ادا کی جاسکتی ہے، اور اگر عذر نہ بھی تسلیم کریں تب بھی غائبانہ نماز جنازہ شوافع وحنابلہ کے مسلک کے اعتبار سے پڑھی جاسکتی ہے، مگر اسے ایک استثنائی حکم سمجھا جائے:

"فإن كان فى البلد وهو غائب عن موضع الصلاة ..فالأصح: المنع؛ لتيسر الحضور، ولعدم النقل، قال الأذرعي: ولو قيل: يجوز للمعذور بمرض أو زمانة أو حبس دون غيره ..لم يبعد" (بداية المحتاج)،" **ويُصَلّى عَلى الغائِبِ بالنِّيَّةِ، فَإِنْ كانَ فى أَحَدِ جانِبِي البَلَدِ، لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ بِالنِّيَّةِ، فى أَصَحِّ الوَجْهَيْنِ) .تَجُوزُ الصلاةُ على الغائِبِ فى بَلَدٍ آخَرَ بالنِّيَّةِ، بَعِيدًا كان البَلَدُ أو قَرِيبًا، فيَسْتَقْبِلُ القِبْلَةَ"** (الشرح الكبير علی المقنع الترکی)۔

☆☆☆

کرونا کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل اور ان کا شرعی حل

مفتی محمد شاہد حسین☆

۱-۲: کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

جماعت کے لغوی معنی: ’’ الجماعۃ لغت میں الجمع سے ماخوذ ہے، جمع کے معنی الگ الگ کو ایک کرنے اور بعض شئ کو بعض سے قریب کر کے ملانا ہے، کہا جاتا ہے ’’**جمعته فأجمع**‘‘ میں نے اس کو اکٹھا کیا تو اکٹھا ہو گیا (تاج العروس، مادہ: جمع)۔

جماعت کی اصطلاحی تعریف:۔ الجماعۃ: الاجتماع کے معنی سے ماخوذ ہے کم از کم دو سے اجتماع پایا جاتا ہے، (امام اور مقتدی) اکٹھے ہو کر نماز پڑھنے کو بھی جماعت کہتے ہیں۔

جماعت کا حکم:

فرض نمازوں میں جماعت کی نماز سنت مؤکدہ ہے یہ ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کی ہے، حنابلہ کے نزدیک جماعت واجب ہے، یہی مختار قول امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے، بلا عذر شرعی اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہوگا اور سزا دی جائے گی اور وہ مردود الشہادۃ ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

’’**عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من سمع المنادی، فلم یمنعه من اتباعه عذر قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض لم تقبل منه الصلاة التی صلی**‘‘ (رواہ ابوداؤد والدارقطنی)۔

یعنی عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو آدمی اذان کہنے والے (مؤذن) کی اذان سنے اور مؤذن کی تابعداری (مسجد پہونچ کر جماعت میں شریک ہونے) سے اسے کوئی عذر نہ روکے، لوگوں نے پوچھا؟ عذر کیا ہے؟ فرمایا کہ (دشمن) ڈر یا بیماری تو اس نے جو بغیر جماعت نماز پڑھی وہ قبول نہیں ہوئی۔

’’**الجماعة سنة مؤکدة للرجال وقیل واجبة وعلیه العامة فتسن أو تجب، ثمرته تظهر فی الاثم بترکها مرة علی العقلاء البالغین الأحرار القادرین علی الصلوة بالجماعة باب الإمامة قال فی**

☆ صدر مدرس مدرسہ چشمۂ رحمت، کھرا، مدھوبنی۔

الإحساس لاتقبل شهادته إذا تركها استخفافا ومجانة" (ردالمحتار: ۲/ ۵۵۵، وکذا فی البحر الرائق: ۱/ ۲۰۵، وفی الفتاوی العالمگیریہ: ۱/ ۸۲-۸۳، مغنی المحتاج: ۱/ ۳۱۰)۔

امام شافعیؒ کی دلیل قرآن کی آیت: "**وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ**" (سورۃ النساء: ۱۰۲)۔

یعنی جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان میں ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے پتہ چلا کہ نماز با جماعت کی بڑی تاکید ہے اور بلا عذر شرعی چھوڑنے والا وعید کا مستحق ہے، شریعت کا حکم ہے کہ مساجد میں جماعت قائم کی جائے بدون عذر غیر مسجد میں جماعت کا قیام بالخصوص اس کو عادت بنالینا مکروہ و بدعت ہے، قرون خیر میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، چلنے سے معذور مریض کے علاوہ صرف ایسے لوگ مسجد کی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جن کا نفاق معروف و مشہور ہوتا تھا (مستفاد احسن الفتاوی: ۲/ ۳۲۸، باب الامامۃ والجماعۃ)۔

صحت نماز جمعہ کے شرائط:

۱-شہر یا قصبہ یا اس کا مضافات ہونا۔

۲-ظہر کا وقت ہونا۔

۳-ظہر کے وقت میں نماز جمعہ سے قبل خطبہ ہونا۔

۴-جماعت یعنی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مردوں کا خطبے کی ابتداء سے پہلی رکعت کے سجدہ تک موجود رہنا۔

۵-اذن عام یعنی نماز قائم کرنے والوں کی طرف سے نماز میں آنے والوں کی اجازت کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنا۔

"**وأما الشرائط التي ترجع إلى غير المصلي فخمسة في ظاهر الروايات: المصر، الجامع والسلطان، الخطبة والجماعة والوقت**" (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۶۱)۔

نماز جمعہ کا حکم: جمعہ کی دو رکعت نماز فرض ہے، بسا اوقات فقہ کی کتابوں میں فرض کے لئے واجب کا لفظ استعمال ہوتا ہے، لیکن اس جگہ لغوی معنی مراد ہوتا ہے یعنی لازم وضروری۔

فرضیت جمعہ کے شرائط: جمعہ کے فرض ہونے کے نو شرائط ہیں:

۱-مقیم ہونا، ۲-صحت مند ہونا، ۳-آزاد ہونا، ۴-مرد ہونا، ۵-عاقل ہونا، ۶-بالغ ہونا، ۷-بینا ہونا، ۸-چلنے پر قادر ہونا، ۹-قید وخوف میں نہ ہونا اور سخت بارش کا نہ ہونا۔

جمعہ کے دن ظہر کی نماز گھر میں:

جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، مصر یا فنائے مصر میں امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی ہوں تو جمعہ کے انعقاد کی شرعاً اجازت ہے، امام خطبہ پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھا دے چاہے گھر میں ہو یا کسی اور جگہ جمع ہو کر پڑھ لیں اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا درست ہے، ایسی صورت میں تنہا تنہا ظہر کی نماز ادا کی جائے گی۔

''فتاوی شامی'' میں ہے: ''**وكره تحريما (لمعذور ومسجون) ومسافر (أداء ظهر بجماعة فى مصر) قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجماعة (وكذا اهل مصر فاهتم الجماعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولاجماعة**'' (شامی: ۲/ ۱۵۷، دار الفکر، بیروت)۔

جس بستی میں جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں وہاں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا جائز نہیں، تنہا تنہا پڑھنی چاہئے اور اگر جمعہ کا بدل ظہر پڑھتے ہیں ۴ / ۵ آدمیوں کی جماعت کریں تو یہ برا کیا، اب دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں (فتاوی دار العلوم دیوبند، جواب ۱۷۸۰۷۴)۔

''**أما إذا كان لمنع عدو يخشى دخوله وهو فى الصلوة، فالظاهر وجوب الغلق**'' (حاشیۃ الطحطاوی علی الرد: ۱/ ۳۴۴، مکتبۃ الاتحاد دیوبند)۔

''امداد الاحکام'' میں ہے ''چھاؤنی یا قلعہ میں نماز جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہیں آسکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے، بلکہ انتظام مقصود ہے'' (امداد الاحکام: ۱/ ۷۵۱، مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

''امداد الفتاوی'' میں ہے ''اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط جمع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک کسی اور ضرورت سے ہو وہ اذن عام میں مخل نہیں (۱/ ۶۱۴، مطبع زکریا دیوبند)۔

''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے ''شہر کے باہر متصل میدان میں نماز جمعہ کی اجازت ہے (فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۶۵، وکذا کفایت المفتی: ۳/ ۳۳۱)۔

۳- جمعہ کے ساتھ احتیاط بالظہر: ہر آبادی میں مسلمانوں کے ذمہ داران اصحاب سلطان کے درجہ میں ہیں، لہذا جمعہ کے بعد احتیاطاً نماز ظہر ادا کرنا بے معنی بات ہے اور اصل فریضہ اور قائم مقام فریضہ دونوں کو ساتھ جمع کرنا ہے جو جائز نہیں اور نہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے، اس لئے جمعہ کے دن صرف جمعہ کی نماز ادا کریں جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے دوبارہ

نماز پڑھنا درست نہیں ہے، نیز اگر کسی ملک میں مقامی انتظامیہ کی جانب سے باجماعت نمازوں پر پابندی لگا دی جائے تو حکمت وتدبیر کے ساتھ پرامن انداز میں انہیں اسلامی احکام سے آگاہ کرنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ وہ مساجد میں بالکلیہ حاضری کی پابندی ہٹادیں اور جب تک پابندی رہے تو خوف وظلم کی وجہ سے اور حرج کے پیش نظر مسجد کی نماز چھوڑنے کا عذر معتبر ہے، ایسی صورت میں گھر پر ہی باجماعت نماز کا اہتمام ہو۔

خیر القرون میں جماعت ثانیہ کا وجود:

"عن عبد الرحمٰن بن أبی بکرةؓ أن رسول الله ﷺ أقبل من نواحی المدینة یرید الصلوة فوجد الناس قد صلوا فمال إلی منزله فجمع أهله فصلی بهم" (المعجم الاوسط الطبرانی: ۱۳۴/۵، دار الفکر بیروت، مجمع الزوائد: ۴۵/۲، دار الکتب العلمیۃ) (سیدنا عبد الرحمٰن بن ابوبکرہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کے گرد ونواح (میں تشریف لے گئے وہاں) سے نماز کے لئے لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور باجماعت نماز ادا فرمایا)۔

معلوم ہوا جماعت ثانیہ قائم کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ فرماتے ہوئے مسجد میں جماعت ثانیہ ضرور قائم کرتے صحابہ وتابعین کے آثار سے میں بات واضح ہوتی ہے (وکذا اعلان السنن: ۲۸۰/۴)۔

اسٹیشن اور سرائے کی مساجد ہیں اس میں اذان واقامت کا تکرار بلا کراہت جائز ہے، بلکہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ اذان واقامت سے نماز ادا کرے۔

"وتکرار الجماعة إلا فی مسجد علی طریق، فلابأس بذلک" (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲۹۱/۱، وکذا فی عمدۃ الفقہ: ۱۸۱/۲، ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ، لا فی مسجد طریق أو مسجد لا إمام لہ ولا مؤذن، وکذا فی الفتاوی العالمگیرہ: ۸۳/۱، کتاب الصلوۃ، رشیدیہ، وکذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱۱۸۲/۲ رشیدیہ، الفصل العاشر، عمدۃ القاری: ۲۳۱/۴)۔

"فتاوی محمودیہ" میں ہے: "جو جگہ جماعت کے لئے متعین ہو یا غیر مسقّف اور وہاں پنجگانہ اذان و جماعت مستقل معمول ہو وہاں ایک جماعت حسب معمول ہوجانے کے بعد جماعت ثانیہ مکروہ ہے گرچہ فریضہ ادا ہوجائے گا" (۴۱۸/۹)۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر بغیر اذان واقامت کے ہو اور ہیئت بدل دی جائے تو مکروہ نہیں ہے اور محراب کے بدلنے سے یعنی جس جگہ پہلے امام نے نماز پڑھائی ہے دوسرے امام کے اس جگہ سے ہٹ کر کھڑا ہوجانے سے ہیئت بدل جاتی ہے اور اس قول پر فتویٰ ہے اور یہ ضرورتاً کبھی کبھار ہے: **"وعن أبی یوسف إذا لم تکن علی هیئة الاولیٰ لاتکره، وإلا کره، وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة، کذا فی البزازیة، وفی التاتارخانیة عن**

الولوالجية، وبه نأخذ" (شامی:۱/۲۹۱)، تغییر ہیئت سے مراد محراب اور امام کی جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ امامت کی جائے۔

مسجد محلّہ: جس میں امام اور جماعت کے لوگ ہمیشہ کے آنے والے اور مقرر ہوں۔

(د) پہلی جماعت اذان کے ساتھ ہوئی ہو اور دوسری بغیر اذان کے ہو، ان کو حنفیہ نے بالاتفاق مباح قرار دیا ہے: "**وماإذا صلوا بغير أذان يباح إجماعا**" (الفتاوی الھندیۃ:۱/ ۸۳)۔

"شامی" میں ہے: "**ولو كرر أهله بدونها جاز اجماعاً**" (ردالمحتار:۲/ ۲۸۸)۔

تکرار جماعت کے جائز ہونے کی یہ صورت فقہاء حنفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہیں اور جمہور کا نقطہ نظر شریعت کے مزاج ومذاق اور جماعت کی مصلحت سے زیادہ قریب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: "مقرر امام کے لئے جمع کرنا یعنی باجماعت پڑھنا جائز ہے اگر کسی اور نے اس کی اجازت کے بغیر اس سے قبل جماعت جماعت کرادی بشرطیکہ امام راتب معمول سے بہت زیادہ تاخیر نہ کرے، لیکن اگر اس نے اجازت دیدی کہ اس کی جگہ نماز پڑھائے یا معمول سے بہت زیادہ تاخیر کردی جس سے نمازیوں کو ضرر لاحق ہوا اور انہوں نے جماعت کرلی تو اس وقت امام کے لئے مکروہ ہے کہ پھر جماعت کرے: "**واعلم ان خشية الفتنة بين القوم اذا أجتمعوا فى مسجد تبيح التعدد كالضيق**" (الشرح الصغیر:۱/ ۵۰۱)۔

امام شافعی کے نزدیک ایک شہر میں متعدد جمعہ جائز نہیں، لیکن اس کے باوجود (متاخرین نے ازراہ ضرورت متعدد جمعہ کی اجازت دی ہے تاکہ جمعہ سے لوگ محروم نہ رہ سکیں (روضۃ الطالبین:۱/ ۵۱۰)۔

"**يكره إقامة الجماعة فى مسجد بغير أذان إما من الراتب مطلقا قبله أو بعده أو معه، ولايكره تكرار الجماعة فى المسجد المطروق فى ممر الناس، أو فى السوق أو فيما ليس له إمام راتبه أو له وضاق المسجد عن الجميع أو خيف خروج الوقت، لأنه لايحمل التكرار على المكيدة**" (مغنی المحتاج: ۱/ ۲۳۴، المہذب:۱/ ۹۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ:۲/ ۱۶۴)۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مقررہ امام کی اجازت سے ایک سے زیادہ جماعتیں کی جاسکتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔

جماعت اول کی فراغت کے بعد جماعت ثانیہ کے جواز کی اصل حدیث شریف ہے جو "سنن ابوداؤد" میں مرقوم ہے:

"حدثنا موسی بن اسمٰعیل ثنا وھیب عن سلیمان الأسود عن أبی المتوکل عن أبی سعید الخذری ان رسول اللہ ﷺ أبصر رجلا یصلی وحدہ، فقال: إلا رجل یتصدق علی ھذا، فیصلی معہ" علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے قوت المعتذر میں فرمایا: "قال ابن یبید الناس من الرجل الذی قام معہ ھو أبو بکر الصدیق رواہ ابن ماجہ ابن ابی شیبة عن الحسن مرسلا انتھی" یعنی ابن یبید الناس نے کہا وہ آدمی جو اس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے (وکذا فی بذل المجہود، باب فی الجمع فی المسجد مرتین: ۳/۲/۵۷۲، باب فی الجمع فی المسجد مرتین)۔

(آپ ﷺ نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کیا کوئی ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے اور اس کے لئے نماز پڑھے، ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی اور اس کی مؤید اثر حضرت انسؓ ہے جو صحیح بخاری میں بطور تعلیق کے مذکور ہے)، "وجاء انس بن مالک إلی مسجد قد صلی فیہ، فأذن وأقام وصلی جماعة" (صحیح بخاری، باب فضل صلاۃ الجماعۃ: ۱/۸۹، وکذا فی جامع الترمذی: ۱/۵۳، باب ما جاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی منہ) (انس بن مالکؓ مسجد آئے وہاں نماز ہو چکی تھی تو اذان دی اور اقامت کہی اور نماز با جماعت پڑھی)۔

ہمیں معلوم ہوا کہ مسجد واحد میں تکرار جماعت جائز و درست ہے، کیونکہ جمعہ سے محرومی کی صورت میں دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر مرتب ہوگا۔

حاصل کلام:

کتب فقہ کے مطالعہ سے جماعت ثانیہ کے سلسلہ میں درج ذیل صورتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

۱-مسجد محلّہ میں غیر اہل محلّہ نے جماعت کی ہو۔

۲-مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان جماعت کی ہو۔

۳-مسجد میں امام ومؤذن معین نہ ہو۔

۴-مسجد طریق/مسجد اسٹیشن/مسجد سرائے ہو یعنی اس کے نمازی معین نہ ہو۔

مورخہ بالا چار صورتوں میں جماعت ثانیہ (اگرچہ اذان واقامت کے تکرار کے ساتھ ہو) بالاجماع جائز ہے۔

۱-مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرار جماعت بھی اذان سے ہو۔

۱-صورت مذکورہ تکرار جماعت بلا اذان ہو اور جماعت ہیئت اولیٰ ہی پر ہو، یعنی عدول عن المحراب نہ کیا گیا ہو، یہ دونوں صورتیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہیں۔

۱-مذکورہ صورت میں جماعت ثانیہ ہیئت اولیٰ پر نہ ہو، یعنی عدول عن المحراب کہا گیا ہو امام وسط مسجد میں محراب یا

محراب کے محاذاۃ میں کھڑا ہوا ہو، اس حالت میں کراہت شیخین کے درمیان مختلف فیہا ہے (مستفاد احسن الفتاوی: ۳/ ۳۲۳، فتاوی دار العلوم مکمل و مدلل: ۳/ ۴۱)۔

موجودہ حالات میں متعدد جمعہ اور جگہ جگہ جمعہ و جماعت اجازت اتفاقیہ کی کراہت کی کوئی معتبر وجہ نہیں ہے، خاص کر جبکہ جماعت اولیٰ کی ہیئت پر نہ ہو، جہاں تک یہ سوال کہ متعدد جماعت و جمعہ کی صورت میں مزاج خراب ہوگا اور لوگ بہانے بنا کر اور نکال کر ادھر ادھر پڑھنے سے لگیں گے، یہ قابل قبول نہیں ہے، پنجوقتہ نمازوں میں لوگ حسب موقع بسا اوقات ادھر ادھر جماعت س پڑھ لیتے ہیں لیکن مسجد کی جماعت سے الگ ہوکر نماز و جماعت کا نظام نہیں بنائے، الا یہ کہ کسی مصلحت وضرورت سے کسی جگہ مستقل جماعت کا نظام بنا دیا گیا ہو کہ لوگ پنجوقتہ یا چند نمازیں بسہولت وہاں جماعت سے ادا کریں نیز جمعہ کے عمل میں بارش وغیرہ کی وجہ سے ضرورتاً گھروں میں جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے، نیز ایک مسجد و جگہ میں ایک سے زیادہ جماعت کے لئے ضروری ہے کہ امام الگ الگ ہو، ہر ہر جماعت کے لئے خطبہ و اذان خطبہ بھی ہو، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مظاہری، مفتی کفایت اللہ قاسمی نے گھروں میں جمعہ کی اجازت دی ہے (فتاوی دار العلوم: ۵/ ۸۴۳)۔

چنانچہ مفتی عبد الرحیم لاہوری صاحب ''فتوی رحیمیہ'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''اگر کبھی کسی قوی عذر کی وجہ سے جماعت ترک ہوجائے تو گھر میں یا مسجد شرعی کے باہر (فنائے مسجد میں) جماعت کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، مگر اس کی عادت نہ کر لی جائے'' (۴/ ۱۵۴)۔

''کفایت المفتی'' میں ہے: ''جس مسجد میں پنجگانہ جماعت مقررہ اوقات پر ہوتی ہو اور مؤذن و امام مقرر ہو اس میں دوسری جماعت بتکرار اذان و اقامت وقیام محراب باتفاق مکروہ ہے اور اگر اذان و اقامت کی تکرار نہ کی جائے اور پہلی جماعت کی جگہ بھی بدل دی جائے تو مکروہ تحریمی نہیں ہے، مگر علماء محققین کی ایک بڑی جماعت اس کو خلاف اولیٰ بتاتی ہے اور دلائل اس کے قوی ہیں اور دوسری جماعت اس کو خلاف اولیٰ نہیں کہتی، جماعت اولیٰ میں شرکت نہ ہونے کی وجہ کچھ بھی اس کا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں (۳/ ۱۴۷-۱۴۸)۔

''فتاوی دار العلوم دیوبند'' میں ہے: ''درمختار میں ہے کہ یوم جمعہ میں ادائے ظہر بجماعت مکروہ تحریمی ہے اور اس مسجد میں جس میں جمعہ ہو چکا ہے جمعہ بھی دوبارہ نہ پڑھیں، بلکہ کسی دوسری جگہ جماعت بھی ہوتی ہو تو وہاں جمعہ ادا کریں، ورنہ ظہر تنہا تنہا ادا کریں اور جمعہ کے لئے مسجد ہونا شرط نہیں ہے کسی مکان میں اور میدان شہر میں بھی جمعہ ادا ہوسکتا ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۵/ ۱۳۳)۔

''کتاب الفتاوی'' میں ہے: ''(ب) جب تک یہ سہولت حاصل نہ ہو تکرار جماعت ہی کے ذریعہ سے مسلمانوں کو

جمعہ سے محروم نہ ہونے دیں ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے ان کی دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر مرتب ہوگا(کتاب الفتاوی ۳/۸۰)۔

اسی طرح دیگر اکابر واسلاف کے اقوال ہیں (مجموعۃ الفتاوی:۱/۲۹۲-۲۹۳، خیر الفتاوی ۳/۹۵، امداد الاحکام:۱/۶۹۱-۶۹۳، ملفوظات فقیہ الامت:۷/۳۸، فتاوی محمودیہ:۹/۴۱۵، اس مسئلہ میں مستقل رسالہ''القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ مؤلفہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ'' ہے)، اس میں دلائل موجود ہیں۔

گویا جماعت میں عدم شرکت ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں نیز یہاں پر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جامعت کی تقلیل لازم آئے گی، اس لئے کہ لوگوں کا عام مزاج ہے کہ جمعہ سے جلد از جلد فارغ ہو جائیں اس لئے جماعت ثانیہ کہنا محل تامل ہے۔

واضح رہے کہ عوام کو نماز ومسجد سے مربوط رکھنے کے لئے حالات کا تقاضہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ میں تنگی نہ کی جائے، بلکہ اس پہلو کو سامنے رکھ کر وسعت دی جائے تاکہ معمول کے مطابق جمعہ کا اہتمام کہیں نہ کہیں کرلیں، ورنہ محروم رہیں گے اور کرونا جیسے ماحول میں کئی جمعہ تک اور ایک لمبی مدت تک محروم رہے اور مسجد سے دور رہنے میں مزاجوں میں بڑی تبدیلی آسکتی ہے، عوام کا دینی مزاج بڑا نرم ونازک ہوتا ہے اور مسجد سے وابستگی ان کے دین وایمان کی حفاظت کی ضامن ہوتی ہے۔

۱-کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ، مسجد کی ایک جماعت سے الگ مکانات وغیرہ میں بھی جمعہ کے انعقاد کی شرعا اجازت ہے اور ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے، جماعت نہ فوت ہونے کی صورت میں تنہا تنہا ظہر کی نماز پڑھیں۔

الف: جماعت ثانیہ ہیئت بدل کر مقررہ امام کے علاوہ خطبہ واقامت کے ساتھ ادا کی جائے۔

(ب) تعدد جماعت کی اجازت ہے......فتوی اس پر ہے کہ جس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہوں وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ درست ہے اور اس سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے حتی کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ پڑھا جائے تب بھی: ''وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذہب وعلیہ الفتویٰ شرح المجمع العینی، (الدر مع الرد زکریا:۴/۱۵، عالمگیری کوئٹہ:۱/۱۴۵، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، مجمع الانہر:۱/۲۴۷، باب الجمعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

۲-مسجد میں ایک جماعت پر اکتفا کرتے ہوئے محلّہ کے مکانات میں بمشورہ محلّہ مزید جماعتوں کا اہتمام کیا جائے۔

۳-مسجد میں ایک جماعت کے علاوہ بقیہ لوگ یا جو رہ جائیں پابندیوں کی وجہ سے اپنے گھروں میں جماعت کے

ساتھ ظہر ادا کی اجازت ہے۔

۴- دین اسلام نے اساس کو جو حقوق دئے ہیں اس کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے، یہ حقوق جس طرح اس کی حیات میں میسر ہیں اسی طرح وفات کے بعد بھی ان حقوق کا مسئلہ جاری رہتا ہے، ان حقوق میں انتقال کے بعد غسل، کفن، جنازہ اور دفن شامل ہے۔

جس طرح عام بیماریوں میں انتقال ہونے والے پر غسل دینا فرض کفایہ ہے، اسی طرح کورونا وائرس سے فوت ہونے والے کو غسل دینا عام مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے، میت کے قریبی رشتہ دار غسل دینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور غسل کے لئے پانی میں جراثیم کش پاک ادویات ملانے کی حاجت ہو تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں نیز ایسی اموات کو غسل کے بجائے تیمّم کرانا جائز نہیں ہے۔

میت کو غسل دینے کے لئے طبی ماہرین، کسی مخصوص لباس کے پہنے کو ضروری قرار دیتے ہیں تو ظاہری تدبیر کے طور پر اس لباس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

"وغسله فرض كفاية بالإجماع كالصلوة عليه، وتجهيزه ودفنه حتى لو احتج أهل بلدة على ترك ذلك قوتلوا" بحر ونحر"(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۱/۳۷۳، وکذا الدر المختار:۲/۲۰۷)۔

بالاجماع میت کا غسل فرض کفایہ ہے جس طرح اس پر نماز اور تجہیز وتدفین تا آنکہ شہر والے اس کو ترک کردے تو انہیں قتل دیا جائے......۔

"ويستحب للغاسل أن يكون أتوب الناس الى الميت فان لم يعلم الغسل فأهل الأمانة والورع أى من جنسه فى الزاهدى الموسوعة الفقهية الكويتية الباب الخامس عشر الجنائز"(الفتاوی الهندیۃ ۱/۱۵۹، حاشیۃ الطحطاوی:۱/۳۷۸)۔

غسل کی طرح میت کو کفن دینا:

میت کو کفن دینا بھی فرض کفایہ ہے، اگر کورونا وائرس یا کسی اور مرض میں فوت ہونے والے کو نہ دفنایا گیا اور وہ مسلمان جن کو معلوم تھا تمام کے تمام گناہ گار رہوں گے۔

"دفن الميت فرض على الكفاية"(الفتاوی الهندیۃ، کتاب الصلوۃ، الباب الحادی والعشر ون فی الجنائز:۱/۱۶۵، الدر المختار:۲/۱۲۱ رشیدیہ)۔

جس کپڑے کا زندگی میں پہننا جائز ہے اس کا کفن بھی جائز ہے اور جن کا زندگی میں پہننا جائز نہیں، اس کا کفن بھی پہننا جائز نہیں، کور میں اگر کوئی نجاست مادے وغیرہ نہیں ہے، بلکہ پاک ہے تو اس کا کفن بھی جائز ہے اور اسی میں کوئی نجس لگی ہے تو اس کا کفن جائز نہیں: **"ولا بأس فی الکفن بسرود وکتان مر فی النساء بحریر ومزعفر ومعصفر بجوازه بکل مایجوز لبسه حال الحیاة وأحبه البیاض أو ما کان یصلی فیه"** (الدرعلی الرد ۲/۱۷۷، الہندیہ ۱/۱۶۱)۔

"وفی القنیة: الطهارة من النجاسة فی ثوب وبدن ومکان ستر العورة شرط فی حق المیت والامام جمیعا" (الدرعلی الرد: ۲/۵۸۲، طحطاوی علی المراقی: ۴۷۹، بحر: ۲/۱۷۹)۔

ناپاکی سے پاکی کپڑا، بدن، جگہ اور ستر عورت میں میت کے حق میں اور امام ہو یہ سب چیزیں شرط ہیں:

کرونا جراثیم سے وفات شدہ کو غسل ہسپتال کا انتظامیہ دلا دے یا اگر خدانخواستہ غسل کی کوئی صورت نہ بن سکے تو تیمّم پیک کرنے سے پہلے کرادیا جائے، مجبوری وعذر میں تیمّم غسل کا بدل ہوجائے گا اور اگر کسی جگہ تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے اور ہسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک اور سل کردیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قانوناً قطعاً اجازت نہ ہو اور خلاف ورزی کی صورت میں ناقابل برداشت مسائل وپریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دست بردار ہوجانا یا انہیں نماز جنازہ کے بغیر دفن کردینا درست نہ ہوگا، بلکہ ایسی مجبوری میں غسل وتیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا اور ایسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی نیز میت کی طہارت عذر اور مجبوری کے سبب ساقط ہوجاتی ہے، پیکنگ یا لفافے پر پانی بہانا، مسح کرنا تیمّم کرانا، اس لئے درست نہیں کہ شریعت میں غسل یا تیمّم کا حکم براہ راست بدن سے متعلق ہوتا ہے کسی مخصوص کور سے نہیں اور پانی بہانے یا مسح کرنے کو مسح علی الجبیرہ پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ یہ **"عود البدل إلی الأصل"** کے قبل سے ہے جو کہ غلط اور باطل ہے، کیونکہ پانی بہانا یا مسح کرنا غسل ہی کے درجہ میں ہوتا ہے اور تیمّم متعذر ہو چکا ہے، نیز شریعت میں وضو یا غسل کے تمام اعضاء پر مسح کرنے کی کوئی نظیر ہے اسی طرح مقیس کا حکم مقیس علیہ سے الگ نہیں ہوتا، جبکہ یہاں مقیس علیہ مسح کا حکم (تو بحکم غسل ہوتا) ہے اور مقیس کا تیمّم پر استیعاب بھی نہیں ہو سکے گا، حالانکہ وضوء کی طرح تیمّم میں بھی استیعاب شرط ہوتا ہے، **(تیمم لو) کان (أکثره) أی أکثر الاعضاء الوضوء عددا وفی الغسل ساحة (مجروحا) أو به جدری اعتبارا، فلاکثر (وبعکسه یغسل الصحیح) ویمسح الجریر"** (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، باب التیمّم: ۱/۴۲۹ زکریا)۔

ویترک المسح کالغسل "ای" یترک المسح علی الجبیرة کما یترک الغسل لا تحتها (رد المحتار) قوله عن مسح نفس الموضع "أی" وعن غسله وإنما ترکه؛ لأن العجز عن المسح یتلزم

العجز عن الغسل" (حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین: ۱/ ۱۴۴ مکتبۃ الاتحاد)۔

غسل کی طرح مسح علی الجبیرہ کو ترک کر دیا جائے گا، اس لئے مسح سے عاجز رہنا غسل سے عاجز رہنے کو مستلزم ہے۔

"**بخلاف المريض إذا لم يستطع غسل الأعضاء ولا التيمم، فإن الأعضاء يحصل كالذاهبة أصلا للعذر، فلهذا يصلى بغير طهارة**" (کذا فی الایضاح: ۱۸۲، صلاۃ المریض، وکذا رد المحتار: ۱۲۵)۔

برخلاف بیمار کے کہ وہ اعضاء کو دھونے اور تیمّم پر قادر نہ ہو تو اعضاء بالکل ختم ہونے کے عذر کے سبب سمجھا جائے گا، بنابریں بلا طہارت نماز پڑھے گا۔

معلوم ہوا کہ کرونا وائرس جیسی بیماریوں میں فوت ہونے والوں پر کوشش بسیار کے باوجود غسل دینے یا تیمّم کرانے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو ایسی مجبوری میں غسل یا تیمّم کا حکم ساقط ہو جائے گا اور اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔

واضح رہے کہ کرونا سے مرنے والا حکماً شہید ہے اور اسکا اللہ کے دربار میں بڑا مرتبہ اور درجہ ہے، لیکن دنیوی احکام (غسل، کفن، دفن، جنازہ) اس پر جاری ہوں گے، شہید کی دو قسمیں ہیں: ۱-شہید حقیقی، ۲-شہید حکمی۔

۱-شہید حقیقی یہ ہے کہ عاقل و بالغ مسلمان جس پر غسل فرض نہ ہو وہ تلوار و بندوق وغیرہ سے ظلماً قتل کیا جائے اور نفس قتل سے مال واجب نہ ہوا ہو اور نہ زخمی ہونے کے دنیا سے کوئی فائدہ حاصل کیا ہو اور نہ زندوں کے احکام میں کوئی حکم اس پر ثابت ہوا ہو۔

شہید حقیقی کا حکم: نماز جنازہ اس پر پڑھی جائے گی، غسل نہیں دیا جائے گا، بلکہ ویسے ہی خون سمیت دفن کر دیا جائے گا اور جو چیزیں کہ از قسم کفن نہیں ہوں گی انہیں اتار دیا جائے گا جیسے زرہ، ٹوپی اور ہتھیار وغیرہ (در مختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۴۷، باب الشھید)۔

"**قتيل بمعنى مقتول؛ لأنه مشهود له بالجنة أو فاعل، لأنه حيء عند ربه فهو شهيد (فوكل مكلف سلم طاهر) فالحائض إن لمدة ثلاثه أيام غسلت، وإلا لا، لعدم كونها حائضا ولم يعد عليه السلام غسل حنظلة لحصوله بفعل الملائكة بدليل آد، (قتل ظلما) بغير حق (بجارحة) أى بمايوجب القصاص (ولم يجب بنفس القتل مال) بل قصاص ، حتى لو وجب المال بعارض كالصلح أو قتل الأب ابنه لاسقط الشهادة......او يصى عليه بلاغسل ويدفن جرحپ بثيابه لحديث زملوهم بكلومهم**"

ظاہر ہے کہ قرآن واحادیث مبارکہ میں جہاں شہداء کے فضائل ہیں ان کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ فضائل شہداء

فی سبیل اللہ کے لئے ہیں اور جہاں احادیث مبارکہ میں شہداء حکمی کا بیان ہے وہاں ان کی خصوصیت کا بیان ہے اور آخرت کے احکام واجر وثواب کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دینی چاہئے۔

معلوم ہوا کرونا وائرس کے مرض میں خواہ علاج کرانے سے قبل یا علاج کرانے کے بعد اسی وبائی بیماری سے کسی مسلمان کی وفات ہو جائے تو وہ دنیاوی اعتبار شہید نہیں، بلکہ اخروی اعتبار سے شہید ہے لہذا اس کو عام میت کی طرح غسل وکفن دیا جائے گا اور وہ اخروی اعتبار سے شہید کہلائے گا۔

شہید حکمی کی تعریف: ایسا مرنے والا مسلمان جو طاعون یا ہیضہ، یا دوسری وبائی بیماریوں میں یا ڈوب کر مر گئے ہوں، ایسے لوگوں کو آخرت میں شہید کا درج ملے گا اور اس لحاظ سے اجر وثواب کا مستحق ہوگا، متفرق احادیث میں ایسے شہداء کی چالیس سے زیادہ قسمیں مذکور ہیں، جیسے علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ''حاشیہ ردالمحتار'' (۲/ ۲۵۲) میں تمام اقسام کو ذکر کیا ہے: ''**كل ذلک فی الشهيد الكامل والا فالمرتت شهيد الآخرة...... فإن مات فی ذلک اليوم مات شهيدا ومن قالها حين يمسی كان بتلک المنزلة حتى يصبح......**

صحیح بخاری شریف میں ہے: ''**عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ الطاعون شهادة لكل مسلم**''
(کتاب الجهاد، باب الشهادة مع سور القتل: ۱/ ۲۹۷، حدیث: ۲۸۳۰)۔

طاعون سے مراد: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ طاعون سے مراد ہر وہ وبائی بیماری ہے جو عام ہو جائے اور اسی کی وجہ سے آب وہوا اور لوگوں کے مزاج اور جسم میں اس بیماری کے جراثیم سرایت کر جائیں اور صحت عامہ میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔

''**وقال الطيبی: الطاعون هو المرض العام والوباء الذی يفيد له الهواء فتفسد به الأمزجة والأبدان والوباء الموت العام والمرض العام** (مرقاة المفاتيح: ۲/ ۲۰۲)۔

قال رسول الله ﷺ الشهادة سبع سوى القتل فی سبيل الله: المطعون شهيد والمبطون شهيد وصاحب الحريق شهيد والذی يموت تحت الهدم شهيد والمرأة تموت بجمع شهيدة'' (ابو داؤد: ۵/ ۲۷ (۳۱۱۱) وکذا الطبرانی فی الکبیر: ۶/ ۲۴، التقيح فی شرح مشكوة المصابيح: ۴/ ۲۷ باب عيادة المريض وآداب المريض)۔

قبر پر نماز جنازہ:

قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی گنجائش اس وقت تک ہے جب تک نعش کے پھول پھٹ جانے اور سڑ جانے کا غالب گمان نہ ہو اور میت کے پھٹنے، سڑنے کی مدت حتمی طور پر متعین نہیں ہے، موسم کے سرد وگرم ہونے، نعش کی جسامت اور زمین کی ساخت کے اعتبار مختلف علاقوں میں اس کی مدت مختلف ہو سکتی ہے، لہذا معتدل علاقوں میں دفن کے وقت سے تین دن

بعد تک بھی اگر قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکی ہے تو پھر اس کے بعد نہیں پڑھنی چاہئے، نیز تین دن کے اندر اندر پڑھنے میں زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

۲: درمختار میں ہے "(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ثمن لاولاية له (صلى على قبره) استحسانا (مالم يغلب على الظن لفسخه) من غير تقدير وهو الأصح (قوله هو الأصح) لأنه يختلف باختلاف الأوقات حرا وبردا والميت سمنا وهزالا والأمكنة بحر، وقيل: يقدر بثلاثة أيام، وقيل عشرة، وقيل شهر عن الحموى" (درمختار: ۱/ ۸۲۷، باب صلوۃ الجنازۃ وکذا البحر الرائق: ۲/ ۱۸۲، ہدایۃ ۱/ ۱۶۵)۔

۳: آپ ﷺ نے اس قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے جو نعش قبر میں موجود تھی "هريرةؓ ان أسود رجلا او امرأة كان يكون فى المسجد يقم المسجد فمات ولم يعلم النبى ﷺ بموته، فذكره ذات يوم، فقال مافعل ذلک الانسان قالوا: مات يا رسول الله ﷺ قال: "أفلا آذنتمونى فقالوا: إنه كان، كذا، وكذا قصته قال فحقروا شانه قال: فدلّونى على قبره قال: فأتى قبره فصلى عليه" (صحیح البخاری: ۱/ ۱۷۸، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن) وکذا الترمذی: ۲/ ۱۴۹، غایۃ المنتھی: ۱/ ۲۴۴، المحلی: ۵/ ۱۳۹)۔

غائبانہ نماز جنازہ:

غائبانہ نماز جنازہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور جمہور امت کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ وامام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز ہے۔

نماز جنازہ غائبانہ عدم جواز کے دلائل: ایک خلق کثیر نے آپ ﷺ کے سامنے انتقال فرمایا اور بعضوں کی موت بڑی دردناک حالت میں ہوئی مگر آپ ﷺ نے کسی کی بھی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی، نیز بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادت ووفات کے واقعات ہوئے، مگر ثابت نہیں کہ نماز جنازہ غائبانہ کا معمول اور عادت شریفہ رہی ہو، خود آپ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دور دراز علاقوں میں مقیم تھے، مگر ثابت نہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو، خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں بھی غائبانہ نماز جنازہ کا معمول کہیں منقول نہیں ملتا، "لأنه لو جازت الصلوة على الغائب مطلقا لصلى النبى ﷺ على من مات من الصحابة ويصلى المسلمون شرقا وغربا على الخلفاء الاربعة وغيرهم ولم ينقل ذلک" (عینی: ۴/ ۳۳، والفتح والبذل والتعلیق: ۲/ ۲۲۷، والشتۃ: ۱/ ۲۲۷)۔

"شرط صحتها شرائط الصلوة المطلقة وإسلام الميت وطهارته ووضعه أمام المصلى، وبهٰذا القيد علم أنه لاتجوز على الغائب" (حلبی فصل فی صلوۃ الجنائز، اوجز المسالک، کتاب الجنائز: ۴/۲۸۱، عمدۃ القاری: ۸/۲۲، الفتاوی الھندیۃ: ۱/۱۰۶، ردالمحتار: ۳/۱۰۴)۔

غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کے دلائل:

عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ نعى النجاشىّ فى اليوم الذى مات فيه خرج إلى المصلّى فصفّ بهم وكبر أربعاً" (صحیح البخاری: ۱/۱۶۷، الصحیح المسلم: ۱/۳۰۹)۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت تمام حجابات اٹھادئے گئے تھے اور آپ ﷺ کے سامنے معجزہ کے طور پر نجاشی کا جنازہ سامنے کردیا گیا تھا جیسے نماز غائبانہ کہنا مشکل ہے، اس لئے کہ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت صحاح ہی میں ہے کہ ہم لوگوں کو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ جنازہ آنکھوں سامنے ہے۔

اور اگر اس کو غائبانہ نماز جنازہ تسلیم کرلیا جائے تو اس کو آپ ﷺ کی خصوصیت قرار دی جائے گی۔

"كما قاله العياض فى الشفاء، ورفع النبى ﷺ النجاشى حتى صلى عليه، فتكون صلاته عليه كصلوة الإمام على ميت رأه، ولم يره المأموم، وأما خلاف فى جوازها، كما ذكره الواقدى فى كتابه عن بن عباس قال كشف للنبى ﷺ عن سرير النجاشى حتى رأه وصلى عليه" (وکذا شامی: ۲/۲۰۹، البحر الرائق: ۲/۱۷۹، فتح القدیر: ۲/۹۴)۔

☆☆☆

کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مفتی محمد سلیم الدین قاسمی☆

جمعہ کی صحت کے لئے جماعت شرط ہے:

نماز جمعہ قائم کرنے کا حکم جماعت کے ساتھ مشروط ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:"**الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة**"(سنن ابی داؤد حدیث نمبر:۱۰۶۷)(ہر مسلمان پر جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ فرض ہے)، اسی طرح خود لفظ"جمعہ" سے بھی جماعت کا معنی مستفاد ہوتا ہے، اس لئے بغیر جماعت کے جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، اس مسئلہ پر پوری امت کا اجماع ہے، صاحب"بدائع الصنائع" لکھتے ہیں:"**ولأن ترك الظهر ثبتت بهذه الشريطة على ما مر، ولهذا لم يؤد رسول الله ﷺ الجمعة إلا بجماعة وعليه اجماع العلماء**"(بدائع الصنائع ۱/۵۹۷)،اور اسی شرط (یعنی جمعہ کے لئے جماعت کی شرط) کی وجہ سے ظہر کی نماز چھوڑنے کا حکم ہے جیسا کہ یہ بات گذر چکی ہے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے بغیر جماعت کے جمعہ کی نماز نہیں پڑھی ہے، اس پر علماء امت کا اجماع ہو چکا ہے)۔

جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد شرط نہیں ہے:

تمام شرائط کے ساتھ کہیں بھی جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے اس کے لئے مسجد شرط نہیں ہے اگرچہ مسجدوں میں نماز کی فضیلت الگ ہے، اسی لئے عام حالات میں بھی جب نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد سب کے لئے ناکافی ہوجائے تو کہیں بھی جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے،'غنیۃ المستملی' میں ہے:"**وفى فتاوى الغياثية: لوصلى الجمعة فى قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى وفيها وال وحاكم جازت الجمعة بنوالمسجد أولم يبنوا المسجد الجامع ليس بشرط، ولهذا أجمعوا على جوازها بالمصلى وفى فناء مصر**"(غنیۃ المستملی المعروف بالکبری ر ص ۵۵۱)(فتاوی غیاثیہ میں ہے: اگر کسی گاؤں میں جامع مسجد کے بغیر ہی لوگ جمعہ کی نماز پڑھ لیں جبکہ وہ گاؤں بہت بڑا ہو اور اس کے تحت کئی چھوٹے چھوٹے گاؤں ہوں اور وہاں امیر اور حاکم بھی ہوں تو جمعہ جائز ہے چاہے وہ وہاں کے لوگ

☆ دارالافتاء مدرسہ چشمہ فیض ململ مدھوبنی بہار۔

مسجد بنائیں یا نہ بنائیں کیونکہ جمعہ کے لئے جامع مسجد ہونا شرط نہیں ہے اسی وجہ سے شہر کے اطراف اور عیدگاہ میں بھی جمعہ کے جواز پر فقہاء نے اجماع کیا ہے)۔

دیگر جگہوں کی موجودگی میں ایک مسجد میں تکرار جماعت ناجائز ہے:

اسی وجہ سے حالات اچھے ہوں یا برے جب مسجد کے علاوہ جگہ دستیاب ہو اور اذن عام کے ساتھ جمعہ قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ایک مسجد میں جمعہ کے لئے بھی تکرار جماعت جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے ہی ماحول میں حنفیہ کے نزدیک ایک مسجد میں جماعت ثانیہ کو مکروہ تحریمی ہے، صاحب ''بدائع'' لکھتے ہیں: "**ولنا ماروی عبد الرحمن بن أبی بکر عن ابیه﵁ أن رسول الله ﷺ خرج من بیته لیصلح بین الانصار لتشاجر جری بینهم فرجع، وقد صلی فی المسجد بجماعة فدخل رسول الله ﷺ فی منزل بعض أزواجه فجمع اهله فصلی بهم جماعة، ولولم یکره تکرار الجماعة فی المسجد لما ترکها رسول الله ﷺ مع علمه بفضل الجماعة فی المسجد**'' (بدائع الصنائع ۱/۳۷۹) (ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اپنے باپ حضرت ابوبکر﵁ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرات انصار کے درمیان رونما ہوئے ایک اختلاف کو حل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکلے تھے جب آپ ﷺ واپس آئے تو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہو چکی تھی تو اللہ کے رسول اللہ ﷺ اپنی بعض بیوی کے گھر تشریف لے گئے اور اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور ان کے ساتھ آپ ﷺ نے جماعت سے نماز پڑھی)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں تکرار جماعت مکروہ نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں جماعت کی فضیلت کو جانتے ہوئے جماعت کو ترک نہیں کرتے۔

کرونا کے ماحول میں بعض شرائط کے ساتھ مسجد میں تکرار جماعت جائز ہے:

لیکن کرونا جیسی پابندی کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جمعہ کی جماعت کی شرعا اجازت ہوگی، اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ احناف وشوافع اور مالکیہ نے تکرار جماعت کی کراہت کا دو سبب بتلایا ہے، ایک تقلیل جماعت اولی، دوسرا مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانا۔

چنانچہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے کی وجہ سے اللہ تعالی نے مسجد ضرار کو منہدم کرنے کا حکم دیا تھا، ارشار ربانی ہے: "**والذین اتخذوا مسجد اضرارا وکفر او تفریقا بین المؤمنین وارصاداً لمن حارب الله ورسوله من قبل ولیحلفن إن أردنا إلا الحسنی والله یشهد إنهم لکاذبون**'' (توبہ:۱۰۷) (اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں، کافرانہ بات کریں، مومنوں میں پھوٹ ڈالیں

اوراس شخص کوایک اڈہ فراہم کریں جس کی پہلے سے اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے اور یہ قسمیں ضرور کھالیں گے کہ بھلائی کے سواہماری کوئی اور نیت نہیں ہے، لیکن اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں)۔

حضرت امام شافعیؒ نے 'تفریق بین المؤمنین' کو وجہ بناتے ہوئے جماعت ثانیہ کومکروہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:"**وإذا كان للمسجد امام راتب ففانت رجلا أورجالافيه الصلوة صلوا فرادى، ولا أحب أن يصلوا فيه جماعة، فإن فعلوا أجزأتهم الجماعة فيه، وإنما كرهت ذلك لهم؛ لأنه ليس مما فعل السلف قبلنا، بل قدعا به بعضهم، قال الشافعي: واحسب كراهة من كره ذلك منهم إنما كان لتفرق الكلمة**"(کتاب الام ۱/ ۱۵۴ دار المعرفۃ بیروت)(جب کسی مسجد کا امام متعین ہو اس میں ایک یا چند آدمی کی جماعت فوت ہوجائے تو ان لوگوں کو تنہا تنہا نماز پڑھنا چاہئے ان لوگوں کے لئے اس مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو میں پسند نہیں کرتا، پھر بھی اگر وہ لوگ جماعت کرلیں تو یہ جماعت بھی ان کے لئے کافی ہوجائے گی، اور میں نے ان لوگوں کے لئے جماعت ثانیہ اس لئے مکروہ کہا ہے کہ یہ کام ہمارے اسلاف نہیں کرتے تھے، بلکہ بعض سلف نے اس عمل پر اعتراض کیا ہے، امام شافعیؒ کہتے ہیں میرے خیال میں جن لوگوں نے جماعت ثانیہ کومکروہ کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت میں تفریق ہوتا ہے)۔

تکرار جماعت کی کراہت کی ایک بڑی وجہ جماعت اولی کی تقلیل ہے، اس سلسلے میں امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:"**إنا أمرنا بتكثير الجماعة، وفي تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها؛ لأن الناس إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة يعجلون للحضور فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنه لا تفوتهم يؤخرون، فيودى إلى تقليل الجماعة؛ وبهذا فارق المسجد على قارعة الطريق؛ لأنه ليس له قوم معلومون فكل من حضر يصلى فيه؛ فإعادة الجماعة فيه مرة بعد مرة لاتودى إلى تقليل الجماعات**"(المبسوط للسرخسی ۱/ ۳۹۱ مکتبہ علمیہ بیروت)(ہمیں تکثیر جماعت کا حکم دیا گیا ہے اور ایک مسجد میں تکرار جماعت سے تقلیل جماعت لازم آئے گی، کیونکہ جب لوگ یہ جان لیں گے کہ جماعت چھوٹ سکتی ہے تو مسجد آنے میں جلد کریں گے تو اس سے جماعت میں لوگوں کی کثرت ہوگی اور جب لوگ یہ جانیں گے کہ جماعت چھوٹ ہی نہیں سکتی تو لوگ مسجد آنے میں تاخیر کریں گے جس سے تقلیل جماعت ہو کر رہے گی، اسی وجہ سے اس مسجد کا حکم الگ ہے جو عام راستو پر واقع ہوتی ہے، کیونکہ اس مسجد کے نمازی متعین نہیں ہوتے ہیں، چنانچہ جو آدمی بھی وہاں آئے گا اس مسجد میں نماز پڑھ لے گا تو اس مسجد میں ایک کے بعد دوسری جماعت کرنے سے تقلیل جماعت لازم نہیں آئے گی)۔

مذکورہ دونوں وجوہات (تقلیل جماعت اور تفریق بین المسلمین) عام حالات میں تو جماعت ثانیہ کے لئے مکروہ ہونے کا ذریعہ ہے لیکن خصوصی حالات میں متفرق جماعات کی کراہت کی وجہ یہ دونوں چیزیں نہیں بن سکتی، کیونکہ بعض حالات میں خود اللہ کے رسول ﷺ نے تقلیل جماعت کو گوارہ کیا ہے اور سے تفریق بین المسلمین کا ذریعہ نہیں گردانا ہے، چنانچہ بارش کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ نے مسجد کی جماعت سے رخصت دیتے ہوئے گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ حدیث یہ ہے:

”عن نافع: قال أذن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان، ثم قال: صلوا فی رحالکم، فاخبرنا أن رسول الله ﷺ کان یأمر مؤذنایؤذن، ثم یقول علی أثره ألا صلوا فی الرحال فی اللیلة الباردة أو المطیرة فی السفر“ (صحیح بخاری ۱/۸۷)۔

(حضرت نافع کہتے ہیں کہ مقام ضجنان میں ایک ٹھنڈی رات میں حضرت ابن عمرؓ نے اذان دی پھر فرمایا تم لوگ اپنے اپنے خیمہ میں ہی نماز پڑھو، پھر ابن عمرؓ نے ہمیں خبر دی کہ سفر کے دوران سردی یا بارش کی رات میں اللہ کے رسول ﷺ مؤذن کو اذان دینے کا حکم کرتے اور اذان دینے کے بعد فرماتے، تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں ہی نماز ادا کرو)۔

یہ حدیث تو عام نمازوں کے بارے میں ہے اسی طرح ایک حدیث میں جمعہ کی نماز سے متعلق بھی یہ حکم ثابت ہے وہ حدیث یہ ہے: **”عبد الله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فی یوم ذی ردع، فأمر المؤذن لما بلغ حی علی الصلوة، قال: قل: الصلوة فی الرحال، فنظر بعض إلی بعض کأنهم أنکروا، فقال: کأنکم أنکرتم هذا، إن هذا فعله من هو خیر منی یعنی النبی ﷺ أنها عزمة وإنی کرهت أن أحرجکم“** (صحیح بخاری ۱/۹۲) (عبداللہ بن الحارث کہتے ہیں کہ بارش کے دن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ہمیں خطبہ دیا، جب مؤذن حی علی الصلوۃ پر پہنچا تو اسے حکم دیتے ہوئے فرمایا کہو: تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھو، اس پر بعض مقتدی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے گویا کہ ان لوگوں کو یہ بات اچنبھی لگی تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا لگتا ہے کہ تم لوگوں کو یہ بات اجنبی لگی ہے، مگر یہ کام یقینی طور پر انہوں نے کیا ہے جو مجھ سے بہت بہتر تھے، یعنی اللہ کے نبی ﷺ نے ایسا کیا ہے اور یہ حکم عزیمت ہے اور میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں تنگی میں مبتلا کردوں)۔

اس حدیث میں لفظ ”خطبنا“ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جمعہ کی نماز کے وقت پیش آیا تھا، اس لئے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خصوصی حالات میں جمعہ کے دن مختلف جماعت کرنے سے جو تقلیل جماعت ہوتی ہے وہ قبیح نہیں ہے، تو کرونا جیسے ماحول میں بھی تکرار جماعت سے جو تقلیل جماعت لازم آتی ہے وہ کراہت کا سبب نہیں بنے گی کیونکہ کرونا وبا کا

ماحول بارش، سردی اور راستے میں کیچڑ سے کہیں زیادہ مشکلات پر مشتمل ہے اس لئے بعض شرائط کے ساتھ ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ جمعہ کی جماعت درست ہوگی۔

مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ کے شرائط:

پہلی شرط: مسجد سے متعلق نمازی کی تعداد اتنی کثیر ہو کہ حکومت کہ ہدایات کے مطابق سارے لوگ ایک جماعت میں شریک نہ ہوسکتے ہوں بلکہ ایک جماعت میں مسجد مکمل بھر جانے کے بعد بھی بہت سارے لوگ جماعت میں شریک ہونے سے رہ جاتے ہوں تب ہی اس مسجد میں جماعت ثانیہ درست ہوگی اگر حکومت کی ہدایات کے مطابق ایک ہی جماعت میں سارے نمازی شریک ہوسکتے ہوں تو پھر جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں بلاضرورت پہلی جماعت سے اعراض لازم آئے گا اور بلاضرورت جماعت سے اعراض کرنے پر اللہ کے رسول ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، حدیث ہے:

”عن ابی هريرةؓ ان رسول اللهﷺ قال والذی نفسی بيده لقد همت إن أمر بحطب ليحطب، ثم أمر بالصلوة فيؤذن لها، ثم أمر رجلا، فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحر عليهم بيوتهم“ (صحیح البخاری ۸۹/۱)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جن کے قبضہ میں میری جان ہے میرا تو یہ ارادہ ہوتا ہے کہ میں لوگوں کو لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں وہ لوگ لکڑی جمع کریں پھر میں نماز کا حکم دوں اور اس کے لئے اذان دی جائے پھر میں ایک آدمی کو امامت کرنے کا حکم دوں اس کے بعد میں ان لوگوں کے پاس جاؤں (جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے) اور ان کے اوپر ان کے گھروں کو جلا ڈالوں)۔

دوسری شرط: مسجد کے علاوہ کوئی دوسری جگہ دستیاب نہ ہو تب ہی مسجد میں جماعت ثانیہ کی اجازت ہوگی، کیونکہ جب مسجد کے علاوہ دوسری جگہ جماعت کے لائق موجود ہو اور جماعت کے لئے وہاں کورکاوٹ بھی نہ ہو تو پھر اسلاف کے طریقہ کے مطابق ہی جماعت کی اجازت ہوگی جیسے عام حالات میں جماعت ثانیہ کا حکم ہے کہ اگر مسجد کی جماعت کسی کی چھوٹ جائے تو مسجد سے متصل یا کہیں دوسری جگہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے،”فتاوی عالمگیری“ میں ہے:

”وإذا فاتته الجماعة لا يجب عليه الطلب فی مسجد أخر بلا خلاف بين أصحابنا، لكن إذا أتى مسجد أخر ليصلی بهم مع الجماعة فحسن، وإن صلى فی مسجدحية فحسن، وذكر القدوری

أنه يجمع أهله ويصلي بهم"(ہندیہ ۱؍ ۸۳ دار الکتاب دیوبند)(اور جب کسی کی جماعت فوت ہوجائے تو اس کے لئے دوسری مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہے اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ حنفیہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اگر وہ شخص دوسری مسجد میں جا کر وہاں کے لوگوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ لیتا ہے تو یہ اچھی بات ہے اور اگر اپنی مسجد ہی میں (تنہا) نماز پڑھ لے تو بھی ٹھیک ہے اور امام قدوریؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس شخص کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کو جمع کرے اور ان کے ساتھ مل کر (جماعت سے) نماز ادا کرے)۔

تیسری شرط: جماعت ثانیہ کو پہلی جماعت کی صورت و ہیئت سے کچھ مختلف کرنا ضروری ہے تاکہ حتی الامکان کراہت کے اسباب سے احتراز ہو سکے، اس سلسلے میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے: "عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره، وإلا تكره وهو الصحيح" (ردالمحتار ۱؍ ۵۵۳)(امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جب جماعت ثانیہ جماعت اولی کی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے اور یہی صحیح قول ہے)۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نماز کے بعد پھر اسی کے ہم مثل نماز پڑھنا منع ہے، اس لئے پہلی جماعت سے دوسری جماعت کو کچھ مختلف ہونا چاہئے تاکہ دونوں جماعت میں مماثلت تامہ نہ ہو کر کراہت سے احتراز ہو جائے، مصنف ابن شیبہ میں ہے: "وعن إبراهيم النخعي قال: قال عمرؓ: لا يصلى بعد صلوة مثلها" (مصنف ابی ابی شیبہ ۴؍ ۲۹۳، مکتبہ موسسۃ علوم القرآن)(ابرہیم نخعیؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ایک نماز کے بعد اسی کے مثل نماز دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی)۔

چوتھی شرط: جماعت ثانیہ کے امام و مقتدی جماعت اولی کے امام و مقتدی کے علاوہ ہونا ضروری ہے کیونکہ جو لوگ پہلی جماعت میں شریک ہو چکے ان کی دوسری جماعت میں شرکت نفل کے طور پر ہوگی جس کی ضرورت اس وقت نہیں ہے کیونکہ جماعت ثانیہ کا جواز عذر اور ضرورت کی وجہ سے ہے اس لئے جس کو ضرورت ہے اسی کو دوسری جماعت میں شریک ہونا چاہئے، اسی طرح جماعت ثانیہ کے امام پہلی جماعت کے امام سے اس لئے الگ ہونا چاہئے کیونکہ جماعت اولی کے امام کی نماز جماعت ثانیہ میں نفل ہوگی تو نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض پڑھنے والے مقتدی کی اقتداء لازم آئے گی اور اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے (ودلیلہ معروفہ)۔

پانچویں شرط: جماعت ثانیہ کے لئے بھی خطبہ شرط ہے جس کے لئے اذان ثانی بھی ضروری ہوگی، کیونکہ جماعت ثانیہ کے امام و مقتدی سب مستقل ہیں اور ان کی نماز جمعہ بھی مستقل ہے، یعنی پہلی نماز جمعہ کی جماعت کے تابع نہیں ہے، اور خطبہ ہر نماز جمعہ کے لئے شرط ہے اس لئے جمعہ کی جماعت ثانیہ کے لئے بھی خطبہ شرط ہوگی اور اس سے قبل اذان ثانی سنت

اس لئے ہوگی ، کیونکہ اذان ثانی کے ذریعہ لوگوں کو خطبہ سننے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اس لئے اذان ثانی بھی ضروری ہوگی ،لہذا ’’صاحب بدائع الصنائع‘‘ لکھتے ہیں:

”وأما الخطبة فالدليلعلى كونها شرطا فى قوله تعالى”فاسعوا إلى ذكر الله“، والخطبة ذكر الله فتدخل الأمر بالسعى لها من حيث هى ذكر الله أو المراد من الذكر هى الخطبة، وقد أمر بالسعى إلى الخطبة، فدل على وجوبها وكونها شرطا لانعقاد الجمعة“(بدائع الصنائع۱/ ۵۸۹)(بہرحال خطبہ تو اسکے شرط ہونے کی دلیل اللہ تعالی کے ارشاد:”**فاسعوا الى ذكر الله**“میں ہے، کیونکہ خطبہ بھی اللہ کا ذکر ہے، اس لئے ذکر اللہ ہونے کی حیثیت سے خطبہ بھی سعی الی الجمعہ کے حکم میں داخل ہوگا، یا یہ کہا جائے کہ آیت میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہی ہے اور خطبہ کی طرف سعی کا حکم دیا گیا ہے جو اسکے وجوب اور جمعہ کے منعقد ہونے کے لئے شرط ہونے کی دلیل ہے)۔

اسی طرح اذان ثانی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کا مقصد نمازیوں کو خطیب کی طرف متوجہ ہوکر خطبہ سننے کے لئے اعلان کرنا ہے اسلئے یہ اذان بھی جماعت ثانیہ کے وقت مسنون ہوگی،’’درمختار‘‘میں ہے:

”ويؤذن ثانيا بين يديه أى الخطيب –وفى الشاميه–أى على سبيل السفية كما يطهر من كلامهم“(الدر المختار مع رد المحتار ۲/ ۱۶۱)**”وفى السعايه–إذان لايستحب رفع الصوت فيه هو الأذان ثانى بين يدى الخطيب، لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين صرح به جماعة من الفقهاء“**(لامع الدراری ۲/ ۲۱)۔

(اور دوسری اذان خطیب کے روبرو دی جائے یعنی یہ اذان سنت ہے، جیسا کہ فقہاء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے، اور سعایہ میں ہے: وہ اذان جس میں آواز بلند کرنا مستحب نہیں ہے وہ اذان ثانی ہے جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس میں آواز بلند کرنا اس لئے مستحب نہیں ہے کیونکہ یہ اذان اقامت کی طرح ہے جو حاضر لوگوں کو اطلاع کرنے کے لئے جس کی صراحت فقہاء کی ایک جماعت نے کی ہے)۔

خلاصہ یہ کہ جمعہ کی صحت کے عمومی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرونا کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت مذکورہ شرائط کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے۔

عام حالات میں بھی سخت مجبوری میں جمعہ کی جماعت ثانیہ جائز ہے:

خاص طور پر غیر مسلم ممالک میں عام حالات میں بھی یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ بعض علاقے میں مسجد ہی کے حدود میں نماز کی اجازت ہوتی ہے مسجد سے باہر خالی جگہوں مثلاً پارک ،میدان یا سڑکوں کے کنارے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کے پاس عام طور پر اتنی بڑی جگہ بھی نہیں ہوتی ہے جہاں جمعہ کی نماز باجماعت ادا کی جاسکے، ایسے

حالات میں اگر وہاں کی مسجد میں بھی ایک ہی جماعت کے ساتھ جمعہ کی اجازت ہو اور جماعت ثانیہ کو مکروہ قرار دیا جائے تو وہاں کے بہت سے مسلمان جمعہ کی نماز سے محروم ہوجائیں گے جبکہ ان میں سے بہت سے مسلمان تو ایسے بھی ہوں گے جو پنج وقتہ نماز کا اہتمام تو نہیں کرتے ہوں گے، لیکن ہفتہ میں جمعہ کی نماز پڑھ لینے کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہوں گے، اس لئے ایسے حالات میں بقدر ضرورت وہاں کی مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ کی اجازت ہوگی، ورنہ وہاں کے بہت سارے لوگ نماز جمعہ سے عام طور پر محروم ہوجائیں گے اور ترک فریضہ کے مرتکب ہوجائیں گے جبکہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "**إذا تعارض المفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب اخفهما**" (شرح مجلۃ الاحکام ر ۲۸، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ر ۸۹) (جب دو طرح کے نقصان کا تعارض ہو تو چھوٹے نقصان کو برداشت کر کے بڑے نقصان سے بچنے کا اعتبار ہوگا)۔

نیز بارش کی وجہ سے فقہاء نے ایک مسجد میں جمعہ اور عیدین کی جماعت ثانیہ کی اجازت دی ہے، جبکہ مسجد کے علاوہ دوسری جگہ دستیاب نہ ہو (کتاب الفتاوی ۳ر ۲۸)۔ کیونکہ اس صورت میں بھی جماعت ثانیہ کی وجہ سے تقلیل جماعت قبیح نہیں ہے اور جہاں تقلیل جماعت قبیح ہونے لگے وہاں تکرار جماعت مکروہ ہوگی، "صاحب بدائع" لکھتے ہیں: "**لأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنها لاتفوتهم الجماعة يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه**" (بدائع الصنائع ار ۳۸۰) (کیونکہ تکرار جماعت تقلیل جماعت کا ذریعہ ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جب یہ جانیں گے کہ جماعت فوت ہوسکتی ہے تو جماعت میں شریک ہونے کے لئے جلدیں کریں گے اس سے جماعت میں زیادتی ہوگی اور جب لوگ یہ جانیں گے کہ ان کی جماعت فوت ہی نہیں ہوسکتی تو تاخیر کریں گے اس سے جماعت میں لوگوں کی قلت ہوجائے گی اور تقلیل جماعت مکروہ ہے)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ تنگی اور ضرورت کے وقت عام حالات میں بھی مخصوص مسجدوں میں جمعہ وغیرہ کی جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے۔

کرونا جیسے ماحول میں گھروں میں جمعہ قائم کرنا درست ہے:

شریعت میں ظہر کی نماز کے مقابلے میں جمعہ کی نماز کی اہمیت اور فضیلت زیادہ ہے جیسا کہ اس سے قبل لکھا جاچکا ہے، تو جن مقامات میں جمعہ کی صحت کے شرائط پائے جاتے ہیں اور حکومتی ہدایات کے مطابق مسجد میں ایک یا ایک سے زائد جماعت ہوجانے کے باوجود بھی بہت سے لوگ باقی رہ جاتے ہیں تو انہیں اپنے گھروں کی خالی جگہوں میں چھوٹی بڑی جماعت کے ساتھ جمعہ قائم کرنا کرونا جیسے ماحول میں درست ہوگا، کیونکہ نماز جمعہ کی صحت کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، حلبی کبیر میں

ہے:"**وفی فتاوی الغیاثیة لوصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها مری وفیها وال وحاکم حازت الجمعة بنو المسجد أولم ینبوا والمسجدالجامع لیس بشرط، ولهذا أجمعوا علی جوازها بالمصلی، وفی فناء مصر**"(کبیری ص۵۵۱ فصل فی صلوۃ الجمعہ)(فتاوی غیاثیہ میں ہے: اگر کسی گاؤں میں جامع مسجد کے علاوہ جگہوں میں لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں جبکہ گاؤں بہت بڑا ہو جس کے تحت کئی چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی ہوں اور وہاں والی اور حاکم بھی ہوں تو جمعہ جائز ہے چاہے وہ لوگ مسجد بنائیں یا نہ بنائیں کیونکہ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد شرط نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء کا اجماع ہے کہ شہر کے اطراف اور عیدگاہ میں جمعہ کی نماز جائز ہے۔

اور چونکہ شرائط پائے جانے کے باوجود جمعہ قائم کرنے سے غفلت کرنا دین اور دنیا دونوں کے لئے نقصان دہ ہے ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے:"**وفی حدیث ابن عمر قال رسول الله ﷺ: من ترک ثلاث جمع تهاونا طبع علی قلبه**"(المبسوط للسرخسی ۲/۲۵)(حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سستی کرتے ہوئے تین جمعہ ترک کر دیتا ہے تو اس کے دل پر بدبختی کی مہر لگا دیجاتی ہے)۔

اس لئے شرائط پائے جانے کی صورت میں کرونا جیسے ماحول میں گھروں میں جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

رہی بات یہ کہ عام حالات میں جب کسی کی جمعہ کی نماز چھوٹ جاتی ہے تو اس کے لئے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم ہے دو چار آدمی سے جمعہ قائم کرنے کی مثال سابق میں نہیں ملتی ہے تو یہ معاملہ انفرادی طور پر کبھی کبھی کسی کے ساتھ پیش آتا ہے، اس لئے ایسے لوگوں کو جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے، لیکن کرونا جیسے ماحول میں جمعہ کی بڑی جماعت قائم کرنا ہی اولا دشوار ہے اور ثانیا یہ کہ اگر تھوڑی بڑی جماعت قائم ہو بھی جاتی ہے تو اس میں چند لوگوں کی شرکت ہوتی ہے اور وہ لوگ جمعہ کی فضیلت حاصل کرتے ہوئے جمعہ کا فریضہ بھی ادا کر لیتے ہیں لیکن ان کے علاوہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہوتی ہے جو جمعہ کی فضیلت سے محروم رہ جاتی ہے اور ایسے لوگوں کی کثیر تعداد تقریبا ہر بڑے شہر، قصبہ اور بڑے گاؤں میں ہوتی ہے، اس عمومی ابتلاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر پابندی اور تنگی کے ایام میں گھروں میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تو یہ حکم سابقہ معمول کے خلاف ہونے کے باوجود قبیح نہیں ہے، کیونکہ "عموم بلوی" کے اصول کے پیش نظر بہت سے مسائل میں سابقہ معمول کے خلاف فقہاء نے حکم لگایا ہے، جیسے غسالہ میت اصل کے اعتبار سے تو ناپاک ہے، لیکن عموم بلوی کی وجہ سے فقہاء نے اس کے چھینٹے کو ناپاک نہیں کہا ہے، شامی میں ہے:"**وما ترشش علی الغاسل من غسالة المیت ممالایمکنه الامتناع عنه مادام فی علاجه لاینجسه لعموم البلوی**"(ردالمحتار ۱/۵۳۲ زکریا)(اور غسالہ میت سے غسل دینے والے پر جو چھینٹیں آپڑی ہیں اس سے بچنا ممکن نہیں ہے چنانچہ جب تک وہ غسل دینے میں

مشغول رہے گا اس وقت تک وہ چھینٹیں عموم بلوی کی وجہ سے ناپاکی کا باعث نہیں ہوں گی۔

رہی یہ بات کہ گھروں میں جمعہ کرنے سے تشتت پیدا ہوگا اور آئندہ کے لئے لوگ اس کا معمول بنالیں گے تو مذکورہ حالات میں اس گمان کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ یہ خصوصی حالات کے احکام میں سے ایک ہے جسے عمومی حالات کے احکام پر منطبق نہیں کیا جاتا ہے، جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے بارش کی وجہ سے ''الا صلوا فی الرحال'' کا حکم دیا تھا اور صحابہ کرام نے اس حکم پر خصوصی حالت میں ہی عمل کیا اور اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے اپنے گھروں میں جماعت قائم کرکے عام حالات میں بھی اس کو معمول نہیں بنایا اور نہ ہی گھروں میں جماعات کی وجہ سے صحابہ کرام کے درمیان کوئی تشتت پیدا ہوا، اس لئے تنگی اور پابندی کی وجہ سے اگر گھروں میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہوتی ہے تو یہاں پر بھی تشتت کا واہمہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی یہ گمان ہونا چاہئے کہ آئندہ کے لئے لوگ اس کا معمول بنالیں گے۔

کرونا جیسی پابندی میں بھی جمعہ کے دن ظہر کی نماز تنہا پڑھی جائے گی:

تنگی اور پابندی کی وجہ سے جمعہ کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے اور جمعہ کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے لیکن ظہر کی نماز کے لئے جماعت شرط نہیں ہے بلکہ سنت مؤکدہ یا واجب ہے، صاحب ''درمختار'' لکھتے ہیں:''**والجماعة سنة مؤكدة للرجال وأقلها اثنا، وقيل: واجبة، وعليه العامة-اى عامة مشائخنا، وبه جزم فى التحفة وغيرها**''(الدرالمختار علی الشامیہ ۲/ ۲۸۷ زکریا)(مردوں کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے جس میں کم سے کم دو آدمی ہونا چاہئے، بعض نے کہا ہے کہ جماعت واجب ہے ہمارے مشائخ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور تحفہ وغیرہ میں اسی قول کو مضبوط کہا ہے)۔

اور عام حالات میں جب کسی کی جمعہ کی نماز فوت ہوجاتی ہے تو اسے ظہر کی نماز تنہا ادا کرنے کا حکم ہے، اور جہاں جمعہ جائز ہے وہاں کے لوگوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، شامی میں ہے:''**(وكره)تحريما (لمعذورومسجون)و مسافر (أداء ظهر بجماعة فى مصر)قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة، وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع (وكذا أهل مصرفا تتهم الجماعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة**'' (الدرالمختار مع الرد۲/ ۱۵۷) (معذور، قیدی اور مسافر کے لئے جمعہ سے قبل یا اس کے بعد ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ شہر میں مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس سے جمعہ کی جماعت میں تقلیل ہوگی اور جمعہ کی نماز سے معارضہ کی صورت پیدا ہوگی، یہ اس بات کا بھی فائدہ دیتا ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ ساری مسجدوں کو بند کردیا جائے گا، اسی طرح شہر کے لوگوں میں سے جن کی جمعہ کی نماز فوت

ہوجائے تو وہ لوگ بغیر اذان واقامت اور بغیر جماعت کے ظہر کی نماز ادا کریں گے)۔

اور کرونا جیسے ماحول میں تقلیل جماعت اگر چہ تکرار جماعت جماعت کی کراہت کی وجہ نہیں بنتی ہے، لیکن جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی صورت میں جمعہ کے ساتھ معارضہ کی صورت یقیناً بن جاتی ہے، اس لئے جن علاقے میں جمعہ کی نماز صحیح ہے وہاں جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنے کی جب نوبت آجائے تو ہر حال میں ظہر کی نماز بلا جماعت ادا کی جائے گی اگر وہاں ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے گی تو کراہت تحریمی کے ساتھ ظہر کی نماز ادا ہوگی۔

کرونا میت کے غسل اور کفن کا مسئلہ:

عام حالات میں مسلمان میت کو غسل دینا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے: "**غسل الميت حق واجب على الاحياء بالسنة وإجماع الأمة، كذا في النهايه**" (فتاوی عالمگیری ۱/۱۵۸) (میت کو غسل دینا سنت اور اجماع امت کی دلیل سے زندہ مسلمانوں پر لازمی حق ہے)۔

اسی طرح میت کو کفن دینا بھی زندہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، "**وهو فرض على الكفاية، كذا في فتح القدير**" (ہندیہ ۱/۱۶۰) (میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے)۔

کرونا میت جب مسلمانوں کے اختیار میں ہو تو اس وقت سنت کے مطابق اس کے غسل اور کفن کا اہتمام کیا جائے گا، البتہ اسے غسل اور کفن دینے میں ان اصول کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا جو عالمی ادارہ صحت کی جانب سے طے کیا گیا ہے تا کہ اس میت کے جراثیم غسل اور کفن پہنانے والے تک نہ پہنچ سکے، کیونکہ ضرر رساں چیزوں سے بچاؤ اختیار کرنا شریعت میں منع نہیں ہے، بلکہ نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچنے کے لئے شریعت اسلامیہ رہنمائی کرتی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**" (بقرہ:۱۹۵) (اور تم لوگ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ضرر پہنچانے والی چیزوں سے بچنے کے لئے کئی آداب سکھائے ہیں، مثلاً ایک حدیث اس طرح کی ہے: "**عن جابر أن رسول الله ﷺ قال: إطفئوا المصابيح إذا رقدتم، وغلقوا الأبواب وأوكؤا الأسقية، وخمر، والطعام والشراب وأحسبه، قال: ولو بعود تعرضه عليه**" (صحیح بخاری ۲، حدیث نمبر: ۵۶۲۴) (حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم لوگ سونے لگو تو چراغ بجھا دو، دروازے بند کرلو، مشکوں کے منہ کو باندھ دو اور کھانے پینے والی چیزوں کو ڈھانپ دو، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہو سکے تو کوئی لکڑی ہی کو اس پر (بسم اللہ پڑھ کر) چوڑائی میں رکھ دو)۔

اس لئے کرونا میت کوغسل دینے اورکفن پہنانے والوں کے لئے احتیاطی تدابیر مثلاً اپنے ہاتھ، چہرے اور پورے بدن کے حصہ کووائرس سے بچانے والالباس پہننااورسینیٹائزر کا بار بار استعمال کرنا شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے۔

جب کرونا میت مکمل پیک کرکے حوالہ کیا جائے:

جب کرونا میت پراس کے گھر والوں کا اختیار نہ ہومثلاً اسپتال میں اس کی موت واقع ہوئی ہوتو عام طور پر میت کے گھر والوں کواس پر اختیار نہیں ہوتا ہے، بلکہ اسپتال کے عملہ ہی میت کو خاص قسم کے لفافہ میں مکمل بند کرکے میت کے گھر والوں کے حوالے کرتے ہیں ایسی صورت میں اولا اسپتال کے عملہ سے بات چیت کرکے انہیں اپنے اعتماد میں لینا چاہئے اور وہیں میت کوسنت کے مطابق غسل کرانے اورکفن پہنانے کا اہتمام کرنا چاہئے، لیکن اگر اسپتال کے عملہ اس بات کا اختیار نہ دیں توکم ازکم میت کوتیمّم کرانے کے لئے کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ ایسے حالات میں میت کوغسل کے بجائے تیمّم کرادینا بھی درست ہے، اور یہ فریضہ ادا ہوجاتا ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں:''**لأن التيمم صلح بدلا عن الغسل فى حال الحياة، فكذا بعد الموت**''(بدائع الصنائع ۲/۳۲۲)(کیونکہ جس طرح تیمّم زندگی میں غسل کا بدل ہے اسی طرح مرنے کے بعد تیمّم غسل کابدل ہے)۔

لیکن جب کرونا میت کوغسل یا تیمّم کرائے بغیر خاص لفافہ میں بند کرکے حوالہ کیا گیا ہواور سختی کے ساتھ ہدایت بھی کردی گئی ہوکہ اس لفافہ کو ہرگز نہ کھولا جائے ورنہ میت کے جراثیم منتشر ہوکر لوگوں کونقصان پہنچا سکتے ہیں، تو ایسی حالت میں اس میت کے غسل اور تیمّم دونوں کا حکم ساقط ہوجاتا ہےاوراس کی وجہ یہ ہے کہ غسل اور تیمّم دونوں کاتعلق جسم سے ہوتا ہےاور میت کا جسم اس طرح بند ہے کہ اس پر پانی نہیں پہنچایا جاسکتا اور نہ ہی اس کے چہرے اور ہاتھ پر تیمّم کی نیت سے مسح کیا جاسکتا ہےتو یہ خاص مجبوری کی حالت ہوئی ایسی حالتوں میں فقہاء نے میت کے غسل اور تیمّم کے ساقط ہوجانے کا حکم لگایا ہے، علامہ دسوقی لکھتے ہیں:''**وأما من تعذر غسله وتيممه كما إذا كثرت الموتى جد فغسله مطلوب ابتداء ا لكن يسقط للتعذر ولا يسقط الصلوة عليه**'' (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۴۰۸)(بہرحال جس میت کوغسل دینا اور تیمّم کرانا متعذر ہوجائے، جیسے کہیں مرنے والوں کی کثر ہوجائے توشروع میں غسل دینا تومطلوب ہوگا لیکن (بہت کثرت کی وجہ سے) تعذر کی بنیاد پر غسل ساقط ہوجائے گا لیکن اس پر نماز ساقط نہیں ہوگی)۔

اسی طرح آدمی کی زندگی میں بھی بسااوقات نماز پڑھنے کے لئے غسل وضواور تیمّم کا حکم ساقط ہوجاتا ہے، مثلاً کوئی شخص ایسا مریض ہے جس کے اعضاء وضوانتہائی مجروح ہوچکے ہیں جن پر پانی بہانا ممکن نہیں اور نہ ہی تیمّم کی نیت سے ان پر مسح کیا جاسکتا ہوتو نماز پڑھنے کے لئے طہارت کا حکم اس سے ساقط ہوجاتا ہےتو اسی طرح کرونا میت کو جب غسل دینا اور تیمّم

کرانا دونوں متعذر ہوجائے تو بلا غسل اور بلا تیمّم اس پر نماز جنازہ پڑھنا درست ہوگی، درمختار میں ہے:"**ولو قطعت یداه ورجلاه من المرفق والكعب وبوجهه جراحة صلى بغير طهارة ولا تيمم ولا يعيد وهو الأصح ،وقد مر في التيمم**"(الدرالمختار مع ردالمحتار ۱/ ۴۲۳)(اگرکسی کے دونوں ہاتھ کہنی سمیت اور دونوں پاؤں گھٹنہ سمیت کٹ گئے ہوں اور اس کے چہرے پر زخم بھرا ہوا ہوتو وہ شخص بغیر طہارت اور بغیر تیمّم کے نماز پڑھے گا اور صحیح ہونے کے بعد نماز کا اعادہ بھی نہیں کرے گا، یہی اصح قول ہے، یہ مسئلہ تیمّم کے باب میں گذر چکا ہے۔

معلوم ہوا کہ کرونا میت کو جب لفافہ میں مکمل بند کردیا گیا ہے اور اس کے چہرے اور ہاتھ کو بھی نہیں کھول سکتے تو اس کا غسل اور تیمّم دونوں ساقط ہوجائے گا۔

اسی وجہ سے اس میت کے لفافہ پر پانی بہانے سے میت کو غسل دینے کا فائدہ بالکل نہیں ہوگا جس طرح آدمی کی زندگی میں جب اس کے بدن پر کوئی موم جیسی چیز چپکی ہوئی ہوتی ہے جس کو آسانی سے بدن سے ہٹایا بھی جاسکتا ہے تو اس کے اوپر سے پانی بہادینے سے وضو اور غسل صحیح نہیں ہوتا ہے، مراقی الفلاح میں ہے:"**شرط صحته أى الوضو زوال ما يمنع وصول الماء إلى الجسد كشمع وشحم**"(مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۱۶۲)(وضو کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جسم پر پانی پہنچنے سے روکنے والی چیز نہ لگی ہو جیسے موم اور چربی)۔

اس جگہ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ کرونا میت کے لفافہ پر سے پانی بہادیا جائے اس سے میت کے غسل دینے کا فریضہ ادا ہوجائے گا، جیسے زندہ آدمی کے بدن پر اگر زخم وغیرہ کی وجہ سے پٹی لگی ہو تو اس پر بھیگے ہوئے ہاتھ سے مسح کردینا اسکے دھونے کے قائم مقام ہوجاتا ہے، لیکن اس مسئلہ پر کرونا میت کے لفافہ پر پانی بہانے سے غسل ہوجانے کا قیاس درست نہیں ہے، کیونکہ پٹی پر مسح دراصل اس کے نیچے غسل ہی کے درجہ میں مانا گیا ہے، کیونکہ بدن پر جب پانی بہانا متعذر ہوجاتا ہے تو غسل سے مسح کی طرف لوٹنے کا حکم ہے، اور کرونا میت کے لئے غسل اور مسح (تیمّم) دونوں متعذر ہوچکا ہے اور جب مسح بھی متعذر ہوچکا تو مسح سے غسل کی طرف لوٹنا شریعت میں ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ قائم مقام سے اصل کی طرف لوٹا جائے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے،"تحفۃ الاخیار" میں ہے:"**ويترک المسح كالغسل أى يترک المسح على الجبيرة كما يترک الغسل لما الغسل لما تحتها......أو إنما تركه؛ لأنه العجز عن المسح يستلزم العجز عن الغسل**"(تحفۃ الاختیار علی الدرالمختار للحلبی ص ۱۸۱)(اور (عذر کے وقت) مسح کو ترک کردیا جائے گا جس طرح غسل کو ترک کردیا جاتا ہے یعنی جس طرح پٹی کے نیچے دھونے کو چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح (عذر کے وقت) پٹی پر مسح کو بھی ترک کرنا جائز ہے او یہ غسل کو ترک کرنا اس لئے جائز ہے کیونکہ مسح سے عاجزی غسل سے عاجزی کو مستلزم ہے)۔

الغرض جب کرونا میت کے لفافہ سے چہرہ اور ہاتھ بھی کھولنا متعذر رہوجائے تو تیمّم بھی ساقط ہوجاتا ہے اور جب تیمّم ساقط ہو چکا ہو تو غسل بدرجہ اولی ساقط ہوجائے گا۔ اس کے لفافہ کے اوپر سے پانی بہانے سے غسل کا فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے جب کرونا میت سے غسل اور تیمّم دونوں ساقط ہوجائے تو بلا غسل و بلا تیمّم اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، جس طرح شہید فی سبیل اللہ کا حکم ہے۔

اختیار کے وقت کرونا میت کو سنت کے مطابق کفن دیا جائے:

اسی طرح جب کرونا میت کو لفافہ میں پیک کر اولیاء میت کے حوالہ کر دیا جائے اور اس کے کفن کی سنت مقدار پوری نہیں کی گئی ہے تو اس کے لفافہ کے اوپر سے سنت کے مطابق کفن کا اضافہ کیا جائے گا، چنانچہ اگر میت کو صرف ایک لفافہ میں پیک کر کے حوالہ کیا گیا ہے تو اس کے کفن کے طور پر دو کپڑے کا اضافہ کیا جائے گا اور اگر میت کے اوپر دو لفافے ڈالے گئے ہوں تو ایک کپڑے کا اضافہ کیا جائے گا، اس طرح سے مرد کے لئے کفن کے تین کپڑے مکمل ہوجائیں گے، اور اگر میت عورت ہے تو سر بند اور سینہ بند کے طور پر کپڑے کے دو ٹکڑے کا اضافہ کر دیا جائے گا، کفن میں تکمیل کے لئے کورونا میت کا یہ حکم شہید فی سبیل اللہ کے حکم کے درجہ میں ہے، چنانچہ شہید کے بدن کے کپڑے اگر سنت کفن سے کم ہے تو اس میں اضافہ کیا جائے گا اور اگر سنت کفن سے زیادہ کپڑے ان کے بدن پر ہے تو زائد ہے تو زائد کپڑے کو اتار دیا جائے گا، بدائع الصنائع میں ہے: ”ویزیدون فی أکفانھم ماشاء وا وینقصون ماشاؤ لما روی أن حمزۃؓ کان علیه نمرۃ لو غطی رأسه بھا بدت رجلاہ ولوغطت بھا رجلاہ بدأ رأسه فأمررسول اللہ ﷺ أن یغطی بھا رأسه ویوضع علی رجله شئ من الإذخر (لکن المعروف أن ذلک کان مع سیدنامصعب بن عمیرؓ) و ذلک زیادۃ فی الکفن“ (بدائع الصنائع ۲/ ۳۷) (اور شہداء کے کفن میں جتنا چاہیں اضافہ کریں اور جتنا چاہیں کم کریں جیسے مروی ہے کہ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے موقع پر ان کے بدن پر صرف ایک چادر تھی اس سے جب ان کے سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتا اور جب ان کے پاؤں کو ڈھانکا جاتا تو سر کھل جاتا تو اللہ کے ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے سر کو ڈھانک دیا جائے اور پاؤں پر اذخر گھاس رکھ دیا جائے (یہ واقعہ دراصل حضرت مصعب بن عمیرؓ کا ہے، محشی) اور یہ ایک طرح سے کفن میں اضافہ کرنا ہے)۔

اسی طرح عالمگیری میں ہے: ”ویزاد حتی یتم الکفن وینقص إن کان زیادۃ علی سنة الکفن، کذا فی الکافی“ (عالمگیری ۱/ ۱۶۸) (شہید کے کفن میں اضافہ کیا جاسکتا ہے، تاکہ سنت کے مطابق کفن مکمل ہوجائے اور اگر بدن پر سنت سے زائد کپڑے ہوں تو کم بھی کئے جاسکتے ہیں)۔

خلاصہ کلام یہ کہ کرونا میت کو جب لفافہ میں پیک کر کے اولیاء میت کے حوالے کیا جائے اور اس کے لفافہ کی مقدار

سنت کفن سے کم ہو تو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مزید کپڑے کا اضافہ کیا جائے گا اور اگر کرونا میت اولیاء میت کے حوالہ نہ کیا جائے، جیسا کہ عام طور پر طبی عملہ خود ہی میت کو قبرستان لے جاتا ہے اور میت کے قریب ہونے کی بھی کسی کو اجازت نہیں دیا تو اس صورت میں جس لفافہ میں میت کو پیک گیا ہے وہ ایک یا دو لفافہ کو ہی کفن مان لیا جائے گا اور عام حالات میں بعض مجبوری کی صورت میں ایک کپڑا بھی کفن کے لئے کافی ہوجاتا ہے، جیسے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے کفن کے ساتھ معاملہ پیش آیا ہے، ''ہندیہ'' میں اس مسئلہ کی اس طرح وضاحت ہے، **"ویکرہ الاقتصار علی ثوبین لها، وکذا للرجل علی ثوب واحد إلا للضرورۃ، کذا فی العینی شرح الکنز"** (ہندیہ ۱/۱۶۰) (عورت میت کے لئے دو کپڑے کفن دینے پر اکتفا کرنا مکروہ ہے، اسی طرح مرد میت کو ایک کپڑے دے کر اکتفا کرنا مکروہ ہے، مگر ضرورت کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے)۔

کرونا میت پر نماز جنازہ کا مسئلہ:

جب کرونا میت اولیاء میت کے حوالہ کر دیا جائے تو مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ اس کے غسل اور کفن دینے کے احکام پر عمل کرتے ہوئے سنت کے مطابق جنازہ کی نماز اور دفن کے طریقہ کو اختیار کیا جائے گا، کیونکہ ہر مسلمان میت پر جنازہ کی نماز اور سنت کے مطابق اس کی تدفین عام مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے، ''بدائع الصنائع'' میں ہے: **"فالدلیل علی فرضیتها ما روی عن النبی ﷺ أنه قال: "صلوا علی کل بر وفاجر"، وروی عنه ﷺ أنه قال: للمسلم علی المسلم ست حقوق، وذکر من جملتها، أنه یصلی علی جنازته، وکلمة علی للایجاب"** (بدائع الصنائع ۲/۴۶) (نماز جنازہ کی فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہر نیک اور برے مسلمان پر نماز جنازہ پڑھو اور مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں ان میں نماز جنازہ کا بھی ذکر کیا، یہاں پر کلمہ 'علی' ایجاب کے معنی کو بتاتا ہے)۔

اور دفن سے متعلق دلیل تو یہی کافی ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر اب تک سنت متوارثہ کے طور پر یہ سلسلہ جاری ہے، **"فالدلیل علی وجوبه توارث الناس من لدن آدم ﷺ إلی یومنا، هذا مع النکیر علی تارکه، وذا دلیل الوجوب"** (بدائع الصنائع ۲/۶۰) (مسلمان میت کو دفن کرنا واجب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک سنت متوارثہ کے طور پر یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے اور میت کی تدفین نہ کرنے والوں پر شریعت میں نکیر بھی آئی ہے جو اس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہے)۔

اور جب کرونا میت کو اولیاء میت کے حوالہ نہ کیا جائے، بلکہ اس پر نماز جنازہ پڑھنے اور سنت کے مطابق دفن کرنے

کا موقع بھی نہ دیا جائے تو اس کی دوصورت ہوگی۔

ایک صورت تو یہ ہوگی کہ میت کو طبی عملہ نے ہی دفن کر دیا ہو اور اس کا قبر کا پتہ اولیاء میت کو دے دیا ہو، اور دوسری صورت یہ ہوگی کہ طبی عملہ نے دفن کرنے کے بعد اس کی قبر اور قبرستان کی اطلاع بھی نہ دیا ہو تو ان دونوں صورت میں نماز جنازہ کی تفصیل یہ ہے۔

بغیر نماز جنازہ کے مدفون کرونا میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے:

عام حالات میں تو یہ حکم ہے کہ اگر کسی میت کو نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو جب تک میت کے پھولنے اور پھٹنے کا ظن ظالب نہ ہو اس وقت تک اس میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی،'' درمختار'' میں ہے:''**(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلوة) أوبها بلا غسل (صلى على قبره) استحسانا (مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير وهو الأصح**''(الدرالمختار مع الرد ۳/ ۱۲۵، زکریا) (اگر کسی میت کو نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو یا غسل دیئے بغیر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی (یہ حکم استحسانا ہے) جب تک اس کے پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو یہ اصح قول ہے اس کے لئے (دن اور وقت کی) کوئی تحدید نہیں ہے)۔

اسی مسئلہ کے مطابق کرونا میت کا بھی حکم ہوگا کہ جب اس میت کو نما جنازہ کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو جب تک اس کے پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو اس وقت تک اس کی قبر پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، یعنی اس کی قبر کو سامنے رکھ کر صف بندی کی جائے گی اور نماز جنازہ کا فریضہ ادا کیا جائے گا، کیونکہ میت کے دفن کرنے کے بعد بھی اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا خود اللہ کے نبی ﷺ سے ثابت ہے، حدیث شریف ہے:''**عن الشعبي قال: اخبرني مع مرمع النبي ﷺ على قبر منبوذ، فأمهم، وصلوا خلفه**''(صحیح البخاری ۱/، حدیث نمبر: ۱۳۳۶) (حضرت شعبیؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک صحابی نے خبر دی ہے جو اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ ایک الگ تھلگ قبر کے پاس سے گزرے تھے تو اللہ کے نبی ﷺ نے وہاں موجود لوگوں کی امامت کی اور ان لوگوں نے اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی)۔

ایک حدیث یہ بھی ہے:''**عن جابر أن النبي ﷺ صلى على قبر امرأة بعد مادفنت**''(سنن النسائی حدیث نمبر: ۲۰۲۷) (حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک عورت کی تدفین کے بعد اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے)۔

ایک حدیث میں اس طرح یہ مسئلہ ہے:''**عن أبي هريرة أن امرأة سوداء أو رجلا كان يقم المسجد، ففقده النبي ﷺ فسأل عنه، فقيل: مات، فقال: ألاأذنتموني، قال: دلوني على قبره مذلّوه فصلى**

علیه"(سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۳۲۰۳)(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک کالی عورت یا ایک مرد مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، اللہ کے نبی ﷺ نے ایک مرتبہ اسکو غیر حاضر پایا تو صحابہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ مر چکا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے مجھے کیوں نہیں خبر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی قبر کی طرف رہنمائی کرو، صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو اس کی قبر کی رہنمائی کی پھر آپ ﷺ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی)۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کرونا میت کی قبر پر بھی نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے، البتہ اس کے لئے دو شرط یہ ہے کہ ایک میت کے پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس میت پر اس کے ولی نے نماز نہ پڑھی ہو۔

پہلی شرط کی تفصیل یہ ہے کہ میت جب تک پھٹی ہوا نہ ہو اس وقت تک نماز جنازہ پڑھنا درست ہے اور جب میت کے پھٹنے کا ظن غالب ہو جائے تو اس پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ شریعت نے میت کے بدن کے سالم ہونے کی حالت میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور جب میت کا بدن پھٹ چکا تو اب میت کا جسم بھی باقی نہیں رہا بلکہ اب وہ تو ناپاکی کا ڈھیر ہو گیا ہے، اس لئے اب اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکتی، صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں: "**وقيده بعدم التفسخ لأنه لا يصلى عليه بعد التفسخ، لأن الصلوة شرعت على بدن الميت، فإذا تفسخ لم يبق بدنه قائما**"(البحر الرائق ۲/ ۲۳۰)(قبر پر نماز کے لئے میت کے نہ پھٹنے کی قید اس لئے لگایا ہے کہ میت کے پھٹنے کے بعد اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ نماز جنازہ میت کے بدن پر پڑھی جاتی ہے اور جب میت کا بدن پھٹ گیا تو اس کا بدن صحیح سالم نہیں رہا) اس لئے اب اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی)۔

البتہ فقہاء نے میت کے پھٹنے کے لئے کوئی دن یا وقت کی تحدید حتمی طور پر نہیں کیا ہے، کیونکہ میت کا بدن، دفن کرنے کی جگہ اور موسم مختلف ہوتا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات میت کا بدن کبھی بہت جلد خراب ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے بدن کے خراب ہونے میں کئی کئی دن بلکہ کئی مہینے لگ جاتے ہیں، بلکہ بعض میت کا بدن تو ایک زمانہ تک صحیح سالم رہتا ہے، اس لئے ایسے موقع پر غور و فکر کر کے ظن غالب اور رجحان کو دلیل بناتے ہوئے نماز جنازہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا جائے گا، صاحب "بحر الرائق" لکھتے ہیں: "**وإنما كان هذا هو الأصح لأنه يختلف باختلاف الأوقات فى الحر والبرد وباختلاف حال الميت فى السمن والهزال وباختلاف الأمكنة، فيحكم فيه غالب الرأى**" (البحر الرائق ۲/ ۳۲۰ بیروت)(میت کے پھٹنے میں ظن غالب کا اعتبار کرنا اس لئے اصح ہے کہ سردی اور گرمی کے اختلاف کی وجہ سے میت کے بدن کے پھٹنے میں تقدیم و تاخیر ہوتی ہے، اسی طرح میت کے دبلے اور پتلے ہونے اور جگہوں کے اختلاف کی

وجہ سے بھی میت کے بدن کے خراب ہونے میں تقدیم وتاخیر ہوتی ہے، اس لئے اس معاملہ میں ظن غالب کے ذریعہ ہی فیصلہ کیا جائے گا۔

بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرونا میت کو جب بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کر دیا گیا ہو تو اس کے پھٹنے سے پہلے پہلے نماز جنازہ اس کی قبر پر پڑھی جائے گی اور اس پھٹنے اور بدن کے خراب ہونے میں ظن غالب کا اعتبار ہوگا۔

دوسری شرط کی تفصیل یہ ہے کہ جب کرونا میت کو جنازہ کی نماز کے بغیر دفن کر دیا گیا تو عام مسلمانوں کو اور خاص طور پر اس کے ولی کو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حق ہوگا بلکہ یہ حکم ہر اس میت کا ہے جس کو نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو یا ولی میت کے بغیر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا ہو تو ولی میت اور اس کے ساتھ چند لوگوں کو میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہوگی، ''درمختار'' میں ہے: ''**(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلوة)أوبها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلى على قبره) استحسانا (مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير هو الأصح**'' (الدر المختار علی رد المحتار ۳/ ۱۲۵) (اگر میت کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا اور اس پر مٹی بھی ڈال دی گئی یا بلا غسل نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا یا ان لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی جن کو جنازہ پر ولایت حاصل نہیں ہے تو اس میت کی قبر پر اس وقت تک نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب تک کہ میت کے پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو اس کے لئے اصح قول کے مطابق دنوں کی تحدید نہیں کی جائے گی۔

ولی جنازہ جب میت پر نماز جنازہ ادا کرلے تو اب اس میت کی قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، شامی میں ہے: ''**فإن صلى غير الولي أو السلطان أعاد الولي، لأن الحق للاولياء، وإن صلى الولي لم يجز لاحد ان يصلي بعده**'' (رد المحتار ۳/ ۱۲۴) (ولی جنازہ یا حاکم کے بغیر اگر نماز جنازہ پڑھ لی گئی تو ولی کو نماز جنازہ لوٹانے کا حق ہوگا، کیونکہ نماز جنازہ کا حق میت کے ولی کو ہے اور اگر ولی نے نماز جنازہ ادا کرلیا تو پھر اس کے بعد اور کسی کو اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے)۔

الغرض قبر پر نماز جنازہ جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میت پر میت کے ولی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اور جنازہ کو دفن کئے زیادہ دن نہ گذرا ہوا ہو تو اس سے متعلق ابن رشد نے اس شرط پر تمام ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے، ''**واتفق القائلون بإجازة الصلوة على القبر أن من شرطه ذلک حدوث الدفن واختلفوا فى هذه المدة وأكثرها شهر**'' (بدایۃ المجتہد لامام ابن رشد الاندلسی ۱/ ۱۷۳) (جنہوں نے قبر پر نماز جنازہ کو جائز کہا ہے ان کا اس شرط پر اتفاق ہے کہ میت کی تدفین تازہ ہو، البتہ اس کی مدت میں اختلاف ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار ایک مہینہ ہے)۔

ایک مہینہ کی مقدار کو زیادہ سے زیادہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے جبکہ اس کی تدفین کو ایک مہینہ ہو چکا تھا، حدیث شریف میں ہے: "وعن سعید بن المسیب أن أم سعد ماتت والنبی ﷺ غائب، فلما قدم صلی علیہا، وقد مضی لذلک شهر" (سنن الترمذی حدیث نمبر:۱۰۳۸) (حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی غیر موجودگی میں ام سعدؓ کا انتقال ہو گیا تھا جب حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جبکہ ان کے انتقال کو ایک مہینہ گذر چکا تھا)۔

کرونا میت پر غائبانہ نماز جنازہ کا مسئلہ:

جب میت کی موجودگی میں اس پر نماز جنازہ پڑھ لی گئی تو اس میت پر غائبانہ نماز پڑھنا احناف اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، البتہ شوافع اور حنابلہ اس کے جواز کے قائل ہیں، صاحب درمختار لکھتے ہیں: "وشرطها أیضا حضوره ووضعه وکونه هو أوأکثره أمام المصلی وکونه للقبلة لا تصح علی غائب" (الدرالمختار علی ردالمحتار ۳/۱۰۴) (نماز جنازہ کی صحت کے لئے شرط یہ بھی ہے کہ جنازہ موجود ہو اور زمین وغیرہ پر رکھا ہوا ہو اور مکمل جنازہ یا اس کا اکثر حصہ نمازی کے آگے ہو اور وہ جنازہ نمازی کے قبلہ کی جانب ہو اس لئے غیر موجود میت پر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح صاحب "فتح القدیر" لکھتے ہیں: "شروط صحتها اسلام المیت وطهارته ووضعه أمام المصلی، فلهذا القید لاتجوز علی الغائب" (فتح القدیر ۲/۸۰) (نماز جنازہ کی صحت کے شرائط میں سے میت کا مسلمان ہونا، میت کا پاک ہونا اور نمازی کے آگے میت ہونا ہے اسی قید کی وجہ سے غائب میت پر نماز جنازہ جائز نہیں ہے، مذکورہ بالا حکم تو اس میت کا جس کی موجودگی میں کوئی نہ کوئی مسلمان نماز جنازہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد میت کی غیر موجودگی میں نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے جب میت پر نماز جنازہ پڑھ لیا تو اس میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا فریضہ ادا ہو گیا، اس لئے اس میت کے لئے اب غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہوگی۔

لیکن جس مسلمان میت پر سرے سے نماز جنازہ پڑھی ہی نہیں گئی اور بلا نماز جنازہ اسے دفن کر دیا گیا تو وہ مسلمان میت ابھی نماز جنازہ کا حقدار ہے، ابھی اس کا حق باقی ہے، کیونکہ ہر مسلمان میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا حق زندہ لوگوں پر ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے: "إن أباهریرةؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: حق المسلم علی المسلم خمس، ردالسلام وعیادة المریض واتباع الجنائز وإجابة الدعوة وتشمیت العاطس" (صحیح البخاری حدیث نمبر:۱۲۴۰) (حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازہ میں شریک

ہونا، دعوت قبول کرنا، چھینکنے والے کے الحمدللہ کہنے پر یرحمک اللہ سے جواب دینا)۔

اس عمومی حکم سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ جب کرونا میت کو بلانماز جنازہ دفن کردیا گیا ہواوراس کی قبراور قبرستان کا پتہ بھی نہ ہوتو چند مسلمانوں کواس میت کے لئے غائبانہ طور پرنماز جنازہ پڑھنا چاہئے تاکہ اس مسلمان میت کا حق کسی نہ کسی درجہ میں ادا ہوجائے اور چونکہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت اصحمہ شاہ حبشہ (نجاشی) پرغائبانہ نماز پڑھی ہے اگرچہ ائمہ حنفیہ نے اس حدیث کی مختلف تاویلات کی ہیں لیکن فی نفسہ اس حدیث سے اتنی بات ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ چونکہ نجاشی کونماز جنازہ کے بغیر دفن کیا گیا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز پڑھائی تھی، اگر نجاشی کے انتقال کے علاقہ میں مسلمان ہوتے اوراس پر وہاں کے مسلمان نماز جنازہ پڑھ لیتے تو پھر رسول اللہ ﷺ اس پر بھی غائبانہ نماز نہیں پڑھاتے، جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں میدان جہاد میں بہت سے صحاب کرام کی شہادت ہوئی تھی اور وہاں موجود صحابہ کرام نے ان پرنماز جنازہ ادا کی اس لئے ان شہداء پر غائبانہ طور پرنماز جنازہ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ادانہیں کی، اس لئے شاہ حبشہ پر نبی کریم ﷺ کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جب کرونا میت کونماز جنازہ کے بغیر دفن کردیا گیا ہواوراس کی قبر کا پتہ نہ ہوتواس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور عام حالات میں غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز کے حکم سے مذکورہ کرونا میت کا حکم مختلف ہوگا۔

اس سلسلے میں علامہ ابن قیم جوزیؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کا قول نقل کرتے ہوئے مذکورہ نظریہ کو ثابت کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:"**قال شیخ الاسلام ابن تیمیه الصواب أن الغائب إن مات ببلدلم یصل علیه فیه صلی علیه صلوة الغائب، کما صلی النبی ﷺ علی النجاشی لانه مات بین الکفار ولم یصل علیه، وإن صلی علیه حیث مات لم یصل علیه صلوة الغائب، لأن الفرض قد سقط بصلوة المسلمین علیه**"(زاد المعاد ص ۱۷۱ طبع بیروت)(علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: درست بات یہ ہے کہ اگر غائب کی موت ایسے علاقے میں ہوئی ہے جہاں اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تواس میت پر غائبانہ طور پرنماز جنازہ پڑھی جائے گی، جیسے اللہ کے نبی ﷺ نے نجاشی پرنماز جنازہ پڑھی تھی کیونکہ نجاشی کا انتقال کفار کے درمیان ہوا تھا اور وہاں اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی، اور اگر غائب پر نماز جنازہ پڑھی جاچکی ہے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے تو اب اس پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ اس پر مسلمانوں کی جانب سے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھ لینے کی وجہ سے فریضہ ادا ہو چکا ہے)۔

احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں میت امام کی طرح ہوتا ہے جس کو امام کے قبلہ رخ میں موجود ہونا شرط ہے، لیکن جب غائبانہ نماز پڑھی جائے گی تو یہ ضروری نہیں ہوگا کہ میت امام

کے قبلہ کی جانب ہی ہو، بلکہ یہ ممکن ہے کہ امام اور مقتدی کا رخ قبلہ کی جانب ہو اور وہ میت جس پر غائبانہ نماز پڑھی جارہی ہے وہ امام ومقتدی سے پیچھے یا دائیں یا بائیں سمت میں ہو تو ان تینوں صورتوں میں میت امام کے قبلہ کی جانب نہیں رہی اس لئے اس پر غائبانہ نماز جائز نہیں ہے، علامہ ابن الہمام اس کو اس طرح لکھتے ہیں:" **وشرط صحتها اسلام الميت وطهارته وصنعه أمام المصلي، فلهذا لقيد لاتجوز على الغائب**"(فتح القدیر ۲/۸۰) (نماز جنازہ کی صحت کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو میت پاک ہو اور وہ میت نمازی کے آگے رکھی گئی ہو اسی قید کی وجہ سے غیر موجود میت پر نماز جنازہ جائز نہیں ہے)۔

لیکن عام نماز کے شرائط میں سے استقبال قبلہ بھی ہے مگر عذر کے وقت صحت نماز کے لئے عین قبلہ کے استقبال کی شرط ساقط ہوجاتی ہے جیسے کسی شخص کے لئے جب جہت قبلہ مشتبہ ہوجائے اور کوئی شخص جہت قبلہ کو بتلانے والا بھی نہ ہو تو اس کو تحری کرکے نماز ادا کرنے کا حکم ہے جس میں کبھی جہت قبلہ کی درستگی ہوتی ہے اور کبھی درستگی نہیں ہوتی ہے لیکن نماز صحیح ہوجاتی ہے، درمختار میں ہے:" **(ويتحرى عاجز عن معرفة القبله) بمامر(فإن ظهر خطئوه لم يعد) لما مر، وفي الشاميه، وهو كون الطاعة بحسب الطاقة**"(الدرالمختار مع الشامیہ ۲/۱۱۵-۱۱۶) (جو شخص جہت قبلہ معلوم کرنے سے عاجز ہوجائے تو وہ تحری کرے گا، یہ بات گذر چکی ہے پھر اگر جہت قبلہ میں غلطی ظاہر ہوگئی (اور نماز پڑھی جاچکی ہے) تو اس نماز کا اعادہ نہیں ہے، دلیل گذر چکی ہے، یعنی طاقت کے بقدر عبادت کا حکم ہے)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استقبال قبلہ جیسی اہم شرط جب عذر کے وقت ساقط ہوجاتی ہے تو غائبانہ نماز جنازہ میں بھی عذر کے وقت میت کا مصلی کے آگے ہونے کی شرط بھی ساقط ہوجائے گی اور جس کرونا میت کو نماز جنازہ کے بغیر دفن کردیا گیا ہو اور اس کی قبر کا بالکل پتہ نہ ہو تو اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا شرعا درست ہے۔

☆☆☆

کرونا سے پیدا ہونے والے بعض نئے مسائل

مفتی امانت علی قاسمی☆

کرونا کے ماحول میں مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم:

امام احمدؒ اور امام اسحاق بلا کراہت مسجد میں جماعت ثانیہ کی اجازت دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ جماعت ثانیہ کو ناجائز کہتے ہیں، گویا جمہور کے نزدیک جماعت ثانیہ درست نہیں ہے، البتہ حنفیہ کے مسلک کی تفصیل یہ ہے کہ جن کی جماعت چھوٹ گئی ہو وہ گھر میں لوگوں کو جمع کر کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں، یا دوسری مسجد میں جماعت تلاش کرے مل جائے تو ٹھیک ہے، باقی اپنی مسجد میں اگر پڑھنا چاہیں تو تنہا نماز پڑھیں، جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں، چاہے اذان واقامت کے ساتھ جماعت کریں یا بلا اذان واقامت کے جماعت کریں۔ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ جماعت ثانیہ، اگر پہلی جماعت کی ہیئت کے خلاف ہو اور ہیئت اولی کے خلاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بلا اذان واقامت کے ہو، محراب کے علاوہ ہو تو جماعت ثانیہ جائز ہے، صاحب ''بدائع'' نے امام محمدؒ کا مسلک ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک تداعی کے ساتھ جماعت ثانیہ ناجائز ہے، بلا تداعی جماعت ثانیہ جائز ہے، لیکن امام صاحب کے یہاں بالکل گنجائش نہیں ہے۔

امام شافعیؒ 'کتاب الأم' میں لکھتے ہیں: کہ ایک بار جماعت ہونے کے بعد دوبارہ جماعت کی ہم ہرگز اجازت نہیں دے سکتے ہیں؛ ہاں اگر کوئی شخص دوبارہ جماعت کرلے تو ہم اس کی نماز کو صحیح کہیں گے، وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جماعت ثانیہ سلف سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ بہت سے سلف نے جماعت ثانیہ پر انکار کیا ہے؛ اس لئے جماعت ثانیہ کی مذہب میں گنجائش نہیں۔

امام مالک فرماتے ہیں: کہ جس محلے کی مسجد میں اذان ہوگئی اور وہاں کے امام نے ایک بار جماعت کے ساتھ نماز پڑھادی ہو تو جن لوگوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے وہ تنہا تنہا نماز پڑھ لیں، ہم جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں

☆ استاذ و مفتی دار العلوم وقف۔

دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک جماعت ثانیہ درست نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے، یہ اس مسجد کے بارے میں ہے جس کا امام، مؤذن اور مصلی متعین ہو یعنی آبادی کی مسجد کے بارے میں ہے، مسجد سوق جہاں امام مؤذن متعین نہ ہو تو ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے، ایک دوسری قید یہ بھی ہے کہ وہ جماعت ثانیہ ممنوع ہے جس میں امام کی نماز بھی فرض ہو اور مقتدی کی نماز بھی فرض ہو اگر مقتدی کی نماز نفل ہے تو وہ جماعت ثانیہ ممنوع نہیں ہے۔

امام احمد کے دلائل:

امام احمدؒ کے دلائل میں ایک دلیل ترمذی کی روایت ہے جس کو حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جماعت ہونے کے بعد ایک شخص مسجد نبوی میں آیا اور وہ تنہا نماز پڑھنے لگا تو نبی کریم ﷺ نے حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی ہے جو اس کی اقتداء کر کے اس کو فائدہ پہنچادے، اس کے ثواب میں اضافہ کردے تو حاضرین میں ایک شخص کھڑے ہوئے جیسا کہ بیہقی میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لی، امام احمدؒ کہتے ہیں کہ دیکھو جماعت ثانیہ ہو رہی ہے۔

امام احمدؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ بخاری نے فضیلت جماعت کے سلسلہ میں 'ترجمۃ الباب' میں تعلیقا حضرت انسؓ کا عمل نقل کیا ہے، مسند ابو یعلی اور بیہقی میں یہ روایت موصولا بھی مذکور ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت انسؓ ایک مسجد میں آئے جس میں جماعت ہو چکی تھی تو انہوں نے تین غلاموں کو جمع کیا اور اذان واقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ ادا کی، اگر جماعت ثانیہ ناجائز ہوتی تو کیسے حضرت انسؓ یہ عمل کرتے۔

تیسری دلیل: مصنف ابن شیبہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا عمل ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جماعت ہونے کے بعد مسجد میں آئے اور انہوں نے اسود، علقمہ اور مسروق تینوں شاگردوں کو جمع کر کے جماعت کیا اگر جماعت ثانیہ ناجائز ہوتی تو عبداللہ بن مسعودؓ کیسے جماعت ثانیہ کرتے۔

جمہور کے دلائل:

۱-طبرانی میں روایت ہے کہ حضور ﷺ کسی ضرورت سے عوالی مدینہ تشریف لے گئے تھے جب آپ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد نبوی میں نماز ہو چکی تھی تو آپ گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو جمع کر کے جماعت سے نماز ادا کی، اگر جماعت ثانیہ کی اجازت ہوتی تو نبی کریم ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کو چھوڑ کر گھر میں نماز نہ پڑھتے، اپنے اہل کو مسجد نبوی لاکر جماعت ثانیہ کرتے، کیونکہ حضور ﷺ کا عمل امت کے لئے نمونہ ہوتا ہے اگر جماعت ثانیہ کی اجازت ہوتی تو آپ مسجد میں جماعت کرتے تاکہ امت کے لئے نمونہ بن جائے۔

۲-مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حسن بصری کا مقولہ ہے فرماتے ہیں: صحابہ کا معمول یہ تھا کہ اگر جماعت چھوٹ جاتی تو صحابہ تنہا نماز پڑھتے تھے، جماعت نہیں کرتے تھے، ظاہر ہے کہ جماعت کی نماز کی بڑی فضیلت ہے اگر دوبارہ جماعت کی گنجائش ہوتی تو کیا صحابہ جماعت کی فضیلت کو چھوڑ دیتے۔

۳-سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ میں نماز قائم کرادوں اور جولوگ بلاعذر کے جماعت میں نہیں آتے ہیں ان کے گھروں کو آگ لگادوں اگر جماعت ثانیہ کی گنجائش ہوتی تو جولوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے ان کے لئے عذر تھا کہ وہ کہہ دیتے کہ حضور میں دوسری جماعت میں شریک ہوجاؤں گا۔

۴-جماعت کے ساتھ نماز مشروع کرنے کی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتفاق واتحاد قائم ہو، الفت ومحبت قائم ہو، اتحاد کی مصلحت کے پیش نظر جماعت مشروع ہوئی ہے اگر جماعت ثانیہ کی اجازت دے دی جاتی تو ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو امام راتب سے اختلاف ہوگا وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہیں گے اور جماعت کے ختم ہونے کا وہ انتظار کریں گے اور جماعت کے ختم ہونے کے بعد وہ مخالفین کو لے کر جماعت ثانیہ کریں گے اس سے اختلاف اور انتشار کی بنیاد پڑ جائے گی اور شریعت کا مزاج پارہ پارہ ہوجائے گا، گویا کہ جماعت ثانیہ جماعت کی روح اور اس کے منشاء کے خلاف ہے؛ اس لئے شریعت نے جماعت ثانیہ کا دروازہ بند کردیا اور ایک جماعت کی ترغیب دی تاکہ جماعت کی روح باقی رہ جائے۔

"أن رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الأنصار فرجع وقد صلى في المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ في منزل بعض أهله، فجمع أهله فصلى بهم جماعة، ولولم يكره تكرار الجماعة في المسجد لصلى فيه، وروي عن أنس 'أن أصحاب رسول الله ﷺ كانوا إذا فاتتهم الجماعة فى المسجد صلوا في المسجد فرادى ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر،وإلاتأخروا، اه، بدائع، وحينئذ فلودخل جماعة المسجد بعد ماصلى أهله فيه، فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية ظهيرية، وفي آخر شرح المنية:وعن أبى حنيفة لو كانت الجماعة أكثر من ثلاثة يكره التكرار، وإلا فلا، وعن أبى يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا فى البزازية "(فتاوی شامی ۱/ ۳۹۵)۔

اس لئے عام حالات میں یہی حکم ہے کہ ایک مسجد میں بار بار جماعت کرنے سے گریز کیا جائے، ایک جماعت

ہوجانے کے بعد دوسری جماعت کے لئے مسجد کے علاوہ جگہ متعین کرلی جائے، مثلاً جمعہ میں مسجد کے چھوٹی ہونے کی وجہ سے تمام لوگ مسجد کی نماز میں شریک نہیں ہوسکتے ہیں تو دوسری جگہ مثلاً مدرسہ، شادی ہال وغیرہ کا انتخاب کرلیا جائے اور وہاں پر دوسری جماعت کی جائے۔

موجودہ حالات میں جماعت ثانیہ کا حکم:

اوپر کی تحریر سے صاف ہوجاتا ہے کہ عام حالات میں جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں ہے، اور یہ جمہور کا مسلک ہے، لیکن ظاہر ہے کہ حالات کے بدلنے سے حکم بدلتا ہے اور شریعت میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جماعت ثانیہ کی ممانعت کی اصل علت اجتماعیت کا اظہار ہے، میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں اجتماعیت کا اظہار اسی میں ہے کہ متعدد جماعت کی جائے تا کہ اجتماعیت کا مظاہرہ بھی ہو اور لوگوں کا رشتہ مسجد کی جماعت کے ساتھ قائم رہے، اگر اس طرح کے ناگفتہ بہ حالات میں جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں دی جائے گی تو بہت سے لوگ جماعت سے اور بہت سے لوگ نماز سے ہی محروم ہوجائیں گے۔

موجودہ حالات میں، جبکہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے ایک ساتھ تمام لوگون کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، یا سماجی دوری کی وجہ سے تمام افراد ایک ساتھ نہیں آسکتے ہیں تو ایسی صورت میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے جماعت ثانیہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جماعت ثانیہ کی صورت میں امام ابو یوسفؒ نے جو شرطیں طے کیں ہیں ان کی رعایت کی جائے گی۔

غور کیا جائے تو شریعت کا منشاء جمعہ و جماعت سے اجتماعیت اور اتحاد کا مظاہرہ ہے، اسی لئے حکم ہے کہ شہر کی ایک جامع مسجد میں تمام حضرات جمعہ کی نماز پڑھیں، لیکن اگر وہ جامع مسجد میں لوگوں کے لئے ناکافی ہوجائے تو دوسری مسجدوں میں بھی فقہاء نے جمعہ پڑھنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح عذر کی بناء پر گھر میں جماعت کی اجازت ہے، مثلاً اگر بارش تیز ہو اور جماعت میں شامل ہونا ممکن نہ ہو تو گھر میں بھی جماعت کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، اس سے اجتماعیت متاثر نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر موجودہ حالات میں ملکی قوانین کی رعایت کرتے ہوئے دوسری جماعت بھی کرلی جائے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، تاہم عذر کے ختم ہونے کے بعد دوسری جماعت قائم کرنا بند کردیا جائے۔

مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے متعدد جمعہ قائم کرنا:

موجودہ حالات میں بڑے شہروں میں آبادی کی کثرت اور مسجد کی کمی کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں، اب مساجد کی تعمیر کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوگیا ہے اس کے بغیر بڑے شہروں میں مسجد تعمیر نہیں کرسکتے ہیں،

آبادی کی کثرت کی وجہ سے بسا اوقات کسی دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا ہے، بہت سے شہروں میں سڑکوں پر جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اب اس طرح نماز پر بھی پابندی عائد کی جارہی ہے، مسجدیں کافی دور دور ہیں، کئی شہروں میں ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ کئی کیلومیٹر تک کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے، اور نماز کے لئے کوئی ہال بک کرنا، یا کرایہ پر لینا بھی دشوار ہوتا ہے، اس کے اخراجات متحمل نہیں ہوتے ہیں، حکومتی پابندی کے مسائل الگ ہوتے ہیں، ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی اسی طرح کے مسائل پیدا ہورہے ہیں جہاں بظاہر جماعت ثانیہ کے علاوہ کسی صورت پر عمل ممکن نہیں ہوتا ہے، راقم الحروف نے خود ممبئی کے کئی علاقوں میں اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ وہاں ایک مسجد میں کئی کئی جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں اور ان کے پاس کوئی متبادل نہیں ہے، کھلے میدان میں نماز پڑھنا ہندوستان جیسے اقلیتی ممالک میں اب آسان نہیں رہ گیا ہے، اس لئے اس مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے ہمیں عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تعدد جمعہ کا نظام دیکھنا چاہئے، عہد صحابہ میں تو ایک شہر میں ایک ہی جمعہ قائم ہوتا تھا ایک سے زائد جمعہ نہیں ہوتا تھا اور حضرات صحابہ کئی کئی میل سے آکر جمعہ میں شریک ہوا کرتے تھے، مصنف ابن ابی شیبہ میں کئی روایتیں موجود ہیں۔

"عن أبيه: أن عبد الله بن رواحة، كان يأتي الجمعة ماشيئا فقلت لعبد الحميد: كم كان بين منزله وبين الجمعة؟ قال: ميلين" (مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کم توتو الجمعۃ ۱/۴۴۱ حدیث نمبر: ۵۰۸۵)، **"حدثنا حوشب بن عقيل العبدى، قال: سألت عطاء، من كم توتى الجمعة؟ قال: من سبعة أميال"** (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۵۰۸۷)، **"حدثني الوليد بن أبي الوليد، قال: رأيت أبا هريرة يأتي الجمعة من ذي الحليفة ماشيا"** (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۰۶)۔

حضرات فقہاء محدثین نے جمعہ کے تین مقاصد بیان کئے ہیں: شعائر کا اظہار، وعظ ونصیحت، مسلمانوں کے ساتھ آپسی ہمدردی وغم خواری اور ان تینوں کا تقاضا ہے کہ شہر میں صرف ایک جگہ جمعہ قائم کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں اسی پر عمل رہا، تابعین کے زمانہ میں حضرت عطا نے ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ کی اجازت دی، لیکن اس پر بھی اس زمانہ میں اہل علم نے نکیر کیا، بعد میں متاخرین میں سے صاحب بدائع نے دو مسجدوں میں اقامت جمعہ کی اجازت دی۔

"الجمعة تجوز في موضعين في ظاهر الرواية وعليه الاعتماد، أنه تجوز في موضعين، ولا تجوز في أكثر من ذلک، فإنه روي عن عليؓ، أنه كان يخرج إلى الجبانة في العيد ويستخلف في

المصر من يصلي بضعفة الناس، وذلک بمحضر من الصحابةؓ، ولما جاز هذا فى صلاة العيد، فكذا فى صلاة الجمعة، لأنهما في اختصاصهما بالمصر سيان، ولأن الحرج يندفع، عند كثرة الزحام بموضعين غالبا، فلايجوز أكثر من ذلک، وما روى عن محمد بن الإطلاق في ثلاثة مواضع محمول على موضوع الحاجة والضرورة"(بدائع الصنائع ۱/۲۶۲)۔

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے مطلقا شہر کی متعدد مساجد میں اقامت جمعہ کی اجازت دی اور صاحب "بدائع" کے قول کو مرجوح قرار دیا۔

"وتؤدي في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب، وعليه الفتوى، انتهى وبين رحمه الله أن ما في "البدائع "قول مرجوح في المذهب"(ردالمحتار ۲/۱۴۶)۔

غور فرمائیں تو حضرات صحابہ کے زمانہ میں صرف ایک جگہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت تھی، دوسری جگہ نہیں اس لئے کہ اس زمانہ میں اس پر عمل کرنا ممکن تھا، بعد میں سب سے پہلے حضرت عطا نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ کی اجازت دی، اس کے بعد متاخرین فقہاء احناف نے دو مسجد میں، اس کے بعد مطلقا متعدد جگہوں میں اقامت جمعہ کی اجازت دی گئی، جبکہ ان تمام کے سامنے اسلام کا اجتماعی نظام، اور جمعہ کے وہ مقاصد موجود تھے، لیکن حالات اور زمانہ کی تبدیلی اور آبادی کی کثرت اور لوگوں کے ایک مسجد میں نہ سمانے کے عذر کے پیش نظر انہوں نے متعدد جگہوں پر جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی، اس تفصیل کو سامنے رکھ کر موجودہ حالات خاص کر اقلیتی ممالک میں مسلمانوں کو درپیش مشکلات کو سامنے رکھ کر اگر مسئلے کا حل تلاش کیا جائے تو آسانی سے مسئلہ کو حل کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اجتماعی نظام کی بھی رعایت کی جائے اور حالات ومقامات کی بھی رعایت کی جائے، اس لئے:

۱- پہلے تو لوگوں کو اس مسئلے سے واقف کرایا جائے کہ اسلام کے اجتماعی نظام کا تقاضا ہے کہ ایک مسجد میں ایک ہی جمعہ کی نماز ادا کی جائے اس سے اجتماعیت کا مظاہرہ ہوتا ہے، اور جماعت کی اہمیت برقرار رہتی ہے اگر کئی جماعتیں کی جائیں گی تو لوگ یہ سوچ کر سستی کریں گے کہ دوسری جماعت میں شریک ہوجائیں گے، اس طرح جماعت کی اسلام میں جو اہمیت ہے وہ ختم ہوجائے گی، ہاں اگر دوسری جماعت کی ضرورت ہو تو قریب میں اگر مدرسہ میں یا شادی خانہ، ہال یا میدان میں جہاں جمعہ کی دوسری جماعت کرنا ممکن ہو وہاں دوسری جماعت کی جائے۔

۲- اگر کوئی متبادل پر عمل کرنا ممکن نہ ہو، جیسا کہ بعض بڑے شہروں میں ایسا ہوتا ہے جبکہ عام شہروں میں اس کی

نوبت نہیں آتی ہے، لیکن بعض بڑے شہروں میں اس کا مشاہدہ ہے تو ایسی صورت میں مسجد میں ہی جمعہ کی دوسری جماعت کرنے کی گنجائش ہوگی، لیکن وہاں کے لوگوں کو چاہئے کہ اس کی جدوجہد جاری رکھیں کہ مسجد میں توسیع ہوجائے یا دوسری مسجد بن جائے یا کوئی ہال یا جماعت خانہ کا عارضی ہی سہی نظم ہوجائے تاکہ مسجد میں جماعت کے تکرار سے بچا جاسکے۔

یہاں اس مسئلہ پر بھی غور کرنا مناسب ہے کہ جماعت ثانیہ کی کراہت کی وجہ حضرات فقہاء نے تقلیل جماعت کو قرار دیا ہے جبکہ یہاں پر جماعت ثانیہ کی وجہ سے تقلیل جماعت کا مسئلہ پیدا نہیں ہورہا ہے، بلکہ لوگوں کی زیادہ جگہ کی تنگی اور متبادل کا نہ ہونے کی وجہ سے دوسری جماعت ہورہی ہے یہ وہ اعذار ہیں جو شریعت میں قابل قبول ہیں، ''کتاب النوازل'' میں اس طرح کا ایک سوال مذکور ہے جس میں برطانیہ کی صورتحال کے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ مساجد کی قلت، مجمع کی کثرت اور مسجد کے باہر نماز پڑھنے کی اجازت کے نہ ہونے کی وجہ سے عموماً ایک مرتبہ سارے مصلی حضرات نماز نہیں پڑھ پاتے ہیں، اس لئے دوسری جماعت کی جاتی ہے اس کے جواب میں مفتی سلمان پالنپوری صاحب نے لکھا کہ اگر عذر معقول ہو، جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو ایسی جگہوں پر تکرار جماعت کی گنجائش ہے، کیونکہ یہاں پر تکرار جماعت کے ممنوع ہونے کی اصل علت یعنی تقلیل جماعت نہیں پائی جارہی ہے (کتاب النوازل ۴/۵۲۰)۔

''إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنها لاتفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق؛ لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدي إلى تقليل الجماعات، وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله؛ لأنه لا يؤدي إلى تقليل الجماعة'' (بدائع الصنائع فصل بیان محل وجوب الاذان ۱/۱۵۳)۔

محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعت کرنا:

اس سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ اسلام میں نماز باجماعت کی اہمیت ہے اور نماز باجماعت میں بھی مسجد کی جماعت کی تاکید ہے، اس لئے حتی الامکان تو اسی کی کوشش کی جائے کہ مسجد میں ایک ہی جماعت قائم ہو اور تمام حضرات اسی ایک جماعت میں شریک ہوں، لیکن اگر اس پر عمل ممکن نہ ہو حکومتی پابندی کا سامنا ہو تو پھر ایسی صورت میں بہتر ہے کہ مسجد میں کئی جماعتیں کرلی جائے اور یہ حکم عارضی طور پر ہو عذر کے ختم ہونے کے بعد مسجد میں تکرار جماعت کا سلسلہ بند کردیا جائے یہ زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ جماعت سے نماز پڑھنا واجب اور مسجد میں جماعت کرنا یہ بھی واجب ہے، اگر گھر میں جماعت کی جائے تو اگرچہ جماعت کا اہتمام ہوجائے گا، لیکن دوسرا واجب چھوٹ جائے گا، چنانچہ ''اعلاء السنن'' میں ہے:

''قلت دلالته على الجزء الأول ظاهرة حيث بولغ في تهديد من تخلف عنها وحكم عليه

بالنفاق، ومثل هذا التهديد لا يكون إلا في ترك الواجب، ولا يخفى أن وجوب الجماعة لو كان مجردا عن حضور المسجد لما هم رسول الله ﷺ بإضرام البيوت على المتخلفين لاحتمال أنهم صلوها بالجماعة في بيوتهم؛فثبت أن إتيان المسجد أيضا واجب كوجوب الجماعة، فمن صلاها بجماعة في بيته أتى بواجب وترک واجبا آخر......وأما مايدل على وجوبها في المسجد، فإنهم اتفقوا على أن إجابة الأذان واجبة لما في عدم إجابتها من الوعيد'' (۱۸۶/۴،باب وجوب إتیان الجماعۃ فی المسجد عند عدم العلۃ، إدارۃ القرآن کراچی)۔

یہاں ایک خدشہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر مسجد میں جماعت کا تکرار ہوگا تو لوگوں کے دلوں سے جماعت ثانیہ کی کراہت ختم ہوجائے گی، اس لئے بہتر ہے کہ گھروں میں ہی جماعت سے نماز پڑھ لیں مسجد میں تکرار نہ کیا جائے، لیکن اس میں ایک دوسری خرابی ہے لوگوں کے دلوں میں یہ بیٹھنا چاہئے کہ نماز مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا ضروری ہے؛ لیکن اگر چند دن گھر میں جماعت بنا کر نماز پڑھیں گے تو دلوں سے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی جو اہمیت ہے وہ بھی کم ہوسکتی ہے، پھر عارضی احوال میں اگر علاقے میں کئی مساجد ہوں جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے، وہاں پر مجبوری میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس سے یہ خدشہ ہے کہ بعد میں ان مساجد میں جمعہ باقی رہ جائے گا اور لوگ بند کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے، جیسا کہ احوال واقعی ہے بہت سی جگہوں سے فتاوی بھی طلب کیا گیا کہ لاک ڈاؤن کی مجبوری کی وجہ سے دوسری تمام مساجد میں جمعہ قائم کیا گیا تھا، اب جبکہ حالات معمول پر آرہے ہیں تو کیا وہاں جمعہ بند کرنا چاہئے، جبکہ بعض حضرات بند کرنے پر راضی نہیں ہیں ظاہر ہے کہ ان مساجد میں بند کرنے کا ہی حکم دیا جائے گا، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ عارضی احوال ہیں اس میں اگر مسجد میں تکرار جماعت ہو یا گھر میں جماعت کا اہتمام ہو دونوں کی گنجائش ہے، محض خدشہ کی بنا پر عذر کی وجہ سے تکرار جماعت کو مکروہ نہیں کہا جائے گا۔

جولوگ جمعہ میں شریک نہ ہوسکیں وہ تنہا ظہر پڑھیں یا جماعت سے؟

جولوگ جمعہ میں شریک نہیں ہوسکتے ہیں حکومتی پابندی کی وجہ سے وہ اگر گھر پر جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہوں تو جماعت بنا کر گھر میں جمعہ کی نماز پڑھیں اور اگر جماعت بنانا ممکن نہ ہو تو تنہا ظہر کی نماز پڑھ لیں ان کے لئے ظہر کی جماعت بنانا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے جمعہ کی جماعت اور ظہر کی جماعت کا اجتماع لازم آئے گا، جبکہ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے کہ ایک ہی جگہ جمعہ بھی ہو اور جن کی جمعہ نہ ہو وہ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں، بلکہ اس کی نظیر ملتی ہے کہ جولوگ جمعہ میں شریک نہ ہوسکیں وہ تنہا ظہر کی نماز پڑھ لیں جیسا کہ قیدی اور بیمار حضرات کو حکم ہے کہ وہ جمعہ کی نماز ہوجانے کے بعد ظہر کی تنہا نماز ادا

کرلیں،حضرات فقہاء نے معذوریں اور قیدیوں کے لئے ظہر کی جماعت کومکروہ لکھا ہے، نیز جمعہ کی جماعت کے ساتھ ظہر کی بھی جماعت ہونے کی صورت میں معارضہ کی صورت پیدا ہوگی کہ ایک دینی شعار کے مقابلہ میں دوسرا دینی عمل انجام دیا جائے؛اس لئے بھی حضرات فقہاء نے جن مقامات پر جمعہ کی جماعت ہو وہاں ظہر کی جماعت کومکروہ قرار دیا ہے۔

”(وكره)تحريما(لمعذورومحسجون)ومسافر (أداء ظهر بجماعة في مصر) قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع، (وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولاإقامة ولاجماعة“(فتاوی شامی ۲/۱۵۷، دارالفکر بیروت)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: نماز ظہر کے سلسلہ میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: پہلی یہ کہ جب مسجد میں جمعہ کی نماز ہوجائے ،تب گھروں میں ظہر کی نماز ادا کی جائے، اگر اس سے پہلے ظہر کی نماز ادا کرلی تو یہ مکروہ ہے، بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی (تبیین الحقائق ۱/۲۲۲)، دوسرے جو لوگ گھروں پر ظہر کی نماز ادا کریں، ان کو انفرادی طور پر ظہر ادا کرنی چاہئے، نہ کہ جماعت سے، اس لئے کہ جمعہ کے احترام کا تقاضا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور جماعت نہ ہو، ایک تو ظہر کی جماعت سے شرکاء جمعہ کی تعداد کم ہوتی ہے، دوسرے معارضہ، یعنی ایک دینی شعار کے مقابلہ میں دوسرا عمل انجام دینے کی صورت بنتی ہے، اس لئے بعض مشائخ نے جمعہ کے دن ظہر کے ساتھ جماعت کومکروہ تحریمی اور بعض نے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، علامہ شامیؒ نے تفصیل سے اس کا ذکر فرمایا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۱۵۷)، نیز اس وقت لاک ڈاؤن یا کرفیو کی وجہ سے لوگوں کے گھروں کی حیثیت ان کے لئے قید خانہ کی سی ہوگئی ہے، اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ انسان قید میں ہو یا قید سے باہر، جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے (محیط برہانی ۲/۹۲)، اس لئے جمعہ کے دن گھروں میں ظہر (انفرادی طور پر) پڑھی جائے (وبائی صورت حال میں پیش آنیوالے چند اہم مسائل/انقلاب ایڈیشن ۱۷/اپریل ۲۰۲۰)۔

کرونا کی وجہ سے غسل اور تجہیز وتکفین کے مسائل:

میت کوغسل دینا واجب اور ضروری ہے، بلکہ نماز جنازہ کی صحت کے لئے شرط ہے اگر بلا غسل کے میت پر نماز پڑھی گئی تو وہ نماز درست نہ ہوگی؛ بلکہ غسل کے بعد نماز کا اعادہ ضروری ہوگا، چنانچہ ”مجمع الانہر“ میں ہے:

”وشرطها أي شرط جواز الصلاة عليه (إسلام الميت) فلا تصح على الكافر لقوله تعالى (ولا تصل على أحد منهم مات أبدا) (توبہ:۸۴)، (وطهارته) فلا تصح على من لا يغسل؛ لأن له حكم الإمام حتى لو صلوا على ميت قبل أن يغسل تعاد الصلاة بعد الغسل“(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی الصلاۃ علی المیت ۱/۱۸۲)۔

’’المحیط البرہانی‘‘میں ہے:"فدل أن الغسل واجب لازالة نجاسة ثبتت بالموت كرامة للآدمي بخلاف سائر الحيونات"(المحیط البرہانی ۲۹۱/۲)۔

"وغسله فرض كفاية بالإجماع كالصلاة عليه وتجهيزه ودفنه حتى لو اجتمع أهل بلدة على ترك ذلك قوتلوا، بحرونهر"(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح ۱/ ۳۷۲)۔

اس لئے حتی الامکان کوشش کی جائے کہ میت کوغسل ضروردیاجائے، جوعالمی ادارہ صحت نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ میت کوچھونے سے بیماری نہیں پھیلتی ہے،اس لئے گھروالوں کومحض خوف کی وجہ سے میت کے غسل شرعی جیسے فریضہ ترک کرنا جائزنہیں ہوگا، ہاں اگراندیشہ قوی ہواورحکومتی ہدایات بھی سخت ہوں تو ایسی صورت میں میت کواحتیاطی تدابیر کوملحوظ رکھ کرغسل دیاجائے،جس طرح احتیاطی تدابیر کے ساتھ ڈاکٹر علاج کرتے ہیں اور نرسیں دیکھ بھال کرتی ہیں اسی طرح احتیاطی تدابیر کے ساتھ ان کے غسل کا بھی اہتمام کیاجائے،کم ازکم پائپ کے ذریعہ ہی اس کے جسم پراچھی طرح پانی پہنچادیاجائے،مجبوری میں پانی کے بہانے کوبھی غسل کے درجہ میں رکھا گیاہے،چنانچہ’’مراقی الفلاح‘‘میں ہے:"وكان الميت متفسخا بتعذر مسه كفى صب الماء عليه"(الفتاوی التاتارخانیہ ۱۰/۳)۔

"المنتفخ الذى تعذر مسه يصب عليه الماء"(مراقی الفلاح شرح نورالایضاح ص ۲۱۴)۔

اگرہسپتال کی طرف سے میت کوپلاسٹک میں پیک کرکے دیاجارہاہواوراس کوکھولنے کی اجازت نہ ہوتوبھی غسل کی حتی الامکان کوشش کی جائے،اس صورت میں ہسپتال کے عملہ کوبھی غسل کے لئے تیارکیاجاسکتاہے وہ غسل دےکرمیت کوکور میں پیک کریں اوران کادیاں ہواغسل بھی کافی ہوجائے گا،اوراگریہ بھی ممکن نہ ہوتومیت کوکورمیں پیک کرنے سے پہلے اس کو تیمّم کرادیاجائے،یہ تیمّم غسل کے قائم مقام ہوگا۔

لیکن اگرغسل اورتیمّم بھی نہ کیاگیااورمکمل پیک کرکے اس طرح دیاگیاکہ اس کوکھولناممکن نہیں ہے اس طورپرکہ حکومتی عملہ بھی ساتھ میں ہے جواس کے لئے تیارنہیں ہےتوایسی صورت میں میت سے غسل کاحکم ساقط ہوجائے گااوراس میت پربلاغسل کے ہی جنازہ کی نمازپڑھی جائے گی اس پرکی نظیریہ ہے کہ اگرکسی شخص کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں تواس پرسے غسل کا فریضہ ساقط ہوجاتاہے،مقطوع الیدین والرجلین سے وضوکاحکم ساقط ہوجاتاہےاس لئے کہ وضواورتیمّم کامحل باقی نہیں رہااسی طرح جس شخص کوبلاغسل کے اس طرح کورمیں لپیٹ دیاگیاکہ اس کوکھولناممکن نہیں ہےتووہ شخص غسل کامحل باقی نہیں رہااس لئے اس کےغسل کاحکم ساقط ہوجائے گا۔

اوراگرحکومت کی طرف سے ان کودفن بھی کردیاگیاتواس صورت میں بھی اس کےغسل کاحکم ساقط ہوجائے گااس کو

قبر سے نکال کر دوبارہ غسل نہیں دیا جائے گا، چنانچہ امام محمدؒ نے اس کی صراحت کی ہے کہ اگر کسی کو غسل کے بغیر ہی دفن کر دیا گیا تو اب اس کو قبر سے نکال کر غسل نہیں دیا جائے گا۔

"قلت أرأيت قوما صلوا على ميت قبل أن يغسل، ثم ذكروا بعد ماصلوا عليه كيف يصنعون قال يغسل الميت ويعيدون الصلاة عليه، قلت: فإن لم يذكروا غسله حتى دفنوه هل ينبشوا القبر ثم يغسل ويصلي عليه، قال: لا، قلت: فلم أمرتهم بغسله، وقد صلوا عليه، قال: أمرتهم بغسله ما دام في أيديهم، فإذا دفن فلا أمرهم أن ينبشوا القبر"(الاصل، المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب غسل المیت من الرجال والنساء ۱/۴۴۱)۔

"فتاویٰ دار العلوم دیوبند" میں ہے: اگر کسی جگہ تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے اور ہسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک اور سیل کر دیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو اور بہ صورت دیگر مختلف نا قابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دست بردار ہو جانا یا یوں ہی نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دینا درست نہ ہوگا، بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم شرعاً ساقط ہو جائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی، اور اس صورت میں چونکہ میت کی پیکنگ یا لفافے پر پانی بہانے، بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیرنے یا اوپر ہی سے تیمّم کرانے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، اس لئے پیکنگ پر پانی بہانے، مسح کرنے یا تیمّم کرانے کی ضرورت نہیں، لہٰذا ان سب چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔

صورت مسئولہ میں غسل اور تیمّم ساقط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح مطلق نماز کے لئے نمازی کی کلی کا جزوی طہارت ایسی شرط ہے، جو عذر و مجبوری میں ساقط ہو جاتی ہے، اسی طرح نماز جنازہ کے لئے میت کی طہارت بھی ایسی شرط ہے، جو عذر و مجبوری میں ساقط ہو جاتی ہے، فقہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

اور پیکنگ یا لفافے پر پانی بہانا، مسح کرنا یا تیمّم کرانا اس لئے درست نہیں کہ شریعت میں غسل یا تیمّم کا حکم براہ راست بدن سے متعلق ہوتا ہے، کسی پیک کردہ چیز سے نہیں، اور پانی بہانے یا مسح کرنے کو مسح علی الجبیرہ پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ یہ بدل سے اصل کی طرف عود کرنا ہے، جو غلط و باطل ہے، کیونکہ پانی بہانا یا مسح کرنا غسل ہی کے درجہ میں ہوتا ہے اور تیمّم متعذر رہو چکا ہے اور شریعت میں وضو یا غسل کے تمام اعضاء پر مسح کی کوئی نظیر نہیں ہے، بلکہ اگر فقہاء کی صراحت کے مطابق مسح علی الجبیرہ، بعض اعضائے غسل کے ساتھ جزوی طور پر پایا جاتا ہے، اور اگر اکثر زخمی ہوں کہ انہیں دھویا نہ جا سکے تو غسل کا حکم ساقط ہو کر تیمّم کا حکم ہوتا ہے اور بعض علماء نے مسح علی الجبیرہ پر قیاس کر کے جو پیکنگ پر تیمّم کا حکم دیا ہے، یہ باعث حیرت و تعجب ہے کیونکہ اصول فقہ میں یہ امر طے شدہ ہے کہ مقیس کا حکم، مقیس علیہ سے مختلف نہیں ہوتا اور یہاں مقیس علیہ

کا حکم مسح (جو بہ حکم غسل ہوتا ہے) اور مقیس کا تیمّم، نیز پیکنگ پر تیمّم کرانے میں اعضائے تیمّم پر استیعاب بھی نہیں ہو سکے گا، جبکہ وضو کی طرح تیمّم میں بھی استیعاب شرط ہوتا ہے، کما فی عامۃ کتب الفقہ والفتاوی۔

"(الثامن)منها–من شروط التيمم–(زوال ما يمنع المسح) على البشرة (كشمع وشحم)؛ لأنه يصيربه المسح عليه لاعلى الجسد" (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی علیہ، کتاب الطہارۃ باب التیمّم، ص ۱۲۱ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

"(تيمم لو) كان (أكثره) أي : أكثر أعضاء الوضوء عددا، وفي الغسل مساحة (مجروحا)أو به جدري اعتبارا للأكثر (وبعكسه يغسل الصحيح) ويمسح الجريح" (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطہارۃ باب تیمّم ۱/ ۴۲۹، ۴۳۰ طبع مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۱۶۱، ۱۶۲ بیروت الفرفور طبع دمشق)۔

"وإذا أجنب الرجل، وعلى جميع جسده أو على أكثره جراحة أو به جدري، فإنه يتيمم ولا يمسح على الجراحة ولا يغسل الموضع الصحيح، فإن كان أكثر بدنه صحيحا، فإنه يغسل الصحيح ومسح على الباقي–وكذلك هذا الحكم في أعضاء الوضوء، ولو ترك المسح على الجبيرة إن كان يضره جاز، وإلافلا" (مقدمۃ الغزوی، ص ۳۳، ب، ۳۴، الف مخطوط)۔

"قوله: "ويترك المسح كالغسل": أي يترك المسح على الجبيرة، كما يترك الغسل لما تحتها (ردالمحتار)، قوله: "عن مسح نفس الموضع": أي: وعن غسله، وإنما تركه؛ لأن العجز عن المسح يستلزم العجز عن الغسل" (تحفۃ الأخیار علی الدر المختار للحلبی، ص ۸۱، الف مخطوطہ، المصدر السابق، والعجز عن المسح يستلزم العجز عن الغسل ، حلبی، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین ۱/ ۱۴۴ طبع مکتبۃ الاتحاد)۔

کرونا میں مرنے والوں کی نماز جنازہ کا حکم:

جو لوگ کرونا میں انتقال کر جاتے ہیں ان پر بھی عام میت کی طرح جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، اس لئے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر چند لوگ بھی یہ فریضہ ادا کر دیں تو باقی لوگوں سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔

"(الصلاة على الميت فرض كفاية) قال عليه الصلاة والسلام: "الصلاة على كل ميت"، وقال عليه الصلاة والسلام: "صلوا على كل ميت بروفاجر"، ولأن الملائكة صلوا على آدم، وقالوا: هذه سنة موتاكم" (الاختیار لتعلیل المختار ۱/ ۹۹)۔

"أما الأول: فالدليل على فرضيتها ما روي عن النبي ﷺ أنه قال: "صلوا على كل بروفاجر"،

وروي عنه ﷺ أنه قال:"للمسلم على المسلم ست حقوق" وذكر من جملتها أنه "يصلى على جنازته"، وكلمة على للإيجاب، وكذا مواظبة النبي ﷺ وأصحابهؓ والأمة من لدن رسول الله ﷺ إلى يومنا هذا عليها، دليل الفرضية والإجماع منعقد على فرضيتها أيضا إلا أنها فرض كفاية، إذا قام به البعض يسقط عن الباقين؛لأن ما هو الفرض، وهو قضاء حق الميت يحصل بالبعض، ولا يمكن ايجابها على كل واحد من احاد الناس فصار بمنزلة الجهاد، لكن لا يسع الاجتماع على تركها كالجهاد"(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲۸۰/۳)۔

اگر کسی مجبوری سے حکومت کی طرف سے میت کو حوالے نہ کیا جائے، سرکاری عملہ خود ہی میت کو تدفین کے لئے لے جائیں تو قبرستان میں ہی چند لوگوں کو نماز پڑھ لینی چاہئے، اس سے فریضہ ساقط ہو جائے گا،لیکن اگر سرکاری عملہ نے میت حوالے نہیں کیا، بلکہ ازخود ہی تدفین کردی تو ایسی صورت میں اگر قبر معلوم ہو تو میت کے پھولنے پھٹنے سے پہلے قبر پر جنازہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، چنانچہ امام محمدؒ "الاصل" میں لکھتے ہیں:

"قلت أرأيت قوما صلوا على ميت قبل أن يغسل ثم ذكروا بعد ما صلوا عليه كيف يصنعون قال يغسل الميت ويعيدون الصلاة عليه قلت، فإن لم يذكروا غسله حتى دفنوه هل ينبشوا القبر، ثم يغسل ويصلي عليه، قال: لا، قلت: فلم أمرتهم بغسله وقد صلوا عليه قال أمرتهم بغسله مادام في أيديهم، فإذا دفن فلا أمرهم أن ينبشوا القبر"(الاصل،المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب غسل المیت من الرجال والنساء ۴۴۱/۱)۔

اور اگر سرکاری عملہ نے ازخود تدفین کردی، اس کے بعد اطلاع دی اور جائے تدفین بھی نہیں بتایا تو کیا اس صورت میں جنازہ کی نماز بھی ساقط ہو جائے گی یا اس پر غائبانہ نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ حنفیہ کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ مکروہ اور عام حالات میں اسی پر عمل بھی ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مکروہ ہے۔

"وزاد في فتح القدير وغيره شرطا ثالثا في الميت:وهو وضعه أمام المصلى، فلا تجوز على غائب ولا على حاضر محمول على دابة أوغيرها ولا موضوع متقدم عليه المصلى" (بحر الرائق شرح کنز الدقائق ۱۹۳/۲)۔

لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ اس پر کچھ لوگوں نے جنازہ کی نماز پڑھ کر فرض کفایہ ادا کردیا ہے، لیکن اگر کسی شخص پر جنازہ کی نماز ہوئی ہی نہیں، مثلاً کوئی مسلمان فساد کے زمانے میں دشمن کے علاقے میں مارا گیا اور دشمنوں نے اس کو بلا نماز کے دفن کردیا، یا جیسے کہ موجودہ حالات میں سرکاری عملہ نے دفن کردیا اور جائے تدفین کی بھی اطلاق نہیں دی تو

اسی طرح کے استثنائی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

علامہ عینی نے عمدہ القاری میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی کا انتقال ایسی جگہ میں ہو، جیسا کہ اس پر کسی نے نماز نہ پڑھی ہو تو ایسی صورت میں اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، اس لئے کہ ایک میت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگر کسی شخص پر کسی نے بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تو اس کا یہ حق فوت ہوگا۔

"إذا مات المسلم ببلد من البلدان، وقد قضى حقه من الصلاة عليه، فإنه لايصلى عليه من كان ببلد آخر غائبا عنه، فإن علم أنه لم يصل عليه لعائق أو مانع عذر كان السنة أن يصلى عليه ولا يترک ذلک لبعد المسافة، فإذا صلوا عليه استقبلوا القبلة ولم يتوجهو إلى بلد الميت إن كان في غير جهة القبلة" (عمدۃ القاری شرح، باب الرجل ینعی الی اہل المیت بنفسہ ۸/۲۲)۔

"وفی الهندية: الصلاة على الجنازة فرض كفاية إذا قام به البعض واحدا كان أو جماعة ذكرا كان أو انثى سقط عن الباقين، واذا ترک الكل اثموا، هكذا فی التاتارخانيه" (باب الجنائز فصل خامس ۱/۴۵۲، طبع ماجدیہ)۔

☆☆☆

کرونا-چند اہم مسائل

مفتی اسجد دیولوی☆

مسجد واحد میں تکرار جماعت کا حکم:

حنفیہ کا مفتی بہ قول تکرار جماعت سے متعلق کراہت تحریمی کا ہے، کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت کا سبب تقلیل جماعت اور جماعت اول کی اہمیت وعظمت کا متاثر ہونا ہے۔

البتہ فقہاء کرام نے کسی ضرورت ومصلحت کے تحت مسجد واحد میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی ہے، چنانچہ ائمہ حنفیہ کے یہاں جماعت ثانیہ کی متعلق مندرجہ ذیل تفصیل ہے۔

۱-مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کی پہلی صورت:

جس مسجد میں امام ومؤذن متعین ہو، اور جماعت اول بآواز بلند اذان واقامت کے ذریعہ ادا کی گئی ہو، ایسی مسجد میں محاذات محراب میں جماعت ثانیہ باتفاق ائمہ مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر محاذات محراب سے ہٹ کر ہوتو مکروہ تنزیہی ہے۔

۲-مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کی دوسری صورت:

اہل محلّہ نے بآواز پست اذان واقامت سے نماز ادا کرلی ہو، یا بغیر اذان واقامت کے نماز ادا کی ہوتو مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے اور ''امداد الفتاوی'' میں اشرف علی تھانویؒ نے اس صورت میں جماعت ثانیہ کو افضل قرار دیا ہے۔

"جماعة من أهل المسجد أذنوا في المسجد على وجها المخافته، بحيث لم يسمع غيرهم، ثم حضرقوم من أهل المسجد ولم يعلموا ماصنع الفريق الأول، فأذنوا على وجه الجهر والأعلان، ثم علموا ما صنع الفريق الأول فلهم أن يصلوا بالجماعة على وجهها ولا عبرة للجماعة الأولى؛ لأنها ماأقيمت على وجه السنة بأظهار الأذان والإقامة فلا تبطل حق الباقين" (فتاوی قاضی خاں ۷۱/۵۱ طبع دار الفکر)۔

۳-مسجد طریق میں جماعت ثانیہ:

یعنی وہ مسجد جو مسافرین کے لئے بس اسٹیشن یا ہوائی اڈہ وغیرہ پر بنائی گئی ہو، ایسی مسجد میں مسافرین کے لئے متعدد

☆ دارالافتاء جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، بھروچ۔

جماعتیں کرنا جائز ہے، البتہ اذان صرف ایک مرتبہ کہی جائے گی۔

۴-جس مسجد میں امام ومؤذن متعین نہ ہوں:

جس مسجد میں امام ومؤذن متعین نہ ہوں اور آنے والے اپنی اپنی نماز ادا کر کے چلے جاتے ہوں تو ایسی مسجد میں تکرار جماعت جائز ہے۔

۵-مسجد محلّہ میں اہل محلّہ کے علاوہ کا نماز ادا کرنا:

یعنی مسجد محلّہ میں مسافرین یا مسجد کے مصلین کے علاوہ کا جماعت ثانیہ کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

۶-ہیئت اولی کی تبدیلی کے ساتھ جماعت ثانیہ:

قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک جماعت ثانیہ کی ہیئت جماعت اولی سے مختلف ہو (عدول عن المحاذات محراب کے ساتھ یا بلا اذان واقامت جماعت ثانیہ ادا کی جائے) تو جماعت ثانیہ جائز ہے۔

۷-بلا تداعی جماعت ثانیہ:

امام محمدؒ نے بلا تداعی جماعت ثانیہ کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہوگی، متقدمین فقہاء کرام نے تداعی کی تحدید بیان نہیں فرمائی ہے، ان کے نزدیک تداعی سے مراد دعوت دے کر لوگوں کو جمع کرنا ہے، خواہ مصلین کی تعداد کچھ بھی ہو، البتہ متاخرین نے تداعی کا اطلاق تین مصلین پر کیا ہے (معارف السنن ۲/۲۸۹، بدائع الصنائع ۱/۳۸۹)۔

مذکورہ صور سبعہ میں سے صرف صورت اول مکروہ تحریمی ہے، اس کے علاوہ بقیہ صورتوں میں فقہاء کرام نے جماعت ثانیہ کو جائز قرار دیا ہے، حتی کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''امداد الفتاوی'' میں اور مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ''احسن الفتاوی'' میں صورت اولی کے علاوہ بقیہ صورتوں میں تکرار جماعت کو افضل قرار دیا ہے (امداد الفتاوی جدید ۲/۱۴۱-۱۴۹، احسن الفتاوی ۳/۳۲۲، ۳۲۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلا وجہ تکرار جماعت کی اجازت دینا مزاج شریعت کے خلاف ہے، اسی وجہ سے مفتی تقی صاحب درس ترمذی میں جماعت ثانیہ کے متعلق ائمہ حنفیہ کے اقوال بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں، تکرار جماعت کی اجازت سے مسجد کی جماعت کا مطلوبہ وقار باقی نہیں رہتا، تجربہ ہے کہ جہاں تکرار جماعت کا رواج ہوتا ہے، وہاں لوگ پہلی جماعت میں شریک ہونے میں بہت سست ہو جاتے ہیں، کیونکہ مسجد میں ہر وقت جماعت ہوتی رہتی ہے (درس ترمذی ۱/۴۸۵)۔

''رجل دخل مسجدا صلى فيه أهله، فإنه يصلي وحده من غير أذان وإقامة، ويكره أن يصلي

بجماعة بأذان وإقامة، والأصل في ذلک ماروي أن رسول الله خرج ليصلح بين الأنصار، واستخلف عبد الرحمن بن عوف، فرجع بعدما صلى عبد الرحمن فدخل جميع أصاحبه وصلى بهم، ولو كان يجوز إعادة الصلاة في المسجد لما ترک الصلاة في المسجد، مع أن الصلاة في المسجد أفضل، وبأن في هذا التعليل الجماعة؛ لأن الجماعة إذا كانت لا تفوتهم لا يعجلون للحضور، فإن كل أحد يعتمد على جماعته، وبه وقع الفرق بين هذا وبينما إذا صلى فيه قوم ليسوا من أهله حيث كان لأهله أن يصلوا فيه بجماعة بأذان وإقامة؛ لأن تكرار الجماعة هنا لايؤدي إلى تقليل الجماعة

وروي عن أبى يوسف في الفصل الأول أنه قال:إنما يكره تكرار الجماعة إذا كان القوم كثيرا، أما مذا صلى واحد بواحد أوباثنين بعد ما صلى فيه أهله فلا بأس، لما روي أن رسول الله ﷺ صلى بأصحابه، فدخل أعرابي وقام يصلي فقال ﷺ:من يتصدق على هذا فيقوم ويصلي معه، فقام أبوبكر وصلى معه، وروي عن محمد أنه لم يربالتكر اربأسا إذا صلوا في زاوية من المسجد على سبيل الخفية إنما يكره على سبيل التداعى والاجتما ع

قال القدوري في كتابه:وإن كان المسجد على قارعة الطريق ليس له قوم معينين، فلا بأس بتكرار الجماعة فيه، لأن تكرار الجماعة في هذا الفصل لا يؤدي إلى تقليل الجماعة جماعة من أهل المسجد إذا نوى في المسجد على وجه المخافتة بحيث لم يسمع غيرهم، وصلوا ثم حضر قوم من أهل المسجد، ولم يعلموا ما صنع الفريق الأول، وإذا نوى على وجه الجهر والإعلان ثم علموا ما صنع الفريق الأول، فلهم أن يصلوا بالجماعة على وجهها لا غيره بالجماعة الأولي؛ لأنها ما أقيمت على وجه السنة بإظهار الأذان والإقامة، ولا يبطل حق الباقين" (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ۱/۳۵۱)۔

"ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة،وإذا علموا أنها لاتفوتهم يتأخرون، فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق، لأنها ليست لهاأهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدى إلى تقليل الجماعات وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله، لأنه يؤدى إلى تقليل الجماعة، لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذ"(بدائع الصنائع ۱/۳۸۰)۔

مذکورہ روایات اور کتب فقہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ تکرار جماعت کی کراہت کا مدار اصل جماعت کی کثرت

کا متاثر ہونا، اور پہلی جماعت میں قلت پیدا ہونا ہے، جہاں کراہت کی یہ علت پائی جائے گی وہاں تکرار جماعت مکروہ ہوگی اور اگر جماعت ثانیہ کی وجہ سے اصل جماعت متاثر نہ ہوتی ہو تو تکرار جماعت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لہذا تقلیل جماعت اور لوگوں کے باجماعت نماز ادا کرنے میں سستی کا شبہ نہ ہو، ایسی صورت میں جماعت ثانیہ جائز، بلکہ بعض اوقات افضل ہے۔

موجودہ کرونا کی وبا میں تمام اہل محلّہ کا مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنا بڑی پریشانی اور مشکلات کا سبب بن سکتا ہے، اسی لئے ذمہ داران مسجد کی جانب سے نمازیوں کی تعداد وقتی طور پر محدود کردی گئی ہے، ظاہر ہے کہ ایسے احوال میں جماعت ثانیہ کا قیام تقلیل جماعت کا سبب نہیں، لہذا ایسے احوال میں جماعت ثانیہ کی ممانعت کی علت مفقود ہے، جب ممانعت کی علت ہی مفقود ہے، تو ممانعت کا حکم بھی باقی نہیں رہے گا، لہذا موجودہ احوال میں عارضی طور پر جماعت ثانیہ کے قیام کی اجازت ہوگی، بالخصوص مساجد ہی میں دوسری، تیسری جماعت سے روکنے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ لوگ گھروں پر نماز کی ادائیگی میں سستی کریں، نماز سے غفلت برتیں اور کبھی پڑھا اور کبھی نہ پڑھا جیسا معاملہ کریں۔

حضرات فقہاء کرام اسی اندیشہ کے سبب سنن مؤکدہ وغیرہ مسجد میں پڑھنے کا حکم دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ کوئی مشغولیت یا سستی میں مبتلا ہوجائے، اور سنن فوت ہوجائیں، مذکورہ وجوہات کا تقاضہ یہی ہے کہ سرکاری ہدایات کی پابندی کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے مسلک کے مطابق تکرار جماعت کی اجازت دی جائے، البتہ اصل جماعت کے ماسوا کے لئے صرف اقامت کہی جائے اور اول جماعت کے ہیئت بدل دی جائے، اور یہ اعلان کردیا جائے کہ یہ اجازت وقتی ہے، موجودہ حالات کے بقاء تک یہ اجازت محدود رہے گی، حالات معمول پر آجانے کی صورت میں مفتی بہ قول پر عمل کیا جائے گا۔

عمومی وخصوصی احوال میں ایک مسجد میں متعدد مرتبہ قیام جمعہ کا حکم:

ب- کرونا جیسے خصوصی احوال میں بڑی بستی میں جمعہ کے قیام کے متعلق دیگر نمازوں کی طرح نماز جمعہ کی ضروری شرائط کی رعایت کے ساتھ 'الف' میں ذکر کردہ حکم کے مطابق عمل کرنا مناسب ہے۔

البتہ عمومی احوال میں ایک ہی مسجد میں دوسری جمعہ کے قیام کے سلسلہ میں حسب ذیل حکم شرعی رہے گا۔

مصالح جمعہ کا تقاضہ یہی ہے کہ بستی کی بڑی مسجد میں تمام لوگ مجتمع ہوکر ایک ہی جمعہ ادا کریں، اکابرین کے فتاوی سے اس کی تاکید معلوم ہوتی ہے، ساتھ ہی اس میں اختلاف ائمہ کی رعایت ہے کہ بعض ائمہ کے یہاں بستی میں تعدد جمعہ کی اجازت نہیں ہے۔

تکرار جماعت کے متعلق 'الف' میں مذکور تفصیل کو پیش نظر رکھا جائے تو پہلی مرتبہ اذان واقامت سے جمعہ ادا

کرنے کے بعد اسی مسجد میں ہیئت تبدیل کئے بغیر باقاعدہ اذان واقامت سے دوسری مرتبہ جمعہ قائم کرنا مکروہ تحریمی ہے، طحاوی شریف میں حضرت عمرؓ سے روایت مروی ہے کہ باجماعت جمعہ ادا کرنے کے بعد اسی مسجد میں دوسری مرتبہ جمعہ قائم کرنا مکروہ ہے۔

پہلی مرتبہ جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اسی مسجد میں بلا اذان وقامت ہیئت اولی تبدیل کرکے دوسری مرتبہ جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

ہاں! کسی مقام پر تنگی مسجد کے سبب جماعت اول میں شریک نہ ہونے والوں کے لئے باجماعت جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے دوسری مسجد موجود نہ ہو، نیز دوسری وسیع مسجد کے تعمیر کی گنجائش نہ ہو، اور جماعت ثانیہ کی اجازت نہ دینے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ بعض مصلین نماز جمعہ کی ادائیگی سے محروم ہوجائیں گے، تو اس طرح کی خصوصی صورت میں معقول انتظام ہونے تک درج ذیل شرائط کے ساتھ ایک مسجد میں متعدد جمعہ کی اجازت ہوگی۔

الف- جماعت ثانیہ کا پہلے سے اعلان نہ کیا جائے، تاکہ لوگ کاہلی اور سستی کی وجہ سے پہلی جماعت میں شریک نہ ہوں، اور ازدحام کا مسئلہ پہلے ہی کی طرح باقی رہے۔

ب- دوسری جمعہ کی ادائیگی کے وقت اذان واقامت نہ کہی جائے۔

ج- دوسری جمعہ کی ادائیگی کے وقت امام محراب اور محاذات میں کھڑے ہوکر جمعہ نہ پڑھائے۔

اعذار کے سبب مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں پر پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم:

پنج وقتہ نمازیں باجماعت مسجد میں ادا کرنا مطلوب ہے، بلا عذر مسجد کی جماعت ترک کرنا مناسب نہیں ہے، اور مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی جو فضیلت ہے، وہ بلا عذر مسجد سے باہر نماز ادا کرنے کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتی، لہذا حتی الامکان مسجد میں باجماعت نماز کی سعی کی جائے، لیکن شریعت میں عذر بیماری وغیرہ کی صورت مسجد میں حاضر نہ ہونے کی اجازت دی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے اگر کسی شخص نے منادی کی اواز سنی اور مسجد میں حاضری سے کوئی عذر مانع نہ ہو تو اللہ تعالی اس کی وہ نماز جو بلا جماعت ادا کی قبول نہیں فرمائیں گے، صحابہؓ نے عرض کیا عذر سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا خوف یا مرض، یعنی ہلاکت جان، مال کا خوف ہو۔

"من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر-قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض-لم تقبل منه الصلاة التی صلی" (رواہ ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۴۹)۔

اسی حدیث کے پیش نظر فقہاء کرام نے ترک جماعت کے اعذار بیان فرمائے ہیں، چنانچہ علامہ شامی نے ۲۰

اعذار کو شمار فرمایا ہے جس کی وجہ سے مسجد میں باجماعت نماز ادائیگی کے لئے حاضر نہ ہونے کی اجازت ہے۔

''بیس اعذا کے سبب ترک جماعت کی اجازت ہے، مرض اقعاد (چلنے سے عاجز ہو)، فاقد البصر کو کوئی قائد میسر نہ ہو، لنجا پن کا ہونا، ایسی شدید بارش، سخت کیچڑ، یا شدید سردی کا ہونا جو حضور جماعت کے لئے مانع ہو۔ مقطوع الید والرجل یا مقطوع الرجل ہونا، فالج کا ہونا، درازی عمر کی وجہ سے مسجد میں حاضری سے عاجز ہونا، سفر کا ارادہ ہو، مال کی ہلاکتی کا اندیشہ ہو، یا ظالم یا دائن کے ذلیل کرنے کا ایذا پہنچانے کا اندیشہ ہو یا کھانے کا شدید تقاضہ ہو اور کھانا بھی حاضر ہو، رات کے وقت آندھی یا سخت تاریکی ہو، یا کسی مبتلاء درد کی، یا پیشاب پاخانہ کا تقاضہ ہو، کسی مخصوص جماعت کے ساتھ فقہی مذاکرہ ہو۔

"وذكرالقدرى:يجمع بأهله ويصلى بهم، يعنى وينال ثواب الجماعة كذا فى فتح"(شامی ۲/۲۹۱)۔

"فتسن أو تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج"۔

"(قوله من غير حرج)قيد لكونها سنة مؤكدة أوواجبة، فبالحرج يرتفع الإثم ويرخص في تركها ولكنه يفوته الأفضل بدليل"أنه قال لابن أم مكتوم الأعمى لما استأذنه في الصلاة في بيته:ما أجدلک رخصه 'قال في الفتح: أي تحصل لک فضيلة الجماعة من غير حضورها لا الإيجابعلى الأعمى' لأنه رخص لعتبان بن مالک في تركها'اه لكن في نور الإيضاح: وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها، وكانت نيته حضورها لولا العذر يحصل له ثوباها والظاهر أن المراد به العذر المانع كالمرض والشيخوخة والفلج، بخلاف نحو المطر والطين والبرد والعمى تأمل"(شامی ۲/۲۹۰)۔

"(ولوصبيا)يفهم منه أن فضيلة الجماعة تحصل بالمتنفل المقتدي–قوله:أو امرأة حتى لوصلى في بيته بزوجته أوجاريته أوولده فقد أتى بفضيلة الجماعة، اهكذا في الشرح، ولكن فضيلة المسجد"(حاشیۃ الطحاوی علی المراقی/۲۸۷)۔

کسی معقول عذر کی وجہ سے مسجد میں حاضری ممکن نہ ہو، مثلاً موجودہ صورت حال میں وبائی مرض کرونا کی وجہ سے یا نماز فوت ہو جائے، تو انفرادی نماز کے مقابلہ میں بہتر یہی ہے کہ گھر میں باجماعت نماز ادا کی جائے، ایسی صورت میں امید ہے کہ جماعت کا ثواب بھی پائے، علامہ طحاوی و شامیؒ وغیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ باجماعت نماز گھر میں ادا کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ مسجد میں ادا کی جائے مگر گھر میں باجماعت نماز ادا کرنے سے مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی، البتہ جماعت کی فضیلت

حاصل ہوگی۔

مذکورہ صورت میں اندیشہ ضرور ہے کہ لوگ اس کو عادت بنالیں، اس لئے وقتاً فوقتاً مسجد میں باجماعت نماز کے فضائل کو علاقائی زبان میں تحریر وتقریر کے ذریعہ بیان کئے جائے اوراس کی تاکید بھی کی جائے۔

اعذار کے سبب ایک بستی میں متعدد جمعہ قائم کرنا:

شریعت کا منشاء یہی ہے کہ جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی اجتماعیت کا بھرپور مظاہرہ ہو، اورایک ساتھ ایک مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، البتہ آبادی کی کثرت یا ضرورت کے پیش نظر قول راجح کے مطابق ایک شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز ادا کرنا درست ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں مذکورہ مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے، اسی کا ماحصل یہ ہے:

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "لاجمعة ولاتشريق إلا في مصر من الأمصار" مذکورہ ارشاد گرامی میں آپ ﷺ نے مطلقاً شہراور بڑی بستی میں جمعہ کے قیام کی اجازت دی ہے، خواہ ایک جگہ جمعہ ادا کی جائے یا متعدد مقامات پر، اسی کے پیش نظر علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث بالا کے مطلق ہونے کے سبب مذہب احناف میں قول صحیح یہ ہے کہ شہراور بڑی بستی میں متعدد مقامات پر جمعہ قائم کرنا درست ہے، اور علامہ ابن الہمامؒ اور علامہ شامیؒ نے اسی کو راجح قرار دیتے ہوئے اس کی تائید فرمائی ہے۔

چونکہ وبائی مرض کے سبب بستی کے لوگوں کا ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کرنا ممکن نہیں ہے، البتہ جس شہر یا بڑی بستی میں شرائط جمعہ پائے جاتے ہوں، وہاں پر وبائی مرض کے ایام میں متعدد مقامات (گھروں میں وغیرہ) میں جمعہ ادا کرنا درست ہے، بلکہ گھروں میں ظہر ادا کرنے کے بجائے جمعہ کے ضروری شرائط کی رعایت کے ساتھ جمعہ ہی ادا کی جائے، البتہ جمعہ ادا کرنے کی کوئی صورت نہ ہو، توظہر پڑھنے کی گنجائش ہوگی، بہتر یہ ہے کہ منفرد ادا کی جائے۔

"**تؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة)مطلقا على المذهب، وعليه الفتوى، شرح المجمع للعيني وامامة فتح القدير دفعا للحرج،قال ابن عابدين:قوله مطلقا:أي سواء كان المصر كبيرا أولا، وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أولا، وسواء قطع الجسر أو بقي متصلا، وسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر، هكذا يفاد من الفتح ومقتضاه أنه لايلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسي الآتي**

(قوله على المذهب)فقد ذكر السرخسي(آن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز اقامتها

فی مصرواحد فی مسجدین او اکثر)وبه نآخذ لاطلاق لا جمعة الا فی مصر)، شرط المصر فقط......(قوله دفعاللحرج)لان فی الزام اتحاد الموضع حرجا بینا لاستدعائه تطویل المسافة علی أکثر الحاضرین، ولم یوجد دلیل عدم الجواز التعدد بل قضیة الضرورة عدم اشتراطه لا سیما إذا کان مصرا کبیرا کمصرنا کماقاله الکمال"(شامی۲۹/۵،المقولۃ۶۴۴۵،۶۴۴۴بتحقیق فرفر)۔

"وأصله أن عند أبي حنيفة لا يجوز تعددها في مصرواحد، وكذا روى أصحاب الإملاء عن أبی يوسف أنه لايجوز في مسجدين في مصر إلا أن يكون بينهما نهر كبير حتى يكون كمصرين، وكان يأمر بقطع الجسر ببغداد لذلک، فإن لم يكن، فالجمعة لمن سبق، فإن صلوا معا أولم تدر السابقة فسدتا، وعنه أنه يجوز في موضعين إذا كان المصر عظيما لا في ثلاثة، وعن محمديجوز تعددها مطلقا۔

رواه عن أبي حنيفة ولهذا قال السرخسی:الصحيح من مذهب أبی حنيفة جواز إقامتها في مصرواحد من مسجدين فأكثر، وبه نأخذ لإطلاق:لا جمعة في مصر، شرط المصر، فإذا تحقق تحقق فی حق كل منها وجه رواية المنع أنها سميت جمعة لاستدعائها الجماعات فهی جامعة لها، والأصح الأول خصوصا إذا كان مصر كبير، فإن فی الزام اتحاد الموضع حرجاب ينا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر"(فتح القدیر۵۲/۲)۔

"لاستدعائها الجماعات فهي جامعة لها فلا يفيده.لأنه حاصل مع التعدد؛ولهذا قال العلامة ابن جرباش في النجعة في تعداد الجمعة لا يقال: إن القول بالاجتما ع المطلق قول بالاحتياط، وهو متعين في مثله ليخرج به المكلف عن عهدة ما كلف به بيقين؛لأنه الاجتما ع أخص من مطلق الاجتما ع

ووجود الأخص يستلزم وجود الأعم من غير عكس، ولأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين، ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه،وقد قال الله تعالی"لايكلف الله نفسا إلا وسعها(بقرہ: ۲۸۶)، وقال تعالی:'وما جعل عليكم فی الدين من حرج'(حج:۷۸)، بلفظه مع مالزم من فعلها في زماننا من المفسدة العظيمة، وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر، فيظنون أنها الفرض، وأن الجمعة ليست بفرض فيتكاسلون عن أداء الجمعة فكان الاحتياط في تركها وعلى تقدير فعلها ممن لايخاف عليه

مفسدة منها فالأولی أن تكون فی بیته خفیة خوفا من مفسدة فعلها والله سبحانه الموفق للصواب " (البحر الرائق ۲/۲۵۱)۔

۴-الف: غسل میت ممکن نہ ہوتو کیا حکم ہوگا:

غسل میت واجب علی الکفایہ ہے، بلا عذر میت کو غسل دیئے بغیر دفن کرنا درست نہیں، لہذا غسل میت کے لئے حتی الامکان کوئی صورت اختیار کرنی چاہئے۔

الف-میت کو غسل دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتو میت کو غسل ہی دیا جائے، اولا اسی کی بھرپور کوشش کریں اور اجازت ملنے پر حکومت واطباء کی جانب سے جاری کردہ ہدایات کی رعایت کے ساتھ میت کو غسل دیا جائے، مثلاً ماسک، دستانہ پہننا وغیرہ۔

فقہاء کرام نے حدیث نبوی ﷺ "إذاأمرتكم بأمر فأتوا منه مااستطعتم" کے تحت یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ حتی المقدور حکم شرعی پر عمل کیا جائے، مذکورہ تدابیر اختیار کئے بغیر میت کو بلا غسل دفن کرنا قطعا مناسب نہ ہوگا، مشاہدہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بالعموم اجازت مل ہی جاتی ہے۔

"الميسور لايسقط بالمعسور، الألفاظ الأخرى:لايسقط الميسور بالمعسور-المتعذر يسقط اعتباره، واليمكن يستصحب فيه التكليف، أي إن المأمور به إذا لم يتيسر فعله على الوجه المطلوب، بل تيسر فعل بعضه، لا يسقط بالمعسور، أي بعدم القدرة على فعل الكل، فيجب البعض المقدور عليه قال التاج السبكی:وهذه القاعدة من أشهر القواعد المستنبطة من قوله ﷺ:إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه مااستطعتم، الحدث رواه الشيخان البخاری ومسلم عن أبی هريرةؓ"(القواعد الفقہیہ وتطبیقاتہا فی المذاہب الأربعۃ ۲/۷۶۱)۔

ب-اگر میت کو غسل دینے کی صورت نہ بن سکے تو مذہب غیر پر عمل کرتے ہوئے غسل کے لئے تیمّم کی صورت اختیار کی جائے، کتب احناف میں تیمّم کے حکم کی کوئی نظیر موجود نہیں، دیگر مذاہب میں میت کو تیمّم کرانے کی صراحت موجود ہے، ضرورت وحالات کے پیش نظر اسی پر فتوی دیتے ہوئے میت کو تیمّم کرایا جائے، فقہاء شافعیہ نے غسل میت کے متعذر ہونے کے وقت تیمّم کی اجازت دی ہے۔

علامہ نوویؒ المجموع میں تحریر فرماتے ہیں:"إذا تعذر غسل الميت لفقد الماء أو احترق بحيث لو غسل لتهری لم يغسل بل ييمم وهذا التيمم واجب؛ لأنه تطهير لايتعلق بإزالة نجاسة فوجب الانتقال

فيه عند العجز عن الماء إلي التيمم كغسل الجناية، ولو كان ملدوغابحيث لوغسل لتهری أو خيف علی الغاسل يمم لما ذكرناه (وذكر)إمام الحرمين والغزالي وآخرون من الخراسانيين أنه لوكان به قروح وخيف من غسله إسراع البلی إليه بعد الدفن وجب غسله؛ لأن الجميع صائرون إلی البلی هذا تفصيل مذهبنا وحكی ابن المنذر فيمن يخاف من غسله تهري لحمه ولم يقدرواعلی غسله عن الثوري ومالک يصب عليه الماء وعند أحمدواسحق ييمم قال وبه أقوال" (المجموع شرح المہذب ۱۷۸/۵)۔

اسی طرح علامہ شروانیؒ نے تحفۃ المحتاج کے حاشیہ میں اور علامہ رافعی شافعیؒ نے فتح العزیز میں غسل کے تعذر کے وقت تیمّم کی اجازت دی ہے۔"ولو احترق مسلم ولو غسل لتهری لا يغسل بلييمم، محافظة علی جثته لتدفن بحالها" (فتح العزیز بشرح الوجیز ۱۳۰/۵ طبع دار الفکر)۔

"أوخيف-الفخ)عطف علی تهری؛أی ولو غسل تهری الميت،أو خيف علی الغاسل من سراية السم اليه" (تحفۃ المحتاج ۱۸۴/۳)۔

ج-اور اگر میت کو غسل و تیمّم بھی متعذر رہو، بایں طور کہ بلا غسل و تیمّم میت کو ہسپتال سے ہی کور ولفافہ میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے تو ایسی صورت میں غسل ساقط ہوجائے گا، میت کو بلا غسل ہی نماز جنازہ ادا کر کے دفن کیا جائے، اور لفافہ وکور پر پانی ڈالنا یا لفافہ پر تیمّم کرانا محل نظر ہے، اس وجہ سے کہ غسل و تیمّم کا حکم یہ بلا واسطہ براہ راست بدن سے متعلق ہے، نہ کہ لفافہ وکپڑا کے ساتھ، اور مسح علی الجبیرۃ پر قیاس کرنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ شریعت میں پورے بدن پر مسح کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے، اور جہاں پورا بدن یا بدن کا اکثر حصہ زخمی ہو تو طہارت (وضو و غسل) کا حکم ہی ساقط ہوجاتا ہے۔

کتب فقہ میں غسل و تیمّم کے تعذر کے وقت بلا غسل و تیمّم تدفین کے متعدد نظائر موجود ہیں:

الف-شہداء کو بلا غسل و تیمّم تدفین کا حکم معروف ہے۔

"والشهيد من قتله أهل الحرب أو أهل البغی ألقتله قطاع الطريق أو اللصوص فی منزله ليلا، لوبمثقل أو وجد فی المعركة وبه أثر......فيكفن بدمه أی مع دمه من غير تغسيل" (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی:۶۲۶)۔

ب-بلا غسل و تیمّم میت پر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت فقہاء احناف نے بھی دی ہے، چنانچہ بلا غسل و تیمّم میت کی تدفین کر دی گئی تو میت کے نہ پھٹنے کا یقین یا غالب گمان رہے وہاں تک قبر پر بلا غسل دیئے نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم ہے، اور ایسی صورت میں حرمت نبش کی وجہ سے غسل کا حکم ساقط ہوجاتا ہے۔

”صلى على قبره، وإن لم يغسل لسقوط شرط طهارته لحرمة نبشه وأهيل عليه التراب’قال في الفتح هذا إذا أهيل عليه التراب؛ لأنه صار مسلما لمالكه تعالى وخرج عن أيدينا فلا يتعرض له بخلاف ما إذا لم يهل عليه فإنه يخرج ويصلي عليه اه لكن في الخلاصة عن الجامع الصغير للحاكم عبد الرحمن ولو دفن قبل الغسل أو قبل الصلاة لاينبش فإن دفنوه ولم يهيلوا عليه حتى علموا أنه لم يغسل لكنهم سووااللبن لاينبش أيضا اه ’وإن لم يغسل‘ على المعتمد، وهو الاستحسان“(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ۵۹۲ کذافی شامی)۔

ج-اگرمیت کا پورابدن زخمی ہواورغسل دیناممکن نہ ہو،توایسی حالت میں بھی غسل میت کاحکم ساقط ہوجاتا ہے۔

”وإن كان به قروحأو جراح أخذ عفوه“(التمهيد لمافي الموطأ من المعاني والأسانيد ۱/۷۷۳)۔

د-وباءعام میں کثرت اموات کے سبب غسل دیناممکن نہ ہو،توبلاغسل تدفین دینے کی اجازت دی ہے۔

”قال ابن حبيب:ولابأس عند الوباء وما يشتد على الناس من غسل الموتى لكثرتهم أن يجتزؤوافيه بغسلة واحدة بغير وضوء يصب الماء عليهم صبا، ولو نزل الأمر الفظيع فكثر فيه الموتى، فلا بأس أن يدفنوا بغير غسل/إذالم يوجد من يغسلهم/ويجعل منهمفي قبر واحد“(الجامع لمسائل المدونۃ ۳/۱۰۲۳)۔

”ولو نزل الأمر الفظيع وكثر الوباء جدا وموت الغرباء فلا بأس أن يقبروا بغير غسل إذا لم يوجد من يغسلهم“(التوضیح فی شرح المختصر الفرعی لابن الحاجب ۲/۱۳۶)۔

لہذااگرمیت کولفافہ میں پیک کرکے سپردکیاجائےتوغسل وتیمّم کاحکم ساقط ہوجائے گا،اور بلاغسل وتیمّم میت پرنماز جنازہ پڑھ کرتدفین کی جائے گی۔

غائبانہ نماز جنازہ کاحکم:

۵-نماز جنازہ فرض علی الکفایہ ہے،اورنماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے جماعت کاہونا شرط نہیں ہے اگرایک شخص بھی ادا کرلےتوتمام کے ذمہ سےفرض ساقط ہوجاتا ہے۔

اگرطبی عملہ میت اہل خانہ کوسپردکردےتونماز جنازہ اداکرکے ہی دفن کیاجائے گا،اگرطبی عملہ ازخود میت کودفن کررہا ہے،اوران میں کوئی مسلمان ہے،تواس کومکلّف کیاجائے کہ تدفین سےقبل نماز جنازہ اداکرلیں،اگرچہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح میت کاکوئی رشتہ دارہسپتال کےاردگردہےتووہ نماز جنازہ اداکرلے۔

"فأما الصلاة على الجنازة فتتأدى بأداء الإمام وحده؛لأن الجماعة ليست بشرط للصلاة على الجنازة"(المبسوط للسرخسی ۲/۱۲۵)۔

اگر مذکورہ طریقہ عمل ممکن نہ ہوتو تدفین کے بعد اگر میت کی قبر معلوم ہوتو جب تک میت کے عدم تفسخ کا ظن غالب ہوتو قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے، اگرچہ تدفین کو تین سے زائد ایام ہو چکے ہوں، اگر نعش کے تفسخ اور ریزہ ریزہ ہونے کا یقین ہو، تو قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

"وإن دفن وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أوبها بلا غسل أو ممن لا ولاية له(صلي على قبره) استحسانا(مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير هو الأصح، وظاهره أنه لو شك في تفسخه صلى عليه۔

قال ابن عابدين:ينبغي أن يكون في حكم من دفن بلاصلاة من تردى في نحو بئر أو وقع عليه بنيان ولم يمكن إخراجه بخلاف مالوغرق في بحر لعدم تحقق وجوده أمام المصلي تأمل

(قوله هو الأصح)لأنه يختلف باختلاف الأوقات حراوبرداوالميت سمنا وهزالاوالأمكنة بحر، وقيل يقدر بثلاثةأيام، وقيل عشرة، وقيل شهر عن الحموي (قوله وظاهره الخ)أى ظاهر قوله مالم يغلب إلخ فإنه في الشك لم يغلب على الظن تفسخه (قوله:كأنه تقديما للمانع) الخبر محذوف:أي كأنه قال ذلك تقديما:أي أنه دار الأمر بين التفسخ المقتضي عدم الصلاة وبين عدمه الموجب لها، فاعتبرناالمانع، وهو التفسخ

أقول(ابن عابدين):وفي الحلبة،نص الأصحاب على أنه لا يصلى عليه مع الشك في ذلك ذكره في المفيد والمزيد وجوامع الفقه وعامة الكتب، وعلله في المحيط بوقوع الشك في الجواز وتمامه فيها"(شامی ۳/۱۲۵)۔

"إذا دفن قبل الصلاة عليه صلى عليه فى القبر مالم يعلمأنه تفرق أجزاؤه، لايخرج عن القبر، أما لا يخرج عن القبر؛ لأنه قد سلم إلى الله تعالى، وخرج عن أيدي الناس، جاء في الحديث عن رسول الله ﷺ أنه قال: القبرأول منزل من منازل الآخرة 'وأما الصلاة عليه في القبر فلا يرد رسول الله ﷺ فعلا، ولكن إنما يصلي عليه مالم يعلم أنه تفرق أجزاؤه، لأن المشرع الصلاة على الميت لا على أجزائه المتفرقة قالوا:وما ذكر أنه لا يخرج من القبر، فزلك فيما إذا وضع اللبن على اللحد أو

وضع ولكن لم يهل التراب عليه يخرج ويصلى عليه؛لأن التسليم لم يتم بعد۔

قال الحاكمالشهيد في'الأمالي':عن أبى يوسفؒ:أنه يصلى على الميت في القبر إلى ثلاثة أيام، والصحيح: أن هذا ليس بتقدير لازم؛ لأنه يختلف تفرق الأجزاء لاختلاف الأوقات في الحر والبرد وباختلاف الأمكنة،وباختلاف حال الميت في السن والهزال، فأما المعتبر فيه أكثر الرأي، إن كان في أكبررأيهم أنه تفرق أجزاء هذالميت المعين قبل ثلاثة أيام لايصلون عليه إلى ثلاثة، وإن كان في أكبررأيهم أنه لم تتفرق أجزاؤه بعد ثلاثة أيام يصلون عليه بعد ثلاثة أيام"(المحیط البرہانی ۲/ ۶۱۶)۔

اگر میت کی قبر معلوم نہ ہو اور طبی عملہ نے جنازہ کی نماز کے بغیر میت کو دفن کر دیا ہو، اور متعلقین کو قبر کی جگہ معلوم نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں مجبوری کے پیش نظر مذہب غیر پر عمل کرتے ہوئے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے۔

عام حالات میں تو احناف و مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں ہے، البتہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہے۔

کتب شافعیہ کی مراجعت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بلا کسی شرط (یعنی بلا تعیین مدت و اختلاف بلاد، چار تکبیروں کے ساتھ) نماز جنازہ درست ہے، لہذا ضرورت کے پیش نظر مذہب شافعیہ پر عمل کرتے ہوئے بقدر امکان فرض کی ادائیگی کے لئے غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہونی چاہئے، حضرات فقہاء نے بر بناء ضرورت مذہب غیر پر عمل کی اجازت دی ہے، حضرت تھانویؒ نے جمع بین الصلاتین کے متعلق تحریر فرمایا ہے:''البتہ ضرورت شدید میں تقلید اللشافعی جمع کر لینا مع شرائط مقررہ مذہب شافعی جائز ہے''"ولابأس بالتقليد عند الضرورة"(درمختار فی بحث الجمع الروایۃ ۵/ ۸۲، ۸۳، امداد الفتاوی جدید ۱/ ۳۷۵، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۳/ ۱۰۵، المجموع شرح المہذب ۲/ ۲۵۲، شرح النووی علی مسلم ۴/ ۱۹، الحدیث ۹۵۱ طبع دار الکتاب العلمیۃ)۔

☆☆☆

کورونا سے پیدا شدہ مسائل کا شرعی حکم

مفتی محمد حذیفہ داحودی☆

کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

۱- **(الف):** رسول اللہ کے طرزِ عمل ﷺ اور حضرات صحابۂ کرامؓ کے تعامل کی روشنی میں فقہاءؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر مسجد محلّہ میں ایک مرتبہ اہل محلّہ نے باجماعت نماز پڑھ لی ہے تو پھر اس مسجد میں دوسری مرتبہ باجماعت نماز نہیں پڑھی جائے گی، ایسا کرنا منع اور مکروہ تحریمی ہے، بلکہ بعد میں آنے والے لوگ تنہا تنہا اپنی نماز ادا کریں گے، علاوہ ازیں ایک سے زائد مرتبہ باجماعت نماز قائم کرنے میں اصل جماعت کی تقلیل، اس کے اہتمام واہمیت میں تکاسل وتہاون وغیرہ مفاسد بھی پائے جاتے ہیں۔

”یکرہ ...... تکرارالجماعة لماروی عبد الرحمن بن أبی بکرعن أبیه أن رسول اللهﷺ خرج من بیته لیصلح بین الأنصارفرجع وقد صلی فی المسجد بجماعة، فدخل رسول الله فی منزل بعض أهله فجمع أهله فصلی بهم جماعة۔ولولم یکرہ تکرارالجماعة فی المسجد لصلی فیه وروی عن أنسؓ ان أصحاب رسول اللهﷺ کانوإإذافاتتهم الجماعة فی المسجدصلوافی المسجد فرادی۔و لأن التکراریؤدی إلی تقلیل الجماعة لأن الناس إذاعلمواأنهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر وإلاتأخروا۔بدائع وحینئذ، فلودخل جماعة المسجدبعدماصلی أهله فیه، فإنهم یصلون وحدانا،وهو ظاهر الروایة۔ظهیریة۔“ (الدرمع الرد ۲/ ۲۸۸،۶۴)۔

تکرارِ جماعت مکروہ وممنوع ہونے کی بنیادی وجہ تقلیل جماعت ہے، مسجد میں ایک سے زیادہ مرتبہ جماعت کا نظام ہونے میں جماعت کی تعداد کا قلیل ہوجانا ظاہر ہے، کیونکہ جب لوگ دیکھیں گے کہ باربار جماعت ہوتی ہے تو مقررہ وقت پر آنے اور جلدی کرنے کے بجائے آنے میں تاخیر کریں گے، اگلی جماعت کی امید پر غفلت سے کام لیں گے، جس سے منشأ شریعت ”تکثیرِ جماعت“ فوت ہوکررہ جائے گا اور جماعت میں نمازیوں کی تعداد کم ہوجائے گی۔علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے

☆ بیت الحمد، ندی روڈ، نزد جامع مسجد، موٹا گھانچی واڑا، مسجد، داحود (گجرات)۔

ہیں:"ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون، فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنها لاتفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه۔" (البدائع:۱/۳۸۰)۔

اسی بنیاد کے پیش نظر فقہاء نے تکرارِ جماعت کی بہت سی ان صورتوں کو ممانعت وکراہت کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ان کی گنجائش اور اجازت دی ہے، جو "تقلیل جماعت" کا ذریعہ نہیں بنتی ہیں، باوجودیکہ ان میں تکرار موجود ہے۔مثلاً:

(۱): یہ کہ تکرارِ جماعت مسجدِ طریق میں ہو۔یعنی اس مسجد میں ہو جس کے نمازی معین نہ ہوں۔"بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق، لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لايؤدي إلى تقليل الجماعات" (البدائع:۱/۳۸۰)"يكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولامؤذن۔وفي الرد: المراد بمسجد المحلة ماله إمام وجماعة معلومون"(الدروالرد۲/۲۸۸)۔

(۲): تکرارِ جماعت اس مسجد میں ہو جس میں امام اور مؤذن معین نہ ہوں۔"وإذا لم يكن للمسجد إمام و مؤذن راتب فلا يكره تكرار الجماعة فيه بأذان وإقامة، بل هو الأفضل ذكره قاضي خان"(حلبی کبیر:۵۳۰، الدرالمختار:۲/۲۸۸)۔

(۳): مسجد محلّہ میں غیر اہل محلّہ نے تکرارِ جماعت کی ہو۔"بخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لايؤدي إلى تقليل الجماعة: لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذ......۔"(البدائع:۱/۳۸۰)۔

(۴): مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان تکرارِ جماعت کی ہو۔"يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهما فيه اولاً غير أهله أو أهله ولكن بمخافتة الأذان......ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة ولو بدون أذان ويؤيده ما في الظهيرية: لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية......"(ردالمحتار:۲/۲۸۸، ۲۸۹)۔

ان صورتوں میں بالاتفاق تکرارِ جماعت کو نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ افضل قرار دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں:

(۵): مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے پہلی جماعت اعلان اذان سے کی ہو اور تکرارِ جماعت میں تین سے زیادہ افراد نہ

ہوں تو یہ صورت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی اس طرح کی بات منقول ہے۔ ”وفی آخرشرح المنیة(۵۳۰) :وعن أبی حنیفة لو كانت الجماعة الثانیة أكثرمن ثلاثة یكره التكرار، و الا فلا ......“ (الدرمع الرد:۲/۶۴،۲۸۸)”وروی عن أبی یوسف أنه إنمایكره إذاكانت الجماعة الثانیة كثیرة،فأماإذا كانواثلاثة أوأربعة فقاموافی زاویة من زوایاالمسجد وصلوابجماعة لایكره“(البدائع: ۱/۳۷۹)۔

(۶): مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے پہلی جماعت اعلان اذان سے کی ہواور تکرارِ جماعت بلاتداعی واہتمام ہوتو یہ صورت حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔”وروی عن محمد انه انمایكره إذاكانت علی سبیل التداعی و الاجتماع، فأماإذالم یكن فلا یكره“(البدائع:۱/۳۷۹)۔

(۷): مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے پہلی جماعت اعلان اذان سے کی ہواور تکرارِ جماعت بلااذان ہواور ہیئت اولی پر نہ ہوتو یہ صورت حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔شرح منیہ میں اس کو صحیح قرار دیا گیا ہے،جبکہ ولوالجیہ میں اس رائے کو اختیار کئے جانے کی بات کہی گئی ہے اور علامہ شامیؒ کا خیال ورجحان بھی یہی ہے:”وفی آخرشرح المنیة(۵۳۰):و عن أبی حنیفة لوكانت الجماعة الثانیة اكثرمن ثلاثة یكره التكراروالافلاوعن ابی یوسف:إذالم تكن علی الهیئة الأولی لاتكره والاتكره، وهوالصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة، كذا فی البزازیة، وفی التاتارخانیة عن الولوالجیة، وبه ناخذ“(الدرمع الرد:۲/۶۴،۲۸۸)”قد علمت ان الصحیح انه لایكره تكرارالجماعة إذالم تكن علی الهیئة الاولی “(الرد:۲/۶۵)۔

اس کے برخلاف تکرارِ جماعت کی وہ صورت جس میں تقلیلِ جماعت لازم آتی ہے اس کو فقہاء نے مکروہ وممنوع قرار دیا ہے، جیسا کہ مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے اعلان اذان کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرلی ہے تو اب ہیئت اولی پر ہی اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا بالاتفاق مکروہ وممنوع ہوگا۔کمامر

مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر زیر بحث مسئلہ میں یعنی کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں وقتی طور پر ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ جماعت قائم کرنے کی گنجائش واجازت معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ایسے ماحول میں تکرارِ جماعت یہ اصل جماعت میں تقلیل کا ذریعہ نہیں بن رہی ہے، بلکہ کورونا کی پابندیوں کی وجہ سے پہلے ہی سے جماعت میں تقلیل ہے،تاہم بہتر یہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے (جسے شرح منیہ میں ”وهو الصحیح“اور ولوالجیۃ میں ”وبه ناخذ“ کہہ کر باوزن قرار دیا گیا ہے اس کے مطابق) ہیئت اولی کو بدل کر(عدول عن المحراب کر کے یعنی امام وسط مسجد میں محراب اور محراب کی

محاذات میں کھڑا نہ ہو اس طرح) دوسری مرتبہ جماعت کی جائے تا کہ کراہت کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔

الغرض کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں جمعہ کی نماز کے لئے ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ:

(۱): ہر جماعت کا امام الگ ہو۔

(۲): دوسری مرتبہ با جماعت نماز اذان واقامت کے بغیر ہو۔"**وإن صلى فيه اهله بأذان وإقامة أو بعض أهله يكره لغير اهله وللباقين من أهله أن يعيدوا الأذان والإقامة**" (البدائع:۱/۳۷۸)۔

(۳): ہیئت اولی کو بدل کر یعنی محراب اور محاذات محراب سے ہٹ کر نماز پڑھی جائے۔

(۴): اس چیز کی عادت نہ بنالی جائے۔یعنی صرف مجبوری اور کورونا کی پابندیوں کے زمانہ میں ہی اس طرح کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جائے اور بس۔

جواب (ب): مسجد محلّہ میں جس طرح عام نمازوں کی جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہے اسی طرح جمعہ کی نماز ایک دفعہ ہو چکنے کے بعد اسی مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ بھی درست نہیں ہے، مکروہ ہے۔ چنانچہ شامی وغیرہ میں تصریح ہے کہ جمعہ کے بعد جامع مسجد کے کواڑ بند کر دیئے جائیں تا کہ بعد میں کوئی اور جمعہ نہ پڑھیں۔"**في الدر: وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة الا الجامع. وفي الرد: قوله: (الا الجامع) أى الذى تقام فيه الجمعة، فإن فتحه فى وقت الظهر ضرورى والظاهر انه يغلق أيضا بعد إقامة الجمعة لئلا يجتمع فيه أحد بعدها**" (الدر مع الرد:۳/۳۳)۔

"فتاوی دار العلوم" (۳/ ۶۲) میں ہے:" جماعت ثانیہ مسجد محلّہ میں کرنا مکروہ ہے اور جمعہ کی نماز دوبارہ اسی مسجد میں جس میں جمعہ ہو چکا ہے جائز نہیں"۔

"فتاوی رحیمیہ" میں ہے:" ایک مسجد میں دو جمعہ قائم نہیں کر سکتے، جن کو جگہ نہ ملے وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں، اگر دوسری مسجد میں گنجائش نہ ہو یا مسجد نہ ہو تو کسی ہال میں یا کسی بڑے مکان میں (جہاں سب کو آنے کی پوری اجازت ہو، کسی کے لئے روک ٹوک نہ ہو) جمعہ کا انتظام کیا جائے" (فتاوی رحیمیہ، جدید دیوبند:۳/۴۲۱، ۲/ ۵۰۷)۔

اس لئے مذکورہ بالا مسئلہ میں:

اولاً: تو مسجد کے اندر جگہ کی تنگی اور مسجد کے باہر نمازِ جمعہ ادا کرنے کی وجہ سے فتنہ وفساد کی شکل میں زائد تعداد کے لئے قریب کی کوئی اور مسجد میں جمعہ کی ادائیگی کا نظام بنایا جائے یا پھر ان کے لئے ہال یا میدان وغیرہ کسی اور کشادہ جگہ میں دوسری مرتبہ کا جمعہ قائم ہو اس کا نظام بنانے کی پوری کوشش کی جائے۔

ثانیاً: ان باتوں میں کامیابی نہ ملنے تک عارضی طور پر ایسی جگہ جہاں مسجد کے باہر نماز ادا کرنے میں مسائل پیدا ہوتے ہیں وہاں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت کا نظام بنانے کی گنجائش اور اجازت ہوگی، بشرطیکہ مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ رکھا جائے جو سابق جواب کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔

وجہ اس کی ظاہر ہے، وہ یہ کہ عام وقتیہ نماز ہو یا جمعہ کی نماز، اس کی دوسری مرتبہ جماعت مکروہ وممنوع ہونے کی بنیادی وجہ تقلیل جماعت ہے، جیسا کہ اوپر بالتفصیل گذر چکا اور زیر بحث مسئلہ میں اندورنِ مسجد جگہ کی تنگی اور بیرونِ مسجد صفیں قائم کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہونے کی وجہ سے جو جمعہ کی دوسری جماعت قائم کی جارہی ہے وہ اصل جماعت کی تقلیل کا ذریعہ نہیں بن رہی ہے، اس سے اصل جماعت متاثر نہیں ہوتی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ نماز جمعہ کی نعمت سے محروم رہ جانے والے بہت سے لوگوں کے لئے جمعہ کی سعادت کے حصول کا سبب بنتی ہے، بلکہ فتنہ وفساد کے رفع ہونے کا باعث بھی بنتی ہے، ورنہ یا تو محلّہ کی بڑی تعداد کو جمعہ سے محروم ہونا پڑے گا یا پھر فتنہ وفساد وغیرہ مسائل پیدا ہوں گے، اس لئے ایسے موقعوں پر نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت کا نظام بنانے کی گنجائش ہوگی۔ بہت سے اصحابِ فتاویٰؒ نے اس گنجائش کو ذکر کیا ہے، چنانچہ:

''محمود الفتاوی'' (۳/۱۸۹) میں ہے: ''اگر وہاں قریب میں کوئی ایسا مکان یا بڑا ہال میسر ہو کہ اس میں جمعہ کی دوسری جماعت ادا کی جاسکتی ہو تو وہ صورت اختیار کی جائے اور اگر ایسا کوئی مکان یا ہال میسر نہیں تو بدرجۂ مجبوری جمعہ کی دوسری نماز اسی مسجد میں قائم کی جاسکتی ہے، البتہ اس کے لئے ایسی ترتیب اختیار کی جائے کہ دونوں جماعتوں کا حق ادا ہو کر کسی ایک کی تقلیل یا اس کی طرف سے بے التفاتی لازم نہ آئے''۔

'' کتاب الفتاوی'' (۳/۸۱) میں ہے: ''اصل یہ ہے کہ مسجد میں ایک ہی جماعت ہو، اس لئے اس کے لئے کوشش جاری رکھنی چاہئے اور جب تک یہ سہولت نہ پہونچے تکرارِ جماعت کے ساتھ ہی سہی تمام آنے والوں کے لئے جمعہ کی سہولت برقرار رکھنا چاہئے کہ اس سے فریضۂ دین کی اہمیت لوگوں کے ذہن میں باقی رہے گی اور ان کے ذہنوں میں اپنی مذہبی شناخت بھی قائم رہے گی''۔

'' فتاوی قاسمیہ'' (۶/ ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۰۵، ۹/ ۲۷۴) میں ہے: ''اگر شہر میں اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد دور دور تک نہیں ہے جہاں جاکر یہ لوگ اپنا فریضہ ادا کرسکیں اور دوسری جماعت کرنے کے لئے کوئی دوسری جگہ بھی نہیں ہے اور دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کی ایک بھاری تعداد جمعہ سے محروم ہوجاتی ہے اور اس تعداد کو وقت پر حاضر ہونے میں کوئی تاخیر بھی نہیں ہوتی ہے تو ایسی شدید ضرورت کے تحت اس مسجد میں دو مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی جانے کی گنجائش ہے، اگر یہ اعذار نہیں ہیں تو جائز نہیں ہے، جماعت ثانیہ کے لئے باقاعدہ اذان نہ دی جائے، اس کی گنجائش اس وقت تک ہے

جب تک دوسری مسجد کا نظم نہ ہو، سب لوگوں پر ضروری ہے کہ دوسری مسجد قائم کرنے کا انتظام کریں، تکرارِ جماعت کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے اصل جماعت متاثر ہوتی ہے، یہاں سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل جماعت متاثر نہیں ہے، نیز یہاں تکرار نہ کیا جائے تو شہر کی بھاری تعداد کو جمعہ سے محروم ہونا پڑے گا''۔

''کتاب المسائل''(۱/۴۲۱، کتاب النوازل: ۴/ ۵۱۵، ۵۱۹) میں ہے: ''بڑے شہروں وغیرہ میں اگر ایک مسجد میں بیک وقت سب نمازی نہ سما پائیں اور دوسری جماعت کی ضرورت ہو تو اولی یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ کسی قریبی ہال یا میدان میں جمع ہو کر دوسری جماعت کا اہتمام کیا جائے، تا کہ ایک مسجد میں تکرارِ جماعت کا محظور لازم نہ آئے، لیکن اگر دوسری جگہ جماعت کرنے کا انتظام ممکن نہ ہو تو ایک ہی مسجد میں دوسرے امام کی اقتداء میں مابقیہ لوگ جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں، کیوں کہ یہاں تکرارِ جماعت کی علت تقلیلِ جماعت نہیں پائی جارہی ہے۔......دوسری مرتبہ جو جماعت ادا کی جارہی ہے اس کے لئے اذان واقامت نہیں کہی جائے گی۔......اگر نمازی زیادہ ہوں اور جماعت کے لئے کوئی اور جگہ دستیاب نہ ہو تو بارش کی شدت کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں تکرارِ جماعت کی گنجائش ہے''۔

جواب(۲): جن مسجدوں میں یا بڑے ہال وغیرہ میں جمعہ قائم کرنے کا نظام بنایا گیا ہے، وہاں جمعہ قائم ہوجانے کے بعد جو لوگ رہ گئے ہیں یعنی جن کی جمعہ فوت ہوگئی ہے ان کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ جمعہ ہوجانے کے بعد ظہر پڑھیں، نہ یہ کہ جمعہ پڑھیں۔ ''**جماعة فاتتهم الجمعة فی المصر،فإنهم یصلون الظهربغیرأذان ولاإقامة و لاجماعة۔**''(البحرالرائق:۲/۲۶۹)۔

''امدادالفتاوی''(۳/۷۷) میں ہے:

''سوال: اگر اتفاقاً چند آدمیوں کی نماز جمعہ فوت ہوجائے تو وہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں یا ظہر تنہا تنہا پڑھیں؟ پہلی صورت میں مسجد کے صحن میں جو نماز کے لئے نہیں ہے، بلکہ وہاں جوتے رکھتے ہیں، نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ان لوگوں کے گھر بھی موجود ہیں۔(تو کیا کسی گھر میں نماز پڑھیں۔) جواب: جن مساجد میں جمعہ ہوتا ہے اگر ان سے کسی مسجد میں جمعہ مل سکے تو وہاں پڑھ لیں لجواز تعدد الجمعۃ اور اگر ان میں سے کسی میں نہ ملے تو منفرداً ظہر پڑھے، نئی جگہ جمعہ نہ پڑھے''۔

تاہم چونکہ جمعہ کی ادائیگی درست ہونے کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے، مسجد کے علاوہ جگہوں پر بھی جمعہ قائم کرنا درست ہے۔''**فی الفتاوی الغیاثیة: لوصلی الجمعة فی قریة بغیرمسجد جامع والقریة کبیرة لهاقری وفیهاوال وحاکم جازت الجمعة بنواالمسجد اولم یبنواوهو قول أبی قاسم الصفار،وهذا،اقرب**

الاقاویل إلی الصواب انتهی، وھولیس ببعید مماقبلہ والمسجد الجامع لیس بشرط، ولھذااجمعواعلی جوازھابالمصلی فی فناء المصر۔"(حلبی کبیر:۴۷۴)، نیز حسبِ موقع ایک سے زائد جگہوں پر جمعہ قائم کرنا بھی جائز ہے۔"وتؤدی فی مصرواحد بمواضع کثیرة مطلقاًعلی المذھب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدیردفعاللحرج۔وفی الرد:قولہ:(مطلقاً)ای سواء کان المصر کبیرااولا ...... وسواء کان التعدد فی مسجدین أوأکثر،ھکذایفادمن الفتح ومقتضاہ أنہ لایلزم أن یکون التعدد بقدرالحاجة قولہ:(دفعا للحرج) لأن فی الزام اتحادالموضع حرجابینالاستدعاء ہ تطویل المسافةعلی أکثر الحاضرین ولم یوجد دلیل عدم جوازالتعدد،بل قضیة الضرورة عدم اشتراط لاسیماإذاکان مصرا کبیرا کمصرنا"(الدرمع الرد:۳/۱۵،۱۶،الہندیہ:۲/۳۰۶)،اس لئے کورونا کی پابندیوں کے ماحول میں مسجد میں جمعہ کی ایک جماعت پر اکتفاء کرتے ہوئے یا مزید دوایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازیوں کے لئے محلّہ کے مکانات میں جمعہ کے لئے چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے نظام میں بھی کوئی حرج نہیں ہے،اس کی گنجائش ہے،وقتی ضرورت اور حالات کا یہی تقاضہ ہے، بلکہ اس طرح ہی سہی جمعہ جو کہ شعائر اسلام کے درجہ میں اور خصائص دین میں سے ہے،اس کو قائم کرنے سے لوگوں کے دلوں میں جو اس کی اہمیت تھی وہ باقی رہے گی، پھر عام حالات میں بھی جمعہ کا اہتمام کرنا عام لوگوں کے لئے آسان ہوگا۔ہاں!البتہ یہ ضروری ہے کہ لوگ اس کو وقتی نظام کو آئندہ کے لئے معمول نہ بنالیں۔

واضح رہے کہ کورونا کے ماحول میں محلّہ کے مکانات میں جمعہ کے لئے چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے نظام کا معمول کے خلاف ہونا مضر نہیں ہے، کیوں کہ کورونا کے مخصوص حالات اور اس کی پابندیوں نے عام حالات کے بہت سے معمولات کو بدل کر رکھ دیا تھا،اسی طرح تشتت والی بات بھی لائق التفات نہیں،اصل چیز موقع کی ضرورت اور تقاضہ ہے،اسی لئے فقہاء نے اولاً ایک علاقہ میں صرف ایک ہی مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی بات کہی تھی، جو کہ اصل اور منشأ شریعت کے عین مطابق ہے، پھر بوجہ ضرورت وبسبب رفع حرج تعدد جمعہ کے قائل ہوئے،اسی طرح یہاں بھی وقت کی نزاکت اور حالات کے تقاضہ کی بناء پر چند ایک مکانات میں وقتی طور پر جمعہ قائم کرنے کا نظام بنایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ کوشش یہ کی جائے کہ جمعہ کا قیام مکان کی ایسی کشادہ، کھلی اور اوپن جگہ میں ہو جہاں باہر سے آنے والا بلا کسی جھجک آسکے،جس سے اذن عام کی سی صورت پیدا ہوجائے، جمعہ کی ادائیگی درست ہونے کے لئے فقہاء نے ایک شرط"اذن عام"یعنی عمومی اجازت کی رکھی ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ ایسی جگہ قائم کیا جائے جہاں نماز کے لئے آنے والوں کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو، یہ اور بات ہے کہ حفاظتی نقطہ نظر سے یا اور کسی وجہ سے مثلا: دائمی معمول کی وجہ سے بندش

اور پابندی ہو،اس میں کوئی حرج نہیں۔اس کی مثال ایسا قلعہ ہے جس کے دروازے دشمن سے بچاؤ کے لئے یا قدیم معمول کی وجہ سے بند کردئے جاتے ہوں کہ اس میں جمعہ قائم کرنا درست قرار دیا گیاہے، کیونکہ قلعہ کا دروازہ بند کرنے کا مقصد دشمن سے حفاظت یاقدیم معمول ہے،نمازیوں کوروکنانہیں۔

فی الدر:"**والسابع الإذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح ابواب الجامع للواردين فلايضرغلق باب القلعة لعدواوعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقررلأهله وغلقه لمنع العدو لاللمصلى،نعم لولم يغلق لكان احسن...... وفى الرد:والذى يضرانماهومنع المصلين لامنع العدو۔**"(الدرمع الرد:۳/۲۵)اسی طرح روک ٹوک نہ ہونے کے باوجود عمومی طورلوگ شریک نہ ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں، یہ سب چیزیں "اذن عام" میں مخل نہیں،اس طرح بھی نماز جمعہ درست ہوجائے گی۔فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بادشاہ اپنے خدام کے ساتھ اپنے مکان میں جمعہ کی نماز پڑھے اور وہاں اندر آنے کی عام لوگوں کواجازت ہوتو جمعہ کی نماز ادا ہوجائیگی، چاہے عام لوگ اندرآکراس میں شریک ہوں یانہ ہوں۔

"**السلطان إذاأرادأن يجمع بحشمه فى داره فإن فتح باب الداروأذن إذناعاما جازت صلوته شهدهاالعامة أولم يشهدوها......**"(الہندیۃ:۲/۲۲۳،حلبی کبیر:۴۸۰،ردالمحتار:۳/۲۶)۔

"کفایۃ المفتی" (۳/۲۳۱) میں ہے:"سوال:بوجہ تنگی مسجد کسی شخص کے مملوکہ مکان میں کہ جس میں تمام مسلمان بلاروک ٹوک آسکیں اور فراخ ہو جمعہ کی نماز جائز ہے یانہیں؟ جواب:ہاں!مکان میں بھی جمعہ ہوسکتی ہے جب کہ کسی کی روک ٹوک نہ ہو،مگر ہمیشہ مکان میں ہی نماز قائم کرنااور مسجد کو معطل کرنا نہیں چاہئے۔"

مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ کثرتِ بارش کی وجہ سے چلنا اور مسجد میں جمعہ کے لئے جانا دشوار ہے،مکان بھی مسجد سے دور ہے،توگھر پر جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ تو آپ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:"تعددِ صلوۃِ جمعہ علی القول المفتی بہ صحیح است، پس اگر بہ عذرِ مطر رفتن بمسجدِ جامع دشوار باشد بہ جائے دیگر بجماعت مشروعہ (وآں سہ مرد است علاوہ امام۔درمختار) صحیح است۔"(فتاوی دارالعلوم:۵/۷۵)۔

ایک مقام پر ہے:"سوال:ایک شہر کی چند مساجد میں جمعہ جائز ہے،پس علاوہ مسجد کے کسی کارخانہ یامکان میں مثل مسجد کے جمع ہوکر جمعہ پڑھیں توکیسا ہے؟ کیا جمعہ کے لئے مسجد ضروری ہے؟ جواب:امصار وقصبات میں جمعہ کے ادا ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے،علاوہ مسجد کے دوسرے مکانات اور کارخانوں میں اور میدانوں میں بھی جمعہ صحیح ہے"(فتاوی دارالعلوم:۵/۸۳،۸۴)۔

نیز لکھا ہے: ’’سوال: ایک بانی مسجد نے امام مسجد کو ایک روز مارا اور گالی دی، اسی وجہ سے بیس مسلمان مکان میں جمعہ اور جماعت کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں بوجہ خوف فتنہ فساد کے؟ جواب: اس حالت میں مکان میں جمعہ و جماعت کرنا درست ہے‘‘ (فتاوی دار العلوم: ۳/ ۷۰)۔

’’فتاوی رحیمیہ‘‘ میں ہے: ’’جو لوگ جمعہ پڑھنے سے رہ گئے ہیں وہ دوسری جماعت نہیں کرسکتے ، مکروہ تحریمی ہے، البتہ دوسری مسجد جہاں جمعہ نہ ہوا ہو وہاں جا کر با قاعدہ خطبہ دیکر نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں، یا کسی مکان میں (جہاں سب کو نماز پڑنے کی اجازت ہو) پڑھ سکتے ہیں، ظہر پڑھیں تو تنہا تنہا پڑھیں، شہر اور قصبات میں جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے ظہر کی نماز مسجد یا مکان میں با جماعت ادا کرنا ممنوع ہے،......‘‘ (فتاوی رحیمیہ، جدید دیوبند: ۳/ ۴۲۱)۔

جواب(۳): حاکم کی طرف سے جمعہ کی نماز کے لئے مسجد جانے میں پیش آنے والی رکاوٹ یہ جمعہ کے وجوب کو ساقط کردیتی ہے۔ ”**الاختفاء من السلطان الظالم مسقط، کذا فی فتح القدیر**“ (الہندیۃ: ۲/ ۳۰۳)، پس کورونا کے ماحول میں سرکاری پابندیوں کی وجہ سے جن لوگوں کی مسجد کی جمعہ فوت ہوگئی اگر وہ کسی اور جگہ بھی جمعہ نہ پڑھ سکیں تو گھروں میں ظہر ادا کرنے سے ان لوگوں کا وقت کا فریضہ ادا ہوجائے گا، پھر یہ لوگ گھروں میں ظہر کی نماز تنہا بھی ادا کرسکتے ہیں اور گھروں میں جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنے کی بھی انہیں اجازت ہوگی، بلکہ یہی بہتر ہوگا کہ جماعت کے ساتھ ظہر ادا کریں۔

وضاحت: اس کی یہ ہے کہ جو لوگ کسی وجہ سے جمعہ نہ پڑھ سکے ہوں ان کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ مسجد میں جمعہ ہوجانے کے بعد ظہر پڑھیں، نہ کہ جمعہ، جیسا کہ اوپر گذرا اور ظہر بھی بغیر جماعت کے تنہا تنہا پڑھیں، نہ کہ جماعت سے، ان کے لئے جماعت سے ظہر پڑھنا مکروہ ہے۔ ”**وکرہ جماعۃ الظہر لأھل المصر اذالم یجمعوا المانع**“ (الہندیۃ: ۲/ ۳۲۴)، اس اصل حکم کے مطابق کورونا کے حالات میں جمعہ کے دن مسجد میں جمعہ کی نماز ہوجانے کے بعد جمعہ سے رہ جانے والے لوگوں کے لئے اپنے مکانات پر تنہا تنہا ظہر پڑھنا درست ہے، ظہر کو بغیر جماعت کے تنہا تنہا پڑھنے کا یہ حکم دو وجہوں سے ہے، ایک: یہ کہ ان کی جماعت جمعہ کی جماعت میں تقلیل کا ذریعہ نہ بنے، دوسری وجہ: یہ ہے کہ اس طرح کرنے سے جمعہ کی جماعت کے معارضہ کی شکل پیدا نہ ہو، ظاہر ہے کہ کورونا کی پابندیوں اور مجبوریوں کے ماحول میں اگر جمعہ سے رہ جانے والے لوگ گھروں پر ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں گے تو ان کا یہ عمل دونوں باتوں میں سے کسی بات کا بھی ذریعہ نہ بنے گا، نہ جماعتِ جمعہ کی تقلیل کا اور نہ ہی معارضہ کا۔ اس لئے ظہر بغیر جماعت کے تنہا تنہا پڑھنا ضروری نہ ہوگا، جماعت کے ساتھ بھی ظہر پڑھنے کی اجازت ہوگی، بلکہ اگر کورونا کا اس طرح کا ماحول کچھ طویل سا ہوجائے، جیسا کہ ہوا تو پھر تنہا تنہا

پڑھنے سے جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہوگا۔ کیوں کہ فرض نمازوں کو جماعت سے پڑھنا یہ اصل اور اداء کامل ہے۔

”وكره تحريماً لمعذورومسجون ومسافراداء ظهر بجماعة فى مصرقبل الجمعة وبعدهالتقليل الجماعة وصورة المعارضة.....وكذاأهل مصرفاتتهم الجمعة، فإنهم يصلون الظهربغيرأذان ولاإقامة ولاجماعة، و يستحب للمريض تأخيرهاإلى فراغ الإمام، وكره إن لم يؤخر، هوالصحيح۔وفى الرد:قوله:(لتقليل الجماعة)لأن المعذورقديقتدى به غيره فيؤدى إلى تركها، و كذاإذاعلم أنه يصلى بعدهابجماعة ربما يتركهاليصلى معه وقوله:(صورة المعارضة)لأن شعارالمسلمين فى هذااليوم صلوة الجمعة وقصد المعارضةلهم يؤدى إلى أمرعظيم فكان فى صورتهاكراهة التحريم وقوله:(وكذااهل مصر)الظاهران الكراهة تنزيهية لعدم التقليل والمعارضة المذكورين ويؤيده مافى القهستانى عن المضمرات:يصلون وحدانااستحباباً۔“(الدر مع الرد:۳/۳۲،۳۳)،”وفى فتاوى الولوالجى:قوم لايجب عليهم أن يحضروا الجمعة لبعد الموضع صلواالظهرجماعة، لأنه لايؤدى إلى تقليل الجماعة فى الجمعة اه۔فإن كانوا فى السواد فظاهر،وإن كانوا فى المصرفهى مستثناة من كلام المصنف“(البحر:۲/۲۶۹)۔

۴-تجہیز وتکفین:

جواب(الف): شریعت میں کفن کی تین قسمیں قرار دی گئی ہے، پہلی قسم: کفن سنت ہے، یعنی مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ کپڑے، ان کپڑوں میں میت کو کفنانہ اعلی درجہ کا اور مسنون ہے۔”السنة أن يكفن الرجل فى ثلاثة أثواب قميص وازارولفافة والمرأةفى خمسة درع وخماروازارولفافة وخرقة تربط على ثدييهاوالكفاية فى حقه أن يقتصرعلى ازارولفافةوفى حقهاعلى ازاروخمارولفافة والفرض فى حقهماثوب يسترالبدن هذامذهبنا۔“(حلبی کبیر:۴۹۹)۔

دوسری قسم: کفنِ کفایہ ہے، یعنی مرد کے لئے دو کپڑے اور عورت کے لئے تین کپڑے، ان کپڑوں میں میت کو کفنانہ اوسط درجہ کا اور واجب ہے، پس گنجائش ہوتے ہوئے بھی اس سے کم میں کفنانہ مکروہ ہے۔”وحاصله أن كفن الكفاية، هوأدنى مايكفيه بلا كراهةفهودون السنة وهل هوسنة اوواجب ؟الذى يظهرلى الثانى......“(الرد:۳/۹۷)،”والثانى كفن كفاية أى مايكتفى به حال الاختيار بدون كراهة وهوالقدر الواجب وفى الفتح:ويكره الاقتصارعلى ثوب واحدحالة الاختيار كماتكره الصلوة فيه حال الاختيار۔“ (طحطاوی علی

المراقی:۵۷۷،الرد:۳/۹۷)۔

اور تیسری قسم: کفنِ ضرورت ہے،یعنی بدن کو چھپانے والا ایک کپڑا یا پھر جو بھی میسر ہو،مرد کے لئے بھی اور عورت کے لئے بھی،اس مقدار میں میت کو کفن دینا ادنی درجہ کا اور فرض ہے،جس سے فریضۂ تکفین ادا ہو جاتا ہے۔"**وكفن الضرورة للمرأة والرجل يكتفى فيه بكل مايوجد**"(طحطاوی علی المراقی:۵۷۹)"**نعم مايعم البدن هو كفن الفرض كماصرح به فى شرح المنية وغيره فيسقط به الفرض عن المكلفين......**۔"(الرد:۳/۹۸)۔

پس جب کورونا کے میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے اور کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو اولاً یہ کوشش کی جائے کہ اسی کور کے اوپر مسنون کفن میں اس میت کو لپیٹ دیا جائے اور اگر اس کی بھی گنجائش نہ دی جائے تو پھر یہ مخصوص کور کفنِ ضرورت اور کفنِ فرض کے تحت شامل ہو کر وہی کور کفن کے حکم میں ہو جائے گا اور تکفین کا فریضہ ادا ہو جائے گا،الگ سے کفن دینا ضروری نہ ہوگا،ہاں!البتہ یہ کور کفنِ سنت نہ ہوگا،کیوں کہ کفن سنت کے لئے مسنون طریقہ کے مطابق مرد کو تین کپڑوں میں اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنایا جاتا ہے،جیسا کہ گذرا۔

جواب(ب): میت سے متعلق مکلفین کے فرائض میں سے ایک فریضہ میت کی طہارت اور اس کی پاکی کا ہے،اس تعلق سے حضرات فقہاء کرامؒ کی تصریحات وتحقیقات کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱):اصل یہ ہے کہ ہاتھ سے ملتے ہوئے سنت طریقہ کے مطابق میت کو غسل دیا جائے،لیکن اگر ہاتھ سے ملنا ممکن نہ ہو،مثلاً: میت پھولنے کی وجہ سے ہاتھ لگانے کے قابل نہ ہو یعنی ہاتھ لگانے سے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو میت پر صرف پانی بہا دیا جائے گا،یہ پانی بہا دینا کافی ہوگا،کیونکہ ہاتھ سے ملنا ضروری نہیں۔"**ولو كان الميت متفسخايتعذرمسحه كفى صب الماء عليه**۔"(الہندیہ۲/۳۷۱)۔

(۲):اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ غسل دینے کی گنجائش نہیں ہے تو میت کو غسل کے بجائے تیمّم کرایا جائے گا۔ مثلاً: سفر میں کسی صاحب کا ایسی جگہ انتقال ہو گیا کہ وہاں پاک پانی کا انتظام نہیں ہے تو ایسے شخص کو تیمّم کرایا جائے گا۔ "**وإذامات الرجل فى السفروليس هناك ماء طاهرييمم ويصلى عليه**۔"(الہندیہ۲/۳۷۹)۔

(۳):اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ میت صنفِ مخالف ہونے کی وجہ سے ستر کے احکام کا لحاظ باقی نہیں رہتا ہے تو نہ میت کو غسل دیا جائے گا اور نہ ہی مس بالید سے تیمّم کرایا جائے گا،بلکہ ہاتھ پر کپڑا یا تھیلی وغیرہ کوئی چیز لپیٹ کر تیمّم کرائے گا۔ مثلاً:کسی جگہ صرف مردوں کے درمیان کسی تنہا عورت کا انتقال ہو جائے یا صرف عورتوں کے درمیان کسی تنہا مرد کا انتقال ہو جائے اور وہاں میت کا کوئی ذی رحم محرم بھی نہ ہو تو اس صورت میں اجنبی شخص ہاتھ پر کپڑا یا تھیلی وغیرہ کوئی

چیز لپیٹ کرتیمّم کرائے گا۔

”إذاکان للمرأ ۃ محرم ییممھابالید وأماالاجنبی فبخرقۃ علی یدہ ولومات الرجل بین النساء تیممہ ذات رحم محرم منہ أوزوجتہ أوامتہ بغیرثوب وغیرھابثوب۔“(الھندیۃ:۲/۳۷۸،البحر:۲/۳۰۵،الدر والرد:۳/۹۴)، یا مثلاً: میت خنثیٰ مشکل ہےتو اس کوبھی کپڑے کی آڑ سے تیمّم کرایا جائے گا۔ ”الخنثی المشکل المراھق لایغسل رجلا ولا امرءۃ ولم یغسلھارجل ولاامرءۃ ویتیمم وراء الثوب“ (الھندیۃ:۲/۳۷۸)۔

(۴): فقہاء نے جہاں نماز جنازہ کی صحت کے لئے طہارتِ میت کی شرطیت کو ذکر کیا ہے وہاں اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ یہ شرط اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کی ادائیگی کا امکان موجود ہو، پس اگر کوئی ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ جس میں اس شرط کی ادائیگی ممکن نہ رہی، نہ غسل کے ذریعہ اور نہ ہی تیمّم کے ذریعہ، تو پھر اس کی شرطیت وفرضیت ساقط ہوجائے گی۔”شرائطھاستۃ أولھااسلام المیت والثانی طھارتہ عن نجاسۃ حکمیۃ وحقیقیۃ فی البدن، فلاتصح علی من لم یغسل ولاعلی من علیہ نجاسۃ، وھذاالشرط عند الإمکان فلودفن بلا غسل، ولم یمکن إخراجہ إلا بالنبش سقط الغسل وصلی علی قبرہ بلا غسل للضرورۃ بخلاف ماإذالم یھل علیہ التراب بعد، فإنہ یخرج ویغسل۔“(طحطاوی علی المراقی:۵۸۱،البحر:۲/۳۱۴)،جیسا کہ کسی میت کو غسل کے بغیر ہی دفن کر دیا گیا کہ قبر کھولے بغیر اس کو باہر نکالنا ممکن نہیں ہے تو اس صورت میں ضرورۃً یہ فرض ساقط ہوجائے گا اور اس کی قبر پر بلا طہارت ہی نماز جنازہ پڑھ لی جائیگی۔اسی طرح مثلاً: کوئی شخص کسی کنویں یا بڑے گھڑے میں گر کر مر گیا جس سے اس کو باہر نکالنا ممکن نہیں یا اس پر کوئی عمارت گری اور اس طرح دب کر مر گیا کہ اس کو نکالنا ممکن نہیں تو اس صورت میں بھی بلا طہارت ہی اس پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

”ولودفن المیت ولم یصل علیہ صلی علی قبرہ۔قولہ:(صلی علی قبرہ)ھذاإذاأھیل التراب سواء کان غسل أولا؛لأنہ صارمسلماإلی مالکہ تعالی وخرج عن ایدینافلایتعرض لہ بعد بخلاف ماإذالم یھل، فإنہ یخرج ویصلی علیہ وقدمناأنہ إذادفن بعد الصلوۃ قبل الغسل إن أھالواعلیہ لایخرج وھل یصلی علی قبرہ،قیل:لا،والکرخی:نعم وھوالاستحسان، لأن الأولی لم یعتدبھالترک الشرط مع الإمکان والآن زال الإمکان فسقطت فرضیۃ الغسل......“(الہدایۃ مع فتح القدیر:۲/۱۲۴)،ومثلہ فی ردالمحتاروفیہ بعد ذلک:”وھذایقتضی ترجیح الاطلاق وھوالاولی۔نھر۔تنبیہ:ینبغی أن یکون فی حکم من دفن بلاصلوۃ من تردی فی نحوبئراووقع علیہ بنیان ولم یمکن اخراجہ“(ردالمحتار:۳/۱۲۵)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ کا حکم شرعی اس طرح واضح ہوتا ہے کہ کورونا کا میت جب متعلقین کے سپرد کیا جائے تو اس کے غسل وکفن کا نظام واہتمام ہو اس کی پوری پوری کوشش کی جائے، لیکن اگر پابندیوں کے ساتھ میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے اور کھولنے کی بالکل اجازت نہ دی جائے، بلکہ مواضعِ تیمّم یعنی چہرا اور ہاتھ کو بھی کھولنے کی اجازت نہ ہو اور نہ ہی اس کی کسی طرح گنجائش ہو تو اس صورت میں عدم امکان کی وجہ سے اس میت کی طہارت کی شرطیت وفرضیت ساقط ہوجائے گی، نہ اس کے لئے غسل ضروری رہے گا اور نہ ہی تیمّم، بلکہ اسی کور کے اوپر کفن کے کپڑے میں اسے لپیٹ کر بلا غسل وتیمّم ہی اس پر نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا جائے گا۔

۵-نماز جنازہ:

جواب (الف): اوپر گذر چکا ہے کہ عام حالات میں نماز جنازہ کی صحت کے لئے طہارتِ میت یعنی اس کا غسل دیا ہوا ہونا شرط ہوتا ہے، مگر کوئی ایسی صورت حال پیدا ہوگئی جس میں غسل دینا ممکن نہ رہا تو اس خاص حالت میں استحساناً یہ شرط ساقط ہوجاتی ہے۔ ’’**شرط صحتها اسلام الميت وطهارته وضعه امام المصلى......لو دفن بلاصلوة اوبلا غسل ولم يمكن إخراجه الا بالنبش سقط هذا الشرط اوالشرطان صلى على قبره بلا غسل للضرورة بخلاف ما إذا لم يهل عليه التراب بعد، فإنه يخرج ويغسل ويصلى عليه۔**‘‘ (حلبی کبیر:۴۹۹، الہندیۃ:۲/۳۹۲) ، ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی ایسا ہی ہے، اس لئے طہارت میت کی شرط کے بغیر قبر پر نماز جنازہ ادا کرنا درست ہوگا۔ بشرطیکہ میت کے عدم تفسخ کا ظن غالب ہو اور اگر میت کے تفسخ، یعنی اس کے پھٹ جانے کا خیال ہو تو پھر نہ قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی غائبانہ نماز جنازہ، بلکہ اس کے لئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کی صورت اختیار کی جائے گی۔ ’’**ولو دفن الميت قبل الصلوة أو قبل الغسل، فإنه يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام والصحيح، أن هذا ليس بتقدير لازم بل يصلى عليه ما لم يعلم أنه قد تمزق۔**‘‘ (الہندیۃ:۲/۴۰۶، الہدایۃ مع فتح القدیر:۲/۱۲۴، الدر مع الرد:۳/۱۲۵)۔

جواب (ب): نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے میت کا سامنے رکھا ہوا ہونا شرط ہے، میت غائب پر نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں۔ ’’**ومن الشروط حضور الميت ووضعه وكونه أمام المصلى فلا تصح على غائب۔**‘‘ (الہندیہ ۲/۳۹۸)، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ کی دور دراز مقامات پر اموات ہوئیں، جن کے میت آپ کے سامنے حاضر نہیں تھے، آپ نے مدینہ منورہ میں ان پر غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی، باوجودیکہ اپنے صحابہؓ کی نماز جنازہ پڑھنے کے آپ بہت زیادہ خواہشمند تھے، صرف شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے غائبانہ طور پر پڑھی تھی، مگر دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ ان کی خصوصیت کی بنا پر تھا یا پھر حضرت نبی کریم ﷺ کے معجزہ کے طور پر تھا کہ

آپ ﷺ کے اور نجاشی کے درمیان کے حجابات اٹھادئے گئے تھے، گو یا اگر چہ نجاشی کا میت صحابہ کے سامنے حاضر نہیں تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر تھا۔ظاہر ہے کہ اب نہ کسی کے لئے یہ خصوصیت رہی اور نہ ہی کسی کے لئے معجزہ، اس لئے کورونا کے مخصوص حالات میں بھی کسی میت کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، پس جب تک میت کے عدم تفسخ کا ظن غالب ہو تب تک اگر قبر کا علم ہو جائے تو اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کر دی جائے، بصورت دیگر اس کے لئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائے اور بس۔کما مر۔

”أماصلوته عليه السلام على النجاشي فإما؛لأنه رفع له سريره حتى رأه بحضرته فتكون صلوة من خلفه على ميت يراه الامام ويحضره دون المامومين وهذاغيرمانع من الاقتداء وهذاوان كان احتمالالكن المروى مايشيرإليه وهوماروى ابن حبان فى صحيحه من حديث عمران بن حصين ...... و إما،لان ذلک أمرخص به النجاشى فلايلتحق به غيره وإن كان افضل منه كشهادة خزيمة مع شهادة الصديق...... ثم أنه قد توفى خلق كثيرمنهم غيبافى الغزوات وغيرهاومن اعزالناس اليه كان القراء ولم يؤثرقط عنه عليه السلام انه صلى عليهم وكان على الصلوة على كل من توفى من أصحابه شديد الحرص حتى قال لايموتن احد منكم الاآذنتمونى به، فإن صلوتى رحمة له“ (حلبی کبیر:۵۰۲)۔

☆☆☆

کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مولانا ابراہیم ورٹھی فلاحی☆

۱-الف: عام حالات میں محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ بہ ہیئت اولی ہو یعنی اذان واقامت اور قیام امام فی المحراب کے ساتھ تکرار جماعت ہو تو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، خواہ دوبارہ جماعت اہل مسجد کے علاوہ لوگ کریں یا بعض اہل مسجد کریں۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: "**وإذادخل القوم مسجداًقدصلی فیه أهله کرهت لهم أن یصلوا جماعةبأذان وإقامة،ولکنهم یصلون وحدانابغیرأذان ولاإقامة**" (المبسوط للسرخسی۔۱/۱۳۵، باب الاذان)۔

اوراگر جماعت ثانیہ بہ ہیئت اولی بدل کر ہو تو کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، جس کی چند صورتیں التعلیق علی الحجۃ علی اہل المدینۃ کے حوالے سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو حسب ذیل ہیں:

"**فحصل منهاإن فی مسجدالطریق یجوز تکرارالجماعة،ویجوز ایضاًفی مسجد المحلة لیس له إمام ومؤذن راتبین،ویجوز ایضاًفی مسجد المحلة له جماعة مخصوصون به،ویجوز ایضاًفی مسجد المحلةالذی صلی فیه قبل ذالک جماعة غیرأهلها،ویجوز فیه أیضاًإذاصلی فیه أهلهابغیرأذان وإقامة أوبمخافتة الأذان**"۔

"**ویجوز فیه ایضاًإذاکانت الجماعة الثانیة أقل من أربعة،ویجوز فیه تکرارالجماعة إذاکان الإمام مفترضاوالمؤتم متنفلا۔ویجوز ایضاًإذاکانت الثانیة علی غیرالهیئة الأولی کماروی عن أبی یوسف رحمه الله،فهذه تسع صورجازت فیهاتکرارالجماعة فی المسجد عندالإمام أبی حنیفة وأبی یوسف ومحمدرحمهم الله**" (التعلیق علی کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ ۱/۸۰)۔

لہٰذا موجودہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت حسب ذیل شرائط کے ساتھ ہوگی۔

☆ خادم حدیث وافتا، دارالعلوم مرکز اسلامی، انکلیشور، بھروچ، گجرات۔

(۱) ہیئت اولی کی تبدیلی ہو۔ (۲) تداعی نہ ہو۔

(۳) التزام اور دوام نہ ہو، عارضی طور پر ہو، لہذا جب تک پابندی رہے گی گنجائش رہے گی ورنہ نہیں۔

(۴) امام اور مقتدی الگ الگ ہوں۔

ہمارے مشائخ نے انتظام عوام کے لیے گنجائش والے قول پر پہلے اجازت نہیں دی تھی؛ مگر اب اُسی انتظام عوام کے پیش نظر وقتی طور پر اجازت دی جائے گی۔

ب- تعدد جماعت خواہ جمعہ کے لیے ہوں یا دیگر فرائض پنج گانہ کے لیے ہوں ایک ایسی مسجد میں جس کے اندر امام ومؤذن مقرر ہوں فقہ حنفی کی رو سے مکروہ ہے، صرف ایک جماعت کی جائے بقیہ لوگ کسی دوسری مسجد میں جا کر جمعہ ادا کر لیا کریں اور اگر یہ بھی دشوار ہو اور تعدد جمعہ کے قیام کا عث یہ ہو کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں تمام افراد نہ سما سکتے ہوں تو مسجد سے الگ کسی مناسب مقام پر مثلاً صحن مسجد یا کوئی بڑا میدان، ہال وغیرہ ہو وہاں جمعہ کی نماز ادا کر لی جائے، تا کہ تمام افراد ایک ساتھ جمعہ ادا کر سکیں، کیوں کہ جمعہ کے لیے مسجد ہونا شرط نہیں ہے؛ لیکن خارج حصہ میں مسجد کا سا ثواب نہ ہوگا، یہ اولی اور بہتر شکل ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے مسجد ہی میں پڑھنا ضروری ہو جائے تو ہیئت اولی کی تبدیلی کے ساتھ مسجد ہی میں گنجائش ہے۔

۲- جمعہ کی نماز میں اجتماعیت مطلوب ہے، ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ کے قیام سے شریعت کا منشا (شعار اسلام اور مسلمانوں کی اظہار شان وشوکت) فوت ہو جاتا ہے؛ اس لیے معمولی ضرورتوں کی بنا پر مسجد کے علاوہ مکانات میں جمعہ قائم کرنے کی کوشش عام حالات میں نہ کرنی چاہیے؛ مگر مخصوص حالات میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم عام حالت سے مختلف ہے۔

چنانچہ محمد بن سرینؒ کے چچا زاد بھائی سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بارش کے روز اپنے مؤذن سے فرمایا:

"إِذَاقُلْتَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ الله،فَلاتَقُلْ حَيَّ عَلى الصَّلَاةِ قُلْ صَلُّوْافِيْ بُيُوْتِكُمْ،فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوْا۔قال:فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌمِنِّيْ،إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ وَإِنِّيْ كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ،فَتَمْشُوْنَ فِيْ الطِّيْنِ وَالدَّحَضِ" (بخاری باب الرخصۃ إن لم یحضر الجمعۃ فی المطر۔۱/۳۰۶،الرقم:۸۵۹)۔

یعنی ابن عباسؓ نے بارش کے دن اپنے مؤذن سے کہا کہ شہادتین کے بعد "حیّ علی الصلاۃ" مت کہنا بل کہ "صلوافی بیوتکم" کہنا تو اس بات کو لوگوں نے اچھا نہیں سمجھا تو اس وقت فرمایا کہ مجھ سے بہتر ذات نے ایسا کیا ہے، بے شک جماعت کی حاضری عزیمت ہے؛ لیکن میں تم کو مٹی اور کیچڑ میں چلنے کا کہہ کر حرج میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

مذکورہ بالا فرمان سے بارش، آندھی اور شدید سردی میں انسان کو تکلیف سے بچانے کے لیے نماز با جماعت اور نماز

جمعہ میں رخصت دینے کا ثبوت ملتا ہے، جبکہ جان لیوا وبائی امراض میں اس سے کئی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، نیز نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد شرط نہیں ہے، اس لیے مسجد میں ایک یا دو جماعت قائم کرنے کے بعد بھی نمازی حضرات باقی رہ جاتے ہیں تو ان بقیہ نمازیوں کے لیے کورونا کی پابندی کے دور میں مسجد شرعی کی حدود سے باہر آفس اور مکانات وغیرہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے چھوٹی جماعتوں کا نظام بنا سکتے ہیں، خصوصاً آج کے بے دینی کے دور میں تو بہ درجۂ اولی اجازت ہونی چاہئے ؛ کیونکہ اگر یہ نظام نہیں بنائیں گے تو جمعہ کے بہانے سے جو لوگ جمع ہوتے ہیں وہ بھی بند ہو جائیں گے، اور صرف نام کے مسلمان رہ جائیں گے، اس لیے اس کے سد باب کے لیے اجازت دینا اور نظام بنانا بہتر ہے وہ بھی عارضی طور پر نہ کہ دائمی طور پر۔

پس جب پابندی ختم ہو جائے تو نظام بنانے کی اجازت بھی ختم ہو جائے گی، البتہ اس کے لیے شرائط جمعہ کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) شہر یا فنائے شہر ہو (۲) اذنِ عام ہو یعنی دیگر لوگوں کو نماز جمعہ میں شرکت کی ممانعت نہ ہو (۳) امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد نمازی ہوں اور (۴) عربی میں خطبہ پڑھنے والا ہو (خواہ دونوں خطبے کی جگہ حمد وثنا یا قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھ لے) تو ان شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے چھوٹی جماعت کے ساتھ جمعہ قائم کرنا صحیح ہوگا، اور اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو رہی ہو تو گھر میں نماز ظہر انفرادی طور پر ادا کی جائے گی، جمعہ نہیں پڑھا جائے گا، فقہا نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن مصر یا فنائے مصر میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔

اب رہی تشتت کے خیال کی بات تو یہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں قانونی مصلحت وحکومتی پابندی کی بنا پر ہے، اور ایسی پابندی اذن عام (جو صحت جمعہ کے لیے ایک شرط ہے) کے منافی نہیں ہے؛ کیوں کہ مقصد لوگوں کو نماز جمعہ سے روکنا نہیں ہے بل کہ قانون شکنی کی صورت میں ہونے والی پریشانیوں سے بچنا ہے، اس لیے چھوٹی جماعتوں سے پیدا ہونے والا تشتت از قبیل انتظام ہے، نیز اس تشتت کی طرف ابن عباسؓ کے فرمان: ''قل صلوا فی بیوتکم'' ہی میں اشارہ ملتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عارضی طور پر عذر کی وجہ سے تشتت کا قائم ہونا مضر ثابت نہیں ہوگا۔

''أما إذا کان لمنع عدو یخشی دخوله وھو فی الصلاۃ فالظاھر وجوب الغلق..اھ: حلبی''۔

''وایضاً قوله: (لم تنعقد) یحمل علی ما إذا منع الناس لا ما إذا کان لمنع عدو أو لعادۃ قدیمۃ'' (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر۔ ۱/ ۳۴۴، مکتبہ اتحاد دیوبند)۔

اذن عام ہونا بھی من جملہ شرائط صحت جمعہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو وہ اذن عام میں مخل نہیں (امداد الفتاوی جدید۔ ۲/ ۵۹۰، ۵۹۱۔ زکریا دیوبند)۔

’’امدادالاحکام‘‘ میں ہے: اگر چھاونی یا قلعے میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائے، گو چھاونی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے، بلکہ انتظام مقصود ہے (امدادالاحکام ۲/ ۳۶۵، زکریا دیوبند)۔

علامہ کاسانیؒ اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں: ’’وأماالشرائط التی ترجع إلی غیر المصلی فخمسة فی ظاهر الروایات،المصر الجامع والسلطان والخطبة والجماعة والوقت‘‘ (بدائع: ۱/ ۲۵۹)۔

’’فأماإذالم یکن اماماًبسبب الفتنة أوبسبب الموت ولم یحضرواٍل آخربعدحتی حضرت الجمعة ذکرالکرخی أنه لابأس أن یجمع الناس علی رجلٍ حتٰی یصلی بهم الجمعة۔‘‘ (بدائع: ۱/ ۲۶۱)۔

’’وتؤدی الجمعة فی مصر واحدفی مواضع کثیرة‘‘ (ہندیہ ۱/ ۱۴۵)۔

البتہ گھروں میں جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی اس کا ثواب مسجد کی با جماعت نماز کے بنسبت کم حاصل ہوگا، گرچہ فضیلت جماعت مل جائے گی۔

’’الابن نجیم: من جمع باهله لاینال ثواب الجماعة إلا إذاکان لعذر،وفی الحاشیة قوله: لاینال ثواب الجماعة عدم ثواب الجماعة الواقعةفی المسجد لامطلق ثواب الجماعة لمافی البزازیة من الثالث فی التراویح وإن صلاهابجماعة فی بیته،فالصحیح أنه ینال احدی الفضیلتین،فإن الاداء بالجماعة فی المسجد له فضیلةلیست للاداء فی البیت،وکذاالحکم فی المکتوبة......انتهی‘‘ (الاشباہ والنظائر: ۱۹۶، کتاب الصلاۃ الفن الثانی)۔

۳- شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں حکومت کی پابندیاں یا کسی اور عذر کی وجہ سے محدود لوگ مسجد کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں تو ما بقیہ لوگ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں، کیونکہ جس بستی میں جمعہ کے شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت یا چھوٹی جماعت کے ساتھ، وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز با جماعت مکروہ تحریمی ہے (کیونکہ اس میں معارضہ کی صورت ہوجاتی ہے، بایں طور کہ ایک ہی وقت میں مسجد میں نماز جمعہ با جماعت اور مسجد کے باہر نماز ظہر با جماعت کا جمع ہونا لازم آتا ہے، اور یہ ایک وقت میں دو فریضوں کا جمع ہونا صحیح نہیں ہے)، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں میں فقہی دلائل کی بنیاد پر ایسا ہی مذکور ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

’’(وکره)تحریماً(لمعذورومسجون)ومسافر(اداء ظهربجماعةفی مصر)قبل الجمعة وبعدهالتقلیل الجماعة وصورة المعارضةوافاد ان المساجدتغلق بهم الجمعة الاالجامع (وکذااهل

مصر فاتتهم الجمعة) فإنهم يصلون الظهر بغير اذان ولااقامة ولاجماعة"۔

"قوله:وصورة المعارضة:لأن شعار المسلمين فی هذاليوم صلاة الجمعة وقصد المعارضة لهم يؤدی إلى امر عظيم فكان فی صورتها كراهة التحريم" (الدر المختار مع رد المحتار۔ ۳/ ۳۲، ۳۳۔باب الجمعة، زکریا دیوبند)۔

"لأن المامور به فی حق من يسكن المصر فی هذالوقت شيئان:ترک الجماعة وشهود الجمعة، واصحاب السجن قدرواعلى احدهماوهوترک الجماعة فيأتون بذلک" (المبسوط للسرخسی۔ ۲/ ۳۶،باب الجمعۃ)۔

۴- کوروناوائرس میں انتقال کرنے والے مسلمان میت کے متعلق سب سے پہلا مسئلہ غسل کا ہے،تو اس سلسلے میں ڈاکٹرس اورطبی عملہ میت کے متعلقین کوبغیرکسی رکاوٹ اور پابندی کے کورونا میت سپردکرتا ہواور یہ کہتا ہو کہ غسل دینے والے کو اور دوسروں کوضرر پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہے تب توعام مرحومین کی طرح ازروئے شرع غسل دیناضروری ہوگا۔

اوراگرڈاکٹر اورطبی عملہ غسل دینے کی اجازت نہ دیتا ہوجس کی وجہ سے غسل کی کوئی صورت ممکن نہ ہوسکے توغسل دینے کے بجائے تیمّم پر اکتفا کیا جائے گااور مجبوری میں یہ تیمّم غسل کا بدل ہوجائے گا۔

اورتیمّم کا یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ تیمّم کرانے والا اپنے ہاتھوں میں ربڑ کے موزے پہن لےاور چہرہ پر ماسک لگالے پھر جیسے زندہ آدمی کا تیمّم کرایا جاتا ہے اسی طرح کورونا کے میت کومسح کروادیا جائے۔

اوراگرڈاکٹر اورطبی عملہ کی طرف سے میت کومخصوص کور(Cover) میں پیک کرکے دیا جائے اور کھولنے کی قطعاًاجازت نہ دیتا ہو،تو ایسی مجبوری کی صورت میں غسل اور تیمّم کا حکم شرعاًساقط ہوجائے گا۔

غسل اور تیمّم کے ساقط ہونے کی وجہ:

جس طرح عذرومجبوری میں نمازی سے مطلق نماز کے لیے کلی طہارت یا جزوی طہارت ساقط ہوجاتی ہے اسی طرح نماز جنازہ کے لیے میت کی طہارت بھی عذراور مجبوری میں ساقط ہوجاتی ہے،فقہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں:

۱-اگرکسی کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت اور دونوں پیر ٹخنے سمیت کٹے ہوئے ہوں اور چہرہ پر بھی زخم ہوجس کی وجہ سے چہرہ پرمسح وغیرہ نہ ہوسکے توطہارت کا حکم ساقط ہوجائے گااور ویسا شخص بلاطہارت نماز پڑھے گا۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: "ولوقطعت يداه ورجلاه من المرفق والكعب وبوجهه جراحة صلى بغير طهارة ولاتيمم،ولايعيد هوالأصح" (الدر المختار مع رد المحتار،باب صلاۃ المریض:۲/ ۵۷۴۔زکریا دیوبند)۔

۲-اگرکسی جنبی کے سر میں بہت زیادہ درد ہواوروہ سردھونہ سکتا ہوتو اس کے ذمے سے سر کا دھونا ساقط ہوجائے گا؛ البتہ اگرمسح کرسکتا ہوتومسح ضروری ہوگا۔

اوراگر براہ راست مسح نہ کیا جاسکتا ہواور پٹی باندھ کر کیا جاسکتا ہواور پٹی باندھناممکن ہوتو پٹی باندھ کراس پرمسح کرناضروری ہوگا،اوراگر پٹی پربھی مسح نہ کیا جاسکتا ہو یا پٹی باندھناممکن نہ ہوتو یہ عضومعدوم کے درجے میں ہوگااور غسل ومسح سب ساقط ہوجائے گا۔

”(من به وجع رأس لايستطيع معه مسحه)محدثاولاغسله جنبا وافتى قارى الهداية انه يسقط عنه (فرض مسحه)ولوعليه جبيرة ففى مسحهاقولان،وكذايسقط غسله فى مسحه،ولوعلى جبيرة إن لم يضره، وإلا سقط اصلاًوجعل عادماًلذالک العضوحكماًكما فى المعدوم حقيقة(قوله قولان)ذكرفى النهر عن البدائع مايفيدترجيح الوجوب،وقال:وهو الذى ينبغى التعويل عليه۔ اھ۔بل قال فى البحر:والصواب الوجوب،(قوله:وكذايسقط غسله)أى إن أمكنه۔(قوله:ولوعلى جبيرة)ويجب شدإن لم تكن مشدودة،ط أى إن امكنه۔(قوله:وإلاأى بأن ضره المسح عليها“(الدرمع الرد:۱/ ۴۳۳، ۴۳۴،مکتبہ زکریا،دیوبند)۔

۳-اگرکسی حادثہ وغیرہ میں کثرت اموات کی وجہ سے سب کوغسل دینا یا تیمّم کرانا ناقابل برداشت مشقت وپریشانی کاباعث ہوتوایسی صورت میں فقہ مالکی کی صراحت کے مطابق غسل اور تیمّم کاحکم ساقط ہوجائے گااور بلاطہارت ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔”وقواعدنا لاتأباه“۔

”وأمامن تعذرغسله وتيممه كماإذاكثرت الموتى جدا فغسله مطلوب ابتداء لكن يسقط للتعذرولاتسقط الصلاةعليه“(حاشیہ الدسوقی علی شرح الکبیر،فصل فیہ ذکراحکام الجنائز۔۱/ ۴۰۸:داراحیاءالکتب العربیۃ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوروناوائرس میں انتقال کرنے والی میت کوتمام ترکوشش کے باوجودغسل دینے یا تیمّم کرانے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو ایسی مجبوری میں غسل یا تیمّم کاحکم ساقط ہوجائے گا،اوراسی حالت میں اس کی نماز جنازہ پڑھ کرتدفین کردی جائے گی۔

مسح علی الجبیرۃ اور مسح علی العمامۃ پرقیاس کرکے مخصوص کور پرمسح کرنے کوکافی سمجھ لیناقیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے؛اس لیے کہ جبیرہ اورزخمی عضومیں اتصال ہوتاہےیانفصال نہیں ہوتاہےاوراتصال کی صورت میں مسح جائزہے،انفصال کی صورت میں نہیں،یعنی پٹی عضوپر بندھی ہوئی ہونی چاہئےتومسح کرنادرست ہوگاورنہ نہیں۔

اسی طرح عمامہ بھی سر سے متصل ہوتومسح جائز ہےورنہ نہیں،اورکوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ الگ سے عمامہ پرمسح کرلےپھراس کوسر پر رکھ دےتومسح رأس سے کافی ہوجائے گا۔

اور میت کا مخصوص کور، میت سے جدا رہتا ہے، چپکا ہوا نہیں رہتا ہے، اس لیے مخصوص کور وغیرہ پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا۔

”(قوله: ولو على جبيرة) ويجب شدها إن لم تكن مشدودة“ (ردالمحتار علی الدرالمختار، ۱/ ۴۳۴، زکریا، دیوبند)۔

نیز قیاس مع الفارق ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وضو یا غسل میں مسح علی الجبیرۃ کرنا زندوں کے ساتھ ہے، مرحومین کے غسل میں بلا پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح نہیں ہے؛ بل کہ پلاسٹر کو کاٹ دینا چاہئے اور بندھی ہوئی پٹی کھول کر غسل دینا چاہئے۔

مذکورہ بالا بات کی تائید فتاویٰ محمودیہ کے ایک سوال وجواب سے ہو رہی ہے، وہ بعینہ درج ذیل ہے:

”میت کو لگا یا ہوا پلاسٹر چھڑانا چاہئے یا نہیں؟

سوال (۳۹۸۵):- اگر کسی کا پیر کسی حادثہ میں ٹوٹ گیا اور ڈاکٹروں نے گھٹنے کو نیچے سے کاٹ دیا اور پلاسٹر چڑھا دیا، پھر وہ شخص انتقال کر گیا تو اس کا پلاسٹر چھڑا کر غسل جنازہ دیا جائے یا پلاسٹر لگا رہنے دیا جائے؟

پلاسٹر کی کیا ضرورت رہی؟ اس کو چھڑا کر غسل دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

اور اس کے حاشیے میں لکھا ہے کہ: زندہ انسان کے زخم پر پانی لگنے سے تکلیف ہوتی ہے، اور زخم خراب ہونے کا اندیشہ بھی ہے، موت کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہذا پلاسٹر چھڑا کر غسل دیا جائے (۸/ ۵۰۰، مطبوعہ ادارۃ الصدیق، ڈابھیل)۔

مذکورہ سوال وجواب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ غسل میت میں پلاسٹر یا پٹی پر مسح منقول نہیں ہے، اگر مسح کا حکم ہوتا تو فقہا اس کو کہیں نہ کہیں ضرور نقل فرماتے۔

نیز قیاس مع الفارق ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح غسل ہی کے درجے میں ہے، غسل عضو کا بدل نہیں ہے، اسی لیے تو زخمی کے صحیح وسالم اعضا میں غسل کا حکم ہے، اور زخم کی پٹی پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ اگر مسح علی الجبیرہ غسل کے درجے میں نہ ہوتا تو غسل اور مسح کا اجتماع لازم آتا، اور یہ اجتماع صحیح نہیں ہے، جب کہ مسح علی الخفین میں میں موزہ تین انگلیوں سے زیادہ پھٹا ہوا ہو تو موزہ پر مسح کرنا صحیح نہیں ہے کہ پھٹن والے حصہ پر غسل اور بقیہ موزہ پر مسح کا حکم ہو ورنہ اجتماع ضدین (مسح وغسل کا جمع ہونا) لازم آئے گا جو مسح علی الخفین میں صحیح نہیں ہے، اور مسح علی الجبیرہ میں صحیح ہے۔

”قال رحمه الله: (والمسح على الجبيرة وخرقه القرحة ونحوذلک كالغسل لماتحتها) وليس ببدل بخلاف المسح على الخفين، ولهذالايمسح على الخف فى احدى الرجلين ويغسل

الاخری لأنه یؤدی إلی الجمع بین الاصل والبدل،ولوکانت الجبیرة فی إحدی رجلیه مسح علیهاوغسل الاخری ولایکون ذلک جمعاً بین الاصل والبدل،ألاتری إلی حدیث علی أنها: ''إمره بالمسح علی الجبیرة فی إحدی یدیه'' فثبت أن المسح علی الجبیرة مادام العذر قائماأصل لابدل''
(تبیین الحقائق:۱/ ۱۵۳، ۱۵۴،زکریا دیوبند)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ پٹی پر مسح کرنا غسل ہی کے درجے میں ہے،غسل عضو کا بدل نہیں ہے اور مسح علی الکوَر (Cover) بدل ہے غسل کے درجہ میں نہیں ہے،اس لیے مسح علی الکوَر کو مسح علی الجبیرۃ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

الغرض کورونا وائرس میں انتقال کرنے والی میت کے کور (Cover) پر بھیگا ہاتھ پھیر کر مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے،کیوں کہ مقدور بھر سعی کے باوجود جب غسل دینے اور تیمّم کرانے کی کوئی صورت ممکن نہ رہے تو ایسی مجبوری میں غسل یا تیمّم کے ذریعہ طہارت کا حکم سرے سے ساقط ہوجائے گا اور اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی۔

مسئلۂ کفن:

کورونا میت کو جو مخصوص کوَر پہنایا جاتا ہے وہ کوَر کفن کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ تو یہ مسئلہ بھی طبی عملہ کی ہدایت پر موقوف ہوگا اگر طبی عملہ الگ سے کفن پہنانے کی اجازت دیتا ہو اور کفن پہنانے والوں کو ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو باضابطہ کفن پہنایا جائے گا،اور اگر طبی عملہ کوَر میں لپیٹ کر میت سپرد کرتا ہے اور اس کو کھولنے سے بھی منع کرتا ہے تو اسی تھیلے اور کوَر کو کفن کا درجہ دیا جائے گا،جس طرح شہید کے خون آلود کپڑے کو شہید کے لیے کفن تصور کیا جاتا ہے،اسی طرح اس تھیلے اور کوَر (Cover) کو کرونا میت کا کفن تصور کیا جائے گا،یہ کفن سے اصل مقصود ساتر چیز کے ذریعہ میت کا ستر کرنا ہے اور عام حالات میں ستر کرنے کے لیے کپڑوں کا استعمال کیا جاتا ہے،اور شریعت میں یہ متعین نہیں ہیکہ کس قسم کا کپڑا مردہ کے کفن میں استعمال کیا جائے؛لیکن مجبوری کی وجہ سے کسی دوسری چیز کو ستر کرنے کے لیے استعمال کیا جائے اور مردہ کو اس میں لپیٹ دیا جائے جیسے یہاں کرونا کے میت کو مخصوص کوَر (Cover) میں لپیٹ دیا جاتا ہے،تو یہ مخصوص کوَر بھی کفن ہی کے حکم میں ہوگا۔

''عن عبداللہ بن ثعلبة أن رسول اللہ ﷺ قال:یوم أُحُدٍ،زملوھم فی ثیابھم''(مسند احمد۔الرقم ۲۳۶۷۱)۔

۴-**الف:** صورت مسؤلہ میں درج ذیل شرائط کے ساتھ نماز جنازہ قبر پر ادا کی جاسکتی ہے:

۱-میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی دفن کردیا گیا ہو۔

۲-میت کے سڑنے اور پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو،اور سڑنے ، گلنے کی خاص مدت متعین نہیں ہے،بل کہ سردی گرمی، میت کی جسامت اور زمین کی ساخت کے اعتبار سے مختلف علاقوں میں اس کی مدت مختلف ہوسکتی ہے،بعض فقہانے اس کی تحدید تین دن سے کی ہے،یعنی تین دن دفن کے بعد میت کی نعش گلنا اور سڑنا شروع ہوتی ہے،لہذا معتدل علاقوں میں دفن کے وقت سے تین دن بعد تک بھی قبر پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاسکی تو پھر اس کے بعد نہیں پڑھنی چاہئے۔

۳-ولی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اور اس کی طرف سے اجازت بھی معلوم نہ ہو،یعنی پہلی بار کی نماز اس کی اجازت سے پڑھی گئی ہے یا بغیر اجازت کے پڑھی گئی ہے یہ معلوم نہ ہو تو متعدد بار پڑھی جاسکتی ہے؛لیکن جو لوگ ایک بار پڑھ چکے ہیں وہ دوبارہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں،اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی ہے یا اس کی اجازت سے پڑھی گئی ہو تو دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں ہے۔

قبر پر نماز جنازہ پڑھنا نبی ﷺ سے ثابت ہے:

حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک حبشی عورت جس کا نام ''اُم محجن'' تھا،مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھی،اس کا انتقال ہوگیا لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کردیا،حضور ﷺ کو اس کی اطلاع نہ کی،آپ ﷺ نے نظر نہ آنے پر لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس کا انتقال ہوگیا،آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے خبر کیوں نہ کی؟ راوی کہتے ہیں کہ گویا لوگوں نے اس کے معاملے کو اہم نہیں سمجھا،پھر فرمایا کہ اس کی قبر کی رہنمائی کرو،تو صحابہؓ نے اس کی قبر کی رہنمائی کی،آپ نے صحابہؓ کی صفیں بنا کر قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا: یہ قبریں مُردوں پر تاریکی سے پُر ہوتی ہیں،میرے ان پر نماز پڑھنے سے اللہ تعالی ان قبروں کو روشن کرتے ہیں۔

''عن أبی هريرة أن امرأة سوداء كانت تقم المسجدأوشاباً،ففقدهارسول الله فسأل عنها،فقالوا:مات، قال:أفلاكنتم آذنتمونی؟قال:فكأنهم صغّروهاامرهاأوامره،فقال دلّونی على قبره فدلوه،فصلى عليهاثم قال: إن هذه القبور مملوئة ظلمةً على أهلها،وإن الله عزوجل يُنوّرهالهم بصلاتی عليها''(صحیح مسلم:حدیث،۹۵۶،باب الصلاۃ علی القبر مشکاۃ:۱/۲۵۸،حدیث:۱۶۵۹)۔

''(وإن دفن)وأهيل عليه التراب (بغيرصلاة)أوبهابلاغسل أو ممن لاولاية له (صلى على قبره)استحسانا(مالم يغلب على الظن تفسخه)من غير تقديروهوالأصح وظاهره أنه لوشك فی تفسخه صلى عليه،لكن فی النهر عن محمدلا كأنه تقديماًللمانع''۔

''تنبيه:ينبغی أن يكون فی حكم من دفن بلاصلاة من تردى فی نحوبيرأووقع عليه بنيان ولم

يمكن اخراجه"۔

"**قوله:(هو الأصح)لأنه يختلف باختلاف الاوقات حراًوبرداًوالميت سمنا وهزالاوالامكنة–بحر–وقيل يقدر بثلاثة ايام،وقيل عشرة وقيل شهرة: ط عن**"(الدرالمختار مع ردالمحتار:۱/ ۱۲۵،۱۲۶۔زکریادیوبند)۔

"**ولايصلى على ميت إلامرة واحدة والتنفل بصلاة الجنازة غير مشروع**"(عالم گیری:۱/ ۱۶۳،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،زکریا)۔

"**وإن صلى الولى لم يجز لأحدأن يصلى بعدهٗ**"(شامی:۳/ ۱۲۴،زکریا)۔

اور مسائل میں جس امام کی ہم تقلید کرتے ہیں یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق صاحب الخیرات الحسان تحریر فرماتے ہیں کہ لوگ ان کی قبر پر بیس دن کے قریب قریب صلاۃ جنازہ پڑھتے رہے، یہ تعامل ناس بھی ثبوت کے لیے بڑی قوی دلیل ہے۔

"**وأعيدت الصلاة عليه ست مراة اٰخرهاابنه حماد،ولم يقدر على دفنه إلى بعدالعصرمن الزحام ومكث الناس يصلون على قبره نحو عشرين يوماً**"(الخیرات الحسان:ص،۷۱،الفصل الثالث والثلاثون فی تجهیزه)۔

۴–ب: حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔

مجوزین کی پہلی دلیل:

"**عن أبى هريرة أن رسول الله ا نعى للناس النجاشى فى اليوم الذى مات فيه، وخرج بهم إلى المصلى فصف بهم وكبراربع تكبيرات**"(صحیح مسلم،باب فی التکبیر علی الجنازۃ،الرقم:۲۲۰۴)۔

حضور اکرم ﷺ نے شاہِ حبشہ حضرت اصحمہ نجاشی کے انتقال کی خبر صحابہ کرامؓ کو سنائی اور ایک میدان میں جا کر ان کی نماز جنازہ ادا کی۔

مجوزین کی دوسری دلیل:

"**عن أبى أمامةؓ قال:نزل جبريل بتبوک فقال:يارسول اللها إن معاوية بن المزنى مات بالمدينة أتحب أن اطوى لک الأرض فتصلى عليه؟قال: نعم،فضرب بجناحه على الأرض فرفع له سريره فصلى عليه وخلفه صفان من الملائكة ،فى كل صف سبعون ألف ملک،ثم رجع فقال**

الجبريل أبم أدرک هذا؟قال:بحبه سورة ”قل هوالله أحد“وقرائة إياهاجائياوذاهبا وقائما وقاعدا وعلى كل حال“(الطبرانی فی مسند الشامیین،الرقم:۱۸۳۱،وفی الکبیر،الرقم:۷۵۳۷)۔

یعنی جبرئیل تبوک میں نازل ہوئے اور کہا یارسول اللہ!معاویہ بن مزنی مدینہ میں فوت ہوگئے،کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے لیے زمین سمیٹ دی جائے اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیں؟آپ نے فرما:ہاں!انہوں نے اپنے دونوں پر زمین پر مارے تو ان کا تخت اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا،آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں،اور ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے،پھر وہ تخت واپس ہوگیا،نبی ﷺ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ معاویہ نے یہ فضیلت کس وجہ سے حاصل کی؟انہوں نے کہا وہ سورۂ اخلاص”**قل هو الله أحد**“سے محبت رکھتے تھے،اور آتے جاتے،اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اس کو پڑھتے تھے۔

مانعین کی دلیل:

”ابن حبان نے اوزاعی عن یحی بن أبی کثیر عن أبی قلابۃ عن أبی المہلب کے طریق سے عمران بن حصین کی روایت نقل کی ہے:

”عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ أن النبى ا قال:إن أخاكم النجاشى توفى فقوموافصلواعليه فقام وصفواخلفه فكبرواأربع وهم لايظنون إلاأن جنازته بين يديه“ (الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان:۱۱۶/۴، الرقم:۳۱۰۵،دارالتاصیل،بیروت)۔

اورابوعوانہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:”**فصلينا خلفه ونحن لانرى إلا أن الجنازة قدّامنا**“۔

اورواحدی نے اپنی کتاب”اسباب النزول“میں حضرت ابن عباس سے بغیر سند کے نقل کیا ہے:

”كشف للنبى اعن سريرالنجاشى حتى راٰه وصلى عليه“(اوجزالمسالک:۴۴۵/۴،الرقم:۵۱۸)۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ نبی ا کے سامنے تھا،جس کو اللہ کے نبی دیکھ رہے تھے،جیسا کہ”عرف الشذی“میں بھی ہے:”**وايضاكان جنازة النجاشى يراهاالنبى**“(۱۹۹/۱)۔

اور جنازہ کے موجود ہونے کا خیال صحابہ کو بھی تھا،جو ان کے عام گمان کے خلاف تھا،پس جب جنازہ سامنے تھا غائب نہیں تھا تو یہ صلاۃ جنازہ حاضرانہ ہے نہ کہ غائبانہ اورصلاۃ حاضرانہ جائز ہے۔

لہذا مجوزین نے جن دو واقعے یعنی واقعہ نجاشی اورواقعہ معاویہ لیثی سے صلاۃ علی الغائب کے جواز پر استدلال کیا وہ صحیح نہیں ہے؛کیوں کہ دونوں قصوں میں جنازہ حاضر ہے اور جنازے کی نماز کی صحت کے لیے میت کا موجود ہونا

ضروری ہے۔

اور اگر مجوزین کے قول کے مطابق جنازہ غائب تھا تو اس وقت یہ جواب ہوگا کہ نبی اکی خصوصیت پر مبنی ہے یا صلاۃ لغویہ مراد ہے؛ اس لیے اس سے استدلال درست نہیں، نیز معاویہ لیثی کا قصہ جس حدیث میں مروی ہے اسحدیث کی سند میں ''نوح بن عمر'' موجود ہے، جس کے متعلق ابن حبان نے لکھا: إنہ سرق ہذا الحدیث، نیز اس میں ''بقیہ'' بھی موجود ہے، جو مدلس ہے، وفیہ بقیۃ وہو مدلس (کما فی حاشیۃ فتح القدیر: ۱۲۱/۲، زکریا، دیوبند)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں ہے، اگر مشروع ہوتی تو آپ اکے حیات طیبہ میں بہت سے لوگوں کا مدینہ باہر انتقال ہوا مگر آپ نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، جنگ موتہ میں جو حضرات شہید ہوئے ان کی شہادت کا آپ ﷺ پر بہت اثر تھا؛ مگر ان کی بھی آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اور وفات نبوی کے بعد صحابۂ کرام خصوصا خلفائے راشدین سے بھی جنازے کی نماز کا معمول کہیں منقول نہیں ملتا؛ اس لیے صورت مسئولہ میں بھی غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہ ہوگی۔

کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ کا حکم:

تعدد جماعات خواہ نماز جمعہ کے لیے ہو یا نماز پنج گانہ کے لیے ہو، کورونا جیسی وبائے عام یا نمازیوں کی کثیر تعداد کی بنا پر ایک مرتبہ میں تمام نمازی مسجد میں نہ آسکتے ہوں اور با ہر نماز ادا کرنے میں قومی فساد یا حکومتی عملہ کی طرف سے پریشانی کا سامنا ہو تو ایسے حالات میں مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت حسب ذیل شرائط کے ساتھ ہوگی:

۱- ہیئت اولی کی تبدیلی ہو۔ ۲- تداعی نہ ہو۔

۳- التزام اور ہمیشگی نہ ہو، عارضی طور پر ہو۔ ۴- امام اور مقتدی دونوں الگ الگ ہوں۔

۲- جن شہروں اور قصبات میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں، اور اُن دیہاتوں میں جہاں جمعہ باقاعدہ پہلے سے ہوتا آرہا ہے وہاں موجودہ صورت حال میں حکومتی عملہ محدود لوگوں کے ساتھ مسجد میں نماز باجماعت کی اجازت دیتا ہو تو ان کے ساتھ مسجد میں جمعہ قائم کیا جائے، ان کے علاوہ بقیہ نمازی حالات کی بحالی تک انتظامیہ کی اجازت کے مطابق مختلف مکانوں میں چار پانچ افراد مل کر دو اذان اور خطبہ کے بعد جمعہ ادا کرسکتے ہیں۔

یہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں قانونی مصلحت وحکومتی پابندی کی بنا پر ہے، اور ایسی پابندی اذن عام (جو صحت جمعہ کے لیے ایک شرط ہے) کے منافی نہیں ہے؛ کیونکہ مقصد لوگوں کو نماز جمعہ سے روکنا نہیں ہے بل کہ قانون شکنی کی صورت میں ہونے والی پریشانیوں سے بچنا ہے، اس لیے چھوٹی جماعتوں سے پیدا ہونے والا تشتت از قبیل انتظام ہے، جو مضر نہیں ہے۔

۳- مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے علاوہ بقیہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں؛ کیوں کہ ایک ہی وقت میں مسجد میں نماز جمعہ با جماعت اور گھروں میں نماز ظہر با جماعت پڑھنے سے معارضہ کی صورت پیدا ہوتی ہے، جو کراہت تحریمی تک پہنچا دیتی ہے۔

۴-کورونا میت کی تجہیز وتکفین:

اگر کسی مسلمان کا کورونا وائرس میں انتقال ہوجائے اور طبی عملہ میت کے متعلقین کو بغیر کسی رکاوٹ اور پابندی کے کورونا میت سپرد کرتا ہو اور یہ کہتا ہو کہ غسل دینے والے کو اور دوسروں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہے تب تو عام مرحومین کی طرح از روئے شرع غسل دینا ضروری ہوگا۔

اور اگر طبی عملہ نہ غسل دینے کی اجازت دیتا ہو اور نہ خود غسل کا نظم کرتا ہو، جس کی وجہ سے غسل کی کوئی صورت ممکن نہ ہو سکے تو تیمّم پر اکتفا کیا جائے گا اور مجبوری میں یہ تیمّم غسل کا بدل ہوجائے گا، اور تیمّم کرانے والا اپنے ہاتھوں میں ربڑ کے موزے پہن کر اور چہرہ پر ماسک لگا کر تیمّم کرادے۔

اور اگر طبی عملہ کی طرف سے میت کو مخصوص کور(Cover) میں پیک کر کے دیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو، تو ایسی مجبوری کی صورت میں غسل اور تیمّم کا حکم شرعاً ساقط ہوجائے گا۔

لہذا مسح علی الجبیرۃ والعمامۃ پر قیاس کر کے کور(Cover) پر بھیگا ہاتھ پھیر کر مسح کرانے کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔

اب رہا مسئلہ کفن دینے کا تو یہ مسئلہ بھی طبی عملہ کی ہدایت پر موقوف ہوگا، اگر طبی عملہ الگ سے کفن پہنانے کی اجازت دیتا ہو اور کفن پہنانے والوں کو ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو باضابطہ کفن پہنایا جائے گا، اور اگر طبی عملہ کور میں لپیٹ کر میت سپرد کرتا ہے اور اس کو کھولنے سے بھی منع کرتا ہے تو اسی تھیلے اور کور کو کفن کا درجہ دیا جائے گا، جس طرح شہید کے خون آلود کپڑے کو شہید کے لیے کفن تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح اس تھیلے اور کور (Cover) کو کرونا میت کا کفن تصور کیا جائے گا۔

۵-کورونا میت کی نماز جنازہ:

کورونا میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی دفن کردیا گیا ہو۔ اور نعش سڑی اور پھٹی نہ ہو، اور سڑنے، گلنے کی خاص مدت متعین نہیں ہے، بلکہ اس کی مدت معتدل علاقوں میں دفن کے وقت سے تین دن تک ہے، نیز ولی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اور اس کی طرف سے اجازت بھی معلوم نہ ہو، یعنی پہلی بار کی نماز اس کی

اجازت سے پڑھی گئی ہے یا بغیر اجازت کے پڑھی گئی ہے یہ معلوم نہ ہوتو متعدد بار پڑھی جاسکتی ہے؛لیکن جولوگ ایک بار پڑھ چکے ہیں وہ دوبارہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں،اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی ہے یا اس کی اجازت سے پڑھی گئی ہوتو دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں ہے۔اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ولی عام ہونے کی حیثیت سے مسجد میں جھاڑو لگانے والی حبشیہ عورت کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ:

غائبانہ نماز جنازہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے،اور آپ انے شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی کی جونماز پڑھی ہے وہ اس لیے کہ نبی اسے جنازہ غائب نہیں تھا،حجابات دور کردئے گئے تھے اور اگر جنازہ غائب مانتے ہیں پھر بھی نبی نے نماز پڑھی تو یہ خصوصیت پر محمول ہے،اور قیاس کر کے خصوصیت میں غیر نبی کو شریک کرنا صحیح نہیں ہے،جیسے حضرت خزیمہ کی تنہا شہادت دوشاہدوں کے قائم مقام ہے جوان کی خصوصیت ہے،اس پر قیاس کر کے کسی غیر کی تنہا شہادت دوشاہدوں کے قائم مقام نہیں ہوگی۔

☆☆☆

کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ اور نماز جنازہ کا حکم

مفتی محمد سلطان قاسمی☆

موجودہ حالات میں جبکہ دنیا بھر میں کرونا وائرس کی وباء پھیلی ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے مساجد وغیر مساجد میں بڑے اجتماعات پر پابندیاں عائد ہیں جس کی وجہ سے نماز کے متعلق بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے اور انہیں مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ جمعہ کی نماز باجماعت ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی جگہ شہر میں کم ازکم چار افراد بھی عاقل، بالغ، مرد موجود نہ ہوں اور اس طرح کے کم ازکم چار افراد کا جمع ہوکر جمعہ پڑھنا مشکل ہو یا صرف تین یا اس سے کم افراد ہی جمع ہوسکتے ہوں تو ان کے لئے جمعہ کو نادرست قرار دینا اور جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز کا حکم ہونے میں اشکال نہیں، لیکن اس صورت میں بھی حنفیہ کے نزدیک ان کو شہر کی حدود میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ تحریمی یا کم ازکم مکروہ تنزیہی ہے۔

البتہ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہاء کرام، یعنی شافعیہؒ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک شہر میں موجود جمعہ سے معذور جن لوگوں پر جمعہ واجب نہ ہوں، ان کو جمعہ کے دن ظہر نماز باجماعت پڑھنا نہ صرف یہ کہ بلاکراہت جائز ہے، بلکہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا بعض شرائط کے ساتھ مستحب ہے، لیکن وہ بھی اس صورت میں، جبکہ وہ لوگوں واقعتا نماز جمعہ سے معذور ہوں، ورنہ ان کے نزدیک نماز ظہر، جماعت اور بغیر جماعت کے بہر صورت کالعدم ہے اور اس سے فریضہ وقت ان کے نزدیک سرے سے ساقط ہی نہیں ہوتا۔

چنانچہ امام محمدؒ نے 'کتاب الأصل' میں اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن، ظہر کی نماز پڑھ کر جمعہ کی سعی کرے، تو اس کی ظہر باطل ہوجاتی ہے، البتہ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ میں شرکت سے باطل ہوتی ہے، اور امام محمدؒ نے 'الجامع الصغیر' میں بھی اس کی تصریح فرمائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ نے جمعہ کے دن نماز جمعہ کو، نماز ظہر پر فوقیت دی ہے، جبکہ دیگر فقہاء کرام نے معذور وغیر معذور کی تقسیم کی ہے، اور غیر معذور کے نماز ظہر کو معتبر ہی نہیں سمجھا، خواہ بغیر جماعت کے پڑھے یا جماعت کے ساتھ۔ جس سے جمعہ کی نماز ظہر پر فوقیت مزید ظاہر ہوتی ہے۔

☆ سراج العلوم سری نگر کشمیر۔

امام محمدؒ نے 'کتاب الأصل' میں ایک مقام پر فرمایا: "**قلت: أرأيت القوم أتكره لهم أن يصلوا الظهر فی جماعة يوم الجمعة؟ قال نعم: اكره لهم ذلک إذا كانوا فی مصر قلت: وكذلک إذا كانوا فی سجن، أو تحبس قال: نعم وإن صلوا أجزأهم**" (الأصل لإمام محمد ۱/ ۳۱۴ کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ)۔

(میں نے امام ابوحنیفہؒ سے عرض کیا کہ کیا لوگوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو آپ مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: جی ہاں میں لوگوں کے لئے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو مکروہ سمجھتا ہوں، جبکہ وہ شہر میں ہوں، میں نے عرض کیا کہ کیا یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ وہ قید خانہ میں یا محبوس ہوں؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: جی ہاں، البتہ اگر وہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھ لیں گے تو ان کی نماز کا فریضہ ادا ہو جائے گا)۔

نیز امام محمدؒ نے 'الجامع الصغیر' میں جمعہ کے دن قید خانہ میں اور اس سے باہر کے سب لوگوں کو ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے، چنانچہ امام محمدؒ فرماتے ہیں: "**ويكره أن يصلی الظهر فی جماعة يوم الجمعة فی سجن وغير سجن، فإن صلی قوم أجزاهم**" (الجامع الصغیر ص ۱۱۲ باب فی صلوۃ الجمعۃ)۔

(اور جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے، چاہے قید خانہ میں پڑھے یا قید خانہ کے بغیر، البتہ وہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیں گے تو ان کی نماز ادا ہو جائے گی۔

مذکورہ عبارات چونکہ حنفیہ کے نزدیک 'ظاہر الروایۃ' پر مبنی ہیں جن میں علی الاطلاق معذور وغیر معذور سب کے لئے کسی طرح کی شرط وقید کے بغیر، جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد، جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز باجماعت کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لئے حنفیہ کا اصل مذہب یہی ہے، اور تمام حنفیہ نے اس کی پیروی کی ہے اور انہوں نے جمعہ کی نماز سے معذور لوگوں کے لئے بھی، شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز کو باجماعت پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے اور غیر معذورین کو اولیت کے ساتھ اس حکم میں داخل وشامل مانا ہے۔

البتہ بعد کے مشائخ حنفیہ کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ معذور لوگوں کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی کراہت تحریمی درجہ کی ہے یا تنزیہی درجہ کی۔

چونکہ امام محمدؒ کے حوالے سے، حنفیہ کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ جس چیز کو مکروہ قرار دیں اس سے کراہت تحریمی مراد ہوا کرتی ہے، اس لئے بہت سے مشائخ حنفیہ نے دوسرے کئی مسائل کی طرح اس کے مکروہ تحریمی ہونے کو ہی ترجیح دی ہے، اور انہوں نے اس سلسلے میں غیر معذورین کی اقتداء کرنے کے نتیجے میں جمعہ کے فریضہ اور وجوب کو ترک کرنے کا ذریعہ ہونے اور صورتاً جمعہ کے ساتھ معارضہ کی علتوں کو کراہت تحریمی کے لئے کافی قرار دیا ہے۔

اور بعض متقدمین حنفیہ نے جامع مسجد میں تقلیل ہونے کی علت بھی بیان کی ہے، لیکن متاخرین محققین حنفیہ نے فرمایا کہ یہ اس روایت کے مطابق ہے جس کی رو سے شہر میں تعدد جمعہ جائز نہیں، لیکن بعد میں اہل علم حضرات کی طرف سے تعدد جمعہ کو جائز ومفتی بہ قرار دینے کے بعد، یہ علت مأثر نہیں رہی، کیونکہ انہوں نے تعدد جمعہ کو جائز قرار دے کر ایک طرح سے تقلیل جماعت فی مکان واحد کو گوارا کرلیا، اور متعدد مقامات پر اجتماعات کو تقسیم کر کے بظاہر تو ایک جگہ تقلیل کو گوارا فرمایا، لیکن دوسری طرف تکثیر جماعت کی شکل میں، دراصل تکثیر کو ہی اختیار فرمایا، تاکہ علاقہ کے لوگ بآسانی اس شعائر اسلام کو قائم کر کے اسلامی شان وشوکت کا مظاہرہ کرسکیں اور کوئی دشواری وسستی جمعہ میں شرکت کے لئے حائل ومانع نہ ہو۔

تاہم بعض مشائخ حنفیہ کی عبارت سے، جماعت ظہر للمعذورین کا کراہت تنزیہی ہونا ظاہر ہوتا ہے جس کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ معذورین کے حق میں باجماعت ظہر کی نماز پڑھنے میں شریعت کی طرف سے کوئی منصوص ومتعین وعید وارد نہیں ہوئی، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء کرام نے اس کو مکروہ قرار نہیں دیا ہے اور اس سلسلے میں بعض آثار سے استدلال بھی کیا ہے۔

کراہت تنزیہی قرار دینے والوں کے نزدیک اس کی بنیاد اسی چیز پر ہے کہ اگرچہ کسی چیز کو امام ابوحنیفہؒ نے مکروہ قرار دیا ہو تب بھی اس کا اس اصول کے تناظر مین جائزہ لے کر کراہت کے درجہ کو متعین کرنے کی ضرورت ہوگی اور دیکھا جائے گا کہ وہ فعل کسی منصوص وعید کو متضمن ہے یا نہیں، اثبات کی صورت میں کراہت تحریمی کو، اور عدم اثبات کی صورت میں کراہت تنزیہی کو ترجیح دی جائے گی جس کا......خلاف اولی ہونا ہوتا ہے۔

”مطلب فی تعریف المکروھة، وأنه قد یطلق علی الحرام والمکروہ تحریما وتنزیھا:قولة: (ومکروھه)ھو ضدالمحبوب؛قد یطلق علی الحرام کقول القدوری فی مختصرہ ومن صلی الظھر فی منزله یوم الجمعة قبل صلاۃ الإمام ولا عذرله کرہ له ذلک، وعلی المکروہ تحریما وھو ما کان إلی الحرام اقرب ویسمیه محمد حراما ظنیا، وعلی المکروہ تنزیھا وھو ما کان ترکه أولی من فعله ویراد خلاف الأولی“(المختار علی الدرالمختار۱/ ۱۳۲)۔

لیکن جمہور حنفیہ کا رجحان کراہت تحریمی کی طرف ہے یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن عبارات میں جمعہ فوت ہونے والوں سے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی کراہت منقول ہے، وہ اس مسئلہ کی ایک مخصوص صورت ہے جس میں ان کو بھی جماعت ظہر سے روکنا مقصود ہے، ورنہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ اس قسم کی عبارات سے معذور وغیر معذور افراد سب کے لئے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے مکروہ ہونے کو ہی بیان کرنا ہے، چونکہ معذورین میں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کا جمعہ فوت ہوگیا ہو،

اس لئے ان کا حکم الگ سے بیان کرنے کے لئے اس تعبیر کو اختیار کیا گیا۔

اسی وجہ سے فقہاء کرام نے جب بھی اور جہاں بھی یہ مسئلہ بیان فرمایا ان کو شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی جماعت سے منع کرنے کے لئے ہی بیان فرمایا اپنی شرائط کے ساتھ جمعہ منعقد کرنے اور جمعہ میں شرکت کرنے سے منع کے لئے بیان نہیں فرمایا، بلکہ فقہاء کرام نے تو مسافر کے لئے غلام مریض سب کے لئے جمعہ پڑھنے کی صورت میں فرض ادائیگی درست ہونے کا حکم لگایا ہے، حنفیہ نے ان کے جمعہ میں امامت کو بھی درست قرار دیا اور ان کے لئے جمعہ کے دن ظہر کے بجائے جمعہ پڑھنے کو بمقابلہ، رخصت، عزیمت، اور زیادہ باعث اجر وثواب قرار دیا، لہذا اس قسم کی عبارات سے یہ سمجھ لینا کہ جمعہ فوت ہونے والے لوگوں کے لئے، جمعہ کی نماز کا پڑھنا جائز نہیں اگر چہ ان میں جمعہ کی شرائط وجوب وصحت بھی موجود ہوں یہ سخت غلط فہمی ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ نے 'ردالمحتار' میں فرمایا کہ: جس طرح معذور کے لئے جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے تو غیر معذور کے لئے بدرجہ اولی مکروہ ہے۔

اور 'البحر' میں فرمایا کہ فقہاء کرام کے ظاہر کلام کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے قہستانی نے تو مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح کی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے جمعہ کے دن شہر میں معذورین کی جماعت ظہر کی کراہت کی علت کی بہت عمدہ اور سہل تشریح فرماتی ہے اور تقلیل جماعت کی علت کو بھی خوب کھول کر بیان کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا شخص جس پر جمعہ واجب ہے وہ بھی معذور کی اقتداء کر لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں جمعہ کے اصل واجب کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔

جہاں تک جامع مسجد میں تقلیل کی علت کا تعلق ہے وہ شہر میں تعدد جمعہ کے عدم جواز روایت پر مبنی ہے اور اب جبکہ مفتی بہ اور مختار قول جواز کا ہے تو اس صورت میں وہ علت بھی مؤثر نہ رہی، بقیہ علتیں مؤثر رہیں جن میں سے ایک تو یہی ہے جو گذری اور دوسری جمعہ کے ساتھ صورتا معارضہ ہے، یہاں سے ان اہل علم حضرات کی غلط فہمی بھی دور ہوگئی جو اس طرح کی عبارات میں مذکور تقلیل کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ کسی جگہ جمعہ کی جماعت میں مجمع کا کم ہونا ہی مکروہ ہے، حالانکہ جب تعدد جمعہ کا جواز راجح اور مفتی بہ ہے تو اس فتوے کے لئے تقلیل جماعت لازم ہے، لیکن متعدد مقامات پر جگہ جگہ اپنی شرائط کے مطابق جمع ہونا دوسری جہت سے تکثیر کا باعث ہے اور بڑے شہروں میں اور دین سے لاپرواہی ہے موجودہ دور میں کم از کم مقامات پر جمع ہونا ہی دراصل تقلیل کا باعث ہے کہ لوگ دوری کی وجہ سے جمع چھوڑ بیٹھے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مریض ومعذور حضرات کے لئے شہر میں جمعہ کے دن

باجماعت ظہر کی نماز پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس میں تقلیل جماعت اور صورتا جمعہ کی نماز کے ساتھ معارضہ پایا جاتا ہے۔

اگر اہل شہر کا جمعہ کسی مانع سے فوت ہوجائے اور ان کو جمعہ پڑھنا ممکن نہ رہے، علامہ ابن عابدین شامی نے ان کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے مکروہ تنزیہی ہونے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ علامہ ابن عابدین کے بقول اس میں مذکورہ دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں یعنی نہ تو تقلیل جماعت کی اور نہ جمعہ سے صوری معارضہ کی۔

علامہ شامی کی مذکورہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسرے تمام معذورین کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کوتو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اور اس میں تقلیل فی الجمعۃ یعنی بعض لوگوں کے جمعہ سے رہ جانے کا ذریعہ ہونے اور جمعہ کی نماز باجماعت کے ساتھ صورتا اور معارضۃ کی علت کو ماثر مانتے ہیں، لیکن اگر جملہ اہل شہر کا کسی مانع سے جمع فوت ہوجائے تو ان کے حق میں مذکورہ دونوں علتوں کو مؤثر نہ مان کر بھی مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں، علامہ شامی کی یہ تقسیم وتفریق ''ہدایہ'' کی 'التجنیس' مذکورقول کے مطابق ہے، کیونکہ جب تمام اہل شہر کا جمعہ کسی مانع سے فوت ہوگیا، مثلاً سخت بارش، طوفان، سیلاب، زلزلہ، یا دشمنوں کے حملہ وغیرہ کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ سلطان، یا اس کا نائب کسی عارض سے حاضر نہ ہوسکا نہ اس نے اجازت دی، جب اس کو شرط قرار دیا جائے، جیسا کہ پہلے ایسا تھا، چونکہ یہاں شہر میں مطلقا جمعہ ہوا ہی نہیں اس لئے نہ جمعہ میں تقلیل کا تصور ہے اور نہ جمعہ سے معارضہ کا تصور ہے لیکن امام محمدؒ کے اطلاق کے خلاف ہے۔

''فتاوی محمودیہ'' میں ہے کہ جس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہوں وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ درست ہے اور اس سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے حتی کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ جمعہ پڑھا جائے تب بھی۔

''وتؤدى فى مصرواحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب، وعليه الفتوى، شرح المجمع للعينى وإمامة فتح القدير،دفعا للحرج درمختار (قوله مطلقا) اى سواء كان المصر كبيرا ولا ، الخ'' (فتاوی محمودیہ ۱۸۱/۸ کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ)۔

ملاحظہ فرمائیں کتنی صراحت ہے اور وضاحت کے ساتھ شرائط جمع ہونے والی بستی میں ایک سے زائد جگہ جمعہ درست کہا گیا ہے اور ہماری زیر بحث وہی بستیاں ہیں جہاں شرائط جمعہ موجود ہوں، اور جب بلا حاجت بھی متعدد جگہ جمعہ کو صحیح اور درست قرار دیا جارہا ہے تو اب موجودہ حالات وعوارض اور قانونی رکاوٹوں میں بشرائط صحت جمعہ وشرائط وجوب جمعہ متعدد جگہوں پر جمعہ کو جائز قرار دیا جارہا ہے اور تعدد جمعہ کی جو معاشرتی وقانونی ضرورت ہے وہ اہل علم تو کیا عوام پر بھی مخفی نہیں، اس میں اہل علم اور اصحاب افتاء کو کیا اور کون سی رکاوٹ محسوس ہورہی ہو، تو اس کی کوئی قید وحد ہمیں فقہاء سے دکھلا دیں اور شہر میں

موجود کم از کم چار عاقل، بالغ، افراد میں کوئی شرط مفقود ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہو تو اس کا حوالہ پیش فرمادیں۔

فقہاء حنفیہ نے جا بجا تعدد جمعہ کے جواز کی تصریح کرتے ہوئے تعدد جمعہ کے لئے حلقہ کبیر وغیرہ کی کسی مخصوص صورت کو شرط قرار نہیں دیا اور کسی چیز کا استحباب اس کے نہ ہونے کی صورت میں جواز یا صحت، بلکہ وجوب کی بھی نفی کو مستلزم نہیں ہوا کرتا خود مستحب یا استحباب کے الفاظ اس کا پتہ اور خبر دیتے ہیں۔

پس کسی مستحب یا مسنون عمل کے فوت ہوجانے کی وجہ سے، بالخصوص جبکہ وہ عذر کی وجہ سے ہو، اصل عمل کی نفی کر دینا کہاں کا اصول ہے۔

فقہاء کرام نے تو عذر کی صورت میں ترک سنت اور ارتکاب مکروہ کو بھی گوارا کرلیا ہے، جیسا کہ عام حالات میں جماعت سے نماز پڑھتے وقت مقتدیوں کا صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اتصال سنت ہے اور اس کے خلاف ورزی مکروہ ہے، لیکن عذر کی وجہ سے وہ کراہت باقی نہیں رہتی۔

موجودہ وبا کے حالات میں اکثر علماء اس کے جواز پر تقریباً متفق ہیں، بلکہ اس کے پرزور داعی بھی ہیں اور تا حال کسی کی طرف سے کوئی قابل ذکر اشکال سامنے نہیں آیا، نہ ہی یہ کہا گیا کہ آئندہ کے لئے لوگ اس پر جری ہوجائیں گے او رپھر اس پر کوتاہی کا مظاہرہ کریں گے یا یہ کہ طریقہ امت کے توارث وتعامل کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔

پس ہماری نظر میں بحالت موجودہ جبکہ تعدد جمعہ مفتی بہ ہے اور اذن حاکم وغیرہ کی شرط بھی موجود ہے، اور ہمارے یہاں کسی بھی شہر کی مسجد میں جمعہ شروع کرنے کے لئے کسی وزیر اعظم یا حکومت کے اہل کار سے باضابطہ اجازت نامہ نہیں لیا جاتا، نہ ہی ان کی صدارت میں افتتاح جمعہ کی ضرورت سمجھی جاتی، بلکہ بحالت موجودہ تو حکم حاکم چھوٹے چھوٹے اجتماعات ہی منعقد کرنے کا ہے ایسے حالات میں ہمارے نزدیک گھروں کے اندر دروازے کھولے بغیر چار چار عاقل، بالغ افراد کو خطبہ دے کر جمعہ پڑھنا جائز ہے اور دروازہ کھولنا اور بے پردگی، یا حفاظتی انتظامات میں خلل اندازی، یا مجمع بڑھانے کا راستہ کھولنے کو ضروری قرار دینا زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، کوئی پھر بھی احتیاط وغیرہ کے عنوان سے ان چیزوں کو تکلف واہتمام کریں اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے تو ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں۔

”يصح اداء الجمعة فی مصرواجب بمواضع كثيرة، وهو قول أبی حنيفة ومحمد وهو الأصح؛ لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدينة كبيرة حرجا بينا، وهو مدفوع، كذا ذكر الشارح، وذكر الإمام السرخسی أن الصحيح من مذهب أبی حنيفة جواز إقامتها فی مصرواحد فی مسجدين، وأكثر، وبه نأخذ الإطلاق: لاجمعة إلا فی مصر شرط المصر فقط، وفی فتح القدير: الأصح

الجواز مطلقا خصوصا مذا كان مصرا كثيرا كمصر، فإن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لا ستدعائة تطويل المسافة على الأكثر، وذكر فى باب الإمامة أن الفتوى على جواز التعدد مطلقا، وبما ذكرناه اندفع ما فى البدائع من أن الظاهر الرواية جواز ها فى موضعين، ولا يجوز فى أكثر من ذلك، وعليه الإعتماد، فإن المذهب الجواز مطلقا "(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۲/۱۵۴ کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ)۔

"وتودى فى مصرواحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب، وعليه الفتوى، شرح المجمع للعينى، وإمامة فتح القدير دفعا للحرج"(الدرالمختار)۔

"(قوله على المذهب)فقد ذكرالإمام السرخسى أن الصحيح من مذهب أبى حنيفة جواز إقامتها فى مصر واحد فى مسجدين، وأكثر به نأخذ للإطلاق، لاجمعة إلا فى مصر شرط المصر، وبما ذكرنا اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين لا فى أكثر، وعليه الاعتماد، فإن المذهب الجواز مطلقا بحر قوله(دفعا للحرج) لأن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على أكثر الحاضرين، ولم يوجد عليل عدم جواز التعدد، بل قصية الضرورة عدم اشتراطه لاسيما إذا كان مصرا كبيرا كمصرنا كما قاله الكمال(قوله وعلى المرجوح)هومامرعن البدائع من عدم الجواز فى أكثر من موضعين"(ردالمحتار علی الدرالمختار ۲/۱۴۵، باب الجمعۃ)۔

اور ہماری نظروں میں کوئی مسلمان بھی گھر اور چھوٹے مجمع میں جمعہ پڑھنے کو عام حالات میں گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

پھر بھی اگر مجبوری والے حالات میں لوگوں کو متعدد اجتماعات کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، تو ایسی صورت میں اکثر مسلمانوں کا جو جمعہ کے ساتھ شوق اور ذوق پایا جاتا ہے اس کے نتیجہ میں وہ جمعہ کے دن روز مرہ کی طرح ظہر پڑھنے کے لئے آمادہ نہ ہوں گے بعض تو اس دن کا فرض ہی چھوڑ بیٹھیں گے، کیونکہ نماز ظہر کی لوگوں کے دلوں میں نماز جمعہ جیسی اہمیت نہیں اور شریعت نے بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے، جبکہ گھروں میں نماز جمعہ کو غیر درست قرار دینے کی صورت میں بہت سے لوگ ظہر کے بجائے مساجد میں جمعہ کی نماز میں شرکت کا اہتمام کریں گے جس سے پھر وہی تکثیر جماعت اور ہجوم کا عارضہ پیش آئے گا جس سے لوگوں کو منع کیا جا رہا ہے۔

ان تمام تر تفصیلات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ موجودہ حالات میں جہاں حاکم وقت کی طرف سے نماز جمعہ قائم کرنے کی ممانعت نہ ہو وہاں جمعہ کے دن شہر میں موجود، جن لوگوں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ واجب اور صحیح ہونے کی شرائط

پائی جائیں مثلاً وہ کم از کم چار عاقل یا بالغ مرد افراد ہوں تو ان کا اپنے گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا فی نفسہ درست ہے اس کو غیر درست قرار دینا راجح نہیں۔

البتہ جن لوگوں میں جمعہ صحیح ہونے کی شرائط نہ پائی جائیں اور وہ جمعہ کے دن شہر میں موجود ہوں، ان کے لئے حنفیہ کے نزدیک اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے، ظہر کی نماز کی گنجائش موجود ہے، لیکن اس کو بھی باجماعت ادا کرنا افضل نہیں، بلکہ مکروہ ہے بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی اور بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی۔

اگر کسی حنفی کی طرف سے شہر میں موجود ایسے لوگوں کو جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے سے منع کیا جائے، جن میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتی اور ان کو انفرادی طور پر ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم صادر کیا جائے تو وہی حنفیہ کی تصریحات کے مطابق درست ہے، ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک کسی کراہت کا ارتکاب لازم نہیں آتا، بلکہ کراہت سے بچنا پایا جاتا ہے۔

اگر کسی مصلحت سے موجودہ حالات میں غیر حنفیہ کے قول کو ترجیح دی جائے اور مساجد میں جمعہ کے محدود اجتماعات کے علاوہ عام لوگوں کو اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو افضل قرار دیا جائے تو اہلِ علم حضرات اس کی بھی گنجائش پر غور کر سکتے ہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک چونکہ جمعہ کے لئے مسجد اور کم از کم بارہ افراد کا ہونا شرط ہے جبکہ حنابلہ، شافعیہ کے نزدیک کم از کم چالیس افراد کا ہونا شرط ہے۔

اور بارہ یا چالیس افراد کے اجتماع پر چونکہ اسوقت پابندی عائد ہوتی رہتی ہیں، اس لئے موجودہ حالات میں یہ کہنے کی گنجائش پر اہلِ علم حضرات غور فرما سکتے ہیں کہ چار چار پانچ افراد کے اجتماع سے ان فقہاء کرام کے نزدیک جمعہ منعقد نہیں ہوتا، اس لئے ان فقہاء کے قول کے مطابق ان کو جمعہ سے معذور سمجھ کر ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو نہ صرف یہ کہ جائز کہا جائے گا بلکہ مستحب قرار دیا جائے گا۔

موجودہ وبا کی صورت میں تجہیز و تکفین:

اصل تو یہ ہے کہ جو پلاسٹک میت کے بدن پر موجود ہو اس کو ہٹا کر کپڑے کا ساتر کفن دیا جائے، لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو اور قانونی دشواری ہو تو اس پلاسٹک کے اوپر ہی کفن پہنایا جائے، اگر یہ عمل انجام دینے کی عام اجازت نہ ہو تو اسپتال کے عملہ سے یہ کام لیا جا سکتا ہے اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو جسم پر موجود پلاسٹک کو ہی کفن تصور کیا جائے، فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسی تکفین جس سے وہ ڈھک جائے فرض کفایہ ہے اور میت کی تکفین اس کو پاک کرنے کے بعد اس قسم کے کپڑوں سے کی

جائے گی جس کا پہننا اس کے لئے زندگی میں جائز تھا، لہذا جائز کپڑوں میں کفن دیا جائے گا، ہر طرح کے کپڑے کفن کے لئے کافی ہیں، اور پرانا دھلا ہوا اور نیا کپڑا دونوں برابر ہیں کفن کے لئے شرط ہے کہ کھال نظر نہ ائے، اس لئے کہ کھال اگر نظر آئے گی تو پردہ نہیں ہوگا اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے لیکن کھال اگر نظر نہ آئے اور بدن کی ساخت معلوم ہو تو یہ مکروہ ہے، مرد عورت کے لئے ضروری کفن کم از کم اتنا ہونا چاہئے جو پورے بدن کو ڈھانپ لے۔

”**اتفق العلماء على أن تكفين الميت بما يستره فرض على الكفاية......ذهب الفقهاء إلى أن الميت يكفن بعد طهره بشيء من جنس ما يجوز له لبسه فى حال الحياة فيكفن فى الجائز من اللباس......وجزئ جميع أنواع القماش والخلق إذا غسل والجديد سواء ......ويشترط فى الكفن أن لا يصف البشرة لأن ما يصفها غير ساتر فوجوده كعدمه، ويكره إذا كان يحكى هيئة البدن، وإن لم بصف البشرة الكفن الضرورى للرجل والمرأة هو مقدار يوجد حال الضرورة أو العجز، بأن كان لايوجد غيره وأقله مايعم البدن الموسوعة الفقهية الكويتية، وفى الهندية:وهو فرض على الكفاية......كفن الرجل سنة ازار وقميص ولفافة وكفاية إزار، ولفافة وضرورة ماوجد**“(ہندیہ ۱/۱۶۷، الفصل الثالث فی الغسل، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

نماز جنازہ:

جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے، اس لئے موجودہ حالات میں 'وبا' کی صورت میں اگر صرف پانچ آدمی میت کے آخری رسومات میں شریک ہوجائیں اور نماز جنازہ پڑھ لیں تو سب کی جانب سے ذمہ ادا ہوجائے گا، اور اگر صرف ایک ہی آدمی ہو تو وہ تنہا نماز جناز ادا کرسکتا ہے، لہذا اس صورت میں نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

”**والصلوة على الجنازة تتأدى بأداء الإمام وحده؛ لأن الجماعة ليست بشرط الصلوة على الجنازة**“(الفتاوی الہندیہ الفصل الخامس فی الصلوۃ علی المیت ۱/۱۶۲)۔

نماز جنازہ میت کا حق ہے اور وہ فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے، لہذا کسی وباء میں فوت ہونے والے کی نماز جنازہ بھی اسی طرح ادا کی جائے گی، جس طرح دوسرے امراض میں فوت ہونے والے کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔

اگر کسی میت کو غلطی یا لاعلمی کی بناء پر بغیر غسل دیئے یا جنازہ پڑھے بغیر قبر میں رکھ دیا گیا تو قبر پر مٹی ڈالنے سے قبل اگر انہیں یاد آجائے، یا اس بات کا علم ہوجائے کہ ہمیں میت کو غسل دینا تھا یا اس کا جنازہ پڑھنا چاہئے تھا تو ایسی صورت میں اگر میت کو غسل نہیں دیا تھا تو اس سے غسل دے کر نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا جائے اور اگر غسل دے دیا گیا تھا تو پھر ایسی

صورت میں صرف نماز جنازہ پڑھا کر دفنا دیا جائے۔

لیکن اگر قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد یاد آجائے یا اس بات کا علم ہوجائے کہ ہمیں غسل یا جنازہ پڑھنا چاہئے تھا تو اب قبر کو کھولنا درست نہیں ہے ایسی صورت میں جب تک گمان غالب یہ ہے کہ لاش نہیں پھٹی ہوگی قبر پر ہی نماز ادا کی جائے۔

”إن دفن وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو من لا ولاية له صلى على قبره استحسانا مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح، وظاهره أنه لو شك في تفسخه صلى عليه لكن في النهر عن محمد لا كأنه تقديما للمانع (الدرالمختار)قوله(وأهيل عليه التراب) فإن لم يهل أخرج وصلى عليه، كما قدمناه“(الدرالمختار، کتاب الصلوۃ: باب صلوۃ الجنازۃ ۱۴۶/۳)۔

”ولودفن الميت قبل الصلوة وقبل الغسل، فإنه يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم، بل يصلى عليه مالم يعلم أنه قد تمزق، كذا في السراجية“(فتاوی ہندیہ کتاب الصلوۃ الفصل الخامس فی الصلوۃ علی المیت ۱/ ۱۶۵)۔

☆☆☆

کرونا کی صورت حال سے متعلق چند اہم مسائل

مفتی عباداللہ قاسمی☆

الف- ایک مسجد میں دوسری جماعت کا حکم:

جماعت ثانیہ کی کراہت پر احادیث:

(۱) حضرت ابوبکرةؓ سے روایت ہے: "**أن رسول الله ﷺ أقبل من نواحی المدینة یریدالصلاة فوجد الناس قدصلوا،فذهب إلی منزله فجمع أهله فصلی بهم**" (المعجم الاوسط:۳۵/۵، مجمع الزوائد:۴۸/۲، تراث) (یعنی رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قریب ایک جگہ سے تشریف لائے اور آپ کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا، آپ ﷺ نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے؛ چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے نماز پڑھائی)۔

(۲) حضرت عبدالرحمان بن بکرة اپنے والد (ابوبکرہ) رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: "**أن رسول الله ﷺ خرج من بیته لیصلح بین الأنصارلتشاجر[جری] بینهم فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ فی منزل بعض أهله فجمع أهله فصلی بهم جماعة**" (شرح سنن ابی داؤد:۶۵/۳، باب :الجمع فی المسجد مرتین) (یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے انصار کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے نکلے، واپسی پر مسجد (نبوی) میں جماعت ہو چکی ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور اپنے اہل خانہ کو جمع کیا اور ان کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی)۔

(۳) حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ: "**کان اصحاب رسول الله ﷺ إذادخلواالمسجد وقدصلی فیه،فرادی**" (المصنف لابن شیبہ: حدیث نمبر:۷۱۸۸، کتاب الصلاة، باب من قال یصلون فرادی) (یعنی صحابہ جب مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے آتے اور (مسجد میں) نماز ہو چکی ہوتی تو آپ تنہا نماز پڑھتے)۔

(۴) حضرت انس بن مالکؓ سے منقول ہے کہ: "**أن اصحاب رسول الله ﷺ کانو إإذافاتتهم الجماعة صلوافی المسجد فرادی**" (تحفۃ الاحوذی:۱/۴۸۷، تراث) (یعنی اصحاب رسول ﷺ کی جب جماعت فوت ہو جاتی تو وہ

☆ مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ، بہار۔

مسجد میں تنہا نماز پڑھتے تھے)۔

مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت پر عمل رسول اور اصحاب رسول سے بہتر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؛ چنانچہ مذکورہ احادیث کی تشریح میں، فقیہ حنفی کے معتبر فقیہ، اور مستند محدث علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: "**ولو لم یکرہ تکرار الجماعة فی المسجدلصلی فیه**" (شرح سنن ابی داؤد: ۳/۶۵) (یعنی مسجد میں اگر جماعت ثانیہ مکروہ نہ ہوتی تو آپ ﷺ مسجد ہی میں نماز ادا فرماتے)۔

علامہ کاسانیؒ جماعت ثانیہ کی کراہت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: "**أن أصحا ب رسول الله ﷺ۔ کانوااذافاتتهم الجماعة صلوافی المسجد فرادی؛لأن الناس إذاعلمواانهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون فتکثر الجماعة ،و اذاعلموا انها لاتفوتهم یتاخرون فتقل الجماعة،وتقلیل الجماعة مکروہ**" (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۰) (یعنی اصحاب رسول کی جب جماعت فوت ہوجاتی تھی تو وہ تنہا نماز پڑھتے تھے؛ اس لئے کہ تکرار جماعت تقلیل جماعت کا سبب بنے گا؛ اس لئے بھی کہ جب لوگوں کو جماعت کے فوت ہونے کا علم ہوگا تو وہ (جماعت میں حاضر ہونے میں) جلدی کریں گے، تو جماعت بڑی ہوگی، اور جب لوگوں کو جماعت کے فوت نہ ہونے کا علم ہوگا تو وہ (جماعت میں حاضر ہونے میں) تاخیر کریں گے، تو جماعت مختصر ہوگی، اور تقلیل جماعت مکروہ ہے)۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: "**یکرہ تکرار الجماعة فی مسجدمحلة بأذان وإقامة ،لافی مسجد طریق أوفی مسجد لا إمام له ولامؤذن له**" (الدرالمختار علی ردالمحتار: ۱/۵۵۲) (یعنی مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ دوسری جماعت مکروہ ہے؛ البتہ مسجد طریق یا ایسی مسجد جس کا امام ومؤذن متعین نہ ہو اس میں دوسری جماعت جائز ہے)۔

جمہور فقہاء کے نزدیک ایک مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے؛ لیکن حسب ذیل صورتوں میں فقہاء نے جماعت ثانیہ کی بلا کراہت اجازت دی ہے، بلکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے:

(۱) مسجد عام شاہ راہ پر واقع ہو۔ (۲) مسجد کا امام ومؤذن متعین نہ ہو۔

(۳) محلّہ کی مسجد میں پہلے غیر اہل محلّہ نے آذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہو۔

(۴) اہل محلّہ نے آہستہ آذان دیکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہو، چناں چہ علامہ شامیؒ لکھتے ہے:

"**یکرہ تکرارالجماعة فی مسجدمحلة باذان واقامة (۳)الااذاصلی بهما فیه اولاغیراهله (۴)اواهله بمخافته الاذان،ولوکرراهله بدونهما(۱)اوکان مسجد طریق جازاجماعا،(۲)کمافی مسجدله لیس امام ولامؤذن یصلی الناس فیه فوجا،فوجا فإن الأفضل أن یصلی کل فریق بأذان وإقامة**

علاحدة"(ردالمحتار:۱/۲۵۲،تراث)۔

خلاصہ یہ کہ جماعت ثانیہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی اصل علت قلت جماعت ہے،اور حالیہ حکومتی تحدیدات کا مقصد انسانی جان ومال کی حفاظت ہے،اسی مقصد کے حصول کے لئے مسجدوں میں قلت جماعت کا حکم ہے اور کثرت جماعت حکومتی قانون کی خلاف ورزی کے مترادف ہے،جوایک پرامن شہری کے لئے شرعادرست نہیں ہے،رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:"**لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**"(مشکاۃ المصابیح:حدیث نمبر:۳۶۹۵)،یہاں حکومتی تحدیدات سے" حفظ نفس"مقصود ہے جوکہ شریعت کے عین مطابق ہے،چنانچہ اللہ تعالی کاارشادہے:"**ولاتلقوابایدیکم إلی التهلکة**"(سورۂ بقرہ:۱۹۵)(یعنی اورتم اپنے آپ کوہلاکت میں نہ ڈالو!)۔

موجودہ حالات میں جماعت ثانیہ کی وقتی اجازت ہونی چاہئے؛کیونکہ ایک پرعمل فرض ہے اوردوسرے پرعمل مکروہ تحریمی،اورشریعت کااصول اورضابطہ یہ ہے کہ انسانی حالات کے اعتبار سے فرض کی بقاء کے لئے حرام پرعمل بسااوقات فرض ہوجاتا ہے۔

حضرات شیخین نے قلت جماعت کی صورت میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی ہے،اگرچہ کہ عام حالات میں اس کی اجازت نہیں ہے؛بلکہ کبھی اتفاقیہ اس کی نوبت آجائے توتین چارافراد پرمشتمل دوسری جماعت مسجد کے کسی گوشہ میں کی جاسکتی ہے،البتہ اس کی عام عادت بنانادرست نہیں ہے۔

جماعت ثانیہ اگرپہلی ہیئت پرنہ ہوتوامام ابویوسفؒ نے بھی اس کی اجازت دی ہے،علامہ شامی رحمۃ اللہ نے اسی رائےکواختیارکیاہے؛چنانچہ لکھتے ہیں:

"**وعن أبی یوسفؒ إذالم تکن علیه الهیئة الأولی لایکره،وإلایکره،وکذافی البزازیة انتهی-وفی التاتارخانیة عن الولوالجیة-وبه ناخذ**"(ردالمحتار:۲/۲۸۸،مطلب فی تکرارالجماعۃ فی المسجد)(یعنی امام ابویوسفؒ سے روایت ہے:جب دوسری جماعت پہلی ہیئت پرنہ ہوتومکروہ ہےورنہ مکروہ نہیں ہے)۔

ب:اگرہوسکتی ہےتودوسری جماعت کےخصوصی احکام کیاہوں گے؟کیایہ بھی ضروری ہے ہرجماعت کاامام کاالگ ہواورکیاہرجماعت کے لئےالگ الگ خطبہ دیناضروری ہے۔

(ج:ب)جماعت ثانیہ سےمتعلق خصوصی احکام:

(۱)جماعت ثانیہ اذان واقامت کےساتھ قائم کرناافضل ہے؛چنانچہ صاحب تبیین الحقائق لکھتے ہیں:

"**والضابط عندنا:أن کل فرض کان أداء أوقضاء یؤذن له ،ویقام سواء أداه منفردا،أوبجماعة،**

إلاالظهر يوم الجمعة فى المصر،فإن أدائه بأذان وإقامة مكروه" (تبیین الحقائق:۱/ ۹۲، التراث، بدائع الصنائع: ۱/ ۳۸۰) (یعنی ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ: ہرفرض نماز خواہ ادا ہو یا قضا اس کے لئے آذان اور اقامت کہی جائیگی، برابر ہے کہ اس کو تنہا ادا کرے یا جماعت کے ساتھ، بجز شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے؛ اس لئے کہ شہر میں ظہر کی نماز اذان واقامت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے..... لیکن خیال رہے کہ جمعہ کی جماعت ثانیہ کے لئے صرف منبر کے سامنے والی آذان دی جائیگی پہلی اذان کی ضرورت نہیں ہے (ردالمحتار:۱/ ۵۵۲، تراث)۔

(۲) جماعت ثانیہ پہلی ہیئت پر نہ ہو (ردالمحتار:۲/ ۲۸۸، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد)۔

(۳) ایک امام کی اقتدا میں ایک ہی جماعت ہوگی، دوسری جماعت کے لئے دوسرے امام کا ہونا ضروری ہے، ورنہ اقتدا درست نہیں ہوگی؛ چنانچہ "الفقه على مذاهب الأربعة "میں ہے: "ومن شروط الإمام أن لايكون أدنى حالامن المأموم ،فلايصح اقتداء مفترض بمتنفل ،الاعندالشافعية"(الفقہ علی مذاہب الاربعۃ:۱/ ۳۸۰، اقتداء المفترض بالمتنفل، مکتبہ شاملہ، الموسوعۃ الفقہیۃ:۶/ ۳۲، مکتبہ شاملہ، بدائع الصنائع:۱/ ۳۵۷، کتاب الصلاۃ / بیان شرائط الاقتداء) (یعنی امام کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس (امام) کی حالت مقتدی سے ادنی نہ ہو؛ چنانچہ فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک درست ہے)۔

(۴) خطبہ کا ایک ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ وہ امام کی مرضی پر منحصر ہے۔

۲-مسجد سے باہر چھوٹی جماعتوں کا حکم:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے: "من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذر. قالوا:وماالعذر؟قال خوف أومرض ،لم تقبل منه الصلاة التى صلاة صلى" (سنن ابی داؤد: حدیث نمبر:۵۵۱) (یعنی جو شخص آذان کی آواز سنے اور اس پر عمل پیرا ہونے ہونے سے کوئی عذر اسے مانع نہ ہو، حضرات صحابہ نے ابن عباسؓ سے عرض کیا، عذر کیا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: خوف، یا بیماری تو اس کی نماز جو اس نے پڑھی ہے قبول نہیں ہوگی، یعنی بلا عذر شرعی "تخلف عن الجماعة" کی صورت میں ثواب نہیں ملے گا؛ البتہ فرض ساقط ہوجائیگا)۔

اس حدیث میں صحابہ کرام کے سوال: "ماهو عذر؟" یعنی عذر سے رسول اللہ ﷺ کی کیا مراد ہے؟) پر حضرت ابن عباس ﷺ نے جوابا فرمایا: "(خوف): أى هو على نفسه،أوعرضه أوماله" یعنی جان ومال اور عزت وآبرو سے متعلق خوف (بذل المجہود:۳/ ۵۴۹)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے عذر (شرعی) کی جو وضاحت کی ہے اس اعتبار سے حالیہ وبائی مرض عذر شرعی کے

دائرہ میں داخل ہے؛ کیوں اس مرض کی وجہ سے اس وقت پورے عالم میں خوف وہراس کی ایک عام فضاء بنی ہوئی ہے، ہر شخص ''حفظ نفس'' کے تعلق سے مضطراب وبے چین ہے، اس (حفظ نفس) تعلق سے ویسے بھی ہر شخص کو حساس ہونا چاہئے، کیونکہ جان کی حفاظت ہر شخص پر فرض ہے؛ چناں چہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :''**ولاتلقوابأيديكم إلى التهلكة**'' (بقرۃ:۱۹۵) (یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو!)۔دوسری جگہ ارشاد ہے:''**ولاتقتلواأنفسكم إن الله كان بكم رحيما**'' (سورہ نساء:۲۹) (نیز اپنا خون نہ کرو! بیشک اللہ تمہارے ساتھ بڑے مہربان ہیں)۔نیز اللہ تعالی نے بندوں کی آسانی کے لئے ہی شریعت نازل کیا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''**يريدالله بكم اليسرولايريدبكم العسر**'' (بقرۃ:۱۸۵) (یعنی اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، تمہارے لئے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا ہے)۔

مذکورہ بالا شرعی نصوص سے حالات کی مناسبت سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(الف) عام حالات میں گھروں میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ موجودہ حالات کے پیش نظر وقتی طور پر گھروں میں افرادخانہ کے ساتھ امام کے علاوہ دودو تین تین آدمیوں پر مشتمل جمعہ کی چھوٹی چھوٹی جماعت قائم کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے ؛ کیوں کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کثرت اختلاط کے سبب بنے گا جس سے مرض پھیلے گا اورانسانی جانوں کا زیادہ ضیاع اورنقصان ہوگا۔رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:''**لاضررولاضرارفي الإسلام**'' (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر:۲۳۴۱) (یعنی ضرر نہ برداشت کیا جائے گا اور نہ ضرر پہنچایا جائیگا)۔

(ب) کتب فقہ میں خوف اورمرض کی وجہ سے بیشتر مقامات پر سقوط جماعت کا حکم مذکور ہے؛ اس لئے موجودہ صورت حال میں خیال ہوتا ہے کہ جماعت ساقط ہوجانی چاہئے ؛ کیونکہ ہنگامی حالات کے احکام، عام حالات کے احکامات سے مستثنی ہوتے ہیں؛ اس لئے جمعہ کے دن افرادخانہ کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے بعدظہر کی نماز تنہا پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔''ہندیہ''میں ہے:

''**وتسقط الجماعة بالاعذار،حتى لاتجب على المريض ،والمقعد،والزمن،ومقطوع اليدوالرجل من خلاف،ومقطوع الرجل والمفلوج الذى لايستطيع المشي ،والشيخ الكبير العاجز، والاعمى عند ابى حنيفة رحمه الله ،والصحيح انهاتسقط بالمطروالطين،والبردالشديد،والظلمة الشديد،كذافى التبيين، وتسقط الريح فى الليلة المظلمة**'' (ہندیہ:۱/۱۴۰، کتاب الصلاۃ/الباب الخامس:فی الامامۃ)

(یعنی جماعت بہت سے عذروں سے ساقط ہوجاتی ہے، یہاں تک جماعت مریض، لنگڑے، اوراپاہج اوراس شخص پر جس شخص کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں، یا اس کے برعکس کٹے ہوے ہوں یا فقط پاؤں کٹے ہوے ہوں یا فالج کی بیماری کی وجہ سے

چلنے پر قادر نہ ہو، یا کبرسنی کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہو، یا اندھا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر جماعت واجب نہیں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ بارش اور کیچڑ اور سخت سردی اور تاریکی کی وجہ سے بھی جماعت ساقط ہوجاتی ہے، اسی طرح تبیین الحقائق میں ہے، اور اندھیری رات میں تیز ہوا کی وجہ سے بھی جماعت ساقط ہوجاتی ہے)۔

علامہ بن ہمامؒ لکھتے ہیں:"و فی الفتح:أی تحصل لک فضیلة الجماعة من غیرحضورها لا الایجاب علی الاعمیٰ ؛لانه علیه الصلاة والسلام رخص لعتبان بن مالک فی ترکها۔لکن فی نورالایضاح:واذاانقطع عن الجماعة لعذرمن اعذارها وکانت نیته حضورهالولاالعذر یحصل ثوابها۔والظاهران المرادبه العذرالمانع کالمریض والشیخوخة والفلج"(ردالمحتار:۲/۲۹۰، کتاب الصلاۃ/باب الامامۃ)، واللہ اعلم بالصواب۔

درج ذیل فقہی قواعد سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے:

(۱)"الضرر یزال"(الاشباہ والنظائر:۲/۷)(ضرر کو زائل کیا جائیگا)۔

(۲)"درء المفاسد أولی من جلب المصالح"(الاشباہ والنظائر:۲/۷)(یعنی مفاسد کو دور کرنا، مصالح کو حاصل کرنے سے زیادہ اولی ہے اور بہتر ہے)۔

(۳)"یتحمل الضررالخاص لاجل دفع ضرر العام"(الاشباہ والنظائر:۲/۷)(یعنی ضرر عام کو دور کرنے کی وجہ سے ضرر خاص کو برداشت کیا جائیگا)۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ حالات کے پیش نظر ایسے اشخاص وافراد کے لئے رخصت (ظہر) وعزیمت (جمعہ) دونوں پر عمل کی گنجائش ہوگی، یعنی جن کے گھروں میں امام کے علاوہ دو یا تین آدمی ہو اور ان میں سے کوئی جمعہ کا خطبہ پڑھنے پر قادر ہو تو ان کے لئے گھروں میں وقتی طور پر جمعہ پڑھنا افضل ہے (مراقی الفلاح:ص/۱۹۸) اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ظہر کی نماز اپنے اپنے گھروں میں تنہا پڑھے۔

۳-اذن عام سے کیا مراد ہے؟

اذن بمعنی اجازت کے ہیں، یعنی لوگوں کو نماز گاہ میں جمعہ پڑھنے کی عام اجازت ہو، ممانعت نہ ہو؛ چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:"(الإذن العام)أن یأذن للناس إذناعاما بأن لایمنعَ أحداممن تصح منه الجمعةُ عن دخول الموضع الذي تصلی فیه،وهذامرادمن فسرالإذن العام بالاشتهار"(ردالمحتار:۲/)(یعنی نماز پڑھنے کی لوگوں کو عام اجازت ہو، کسی مکلّف شخص کو نماز گاہ میں داخل ہونے سے نہ روکے، یہ ان فقہاء کرام کی مراد ہے جنہوں نے اذن عام

کی تفسیر اشتہار سے کی ہے)۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ قیام جمعہ کی علت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:"**بأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين ؛فيجب اقامتها على سبيل الاشتهار**"(بحرالرائق:۲؍۲۶۴)(یعنی جمعہ کا قیام اسلامی شعائر اور خصوصیات دین میں سے ہے؛اس لئے علی سبیل الاشتہار اس کا قائم کرنا واجب ہے)۔

علامہ ابراہیم بن محمد حلبیؒ لکھتے ہیں:"**وإن فتحه واذن للناس بالدخول جازت دخلوا،او،لا**"(حلبی کبیر:ص؍۵۵۸،فصل فی صلاۃ الجمعۃ،ردالمحتار:۲؍۲۶،کتاب الصلاۃ؍باب الجمعۃ،مجمع الانہر:۱؍۲۴۶)(یعنی اگر(مسجد کا) دروازہ کھول دے اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دیدے تو(نماز جمعہ) جائز ہوگی خواہ لوگ داخل ہوں یا نہ ہوں)۔

اذن عام کی شرط نمازی کو روکنے سے متاثر ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں ایک اصولی بات سمجھنے کی ہے کہ وہ تمام مقامات جہاں جانے کی ممانعت کسی شرعی یا انتظامی مصلحت کی بنا پر ہے،وہاں نماز جمعہ کے لئے بھی جانے کی ممانعت ہوگی، جیسے:فوجی چھاؤنی،قیدخانہ اور سفارت خانہ وغیرہ،اسی طرح دوسرے کے گھر میں عام حالات میں جانے کی اجازت نہیں ہے تو جمعہ کے لئے بھی جانے کی اجازت نہیں ہوگی؛اس لئے اگر کوئی شخص مسجد کا یا گھر کا دروازہ بند کرکے جمعہ کی نماز پڑھے تو اس سے اذن عام کی شرط متاثر نہیں ہوگی کیوں کہ یہاں ممانعت کا مقصد نماز سے روکنا نہیں ہے؛ بلکہ وبائی مرض کے جراثیم سے اپنے نفس کی حفاظت کے ساتھ دوسروں کے نفس کی حفاظت مقصود ہے جو کہ شریعت کے عین مطابق ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"**لاضرر ولاضرار**"(سنن ابن ماجہ،حدیث نمبر۲۳۴۱)(یعنی ضرر برداشت کرنا اور کسی کو ضرر پہنچانا دونوں شرعا درست نہیں ہے۔اسی طرح وہ افعال جن کے کرنے سے جان ومال کے ہلاک ہونے کا خدشہ ہو تو اس کے کرنے کی شرعا اجازت نہیں ہے)،اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**ولاتلقوا بايديكم إلى التهلكة**"(بقرہ:۱۹۵)(یعنی تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو!)۔فقہ کا قاعدہ ہے:"**الضرر يزال**"(الاشباہ والنظائر لابن نجیم:۷۲)(ضرر کو زائل کیا جائیگا)۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:"**فلايضر غَلقُ باب القَلعة لعدو،اولعادة قديمة،لان الاذن العام مقرر لاهله وغلقه لمنع العدو لاالمصلي،نعم لولم يغلق لكان احسن**"(۳؍۲۵،کتاب الصلاۃ؍باب الجمعۃ،فتح القدیر:۲؍۵۲،فتاوی الولوالجیۃ:۱؍۱۵۰،مجمع الانہر:۱؍۱۶۶)(یعنی کسی دشمن کے اندیشہ یا قدیم تعامل کی وجہ سے قلعہ کا دروازہ بند کرنا اذن عام میں مضر نہیں ہے؛اس لئے اذن عام اہل شہر کے لئے مقرر ہے اور قلعہ کا دروازہ بند کرنا دشمن کو روکنے کے لئے ہے،نمازی کو روکنے کے لئے نہیں ہے؛ہاں اگر دروازہ بند نہ کیا جائے تو زیادہ اچھا ہے۔)

علامہ شامیؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کی دشمن کے خوف کی وجہ سے دروازہ بند کردینے سے اذن عام کی شرط

متاثرنہیں ہوگی؛ لیکن اگر دشمن کا خوف ظن غالب کے درجہ میں ہوتو مسجد اور گھر کا دروازہ کھولنا بہترنہیں؛ بلکہ اس کا بند کرنا واجب ہے؛ چنانچہ علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں:

''أمااذاکان لمنع عدو،ویخشی دخوله،وهم فی الصلاة؛فالظاهر وجوب الغلق'' (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختارشرح تنویرالابصار:۱/ ۶۱۸) (یعنی جب دروازہ کو بند کرنا دشمن کو روکنے کی وجہ سے ہو؛ اوراس کے عین نماز کی حالت میں آنے کا خوف ہو،تو پھر ظاہر ہے کہ دروازہ بند کرنا واجب ہے)۔

اس سلسلہ میں غور کا پہلو یہ ہے کہ اذن عام کی شرط منصوص نہیں ہے اور جماعت کا حکم منصوص ہے،دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی شرط ہی نہیں ہے اوراحناف کے یہاں مختلف فیہ ہے'' ظاہرالروایۃ'' میں امام محمدؒ نے اس کا ذکرنہیں کیا ہے؛ بلکہ اس کا ذکرنوادر میں کیا ہے اور کتب فقہ میں یہی روایت مشہورومتعارف بھی ہے،اسی وجہ سے صاحب ''بحرالرائق'' لکھتے ہیں:

''ولا یذکرصاحب الهدایة هذاالشرط؛لانه غیرمذکورفی ظاهرالروایة وانماهوروایة النوادرکماصرح فی البدائع'' (بدائع:۲/ ۱۶۳) (صاحب ہدایہ نے اس شرط کوذکرنہیں کیا ہے؛اس لئے کہ ظاہرروایت میں یہ شرط مذکورنہیں ہے؛ بلکہ نوادرکی روایت ہے،جیسا کہ بدائع میں اس کی صراحت ہے)۔

خلاصہ یہ کہ و وبائی مرض کے جراثیم سے بچنے کے لئے مسجد یا گھر کا دروازہ بندکرنے سے اذن عام کی شرط متاثرنہیں ہوگی۔

مسجد میں ایک جماعت کی صورت میں بقیہ لوگوں کی نماز حکم:

جمعہ کے دن ہرکسی کے ذمہ میں خواہ وہ معذور ہو یا غیرمعذور اصل فرض ظہر ہے؛ لیکن اس کی فرضیت مصلی پربحسب قدرت ہے،یعنی نمازی میں وجوبِ جمعہ اورمقام جمعہ میں صحت اداء کی شرطیں پائی جارہی ہوتواس پر جمعہ کی نماز فرض ہے، ورنہ ظہرکی نماز،یہی امام ابوحنیفہ اورامام ابویوسفؒ کا مسلک ہے؛ البتہ غیرمعذورشخص کو جمعہ کی ادائیگی کے ذریعہ ظہرکی نماز ساقط کرنے کا حکم دیا گیا ہے،اگروہ جمعہ کے بجائے ظہرکی نماز بلاعذرشرعی گھرمیں پڑھ لےتونماز درست ہوجائیگی؛البتہ حضرات شیخین کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے،اورامام زفراورائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز ہی درست نہیں ہوگی؛ کیونکہ ان کے نزدیک ظہر جمعہ کا بدل ہے اوراصل پرقدرت ہوتے ہوئے بدل کواختیار کرنا جائزنہیں ہے؛ جبکہ معذورکی آسانی کی خاطرظہرکی نماز کا حکم دیا گیا ہے،اگروہ ظہرکے بجائے جمعہ کی نماز پڑھ لےتوظہرکی نماز ان سے ساقط ہوجائے گی؛ بلکہ ایسے لوگوں کے لئے جمعہ ہی پڑھنا افضل ہے،گویا کہ ان کے حق میں جمعہ کی نماز عزیمت ہے اورظہرکی نماز رخصت ہے؛لیکن

رخصت پر عمل'' ''امام جمعہ کے نماز سے فراغت سے پہلے'' بلاجماعت بالاتفاق درست ہے،اور جماعت کے ساتھ علی الاطلاق مکروہ تحریمی ہے؛اس لئے معذور حضرات ''امام جمعہ کے نماز سے فراغت کے بعد'' ظہر کی نماز تنہا پڑھیں گی ،فقہاء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے؛چنانچہ صاحب ''مراقی الفلاح'' لکھتے ہیں:

''ومن صلى الظهر يوم الجمعة قبل صلاة الامام الجمعة ولاعذرله صحت ظهره عندنا،وإن كان عاصيا ،وعندزفرلاتصح وهوقول الثلاثة؛ لأن الفرض فى حقه الجمعة فى هذااليوم،والظهر بدل عنها لانه مأموربااداء الجمعة معاقب بتركها ومنهى عن أداء الظهر ولايجوزالبدل مع القدرة على الأصل .قلنافرض الوقت فى هذااليوم أيضا وهوالظهركسائرالأيام، ولذالوخرج لايقضى إلاالظهر بالإجماع الاانه مأمور باسقاط الظهر بالجمعة، فإذالم يفعل كان عاصيا معاقباوهولاينافى الصحة''(غنیۃ المستملی:ص/۵۸۳،ہدایہ علی فتح القدیر:۲/ ۶۲،فتاوی بزازیہ:۱/۵۱،کتاب الصلاۃ،بحر الرائق:۲/۲۶۹،کتاب الصلاۃ،بدائع الصنائع:۱/ ۵۸۰)۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:''ولوحذف المصنف المعذوروالمسجون لكان اولى. فان ااداء الظهربجماعة يوم الجمعة مطلقا'' (بحرالرائق:۲/۲۶۱)۔

شریعت کا اصول اورضابطہ یہ ہے کہ تمام اہل شہرایک ساتھ اکٹھے ہوکرایک مقام پر جمعہ کی نمازادا کریں؛لیکن حکومتی پابندیوں کی وجہ سے یہ صورت اس وقت ممکن نہیں ہے؛اس لئے حالات کے تقاضے کوسامنے رکھتے ہوئے شہر کے لوگ اگر مسجد میں ایک جماعت پر اکتفاء کریں توشہر کے بقیہ حضرات کے لئے رخصت اورعزیمت دونوں پر عمل کی گنجائش ہوگی۔

عزیمت پر عمل کی شکل:یعنی بقیہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں افرادخانہ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھیں گے؛بشرطیکہ امام کے علاوہ دویا تین آدمی ہو؛بلکہ ایسے لوگوں کے لئے جمعہ کی نماز ہی پڑھنا افضل ہے،چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہی:

''ولم أرنقلا صريحا هل الافضل لمن لاجمعة عليه صلاة الجمعه اوصلاة الظهر؟لكن ظاهرالهداية ،والعناية،وغاية البيان أن الأفضل لهم صلاة الجمعة ؛لأنهم ذكرواأن صلاة الظهر لهم يوم الجمعة رخصة، فدل على أن العزيمة صلاة الجمعة،وينبغى أن يستثنى منه المرأة، فإن صلاتهافى بيتها أفضل والله اعلم سبحانه وتعالى اعلم''(بحرالرائق:۲/۲۶۶،کتاب الصلاۃ/باب صلاۃ الجمعۃ،مراقی الفلاح:ص/۲۵۱، فتاوی الوالولجیۃ:۱/۱۴۶،ہدایہ علی فتح القدیر:۲/ ۶۰،بدائع الصنائع:۱/ ۵۸۲)۔

رخصت پر عمل کی شکل:یعنی بقیہ لوگ ظہر کی نماز امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تنہا پڑھیں گے، ذکرکردہ وضاحت کے مطابق؛چنانچہ صاحب ''مراقی الفلاح'' لکھتے ہیں:

"أما المعذور اذاصلی الظهر قبل الإمام لایکرہ بالاتفاق"(مراقی الفلاح:ص/۵۲۱)(یعنی معذور شخص امام کے فارغ ہونے سے پہلے نماز پڑھنا بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔)

صاحب "فتاوی بزازیہ" لکھتے ہیں:"ویستحب للمریض والمسافر،وأهل السجن تأخیر الظهر إلی فراغ الإمام من الجمعة ،وإن لم یؤخرہ یکرہ فی الصحیح،وبعدالفراغ یصلون بآذان وإقامة"(فتاوی بزازیہ:۱/۵۱،کتاب الصلاۃ)(یعنی مریض،مسافر،اور قیدی کے لئے ظہر کومؤخر کرنا مستحب ہے امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک اور اگر مؤخر نہ کرے تو صحیح قول کے مطابق مکروہ ہے،اور امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد آذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھے گا)۔

جوب(الف): قبر پر نماز جنازہ کا حکم:

بحیثیت مسلمان جنازہ میں شریک ہونا انسانی،سماجی،اخلاقی،معاشرتی اور شرعی حقوق میں سے ایک حق ہے؛چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

(۱)سلام کا جواب دینا(۲)چھینک کا جواب دینا۔(۳)مریض کی عیادت کرنا(۴)جنازہ میں شرکت کرنا(۵)اوردعوت قبول کرنا(صحیح البخاری،حدیث نمبر:۱۲۴۰،باب الأمر باتباع الجنائز)۔

یہی وجہ ہے کہ انسانیت کے ناطے ہرکوئی اس فرض کونبھانے کی ممکنہ کوشش کرتا ہے اوراس پر مرتب ہونے والے اجر کی اہمیت کے پیش نظر دور دراز علاقوں کا لوگ سفر بھی کرتے ہیں؛لیکن وبائی مرض کی وجہ سے فی الحال محکمہ صحت کی طرف سے جنازہ میں بڑی تعداد میں شرکت پر سخت پابندی عائد ہے،حکومتی تحدیدات کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے لوگ بھی کم سے کم تعداد میں جنازہ میں شرکت کرتے ہیں؛تاکہ مرض کے پھیلاؤ کوروکا جاسکے؛لیکن اس مرض میں اگرکسی کی موت واقع ہوجاتی ہے تو پھر معاملہ اور بھی سنگین ہوجاتا ہے؛کیوں کہ حکومت کے کارندے میت کومتعلقین کے حوالہ تک نہیں کرتے کہ وہ انہیں شرعی طریقہ سے نہلا اور کفنا سکیں،اوراگر کر بھی دیتے ہیں توصرف شرعی طریقہ پرتدفین کی اجازت ہوتی ہے،اور بسااوقات تو قبرستان اور قبر تک کا علم نہیں ہونے دیتے ہیں،ایسے وقت میں ہرکسی کوایک طرف اپنوں کوکھونے کا غم ہوتا ہے تو دوسری طرف حقوق کی ادائیگی سے محرومی کا،اورانسانیت کے ناطے ہونا بھی چاہئے۔

اس سلسلہ میں چندضروری باتیں سمجھنے کی ہے:

(الف)جنازہ کے قیام کا مقصد میت کے حق میں دعائے مغفرت ہے،جوکہ فرض کفایہ ہے،فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر چندلوگ مل کراسے کرادلیں توسب کی طرف سے فرض ساقط ہوجائیگا،اوراگرسب لوگ چھوڑدیں توسب ہی لوگ

گنہگار رہوں گے چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''والإجماع منعقد على فرضيتها أيضا إلاأنها فرض كفاية إذاقام به البعض يسقط عن الباقين،لأن ماهوالفرض،وهوقضاء حق الميت يحصل بالبعض،ولايمكن ايجابها على أحدمن آحادالناس فصاربمنزلة الجهاد لكن يسع الاجتماع على تركها كالجهاد''(بدائع الصنائع:۲/۴۶)۔

(ب)صحت جنازہ کی شرطوں میں سے ایک شرط میت کا مصلی اورامام کے سامنے زمین پرموجودہوناضروری ہے، مذکورہ شرط کے مفقودہونے کی صورت میں جنازہ کی نماز درست نہیں ہوگی؛چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''شرائطها ايضا :حضورها (ووضعه)وكونه هواكثر امام المصلى وكونه للقبلة فلاتصح على غائب''(درمختارعلی ردالمحتار:۳/۱۰۴،ہندیہ:۱/۲۲۵)۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:''قوله:حضوره أي كله اوأكثره ،كالنصف مع الرأس كمامر۔قوله :(ووضعه)أي على الأرض أوعلى الأيدى قريبامنها۔قوله:(وكونه هو،أوأكثره أمام المصلى)''(درمختارعلی ردالمحتار۳/۱۰۴)۔

(ج)نماز جنازہ کے بعداعادہ جنازہ(بسبب نفل)غیرمشروع ہے؛مگر یہ کہ ولی کی اجازت کے بغیرکسی نے جنازہ پڑھادیاہواورولی نے اس کی متابعت میں جنازہ نہ پڑھاہوتوذاتی حق کی ادائیگی کی وجہ سے ولی کوفقط اعادہ کرنے کی اجازت ہوگی؛چنانچہ صاحب ''فتاى قاضيخان''لکھتے ہیں:

''رجل صلى على جنازة والولي خلفه لم يأمره بذلك،ان تابعه يصلى معه لايعيدالولي ،وإن لم يتابعه فإن كان المصلى سلطانا والامام الأعظم أوالقاضى أوولى المصر أوإمام حيه ؛ليس للولى أن يعيد فى ظاهرالرواية،وإن كان غيرهم فله الإعادة''(فتاى قاضیخان:۱/۱۲۱،بحرالرائق:۲/۳۱۸،منحۃ الخالق:۲/۳۲۱،فتاوی الواجیۃ:۱/۱۵۵،ہدایہ:۱/۲۸۶،بدائع الصنائع ۲/۴۷)۔

مذکورہ وضاحت سے بالکل واضح ہے کہ قبرپرنماز جنازہ پڑھنادرست نہیں ہے؛کیونکہ شرط مفقودہے،یعنی میت زمین پرنہیں ہے،بلکہ زمین کے اندرہے؛لیکن اس کے باوجودرسول اللہ ﷺ سے قبرپرنمازجنازہ پڑھنا ثابت ہے۔ذیل میں احادیث ذکرکی جاتی ہیں:

(ا)حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے:''أن النبى ﷺ صلى على قبر''(صحیح مسلم:حدیث نمبر:۹۵۵) (یعنی نبی کریم ﷺ نے ایک قبرپرنمازجنازہ ادا کی)۔

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے: "أن النبی ﷺ علی قبرامرأة بعدمادفنت" (المعجم الاوسط للطبرانی: ۲/۱۸۹) (یعنی نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کی قبر پر دفن کئے جانے کے بعد جنازہ ادا کیا)۔

(۳) امام شعبی کہتے ہیں: "أخبرنی من مرمع النبی ﷺ علی قبرمنبوذ فأمهم وصلوا خلفه قلت من حدثک هذایااباعمرو قال ابن عباس" (صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۱۳۳۵، باب الصلوۃ علی القبر بعد مایدفن [دفن]) (یعنی مجھے اس نے بتایا جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک الگ قبر کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے امامت کروائی اور صحابہ نے آپ ﷺ کے پیچھے جنازہ پڑھا۔ میں نے کہا: اے ابوعمرو! (یہ شعبی کی کنیت ہے) آپ سے یہ کس نے بیان کیا؛ تو انہوں نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔ امام شعبی سے دوسری روایت میں منقول ہے کہ آپ نے چار تکبیر بھی کہی) (صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۱۳۳۵، باب الصفوف علی الجنازة)۔

(۵) "عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ مربقبر [قد] دفن لیلافقال: ((متی دفن هذا؟)) فقالوا [قالوا] البارحة قال: أفلا آذنتمونی قالوادفناه فی ظلمة اللیل فکرهنا أن نوقضک فقام فصففنا خلفه قال ابن عباس وانافیهم فصلی علیه" (صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۱۳۲۱، باب صفوف الصبیان مع الرجال علی [فی] الجنائز)۔

اس تعلق سے فقہاء نے احادیث کی روشنی میں چند اہم باتیں اخذ کی ہیں:

(الف) بلانماز جنازہ دفن ہونے والے شخص کی قبر پر رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے، احادیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ غسل کے بعد دفن کیا گیا ہو یا غسل سے پہلے دفن کیا گیا ہو، بہرصورت قبر پر نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، یہی امام محمد سے ابن سماعۃ کی ایک روایت ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ بغیر غسل کے قبر پر نماز جنازہ مشروع ہی نہیں ہے؛ لیکن فقہاء نے ضرورتا اس کی بھی اجازت دی ہے۔

(ب) قبر پر تدفین کے بعد نماز جنازہ ادا کی جائیگی۔

(ج) صحیح سالم جسم پر نماز جنازہ مشروع ہے، فقہاء نے جس کی تشریح " مالم یتفسخ" سے کی ہے یعنی جسم کے اجزا پھٹ کر بکھرے نہ ہوں۔ جسم کے پھولنے اور پھٹنے کی سلسلہ میں حضرات فقہا نے تین دن کی تحدید کی ہے؛ لیکن ساتھ ہی میں اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ اس سلسلہ میں ظن غالب پر عمل کیا جائیگا؛ کیوں کہ حالات اور انسانی جسم کے اعتبار سے فرق ہوسکتا ہے؛ چنانچہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

"قوله: (فان دفن بلاصلاة صلی علی قبره مالم یتفسخ) لان النبی ﷺ صلی علی قبرامرأة من الانصار۔ أطلقه فشمل ماإذاکان مدفونابعد الغسل أوقبله کماقدمناه، وهوروایة ابن سماعة عن محمد

لكن صحح فی غاية البيان معزياالی القدوری وصاحب التحفة انه لايصلی علی قبره، لأن الصلاة بدون الغسل ليست بمشروعة ولايؤمر بالغسل لتضمنه أمراحراماوهونبش القبرفسقطت الصلاة ـ قيدبالدفن؛ لأنه لووضع فی قبرهولم يهل عليه التراب فانه يخرج ويصلی عليه كماقدمناه،وقيدبعدم التفسخ لانه لايصلی عليه بعد التفسخ، لأن الصلاة شرعت علی بدن الميت فاذاتفسخ لم يبق بدنه قائما۔ولم يقيد المصنف بمدة؛ لأن الصحيح أن ذلک جائز إلی يغلب علی الظن تفسخه ،والمعتبر فيه أكبرالرأی علی الصحيح من غيرتقدير بمدة۔۔۔وظاهره أنه لوشک فی تفسخه يصلی عليه ، والمذكوره فی غاية البيان، أنه لوشک لايصلی عليه۔ورواه ابن رستم عن محمد۔وإنماكان هذاهوالأصح؛ لأنه يختلف باختلاف الأوقات فی الحروالبرد وباختلاف حال الميت فی السمن والهزل ،وباختلاف الامكنة فيحكم فيه غالب الرأي۔فان قيل:روي عنه عليه السلام أنه صلی شهداء أحد بعدثمانين سنة۔فالجواب ان معناه۔والله اعلم ۔أنه دعالهم"(بحرالرائق:۲/۲۰/۳،کتاب لجنائز،فصل السلطان احق بصلاتہ،فتاوی الولوالجیۃ:۱/۱۵۵۔۵۸،بدائع الصنائع:۲/۵۵،فتح القدیر:۲/۱۱۴)۔

خلاصہ یہ کہ حالات کی سنگینی کے پیش نظر مذکورہ وضاحت کے ساتھ ان تمام فوت شدگان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہوگی جنھیں مانع اور عذر کی بنا پر بلانماز جنازہ دفن کردیا گیا ہو۔

(ب) غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

نماز جنازہ کی شرائط میں سے ایک شرط جنازہ کا مصلی اور امام کے سامنے زمین پر موجود ہونا ضروی ہے،اور غائبانہ نماز جنازہ میں یہ شرط مفقود ہوتی ہے؛اس لئے احناف اور مالکیہ کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں ہے؛البتہ شوافع اور حنابلہ نے کچھ شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے،غائبانہ نماز جنازہ میں فقط جنازہ کا تصور ہوتا ہے اور قبر پر نماز جنازہ میں عین جنازہ زمین میں ہوتا ہے اور جنازہ کی شبیہ سامنے ہوتی ہے؛لیکن عملاً دونوں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

"أن رسول الله ﷺ نعی النجاشی فی اليوم الذی مات فيه۔ وخرج بهم إلی المصلی۔ فصف بهم وكبرعليه اربع تكبيرات"(صحیح البخاری: حدیث نمبر:۱۳۳۴،باب التکبیر علی الجنازۃ اربعا)۔

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی وفات کی خبر اسی دن دی جس دن اس کی وفات ہوئی تھی، پھر آپ نے نماز پڑھنے کی جگہ گئے،اور لوگوں کے ساتھ صف باندھ کر (جنازہ کی نماز میں) چار تکبیر کہی۔

قائلین جواز نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور مانعین جواز نے اسے خصوصیت نبی میں شمار کیا ہے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"وصلاة النبی ﷺ علی النجاشی لغویة أوخصوصیة"(درمختار علی ردالمختار:۳/۱۰۴)(یعنی رسول اللہ ﷺ کا شاہ حبشہ پر نماز جنازہ پڑھنا لغوی تھا اصطلاحی نہیں تھا یا یہ آپ کی خصوصیت میں سے ہے)۔

علامہ شامیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوے لکھتے ہیں:

"قوله:لغویة)ای المراد بهامجردالدعا وهوبعید.قوله:أوخصوصیة)أولأنه رفع سریره حتی رآه علیه السلام بحضرته"(ردالمختار علی درالمختار:۳/۱۰۴)(یعنی صلاۃ سے مراد محض مغفرت کی دعا ہے؛مگر یہ بات حقیقت سے دور ہے، یا آپ کی خصوصیات ہے؛ کیونکہ ان کی میت کوآپ کے سامنے رکھ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے سامنے دیکھا۔

فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں "صلاة النبی ﷺ علی النجاشی" کودعامغفرت یاخصوصیات نبی میں شمار کیا ہے؛لیکن علامہ شامیؒ نے پہلے کے تعلق لکھا ہے:"وهو بعد"،یعنی صلاۃ کولغوی معنی میں مراد لینا بعیدازقیاس ہے، اوردوسرے کے تعلق سے لکھا ہے:"خصوصیة"،یعنی یہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا آپ کے ساتھ خاص ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے بطورمعجزہ بے شمار چیزیں احادیث صحیحہ ثابت ہیں،جس کا انکارنہیں کیا جاسکتا،مثلاً بیت المقدس کے سفر سے واپسی پر اہل مکہ کا آپ سے بیت المقدس کے تعلق سے سوالات کرنا اورآپ کا درست جواب دینا اسی قبیل سے تھا،یعنی منجاب اللہ سارے حجات آپ کے لئے ختم کردیئے گئے تھے،گویا کہ بیت المقدس آپ کی نظروں کے سامنے تھا اورآپ ان کے ہرسوال کا جواب بیت المقدس کودیکھ کردے رہے تھے،ممکن ہے کہ حضرت نجاشی کی وفات پران کا جنازہ بھی آپ کے سامنے لاکررکھ دیا گیا ہو؛لیکن علامہ عینیؒ نے اس تاویل کوتاویل فاسد کہا ہے؛کیوں کہ خصوصیت کا مطلب ہوتا ہے وہ عمل اسی فرد کے ساتھ خاص ہودوسرے کے لئے درست ہی نہ ہو؛حالاں کہ روایت میں صریح لفظ میں ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی تھے،پھرخصوصیت کہاں رہی؟ چنانچہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

"هذاتاویل فاسد ،لان رسول الله ﷺ اذافعل شیئا من أفعال الشریعة کان علینا اتباعه والایتاء به ،والتخصیص لایعلم الابدلیل،وممایبین ذلک انه ﷺ خرج بالناس الی الصلاة فصف بهم فصلوامعه،فعلم ان هذاالتاویل فاسد.قلت هذاالتشنیع کله علی الحنفیة من غیرتوجیه ولاتحقیق"(عمدۃ القاری:۸/۲۲)(یعنی غائبانہ نماز جنازہ کورسول اللہ ﷺ کی خصوصیت میں شمار کرنا تاویل فاسد ہے؛ کیونکہ رسول اللہ

ﷺ جب شرعی افعال میں سے کسی فعل کوانجام دیتے ہیں تواس کی اتباع کرنااورعملی جامہ پہنانا ہم پرلازم ہوجاتا ہے اور تخصیص نہ ہونے کی وضاحت تواسی بات سے ہوجاتی ہے کہ آپ لوگوں کوساتھ لے کرگئے ان کی صفیں بنوائی اورسب نے آپ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی یعنی اگرآپ کاخصوصیات کے قبیل سے ہوتا توصحابہ کیوں کہ ساتھ جاتے؟لہذا یہ کہنا کہ غائبانہ نماز جنازہ آپ کی خصوصیات کے قبیل سے تاویل فاسد ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:"**قلنا:إن ربناعلیه لقادر وإن نبینا لأهل لذلک ولکن لاتقولواإلاماُرویتُم ولاتخترعواحدیثا من عندأنفسکم ولاتحدثواالابالثابت ودعواالضعاف، فإنها سبیل تلاف، الی مالیس له تلاف**" (فتح الباری:۳/۱۸۹،تراث)(یعنی ہمارارب اس بات پرقادر ہے اور ہمارے نبی ﷺ بھی اس کے اہل ہیں ؛ مگر بات وہی کہا کرواجوروایت سے ثابت ہو،اپنی طرف سے کوئی حدیث نہ گھڑو،صرف وہی حدیث بیان کرو،جومضبوط اورمعتبرحدیث سے ثابت ہواورضعیف روایت کوچھوڑ دو؛ کیوں کہ یہ ایسی تباہی کا راستہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے)۔

خلاصہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ سے ہرغیرموجود پرغائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ کیونکہ آپ کی حیات طیبہ میں بہت سارے صحابہ کی وفات ہوئی؛لیکن شاہ حبشہ کے علاوہ ایک بھی واقعہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اورنہ ہی اس کاآپ کامعمول تھا،اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی صحابہ دوردراز علاقوں میں رہائش پذیر تھے؛لیکن کسی ایک صحابی سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کاغائبانہ نماز جنازہ پڑھاہو،یہی طریقہ حضرات خلفاء راشدین کا بھی تھا(ملخص عمدۃ القاری:۸/۲۲،بذل المجھود،زادالمعاد)۔جہاں تک شاہ حبشہ کاواقعہ ہے توآپ نے ان کی غائبانہ جنازہ اس لئے پڑھا تھا کہ وہ کفارکی بستی میں رہائش پذیر تھےان کاجنازہ نہیں پڑھا گیا تھا؛چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"**الصواب ان الغائب ان من مات ببلد لم یصل علیه فیه، صلی علیه صلاة الغائب ،کماصلی النبی ﷺعلی النجاشی،لانه مات بین الکفار ولم یصل علیه ،وإن صلی علیه حیث مات ،لم یصل علیه صلاة الغائب ؛لأن الفرض قدسقط بصلاة المسلمین علیه ،والنبی ﷺصلی علی الغائب، وترکه، فعله، وترکه سنة ،وهذاله موضع ،وهذاله موضع**"(زادالمعادفی ہدی خیرالعباد:۱/۵۰۱فصل فی الصلاۃ علی الغائب)

(یعنی درست بات یہ ہے کہ اگرمیت کی جہاں وفات ہوئی ہے،وہاں اس کاجنازہ نہیں ادا کیا گیا ہےتواس کاغائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے گا،جیسے کہ نبی ﷺ نے شاہ حبشہ کی وفات پراداکی تھی؛اس لئے کہ ان کی وفات کفارکے درمیان ہوئی تھی اوران کانماز جنازہ بھی نہیں پڑھی گیا تھا،چناں چہ جہاں میت کی وفات ہوئی ہے وہاں اس کاجنازہ پڑھا گیا ہےتو پھراس کاجنازہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ مسلمانوں کےاس پرنماز جنازہ پڑھنے سےفرض کفایہ ادا ہوگیا ہے۔نبی پاک ﷺ نے اگرغائبانہ جنازہ

پڑھا ہے تو آپ نے اکثر اوقات ترک بھی کیا ہے، گویا کہ آپ ﷺ کا کسی کام کو کرنا اور نہ کرنا دونوں سنت ہے۔تو غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا مقام الگ ہے اور نہ پڑھنے کا مقام الگ ہے)۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ علامہ خطابیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:'' **لایصلی علی الغائب الااذاوقع موته بأرض ليس بهافي يصلی علیه۔واستحسنه الرویانی من الشافعية**''(بذل المجہود:۱۰/ ۴۹۴،تراث)(یعنی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی ؛مگر جب کہ موت ایسی سرزمین میں واقع ہوجائے، جہاں اس پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی ہو، شوافع میں سے رویانی نے اسی کو پسند کیا ہے)۔

کلام کا حاصل یہ ہے کہ جن کا جنازہ کسی رکاوٹ یاعذر کی کی وجہ سے نہیں پڑھا گیا ہوتو اس کا غائبانہ جنازہ پڑھنا سنت ہے، چنانچہ علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں:

''**فإن علم أنه لم یصل علیه لعائق أومانع عذركانت السنة ان یصلی علیه ولایترک ذلک لبعدالمسافة**''(معالم السنن ۱/ ۳۱۰،عمدۃ القاری:۸/ ۲۱)۔

☆☆☆

کورونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی☆

۱-الف: کورونا جیسے ماحول میں تکرارِ جماعت:

کورونا جیسی پابندیوں کی وجہ سے مساجد میں جمعہ اور عام نمازوں کو ادا کرنے میں جو پابندی لگائی گئی جس سے مسلمانوں کی بڑی تعداد جمعہ اور دیگر نمازوں سے غفلت کے شکار ہو گئے ایسی صورت میں محلّہ کی مساجد میں ایک سے زائد جماعت کے سلسلے میں عرض ہے کہ عام حالات میں تو محلّہ کی مسجد میں اذان و اقامت کے ساتھ تکرارِ جماعت بالاتفاق مکروہ ہے۔

"يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ.(شامی کتاب الصلاۃ باب الامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ ۲/۲۸۸، بیروت، ۱/۵۵۳، مکتبہ جبریل) وَنَقَلَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ قَالَ: لَا يَجُوزُ إِعَادَةُ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ لَهُ إِمَامٌ رَاتِبٌ " (نصب الرایہ ۲/۵۸، مکتبہ شاملہ)۔

نیز تکرار جماعت کے مکروہ ہونے کی اصل علت تقلیل جماعت ہے کہ تکرارِ جماعت کی صورت میں لوگ آتے رہیں گے اور جماعت کراتے رہیں گے پھر جماعت کا جو مقصد ہے کثرتِ تعداد وہ فوت ہو جائے گا۔"لِأَنَّ التَّكْرَارَ يُؤَدِّي إِلَى تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ"(شامی ۱/۳۹۵ مکتبہ جبریل)، جبکہ جماعت کی نماز میں کثرت تعداد مطلوب اور پسندیدہ ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:" وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى"(سنن ابی داؤد باب فضل صلاۃ الجماعۃ ۲/۲۴۸، رقم: ۵۵۴ مکتبہ شاملہ) اور کثرت تعداد اسی وقت ہو سکتی ہے جب تکرارِ جماعت نہ ہو، اور لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہو کہ اگر ایک جماعت ہم سے فوت ہو گئی تو ہم جماعت کی فضیلت سے محروم رہیں گے اور لوگ ایک جماعت میں شامل ہونے کی کوشش کریں گے جس کی وجہ سے کثرتِ تعداد ہو گی جو مطلوب ہے۔

☆ خادم جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور، بہار۔

" لِأَنَّ التَّكْرَارَ يُؤَدِّي إِلَى تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ؛ لِأَنَّ النَّاسَ إِذَا عَلِمُوا أَنَّهُمْ تَفُوتُهُمُ الْجَمَاعَةُ فَيَسْتَعْجِلُونَ فَتَكْثُرُ الْجَمَاعَةُ، وَإِذَا عَلِمُوا أَنَّهَا لَا تَفُوتُهُمْ يَتَأَخَّرُونَ فَتَقِلُّ الْجَمَاعَةُ، وَتَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ مَكْرُوه(بدائع الصنائع کتاب الصلاۃ فصل فی بیان محل وجوب الاذان، ۱/ ۱۵۳، مکتبہ بیروت)، لِأَنَّ النَّاسَ إِذَا عَلِمُوا أَنَّهُمْ تَفُوتُهُمُ الْجَمَاعَةُ يَتَعَجَّلُونَ فَتَكْثُرُ وَإِلَّا تَأَخَّرُوا"(شامی ۱/ ۳۹۵ مکتبہ جبریل)۔

جماعتِ ثانیہ کی غیر مکروہ صورتیں:

جب تکرارِ جماعت کے مکروہ ہونے کی اصل وجہ اور علت تقلیلِ جماعت ہے، اسی وجہ سے تکرارِ جماعت کی وہ شکلیں جس میں ایک سے زائد جماعت کے باوجود تقلیلِ جماعت نہیں پائی جاتی مکروہ نہیں ہے۔ جیسے مسجد طریق وغیرکہ کچھ لوگ آئیں اور جماعت کر کے چلے جائیں، پھر دوسرے کچھ لوگ آئیں وہ بھی جماعت کرلیں تو اس طرح اس مسجد میں تکرارِ جماعت مکروہ نہیں ہے۔

" بِخِلَافِ الْمَسَاجِدِ الَّتِي عَلَى قَوَارِعِ الطُّرُقِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ لَهَا أَهْلٌ مَعْرُوفُونَ، فَأَدَاءُ الْجَمَاعَةِ فِيهَا مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى لَا يُؤَدِّي إِلَى تَقْلِيلِ الْجَمَاعَاتِ(بدائع الصنائع کتاب الصلاۃ فصل فی بیان محل وجوب الاذان طبع بیروت ۱/ ۱۵۳)۔ أَوْ كَانَ مَسْجِدَ طَرِيقٍ جَازَ إِجْمَاعًا؛ كَمَا فِي مَسْجِدٍ لَيْسَ لَهُ إِمَامٌ وَلَا مُؤَذِّنٌ وَيُصَلِّي النَّاسُ فِيهِ فَوْجًا فَوْجًا، فَإِنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يُصَلِّيَ كُلُّ فَرِيقٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ عَلَى حِدَةٍ"(شامی کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ ۲/ ۲۸۸، بیروت ۱/ ۵۵۳ مکتبہ جبریل)۔

اسی طرح محلّہ کی مسجد میں پہلے ہی محلّہ والوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کرلی ہو، یا محلّہ کے کچھ لوگوں نے آہستہ آذان دے کر جماعت کرلی ہو تو بقیہ محلّہ والوں کے لئے تکرارِ جماعت مکروہ نہیں ہے۔

"يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، إِلَّا إِذَا صَلَّى بِهِمَا فِيهِ أَوَّلًا غَيْرُ أَهْلِهِ، لَوْ أَهْلَهُ لَكِنْ بِمُخَافَتَةِ الْأَذَانِ"(شامی، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ ۲/ ۲۸۸ بیروت، ۱/ ۵۵۳، مکتبہ جبریل)۔

نیز امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکرارِ جماعت میں تین آدمی سے زائد ہو، تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔

"عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لَوْ كَانَتْ الْجَمَاعَةُ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ يُكْرَهُ التَّكْرَارُ وَإِلَّا فَلَا"(شامی ۱/ ۳۹۵ مکتبہ جبریل)۔

اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک تکرار جماعت ہیئت اولیٰ کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اگر ہیئت اولیٰ کے ساتھ نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے اور ہیئت امام کی جگہ کی تبدیلی سے بھی بدل جاتی ہے۔

” وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إِذَا لَمْ تَكُنْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى لَا تُكْرَهُ وَإِلَّا تُكْرَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ،وَبِالْعُدُولِ عَنْ الْمِحْرَابِ تَخْتَلِفُ الْهَيْئَةُ“(شامی۱/ ۳۹۵ مکتبہ جبریل)۔

نیز حضرت تھانویؒ نے ”امداد الفتاویٰ“ میں تکرار جماعت کی پانچ شکلوں میں سے چار شکلوں میں بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز، بلکہ افضل قرار دیا ہے:

صورت اولیٰ: مسجد محلّہ میں غیر اہل نے نماز پڑھ لی ہو۔صورتِ ثانیہ مسجد محلّہ میں اہل نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان نماز پڑھی ہو۔صورتِ ثالثہ وہ مسجد طریق پر ہو۔صورتِ رابعہ اس مسجد میں امام ومؤذن معین نہ ہوں صورت خامسہ مسجد محلّہ ہو، یعنی اس کے نمازی اور امام معین ہوں اورانہوں نے اس میں اعلان اذان کی صورت سے نماز پڑھی ہو۔ پس صورت اربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز، بلکہ افضل ہے۔اورصورت خامسہ میں اگر جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ ہو تب بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔اور اگر ہیئت اولیٰ پر نہ ہو پس یہ محل کلام ہے۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں اورامام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے؛البتہ ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔اگر امام صاحبؒ اور ابو یوسفؒ کے اقوال میں تطبیق دی جاوے تو وجہ تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ امام صاحبؒ تو کراہت تنزیہیہ کے مثبت ہیں اورامام ابو یوسفؒ کراہت تحریمیہ کے نافی ہیں (امداد الفتاوی طبع جدید ۲/ ۱۴۴)۔

جب کورونا جیسی صورت جس میں متعینہ تعداد سے زیادہ لوگوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہوتی ایسی صورت میں جس طرح مسجدِ طریق وغیرہ میں تکرارِ جماعت بلا کراہت اس وجہ سے درست ہے کہ اس سے تقلیلِ جماعت نہیں ہوتی ہے اسی طرح کورونا جیسی پابندی کی بنا پر محلّہ کی مساجد میں ایک سے زائد جماعت سے بھی تقلیلِ جماعت کی صورت پیدا نہیں ہوتی، کیوں کہ اگر ایک جماعت بھی ہوتی ہے پھر بھی حکومت کی پابندی کی بنا پر متعینہ تعداد سے زیادہ جماعت میں شریک نہیں ہوسکتے اور جماعت کی تعداد میں کثرت نہیں ہوسکتی،لہٰذا کورونا جیسی پابندی کی صورت میں محلّہ کی مساجد میں تکرارِ جماعت پہلی جماعت کے لئے قلت کا سبب نہ ہونے کی وجہ سے بلا کراہت درست ہونی چاہئے۔

”بِخِلَافِ الْمَسَاجِدِ الَّتِي عَلَى قَوَارِعِ الطُّرُقِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ لَهَا أَهْلٌ مَعْرُوفُونَ، فَأَدَاءُ الْجَمَاعَةِ فِيهَا مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى لَا يُؤَدِّي إلَى تَقْلِيلِ الْجَمَاعَاتِ“ (بدائع الصنائع کتاب الصلاۃ فصل فی بیان محل وجوب الاذان ۱/ ۱۵۳ مکتبہ جبریل)۔

جواز کی صورت میں پابندیاں:

جماعت ثانیہ ہیئتِ اولیٰ بدل کر ہو۔ ہیئت اولیٰ تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے،یعنی اذان، اقامت اور قیام امام

فی المحراب کا، پس جب یہ تینوں باتیں نہ رہیں گی تو پوری طرح ہیئتِ اولیٰ بدل جائے گی، اور اگر دو باتیں نہ رہے خواہ وہ کوئی سی دو ہوں، اذان و اقامت ہوں یا اذان و قیام محراب ہوں یا اقامت و قیام محرام ہوں تو بھی ہیئت اولی بدل جائے گی؛ اس لئے کہ قاعدہ ہے: "للاکثر حکم الکل" اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے، اور اگر ایک بات نہ رہے تو بھی ہیئتِ اولیٰ بدل جائے گی؛ کیونکہ کسی بھی جزو کے نہ رہنے سے ہیئت کلی بدل جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

الغرض چوں مدخل ہر سہ امر در ہیئت جماعتِ اولیٰ دریافت اگر ہر سہ امر مرتفع شوند قطعاً ہیئتِ اولیٰ نیست، اگر دو امر مرتفع شوند ہر کدام دو باشند یا اذان و اقامت یا اذان و محراب یا اقامت و محراب تاہم ہیئت مرتفع خوہد شد لانّ للاکثر حکم الکل واگر یک امر مرتفع شود ہر کدام یک باشد نیز ارتفاع ہیئتِ اولیٰ خواہد شد چرا کہ ارتفاع مجموع بر رفع یک جز ہم می گردد (القطوف الثانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ، تالیفات رشیدیہ/ ۳۵۷)۔

(الغرض تینوں صورتوں کا جماعت اولیٰ کی ہیئت میں خل ہے، پس جب یہ تینوں باتیں نہ رہیں گی تو پوری طرح ہیئت اولیٰ بدل جائے گی۔ اور اگر دو باتیں مرتفع ہوجائیں (خواہ وہ کوئی سی دو ہوں، اذان و اقامت ہوں یا اذان و قیام محراب ہوں یا اقامت و قیام محرام ہوں) تو بھی ہیئت اولیٰ بدل جائے گی؛ اس لئے کہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے، اور اگر ایک بات مرتفع ہوجائے گی تو بھی ہیئت اولیٰ بدل جائے گی؛ کیوں کہ کسی بھی جزو کے ارتفاع سے ہیئت کلی بدل جاتی ہے)۔

"نَعَمْ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ إذَا لَمْ تَكُنْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى (شامی ۱/۳۹۶)، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إذَا لَمْ تَكُنْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى لَا تُكْرَهُ وَإِلَّا تُكْرَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ، وَبِالْعُدُولِ عَنْ الْمِحْرَابِ تَخْتَلِفُ الْهَيْئَةُ (شامی ۱/۳۹۵)، . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إنَّمَا يُكْرَهُ تَكْرَارُهَا بِقَوْمٍ كَثِيرٍ أَمَّا إذَا صَلَّى وَاحِدٌ بِوَاحِدٍ وَاثْنَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَعَنْهُ لَا بَأْسَ بِهِ مُطْلَقًا إذَا صَلَّى فِي غَيْرِ مَقَامِ الْإِمَامِ "(البحر الرائق کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ۱/۶۰۵، بیروت، ۱/۳۶۷ مکتبہ جبریل)، تکرار جماعت میں دوبارہ اذان نہ کہی جائے، "يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ (شامی کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ ۲/۲۸۸، بیروت ۱/۵۵۳، مکتبہ جبریل)۔ أَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِينَا كَمَا سَيَأْتِي .اه قَالَ فِي النَّهْرِ: وَلَمْ أَرَ حُكْمَ الْبَلْدَةِ الْوَاحِدَةِ إذَا اتَّسَعَتْ أَطْرَافُهَا كَمِصْرٍ .وَالظَّاهِرُ أَنَّ أَهْلَ كُلِّ مَحَلَّةٍ سَمِعُوا الْأَذَانَ، وَلَوْ مِنْ مَحَلَّةٍ أُخْرَى يَسْقُطُ عَنْهُمْ لَا إنْ لَمْ يَسْمَعُوا اه' (شامی ۱/۳۸۴ جبریل)، محلّہ کی مساجد میں تکرارِ جماعت کی صورت جتنی بار جماعت ہو متعین کردیا جائے ایسا نہ ہو کہ جس کو جب مرضی آئے مسجد میں آکر جماعت شروع کردے۔ پھر جماعت کی اہمیت ہی فوت ہوجائے گی۔

"وَالْمُرَادُ بِمَسْجِدِ الْمَحَلَّةِ مَا لَهُ إِمَامٌ وَجَمَاعَةٌ مَعْلُومُونَ كَمَا فِي الدُّرَرِ وَغَيْرِهَا .قَالَ فِي الْمَنْبَعِ: وَالتَّقْيِيدُ بِالْمَسْجِدِ الْمُخْتَصِّ بِالْمَحَلَّةِ احْتِرَازٌ مِنْ الشَّارِعِ، وَبِالْأَذَانِ الثَّانِي احْتِرَازًا عَمَّا إِذَا صَلَّى فِي مَسْجِدِ الْمَحَلَّةِ جَمَاعَةٌ بِغَيْرِ أَذَانٍ حَيْثُ يُبَاحُ إِجْمَاعًا" (شامی کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ ۲/ ۲۸۸، بیروت ا/ ۵۵۳ مکتبہ جبریل)۔

"إِنْ صَلَّى فِيهِ أَهْلُهُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، أَوْ بَعْضُ أَهْلِهِ يُكْرَهُ لِغَيْرِ أَهْلِهِ وَلِلْبَاقِينَ مِنْ أَهْلِهِ أَنْ يُعِيدُوا الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ،......وَلِأَنَّ التَّكْرَارَ يُؤَدِّي إِلَى تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ؛ لِأَنَّ النَّاسَ إِذَا عَلِمُوا أَنَّهُمْ تَفُوتُهُمْ الْجَمَاعَةُ فَيَسْتَعْجِلُونَ فَتَكْثُرُ الْجَمَاعَةُ، وَإِذَا عَلِمُوا أَنَّهَا لَا تَفُوتُهُمْ يَتَأَخَّرُونَ فَتَقِلُّ الْجَمَاعَةُ، وَتَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ مَكْرُوهٌ" (بدائع الصنائع کتاب الصلاۃ فصل فی بیان محل وجوب الاذان، بیروت ا/ ۱۵۳، جبریل)۔

ب: نمازیوں کثرت سے مسجد میں دو مرتبہ نمازِ جمعہ:

جمعہ کے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوں اور ایک مرتبہ سارے نمازی مسجد میں نہ آسکتے ہوں تو شہر میں اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد ہو جہاں جا کر لوگ جمعہ ادا کر سکیں تو دوسر مسجد میں جا کر جمعہ ادا کریں۔

"وَتُؤَدَّى فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ بِمَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ) مُطْلَقًا عَلَى الْمَذْهَبِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى "(درمختار مع الشامی باب الجمعۃ ۳/ ۱۵، بیروت ۲/ ۱۴۴-۱۴۵)، اور اگر دور دور تک دوسری مسجد نہ ہو تو مسجد کے علاوہ جمعہ کے لئے کوئی مناسب جگہ ہو تو وہاں جمعہ ادا کرلیں۔" ولايشترط الصلاة في البلد بالمسجد فتصح بفضاء فيها" (حاشیۃ الطحاوی علی المراقی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت/ ۵۱۳)۔

دوسری جماعت کے لئے کوئی دوسری جگہ بھی نہ ہو اور نمازیوں کے مسجد سے باہر نماز ادا کرنے میں مسائل پیدا ہوتے ہوں اور دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد جمعہ سے محروم ہو جاتی ہوں تو ایسی شدید ضرورت کے تحت اس مسجد میں دو مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

" واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز للضرورة كما فعل علي في محاصرة عثمانؓ، وإن فعلوا ذلك لغير ما ذكر لا يجوز لعدم الضرورة " (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح / ۵۰۷، ۳۲۸ شاملہ)۔

۲-الف: محلّہ کے مکانات میں چھوٹی جماعت:

کورونا جیسے حالات میں معمول کے خلاف مسجد میں ایک جماعت یا مزید دو ایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازیوں کے لئے محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعت کے سلسلے میں عرض ہیکہ اس کا معمول تو نہیں بنانا چاہئے تا کہ لوگ اصل

جماعت میں شریک ہونے سے سستی نہ کریں جس سے تقلیل جماعت ہو۔

" وَلِأَنَّ فِي الْإِطْلَاقِ هَكَذَا تَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ مَعْنًى، فَإِنَّهُمْ لَا يَجْتَمِعُونَ إِذَا عَلِمُوا أَنَّهُمْ لَا تَفُوتُهُمْ"(شامی، کتاب الصلاۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد ۲/ ۲۸۹ بیروت، ۱/ ۵۵۳ مکتبہ جبریل)۔

لیکن جب مساجد میں عام لوگوں کو نماز ادا کرنے سے پابندی لگائی گئی تو اس کی وجہ سے مسلمانوں کی بڑی تعداد نمازوں کے سلسلے میں سے غفلت کے شکار ہوگئے ایسی صورت میں اگر محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعت کر لی جائے تو لوگوں کی بڑی تعداد نماز پڑھ لے گی، نیز اس چھوٹی چھوٹی جماعت سے محلّہ کی مساجد میں حکومت کی پابندی کی وجہ سے تقلیلِ جماعت کی صورت بھی پیدا نہیں ہوتی، لہٰذا ضرورت کی وجہ سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

"(قَوْلُهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ) لِأَنَّ فِي إِلْزَامِ اتِّحَادِ الْمَوْضِعِ حَرَجًا بَيِّنًا"(شامی باب الجمعۃ ۳/ ۱۵، بیروت ۲/ ۱۴۵، مکتبہ جبریل)۔

۳-ب: جمعہ کی نماز سے رہ جا والوں کے لئے تنہا ظہر کی نماز:

جمعہ کی نماز کے بعد بقیہ جو لوگ رہ جائیں ان کو جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی وہ لوگ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے، اس لئے کہ جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو وہاں جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے یا بعد ظہر کی نماز جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ جو لوگ ایسی جگہ موجود ہوں جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو ان کے لئے دو بات میں سے ایک ضروری ہے یا تو جمعہ میں حاضر ہوں یا جماعت کو چھوڑ کر تنہا ظہر پڑھیں جیسے قیدی لوگ جمعہ میں حاضر نہیں ہو سکتے وہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھ سکتے۔

"(قَالَ) وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الظُّهْرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمِصْرِ جَمَاعَةً فِي سِجْنٍ أَوْ فِي غَيْرِ سِجْنٍ هَكَذَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – وَلِأَنَّ النَّاسَ أَغْلَقُوا أَبْوَابَ الْمَسَاجِدِ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْأَمْصَارِ فَدَلَّ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي جَمَاعَةً فِيهَا وَلِأَنَّ الْمَأْمُورَ بِهِ فِي حَقِّ مَنْ يَسْكُنُ الْمِصْرَ فِي هَذَا الْوَقْتِ شَيْئَانِ: تَرْكُ الْجَمَاعَةِ وَشُهُودُ الْجُمُعَةِ وَأَصْحَابُ السِّجْنِ قَدَرُوا عَلَى أَحَدِهِمَا وَهُوَ تَرْكُ الْجَمَاعَةِ فَيَأْتُونَ بِذَلِكَ(المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الجمعۃ ۲/ ۳۵،۳۶، بیروت جبریل)۔ (وَكُرِهَ) تَحْرِيمًا (لِمَعْذُورٍ وَمَسْجُونٍ) وَمُسَافِرٍ (أَدَاءُ ظُهْرٍ بِجَمَاعَةٍ فِي مِصْرٍ) قَبْلَ الْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا"(درالمختار مع الشامی کتاب الصلاۃ باب الجمعۃ ۳/ ۳۲، بیروت ۲/ ۱۵۷ مکتبہ جبریل)۔

۴-کورونا جیسے حالات مخصوص کور کا کفن ہونا:

کورونا جیسے حالات میں میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر سپرد لیا جائے اور کو نہ کھولنے کی پابندی کی صورت میں اس کور کے کفن ہونے کے سلسلے میں عرض ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس کفن سمیت کا سارا بدن ڈھک جائے یہ تو فرض کفایہ ہے۔

"اتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى أَنَّ تَكْفِينَ الْمَيِّتِ بِمَا يَسْتُرُهُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ"(موسوعہ فقہیہ ۱۳/ ۴۶۵)۔

نیز لباس میں سے جن پاک چیزوں کا زندگی میں پہنا جائز ہے ان کا کفن میں استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

" ذَهَبَ الْفُقَهَاءُ إِلَى أَنَّ الْمَيِّتَ يُكَفَّنُ - بَعْدَ طُهْرِهِ - بِشَيْءٍ مِنْ جِنْسِ مَا يَجُوزُ لَهُ لُبْسُهُ فِي حَالِ الْحَيَاةِ، فَيُكَفَّنُ فِي الْجَائِزِ مِنَ اللِّبَاسِ (موسوعہ فقہیہ ۱۳/ ۴۶۶)،وَكُلُّ مَا يُبَاحُ لِلرِّجَالِ لُبْسُهُ فِي حَالِ الْحَيَاةِ يُبَاحُ تَكْفِينُهُ بَعْدَ الْوَفَاةِ وَمَا لَا يُبَاحُ لَهُ لُبْسُهُ حَالَ الْحَيَاةِ لَا يُبَاحُ تَكْفِينُهُ بَعْدَ الْوَفَاةِ، كَذَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ"(ہندیہ الباب الحادی والعشرون فی الجنائز الفصل الثالث فی التکفین ۱/ ۱۶۱)۔

مزید یہ کہ جس کور میں میت سپرد کیا جائے اگر ایک ہی ہو تو صرف اسی کور اور کھول کو کفن بنانا اس وجہ سے مکروہ ہوگا کہ بلا سخت ضرورت کے ایک کپڑے میں کفن دینا مکروہ ہے۔

" وَيُكْرَهُ أَنْ يُكَفَّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ؛ لِأَنَّ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ تَجُوزُ صَلَاتُهُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مَعَ الْكَرَاهَةِ، فَكَذَا بَعْدَ الْمَوْتِ يُكْرَهُ أَنْ يُكَفَّنَ فِيهِ إِلَّا عِنْدَ الضَّرُورَةِ بِأَنْ كَانَ لَا يُوجَدُ غَيْرُهُ لِمَا رُوِيَ أَنَّ » مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ لَمَّا اُسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي نَمِرَةٍ فَكَانَ إِذَا غُطِّيَ بِهَا رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا غُطِّيَ بِهَا رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ - ﷺ - أَنْ يُغَطَّى بِهَا رَأْسُهُ وَيُجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ الْإِذْخِرِ.«وَكَذَا رُوِيَ »أَنَّ حَمْزَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - لَمَّا اُسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَمْ يُوجَدْ لَهُ غَيْرُهُ« فَدَلَّ عَلَى الْجَوَازِ عِنْدَ الضَّرُورَةِ"(بدائع الصنائع ۱/ ۳۰۷)۔

نیز ایک کور کو کفن بنانے میں اس بات کا بھی امکان ہے کہ اگر وہ کور زیادہ باریک ہو تو اس سے میت کے اعضاء نظر آئے یا اعضاء کی ہیئت نمایاں ہو جبکہ کفن کے شرط میں سے یہ ہے کہ اس سے میت کی کھال نظر نہ آئے کیوں کہ کھال کا نظر آنا کفن کے نہ ہونے کی طرح ہے اور جس کفن سے میت کی کھال تو نظر نہ آئے لیکن اعضاء کی ہیئت نمایاں ہو مکروہ ہے۔

" وَيُشْتَرَطُ فِي الْكَفَنِ أَلَّا يَصِفَ الْبَشَرَةَ، لِأَنَّ مَا يَصِفُهَا غَيْرُ سَاتِرٍ فَوُجُودُهُ كَعَدَمِهِ، وَيُكْرَهُ إِذَا كَانَ يَحْكِي هَيْئَةَ الْبَدَنِ، وَإِنْ لَمْ يَصِفِ الْبَشَرَةَ "(موسوعہ فقہیہ ۱۳/ ۴۶۸)۔

نیز خاص ضرورت کے بغیر عورت کو دو کپڑوں میں اور مرد کو ایک کپڑا میں کفن دینا مکروہ ہے۔

"وَيُكْرَهُ الِاقْتِصَارُ عَلَى ثَوْبَيْنِ لَهَا وَكَذَا لِلرَّجُلِ عَلَى ثَوْبٍ وَاحِدٍ إِلَّا لِلضَّرُورَةِ" (ہندیہ الباب الحادی والعشرون فی الجنائز الفصل الثانی فی غسل المیت ۱/۱۵۸)۔

اور اس وجہ سے بھی کہ مرد کے لئے کفن کا ادنیٰ مقدار حالت اختیار میں دو کپڑے ہیں۔

"وَأَدْنَى؛مَا يُكَفَّنُ فِيهِ فِي حَالَةِالِاخْتِيَارِ ثَوْبَانِ: إِزَارٌ وَرِدَاءٌ لِقَوْلِ الصِّدِّيقِ: كَفِّنُونِي فِي ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ؛ وَلِأَنَّ أَدْنَى مَا يَلْبَسُهُ الرَّجُلُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ ثَوْبَانِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ فِيهِمَا وَيُصَلِّيَ فِيهِمَا مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ، فَكَذَا يَجُوزُ أَنْ يُكَفَّنَ فِيهِمَا أَيْضًا" (بدائع الصنائع ۱/۳۰۶،۳۰۷)۔

عورت کے لئے کفن کا ادنیٰ مقدار تین کپڑا ہے، اور سخت ضرورت کے بغیر عورت کو دو کپڑے میں کفن دینا مکروہ ہے۔

" وَأَدْنَى مَا تُكَفَّنُ فِيهِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ: إِزَارٌ، وَرِدَاءٌ، وَخِمَارٌ؛ لِأَنَّ مَعْنَى السَّتْرِ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ يَحْصُلُ بِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ حَتَّى يَجُوزَ لَهَا أَنْ تُصَلِّيَ فِيهَا وَتَخْرُجَ فَكَذَلِكَ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُكْرَهُ أَنْ تُكَفَّنَ الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبَيْنِ" (بدائع الصنائع ۱/۳۰۷)۔

خلاصہ یہ کہ میت کے کور کو نہ کھولنے کی پابندی کی صورت میں اس کور کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ دینا چاہئے۔

" هُوَ مِقْدَارُ مَا يُوجَدُ حَالَ الضَّرُورَةِ أَوِ الْعَجْزِ بِأَنْ كَانَ لَا يُوجَدُ غَيْرُهُ، وَأَقَلُّهُ مَا يَعُمُّ الْبَدَنَ، لِلْحَدِيثِ السَّابِقِ فِي تَكْفِينِ مُصْعَبِ بْنِ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَذَا رُوِيَ أَنَّ حَمْزَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا اسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَمْ يُوجَدْ لَهُ غَيْرُهُ فَدَلَّ عَلَى الْجَوَازِ عِنْدَ الضَّرُورَةِ (موسوعہ فقہیہ ۱۳/۲۷۴)، (وَكَفَنُ الضَّرُورَةِ لَهُمَا مَا يُوجَدُ) وَأَقَلُّهُ مَا يَعُمُّ الْبَدَنَ (درمختار ۲/۲۰۴)، (قَوْلُهُ: وَشَرْطُهَا) أَيْ شَرْطُ صِحَّتِهَا...... وَهِيَ: سَتْرُ الْعَوْرَةِ" (شامی ۲/۲۰۷ جبریل)۔

کور کو کھولنے کی پابندی میں طہارت:

جہاں تک میت کے طہارت کی بات ہے تو سارے خون والے جانور کی طرح انسان بھی موت کی وجہ سے ناپاک ہوجاتا ہے۔

"لِأَنَّ الْآدَمِيَّ حَيَوَانٌ دَمَوِيٌّ فَيَتَنَجَّسُ بِالْمَوْتِ كَسَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ (شامی ۲/۱۹۴)، لِتَنَجُّسِهِ

بِالْمَوْتِ كَسَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ الدَّمَوِيَّةِ"(درمختار مع الشامی ۲/۱۹۷)۔

اسی وجہ سے میت کو غسل دینا واجب علی الکفایہ ہے۔

"ذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ إِلَى أَنَّ تَغْسِيلَ الْمَيِّتِ وَاجِبُ كِفَايَةٍ بِحَيْثُ إِذَا قَامَ بِهِ الْبَعْضُ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ"(موسوعہ فقہیہ ۱۶/۱۲)۔

نیز میت کو غسل وطہارت دینا اس کی عزت وتکریم کے لئے بھی ہے۔

" وَأَمَّا الْمَعْقُولُ فَهُوَ أَنَّ غُسْلَ الْمَيِّتِ إِنَّمَا وَجَبَ كَرَامَةً لَهُ وَتَعْظِيمًا، وَمَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالتَّعْظِيمِ إِنَّمَا يَتِمُّ بِالتَّكْفِينِ فَكَانَ وَاجِبًا"(بدائع الصنائع ۱/۳۰۶ مکتبہ جبریل)۔

نیز نماز جنازہ کے شرائط میں سے میت کے بدن کا نجاستِ حکمیہ وحقیقیہ سے پاک ہونا ضروری ہے، اور جب تک ممکن ہو بغیر طہارت کے نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔

" وَشَرَطَ الْحَنَفِيَّةُ أَيْضًا مَا يَلِي:أَوَّلُهَا:إِسْلاَمُ الْمَيِّتِ..... وَالثَّانِي: طَهَارَتُهُ مِنْ نَجَاسَةٍ حُكْمِيَّةٍ وَحَقِيقِيَّةٍ فِي الْبَدَنِ، فَلاَ تَصِحُّ عَلَى مَنْ لَمْ يُغَسَّل، وَلاَ عَلَى مَنْ عَلَيْهِ نَجَاسَةٌ، وَهَذَا الشَّرْطُ عِنْدَ الإِمْكَانِ(موسوعہ فقہیہ ۱۶/۲۸)۔ لَوْ حَمَلَ مَيِّتًا قَبْلَ غُسْلِهِ وَصَلَّى بِهِ لَمْ تَصِحَّ صَلاتُهُ، وَعَلَيْهِ فَإِنَّمَا يَطْهُرُ بِالْغُسْلِ كَرَامَةً لِلْمُسْلِمِ"(شامی ۲/۱۹۴)۔

جب فی نفسہ میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے لیکن جس طرح میت کے پھول کر پھٹ جانے یا جلنے وغیرہ کی وجہ سے میت کو ہاتھ لگانا ممکن نہ ہو تو میت پر کسی چیز سے پانی بہا دینا غسل کے لئے کفایت کرتا ہے اسی طرح کورونا جیسے حالات میں میت کو ہاتھ لگانیکی پابندی کی وجہ سے ہاتھ میں دستانہ وغیرہ لگا کر بھی میت کو غسل دینے کی اجازت نہ ہو تو لوٹا یا کسی برتن وغیرہ کے ذریعہ میت پر پانی بہا کر غسل کرادیا جائے۔

"لَوْ كَانَ الْمَيِّتُ مُتَفَسِّخًا يَتَعَذَّرُ مَسْحُهُ كَفَى صَبُّ الْمَاءِ عَلَيْهِ"(ہندیہ الباب الحادی والعشر ون فی الجنائز الفصل الثانی فی غسل المیت ۱/۱۵۸)۔

اگر پابندی کی وجہ سے ہاتھ لگائے بغیر پانی بہا کر غسل دینے کی بھی اجازت نہ ہو تو جس طرح سفر میں کسی کے انتقال کے وقت پانی نہ ہونے پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں غسل کے بجائے میت کو تیمّم کرا کر نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے اسی طرح ہاتھ میں دستانہ وغیرہ لگا کر میت کو تیمّم کرا کر نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

" وَإِذَا مَاتَ الرَّجُلُ فِي السَّفَرِ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَاءٌ طَاهِرٌ يُيَمَّمُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ، هَكَذَا فِي

الْمُحِيطِ.رَجُلٌ مَاتَ وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَيَمَّمُوهُ وَصَلَّوْا عَلَيْهِ ثُمَّ وَجَدُوا مَاءً غُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ ثَانِيًا فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ – رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى – كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ(ہندیہ ۱/۱۶۰)، وَلِأَنَّ تَرْكَ الْغُسْلِ لَوْ كَانَ لِلتَّعَذُّرِ لَأَمَرَ أَنْ يُيَمَّمُوا، كَمَا لَوْ تَعَذَّرَ غُسْلُ الْمَيِّتِ فِي زَمَانِنَا لِعَدَمِ الْمَاءِ"(بدائع الصنائع ۱/ ۳۲۴)۔

اگر چہرہ اور ہاتھ کے کھولنے کی بھی اجازت نہ ہوتو جس طرح کسی کو بلاغسل دفن کرا جائے اور اس کوقبر سے نکال کرغسل دینا ممکن نہ ہوتو ضرورت کی وجہ سے غسل ساقط ہوجاتا ہےاوراس کی قبر پر بلاغسل کےنماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح اگر میت کا چہرہ اور ہاتھ جس سے کم سے کم میت کوغسل کے بجائے تیمّم ہی کرایا جاسکے اتنا بھی کھولنے کی اجازت نہ ہوتو شہید کاحکم جاری کئے بغیر کیوں کہ شہید کی جوتعریف ہے وہ کرونا والی صورت میں صادق نہیں آتی ہے۔

" ذَهَبَ الْحَنَفِيَّةُ إِلَى أَنَّ شَهِيدَ الْمَعْرَكَةِ – الَّذِي قَتَلَهُ الْمُشْرِكُونَ، أَوْ وُجِدَ بِالْمَعْرَكَةِ جَرِيحًا، أَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا وَلَمْ يَجِبْ فِيهِ مَالٌ – يُكَفَّنُ فِي ثِيَابِهِ، لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: زَمِّلُوهُمْ بِدِمَائِهِمْ وَقَدْ رُوِيَ فِي ثِيَابِهِمْ، وَعَنْ عَمَّارٍ وَزَيْدِ بْنِ صُوحَانَ أَنَّهُمَا قَالاَ: لاَ تَنْزِعُوا عَنِّي ثَوْبًا"(موسوعہ فقہیہ ۱۳/ ۴۸۱، ۴۸۲)۔

لیکن ضرورت کی وجہ سے شہید کی طرح اسی کو رکے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کرنماز جنازہ پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

"فَلَوْ دُفِنَ بِلاَ غُسْلٍ وَلَمْ يُمْكِنْ إِخْرَاجُهُ إِلاَّ بِالنَّبْشِ سَقَطَ الْغُسْل وَصُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ بِلاَ غُسْلٍ لِلضَّرُورَةِ(موسوعہ فقہیہ ۱۶/ ۲۸، ۲۹)،(وَشَرْطُهَا) سِتَّةٌ (إسْلَامُ الْمَيِّتِ وَطَهَارَتُهُ) مَا لَمْ يُهَلْ عَلَيْهِ التُّرَابُ فَيُصَلَّى عَلَى قَبْرِهِ بِلَا غُسْلٍ، وَإِنْ صَلَّى عَلَيْهِ أَوَّلًا اسْتِحْسَانًا(درمختار ۲/ ۲۰۷، جبریل)، وَأَمَّا شُهَدَاءُ غَيْرِ الْمَعْرَكَةِ كَالْغَرِيقِ وَالْحَرِيقِ وَالْمَبْطُونِ وَالْغَرِيبِ فَيُكَفَّنُ كَسَائِرِ الْمَوْتَى وَذَلِكَ بِاتِّفَاقِ جَمِيعِ الْفُقَهَاءِ "(موسوعہ فقہیہ ۱۳/ ۴۸۴)۔

۵-الف: طہارت کے بغیر دفن میں قبر پر جنازہ:

میت کے لئے غسل اور نمازِ جنازہ اس کی عزت وحرمت کے لئے مشروع ہے۔"لِأَنَّ صَلَاةَ الْجِنَازَةِ شُرِعَتْ لِحُرْمَةِ الْآدَمِيِّ، وَكَذَا الْغُسْل"(بدائع الصنائع ۱/ ۳۰۲)، نیز یہ بات پہلے آچکی ہے کہ موت سے انسان ناپاک ہوجاتا ہے۔اورنماز جنازہ کے لئے میت کا نجاستِ حکمیہ وحقیقیہ سے پاک ہونا شرط ہے اسی وجہ سے میت کوغسل دینا واجب علی الکفایہ ہے۔لیکن طبّی عملہ کورونا کے میت کو دفن کے علاوہ طہارت وجنازہ کے لئے متعلقین کوموقع نہ دے تو جب تک غالب گمان ہو کہ پھٹا نہ ہوگا ضرورت کی وجہ سے اس کی قبر پرنماز جنازہ پڑھی جائے۔

”(وَإِنْ دُفِنَ) وَأُهِيلَ عَلَيْهِ التُّرَابُ (بِغَيْرِ صَلَاةٍ) أَوْ بِهَا بِلَا غُسْلٍ أَوْ مِمَّنْ لَا وِلَايَةَ لَهُ (صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ) اسْتِحْسَانًا (؛مَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى الظَّنِّ تَفَسُّخُهُ) مِنْ غَيْرِ تَقْدِيرٍ هُوَ الْأَصَحُّ(درمختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ ۳/۱۲۵ بیروت، ۲/۲۲۴ مکتبہ جبریل)،وَشَرْطُهَا إسْلَامُ الْمَيِّتِ وَطَهَارَتُهُ مَا دَامَ الْغُسْلُ مُمْكِنًا وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ بِأَنْ دُفِنَ قَبْلَ الْغُسْلِ وَلَمْ يُمْكِنْ إخْرَاجُهُ إلَّا بِالنَّبْشِ تَجُوزُ الصَّلَاةُ عَلَى قَبْرِهِ لِلضَّرُورَةِ(فتاوی ہندیہ ۱/۶۳،۶۲ مکتبہ جبریل)۔ فَلَوْ دُفِنَ بِلاَ غُسْلٍ وَلَمْ يُمْكِنْ إِخْرَاجُهُ إِلاَّ بِالنَّبْشِ سَقَطَ الْغُسْل وَصُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ بِلاَ غُسْلٍ لِلضَّرُورَةِ(موسوعہ فقہیہ ۱۶/۲۸-۲۹)، لَوْ دُفِنَ الْمَيِّتُ قَبْل الصَّلاَةِ أَوْ قَبْل الْغُسْل فَإِنَّهُ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَهُوَ فِي قَبْرِهِ مَا لَمْ يُعْلَمْ أَنَّهُ تَمَزَّقَ، وَهَذَا مَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ“(موسوعہ فقہیہ ۱۶/۶۰)۔

۵-ب: قبر کا علم نہ ہونے کی صورت میں غائبانہ نمازِ جنازہ:

کورونا جیسے مخصوص حالات میں جبکہ طبّی عملہ کورونا کے میت کو دفن کے سلسلے میں متعلقین کوئی اطلاع نہ دے اور میت کے قبر کا بھی علم نہ ہو سکے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میت کے لئے اس کی عزت وحرمت کے لئے مشروع ہے۔

”لِأَنَّ صَلاَةَ الْجِنَازَةِ شُرِعَتْ لِحُرْمَةِ الآدَمِيِّ، وَكَذَا الْغُسْل“(بدائع الصنائع ۱/۳۰۲)،اور یہاں نہ میت موجود نہ اس کے قبر کا علم ہے نیز یہ بات معلوم ہے کہ عام حالات میں حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کے شرائط میں سے میت کا موجود ہونا ہے۔

جیسا کہ شامی میں ہے:”(قَوْلُهُ: وَشَرْطُهَا) أَيْ شَرْطُ صِحَّتِهَا...... وَهِيَ: سَتْرُ الْعَوْرَةِ، وَحُضُورُ الْمَيِّتِ، وَكَوْنُهُ أَوْ أَكْثَرُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّي“(شامی ۲/۲۰۷ جبریل)، نیز فتاویٰ ہندیہ میں ہے:” وَمِنْ الشُّرُوطِ حُضُورُ الْمَيِّتِ وَوَضْعُهُ وَكَوْنُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّي فَلَا تَصِحُّ عَلَى غَائِبٍ“(ہندیہ الباب الحادی والعشرون فی الجنائز الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت ۱/۱۶۴)، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب میت کے قبر کا بھی علم نہیں ہے غائب پر نماز جنازہ صحیح نہیں۔ نماز جنازہ کے لئے میت کے موجود ہونے میں مالکیہ حنفیہ کے ساتھ ہیں، لیکن حنابلہ اور شوافع کے نزدیک غائب پر نماز جنازہ کی اجازت ہے۔

”خَالَفُوهُمْ (الْحَنَابِلَةُ الْحَنَفِيَّةَ)فِي اشْتِرَاطِ حُضُورِ الْجِنَازَةِ فَجَوَّزُوا الصَّلاَةَ عَلَى غَائِبٍ عَنْ بَلَدٍ دُونَ مَسَافَةِ قَصْرٍ، أَوْ فِي غَيْرِ قِبْلَتِهِ، وَعَلَى غَرِيقٍ وَأَسِيرٍ وَنَحْوِهِ، إِلَى شَهْرٍ بِالنِّيَّةِ.......وَوَافَقَ الشَّافِعِيَّةُ الْحَنَابِلَةَ عَلَى عَدَمِ اشْتِرَاطِ حُضُورِهِ، وَتَجْوِيزِ الصَّلاَةِ عَلَى الْغَائِبِ، وَوَافَقَتِ الْمَالِكِيَّةُ الْحَنَفِيَّةَ عَلَى اشْتِرَاطِ حُضُورِهِ“(الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۶/۳۱)۔

☆☆☆

کورونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی☆

کیا کرونا وائرس وبائی امراض میں سے ہے؟

معتبر ڈاکٹرز اور جید علماء کرام کی تحقیق وتفتیش کے مطابق کرونا وائرس بھی وبائی مرض ہے مولانا عتیق احمد صاحب بستوی، مفتی رضوان خان راولپنڈی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، یہ تمام ہی حضرات اپنے مضامین میں کرونا وائرس کو وبائی مرض لکھا ہے، مفتی امانت علی قاسمی لکھتے ہیں: تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ ایک (کرونا وائرس) وبائی مرض ہے، جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، یہ وائرس کسی مذموم مقاصد کے لئے چھوڑا بھی جاسکتا ہے، جیسا کہ خود چین امریکہ پر اس کا الزام عائد کیا ہے (کرونا وائرس اسلامی ہدایات اور جدید مسائل: ص: ۱۲، دارالقلم دیوبند)۔

کرونا وائرس کیا ہے؟

ڈاکٹرز اور جدید اطبا کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق ’کرونا وائرس، ایک قسم کا موذی وائرس ہے جو انسانوں میں عمومی طور پر سانس کی دشواری کا باعث بنتا ہے، جب یہ وائرس کسی شخص کے اندر داخل ہوتا ہے تو کم وبیش ۱۴ دنوں میں اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، چار دن تک یہ منہ کے اندر رہتا ہے متاثرہ شخص کو نزلہ، زکام، فلو، خشک کھانسی، سردرد، گلے میں سوجن وخراش، شدید بخار، نمونیہ اور پٹھوں کے درد سے لے کر نہایت خطرناک بیماریوں جیسے (MERS) اور سانس اور پھیپھڑوں کی بیماری (SARS) وغیرہ لاحق ہوتی ہے، جب یہ بیماری انسانی پھیپھڑوں پر خطرناک حملہ کرتی ہے تو مریض سانس لینے میں دشواری اور دقت محسوس کرتا ہے اور پھیپھڑوں میں آکسیجن کی جگہ پانی بھر جاتا ہے اور یہی صورت حال بالآخر موت کا سبب بن جاتی ہے (نسیم الریاض فی احکام النوازل والامراض: ۱۳، دارالکتاب والحکمۃ، بہادر پور، ملتان)۔

☆ خادم التدریس، جامعہ نعمانیہ، قاضی پیٹ، ویکوٹہ ضلع چتور، آندھرا پردیش۔

کروناوائرس فطری وباء ہے یا انسان کی پھیلائی ہوئی آفت:

اکثر و بیشتر ڈاکٹرز اور علماء اسلام کا کہنا ہے کہ یہ فطری وبا ہے تاہم بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ انسان کی پھیلائی ہوئی ہے انہیں میں سے مولانا انیس الرحمٰن ندوی (بنگلور) لکھتے ہیں: جواب بالکل واضح ہے کہ کورونا وائرس کی یہ وباء فطری طور پر نہیں پھیلی، بلکہ جان بوجھ کر پھیلائی گئی ہے، یہ حیاتیاتی جنگ (Biological Warfore) کا حصہ ہے...... یہ فتنہ بعد میں وبائی شکل ضرور اختیار کر گیا ہو،مگر اس کو پہلے چین اور پھر وہاں سے دنیا کے مختلف ملکوں میں جان بوجھ کر پھیلایا گیا،ممکن ہے بعض لوگوں کو اس سے اتفاق نہ ہو،مگر اس سلسلے میں ایسے شواہد آج پوری دنیا کے سامنے موجود ہیں جن کو دیکھ کر اب اس میں کوئی تردد نہیں رہ جاتا کہ کرونا وائرس کو جان بوجھ کر دنیا میں پھیلایا جانا کوئی سازشی نظریہ(Conspiracy Theary) نہیں ہے، بلکہ وہ مسلمہ حقیقت ہے۔

مولانا ندوی صاحب اپنی تحقیق میں پختگی کے لئے آگے لکھتے ہیں: یہاں اہم بات یہ ہے کہ جب کورونا وائرس چین سے دنیا میں پھیلنا شروع ہوا تو امریکہ نے اس کے لئے چین کو ذمہ دار ٹھہرایا اور اسے چینی وائرس کا نام دینے کی کوشش کی ،مگر جب چین نے پلٹ کروار کرتے ہوئے امریکہ پر یہ الزام لگایا کہ یہ وائرس چین میں امریکی فوج کے ذریعہ لایا گیا اور وہان شہر میں پھیلایا گیا تو دونوں ملکوں میں کشیدگی بڑھ گئی، مگر بعد میں چین اور امریکہ دونوں نے اس الزام تراشی کو مزید آگے بڑھانے سے گریز کرتے ہوئے اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرنے کو ترجیح دی، بہرحال ان الزام تراشیوں سے اتنی بات طے ہے کہ یہاں معاملہ کچھ اور رہی ہے، جن کی ان الزام تراشیوں کے ذریعہ پردہ داری کی جارہی ہے(کروناوائرس کے ظہور کی پیشن گوئی احادیث میں:ص:۲۱ تا ۲۴،فرقانیہ اکیڈمی وقف،بنگلور)۔

کروناوائرس عالمی وباء ہے:

یوں تو انسانی تاریخ کے ہر دور میں وبائیں پھیلی ہیں،لیکن عالمی سطح پر اگر کوئی وباء پھیلی ہے تو وہ کروناوائرس ہے اس کے لپیٹ میں پوری دنیا آئی ہے تاریخ انسانی میں اتنا وسیع اور بھیانک کوئی وباء نہیں آئی ،کورونا مرض کے عالمی وباء کے بارے میں مولانا عتیق احمد صاحب لکھتے ہیں: کرونا کی وباء سے پوری دنیا پہلی بار دوچار ہوئی اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے، دنیا میں وبائی امراض مختلف ادوار میں اور مختلف ملکوں میں ظاہر ہوئے ،لیکن کرونا جیسی وباء کی کوئی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی جس کا دائرہ اتنا وسیع اور اس کے اثرات اتنے بھیانک اور اتنے دوررس ہوں(کرونا مسائل واحکام:ص:۹،مکتبہ احسان لکھنؤ)۔

کرونا سے متعلق اسلامی تعلیمات:

اسلامی شریعت جامع ترین شریعت ہے اس کے اصول وضوابط میں ہر دور اور ہر مسئلہ کی درست وصحیح رہنمائی موجود ہے، کیونکہ اس کی بنیاد کتاب وسنت پر قائم ہے اور یہ رہتی دنیا تک کے لئے کافی وشافی ہے، اس وقت اس خطرناک کرونا وائرس کے بارے میں بھی کتاب اللہ اور احادیث نبویہ سے بہت سی رہنمائی ملتی ہیں اس صورت میں مسلمانوں کو زندگی کے ہر مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت کا علم رکھنے والے علماء کرام سے رہنمائی لینی چاہئے ارشاد باری تعالی ہے:

"واذا جاء هم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به ولو ردوه إلى الرسول والى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم" (النساء:۸۳)۔

(جب ان کو امن یا خوف کی کوئی خبر ملتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے میں سے ذمہ داروں تک پہنچا دیتے تو ان میں سے جو تحقیق کرنے والے ہیں وہ اس کی تحقیق کر لیتے)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ''اس آیت سے معلوم ہوا کہ نئے مسائل میں علماء امت کو استنباط واجتہاد کا فریضہ انجام دینا ہوگا'' (آسان تفسیر قرآن، اول: ۳۲۴، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)۔

اسلام میں جماعت کی اہمیت:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ان میں ایک نماز بھی ہے، نماز اسلام وکفر کے لئے حد فاصل بھی ہے، نیز شریعت میں عاقل وبالغ اور صحت مند مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے: **"واركعوا مع الراكعين"** (البقرۃ:۴۳) (اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو)۔

مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ آیت کے تحت لکھتے ہیں: یہ بھی فرمایا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، یعنی نماز باجماعت پڑھو، جماعت کی نماز میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے سے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور ایک نماز کا ثواب ستائیس نمازوں کے برابر ملتا ہے (انوار البیان: ج:۱: ص:۷۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، پاکستان)۔

صحیح بخاری کی روایت ہے: **"عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: صلاة الجماعة تفضل من صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة"** (صحیح البخاری:۶۴۵، بیت الافکار، ریاض)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جماعت کے ساتھ نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی جماعت سے نماز نہیں چھوڑی حالت مرض میں

چلنا مشکل ہورہا تھا قدم مبارک زمین میں گھسٹ رہے تھے اس کے باوجود دو آدمیوں کے سہارے آپ مسجد میں تشریف لائے اور جماعت سے نماز ادا فرمائی۔

۱-کرونا کی وجہ سے ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کرنا:

بخاری شریف میں تعلیقا حضرت انسؓ کا ایک عمل اس طرح ہے: **"جاء انس بن مالک إلى مسجد قد صلى فيه، فأذن وأقام وصلى جماعة"** (صحیح البخاری: ج:۱:ص: ۱۳۳، باب فضل صلوۃ الجماعۃ، دینیات، مومبائی) (حضرت انسؓ ایک مسجد میں تشریف لائے وہاں نماز ہو چکی تھی تو آپؓ نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھی)۔

حضرت انسؓ کے اس عمل سے حضرت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق رحمہما اللہ نے ایک مسجد میں دوبارہ جماعت ثانیہ کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے، جیسا کہ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

"قالوا: لابأس أن يصلى القوم جماعة فى مسجد قد صلى فيه، و به يقول أحمدواسحاق، و قال آخرون من أهل العلم: يصلون فرادى، و به يقول سفيان وابن المبارک و مالک والشافعی يختارون الصلوة فرادى" (سنن الترمذی: باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ، بیت الافکار، ریاض)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک جماعت ثانیہ درست نہیں ہے، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے، البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک ایک مسجد میں دوسری جماعت درست ہے، جبکہ ہیئت تبدیل کردی جائے، یعنی محراب کو چھوڑ کر اگر کسی گوشہ میں جماعت کرنا چاہے تو کرسکتے ہیں جیسا کہ شامی میں ہے:

"وعن أبى يوسف : إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره ،وإا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذافى البزازية" (ردالمحتار، مطلب فی المؤذن اذا کان غیر محتسب فی اذانہ، ۲/ ۶۴، زکریا دیوبند)۔

مفتی سلمان منصورپوری صاحب عذر کی وجہ سے جماعت ثانیہ کی اجازت دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر کبھی کسی عذر کی بنا پر جماعت ثانیہ کرلی جائے تو جائز ہے لیکن اس کی عادت بنالینا گناہ ہے (کتاب النوازل، ج:۴:ص:۵۱۵، المرکز العلمی، لال باغ، مرادآباد)۔

کورونا بھی عذر ہی ہے اس وجہ سے جب تک یہ مرض رہے گا اس وقت تک ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کرسکتے ہیں، البتہ حالات درست ہونے کے بعد ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا اس بارے میں مفتی عبیداللہ الاسعدی صاحب لکھتے

ہیں:اسی طرح جب کرونا جیسی صورتحال میں ایک محدود تعداد کی جماعت کی اجازت ہے اور اسی تعداد میں لوگ دوسری جماعت کرنا چاہیں تو اس کی بھی گنجائش ہوگی (کرونا مسائل واحکام:ص:۵۰،مکتبہ احسان لکھنؤ)۔

۲-ایک سے زائد جماعت کی صورت میں چند پابندیاں:

ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کرنے سے منع کرنے کی اصل وجہ تقلیل جماعت ہے کیونکہ ایسی صورت میں پہلی اور اصل جماعت کو لوگ اہمیت نہیں دیں گے،جیسا کہ صاحب ''بدائع'' لکھتے ہیں:"**ولأن التکرار یؤدی إلی تقلیل ا لجماعة،لأن الناس إذاعلموا أنهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون ،فتکثر الجماعة،وإذاعلمواأنها لاتفوتهم یتأخرون، فتقل الجماعة ،وتقلیل الجماعة مکروه**''(بدائع الصنائع،ج:۱:ص:۶۵۵فصل فی بیان محل وجوب الاذان،دارالکتب العلمیة،بیروت،لبنان)۔

اس لئے کرونا کی صورت میں ایک پابندی تو یہ ہوگی کہ ایک مسجد میں دوسری یا تیسری جماعت اسی وقت تک ہوگی جب تک کہ حکومت کی طرف سے یا معتبر ڈاکٹرز کے مطابق مجمع جمع کرنے سے منع کیا گیا ہو،حالات درست ہونے کے بعد جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں ہوگی۔

دوسری پابندی یہ ہوگی کہ ہیئت بدل دی جائے اور بڑی جماعت نہ ہو جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق لوگوں کو بلا کر جماعت نہ کرے بلکہ جو موجود ہوں ان کے ساتھ جماعت کرلے،جیسا کہ صاحب ''بدائع'' لکھتے ہیں:

"**وروی عن ابی یوسف ،أنه إنمایکره إذا کانت الجماعةالثانیة کثیرة، فأماإذا کانوا ثلاثة أوأربعة،فقاموا فی زاویة من زوایاالمسجد وصلوابجماعةلایکره،وروی عن محمد أنه إنما یکره إذاکانت الثانیة علی سبیل التداعی والاجتماع ،فأماإذا لم یکن فلایکره**''(بدائع الصنائع،ج:۱:ص:۶۵۴فصل فی بیان محل وجوب الاذان)۔

اسلام میں جمعہ کے دن کی اہمیت:

اسلامی شریعت میں جمعہ کے دن کو بڑی فضیلت حاصل ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"**عن أبی هریرةؓ أن النبی ﷺقال:خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعة،فیه خلق آدم، وفیه أدخل الجنة،وفیه أخرج منها، ولا تقوم الساعة إلافی یوم الجمعة**'' (صحیح مسلم،رقم الحدیث:۸۵۴،باب فضل یوم الجمعة،بیت الافکار،ریاض)۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورج جن دنوں پر طلوع ہوتا ہے ان میں سب سے بہتر اور افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اسی دن انہیں جنت میں بھیجا گیا، اسی دن آپ علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔

جمعہ کے دن کی ایک اہم خصوصیت:

جمعہ کے دن کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ اس گھڑی میں اللہ تعالی سے جو بھی دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے، ارشاد نبوی ہے:

”عن ابی هريرةؓ ان رسول الله ﷺ ذكريوم الجمعةفقال: فيه ساعة لا يوافقها عبد مسلم،وهو قائم يصلى يسأل الله شيئا الااعطاه واشار بيده يقللها“(صحیح البخاری،رقم:۹۲۵،باب الساعة التی فی یوم الجمعة،دینیات،مومبائی)۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے ذکر میں ایک دفعہ فرمایا کہ اس دن (جمعہ) ایک ایسی ساعت آتی ہے جس میں اگر کوئی بندہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی چیز اللہ سے مانگے تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرتے ہیں ہاتھ کے اشارہ سے آپ نے بتلایا وہ ساعت بہت تھوڑی سی ہے۔

جمعہ کے دن چند اعمال کرنے پر بے انتہا اجر وثواب:

جمعہ کے دن غسل کرنے، خوشبو کا استعمال کرنے اور اچھی طرح پا کی صفائی کے بعد نماز جمعہ میں باادب شرکت کرنے سے بے انتہا اجر وثواب کا وعدہ ہے، حدیث پاک ہے:

”عن سلمان ا لفارسی قال: قا ل ا لنبی ﷺ: لايغتسل رجل يوم الجمعة ويتطهر مااستطا ع من طهر، ويدهن من دهنه او يمس من طيب بيته ،ثم يخرج فلا يفرق بين اثنين ،ثم يصلى ما كتب له ثم ينصت إذاتكلم الإمام إلاغفرله مابينه ومابين الجمعة الأخرى“(صحیح بخاری:رقم:۸۷۳،باب الدہن للجمعة، دینیات،مومبائی)۔

(حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی جمعہ کے دن غسل کرے اور ہر ممکن طور پر پا کی حاصل کرے اور تیل لگائے، اور اپنے گھر والوں کی خوشبو استعمال کرے، اس کے بعد جمعہ کے لئے گھر سے نکلے اور دو بیٹھنے والوں کے درمیان تفریق نہ کرے یعنی زبردستی نہ گھسے، پھر جو مقدر ہو نماز پڑھے، اور جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے تو یقیناً اس کے اگلے جمعہ تک سارے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے)۔

۳-عام دنوں میں ایک سے زائد جمعہ کی جماعت کرنا:

حنفیہ کے نزدیک ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ جماعت کرنا مکروہ ہے، شامی میں ہے:

”**وروی عن أنس :أن أصحاب رسول الله ﷺ کانوا إذافاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی،ولأن التکرار یؤدی إلی تقلیل الجماعة،لأن الناس إذاعلموا أنهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر،وإلاتأخروا**“(ردالمحتار،۲/ ۶۴،کتاب الصلاۃ،باب الاذان،زکریا دیوبند)۔

تکرار جماعت سے منع کرنے کی اصل وجہ تقلیل جماعت ہے اور جہاں کہیں بھی دوبارہ جمعہ کی نماز کی جماعت کی اجازت دی جاتی ہے، وہاں مجمع کی کثرت ہوتی ہے، اس لئے تکرار جماعت کی اجازت دی جاتی ہے، مولانا عبیداللہ الاسعدی لکھتے ہیں: مجمع کی کثرت کی وجہ سے عام حالات میں بھی بعض حضرات نے ایک مسجد میں متعدد جماعت کی اجازت دی ہے، بمبئی کی کتنی مساجد میں اس کے مطابق عمل ہورہا ہے (کرونا مسائل واحکام: ص: ۵۰، درحاشیہ، مکتبہ احسان لکھنؤ)۔

مفتی احمد خان پوری ایک استفتا کے جواب میں لکھتے ہیں: اور سوال میں مذکور تمام اعذار موجود ہیں تو دوبارہ نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے، مگر امام دوسرا ہونا ضروری ہے (محمودالفتاوی: ۵/ ۲۱۹، مکتبہ انور، ڈھابیل، گجرات)۔

اسی طرح مفتی شبیر قاسمی بھی عذر کی وجہ سے دوسری جماعت جمعہ کی اجازت دیتے ہیں، آپ لکھتے ہیں: اگر شہر میں اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد دور دور تک نہیں ہے جہاں جا کر یہ لوگ اپنا فریضہ ادا کرسکیں اور دوسری جماعت کرنے کے لئے کوئی دوسری جگہ بھی نہیں ہے اور دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کی ایک بھاری تعداد جمعہ سے محروم ہوجاتی ہے اور اس تعداد کو وقت پر حاضر ہونے میں کوئی تاخیر بھی نہیں ہوتی ہے، تو ایسی شدید ضرورت کے تحت اس مسجد میں دوسری جمعہ کی نماز پڑھی جانے کی گنجائش ہے، مگر جماعت ثانیہ کے لئے باقاعدہ اذان نہ دی جائے......تکرار جماعت کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے اصل جماعت متاثر ہوجاتی ہے، یہاں سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متاثر نہیں ہے، نیز یہاں تکرار نہ کیا جائے تو شہر کے لوگوں کی بھاری تعداد کو جمعہ سے محروم ہونا پڑے گا (فتاوی قاسمیہ: ۹/ ۲۷۴، فصل فی شرائط الجمعہ، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند)۔

۴-محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعت کرنا:

کرونا کی وجہ سے حکومت کی جانب سے مساجد میں بڑی جماعت کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جمعہ کی نماز فرض بھی ہے لوگوں کے نزدیک اس کی اہمیت بھی زیادہ ہے، اکثر و بیشتر حضرات جمعہ میں ہی حاضر ہوتے ہیں اگر تالابندی کی وجہ سے گھروں میں بھی جمعہ کی اجازت نہیں ہوگی تو وہ سرے سے ہی نماز و اسلام سے دور ہوجائیں گے، اس لئے علماء نے جب

تک کہ اجازت عام نہ ہوجائے اس وقت تک گھروں میں جمعہ کی اجازت دی ہے، البتہ جمعہ کی نماز دیگر نمازوں سے کچھ الگ ہے ان کی رعایت ضروری ہے، جیسے کم سے کم چار افراد کا ہونا، خطبہ کا پڑھنا گرچہ قرآن کی کوئی آیت یا درود شریف وغیرہ ہی کیوں نہ ہو، اس سلسلے میں مولانا عبید اللہ الاسعدی لکھتے ہیں: جمعہ بغیر جماعت کے نہیں ہوسکتا اور حنفیہ کے یہاں اس کے لئے کم ازکم چار افراد عاقل بالغ مرد کا ہونا معروف قول کے مطابق ضروری و کافی ہے، لہذا کسی گھر یا کسی جگہ اگر چار عاقل بالغ مرد موجود ہیں تو وہ جمعہ ادا کرسکتے ہیں، ایک امام اور تین مقتدی (کرونا مسائل واحکام: ۴۸)۔

مفتی رضوان (راولپنڈی) لکھتے ہیں: ایسے حالات (کورونا) میں ہمارے نزدیک گھروں کے اندر دروازے کھولے بغیر بھی چار عاقل بالغ افراد کو خطبہ دے کر جمعہ پڑھنا جائز ہے (بروز جمعہ، نماز جمعہ وظہر: ص: ۱۲۷، ادارہ غفران، راولپنڈی)۔

مفتی شبیر احمد عثمانی (ڈیوز بری) لکھتے ہیں: اگر کسی ملک میں لاک ڈاؤن کی وجہ سے مسجد میں جمعہ ادا کرنا ممکن نہ ہو، یا کسی کو مسجد میں جمعہ ادا کرنے سے کسی وجہ سے روک دیا گیا ہو، تو ایسی صورت میں گھروں پر جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے (عالمی وبا اور احکام ومسائل: ص: ۳۵، سٹین کلف، ڈیوز بری، برطانیہ)۔

مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ (فتاوی محمودیہ) میں لکھتے ہیں: جس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہوں، وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ درست ہے اور اس سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے حتی کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ جمعہ پڑھا جائے تب بھی۔

"وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب وعليه الفتوى، شرح المجمع للعينى، وإمامة الفتح القدير دفعا للحرج ---درمختار---(قوله:مطلقا)أى سواء كان المصر كبير أولا الخ" (فتاوی محمودیہ، ۱۹۱/۸، باب صلاۃ الجمعۃ، ادارہ الفاروق، کراچی)۔

مذکورہ بالا فتوی میں مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں: حتی کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ جمعہ پڑھا جائے تب بھی، یعنی درست ہے اور کورونا تو عذر شرعی ہے اس لئے ایسی صورت میں گھروں میں اگر چار عاقل بالغ مرد ہوں تو جمعہ کی نماز جماعت سے ادا کرنا درست ہے۔

۵-گھروں میں جمعہ کی اجازت سے کیا آئندہ معمول ہوجائے گا:

تالابندی کی وجہ سے مفتیان عظام گھروں میں جو جمعہ کی اجازت دیئے ہیں، وہ صرف مخصوص وقت کے لئے بحالت مجبوری دی ہے اور یہ عوام کو بھی معلوم ہے اور یہ صرف جمعہ کے لئے ہی مختص نہیں ہے، بلکہ پنجوقتہ نمازوں کے لئے بھی ہیں اور یہ بھی گھروں میں ہی ادا کئے جارہے ہیں، تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حالات سازگار ہونے کے بعد بھی لوگ پنجوقتہ نماز گھروں میں ہی ادا کریں گے اور مسجد میں نہیں آئیں گے ایسا کوئی نہیں سوچتا ہے اور نہ کوئی کہتا ہے، اس لئے صرف احتمال کی

وجہ سے شریعت کی سہولت کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے، مفتی رضوان صاحب اس جیسے خدشات کے جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: عوام بھی دنیا کے حالات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ اجازت فرض نمازوں کی طرح مخصوص حالات میں ہیں، جبکہ پوری دنیا لاک ڈاؤن کا سماں ہے، ہمیشہ کے لئے ایسا نہیں ہے، جب حالات درست ہو جائیں گے تو لوگ کیسے اپنی جگہوں پر جمعہ پڑھیں گے، اور اگر شاذ و نادر کسی نے جرات کی تو اگر کسی شرعی ضرورت کی وجہ سے کی، تو اس سے شریعت منع نہیں کرتی، اور اگر غیر شرعی طرز عمل اختیار کیا، تو اس سے آگاہ کیا جائے گا، بلکہ دوسرے عوام ہی اسے گوارہ نہ کریں گے، کیا اس طرح کے خدشے کی بنا پر، دین اسلام کی دی ہوئی ضرورت کے وقت کی ایک سہولت کو ختم کیا جا سکتا ہے یا کسی شرعی حکم میں ترمیم کی جا سکتی ہے (بروز جمعہ، نماز جمعہ و ظہر: ص:۲۶، ادارہ غفران، راولپنڈی)۔

۶- جمعہ کے دن گھروں میں ظہر جماعت سے ادا کرنا:

شہروں اور قصبوں میں جہاں جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط موجود ہوں وہاں جمعہ کی نماز ہی پڑھنی چاہیئے حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق کم از کم چار آدمی کا ہونا ضروری ہے، اور اگر صرف تین آدمی ہوں تو بھی امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، مولانا عبید اللہ الاسعدی صاحب لکھتے ہیں: جیسا کہ معلوم ہوا کہ جمعہ میں صرف تین آدمیوں کی اجازت دی گئی، ایسی صورت میں فقہ حنفی کے دوسرے قول پر جو اگرچہ ضعیف و غیر مفتی بہ ہے مگر ضرورۃ اس پر عمل کیا جائے گا (کرونا مسائل و احکام: ص:۴۹، مکتبہ احسان لکھنؤ)۔

''البنایہ فی شرح الہدایہ'' میں صاحبین کا قول ہے:

"وقالا: اثنان سواه (وقالا) ای أبويوسف ومحمد (اثنان سواه) أى سوى الإمام" (البناية فى شرح الهداية: ۳/ ۷۴، دار الفکر بیروت، لبنان)۔

اس لئے جہاں تین یا چار آدمی ہوں اور وہاں جمعہ کی نماز بھی درست ہو تو ایسی صورت میں وہاں جمعہ ہی پڑھنی چاہیئے، ظہر کی نماز کی جماعت نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ جہاں جمعہ فرض ہو وہاں ظہر پڑھنا مکروہ ہے، قدوری میں ہے: **"ومن صلى الظهر فى منزله يوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا عذر له كره له ذالک"** (المختصر للقدوری: ص:۴۶، باب صلاۃ الجمعۃ، مکتبہ تھانوی، دیوبند)۔

البتہ جہاں تین آدمی بھی نہ ہوں تو ایسی صورت میں ظہر ادا کرے اور تنہا تنہا پڑھے، کیونکہ جمعہ کے دن شہر میں ظہر جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں: **"اهل مصر تركوا صلوة الجمعة عذر، يكره لهم اداء الظهر بجماعة، ويستحب لهم ان يصلوا الظهر وحدانا"** (کتاب التجنیس والمزید، ۲/ ۲۰۹، رقم مسالۃ: ۹۲۹، ادارۃ القرآن

والعلوم،کراچی)۔

مفتی رضوان صاحب راولپنڈی گھروں میں جمعہ کے دن ظہر پڑھنے کے بارے میں لکھتے ہیں: حنفیہ کے عام ضابطہ وقاعدہ کے مطابق شہروں وغیرہ کے اندر موجود جن لوگوں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ صحیح اور واجب ہونے کی شرائط پائی جاتی ہیں اوران کو جمعہ ادا کرنے پر قدرت ہو،ان کے لئے جماعت ظہر تو درکنار ظہر پڑھنا ہی سخت مکروہ ہے،اوران کو جمعہ کے دن، جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ درمکروہ ہے(بروز جمعہ،نماز جمعہ وظہر:۱۶۲،ادارہ غفران،راولپنڈی)۔

۷-کورونا سے مرنے والوں کا غسل وکفن:

اسلامی شریعت میں انسانی بدن انتہائی قابل احترام ہے زندگی میں بھی اس کا احترام کیا جائے گا اور مرنے کے بعد بھی بے وقعتی سے بچنا ضروری ہوگا،اس لئے مرنے کے بعد غسل وکفن اور نماز جنازہ کے بعد ہی دفنانے کا حکم ہے اور یہ سب فرض کفایہ ہے،الدرالمختار میں ہے:

”فعلى المسلمين تكفينه ،والصلاةعليه فرض كفاية كدفنه وغسله وتجهيزه، فإنها فرض كفاية“(الدرالمختار مع الشامی:۳/۱۰۲،زکریا دیوبند) کرونا سے انتقال ہونے والوں کو بھی غسل وکفن ضروری ہے،لیکن اگر ڈاکٹر کی طرف سے ان کو چھونے سے منع کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں ہاتھ میں غلاف اور چہرے پر ماسک لگا کر تیمّم کرادیا جائے اوراگر میت کو پلاسٹک وغیرہ میں لپیٹ کر حوالہ کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں اسی پلاسٹک پر پانی بہادیا جائے،مولانا الیاس گھمن صاحب اپنے فتوی میں لکھتے ہیں: اگر میت کو پلاسٹک وغیرہ سے کھول کر پائپ وغیرہ سے بھی غسل دینے میں غسل دینے والے کو بیماری لگنے کا خطرہ ہو تو جس پلاسٹک میں بند ہے اس کے اوپر غسل کی نیت سے پانی بہادیا جائے(دارالافتاء مرکز اہل السنہ والجماعۃ،فتوی نمبر:۲۳۳۲)۔

جب کہ مفتی امانت علی قاسمی لکھتے ہیں: جب میت کو پلاسٹک میں لپیٹ کر حوالہ کیا گیا اور کھولنے سے سختی سے منع کردیا گیا اوراس کو غسل دینا اور تیمّم کرنا ممکن نہ ہو،تو اسی پلاسٹک کو ہی کفن تصور کرتے ہوئے بلاغسل اور بلا تیمّم کے اس پر جنازہ کی نماز پڑھ کراس کو دفنایا جائے(کروناوائرس اسلامی ہدایات اورجدید مسائل:۴۱)۔

اور یہی رائے مولانا عبیداللہ الاسعدی کی بھی ہے،مولانا لکھتے ہیں: اگر اسپتال والے لاش کو پیک کرکے محض دفن کرنے کے لئے دیں تو پھر غسل وتیمّم دونوں ہی ناممکن ہیں کہ بدن کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکے گا تو غسل یا تیمّم کیسے ہوگا،لہذا دونوں ساقط ہوں گے(کرونا مسائل واحکام:ص:۱۰۴)۔

اور ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ائمہ ثلاثہ کی بھی یہی رائے ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے بغیر غسل کے بھی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

"ذهب ابن حبيب من المالكية والحنابلة، وبعض المتأخرين من الشافعية إلى أنه يصلى عليه مع تعذر الغسل والتيمم" (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۱۱۹/۲) کرونا بھی عذر ہی ہے، اس لئے پلاسٹک کی صورت میں غسل وتیمّم دونوں ہی ساقط ہوں گے، اور بغیر غسل کے ہی دفنائیں گے۔

۸-کرونا سے مرنے والوں کا کفن:

اسلام کے ممتاز اصول وضوابط میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے مردوں کو کفن دینے کا حکم دیا ہے، نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے: **" إذا ولى أحدكم أخاه فليحسن كفنه"** (سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۹۹۵)۔

تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کا ذمہ دار ہو اسے چاہئے کہ اس کے کفن کا عمدہ انتظام کرے۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے بہتر انداز میں اپنے مردوں کی تجہیز وتکفین کا اہتمام کا انتظام کرنا چاہئے، مردوں کو کفن دینا فرض کفایہ ہے۔

الدرالمختار میں ہے: **"فعلى المسلمين تكفينه والصلاة عليه فرض كفاية كدفنه و غسله وتجهيزه فانهافرض كفاية"** (الدرالمختار مع الشامی: ۱۰۲/۳، زکریا، دیوبند)۔

کرونا سے انتقال ہونے والوں میں بسا اوقات بعض میت کو اس صورت میں حوالہ کیا جاتا ہے کہ ان پر پلاسٹک کا کور ہوتا ہے اور اسے کھولنے سے سختی سے منع کیا جاتا ہے اب ایسی صورت میں اسی پلاسٹک کے کور کو ہی کفن قرار دیا جائے گا، کیونکہ کفن سے مردے کے ستر چھپانا اصل مقصد ہے اور وہ کور سے حاصل ہوجاتا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

'' اور ہاسپٹل کی طرف سے ہی لاش کپڑے میں لپیٹ کر دی جاتی ہو اور حکومت کی طرف سے اسی طرح اس کو دفن کرنے کا حکم ہو تو اس صورت میں جس کپڑے میں لپیٹا گیا ہے وہی اس کا کفن ہے اور یہ کافی ہوجائے گا، کیونکہ اس درجہ کا کفن ضروری ہے، جس سے میت کا جسم ڈھک جائے اور ستر کے تقاضے پورے ہوجائیں، اس پر فقہا کا اتفاق ہے'' (سہ ماہی مجلّہ: بحث ونظر: ص: ۴۵، جنوری تا جون، ۲۰۲۱)۔

۹-کرونا سے مرنے والے کے کور پر کفن لپیٹنا:

میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے اور کفن کا اصل مقصد ستر کو ڈھانپنا ہے اور کرونا کے کور سے یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے کور کے اوپر کفن کے کپڑے کو لپیٹنا درست معلوم نہیں ہوتا اور یہ اسراف بھی ہوسکتا ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

مفتی سلمان رحمانی قاسمی لکھتے ہیں: اگر ڈاکٹر کسی جھلی یا پلاسٹک میں لپیٹ کر لاش حوالہ کرتا ہے اور اس کو کھولنے سے منع کرتا ہے تو اسی جھلی یا پلاسٹک کو کفن کا درجہ دیا جائے گا، جیسے شہید کے خون آلود کپڑے کو اس کے لئے کفن تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ کفن کا اصل مقصد مردے کا ستر ہے اور وہ اس (کور) سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور کس قسم کے کپڑوں میں مردے کو کفن دیا جائے، شریعت میں اس کی کوئی تحدید نہیں ہے (وبائی امراض شرعی مسائل وحل: ۸۹، مکتبہ رحمانیہ، گیا، بہار)۔

۱۰- قبر پر نماز جنازہ ادا کرنا اور اس کی شرائط:

نماز جنازہ دراصل اہل ایمان کی طرف سے اپنے مرنے والے مومن بھائی کے لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مغفرت و سفارش کی ایک باوقار طریقہ ہے اور جنازہ کی دعا سراپا سفارش ہی ہے اور یہ ایسی سفارش ہے جو بارگاہ ایزدی میں قبول کی جاتی ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے: "**مامن میت یصلی علیه أمة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون لهم له الاشفعوا فیه**" (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۹۴۷، بیت الافکار، ریاض)۔

نماز جنازہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اگر کسی نے بھی نماز جنازہ نہ پڑھی اور مسلمان میت کو نماز کے بغیر ہی دفنا دیا گیا تو جن کو معلوم ہے سب گناہ گار ہوں گے، اور اگر صرف ایک شخص نے بھی پڑھ لی تو فرض کفایہ ادا ہو گیا۔

بدائع الصنائع میں ہے: "**والإجماع منعقد علی فرضیتها إلا أنه فرض کفایة إذا قام به البعض یسقط عن الباقین**" (بدائع الصنائع: ۲/۳۳۶، دار الکتب بیروت لبنان)۔

کرونا سے فوت ہونے والے کو بعض دفعہ طبی عملہ خود ہی سپرد خاک کرتا ہے اور نماز جنازہ وغیرہ پڑھنے کا موقع نہیں دیتا ہے، ایسی صورت میں قبر پر جنازہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ جب تک میت گلے پھٹے نہ ہوں، اور اس کے لئے تعین ہر جگہ کے اعتبار سے الگ اور مختلف ہو سکتی ہے۔

"الدر المختار" میں ہے: "**وإن دفن الخ ،بغیر صلاة الخ، صلی علی قبره مالم یغلب علی الظن یفسخه من غیر تقدیر، هو الأصح، وفی الشامی: لأنه یختلف باختلاف الأوقات حرا وبردا والمیت سمنا وهذالا، والأمکنة**" (رد المحتار: ۳/۱۲۵، زکریا دیوبند)۔

صاحب "اعلاء السنن" لکھتے ہیں: "**وفی المعتصر من مختصر مشکل الأثار للطحاوی بعدذکر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی قبر بعدثلاث مالفظه من مات، ولم یصل علیه ذهب أبوحنیفة وأصحابه إلی أن یصلی علی قبره إلی ثلاثة أیام، لایتجاوز إلی ماهو أکثر منها...والغالب فی العادة أن یمضی الثلاث ینفسخ، ویتفرق، وا لصحیح أن هذا لیس بتقد یر لازم؛ لأنه یختلف با ختلاف**

الأوقات فی الحر والبرد، وباختلاف حال المیت فی السمن والھزال، وباختلاف الامکنة، فیحکم فیه غالب الرای وأکبر الظن" (اعلاء السنن: ۵۶/۸، ۳۵۷، ۳فوائد شتی المتعلق بالجنائز، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)۔

مولانا عبید اللہ الاسعدی لکھتے ہیں: اگر لاش متعلقین کے سپرد نہ کی جائے، بلکہ طبی وسرکاری عملہ براہ راست اس کو دفن کردے تو متعلقین کو چاہئے کہ قبر کا علم ہونے پر وہاں جاکر قبر پر نماز ادا کریں حنفیہ کے یہاں بھی قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت ہے جب کہ کسی میت کو نماز کے بغیر دفن کیا گیا ہو (کرونا مسائل واحکام: ۱۰۶، مکتبہ احسان لکھنؤ)۔

۱۱-مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا:

میت کے لئے نماز جنازہ کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میت کا حاضر ہونا ہے، اگر میت موجود نہ ہوں تو امام اعظمؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں ہے، شامی میں ہے: "**ثلاثة فی المتن وثلاثةفی الشرح، وھی: سترالعورةو حضور المیت، وکونه أوأکثره أمام المصلی**" (ردالمحتار: ۱۰۳/۳، باب صلاۃ الجنازہ: زکریا دیوبند)۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے، اوراس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت نجاشیؓ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی "بدائع" میں ہے:

"**وعلی ھذاقال أصحابنا ۔رحمھم الله :لایصلی علی میت غائب، وقال الشافعیؒ: یصلی علیه استدلالا بصلاة النبی ﷺ علی النجاشی وھوغائب**" (بدائع الصنائع: ۳۳۸/۲، کتاب الصلاۃ)۔

کرونا سے وفات پانے والوں میں بعض اوقات طبی عملہ میت کے وارثین کو ان کی لاش بھی نہیں سپرد کرتے ہیں، اوران کو یہ بھی خبر نہیں دیتے ہیں کہ ان کو فلاں جگہ فلاں قبرستان میں دفن کیا گیا ہے، ایسی صورت میں مرنے والوں کے لئے غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کی گنجائش ہے اوراس صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے، کیونکہ یہاں (کرونا سے فوت ہونے والوں پر) سرے سے نماز جنازہ ہی پڑھی نہیں گئی ہے کہ نماز جنازہ کا دوبارہ اعادہ کا حکم ہوگا حضرت نجاشی کے لئے نبی کریم ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی اس کی صورت بھی یہی تھی کہ آپؓ پر سرے سے نماز جنازہ ہی نہیں پڑھی گئی تھی، جیسا کہ اعلاء السنن کی روایت سے معلوم ہوتا ہے:

"**ان النبی ﷺ قال:إن أخاکم مات بغیر أرضکم فقوموا فصلوا علیه**" (اعلاء السنن: ۲۸۵/۸، مسئلۃ الصلاۃ علی الجنازۃ الغائبۃ)۔

اور یہی رائے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا عبید اللہ الاسعدی کی بھی ہے، مولانا عبید الاسعدی لکھتے ہیں:

اور اگر نہ تو لاش دی جائے اور نہ پتہ چل سکے کہ میت کو کہاں دفن کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کریں تو گنجائش ہے اس لئے کہ یہاں ایسا نہیں ہے کہ نماز ادا کر کے دفن کیا گیا اور دوبارہ سہ بارہ، کچھ لوگ غائبانہ نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں، بلکہ نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تو نماز پڑھ لینے میں حرج نہیں۔

حضرت نجاشی کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے جو ادا کی تھی، تو بات یہ تھی کہ بغیر نماز کے ان کو دفن کیا گیا تھا، اس سلسلے میں یہ بات بھی کہی گئی ہے بلکہ بعض روایات میں بھی آئی ہے (کرونا مسائل واحکام: ص:۱۰۶، مکتبہ احسان لکھنؤ)۔

☆☆☆

کرونا میں جمعہ جماعت اور تجہیز و تکفین کا مسئلہ

مفتی محمد اشرف قاسمی☆

مسجدوں میں تکرارِ جماعت:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسجدوں میں تکرارِ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔حضرت امام احمدؒ اور دوسرے کچھ علماء نے ایک دو روایات کی بنیاد پر تعددِ جماعت کو جائز قرار دیا ہے۔ائمہ متبوعین اور فقہائے امت سے عام مسلمانوں کو بدظن کرنے والے کچھ بدنصیب لوگ مسجدوں میں تکرارِ جماعت کی بڑی شدومد کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں۔اس لیے تکرارِ جماعت کے جواز کے لیے بطور مستدل پیش کی جانے والی روایات کا تحقیقی جائزہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔تکرار جماعت پر بطور مستدل ترمذی شریف کی درج ذیل حدیث عموماً پیش کی جاتی ہے:

" عَنْ أَبِی سَعِیدٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلَّی رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: أَیُّکُمْ یَتَّجِرُ عَلَی هَذَا ،فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّی مَعَهُ .قَالَ: وَفِی الْبَاب عَنْ أَبِی أُمَامَةَ، وَأَبِی مُوسَی، وَالْحَکَمِ بْنِ عُمَیْرٍ، قَالَ أَبُو عِیسَی:وَحَدِیثُ أَبِی سَعِیدٍ حَدِیثٌ حَسَنٌ،وَهُوَ قَوْلُ غَیْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ وَغَیْرِهِمْ مِنَ التَّابِعِینَ،قَالُوا: لَا بَأْسَ أَنْ یُصَلِّیَ الْقَوْمُ جَمَاعَةً فِی مَسْجِدٍ قَدْ صَلَّی فِیهِ جَمَاعَةٌ،وَبِهِ یَقُولُ: أَحْمَدُ، وَإِسْحَاق وقَالَ آخَرُونَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: یُصَلُّونَ فُرَادَی،وَبِهِ یَقُولُ: سُفْیَانُ، وَابْنُ الْمُبَارَکِ، وَمَالِکٌ، وَالشَّافِعِیُّ: یَخْتَارُونَ الصَّلَاةَ فُرَادَی،وَسُلَیْمَانُ النَّاجِیُّ بَصْرِیٌّ وَیُقَالُ: سُلَیْمَانُ بْنُ الْأَسْوَدِ،وَأَبُو الْمُتَوَکِّلِ اسْمُهُ:عَلِیُّ بْنُ دَاوُدَ"(ترمذی برقم الحدیث220)۔

''ایک شخص (مسجد) آیا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تھے تو آپ نے فرمایا:''تم میں سے کون اس کے ساتھ تجارت کرے گا؟ایک شخص کھڑا ہوا،اوراس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی''۔

''امام ترمذی کہتے ہیں:1-ابوسعید خدریؓ کی حدیث حسن ہے،2-اس باب میں ابوامامہ،ابوموسیٰ اور حکم بن عمیر

☆ دارالافتاء شہر مہدپور،اُجین،ایم پی۔

رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث آئی ہیں، 3-صحابہ اور تابعین میں سے کئی اہل علم کا یہی قول ہے کہ جس مسجد میں لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے ہوں اس میں (دوسری) جماعت سے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، یہی احمد اور اسحاق بن راہویہ بھی کہتے ہیں، 4-اور بعض دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ وہ تنہا تنہا نماز پڑھیں، یہی سفیان، ابن مبارک، مالک، شافعی کا قول ہے، یہ لوگ تنہا تنہا نماز پڑھنے کو پسند کرتے ہیں'' (ترمذی حدیث نمبر 220)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اس روایت اور اس جیسی دوسری روایات پر تحقیقی کلام کیا ہے۔ جس سے تعدُّدِ جماعت کی کراہت اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے اور اس قسم کی روایات کا محمل بھی معلوم ہوجاتا ہے۔ مفتی صاحب کی تحقیق کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

'' فقام رجل '': بیہقی کی روایت کے مطابق یہ صاحب حضرت ابوبکرؓ صدیق تھے۔ جو کہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر چکے تھے (سنن کبری للبیہقی، ج3/ص69/و71/وفیہ فقام ابوبکر فصلی معہ وقد کان صلی مع رسول اللہ ﷺ)۔

'' وصلی معه '': یہ جماعت ثانیہ تھی، اسی سے استدلال کر کے حنابلہ اور اہل ظاہر جماعت ثانیہ کے جواز کے قائل ہیں۔ حنابلہ کی دوسری دلیل حضرت انسؓ کا وہ واقعہ ہے جسے امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

'' **وجاء أنس بن مالک الی مسجد قد صلی فیه فاذن وأقام وصلی جماعةً** '' (بخاری، ج1/ ص89/ باب فضل صلوۃ الجماعۃ)۔

اور یہ حدیث بیہقی میں بھی مروی ہے (سنن الکبری للبیہقی ج3/ص70/)۔

لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس مسجد کے امام اور مؤذن مقرر ہوں اور اس میں ایک مرتبہ اہل محلہ نماز پڑھ چکے ہوں وہاں تکرارِ جماعت مکروہ (تحریمی) ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ ایسی صورت میں اگر محراب سے ہٹ کر بغیر اذان واقامت اور بغیر تداعی کے نماز ادا کر لی جائے تو جائز ہے۔ لیکن مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس طرح بھی جماعت ثانیہ کرنا درست نہیں ہے.....ائمہ ثلاثہ کی دلیل ''طبرانی'' کی ''معجم کبیر'' اور ''معجم اوسط'' میں حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے۔

'' **ان رسول الله ﷺ أقبل من نواحی المدینة یرید الصلوة فوجد الناس قد صلّوا فمال إلی منزله فجمع أهله فصلی بهم.**

لنا أنه علیه ا لصلوة والسلام کان خرج لیُصلحَ بین قوم فعاد إلی المسجد، وقد صلی أهل المسجد فرجع إلی منزله فجمع أهله وصلی '' (آثار السنن، ص135/ باب ما استدل بہ علی کراھۃ تکرار الجماعۃ فی مسجد [قال

النیموی] طبرانی فی الکبیر والاوسط برقم الحدیث4601/قال الھیثمی [فی مجمع الزوائد ج2/ص45/] رجالہ ثقات۔ابن ماجہ برقم الحدیث312/حاکم فی المستدرک ج4/ص334/،مسند احمد ج5/ص254/السنن الکبری للبیھقی،ج1/ص69/ اعلاءالسنن ج2/ص266/)۔

" **ولوجاز ذالک لما اختا رالصلوة فی بیته علی الجما عة فی المسجد ، ولأن فی الإطلاق هکذا تقلیل الجما عة معنی، فإنهم لایجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتفهم**" (الرد المختار علی الدر المختار ج2/ ص288/تا289/زکریا)۔

ظاہر ہے کہ اگر جماعت ثانیہ جائز یا مستحب ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کو نہ چھوڑتے ،لہذا آپ ﷺ کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں تکرار جماعت کی کراہت پر کھلی دلیل ہے۔

بعض حضرات حضرت ابوہریرہؓ کی اِس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

" **عن النبی ﷺ قال لقد هممتُ أن آ مرفتیتی أن یجمعوا حزم الحطب، ثم آمر بالصلوة، فتقام، ثم أحرق علی أقوام لا یشهدون الصلوة**" (ترمذی ج1/ص52/باب ماجاء فیمن سمع النداء فلا یجیب)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جماعت میں ہی حاضری ضروری ہے۔کیونکہ اگر تکرارِ جماعت جائز ہوتا تو پہلی جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے پاس عذر تھا کہ ہم دوسری جماعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حدیث باب کے ایک جزوی واقعہ کے سوا پورے ذخیرۂ حدیث میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں مسجد نبوی کے اندر دوسری جماعت کی گئی ہو،اور حقیقت یہ ہے کہ تکرارِ جماعت کی اجازت سے مسجد کی جماعت کا مطلوب وقار قائم نہیں رہ سکتا ہے۔چنانچہ تجربہ یہ ہے کہ جہاں تکرار جماعت کا رواج ہوتا ہے وہاں لوگ پہلی جماعت میں شریک ہونے میں بہت سُست ہوجاتے ہیں،کیوں کہ مسجد میں ہر وقت جماعت ہوتی رہتی ہے۔علاوہ ازیں جماعتِ ثانیہ رکھنے میں جھگڑوں کا بھی شدید خطرہ رہتا ہے۔

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے۔جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ جماعت کُل دو آدمیوں پر مشتمل تھی۔اور تداعی کے بغیر تھی،اور بغیر تداعی کے تکرار جماعت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔بشرطیکہ احیاناً ہو،اور تداعی کی حد بعض نے یہ مقرر کی ہے کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار آدمی ہوں یا ہوجائیں۔نیز حدیثِ باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ متنفل تھے۔یعنی پہلے فرج ادا کر چکے تھے،یہاں جماعت میں نفل پڑھی اور مسئلہ مجوث فیہا یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں مفترض یعنی ایک ہی فرض نماز پڑھنے والے ہوں،نیز اباحت وکراہت میں تعارض کے وقت کراہت کو ترجیح ہوتی ہے۔پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ وہ تکرارِ جماعت پر کاربند رہا ہو۔

اگر حدیثِ باب کا واقعہ اجازت عام کی حیثیت رکھتا تو یقیناً صحابۂ کرامؓ کا عمل اس کے مطابق ہوتا۔

جہاں تک حضرت انسؓ کے واقعہ کا تعلق ہے۔ تو عین ممکن ہے کہ یہ مسجدِ طریق ہو۔ اس کی تائید اُس سے بھی ہوتی ہے جو مسند ابو یعلی (کمافی فتح الباری ج2/ص109/) میں ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ یہ مسجد بنی ثعلبہ تھی۔ اور اس نام سے مدینہ طیبہ میں کوئی مسجد معروف نہیں، اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ مسجد طریق تھی، ورنہ مدینہ طیبہ کی چھوٹی چھوٹی مسجد کا تذکرہ بھی کتابوں میں موجود ہے۔ نیز اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ خود حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ:

" **إن أصحاب رسول الله ﷺ كانوا إذا فاتهم الجما عة صلوا فى المسجد فرادى**"(قال العلامة البنوری کمافی البدائع ج1/ص153/معارف السنن ج2/ص288/)۔

یہ جماعتِ ثانیہ کی نفی پر صریح ہے (ملخصا من درس ترمذی ج ا/ص483/تا485/مفتی محمد تقی عثمانی، ترتیب مولانا رشید اشرف، طباعت: ربانی آفسیٹ پرنٹرس دیوبند، 2002ء)۔

جماعت کا مطلب اجتماعیت اور اتحاد ہے۔ اگر مساجد میں پنج وقتہ نمازوں یا جمعہ وعیدین میں تعدُّدِ جماعت کی اجازت دی جائے گی تو یہی نہیں جماعت کی اہمیت کم ہوجائے گی، بلکہ یہ تعدُّدِ جماعات "جماعت" عنوان سے افتراق وانتشار کا باعث ہوگا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ موجود ہے۔ جیسا کہ روایت گذر چکی کہ: "رسول اللہ ﷺ ایک بار مدینہ طیبہ سے اطراف میں مصالحت کے لیے تشریف لے گئے ، اور جب واپس ہوئے تو مسجد نبوی میں جماعت ہوچکی تھی۔ مسجد نبوی میں با جماعت نماز کی فضیلت کے باوجود آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں جماعتِ ثانیہ سے نماز ادا کرنے کے بجائے مسجد سے واپس آکر اپنے دولت خانہ پر جماعت بنا کر نماز ادا فرمائی" (ابن ماجہ برقم الحدیث312/حاکم فی المستدرک ج4/ص334/، مسند احمد ج5/ص254/السنن الکبری للبیھقی، ج1/ص69/ اعلاء السنن ج2/ص266/)۔

جماعتِ ثانیہ کی ممانعت پر حضرت سالم کی روایت بھی صریح فرماتے ہیں:" **عن سالم بن عبد الله قال: لاتجمع صلاة واحدة فى مسجد واحد مرتين**"(المدونۃ الکبری ج1/ص89/بحوالہ اعلاء السنن ج4/ص262/)۔

اس لیے فقہائے احناف نے مساجد میں تعدُّدِ جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے۔

" **ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة فى مسجد محلة ولافى طريق او مسجد لامام له ولا مؤذن. وفى الرد قوله يكره. .الخ اى تحريماً لقول الكا فى لايجوز، والمجمع لايباح، وفى شرح الجامع الصغير أنه بدعة، كما فى رسالة السندى،.... قوله بأذان وإقامة. .الخ عبارته فى الخزائن وأجمع مما هنا ونصها: يكره تكرار الجماعة فى مسجد محلة بأذان وإقامة، إلا إذا صلى بهما فيه أولاً غيرُ أهله أو**

أهلُه لكن بمخافة الأذان، ولو كرر اهلُه بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعاً......... وأما مسجد الشارع فالناس فيه سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق....... ولكن يشكل عليه ان نحو المسجد المكى والمدنى ليس له جماعة معلومون، فلا يصدق عليه أنه مسجد محلة بل هو كمسجد شارع وقد امرأ نه لا كراهة فى تكرارالجما عة فيها إجماعاً، فليتأمل۔ وقدمنا فى باب الأذان عن آخر شرح المنية عن ابى يو سف أنه إذالم تكن الجما عة على هيئة الأولى لا تكره، والا تكره، وهوالصحيح، وبالعدول عن المحراب۔"(الردالمحتار علی الدر المختار ج2/ص288/تا289/زکریا،البحرالرائق ج1/ص426/کوئٹہ)۔

" وإن صلى فيه اهلُه بأذان وإقامة أو بعض أهله ، يكره لغيرأهله وللباقين وأهله أن يعيدوا الأذان والا قامة" (بدائع الصنائع ج1/ص378/)۔

"عن أبى ليلى: أنه سأله رجل قال: دخلتُ المسجد، وقد صلى أهله أو اذن؟ قال قد كُفِيَتَ ذالک۔ عن عبدالله بن يزيد قال دخلتُ مع إبراهيم مسجد مُحارب، فأمنى ولم يؤذن ولم يقم"(المصنف لابن ابی شیبۃ برقم الحدیث2318/و2316/ج2/ص361/)۔

" وعن أبى حنيفةؒ لوكانت الجماعة أكثر من ثلاثة يكره، والا فلا" (الردالمحتار علی الدر المختار، باب الاذان، ج2/ص64/زکریا)۔

" وروى عن محمد أنه إنما يكره إذاكانت الثانية على سبيل التداعى والا جتماع"(بدائع الصنائع، ج1/ص379/)۔

تعدُد جماعت کے سلسلے میں محولہ بالا فقہی جزئیات سے درج ذیل اَحکام معلوم ہوئے۔

1۔ جس مسجد میں امام مؤذن مقرر ہوں، اور مصلین معلوم ہوں، وہاں تکرارِ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

2۔ لیکن اذان آہستہ کہہ کر کچھ نمازیوں نے جماعت سے نماز ادا کرلی ہو تو معلوم نمازیوں کو دوسری جماعت کی اجازت ہے۔

3۔ اذان بلند آواز میں ہوئی ہو یا آہستہ؛ جماعت سے نماز ادا کرنے والے معلوم نمازی نہ ہوں تو معلوم نمازیوں کو دوسری جماعت کی اجازت ہے۔

4۔ ولکن یشکل سے تکرارِ جماعت کے جواز کی مزید ایک شکل بیان کی گئی ہے۔مکہ اور مدینہ (زادہ اللہ شرفہما وکرمتہما) شہروں میں مساجد میں ائمہ وموذنین مقرر ہیں، اور اذان میں اخفا بھی نہیں ہے، لیکن وہاں واردین کی

کا تسلسل قائم ہے۔اس لیے وہاں مساجد میں تکرارِ جماعت کی کراہت پر تمام وجوہات پائی جانے کے باوجود تکرارِ جماعت مکروہ نہیں ہے۔کیونکہ وہاں کے واردین کے تسلسل کی بناپر وہ مسجدیں مسجد شارع کے حکم ہیں۔

5۔ جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہیں ہیں۔وہاں تکرار جماعت جائز ہے۔

6۔ راستے (بس اسٹینڈ، ریلوے اسٹیشن، ایئر پورٹ، مسافرخانہ) وغیرہ کی مسجدیں اگر چہ وہاں امام ومؤذن مقرر ہوں پھر بھی مسافروں کے لیے تکرارِ جماعت کی اجازت ہے۔

7۔(خاص حالات میں) ہیئت اولی کو تبدیل کر کے جماعت کا تکرار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ اگر ہیئت اولی کو تبدیل نہیں کی تو نماز مکروہ ہوگی، ہیئت اولی کی تبدیلی یہ ہے کہ امام کے محراب سے ہٹ کر جماعت کی جائے، مصلی (جگہ) کو بدل دیا جائے تو جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔

8۔اگر تین نمازی ہوں تو احیاناً جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔

جماعتِ ثانیہ کی کراہت کی ایک وجہ سے اس کا سنت سے عدمِ ثبوت ہے۔دوسری بڑی وجہ جماعتِ ثانیہ سے جماعت کے مقصد اتحاد واجتماع کے بجائے انتشار وافتراق اور تقلیل کا پایا جانا ہے۔بغیر تداعی کے دو سے چار تک کے آدمیوں کی جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔ترمذی کی حدیث میں دو افراد پر مشتمل جماعتِ ثانیہ کا تذکرہ ہے۔اس میں مقتدی متنقل تھے جو کہ جائز ہے۔

بخاری میں حضرت انسؓ نے جس مسجد میں جماعتِ ثانیہ فرمائی وہ مسجدِ طریق تھی۔ورنہ عام حالات میں حضرت انسؓ خود روایت کرتے ہیں کہ جماعت چھوٹ جانے کے بعد صحابۂ کرامؓ مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرنے کے بجائے تنہا تنہا نماز ادا کرتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں مسجدوں میں تکرارِ جماعت درست نہیں ہے۔

تعددِ جمعہ اور یوم جمعہ میں ظہر کی جماعت:

جس مقام پر جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں، وہاں جمعہ کے لیے بالغ غیر معذور مسلمانوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔ جمعہ کا بدل ظہر کی نماز نہیں ہوسکتی ہے۔

"(الجمعة: هي فرض) عين(يكفر جاحدها)لثبوتها بالدليل القطعي كما حققه الكمال وهي فرض مستقل آكد من الظهر وليست بدلا عنه كما حرره الباقاني" (الردالمحتار مع الدرالمختار ج3 ص3 تا5 زکریا)۔

دورِ نبویؐ میں شہروں میں تعددِ جمعہ نہیں تھا۔اسی لیے شرائطِ جمعہ پائی جانے والے شہر میں تعددِ جمعہ کے جواز میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک شہر میں دو جگہوں پر جمعہ کی جماعت جائز نہیں ہے۔جبکہ امام ابوسفؒ کے نزدیک

اگرایک شہر میں بڑی نہر وغیرہ کی بنا پر کسی ایک جانب شہر کے تمام نمازیوں کا آنا دشوار ہوتو ایسے شہر میں دونوں جانب دوجگہوں پر جمعہ کی نماز ادا کرنا درست ہے۔ جبکہ امام محمدؒ کے مطابق کسی بھی شہر میں تعدُّ دجمعہ جائز ہے۔

"**الجمعة فی موضعین فی مصر واحد لا یجوز عند أبی حنیفة رحمه الله ، وعند أبی یوسف رحمه الله إن کا ن فی البلد نهر جار کبیر فیها یجوز فی موضعین ،وقال محمد رحمه الله یجوز فی مواضع۔**

وفی الحاشیة:والفتوی علی قول محمد، أی تؤدی الجمعة فی مصر واحد بمواضع متعددة۔[الدرو الردعلیه 5410/1ر]"(مختارات النوازل ج1 ص390 ر برقم المسئلة 647 رایفا)۔

"**روی محمد عن أبی حنیفة انه یجوز الجمع فی موضعین أو ثلاثة أو أکثر من ذلک**"(بدائع الصنائع ج 8ر ص91۔92 ر دار الکتب العلمیة، بیروت)۔

" **وتؤدی الجمعة فی مصر واحد فی مواضع کثیرة: وهو قول أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی وهو الأصح**"(الفتاوی الھندیۃ، ج1ر ص145ر)۔

" **وذکرالسرخسی أن الصحیح من مذهب أبی حنیفة جوا زها فی مصر وأحد فی مسجدین أو أکثر، وبه نأخذ**"(البحر الرائق، ج2ر ص143ر)۔

الدر المختار کے شرح میں امام شامی لکھتے ہیں:

" **(تؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقا: قوله : مطلقا: أی سوء اکان المصر کبیرا أولا، وسواء فصل بین جانبیه نهر کبیر کبغداد أولا، وسواء قطع الجسر أو بقی متصلا، وسواء کان التعدد فی مسجدین أوأکثر، هکذا یفاد من الفتح**"(الرد المختار مع الدر المختار ج3 ر ص15 رزکریا)۔

مفتی بہ قول کے مطابق اس دور میں شہروں کی متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کی جارہی ہے۔ جمعہ درحقیت مسلمانوں کوایک پلیٹ فارم پر جمع رکھنے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق کی نشو ونما کا بہت ہی اہم عمل ہے۔ کتب فقہ میں اس لیے بھی شہروں میں تعدُّ دِ جمعہ کی ممانعت اور عدم ممانعت کی بحث ہوتی ہے۔ اس لیے مفتی بہ قول کے مطابق تعدد جمعہ کی اجازت کے باوجود مسلمانوں کے درمیان نکتۂ اتحاد واتفاق کے طور پر جمعہ کی روح وصلاحیت کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ جمعہ کی امامت کو پنچایتی نظام سے مربوط رکھا ہے۔ جیسا کہ تقریباً تمام کتب فقہ میں تصریحات موجود ہیں کہ قیامِ جمعہ کے لیے خلیفہ، سلطان، امیر، قاضی وغیرہ میں سے کسی کی اجازت ضروری ہے۔ جہاں امیر وقاضی نہ ہوں وہاں عام مسلمانوں کو

پابند کیا گیا ہے کہ باہم مشاورۃ سے جمعہ وعیدین کا امام منتخب کریں۔اس لیے نمازِ جمعہ کی امامت کے لیے شہر یا مساجد کی پنچائتیں اماموں کو مقرر کریں گی۔

" (ونصب العامة) الخطيب(غير معتبر مع وجود من ذكر، أمامع عدمهم، فيجوز) للضرورة"

" وفی الرد المحتار:(قوله فيجوز للضرورة) ومثله مالومنع السلطان أهلَ مصر أن يجمعوا إضرار أو تعنتا فلهم أن يجمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة۔"

" وفى الحاشية: قوله لومنع السلطان: ونقل عن شيخنا عن اللآلى أنه لوتعذر الا ستئذان من السلطان، كما فى هذا الزمان من عدم التفات السلاطين لمثل تلک الأمور فاجتمعت الناس على شخص ليصلى بهم جاز" (الردالمحتار مع الدرالمختار ج3 ص14 زکریا،الطبعۃ الاولی،1417ھ 1996ء)۔

کووڈ19 کے موقع پر لاک ڈاون کی وجہ سے مختلف ٹکڑیوں میں جمعہ کی امامت کے لیے وہی افراد اہل ہوں گے جن کو شہر یا محلّہ مسجد کی پنچایتیں یا مساجدِ جمعہ کے ائمہ اور شہر کے علماء مقرر کریں۔مختلف ٹکڑیوں میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسلمان ایسے ہی منتخب ائمہ کی اقتداء میں جمعہ وعیدین ادا کریں۔اور اگر جمعہ کی جماعت کا اس طرح اہتمام نہ ہو سکے تو مسلمان بغیر جماعت کے تنہا تنہا ظہر کی نماز ادا کریں۔

ہمیشہ سے اسلاف کا معمول یہ رہا ہے کہ اگر کسی وجہ سے وہ جمعہ کی نمازوں میں شریک نہ ہو سکتے تو وہ گھروں میں بغیر اقامت اور بغیر جماعت کے انفرادی طور پر ظہر کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ظہر کی جماعت نہیں کرتے تھے۔

"فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولاجماعة " (الدرالمختار مع الردالمحتار: ج3 ص32و33،زکریا، ج2 ص157 بیروت)۔

جمعہ کے دن گھروں میں ظہر کی جماعت کرنے میں یہ قباحت ہے کہ اس سے جمعہ کی عظمت ختم یا کم ہوجائے گی۔چونکہ امت مسلمہ کے لیے جمعہ ایک تحفہ ہے؛اس لیے اس سے معارض ہر عمل کی ممانعت ہوگی، جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کرنا، جمعہ سے معارض ہو کر جمعہ پر راجح یا متوازی بن جاتی ہے؛اس لیے جمعہ کے دن ظہر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

" (وكره) تحريمًا (لمعذور ومسجون) ومسافر (أداء ظهر بجماعة فى مصر) قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع" (الدرالمختار مع الرد ج3 ص32و33 زکریا، ج2 ص157 بیروت)۔

نمازِ جمعہ کی صحت کے لیے جامع مسجد یا مسجد شرط نہیں ہے۔

" والمسجد الجامع ليس بشرط؛ لهذا أجمعوا على جوازها بالمصلى فى فناء المصر إلخ"(الحلبی الکبیر ص:551اشرفی)۔

" صلوة الجمعة فى قرية مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى، وفيها الحاكم جازت الجمعة بنو المسجد أولم يبنوا"(الحلبی کتاب الصلوۃ،فصل صلاۃ الجمعۃ:551۔فتاوی محمودیۃ:ج8ص185و286)۔

اس لیے ایسے مقامات جہاں جمعہ کی شرائط پائی جارہی ہیں اور وہاں پہلے سے متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز ہورہی ہے تو اگر نمازِ جمعہ میں امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو چاہے مسجد ہو یا مکان، ٹیرس ہو یا کارخانہ، وہاں نمازِ جمعہ درست ہوگی۔ لیکن مسجدوں کے علاوہ مقامات پر جمعہ کی امامت کے لیے وہی شخص امام بنے جسے شہر یا مساجد کمیٹیاں یا ائمہ مساجد نے منتخب ومقرر کیا ہو۔ قانونی مجبوری اور محکمۂ صحت کی طرف سے ازدحام سے بچانے کے لیے یہاں تقلیل مقصود ہے۔ اس لیے اذنِ عام ضروری نہیں ہے۔

" فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو إعادة قديمة، لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا للمصلى" (الردالمحتار ج2ص25 أحسن الفتاوی:ج4ص112)۔

"(قوله: الإذن العام) أى أن يأذن للناس إذنًا عامًّا بأن لايمنع أحدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه، وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وكذا فى البرجندى إسماعيل، وإنما كان هذا شرطًا؛ لأن الله تعالى شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله: }فاسعوا إلى ذكر الله{ [الجمعة: 9]والنداء للاشتهار، وكذا تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها، فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور تحقيقًا لمعنى الاسم"(الدرالمختار مع الرد ج2ص151)۔

"والذى يضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو" (الدرالمختار مع ردالمحتار ج3ص25 زکریا)۔

متاثرہ افراد یا مشکوک لوگ مسجدوں یا جماعت میں شریک ہونے کے بجائے اپنے گھروں میں نمازیں ادا کریں۔ ایسی صورت حال میں انہیں گھروں میں نماز ادا کرنے پر بھی مسجدوں میں باجماعت نماز کی ادائیگی کا ثواب حاصل ہوگا (ردالمحتار 554/1۔سعید)۔

" قال رسول الله ﷺ: "من سمع النداء فلم يمنعه من اتباعه عذر؛ قالوا: وماالعذر؟ قال: خوف او مرض؛ لم يقبل منه الصلوة التى صلى"(اعلاءالسنن،ابواب الامامۃ:ج4ص179)۔

جن اعذار سے مسجدوں میں حاضری کی رخصت ہوتی ہے ان میں ان کووڈ19 رکی وبا اور لاک ڈاؤن بھی ہے۔ فقہی عبارات ''مسجدوں میں تکرار جماعت'' عنوان سے قبل نقل کی جا چکی ہیں (الدر المختار مع المختار: ج1 ص661۔سعید، موسوعۃ القواعد الفقھیہ: ص107)۔

گاؤں یا محلّہ کی مسجد کی اذان سے ہی جماعتِ ثانیہ اور گھروں وغیرہ میں نماز ادائیگی کے کافی ہے:

'' **وكره تركهما (معا بخلاف مصل)ولو بجماعة(بجماعة في بيته بمصر) أوقرية لها مسجد، فلايكره تركهما ،إذأذان الحيي يكفيه (أو) مصل(في مسجد بعد صلا ة جماعة فيه) بل يكره فعلهما**'' (الدر المختار مع المختار: ج۲ ص۶۳۔۶۴ زکریا)۔

نمازِ عید کے اَحکام:

نماز عید کے لیے جمعہ کی طرح کم از کم تین بالغ مرد اور ایک امام، یعنی چار لوگوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر چار سے کم ہوں گے تو نماز عید درست نہیں ہوگی۔

(و) السادس: (الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال (ولو غير الثلاثة الذين حضروا سوى الإمام) بنص "فاسعوا إلى ذكر الله"[الجمعة: 9] '' (ردالمختار مع الدر: ج1 ص151)۔

نمازِ عید الفطر کی ادائیگی کے لیے شہر سے باہر کھلے میدان میں جانا سنت ہے۔

'' **عن علی الخروج إلى الجبان من سنة** '' (معجم الاوسط للطبرانی، ج3 ص116 رقم الحدیث:4040)۔

یہ حکم عام صحت منداور غیر معذورین کے لیے ہے۔ لیکن جو لوگ اپنی پیرانہ سالی یا ضعف و بیماری کی وجہ سے باہر جا کر عید کی نماز ادا نہیں کر سکتے ہیں ان کے لیے گنجائش ہے کہ وہ شہر ہی میں پنچائتوں کی طرف مقرر کردی امام کی اقتداء میں دوسری جماعت کر کے عید کی نماز ادا کرلیں۔

'' **السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلى المصر بالضعفاء، بناء على أن صلوة العيدين فى موضعين جائزة بالاتفاق، وان لم يستخلف فله ذالک**'' (ردالمختار: ج3 ص46، ط: بیروت)۔

حضرت علیؓ کمزوروں اور ضعیفوں کے لیے شہر کے اندر ہی الگ سے عیدین کی جماعت کا اہتمام فرماتے تھے۔

''**عن اسحق: أن عليا أمر رجلا يصلى بضعفة فى المسجد ركعتين**'' (المصنف لابن ابی شیبۃ ج4 ص238، رقم الحدیث:5865)۔

جب عام حالات میں ضُعَفا کے لیے یہ رعایت ہے کہ وہ عیدگاہ جانے کے بجائے شہر کے مسلمانوں کی پنچایت یا

کمیٹی کی ہدایت وانتظام کے مطابق شہر کے اندر مسجد ہی میں عید کی نماز ادا کرلیں تو آج کے مخصوص حالات میں جن مقامات پر شرائطِ جمعہ پائی جاتی ہیں۔ وہاں تعدُّدِ عید بدرجہ اولی جائز ودرست ہے۔

" **ويشترط للعيد مايشرط للجمعةالا الخطبة**" (حاشیۃ الطحطاوی:ص528)۔

" **ويشترط للعيد مايشترط للجمعة الا الخطبة....فإنها سنة بعد الصلوة، وتجوز الصلوة بدونها**" (الفتاوی الھندیۃ: ج1 ص150 وفی حاشیۃ الطحطاوی ص528)۔

"**فإنها سنة بعد ها...حتى لو لم يخطب أصلا صح وأساء لترك السنة**" (البحر الرائق، باب العیدن ج2 ص166، کراچی)۔

جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان پر عیدین کی نماز ادا کرنا بھی واجب ہے۔

" **وتجب صلوتها على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المقدمة**" (ردالمحتار: ج3 ص45 و46، زکریا)۔

ایسے مقامات پر لاک ڈاون کے عذر کی وجہ سے متعدد مقامات پر عید کی نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں، اوران مقامات میں مسجد کے علاوہ رہائشی مکان، ہال، کارخانہ، دالان، برآمدہ، رِسیپشن ہال وغیرہ جگہوں پر عیدین کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

" **ويجوز إقامتها فى المصر وفنائه فى موضعين فأكثر**" (غنیۃ المستملی: ص529، حلبی کبیر: 572)۔

" **لأنها (تؤدى بمصر) واحد (بمواضع) كثيرة اتفاقا**" (ردالمحتار: ج3 ص59/زکریا)۔

کووڈ19/ کے موقع پر جماعت میں تقلیل مقصود ہے؛ اس لیے اس طرح گھروں میں عیدین یا جمعہ کے لیے تعددِ جماعت اذنِ عام کی شرط کے منافی نہیں ہے؛ کیوں کہ ان صورتوں میں غلق ابواب ممنوع نہیں ہے۔ کتب فقہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔ جیسا کہ "تعدُّدِ جمعہ اور یوم جمعہ میں ظہر کی جماعت" عنوان کے تحت فقہی عبارات نقل کی جاچکی ہیں (الدر المختار مع الرد: ج2 ص151، احسن الفتاوی ج4 ص112، الدر المختار مع رد المحتار ج3 ص25 زکریا)۔

حضرت علیؓ کی ہدایت پر تکلیف سے بچانے کے لئے شہر کے اندر صرف ضُعَفا ومعذورین کی جماعت کی جاتی تھی، جس میں اذنِ عام کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ پھر بھی کمزور وضعیف صحابہ کرامؓ کی نمازوں کی صحت پر کسی صحابی نے اعتراض اور نکیر نہیں کیا۔ اسی طرح کووڈ19/ اور لاک ڈاون کے موقع پر تکلیف سے بچنے وبچانے کے لیے تقلیلِ جماعت ہی مقصود ہے جو کہ اذنِ عام کے منافی نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کی طرف سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ حکومت کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے؛ بلکہ حکومت نے جمعہ وعیدین کی ادائیگی پر پابندی لگانے کے بجائے مجمع اور بھیڑ سے منع کیا ہے۔ جو عُلما شہر کے مختلف مکانات

میں مختصر ٹکڑیوں میں جمعہ وعیدین کو ناجائز کہتے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر اور غلق ابواب کے سلسلے میں فقہا کی تصریحات پر سنجیدگی سے غور فرمالیں۔

اگر ایک مقام پر کسی کی نمازِ عید چھوٹ جائے تو کوشش کرنی چاہیے کہ دوسری جگہ جہاں عید کی جماعت ملنے کی امید ہو وہاں جا کر عید کی نماز ادا کرلے۔

” ولو أمكنه الذهاب إلى إمام آخر، فعل، لأنها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقا“ (الدرالمختار: ج3،ص59،زکریا)۔

اگر کہیں نمازِ عید نہ ملے تو وہ تنہا دو یا چار رکعتیں چاشت کی نیت سے پڑھ سکتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ چار رکعتیں پڑھے؛ لیکن اس میں نماز عید کی طرح زائد تکبیریں نہیں کہی جائیں گی، نیز نمازِ عید کی قضا واجب اور ضروری نہیں ہے۔ اگر معذوری یا مجبوری میں نمازِ عید نہیں پڑھ سکا اور اس کے بدل کے طور پر اس طرح دو یا چار رکعت نہ پڑھے تو گنہ گار نہیں ہوگا۔

”ومن فاته صلوة العيد صلى أربعا مثلا صلوة الضحى إن شاء، لأن التنفل مثل صلوة العيد غير مشروع، فإذا احب ان يصلى مثل صلوة الضحى إن شاء صلى ركعتين، وإن شاء صلى اربعا“ (التاتارخانیۃ: ج2 ص624،زکریا)۔

”وفى البخارى: ....وقال عطاء: إذا فاته العيد صلى ركعتين“ (صحیح البخاری: ج1 ص135، باب اذا فاتہ العید صلی)۔

” فإن عجز أربعة كالضحى. قلت: وهى صلاة الضحى كمافى الحلية عن الخانية، فقوله كالضحى معناه أنه لا يكبر فيها للزوائد مثل العيد“ (ردالمحتار مع الدر: ج3 ص59، ریاض)۔

”والأفضل أن يصلى أربع ركعات؛ لأنه روى عن ابن مسعود رضى الله عنه أنه قال: من فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات“ (المحیط البرہانی: ج2 ص499)۔

”قال أبو حنيفة الله: إن شاء صلى، و إن شاء لم يصل، فإن شاء صلى أربعا وإن شاء ركعتين“ (اعلاء السنن: ج8 ص119، ادارۃ القرآن کراچی)۔

کووڈ19/ وبا یا کسی بھی موقع پر نمازیوں کی تعداد کم ہونے کی صورت میں نماز جمعہ یا عیدین کی نماز میں اگر کوئی واجب سہواً چھوٹ جائے تو سجدہ سہو ادا کرنا ضروری ہے۔

” ولايأتى الإمام بسجود السهو فى الجمعة والعيدين دفعا للفتنة بكثرة الجماعة .(مراقى

الفلاح) دفعا للفتنة، أی افتتنان الناس و کثرة الهرج۔ (بکثرة الجماعة) الباء للسیبیة وهی متعلقة بقوله للفتنة، وأخذ العلامة الوانی من هذه السبیة أن عدم السجود مقید بما إذا حضر جمع کثیر، أما اذلم یحضروا، فالظاهر السجود لعدم الداعی إلی الترک وهو التشویش" (طحطاوی علی المراقی:253،وکذافی الشامی ج1 ص566)۔

چند متدیّن حلقوں کے علاوہ عام لوگوں کی اگر جماعت چھوٹ جاتی ہے تو ان میں بہت سے ضعیف الایمان افراد سرے سے نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں اور جو لوگ نماز ادا کرتے ہیں عموماوہ بغیر جماعت کے ادا کرتے ہیں۔اس لیے موجودہ حالات میں گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے سے تشتت سے زیادہ اس بات کی امید ہے کہ کسی وجہ سے مسجدوں میں جماعت چھوٹ جانے پر گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کو رواج ملے گا جو کہ (باجماعت نماز ادا کرنا بھی) مطلوب ومحمود ہے۔

مساجد میں باجماعت نمازوں کی فضیلتیں (بخاری647/)،مسجدوں میں علماء کی اقتداء میں باجماعت نمازوں کی فضیلتیں، (خلاصۃ الفتاوی، ج1/ص228/آداب المساجد،ص19/و20/بحوالہ الاشباہ195/) بڑے مجامع میں باجماعت نمازوں کی فضیلتیں (بخاری،619/ابن ماجہ972/) اور عام حالات میں مسجدوں میں حاضر نہ ہونے کی جو وعیدیں ہیں (ترمذی ج1/ص52/ باب ماجاءفیمن سمع النداء،فلایجیب،مسلم،کتاب المساجد برقم الحدیث654/) ان کی وجہ سے مسجدوں کی جماعت ترک کرکے گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کے معمول ورواج کا خیال موہوم ہے۔

ا۔(الف): کووڈ19/ یا اس جیسی وبائی بیماری کی موجودگی میں مسجدوں میں پابندی کے ساتھ اذان اور باجماعت پنجوقتہ نمازوں کا اہتمام ہونا چاہئے۔مصلین کی تعداد مقرر ہوتو اس مقررہ تعداد میں بھی مسجدوں کے معمولات جاری رکھے جائیں۔ جہاں تک مسجدوں میں تکرارِ جماعت کی بات ہے تو لاک ڈاون کے موقع پر مقررہ تعداد کے ذریعہ چونکہ تقلیلِ جماعت مطلوب ہے، اس لیے تکرارِ جماعت؛ جماعت اولی کی عظمت واجتماعیت اور مقصدِ اتحاد واتفاق کے منافی نہیں ہے۔ نیز مصلین کی تعداد اتنی کم ہے کہ جماعتِ ثانیہ کے لیے تداعی کی صورت نہیں پائی جاتی ہے۔اس لیے تکرارِ جماعت جائز ہے۔

لیکن یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ وبائی بیماری میں شریعت نے اختلاط ومیل جول سے منع کیا ہے۔تکرارِ جماعت کے لیے اگر لوگ مسجدوں میں حاضر ہوں گے تو شریعت کی ہدایت کے مطابق وبائی دور میں اُنھیں اختلاط سے بچانا مشکل ہوگا۔اور یہ بھی کہ کئی ٹکڑیوں میں مسلمانوں کا مسجدوں میں نماز کی ادائیگی کے لیے نکلنے سے ایڈمنشریشن کی تشویش اور اس کو بداخلاقی پر برانگیختگی کا باعث ہے۔نیز اربابِ اقتدار کو اُن کی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کا ذریعہ فراہم ہوگا اور غیر ذمہ دار گودی میڈیا کو ملک ومعاشرہ کے اہم مدعوں سے توجہ عوام کی توجہ ہٹانے کا موقع ملے گے۔اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ

مسجدوں میں تکرارِ جماعت کے بجائے گھروں وغیرہ میں ہی باجماعت نمازیں ادا کی جائیں۔

کووڈ 19/ یا لاک ڈاون کے موقع پر مسجدوں میں تکرارِ جماعت کی صورت میں دو باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔

پہلی بات یہ ہے کہ: ایک بار اذان کہی جائے، اور باقی جماعتوں میں صرف اقامت پر اکتفا کیا جائے۔ اور اصل امام یا کوئی بڑا عالم یا بڑا ذمہ دار کوئی بھی نماز مسجد میں نہ پڑھائے۔ بلکہ اصل امام سے فروتر شخص مسجد میں امامت کرے۔ کیونکہ اصل امام یا بڑے عالم کی امامت کی وجہ سے اس کی اقتدا میں نماز نہ ادا کر سکنے والے دوسرے مقتدیوں کو رشک و رنج ہوگا اور ممکن ہے بعد میں یہ بات عداوت انتشار کا باعث بن جائے۔ اگر اصل ائمہ یا بڑے علماء مسجدوں میں نہیں حاضر ہوں گے تو عام مسلمانوں کو وبائی دور میں مسجدوں میں حاضری سے روکنے میں سہولت ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ: محکمۂ صحت و مخلص اطباء کی ہدایات کی پابندی کی جائے۔ مثلاً معاشرتی فاصلہ کا اہتمام کیا جائے۔

" **لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء بمن تحته**" (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، ج2 ص60، ط: رشیدیہ)۔

" **والحائل لايمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمام...ولم يختلف المكان...حاصل كلام الدر: ان اختلاف المكان مانع مطلقا، وأما إذا اتحد، فان حصل اشتباه،منع، وإلا فلا**" (الدر المختار مع الرد المحتار، باب الامامة: ج1 ص584 و587۔ ط: سعید)۔

" **ويجوز اقتداء جارالمسجد بامام المسجد وهو فى بيته اذلم يكن بين وبين المسجد طريق عام**" (الفتاوی عالمگیریۃ، الباب الخامس، فصل الرابع: ج1 ص88 رشیدیہ)۔

" **(ويمنع من الاقتداء) صف من النساء بلا حائل قدر ذراع أو ارتفاعهن قدر قامة الرجل مفتاح السعادة أو (طريق تجرى فيه عجلة) آلة يجرها الثور (أو نهر تجرى فيه السفن) ولو زورقاً ولو فى المسجد (أو خلاء) أى فضاء (فى الصحراء) أو فى مسجد كبير جدا كمسجد القدس (يسع صفين) فأكثر إلا إذا اتصلت الصفوف فيصح مطلقاً. (قوله: تجرى فيه عجلة) أى تمر، وبه عبر فى بعض النسخ .والعجلة بفتحتين .وفى الدرر: هو الذى تجرى فيه العجلة والأوقار اه وهو جمع وقر بالقاف .قال فى المغرب: وأكثر استعماله فى حمل البغل أو الحمار كالوسق فى حمل البعير (قوله:**

أو نهر تجری فیه السفن) أی یمکن ذلک، ومثله یقال فی قوله تمر فیه عجلة ط .وأما البرکة أو الحوض، فإن کان بحال لو وقعت النجاسة فی جانب تنجس الجانب الآخر، لا یمنع وإلا منع،(قوله: ولو فی المسجد) صرح به فی الدرر والخانیة وغیرهما (قوله: أو خلاء) بالمد: المکان الذی لا شیء به قاموس" (ردالمحتار مع الدر المختار: ج1ص585، باب الامامۃ، کتاب الصلوۃ، ط: سعید)۔

۱- جن مقامات پر مسجدوں میں جمعہ وعیدین میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے۔اور قریب کی دوسری مسجدوں میں بھی صرف ایک جماعت میں تمام مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔ان مساجد میں جماعتِ ثانیہ سے تقلیلِ جماعت کی علت ختم ہوجاتی ہے۔اس لیے ان مساجد میں جماعتِ ثانیہ وثالثہ کی اجازت ہے۔البتہ بہتر یہ ہے کہ مصلوں کی ہیئت تبدیل کرلی جائے۔مثلاً محرابِ اول سے ہٹ کر صفیں لگائی جائیں۔ان جماعتوں کی امامت کے لیے وہی ائمہ اہل ہوں گے جن کو مساجد کی کمیٹیاں مقرر کریں۔نیز ایسی صورت میں مستقل پنج وقتہ وجمعہ کے لیے مقرر بڑے علماء کی امامت جس جماعت میں ہو،اس جماعت کے لیے نہ ان ائمہ کے ناموں کا اعلان کیا جائے اور نہ کسی دوسرے امام کے نام کا۔ائمہ کے ناموں کے ساتھ کسی جماعت کے امام کی امامت کا اعلان ہرگز نہ کیا جائے۔کیونکہ ائمہ کے ناموں کے اعلان کے بعد بہت سے مقتدی اپنے فکروخیال کے مطابق زیادہ نیک وبہتر امام کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔اوراس کی اقتداء میں نماز کی ادائیگی سے محروم رہنے کی صورت میں رنجیدہ وملول ہوں گے۔نیز الگ الگ ناموں کے اعلان سے مصلین میں اماموں کی طرف منسوب ہوکر گروہ بندی بھی ہوسکتی ہے۔اس لیے ائمہ کے ناموں کے اخفا ساتھ صرف جماعت ثانیہ وثالثہ کے وقتوں کا اعلان کیا جائے۔کووڈ 19ر کے موقع پر لاک ڈاون کی وجہ سے جمعہ وعیدین میں مقتدیوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے کسی واجب کے سہواً ترک پر سجدہ سہو کرنا ضروری ہے۔

۲- بہتر یہ ہے کہ مقررہ امام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص مسجد میں ایک جماعت کرے۔اور باقی لوگ مختلف مکانوں، ٹیرس، دالانوں، ہالوں، جماعت خانوں، برآمدوں، پورچوں وغیرہ میں با جماعت نمازیں ادا کریں۔اصل امام ان جماعتوں کی نگرانی کریں، جہاں کوئی نماز کی امامت کرنے والا نہ ہو وہاں مسجد کے اصل مقررہ امام لوگوں کو نماز کی امامت سیکھائیں۔گھروں میں نمازوں کی جماعات سے تشتت کے بجائے لوگوں کو با جماعت نماز ادا کرنے کا علم وتجربہ ہوگا۔

۳- کووڈ 19ر کے موقع پر لاک ڈاون کی وجہ سے مسجد میں جمعہ یا عیدین کی جماعت ہوجانے کے بعد جو لوگ رہ جائیں وہ مساجد کمیٹیوں، ائمہ جمعہ، علماء شہر کی طرف سے مقرر کئے گئے اماموں کی اقتداء میں مختلف مکانوں، ٹیرس، دالانوں، ہالوں، جماعت خانوں، برآمدوں، پورچوں میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کریں۔اگر سہوا کوئی واجب چھوٹ جائے تو سجدہ

سہو کرنا ضروری ہوگا اگر مساجد کمیٹیوں ، ائمۂ جمعہ، یا علماء شہر کی طرف سے مقررہ امام لوگوں کو دستیاب نہ ہوں تو تنہا تنہا بغیر جماعت کے ظہر ادا کریں۔عذر وحالات کی وجہ سے جمعہ نہ ادا کرسکنے پر انھیں جمعہ کی فضیلت حاصل ہوگی۔جمعہ کے دن جہاں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں وہاں باجماعت ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

”کرہ تحریماً لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعته فی مصر قبل الجمعة وبعدها“(درمختار، باب الجمعۃ، ج3/ص32/زکریا)۔

”من صلی الظهرفی منزله يوم الجمعة قبل صلوة الامام ولاعذرله کره له ذلک وجاز صلاته“(ہدایہ1/179باب صلوۃ الجمعۃ)۔

تجہیز وتکفین اورنمازِ جنازہ:

غسل میت:

اگر میت کا جسم موجود ہو، لیکن جسم اس طرح پھول پھٹ گیا ہو کہ اس پر ہاتھ پھیرنا دشوار ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ: اس پر اوپر ہی سے پانی بہادیا جائے۔**”ولو کانت الميت متفسخا يتعذر مسحه کفی صب الماء عليه، کذا فی التاتارخانية“**(الفتاوی الھندیۃ ج1/ص560/الفتاوی التارتاخانیہ ج3/ص10/)۔

”والمتسفخ الذی تعذر مسحه يصب عليه الماء“(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ج۱/ص۴۰۰/والبحرالرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلاتہ ج2/ص320/رشیدیہ)۔

کفن:

جو میتیں قبروں سے دوبارہ نکالی جائیں ان کو بھی دوبارہ غسل دیا جائے گا۔اوراگر وہ لاش پھول پھٹ گئی ہو تو اس کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے گا۔

”(و)آدمی (منبوش طری) لم يتفسخ(يکفن کالذی لم يدفن) وان تفسخ کفن فی ثوب واحد“(درمختار، ج3/ص100/زکریا)۔

کوڈ19/ سے متأثرہ میت منبوش متفسخ کے حکم میں ہے، جس کے لیے ایک ہی کپڑا کافی قرار دیا گیا ہے۔کوڈ19/ سے متأثرہ میتوں کو جو غلاف پہنایا جاتا ہے، اس لباس سے کفن ضرورت کی کفایت ہوجاتی ہے۔عام حالات میں پانچ یا تین سے کم کپڑے میں دفن کرنے کا حکم ہے۔لیکن مخصوص حالات کہ کفن کے لیے کپڑے نہ ہوں یا ہوں، لیکن کسی مجبوری کی وجہ

سے کپڑوں کو پہنایا نہیں جاسکتا ہوتو میتوں کی کفن ضرورت جس سے کفن کا فریضہ ادا ہوجائے گا وہی کافی ہے۔" ردالمحتار مع الدر" ودیگر کتبِ فقہ میں کفن ضرورت کی تفصیل اس طرح آئی ہے:

" ویکرة اقل من ذالک (وکفن الضرورة لهما ما یوجد) اقله مایعم البدن ، وعند الشافعی مایستر العورة کالحیی ۔ وفی الرد : قوله :عند الشافعی مایستر العورة کالحیی ۔ وظاهره أنه لو لم یوجد له ذالک سألو الناسَ له ثوبا یعمهٗ وان مادون ذالک بمنزلة العدم، وأنه لا یسقط به الفرض عن المکلفین، وإن کان ساترا للعورة مالم یعم البدن، لکن لایخفیان کفی الضررو' مالا یصار إلا عند العجز، فلا یناسب تقییدهٗ بشیء ولذا عبر المصنف بما یوجد،

" نعم مایعم البدن هو کفن الفرض کما صرح به فی شرح المنیة فیسقط به الفرض عن المکلفین لا بقید کونه عندالضرورة، لانها تقدر بقدر ها، ولذا لما استشهد مصعب بن عمیر رضی الله عنه یوم احد ولم یکن عنده الا نمرة، ای کساء مخطط، فکان اذا غطی به رأسه بدت رجلاه وبالعکس۔ امرا لنبی ﷺ بتغطیة رأسه بها ورجلیه بالا ذخر" (بخاری ج2 ص585 باب من قتل من المسلمین یوم احد)

"الا ان یقال: مالا یستر البدن لایکفی عند الضرورة ایضا، بل یجب ستر باقیه بنحو خشیش کالا ذخر، ولذا قال الزیلعی بعد سوق حدیث مصعبؓ: وهذال دلیل علی ان ستر العورة وحدها لایکفی خلافا للشافعی" (ردالمحتار مع الدر المختار: ج3 ص98، باب صلوٰة الجنازة، زکریا، مختارات النوازل ج1 ص403 برقم 684)۔

اس تفصیل کے مطابق چونکہ سترعورت کے علاوہ پورابدن ڈھکا ہونا کفن ضرورت ہے، اس لیے کووڈ 19 سے متأثرہ میتوں پر جوکور ہوتا ہے وہی کفنِ کفایت ہے۔

فاقد الطھورین:

جس کے اعضاء وضو پر ایسا زخم ہو کہ اس پر پانی بہانے سے تکلیف ہوتی ہو یا کوئی عضوِ وضو موجود ہی نہ تو اس پر مسح وغسل کے بغیر بھی طہارت حاصل ہوجاتی ہے۔

" فروع :فی أعضائه شقاق غسله إن قدر، وإلا مسحه، وإلا ترکه ولو بیده، ولا یقدر علی الماء،تیمم ولو قطع من المرفق غسل محل القطع"

"وفی الرد قوله: ولو قطع: قال فی البحر: ولو قطعت یده أور جله فلم یبق من المرفق والکعب شیء سقط الغسل، ولو بقی وجب" (ردالمحتار مع الدر المختار، ج1 ص217 و218 زکریا)۔

” (والمحصور فاقد) الماء والتراب(الطهورين) بأن حبس فى مكان نجس ولا يمكنه إخراج تراب مطهر،وكذاا لعاجز عنهما لمرض يؤخرها عنده(وقالا يتشبه) بالمصلين وجوباً فيرجع ويركع (به يفتى واليه رجوعه) اى الامام كما فى الفيض، وفيه ايضا (مقطوع اليدين والرجلين اذاكان بوجهه جراحة يصلى بغير طهارة) ولا يتيمم ولا يعيد على الا صح)

وفى رد المحتار: قوله ولا يعيد على الا صح ...الخ لينظر الفرق بينه وبين فاقد الطهورين لمرض، فإنه يؤخر أو يتشبه على الخلاف المذكور آنفاً كما علمت مع اشتراكهما فى امكان القضاء بعد البرء كون عذرهما سماويا“(ردالمحتار مع الدر المختار، باب التیمّم، ج1رص423رزکریا)۔

” وفى تقريرات الرافعى: قوله : لينظر الفرق بينه وبين فاقد الطهورين..الخ لعل الفرق قيام الوضوء فى فاقد الطهورين فلا يسقط فرض الوضوء لقيام محله ، بخلاف مقطوع اليدين، فان اغلب المحل زال بالكلية فسقط فرض الوضوء لفوات محله تأمل، ثم رأتُ فى السندى ما نصه؛ لأن فاقد الطهورين يرجو ادراکَ المطهر بعد ذالک وهذا اعضائه لا تعود إلا فى اليوم الموعود، فلاتكليف عليه“(تقریرات الرافعی ،ص33ربرقم الحاشیۃ4رمع ردالمحتار، ج1رزکریا)۔

میتوں پرنماز جنازہ کی صحت کے لیےایک شرط یہ بھی ہے کہ میت کوشرعی اصول کے مطابق پاک کیا گیا ہو۔اگر میتوں کوغسل یا تیمّم نہیں کرایا گیاہےتونماز جنازہ درست نہیں ہوگی۔لیکن جس طرح فاقد الطہورین کی نمازیں بغیر طہارت حاصل کئے درست ہوجاتی ہیں،اسی طرح جوکووڈ19رکی میتوں کی نماز جنازہ بغیرغسل کے بھی درست ہوگی۔

اسی طرح جوکووڈ19رکی میتیں براہِ راست ہاسپٹل سےقبرستان میں بغیرنمازِ جنازہ اداکیےدفن کردی جائیں توجب تک اُن کی پھولنے وپھٹنےکااندیشہ نہ ہواُن کی نمازِ جنازہ بھی قبر پرہی بغیرغسل کےادا کی جائے گی۔

”(شرطها)سته(اسلام الميت وطهارتهٗ) مالم يهل عليه التراب فيصلى على قبره بلا غسل وان صلى عليه اولاً استحسانا۔

وفى رد المحتار: قوله(فيصلى على قبره بلاغسل)اى قبل ان ينفسخ۔

وقوله: وإن صلى عليه وأولا، اى ثم تذكروا انه دفن بلاغسل ،قوله استحسانا، لأن تلك الصلوة لم يعتد بها۔لترک الطهارة مع الإمكان، والاٰن زال الامكان وسقطت فريضة الغسل ، جوهرة“(الردالمختار مع الدرالمختار ج۳رص ۱۰۳رزکریا)۔

غائبانہ نماز جنازہ:

نماز جنازہ میں میت کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے۔

"شرطها ایضا (حضوره ووضعه) وکونه هو اکثره(امام المصلی) وکونه للقبلة فلا تصح الغائب: و محمول علی نحودابة وموضوع خلفه، لانه کالامام من وجه دون وجه لصحتها علی الصبی وصلاه النبیﷺ علی النجاشیؓ لغویة او خصوصیة۔

وفی الرد : قوله:حضوره..الخ ای کله او اکثره کالنصف مع الرأس کما مر

قوله: ووضعه...الخ ای علی الا رض او علی الایدی قریبا منها۔

قوله: علی نحودابة...الخ ای کمحمول علی اید ی الناس، فلا تجوز فی المختار الا من عذر، امداد عن الزیلعی،قوله: لغوية..الخ أی المراد بها مجرد الدعاء، وهو بعيد۔

" قوله: خصوصية..الخ أولأنه رفع سريره حتى راهُ عليه الصلوة والسلام بحضرته، فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الإمام وبحضرته دون المأمومين، وهذا غيرمانع من الاقتداء ، فتح۔ واستدل لهذين الا حتمالين بمالا مزيد عليه فارجع إليه ومن جملة ذالک انه توفی خلق کثیر من أصحابه ﷺ من اعز هم عليه القرّاء، ولم ينقل عنه انه ﷺ صلی عليهم مع حرصه علی ذالک حتی قال: لا يموتن أحدٌ منكم الا آذنتمونی به، فإن صلاتی عليه رحمة له" (رد المحتار مع الدر المختار، ج 3/ ص104/۔105/زکریا،مختارات النوازل ج1/ص404/برقم المسئلة690/)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔اگر غائبانہ نماز جنازہ درست ہوتی تو رسول اللہﷺ دیگر صحابہ کرام ضروری غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتے۔حضرت نجاشیؓ کی نماز جنازہ کا جہاں تک معاملہ ہے تو یہ حضرت نجاشیؓ کی خصوصیت تھی۔اور ایسا بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے معجزہ اور حضرت نجاشی کی کرامت کے طور پر حضرت نجاشی نعش آپ ﷺ کے سامنے حاضر کردی گئی تھی، تو یہ جنازہ کی نماز درحقیقت میت کی موجودگی میں ادا کی گئی ہے۔اس لیے غائبانہ نمازِ جنازہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ میت امام کے سامنے موجود ہو۔اگر میت سامنے موجود نہیں ہے تو نمازِ جنازہ درست نہیں ہوگی۔اس لیے کووڈ 19/کی میتوں کی اگر نعشیں نہ مل سکیں تو ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لیے استغفار اور بلندیٔ درجات کی دعا کرنی چاہئے۔

ولی یا مستحق امامتِ جنازہ کی اجازت کے بغیر کسی غیر مستحقِ امامت نے نمازِ جنازہ پڑھادی تو ولی یا مستحقین امامتِ

جنازہ کونماز جنازہ کے اعادہ کا حق حاصل ہے۔

" (فإن صلی غیرُہ) أی الولی(ممن لیس لہ حق التقدم) علی الولی(ولم یتابعہ) الولی(اعاد الولی) ولو علی قبرہ إن شاء لا جل حقہ لا لإسقاط الفرض....(و. الا) أی وإن صلی من لہ حق التقدم کقاض أونا ئبہ أو إمام لحی أو من لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی (لا) یعید؛ لأنھم أولی بالصلوۃ منہ" (ردالمحتار مع الدرالمختار، ج3/ص123/۔124/ زکریا)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کووڈ19/سے متاثرہ میت کی نماز جنازہ اگر مستحق امامت جنازہ یا ولی کی اجازت کے بغیر ادا کرلی گئی، جس میں ولی یا مستحق امامت جنازہ شریک نہیں تھے، تو ولی کو حق ہے کہ دوبارہ میت کی نماز جنازہ ادا کرلے۔

۴- اُصولِ حفظانِ صحت کی پابندی کرتے ہوئے جس طرح کووڈ19/سے متاثرہ میتوں کو پیک کیا جاتا ہے وہ صورت منبوشِ متفسخ اور فاقد الطھورین کی ہوتی ہے۔ اس لیے انھیں غسل دینا ضروری نہیں ہے۔ البتہ احتیاطاً بہتر یہ ہے کہ اگر چہرہ وہاتھ کھولنے کی اجازت مل جائے تو مسح کرادیا جائے، ورنہ ایسا کیا جائے کہ جبیرہ کی طرح اس کے کور پر کپڑا وغیرہ بھوگو کر مسح کردیا جائے۔ اگر اس طرح مسح کی دشواری ہو تو منبوشِ متفسخ وفاقد الطھورین کے حکم میں ہوکر بلا غسل اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی، پابندیوں کی صورت میں کووڈ19/میت کے اوپر جو کور ہے وہی کفنِ کفایت ہے۔ الگ سے کفن دینا ضروری نہیں ہے، البتہ اوپر سے مزید سفید کپڑے کا کور کوئی چڑھانا چاہے تو وہ بھی جائز وبہتر ہے۔

۵- (الف) نماز جنازہ ادا کیے بغیر حکام کی طرف سے قبر میں میت کی تدفین کے بعد جب تک کہ میت کے پھولنے وپھٹنے کا اندیشہ نہ ہو اُس وقت تک قبر پر نماز جنازہ ادا کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں غسل وغیرہ ضروری نہیں ہے۔

(ب) اگر میت کی قبر کا علم نہ ہو سکے تو میت کے لیے استغفار اور اس کے درجات کی بلندی کے دعا کی جائے، سامنے میت کی غیر موجودگی میں نماز جنازہ ادا نہیں ہوگی۔

☆☆☆

کورونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی، شافعی☆

۱-الف: کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

مسجد غیر مطروق میں اگر امام راتب ہو تو مسجد کی اصل جماعت سے قبل یا بعد امام کی اجازت کے بغیر دوسری جماعت قائم کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر مسجد مطروق ہے یا غیر مطروق ہے، لیکن اس مسجد کے لئے امام راتب نہیں ہے یا یہ کہ امام راتب ہو اور وہ خود اجازت دے دے تو کراہت باقی نہیں رہے گی، اسی طرح اگر مسجد غیر مطروق میں امام کی اجازت نہ ہو لیکن مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے سارے لوگوں کا بیک وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا دشوار ہو تو ایک سے زائد جماعت بنا سکتے ہیں، چونکہ حکومت کی طرف سے جمیع افراد کو بیک وقت جماعت کے ساتھ نماز اداء کرنے کی اجازت نہ ہونا یہ بھی مسجد کے تنگ ہونے کی طرح ہے، اس لئے ایک سے زائد جماعت قائم کرنا مسجد میں جائز ہے، نیز مسجد غیر مطروق میں اصل جماعت ہونے کے بعد امام راتب اور مسجد انتظامیہ کو ان حالات میں متعدد جماعت کے قیام کی اجازت دینی چاہئے تا کہ کسی قسم کی کراہت باقی نہ رہے۔

علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں: ’’ **وَيُكْرَهُ أَنْ تُقامَ جَماعَةٌ فِي مَسْجِدٍ بِغَيْرِ إذْنِ إمامِهِ الرّاتِبِ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ أَوْ مَعَهُ خَوْفَ الفِتْنَةِ إلّا إنْ كانَ المَسْجِدُ مَطْرُوقًا فَلا يُكْرَهُ إقامَتُها فِيهِ، وكَذا لَوْ لَمْ يَكُنْ مَطْرُوقًا ولَيْسَ لَهُ إمامٌ راتِبٌ، أوْ لَهُ راتِبٌ وأذِنَ فِي إقامَتِها، أوْ لَمْ يَأْذَنْ وضاقَ المَسْجِدُ عَنِ الجَمِيعِ** ‘‘(مغنی المحتاج......)۔

(ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اذان کی آواز سنی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے نہیں آیا تو اسکی نماز کامل نہیں ہوگی مگر یہ کہ کوئی عذر ہو (سنن ابن ماجہ: ۷۹۳)۔

مذکور حدیث سے فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ اگر کوئی شخص عذر شرعی کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کے

☆ جامعہ ضیاءالعلوم کنڈلور، کرناٹک۔

لئے گنجائش ہے اور جو اعذار ترک جماعت کے لئے معتبر سمجھے گئے ہیں انھیں اعذار کا ترک جمعہ کے لئے بھی اعتبار کیا گیا ہے، لہذا ان اعذار کی بناء پر جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں نہ آسکے تو اس کا گھر پر جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کرنا درست ہے اور فقہاء نے جن شرعی اعذار کو بیان کیا ہے ان میں جمعہ کی نماز کے لیے جانے میں فتنہ فساد کا خوف، ظالم کی طرف سے ایذا رسانی کا ڈر اور سلطان کا خوف جیسے اعذار شامل ہیں، چنانچہ امام ماوردیؒ نقل کرتے ہیں:

”حضور الجمعة يسقط باالعذر ....والعُذرِ ضربان: عام، خاص.فَأمّا العامُّ فَكالأمْطارِ، وخَوفِ الفِتَنِ، وحَذَرِ السُّلْطانِ وأمّا الخاصُّ: فَكالخَوفِ مِن ظُلْمِ ذِی يَدٍ قَوِيَّةٍ مِن سُلْطانٍ أوْ غَيرِهِ“(الحاوی الکبیر:۲/۴۲۴)۔

لہذا ان اعذار کی بناء پر ترک جماعت کی طرح ترک جمعہ کر کے اپنے گھر پر ظہر کی نماز ادا کرنا درست ہے، موجودہ حالات میں کورونا کے باعث حکومت کی طرف سے مساجد میں مخصوص تعداد کے علاوہ عام لوگوں کا ایک ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے پر پابندی ہے، اور خلاف ورزی پر پولیس انتظامیہ کی طرف سے سخت مسائل کا سامنا ہے، قانونی طور پر بھی یہ کام بدنی و مالی نقصان کا سبب ہے، نیز ذلت ورسوائی کا بھی امکان ہے، نیز دشمنانِ اسلام کی جانب سے فتنے کا خوف بھی لگا رہتا ہے، ایسے حالات میں مساجد میں جمع ہو کر نماز جمعہ ادا کرنا دشوار کن امر ہے، ایسی صورت حال سقوط جمعہ کی متقاضی ہے۔

علامہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں:” فلا تجب الجمعة على مريض لعجزه عن ذلک، وممرِّض إن بقی المريض ضائعًا، وشيخ فانٍ، وخائف على نفسه أو ماله أو لخوف غريم أو ظالم أو فتنة“(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۲/۲۸۰)۔

البتہ مسجد کے علاوہ کسی جگہ چالیس لوگ مل کر عافیت کے ساتھ بغیر کسی قانونی رکاوٹ کے جمعہ ادا کی جاسکتی ہو تو اس کی گنجائش ہے، اس لئے کہ جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد شرط نہیں ہے چنانچہ علامہ جزیریؒ فرماتے ہیں:”اتفق ثلاثة من الائمة على جواز صحة الجمعة فی الفضاء“(کتاب الفقہ علی مذاهب الاربعۃ:۱/۳۵۹)۔

اور رہا مسئلہ تعدد جمعہ کا تو جب مسجد میں سارے لوگوں کا بیک وقت جمع ہونا ظاہری اسباب اور قانونی مجبوری کی بناء پر ممکن نہیں ہے تو گویا یہ ایسے ہی ہے جیسے سارے لوگوں کا ایک جگہ جمعہ ادا کرنے کے لئے جگہ ناکافی ہے، چنانچہ علامہ بجیرمیؒ فرماتے ہیں:”فَيَجُوزُ التَّعَدُّدُ لِلْحاجَةِ بِحَسَبِها، لِأنَّ الإمامَ الشّافِعِيَّ – رَضِيَ اللَّهُ تعالى عَنْهُ – دَخَلَ بَغْدادَ وأهْلُها يُقِيمُونَ بِها جُمُعَتَيْنِ “(حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب:۲/۱۹۵)۔

اس کی مزید وضاحت امام مزجدؒ فرماتے ہیں:”إلا أن عسر اجتماع الناس بموضع لكثرتهم أو للقتال

بينهم أو بعد أطراف البلد فيجوز التعدد بقدر الحاجة"(العباب:۲/۲۸۸)۔

نیز جمعہ جیسے مقدس فریضہ کوطویل مدت تک ترک کی صورت میں لوگوں کے دلوں سے جمعہ کی عظمت ختم ہوجائے گی، اوراسلامی شعائر میں سے ایک اہم شعار کی طرف سے بے رغبتی عام ہوگی،لہٰذاان حالات میں جمعہ کے شرائط کے ساتھ تعدد جمعہ کی گنجائش دینازیادہ مناسب ہے۔

۲- جماعت کے ساتھ نماز پڑھنافرض کفایہ ہےاور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اسلامی شعائر میں داخل ہےاس لئے جماعت کے ساتھ نماز اس طرح ادا کرنا متعین ہے کہ اس سے شعار ظاہر ہو،چوں کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے شعار ظاہر ہوتا ہے اس لئے عام طور پر سارے حضرات مسجد میں جماعت میں شریک ہوکر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، جہاں تک مسجد کے علاوہ گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کا مسئلہ ہےتو ظاہر ہے کہ اگرمختلف گھروں میں الگ الگ جماعت بنا کرنماز باجماعت ادا کی جارہی ہواوران جماعتوں میں مصلیوں کی تعداد کافی کم ہوتو جماعت کا شعار ظاہرنہیں ہوگااور شعار کے اظہار کے بغیر جماعت کی حقیقت ظاہرنہیں ہوگی اور مساجد کے علاوہ گھروں میں شعار ظاہر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جہاں جماعت ہورہی ہے وہاں پرکسی کے جانے کی ممانعت نہ ہو، بلکہ مسجد کی طرح ہر کسی کو داخل ہونے کی اجازت ہو،چونکہ گھروں وغیرہ میں اس قدرلوگوں کا جمع ہوناممکن نہیں ہے، نیز ہرایک دوسرے کے گھروں میں جانا پسند بھی نہیں کرتا،اس لئے مساجد کے علاوہ گھروں میں شعار ظاہر نہ ہونے کی بناء پرگھروں،بازاروں میں جماعت سے نماز ادا کرنا کافی نہیں ہوگااس لئےکسی گھر کی چھت پر یا بلڈنگ کی چھت پراہل مسجد کے لئےعمومی انتظام کرنا ضروری ہے،تا کہ شعار کے ساتھ باجماعت نمازادا کرنے سےفرض کفایہ ادا ہوسکے،لیکن چھوٹے چھوٹے گاؤں میں اگرگھروں میں باجماعت نمازادا کرنے والوں کی تعداداتنی ہے کہ اس سے جماعت کا شعارظاہر ہوتا ہوتوایسی صورت میں ان کا باجماعت نمازادا کرنا کافی ہےاورشعارظاہر ہونے کے لئے کتنے لوگ ہوناضروری ہےاس کا دارومدارعرف پر ہےیعنی اس گاؤں کےلوگوں کے اعتبار سے شعار کی تعداد کا اعتبار ہوگا جیسا کے حدیث میں وارد ہے کہ جس گاؤں میں بھی تین لوگ ہوں اوروہ جماعت قائم نہ کریں توان پرشیطان غالب آجاتا ہے(ابوداود)۔

البتہ بعض فقہاء کے بقول شعار کے اظہار کے لئے کم ازکم تیس افراد کافی ہیں،کرونا کی موجودہ حالت میں پابندی کے اصول کے مطابق نہ مساجد میں باجماعت نمازادا کرنے والوں کی تعداداتنی ہوتی ہے کہ اس سے شعارظاہر ہوسکےاور نہ گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعت بنا کرنمازادا کرنے والوں سے شعارظاہر ہوتا ہےاس لئے ان حالات میں کم ازکم کسی ایک جگہ اتنے لوگوں کا جمع ہوکر باجماعت نمازادا کرنا ضروری ہےجس سے جماعت کا شعارظاہر ہوسکے،چونکہ یہ مسجد میں ممکن نہیں

ہے،اس لئے محلّہ میں یا کسی گھر میں اتنے لوگ جمع ہوں کر باجماعت نماز ادا کریں جس سے شعار ظاہر ہوسکے کیونکہ اس صورت میں فرض کفایہ کے ذمہ سے سبکدوشی حاصل ہوسکتی ہے،اور باقی حضرات چھوٹی چھوٹی جماعت بنا کر اپنے گھروں میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں تو اس کی گنجائش ہے،اس لئے کہ جماعت کے سلسلے میں جواز کی حد تک صرف دولوگوں کا باجماعت نماز ادا کرنا کافی ہے،جیسا کہ حدیث پاک میں آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: کہ اگرتم دولوگ ہوں توتم میں سے بڑا امام بنے اوردوسرا اقامت کہے(بخاری:۶۲۸)۔

اورمساجد کھلنے کے بعدسب کومساجد میں جمع ہوں کر ایک ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا چاہیے تاکہ جماعت کے ذریعے شعارکا اچھی طرح اظہار ہوسکے۔اورترک شعارکا ماحول نہ بنے۔

”قال الإمام الرملی رحمه الله:ومَتی کانَتْ ای الجماعة فَرْضَ کِفایَةٍ (فَتَجِبُ) إقامَتُها (بِحَیْثُ یَظْهَرُ) بِها (الشِّعارُ) أیْ شِعارُ الجَماعَةِ فِی تِلْکَ المَحَلَّةِ بِإقامَتِها فِی کُلِّ مُؤَدّاةٍ مِن الخَمْسِ بِجَماعَةٍ ذُکُورٍ أحْرارٍ بالِغِینَ.....فَإنْ کانَتْ کَبِیرَةً اُشْتُرِطَ تَعَدُّدُها فِیها بادِیَةً أوْ غَیْرَها، ولا یَکْفِی فِعْلُها فِی نَحْوِ مَحَلٍّ ولا فِی البُیُوتِ، وإنْ ظَهَرَتْ فِی الأسْواقِ؛ لِأنَّ الشِّعارَ لا یَحْصُل بِذَلِکَ، ومُقْتَضی هَذا التَّعْلِیلِ أنَّهُ إذا ظَهَرَ بِها الشِّعارُ الِاکْتِفاءُ بِذَلِکَ، وهُوَ المُعْتَمَدُ کما نَقَلَهُ القاضِی أبُو الطَّیِّبِ عَنْ أبِی إسْحاقَ، کَأنْ فُتِحَتْ أبْوابُها بِحَیْثُ لا یَحْتَشِمُ کَبِیرٌ ولا صَغِیرٌ مِن دُخُولِها، ومِن ثَمَّ کانَ الأوْجَهُ الِاکْتِفاءَ بِإقامَتِها فِی الأسْواقِ إنْ کانَتْ کَذَلِکَ، وإلّا فَلا؛ لِأنَّ لِأکْثَرِ النّاسِ مُرُوئاتٍ تَأْبی دُخُولُ بُیُوتِ النّاسِ والأسْواقِ.

ولا یُشْتَرَطُ إقامَتُها بِجُمْهُورِهِمْ بَلْ تَسْقُطُ بِطائِفَةٍ قَلِیلَةٍ ظَهَرَ الشِّعارُ بِهِمْ،......وأمّا فِی القَرْیَةِ الصَّغِیرَةِ فَلا یُشْتَرَطُ تَعَدُّدُها فِیها؛ لِحُصُولِ الفَرْضِ بِدُونِهِ .وضَبَطَ الشَّیْخُ أبُو حامِدٍ القَرْیَةَ الصَّغِیرَةَ بِأنْ یَکُونَ فِیها نَحْوَ ثَلاثِینَ رَجُلًا .والظّاهِرُ أنَّهُ تَقْرِیبٌ، بَلْ لَوْ ضُبِطَ ذَلِکَ بِالعُرْفِ لَکانَ أقْرَبَ إلی المَعْنی“(نہایۃ المحتاج:)۔

”قال الإمام إبن حجر الهیتمی رحمه الله:ولِأنَّ الشِّعارَ أمْرٌ نِسْبِیٌّ فَهُوَ فِی کُلِّ مَحَلٍّ یَحْسِبُهُ ولا یَکْفِی فِعْلُها فِی البُیُوتِ وقِیلَ یَکْفِی ویَنْبَغِی حَمْلُهُ عَلی ما إذا فُتِحَتْ أبْوّابها بِحَیْثُ صارَتْ لایَحْتَشِمُ کَبِیرٌ ولا صَغِیرٌ مِن دُخُولِها ومِن ثَمَّ کانَ الَّذِی یُتَّجَهُ الِاکْتِفاءُ بِإقامَتِها فِی الأسْواقِ إنْ کانَتْ کَذَلِکَ وإلّا فَلا؛ لِأنَّ لِأکْثَرِ النّاسِ مُرُوآتٌ تَأْبی دُخُولَ بُیُوتِ النّاسِ، والأسْواقِ“(تحفۃ المحتاج،روضۃ الطالبین،

الحواشی المدنیۃ،مغنی المحتاج)۔

۳- اگر جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز پڑھی جارہی ہوتو جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے،البتہ مسجد میں جمعہ کے اختتام کے بعد نماز ظہر با جماعت ادا کریں۔

نوٹ: چونکہ حکومت کی طرف سے بطور احتیاط زیادہ لوگوں کا ایک ساتھ جمع ہونا قانونا منع ہے،اس لئے گھر کے افراد ظہر کی جماعت اپنے گھر میں بنائیں کسی دوسری نگہ یا چند گھروں کے لوگ ایک ساتھ جماعت بنانے سے احتیاط کریں۔

”قال الإمام النووی رحمه الله:قال الشافعی ﷺ والأصحاب ویستحب للمعذورین – الجماعة فی ظهرهم“(المجموع)۔

”قال الإمام الدمیری رحمه الله:ومن لا جمعة علیهم تسن الجماعة فی ظهرهم فی الأصح“(النجم الوھاج:۲/۱۲۰)۔

”قال العلامة الشاشی رحمه الله: لأرباب الأغذار أن یؤخروا فعل الظهر إلی أن تفوت الجمعة ثم یصلونها جماعة“(حلیۃ العلماء)۔

۴-تجہیز وتکفین:

کرونا میت کے مخصوص کور پر کفن کا حکم:

دین اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہمیشہ آسانیاں چاہتا ہے خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:"اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا"(البقرۃ:)چنانچہ میت کے کفن پہنانے کے سلسلے میں فقہائے شوافع کا کہنا ہے کہ میت کو کپڑے میں کفن دینا واجب ہے مگر کسی دشواری کے باعث مثلا کپڑا نہ ملنے کی صورت میں میت کو کپڑے کے علاوہ کسی چیز مثلا چمڑا یا گھاس وغیرہ میں کفن پہنایا جائے تو اس کی گنجائش ہے اس لئے کہ کفن کا اصل مقصد ستر کو چھپانا ہے۔

چنانچہ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:**”وکذاالطین والحشیش،فإن لم یوجد ثوب وجب جلد، ثم حشیش، ثم طین“**(تحفۃ المحتاج:۱/۴۰۱)۔

نیز علامہ دمیاطیؒ فرماتے ہیں: **”ویحرم التکفین فی جلد إن وجد غیره، وکذا الطین، والحشیش، فإن لم یوجد ثوب وجب جلد، ثم حشیش، ثم طین – فیما استظهره“**(إعانۃ الطالبین:)۔

لہذا کرونا کے زمانے میں بعض پابندیوں کی بناء پر عام طور پر استعمال ہونے والا کپڑے کا کفن کا استعمال دشوار ہوتا

ہے اس لئے کہ اسپتال کا عملہ ایک مخصوص کور میں لپیٹ کر لاش حوالے کرتے ہیں لہذا ایسے کور میں دفن کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

کورونا میت کے لئے غسل کا بدل:

مسلمان میت کو غسل دینا واجب ہے اگر غسل دینا ممکن نہ ہو تو تیم کرایا جائے گا، اگر اس پر کوئی ساتر (میت پلاسٹک وغیرہ میں لپٹی ہوئی ہو) اور اس پلاسٹک کو کھولنا ممکن ہو تو کھولنا واجب ہے، چونکہ کورونا کے مرض سے مرنے والے کو جس پلاسٹک میں لپیٹ دیا جاتا ہے اسے حکومت کی طرف سے ضرر کے اندیشہ کی بناء پر کھولنا منع ہے، اگر کھول کر غسل دینا ممکن ہو تو غسل دیا جائے، جیسا کہ حالیہ مہینوں میں یہ امر مشکل نہیں ہے، غسل کے عدم امکان کی صورت میں صرف چہرہ اور ہاتھ کھول کر تیمّم کرانا ممکن ہو تو تیمّم کرایا جائے اور یہ دونوں صورتیں ناممکن ہوں تو اس کور کو جبیرہ تصور کر کے اس کو کھولے بغیر اس کور پر مسح کیا جائے گا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ گیلا کرے اور سارے جسم پر پھیر دے اور اگر ہاتھ گیلا کر کے مسح کرنے میں بھی ضرر کا اندیشہ ہو تو کپڑے، دستانے یا کسی پاک حائل کی مدد سے سارے پلاسٹک پر ہاتھ پھیرے واضح رہے کہ مسح مکمل پلاسٹک پر اس طرح کیا جائے کہ کوئی جگہ خالی نہ بچے تو اس صورت میں غسل مانا جائے گا۔ لیکن اس کور کے اوپر کفن کا کپڑا لپیٹ کر بغیر غسل کے دفن کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ غسل کے بغیر دفن کرنا اس وقت درست ہوگا، جبکہ غسل کے قائم مقام کوئی شکل نہ ہو، اور یہ یہاں غسل کے قائم مقام کوئی نہ کوئی بدل موجود ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: "**إذاتعذر غسل الميت لفقد الماء أو احترق بحيث لو غسّل لتهرى لم يغسّل بل ييمم، وهذا التيمم واجب**" (المجموع: ۸/۱۷۸)۔

شیخ ابن حجر ہیتمیؒ فرماتے ہیں: "**(وإن كان) على العليل ساتر (كجبيرة)...(ولا يمكن نزعها) عنه لخوف محذور مما مر (غسل الصحيح) ويتلطف بغسل ما أخذته الجبيرة من الصحيح بحسب الإمكان وما تعذر غسله مما تحتها وأمكنه مسه الماء بلا إفاضة لزمه وإن لم توجد فيه حقيقة الغسل؛ لأنه أقرب إليها من المسح فتعين .....(ويجب مع ذلک) السابق (مسح كل جبيرته) أو نحوها وقت غسل عليله(بماء) أما أصل المسح فلخبر المشجوج السابق .وأما تعميمه فلأنه مسح أبيح للعجز عن الأصل كالمسح فى التيمم وبه فارقت الخف**" (تحفۃ المحتاج: ۱/۱۱۹)۔

علامہ باعشنؒ فرماتے ہیں: "**(فان خاف من نزعها) محذورا مما مر (..غسل الصحيح) حتى ما تحت أطرافها منه ويتلطف – كما مر – (ومسح عليها) كلها فى كل طهر وقت غسل العليل بماء إلى**

أن يبرأ بدلا عما تحتها من الصحيح، فلو لم يكن تحتها منه شيء ..لم يجب مسحها، لا بتراب – لأنه ضعيف لا يؤثر مع الحائل، بخلاف الماء كما في مسح الخف– ولا بالماء؛ لأنه طهر لما تحتها من الصحيح، ولا شيء منه تحتها" (بشریٰ الکریم:۱۰/۱، نیز دیکھئے:(إعانة الطالبين:1/96)۔

بغیر غسل کے نماز جنازہ کا حکم:

میت سے متعلق حقوق میں غسل، کفن، نماز اور دفن کرنے کا عمل شامل ہے، لہذا میت کے رشتہ دار یا عام مسلمان نماز جنازہ ادا کرنے سے پہلے میت کو غسل دینے یا تیمّم کرانے کی پوری کوشش کریں، تمام تر کوششوں کے باوجود اگر غسل اور تیمّم کرانا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہوگی، اس لئے کہ فقہی قاعدہ "المیسور لا یسقط بالمعسور"، یعنی ایک ناممکن کام دوسرے ممکن کام کو ساقط نہیں کرتا اسی طرح متاخرین فقہاء شوافع جن میں (امام سبکی، امام زرکشی، امام اذرعی، امام دارمی امام جوینی، شیخ طنبداوی، شیخ وائلی، شیخ حبیشی رحمہم اللہ وغیرہ) اس بات کے قائل ہیں کہ غسل اور تیمّم ممکن نہ ہونے کی صورت میں بھی میت پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ نفس نماز ترک کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے، اس لئے کہ نماز جنازہ کا مقصد میت کیلئے دعا اور شفاعت طلب کرنا ہوتا ہے، لہذا کورونا وائرس کی وجہ سے انتقال کرنے والے مریض کو غسل اور تیمّم کرانے کی ساری کوششیں ناکام ہو جائیں تو اس پر نماز جنازہ پڑھنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والے یا گہرے پانی میں گر کر مرنے والے شخص کو نکالے بغیر نماز ادا کی جاتی ہے۔

علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں: "فَلَوْ ماتَ بِهَدْمٍ ونَحْوِهِ) كَأنْ وقَعَ فِي بِئْرٍ أوْ بَحْرٍ عَمِيقٍ (وتَعَذَّرَ إخْراجُهُ وغُسْلُهُ) وتَيَمُّمُهُ (لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ) لِفَواتِ الشَّرْطِ كَما نَقَلَهُ الشَّيْخانِ عَنْ المُتَوَلِّي وأقَرّاهُ .وقالَ فِي المَجْمُوعِ لا خِلافَ فِيهِ .قالَ بَعْضُ المُتَأخِّرِينَ: ولا وجْهَ لِتَرْكِ الصَّلاةِ عَلَيْهِ؛ لِأنَّ المَيْسُورَ لا يَسْقُطُ بِالمَعْسُورِ، لِما صَحَّ »وإذا أمَرْتُكُمْ بِأمْرٍ فَأْتُوا مِنهُ ما اسْتَطَعْتُمْ«؛ ولِأنَّ المَقْصُودَ مِن هَذِهِ الصَّلاةِ الدُّعاءُ والشَّفاعَةُ لِلْمَيِّتِ وجَزَمَ الدّارِمِيُّ وغَيْرُهُ أنَّ مَن تَعَذَّرَ غُسْلُهُ صُلِّيَ عَلَيْهِ .قالَ الدّارِمِيُّ: وإلّا لَزِمَ أنَّ مَن أُحْرِقَ فَصارَ رَمادًا أوْ أكَلَهُ سَبُعٌ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ ولا أعْلَمُ أحَدًا مِن أصْحابِنا قالَ بِذَلِكَ، وبَسَطَ الأذْرَعِيُّ الكَلامَ فِي المَسْألَةِ، والقَلْبُ إلى ما قالَهُ بَعْضُ المُتَأخِّرِينَ أمْيَلُ، لَكِنَّ الَّذِي تَلَقَّيْناهُ عَنْ مَشايِخِنا ما فِي المَتْنِ "(مغنی المحتاج)۔

امام جمال الدینؒ فرماتے ہیں: "وقال الشريف ابن عنقا: فان تعذر غسله لنحوفقد الماء أو تهريه مثلا او لفقد الغاسل، كأن لم تكن إلا إمرأة أجنبية ييمم وجوبا ولا يصلى عليه الا بعد ذلك ويحرم

دفنه بدونه و نبش قبره له ما لم يضر بحيث يتعذر الغسل والتيمم وعلم منه أن من لم يمكن أن يغسل ولا أن ييمم كأن مات بنحو هدم وتعذر إخراجه لا يصلى عليه وهو ما عليه الشيخان تبعا للمتولى لكن قال السبكى والأذرعى القياس الظاهر أنه يصلى عليه ونقله على الدارمى والجوينى وعن حكاية الجوينى له عن النص وقال الزركشى إنه الصواب نقلا ودليلا وأفتى به فقيه المذهب الطنبداوى وشيخ وشيوخناالوائلى وشيخنا عز الملة الحبيشى وهو المعتمد"(عمدۃ المفتی والمستفتی:)۔

اصحاب ''موسوعۃ الفقہیۃ'' نقل کرتے ہیں:''ذهب ابن حبيب من المالكية والحنابلة وبعض المتأخرين من الشافعية إلى أنه يصلى عليه مع تعذر الغسل والتيمم؛ لأنه لا وجه الترك الصلاة عليه، لأن الميسور لا يسقط بالمغسور لما صح من قوله عليه الصلاة والسّلام (وإذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم)ولأن المقصود من هذه الصلاة الدعاء والشفاعة لميت أما عند الحنفية وجمهور الشافعية والمالكية فلايصلى عليه؛ لأن بعضهم يشترط لصحة الصلاة على الجنازة تقدم غسل الميت وبعضهم يشترط خضورة أو أكثره فلماتعذرغسله وتيممة لم يصل عليه لقوات الشرط انتهى والراجح والله أعلم– القول الأول، وهو أنه يصلى عليه حتى مع تعذر تغسيلهوتيميمه؛ فإن الصلاة على الميت من حق الميت على المسلمين، وهكذاغسله أو تيميمه عندتعذر الغسل، ومتى حصل العجز عن بعض الواجبات لم تسقط المطالبة بما أمكن منها؛ لقول الله تعالى: (فاتقوا الله ما استطعتم)''(التغابن/16)(الموسوعۃ الفقہیۃ:، نیز دیکھئے:فتح العلام:176/3)۔

۵-نماز جنازہ:

(الف) قبر کے پاس نماز جنازہ:

میت پر نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے،اگر کوئی بھی نماز نہ پڑھے تو سب کے سب گنہ گار ہوں گے۔اسی لئے میت کو بغیر نمازِ جنازہ پڑھے دفن کرنا حرام ہے اور اگر دفن سے پہلے یا کسی عذر کے باعث نماز نہیں پڑھ پائیتو میت کی نماز جنازہ قبر کے پاس جا کر ادا کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

امام الحرمینؒ فرماتے ہیں:''يتعلق بالقول فى الصلاة على القبر أنا وإن جوزنا الصلاةَ بعد الدفن، وقلنا أيضًا: إنه لو دفن ميت، ولم يصلّ عليه، لم ينبش، بل يصلى عليه مدفونًا، فلا يجوز مع هذا كلّه تأخيرُ الصلاة إلى ما بعد الدفن''(نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:"وسَواءٌ حَضرَ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا قَبْلَ الدَّفْنِ، أوْ بَعْدَهُ، فَإِنَّ الصَّلاةَ عَلى القَبْرِ عِنْدَنا جائِزَةٌ، ولَوْ دُفِنَ بِلا صَلاةٍ، إثِمَ الدّافِنُونَ، فَإِنَّ تَقْدِيمَ الصَّلاةِ عَلى الدَّفْنِ واجِبٌ، لَكِنْ لا يُنْبَشُ، بَلْ يُصَلُّونَ عَلى قَبْرِه"(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین)۔

امام شیرازیؒ فرماتے ہیں:" إذا دفن الميت قبل الصلاة صلى على القبر لان الصلاة تصل إليه في القبر"(المہذب فی فقۃ الإمام الشافعی للشیرازی)۔

(ب) نماز غائبانہ:

کسی بھی میت پر غائبانہ نماز ادا کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ گاؤں سے باہر ہو، اگر گاؤں میں ہی ہو اگرچہ گاؤں بڑا ہو تو نماز غائبانہ کی اجازت نہیں ہے، چاہے نماز جنازہ میں حاضر ہونے سے کوئی عذر مانع ہو،لیکن متاخرین فقہاء شوافع نے حاضر میت کے جنازے میں مرض یا قید و بند یا قبر کی لاعلمی کے عذر کی وجہ سے شرکت ناممکن ہونے کی صورت میں نماز غائبانہ کو جائز قرار دیا ہے، لہذا حتی الامکان میت کی تدفین کی جگہ کو معلوم کرنے کی کوشش کریں اور اگر نہ معلوم ہو سکے تو غائبانہ نماز ادا کریں جیسے رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی تھی (تفصیل کے لئے دیکھئے: نہایۃ المحتاج ۲/۴۸۰، مغنی المحتاج: ۲/۲۸، المجموع، إعانۃ الطالبین: ۲/۲۰۸، حاشیۃ القلیوبی وعمیرۃ: ۱/۳۱، نیز دیکھئے: فتح العلام: 158/ 3، اسنی المطالب: ۱/۳۲۲)۔

☆☆☆

کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مولانا محمد زبیر ندوی بہرائچی☆

۱-الف: مسجد میں تکرار جماعت کے سلسلہ میں فقہ حنفی میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں تکرار جماعت کرنا عام حالات میں درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے تقلیل جماعت کا اندیشہ ہے اور جماعت کے تئیں لوگوں میں سستی پیدا کرنے کا سبب ہے، البتہ ایسی مساجد جہاں مستقل امام ومؤذن اور مستقل نمازی نہ ہوں، جیسے شاہراہوں پر واقع مساجد تو ان میں تکرار جماعت حارج نہیں ہے، کیونکہ یہ مساجد مسافروں کے لئے بنائی جاتی ہیں اور ان میں راہ چلنے والے لوگ حسب فرضیت جماعت سے نماز پڑھ سکتے ہیں، علامہ شامی نے ایسی مساجد میں تکرار جماعت کے جواز پر اجماع احناف نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: "**أو كان مسجد طريق جاز إجماعا**" (ردالمحتار ۲/۲۸۸، کتاب الصلاۃ زکریا)۔

البتہ وہ مساجد جو محلے کی ہیں اور جن میں باضابطہ نماز جماعت ہوتی ہے تو ایسی مساجد میں عام حالات میں جماعت ثانیہ درست نہیں ہے، شامی کے الفاظ اس سلسلے میں یہ ہیں:

"**ولأن في الإطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فإنهم لا يجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتهم**" (ردالمحتار ۲/۲۸۹، کتاب الصلاۃ)۔

لیکن واضح رہے کہ فقہ حنفی میں جماعت ثانیہ مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ تین صورتیں ایسی ہیں جن میں جماعت ثانیہ کی اجازت ہے، ایک صورت یہ ہے کہ اگر دوسری جماعت پہلی جماعت کی ہیئت پر نہ ہو تو دوسری جماعت کر سکتے ہیں، یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور بہت سے فقہاء احناف نے اپنی کتابوں میں لکھا بھی ہے اور قابل عمل قرار دیا ہے، چنانچہ فتاوی بزازیہ میں ہے: "**وعن الثاني إذا لم يكن على الهيئة الأولى لا يكره، وإلا فيكره، وهو الصحيح**" (الفتاوی البزازیہ مع الہندیہ ۴/۱۰/۳۹)۔

تبدیل ہیئت کے سلسلے میں امام ابو یوسف سے یہ بات بھی منقول ہے کہ اگر محراب سے ہٹ کر امام نماز پڑھائے تو بھی ہیئت کی تبدیلی مان لی جائے گی، گویا امام پہلی جماعت کی امامت کی جگہ کو چھوڑ کر نماز پڑھاتا ہے تو یہ نماز درست ہے،

☆ دارالافتاء والتحقیق بہرائچ۔

علامہ بزازی لکھتے ہیں:"وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة فيما روي عن الثاني"(الفتاوی البزازیہ ۳۹/۱۰ کتاب الصلاۃ)۔

اس صورت کے سلسلے میں علامہ شامی لکھتے ہیں علامہ ولوالجی نے اسے اختیار کیا ہے:"وفي التاتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ"(ردالمحتار ۲۸۹/۲ کتاب الصلاۃ زکریا)۔

دوسری صورت: جماعت ثانیہ صحیح ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اہل محلّہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے آ کر نماز باجماعت پڑھ لی، تو اہل محلّہ کے لئے جماعت ثانیہ کرنے میں حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر اہل محلّہ نے ہی نماز پڑھی، مگر آہستہ سے اذان دے کر پڑھی تو بھی دوسری جماعت زور سے اذان دے کر پڑھ سکتے ہیں، چنانچہ" فتاوی ہندیہ" اور" شامی" کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے ، ہندیہ اور شامی میں ہے:"أماإذاصلوا بغيرأذان يباح إجماعا"(الفتاوی الہندیہ ۱/۱۴۱، کتاب الصلاۃ)۔

"إلا إذا صلى بهما فيه أولا غيرأهله أو أهله لكن بمجافته الأذان، ولو كررأهله بدونها أو كان مسجدطريق جاز إجماعا"(ردالمحتار ۲۸۸/۲ کتاب الصلاۃ)۔

تیسری صورت: تکرار جماعت کے جواز وعدم کراہت کی تیسری صورت یہ ہے کہ ایسی مسجد جس کا نہ کوئی مستقل امام ہواور نہ مستقل مؤذن ہوتو پھر ایسی مسجد میں بھی تکرار جماعت کر سکتے ہیں، خواہ یہ مسجد کسی علاقے میں واقع ہو یا سڑک اور صحراء میں علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجدلا إمام له ولا مؤذن" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۲۸۸/۲)۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ جماعت ثانیہ مطلقا ممنوع نہیں ہے، بلکہ خاص صورتوں اور خاص شرائط کے ساتھ جماعت ثانیہ کی کراہت ختم ہوجاتی ہے کراہت کی جوعلت ہمارے فقہاء نے بیان کی ہے اولا وہ علت منصوص علت نہیں ہے دوسرے یہ کہ کرونا کے دور میں وہ علت صادق بھی نہیں آتی، کیونکہ یہاں لوگوں کا ذوق شوق خود انہیں نماز باجماعت پر آمادہ کررہا ہے، نیز جماعت سے نماز پڑھنے میں ان کی سابقہ عادت برقرار رہے گی اور مسجد کی پابندی قائم رہے گی، جبکہ جماعت ثانیہ کیا جازت نہ دینے کی صورت میں لوگ آہستہ آہستہ گھروں میں نماز کے عادی ہوجائیں گے اور ظاہر ہے یہ نماز باجماعت کی حکمت کے خلاف ہوگا۔

اس لئے کرونا کے دور میں تعدد جماعت کی اجازت ہوگی، اور لوگ دوسری جماعت سے بھی نماز ادا کر سکتے ہیں،

اس میں کراہت نہیں ہوگی، البتہ اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔

۱-دوسری جماعت کا امام پہلے شخص کے علاوہ ہو، کیونکہ اگر پہلا شخص ہی دوبارہ نماز پڑھائے گا تو یہ ''صلاۃ المفترض خلف المتنفل'' کی صورت ہوجائے گی اور یہ ممنوع ہے، کیونکہ اس میں مقتدیوں کی نماز نہیں ہوگی، چنانچہ مشہور فقیہ وامام فخر الدین قاضی خان رقم طراز ہیں:

"ولا يجوز اقتداء المفترض بالمتنفل وعلى القلب يجوز" (الفتاوی الخانیۃ مع الہندیہ ۷/۵۸)۔

فتاوی ہندیہ میں اس نکتے کی وضاحت ان الفاظ میں ہے:"**ولا اقتداء المفترض بالمتنفل**" (الفتاوی الہندیہ ۲۱/ ۱۴۳)۔

۲-دوسری شرط یہ ہے کہ اگر محلّہ کی مسجد میں تکرار جماعت کی جارہی ہو تو بغیر اذان واقامت کے جماعت ثانیہ ہو، علامہ شامی لکھتے ہیں:

"ولو كرر أهله بدونهما......جاز إجماعا"(ردالمحتار ۲/۲۸۸، کتاب الصلاۃ)۔

۳-تیسری شرط یہ ہے کہ جہاں پہلی نماز ہوچکی ہے اس مقام سے ہٹ کر دوسرے جماعت ہو یا کم ازکم محراب سے ہٹ کر نماز ادا کی جائے تا کہ امام ابویوسف کی روایت پر بلا کراہت نماز ہو جیسا کہ فتاوی بزازیہ میں ہے:"**إذالم يكن على الهيئة الأولى لايكره**"(فتاوی بزازیہ ۱۰/۳۹)۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا تینوں شرائط کے ساتھ نماز باجماعت کی تکرار دوست ہے، اور کرونا کے دور میں دوسری جماعت کی جاسکتی ہے۔

ب-جمعہ کی نماز اس معنی کر کے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ یہ کثیر مسلمانوں کی اجتماعیت اوران کے درمیان اخوت ومودت کا بڑا اہم ذریعہ ہے، اسی لئے بیشتر فقہاء کی رائے ہے کہ نماز جمعہ میں ایک ہی جگہ اور ایک ہی جماعت ہو، نماز جمعہ کے اغراض ومقاصد پر نہایت عمدہ اور مفصل روشنی علامہ عبدالرحمٰن الجزیری نے ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"الغرض من صلاة الجمعة هو أن يجتمع الناس في مكان واحد خاشعين لربهم، فتتوثق بينهم روابط الإلفة وتقوى صلاة المحبة، وتحيا في أنفسهم عاطفة الرحمة والرفق، وتموت عوامل البغضاء والعقد، وكل من ينظر إلى الآخر نظرة المؤدة والإخاء فيعين قويهم ضعيفهم، ويساعد غنيهم فقيرهم، ويرحم كبيرهم صغرهم، ويوقر صغيرهم كبيرهم، ويشعرون جمعا بأنهم عبد الله وحده، وأنه هو الغني الحميد ذوالسلطان القاهر ......وأن تعدد المساجد لغير حاجة يذهب بهذه المعاني السامية؛

لأن المسلمين يتفرقون في المساجد"(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/۳۵۰)۔

علامہ جزیری کی شاندار وضاحت سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ جمعہ کی جماعت کی کس قدر اہمیت ہے، اسی لئے جزری نے خود لکھ دیا ہے کہ بلا ضرورت الگ الگ مساجد میں جمعہ کی جماعت کرنے سے مذکورہ بالا مقاصد و حکمین فوت ہوجائیں گی، ان کا تقاضہ ہے کہ جمعہ کی زیادہ جماعتیں نہ ہوں۔

لیکن دور حاضر میں بالخصوص بڑے شہروں میں جہاں منزہ بمنزلہ کثیر آبادی ہوتی ہے اور جگہیں کم ہوتی ہیں تعدد جماعت سے مضر نہیں ہے، بمبئی جیسے شہر میں اگر مساجد میں جماعت ثانیہ کی اجازت نہ دی جائے تو لاتعداد لوگ نماز جمعہ سے محروم ہوجائیں گے، اس لئے جزء الف کی تفصیلات میں جو باتیں گذر چکی ہیں ان کی روشنی میں تعدد جمعہ کی اجازت ہوگی، اور اس میں آخر میں جو شرائط لکھی گئی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے جہاں جہاں ضرورت ہو جمعہ کی دوسری اور تیسری جماعت ہوسکتی ہے۔

غالباً اسی ضرورت وحاجت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ماضی قریب اور دور حاضر کے متعدد علماء ومفتیان کرام نے جمعہ کی جماعت ثانیہ کی عدم کراہت پر فتوی دیا ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلا اور سب سے اہم فتوی مولانا عبدالحئیؒ کا ہے، وہ ایک استفتاء کے جواب میں رقم طراز ہیں:

"چونکہ تعدد جماعت جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے، اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے، اس کو ظہر پڑھنا صحیح نہیں، اس لئے ان لوگوں کو چاہئے کہ جمعہ بجماعت مع خطبہ پڑھیں، اگر اسی مسجد میں ہو تو حرج نہیں، اور اولی یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو" (مجموعہ فتاوی ۱/۲۹۲)۔

مولانا عبدالحئیؒ کے مذکورہ فتوے میں صراحۃ جماعت ثانیہ کی اجازت دی گئی ہے، واضح رہے کہ یہ اجازت حضرت نے پندرہ بیس آدمیوں کے لئے دی ہے تو جہاں کثیر لوگ ہوں وہاں بدرجہ اولی اجازت ہوگی۔

اس طرح (امداد الاحکام ۱/۶۹۱ اور خیر الفتاوی ۳/۹۵) پر بھی جمعہ کی جماعت ثانیہ کی اجازت مذکور ہے، مفتی احمد خانپوری کا رجحان بھی بلا کراہت جواز کا ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: "مطلب یہ کہ صورت مسئولہ میں دوسری جماعت کی اجازت کسی حال میں پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث نہیں بلکہ دوسری جماعت کو جماعت ثانیہ کا نام دینا یہ بھی محل تأمل ہے، لیکن اگر سوال میں مذکور ضرورت کے پیش نظر مسجد شرعی میں بھی ایسا کرنا پڑے تو اس کو مکروہ قرار نہیں دیں گے، یہ میرا رجحان ہے (محمود الفتاوی ۱/۵۳۳ تا ۵۳۴، مسائل عیدین)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا رجحان بھی جمعہ کی جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہونے کی طرف ہے، آپ فرماتے

ہیں:''اولاتو مسجد کے ذمہ داران اس بات کی کوشش کریں کہ جمعہ کے لئے مستقل طور پر کوئی حال حاصل ہوجائے جب تک یہ سہولت حاصل نہ ہو تکرار جماعت ہی کے ذریعہ سہی، مسلمانوں کو جمعہ سے محروم نہ ہونے دیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے ان کی دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر مرتب ہوگا'' (کتاب الفتاوی ۳/ ۸۰، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

مولانا موصوف نے جمعہ کی جماعت ثانیہ کی عدم کراہت کی بات جہاں کہی ہے وہیں اس کے شرائط بھی ذکر کئے ہیں اور یہ وہی شرائط ہیں جنہیں احقر نے جزء الف کے آخر میں لکھ دیا ہے، اس لئے خلاصہ کلام یہ کہ جزء الف کی تحقیق وتدقیق اوراس میں مذکور شرائط اور مذکورہ بالا فتاوی کی تائیدات کی روشنی میں جمعہ کی تکرار جماعت ضرورتا بلا کراہت جائز ہے۔

۲- اس سوال پر روشنی ڈالنے سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے، ایک شہر میں ایک ہی جگہ نماز جمعہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ متعدد مقامات پر نماز جمعہ ہوسکتی ہے، اس بات کی صراحت کئی فقہاء کرام نے کی ہے، چنانچہ علامہ جزیری لکھتے ہیں:''**تعددالأماكن التي تصح فيها الجمعة لايضر**'' (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/ ۳۵۱)۔

علامہ جزیری نے یہ بات حنفیہ کے نقطہ نظر کی وضاحت میں لکھی ہے کہ جہاں جمعہ جائز ہے وہاں متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، یہ بات ''فتاوی عالمگیری'' میں بھی منقول ہے اوراس میں مزید وضاحت ہے کہ یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کا ہے، نیز یہ قول اصح ہے، گویا اس قول پر فتوی ہے، ''ہندیہ'' کی عبارت درج ذیل ہے:''**وتؤدى الجمعة في مصرواحد في مواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة ومحمدؒ وهو الأصح**'' (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۰۵ زکریا جدید)۔

دوسری بات جو قابل وضاحت ہے وہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ عام مقامات پر بھی جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبلؒ کی یہی تحقیق ہے، صرف امام مالک کے نزدیک مسجد ہونا شرط ہے گویا ائمہ ثلاثہ کے یہاں مکانات میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے، جزری لکھتے ہیں:''**اتفق ثلاثة من الأئمة على جواز صحة الجمعة في الفضاء، وقال المالكية: لا تصح إلا في المسجد**'' (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/ ۳۵۱)۔

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری حنفیہ کے نقطہ نظر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شہر کے اندر متعدد مقامات پر نماز جمعہ ہوسکتی ہے لیکن شہر سے ایک فرسخ دور نہیں ہوسکتی، یعنی جہاں تک شہر اور اس کے فناء شہر کی حد ہے وہاں تک درست ہے، دیہات میں درست نہیں ہے، جزیری کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

''**الحنفية قالوا: لايشترط لصحة الجمعة أن تكون في المسجد، بل تصح في القضاء بشرط أن لايبعد عن المصر بأكفر من فرسخ**'' (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/ ۳۵۱)۔

مذکورہ بالا دونوں باتوں کی وضاحت سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک شہر میں کئی مقامات پر نماز جمعہ ہوسکتی ہے اور یہ مقامات

مساجد بھی ہو سکتے ہیں اور غیر مساجد بھی، گویا مکانات اور انکی چھتوں پر فی نفسہ جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

البتہ جمعہ کے سلسلے میں ایک اضافی شرط اذن عام کی ہے، یعنی جمعہ وہاں پڑھنا درست ہوگا جہاں اذن عام پایا جاتا ہو، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"والسابع الإذن العام......فلایضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو" (ردالمحتار ۲/۱۵۲، باب الجمعۃ سعید)۔

گویا جمعہ کے لئے اذن عام ایک اہم شرط ہے، اب اگر یہ شرط مکانات اور ان کی چھتوں پر نماز پڑھنے میں پائی جاتی ہے تو نماز پڑھنا درست ہے، فقہاء کرام کی عبارات سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر دروازہ کھول دیا جائے اور کسی نمازی کو آنے کی ممانعت نہ ہو تو اس سے بھی اذن عام متحقق ہو جائے گا، فتاوی ہندیہ کی اس عبارت سے صراحتاً یہ بات معلوم ہوتی ہے:

"وكذلك السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره فإن فتح باب الدار وأذن إذناعاما جازت صلاته شهدهاالعامة أولم يشهدوها" (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۰۹ کتاب الصلاۃ)۔

بلکہ بعض کتب فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ گھروں میں نماز پڑھ لیں اور دوسرے لوگ باہر مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہوں تو یہ بھی اذن عام کے منافی نہیں ہوگا، چنانچہ احسن الفتاوی میں ہے:

" کارخانوں میں جمعہ پڑھنا، یہاں چوروں سے حفاظت مقصود ہے، نمازیوں کو روکنا مقصود نہیں ہے، نیز بیرونی لوگ دوسری مساجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لہذا اذن عام نہ ہونا صحت جمعہ میں مخل نہیں ہے، اس میں نماز جمعہ صحیح ہے" (احسن الفتاوی ۴/۱۲۰، بحوالہ فتاوی دار العلوم زکریا ۲/۶۴۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ گھروں، چھتوں اور میدانوں میں نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے، بطور خاص کرونائی وبا کے دور میں تا کہ لوگوں کی عادت برقرار رہے اور جمعہ کا اہتمام قائم رہے، ہاں عام حالات میں مساجد میں جمعہ ادا کرنا چاہئے، اسی طرح سابقہ حضرات بھی اگر مناسب سمجھیں تو جماعت کر لیں اور چاہیں تو تنہا تنہا ظہر پڑھ لیں۔

۳- گزشتہ سوال کے جواب میں اس بات کی وضاحت کی چکی ہے کہ کرونائی وبا کے دور میں، جبکہ لاک ڈاؤن ہو اور جماعت سے نماز ہونا مشکل ہو تو پھر گھروں میں بھی اذن عام کی شرط کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لیکن جو لوگ نماز جمعہ نہ پڑھیں تو ان کے لئے ظہر کی نماز تنہا پڑھنا ضروری ہوگا عام کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے، چنانچہ " فتاوی ہندیہ" میں ہے کہ اگر

لوگ کسی عذر کی وجہ سے جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکیں تو ان کے لئے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

"**وكره جماعة الظهر لأهل المصر إذا لم يجمعوا لمانع**" (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۱۰ زکریا جدید)۔

"فتاوی قاضی خان" میں بھی اس قسم کی بات منقول ہے، "**وكذلك أهل المصر إذا فاتتهم الجمعة وأهل السجن والمرضى، ويكره لهم الجماعة**" (الفتاوی الخانیۃ مع الہندیہ ۱۱۰/۷)۔

اسی طرح کی بات "الدر المختار" میں بھی لکھی گئی ہے اور اس کی علت تقلیل جماعت بتائی گئی ہے، اگر یہ علت قابل اعتماد ہے تو پھر جہاں یہ علت ہوگی وہاں کراہت ہوگی اور جہاں یہ علت نہیں پائی جائے گی وہاں جماعت سے بھی ظہر پڑھنا جائز ہوگا، علامہ حصکفی کی عبارت درج ذیل ہے:

"**وكره تحريما لمعذور ومسجون أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع، وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة، فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة**" (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۳۲-۳۳ زکریا)۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ جہاں تقلیل جماعت کی صورت ہو وہاں ظہر کی جماعت مکروہ ہوگی، اب اس تعلیل اور اس سے سابقہ تفصیل کو سامنے رکھ کر صورت مسئولہ کا جواب تلاش کیا جائے تو اس کا جواب دیا جائے گا کہ اگر کسی شہر میں مطلقا مسجد میں جماعت سے نماز پر پابندی ہو، جیسا کہ لاک ڈاؤن میں تھا تو پھر اس حالت میں یا تو لوگ گھروں میں اذن عام کے ساتھ جمعہ پڑھیں یا ظہر کی نماز باجماعت پڑھیں، کیونکہ اس میں نہ تقلیل جماعت ہو رہی ہے اور نہ ہی صورت عارضہ پائی جاتی ہے جس کا ذکر علامہ حصکفی نے کیا ہے۔

اور اگر باضابطہ جمعہ کی جماعت ہوتی ہے اور کچھ لوگ رہ گئے ہیں اور وہ گھروں میں ظہر پڑھنا چاہتے ہیں تو پھر وہ جماعت کے بجائے تنہا تنہا ظہر پڑھیں گے، جیسا کہ ہندیہ اور خانیہ کے حوالہ سے عبارات گذر چکی ہیں، اس طرح دونوں قول میں تطبیق بھی ہو جائے گی، اور دونوں طرح کے حالات میں عمل کرنے کے لئے مناسب صورت بھی نکل آئے گی۔

۴- شریعت اسلامی کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ انسان اتنا ہی مکلّف ہے جتنا اس کے بس میں ہے، طاقت اور تحمل سے زیادہ کا مکلّف شریعت نے انسان کو نہیں بنایا ہے، قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس اصول کی نشاندہی کی گئی ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد باری ہے: "**لايكلف الله نفسا إلا وسعها لها ماكتسبت**" (بقرہ:۲۸۶)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "**فاتقوا الله ما استطعتم واسمعوا وأطيعوا**" (التغابن:۱۶)۔

صحیح بخاری میں بھی ایک روایت میں اس نکتہ کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے: "**وإذا أمرتكم بأمر فأتوا**

منه مااستطعتم"(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۲۸۸)۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا اصول انسانی زندگی میں بے انتہا مفید اور کارآمد ہے،اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو مذکورہ بالا سوال کا جواب یہ ہوگا کہ اگر کور کے اوپر کفن لپٹنے کی اجازت حاصل ہو تو اس کے اوپر کفن ڈالا جائے گا کیونکہ اس حد تک کفن دینا آدمی کی استطاعت میں ہے،تکفین مسلمان کا حق ہے اور مرض کفایہ ہے،اس لئے ایک مسلم نعش کو اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا ہے،سنن ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے انداز میں میت کو کفن دینا چاہئے۔

"**قال رسول الله ﷺ:إذا ولي أحدكم أخاه فليحسن كفنه**"(سنن الترمذی رقم:۹۹۵)۔

اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر میت لاوارث ہو یا غریب ہو تو ایک کفن پر بھی اکتفاء کیا جاسکتا ہے،تینوں کفن کی ضرورت نہیں ہے،"فتاوی ہندیہ"میں ہے:

"**وإن كان بالمال كثره وبالورثة قلة فكفن السنة أولى، وإن كان على العكس فكفن الكفاية أولى، كذا في الظهيرية**"(الفتاوی الہندیہ ۱/۲۲۲ زکریا جدید)۔

مذکورہ بالا صورت تو اس میت کے لئے جس پر کفن ڈالنے کی اجازت ہو اور اگر بالفرض چھونے کی اور اس پر کچھ ڈالنے کی مطلقا ممانعت ہو تو ظاہر ہے کفن دینا ممکن نہیں ہوگا،ایسی صورت میں کور کو ہی کفن کا درجہ دے دیا جائے گا،کیونکہ پلاسٹک کا کور بھی فی نفسہ کفن بننے کی صلاحیت رکھتا ہے،کیونکہ کفن کے سلسلے میں فقہاء کی تحقیق ہے کہ ہر اس چیز کو کفن بنایا جاسکتا ہے جس کو زندگی میں پہننا جائز ہو،عالمگیری میں ہے:"**كل ما يباح لبسه في حال الحياة يباح تكفينه بعد الوفاة**"(الفتاوی الہندیہ ۱/۲۲۲ کتاب الصلاۃ)۔

اور ظاہر ہے کہ پلاسٹک یا وہ چیزیں جس میں میت کو پیک کر کے دیا جاتا ہے ان کو پہننا جائز ہے بلکہ بعض مرتبہ انہیں مستقل پہنا جاتا ہے مثلاً بارش کے موسم میں پلاسٹک اور پالیتھن کا لباس پہنا عام ہے،اسی طرح موسم سرما میں اور کھیل کود کے لباس میں اس طرح کی چیزیں پہنی جاتی ہیں جس سے اس کا عرف بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کور کو بھی کفن قرار دینے میں حرج نہیں ہونا چاہئے،کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کرام نے اون،بال،اور کھال سے بنی چیزوں کو کفن کے طور پر استعمال کرنے کی بکراہت اجازت دی ہے،علامہ شامی نے تاجیہ کے حوالے اس سلسلے جو عبارت نقل کی وہ ملاحظہ فرمائیں:

"**وفي التاجية ويكره الصوف والشعر والجلد**"(ردالمحتار ۳/۱۰۰،باب صلاۃ الجنازۃ)۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تاجیہ کی یہ بات عام حالات کی ہے اضطراری حالت میں تو یہ کراہت بھی باقی نہیں

رہے گی، اس لئے خلاصہ کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر میت پر کفن ڈالنے کی بھی ممانعت ہو تو پھر کور کو ہی کفن مان لیا جائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ ایسی صورت میں غسل دیا جائے یا تیمّم کرایا جائے یا بغیر غسل و تیمّم کے دفن کر دیا جائے، اس کا جواب بھی اسی اصول میں موجود ہے جس کی تفصیل ہم نے اس جواب کی تمہید میں ذکر کر دی ہے۔

اس کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کور ہٹا کر غسل دینے کی اجازت مل جاتی ہے تو پھر غسل دینا ضروری ہوگا کیونکہ یہ میت کا حق ہے جس سے اس کو محروم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

"غسل الميت حق واجب على الآحياء بالسنة وإجماع الأمة، كذا في النهاية، ولكن إذا قام به البعض سقط عن الباقين" (الہندیہ ۱/۱۱۸)۔

اسی طرح اگر میت کو غسل دینے کی اجازت نہ ہو، لیکن پیک کرنے سے پہلے اسے غسل دے دیا گیا تھا اس کے اوپر پانی ڈال دیا گیا تھا خواہ بغیر نیت کے ہی ہو یہ غسل معتبر مان لیا جائے گا، قاضی خان نے اس سلسلے میں ایک جگہ لکھا ہے: **"میت غسله أهله من غير نية الغسل أجرأهم"** (فتاوی قاضی خان مع الہندیہ ۷/۱۱۷)۔

لیکن اگر پیکنگ سے پہلے نا ہی اس پر پانی ڈالا گیا اور نا ہی غسل دینے کی اجازت ملتی ہے، لیکن ہاتھ اور نہ کھولنے کی اجازت مل جاتی ہے جیسا کہ اتنی گنجائش کا امکان رہتا ہے اور کہہ سن کر اس کی امید ہوتی ہے تو پھر غسل کے بجائے تیمّم کرانا ضروری ہوگا، جیسا کہ پانی کی عدم موجودگی فقہاء کرام نے میت کو تیمّم کرانے کی اجازت دی ہے، فتاوی ہندیہ کے ایک مسئلہ میں منقول ہے:

"وإذا مات الرجل في السفر، وليس هناک ماء ظاهر، تيمم ويصلى عليه هكذا فى المحيط" (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۲۱ کتاب الصلاۃ)۔

اسی طرح امام قاضی خاں نے بھی ایک مفصل مسئلے میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے میت کو غسل کے بجائے تیمّم کرانے کی بات لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ثلاثة في السفر: جنبه وحائض وميت وثم ماء قدما يكفى لأحدهم...... فيغسل الجنب ...... المرأة ويمم الميت" (الفتاوی الخانیہ الہندیہ ۷/۳۸، کتاب الطہارۃ)۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر تیمّم کی گنجائش مل جاتی ہے تو پھر تیمّم کرایا جائے گا، اور پھر اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد باقاعدہ تدفین کی کاروائی کی جائے گی۔

انہیں فقہی عبارات اور عذور و معذوری کے پیش نظر کرونا زدہ میت کے سلسلے میں خود دارالافتاء دارالعلوم دیوبند نے

جورائے قائم کی وہ مندرجہ ذیل ہے:

''اور اگر تمام تر کوشش کے باوجود کسی مرحوم کے غسل یا تیمّم کی کوئی صورت نہ بن سکے اور اسپتال کے عملہ کی طرف سے میت کومخصوص تھیلے میں پیک کر دیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعا اجازت نہ ہو اور بہ صورت دیگر مختلف نا قابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دستبردار ہوجانا یا یونہی نماز جنازہ کے بغیر میت کی تدفین کر دینا درست نہیں، بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا، اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی'' (آن لائن فتاوی دار العلوم فتوی ۱۷۸۷۴۲)۔

احقر کی رائے ہے کہ مذکورہ بالا نقطہ نظر کرونا زدہ میت کے سلسلے میں سب سے مناسب اور معتدل رائے ہے خود احقر بھی اپنے سابقہ تحقیق جو اسی جواب میں موجود ہے میں اسی نقطہ نظر پر پہنچا ہے، یہ بات عقل ونقل دونوں سے قریب ہے اس میں تکلیف مالا یطاق بھی نہیں ہے اور میت کو نماز جنازہ سے محروم بھی نہیں کیا جاتا ہے، اس لئے غسل وتیمّم کی سہولت نہ ہونے کی صورت میں بغیر غسل وتیمّم کے نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے۔

۵-الف: جس میت کو دفن کر دیا گیا ہو اور اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، اس پر جمیع فقہاء کا اتفاق ہے، شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: **"أما الصلاة على الميت بعد الدفن فجائزة باتفاق الفقهاء إذا لم يكن صلى عليه"** (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۱۵۳۰/۲)۔

متعدد احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی بعض مرتبہ قبر پر نماز پڑھی ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک قبر پر ہوا جس کو رات میں دفن کیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی۔

"عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ كثر بقبر قد دفن ليلا فقال: متى دفن هذا؟ قالوا: البارحة: قال: أفلا أذنتمولي؟ قالوا: دفناه في ظلمة الليل، فكرهنا أن نوقظك، فقام فصففنا خلفه، قال ابن عباس: وأنا فيهم، فصلى عليه" (صحیح البخاری ۱۳۲۱ کتاب الجنائز)۔

صحیح بخاری کی اس روایت اور اس جیسی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر نماز جنازہ میں حرج نہیں ہے، اسی لئے فقہاء احناف نے بھی صراحت سے اس کی اجازت دی ہے، امام قاضی خان اس سلسلے میں رقم طراز ہیں: **"وعن محمد في ميت دفن قبل الغسل، وأهالوا عليه التراب قال: يصلى على قبره ولا ينبش"** (الفتاوی الخانیۃ علی الہندیہ ۱۱۷/۱)۔

فقہاء احناف کے علاوہ دیگر فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے اور اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اگر غسل

دینا ممکن نہ ہو تو بلا غسل بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، علامہ دسوقی لکھتے ہیں: ''**وأما من تعذر غسله وتيممه، كما إذا كثرت الموتى جدا فغسله مطلوب ابتداء لكن يسقط للتعذرولاتسقط الصلاة عليه**''(حاشیۃ الدسوقی ۱/۴۰۸)۔

علامہ دسوقی کی اس وضاحت کے مطابق اگر کرونا کی میت کو غسل کے بغیر دفن کر دیا گیا یا غسل کی اجازت انتظامیہ نہیں دے رہی ہے فوراً دفن کرنے کو کہتی ہے تو دفن کے بعد میں اس پر نماز پڑھ لیں گے۔

علامہ حصکفی نے بصراحت تمام لکھا ہے کہ اگر بغیر غسل کے میت کو دفن کر دیا گیا ہو تو بھی اس کی قبر پر نماز پڑھنا جائز ہے، وہ درمختار میں رقم طراز ہیں: ''**وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أوبها بغير غسل صلي على قبره استحسانا**''(الدر المختار مع الشامی ۳/۱۲۵)۔

درمختار کی اس عبارت میں مذکور صورت کے بارے میں علامہ شامی نے اپنی حاشیہ میں مزید وضاحت کی ہے کہ یہی قول امام کرخی کا ہے اور شامی نے صراحت کر دی ہے کہ یہی اولی ہے۔

''**وقال الكرخي:يصلى، وهو الاستحسان؛لأن الأولى لم يعتد بها لترك الشرط مع الإمكان الغسل۔ وهذا يقتضي ترجيح الإطلاق، وهو الأولى**''(ردالمحتار ۳/۱۲۵، باب صلاۃ الجنائز)۔

بلکہ علامہ شامی نے بغیر نماز دفن کئے جانے کی صورت میں ان لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جو کسی کنویں میں گر جائیں یا کسی عمارت میں دب کر مر جائیں، ان کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، تو جس کو قانونی کاروائی کی وجہ سے غسل نہ دیا جا سکے اور مجبوراً دفن کرنا پڑے اسے بدرجہ اولی دفن کر کے قبر پر نماز پڑھ سکتے ہیں، شامی کی عبارت ملاحظہ ہو:

''**ينبغي أن يكون في حكم من دفن بلاصلاة من ترد في نحوبئر أووقع عليه بنيان ولم يمكن إخراجه،بخلافه مالوغرق في بحر**''(ردالمحتار ۳/۱۲۵، باب صلاۃ الجنائز)۔

مذکورہ بالا تنقیح وتفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ طبی عملہ اگر دفن کے علاوہ غسل وکفن کا موقع نہ دے یا خود دفن کر دے اور صرف قبر کی نشاندہی کرے تو اس پر نماز جنازہ پڑھنے میں حرج نہیں ہے، البتہ اس میں ایک شرط کی رعایت ضروری ہے اور وہ ہے میت کے پھٹنے سے پہلے پہلے تک نماز درست ہے، اتنے دنوں تک تاخیر کرنا کہ میت پھول پھٹ گئی درست نہیں ہے، بعض فقہاء کرام نے صراحۃ یہ بات لکھی ہے، چنانچہ علامہ حصکفی نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''**مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير**''(الدر المختار مع الرد ۳/۱۲۵)۔

قاضی خان نے بھی یہ بات لکھی ہے اور لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے تین دن کی بات لکھی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایام کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ گمان غالب کا اعتبار ہے، قاضی خاں رقم طراز ہیں: "**ولو دفن المیت قبل الصلاۃ أو قبل الغسل، فإنه یصلی علی قبره إلی ثلاثة أیام، والصحیح :أن هذا لیس بتقدیر لازم، بل یصلی علیه مالم یعلم أنه قد تمزق، کذا في السراجیه**" (الفتاوی الخانیۃ مع الہندیہ ۷/۲۲۶)۔

خلاصہ یہ کہ علامہ حصکفی اور قاضی خان کی وضاحت کی روشنی میں کرونا زدہ لاش پر قبر میں دفن کے بعد نماز پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ یہ نماز لاش کے پھٹنے سے پہلے پہلے ہو۔

ب- عام حالات میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کی رائے ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے، البتہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے میں غایب میت کی نماز جنازہ درست ہے، ان حضرات کا استدلال وہ روایت ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے غائبانہ پڑھائی تھی، جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں بس یہی واقعہ ثابت ہے، اس کے علاوہ متعدد واقعات پیش آئے، لیکن آپ ﷺ نے کبھی نماز غائبانہ نہیں پڑھی، اگر اس کی مشروعیت مقصود ہوتی تو پھر بعد میں بھی پڑھنا ثابت ہوتا، فقہاء شافعیہ میں سے وکیل شوافع امام نووی اپنے مسلک اور دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**تجوز الصلاۃ علی المیت الغائب لماوری أبوهریرة أن النبي ﷺ نعی النجاشي لأصحابه وهو بالمدینة وصلی علیه وصلوا خلفه**" (المجموع شرح المہذب ۵/۲۵۰)۔

مشہور حنبلی امام وفقیہ ابن قدامہ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**تجوز الصلاۃ علی الغائب في بلد آخر بالنیة بعیدا کان البلد أوقریبا، فیستقبل القبلة ویصلي علیه کصلاته علی الحاضر**" (الشرح الکبیر ۲/ ۳۵۴، بیروت)۔

مذکورہ بالا نقاط نظر شافعیہ اور حنابلہ کے ہیں، حنفیہ اور مالکیہ ان کے مستدل کی توجیہ یہ کرتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی اور بطور معجزہ آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، یہی وجہ ہے دوبارہ آپ ﷺ سے غائبانہ نماز پڑھنا ثابت نہیں، غور کیا جائے تو معلوم ہوگا حنفیہ اور مالکیہ کا نقطہ نظر زیادہ احتیاط اور اعتدال پر قائم ہے، مالکیہ میں سے مشہور مالکیہ فقیہ علامہ دسوقی نے اپنے مسلک اور فریق مخالف کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

"**ولایصلی علی غائب أي یکره، وأما صلاته علیه الصلاۃ والسلام وهو بالمدینة النجاشي لما بلغ موته بالحبشة فذلک من خصوصیاته أوأن صلاته لم تکن علی غائب لرفعه له حتی رآه فتکون**

صلاته عليه كصلاة الإمام على ميت رآه، ولم يكن يره المأمون ولا خلاف في جوازها"(حاشیۃ الدسوقی ۱/۶۶۹ دار الفکر)۔

بالکل اسی قسم کی بات علامہ حصکفی اور علامہ شامی نے مل کر لکھی ہے، حصکفی لکھتے ہیں:

"**فلا تصح على غائب......وصلاة النبي ﷺ لغوية أو خصوصية**"(الدر المختار مع الرد ۳/۱۰۵)۔

اسی عبادت کی شرح میں شامی لکھتے ہیں اور تقریبا وہی بات لکھتے ہیں جو اوپر دسوقی نے لکھی ہے:"**أو خصوصية أو لأنه رفع سريره حتى رآه عليه الصلاة والسلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه على الميت يراه الإمام وبحضرته دون المأمومين، وهذا غير مانع من الاقتداء**"(رد المحتار علی الدر المختار ۳/۱۰۵)۔

خلاصہ یہ کہ فقہاء احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہی نہیں ہے، اس لئے نہ عام حالات میں درست ہے اور نا ہی خاص حالات میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے بھی اس سلسلے میں مستقل اسوہ نہیں ملتا ہے، حالانکہ ان کے زمانے میں بھی خاص وعام ہر طرح کے حالات پیش آئے اس لئے فقہاء احناف ومالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز مشروع نہ ہونے کی وجہ سے کرونا سے وفات یافتہ شخص کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

☆☆☆

کورونا کی وجہ سے پیدا ہونے والے اہم مسائل

مولانا عبید اللہ ندوی☆

کورونا کے ماحول میں نمازِ جمعہ:

کورونا کے ماحول میں گھروں میں اقامت جمعہ کا مدار ایک مسئلہ پر ہے، اور وہ یہ کہ کیا صحت جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

۱- مالکیہ کے یہاں مسجد کا ہونا شرط ہے، چنانچہ ''منح الجلیل شرح مختصر خلیل'' میں ہے: ''**وشرط صحة الجمعة وقوعها بجامع**'' (منح الجلیل شرح مختصر خلیل ۱/۴۲۶)۔

۲- دوسرا قول جمہور علما احناف وشوافع اور حنابلہ کا ہے، کہ نماز جمعہ مسجد کے علاوہ کسی بھی جگہ قائم کی جاسکتی ہے، لہذا جمعہ کا قیام ایسے گاؤں میں بھی ہوسکتا ہے جہاں مسجد نہ ہو، نیز آبادی کے قریب صحراء میں بھی ہوسکتا ہے، اور ہر ایسی جگہ جہاں لوگوں کا اجتماع ممکن ہو چاہے وہاں مسجد نہ پائی جاتی ہو (دیکھئے بدائع الصنائع کاسانی ۱/۲۵۸ روضۃ الطالبین للنووی ۲/۱۳ المغنی ابن قدامہ ۲/۲۱۸)۔

اسکی دلیل حضرت عبد الرحمان بن کعب بن مالک کا اثر ہے، وہ اپنے ابا کی بینائی چلے جانے کے بعد ان کے رہبر تھے، وہ اپنے ابا حضرت کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں: ''**أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لاسعد بن زرارة،فقلت له:إذا سمعت النداء ترحمت لاسعد بن زرارة،قال: لأنه أول من جمَّع بنا فى هَزْم النَّبِيت، من حرة بنى بياضة فى نقيع،يقال له:نقيع الخَضِمات،قلت: كم انتم يومئذ؟قال:أربعون**''

(جب وہ (کعب بن مالک) جمعہ کے دن اذان کی آواز تو حضرت اسعد بن زرارہؓ کے لئے رحمت کی دعا کرتے، میں نے عرض کیا (ابا جان) کیا بات ہے جب آپ اذان کی آواز سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہ کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''**هزم النبيت**'' (مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر حرّہ بنو بیاضہ

☆ استاد حدیث وادب دار العلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات۔

میں سے ایک جگہ کا نام ہے) میں ہم سب کو جمعہ کے لئے جمع کیا اور جمعہ پڑھائی، جسے نقیع خضمات (مدینہ منورہ کے نواحی میں ایک جگہ ہے) کہا جاتا ہے، میں نے پوچھا آپ لوگ اس دن کتنے تھے؟ فرمایا: چالیس)(ابوداود کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ فی القری رقم:۱۰۶۹)۔

معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں ہے اگر مسجد کی شرط ہوتی تو اسعد بن زرارہؓ کی طرف سے ''نقیع خضمات'' میں اقامت جمعہ صحیح نہیں ہوتی۔

راجح یہ ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ وجوب کی کوئی صحیح دلیل نہیں پائی جاتی ہے، لہذا جمعہ کی نماز خارج مسجد صحیح ہوگی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اب ہم اصل مسئلہ پر آتے ہیں، گھروں اور مکانات میں اقامت جمعہ کے سلسلہ میں علماء کے دوقول ہیں جبکہ مشروط تعداد - دو یا تین یا بارہ یا چالیس - پائی جائے:

الف: گھروں، جیلوں اور اس طرح کے دیگر مقامات میں لوگوں کے لئے نماز جمعہ مشروع ہے، اور یہ بات انھوں نے امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت سے اخذ کیا ہے جو ان کے صاحبزادے ابوالفضل صالح نے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: ''**وسألته عن الصلاة يوم الجمعة اذا أخروها؟ فقال: يصليها لوقتها، و يصليها مع الامام**'' (مسائل الامام احمد بن حنبل ۱/۱۵۶)۔

یہی ابن حزم ظاہری، اور بعض شوافع کا قول ہے (دیکھئے المحلی لابن حزم ۳/۲۵۲ الفتاوی الفقہیۃ الکبری، ابن حجر ہیثمی ۱/۲۵۹)، البتہ حنابلہ نے چالیس کی تعداد کی شرط لگائی ہے۔

''التعلیق الکبیر'' میں ہے: ''**و قد أخذ أحمدؒ بظاهر هذا الحديث فى الجمعة، أى حديث: أنه ستكون عليكم امرائى وخرون الصلاة عن ميقاتها**'' (مسلم، کتاب الصلاۃ، رقم: ۶۴۸، التعلیق الکبیر، قاضی ابو یعلی ۳/۲۸۱) (اور امام احمد نے جمعہ کے تعلق سے اس حدیث کے ظاہر کو لیا ہے (تمہارے اوپر ایسے حکمراں مسلط ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں گے)۔

نیز ''المحلی'' میں ہے: ''**و يصليها المسجونون، والمختفون ركعتين فى جماعة بخطبة كسائر الناس،، وفيه أيضاَ: ولو صلاها الرجل المعذور بامرأته ركعتين، وكذالك لو صلاها النساء**'' (المحلی ابن حزم، ۳/۲۵۲-۲۵۳) (اور قیدی اور چھپے ہوئے (under ground) لوگ خطبہ کے ساتھ دو رکعت عام لوگوں کی طرح پڑھیں گے،، نیز اسی میں ہے: اگر معذور شخص اپنی بیوی کے ساتھ پڑھے تو دو ہی رکعت پڑھے گا، اسی طرح عورتیں اگر

جماعت کے ساتھ پڑھیں تو دو ہی رکعت پڑھیں گی)۔

قائلین جواز کے دلائل:

ان حضرات نے دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے:

۱- ان نصوص کے عموم سے جن میں اقامت جمعہ کا حکم دیا گیا ہے، مساجد کی شرط نہیں لگائی گئی ہے، اور گھروں وغیرہ کا استثناء نہیں کیا گیا ہے۔

۲- گھروں میں پنج وقتہ نماز با جماعت پر قیاس کیا ہے کہ جب ضرورتاً پنج وقتہ نماز باجماعت گھروں میں پڑھی جاسکتی ہے تو جمعہ بھی اسی طرح ایک نماز ہے وہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

مگر قائلین جواز کی یہ دونوں درست نہیں معلوم ہوتی ہیں، جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے جس میں ان نصوص کے عموم سے استدلال کیا گیا ہے جن سے اقامت جمعہ کا حکم سمجھ میں آتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان عموم نے یہ واضح کر دیا کہ نماز جمعہ ایک مخصوص اور متعین کیفیت کے ساتھ مشروع ہے، اور جب اس کیفیت کا حصول دشوار ہو جائے تو اس کا بدل نماز ظہر مشروع ہوگا، اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر جمعہ کا قیام دشوار ہو جائے تو ظہر اس کا بدل ہوگا۔

اور جہاں تک بات ہے ''ضرورت کے وقت گھروں میں پنج وقتہ نماز با جماعت پر قیاس'' کرنے والی دلیل کی، تو یہ قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ نماز جمعہ ایک مخصوص نماز ہے، اس کی اپنی متعین شرائط ہیں جو پنج وقتہ نماز پر منطبق نہیں ہوتی ہیں۔

ب: گھروں، جیلوں اور اس طرح کے دیگر مقامات میں نماز جمعہ مشروع نہیں ہیاور یہی عام سلف کا مسلک ہے، بلکہ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے (دیکھئے فتح الباری، ابن رجب ۸/ ۶۸)، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی نماز گھر میں جماعت سے پڑھی جائے گی یا تنہا؟ تو اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ بغیر ضرر کے اگر جماعت کے ساتھ پڑھنا ممکن ہو تو جماعت کے ساتھ پڑھیں گے، چنانچہ ابن رجب فرماتے ہیں:

”و قد أشار بعض المتأخرين من الشافعية إلى معنى آخر من الامتناع من إقامتها بمكة، و هو أن الجمعة إنما يقصد باقامتهاإظهار شعار الإسلام، وهذا إنمايتمكن منه فى دار الإسلام، و لهذالا تقام الجمعة فى السجن، وإن كان فيه أربعون، و لا يعلم فى ذالک خلاف بين العلماء“ (حوالہ سابق) (اور بعض متاخرین شوافع نے مکہ مکرمہ میں اقامت جمعہ کے بارے میں ایک دوسرے مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے، اور وہ یہ کہ اقامت جمعہ کا مقصد شعار اسلام کا اظہار ہیاور اس کے اظہار پر قدرت صرف دار الاسلام میں ہی ہوسکتی ہے، لہذا جیل میں جمعہ قائم

نہیں کیا جائے گا اگر چہ چالیس افراد ہی کیوں نہ ہوں، اور اس بارے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف معلوم نہیں ہوتا ہے)۔

راجح قول:

درج ذیل دلائل کی بنیاد پر علماء سلف وخلف کا مسلک میرے نزدیک راجح ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز گھروں میں مشروع نہیں ہے، بلکہ ظہر کی نماز پڑھی جائے گی:

۱-سلف کے زمانہ سے اس پر تعامل نہیں رہا ہے، حالانکہ ان کو گھروں میں اقامت جمعہ کی ضرورت تھی، نیز اللہ نے ظہر کو جمعہ کا بدل بنایا ہے، اور کوئی ایسی صریح دلیل نہیں ہے جو اس کے مقابل ہو۔

۲-گھروں میں جمعہ قائم کرنے سے اس کے مقاصد پورے نہیں ہونگے، مثلاً جمعہ کے لئے سعی، محلے یا شہر والوں کا اسکی ادائیگی لئے ایک جگہ جمع ہونا وغیرہ، نیز یہ اسلام کے ظاہری شعار میں سے ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ اس کا اعلان واظہار ہوتا کہ لوگ حاضر ہوسکیں، اور گھروں میں اس کی ادائیگی اس کو منافی ہے(المبسوط، سرخسی ۲/ ۱۲۳ المجموع، نووی ۴/ ۵۰۱ المغنی ابن قدامہ ۲/ ۲۷۵)۔

۳-صحت جمعہ کی شرائط میں سے بعض اہل علم کے نزدیک اذن امام ہے، اور اس بنیاد پر بغیر اذن امام گھروں نماز جمعہ نہیں پڑھی جاسکتی ہے(دیکھئے بدائع الصنائع، کاسانی ۱/ ۲۶۱)۔

۴-جمہور علماء کے نزدیک معروف یہ ہے کہ بغیر کسی معتبر عذر کے-مثلاً مسجد تنگ ہو اور لوگ زیادہ ہوں، یا آپس میں عداوت ہو، وغیرہ ذلک- ایک شہر میں تعدد جمعہ جائز نہیں ہے، تو ہر گھر میں اقامت جمعہ کا تعدد بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا(حوالہ سابق ۱/ ۲۶۰، حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۳۷۴، المحلی علی المنہاج ۱/ ۲۷۲، المغنی ابن قدامہ ۲/ ۲۷۷، ۲۷۸)۔

۵-اکثر علماء معاصرین کی رائے گھروں عدم اقامت جمعہ کی ہے، قائلین جواز کی تعداد بہت کم ہے، اور انھوں نے کوئی مضبوط دلیل نہیں پیش کی ہے۔

۶-آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز مخصوص صفت اور ہیئت پر پڑھی ہے، اور اپنے فعل سے قرآن کریم کے مجمل "**فاسعوا إلى ذكر الله**" کی وضاحت فرمائی ہے، جیسا کہ بعض دوسرے حالات میں گھروں میں ادائیگی جمعہ پر قدرت کے باوجود اسے ترک بھی کیا ہے اور شرعاً آپ ﷺ سے ترک جمعہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ ہی اس کے اصل مخاطب تھے، نیز نہ آپ ﷺ سے، نہ صحابہ کرام سے، نہ ہی بعد کے لوگوں سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے جمعہ کی نماز قدرت کے باوجود اس کی کی غیر ہیئت اور صفت پر پڑھی ہو خواہ ایک بار ہی کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اہل عوالی جمعہ کے

دن جمعہ کی نماز مسجد نبوی میں پڑھنے کے لئے اپنی مسجدوں میں تالا لگادیتے تھے،اس لئے کہ ان کو اپنے گھروں یا مسجدوں میں اقامت جمعہ کی اجازت نہیں تھی۔

۷-گھروں اقامت جمعہ کے جواز کا قول احناف کی رائے کے مطابق اس تعداد پر توفٹ ہوتی ہے جس سے جمعہ منعقد ہوجائے،لیکن ظاہر سی بات ہے صرف یہ کافی نہیں ہے،جب تک کہ احناف کے بقیہ شرائط نہ پائے جائیں،مثلا کسی کھلی ہوئی جگہ میں ہواور اذن عام ہو،آنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے دروازہ کھلا ہو،اور ظاہر ہے کہ یہ شرط متحقق نہیں ہوتی ہے،گھروں میں جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کا قول کا مدار تلفیق بین المذاہب الفقہیہ پر ہے،جو کسی بھی مسلک کے شرائط سے میل نہیں کھاتی ہے،اور یہ صورت علماء کے نزدیک نا قابل قبول ہے۔

۸-گھروں میں اقامت جمعہ کا قول" قول محدث" ہے،جواز روئے حدیث:"**من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد**"(بخاری،مسلم) ناجائز ہے،کیونکہ کورونا کوئی نئی آفت اور بیماری نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے نماز کی ایسی کوئی شکل گڑھ لی جائے جس کا کوئی قائل نہیں ہے،چنانچہ تاریخ میں ایک نہیں کئی بار ایسا ہوا ہے کہ جمعہ اور جماعت تو موقوف کردی گئی ہیں،لیکن کسی سے بھی عہد نبوی اور مابعد کے ادوار کے خلاف اقامت جمعہ کا قول منقول نہیں ہے،چنانچہ امام ذہبی لکھتے ہیں:"**وكان القحط عظيما بمصر و بالأندلس وما عهد قحط ولا وباء مثله بقرطبة،حتى بقيت المساجد مغلقةبلا مصلٍّ وسمى عام الجوع الكبير**"(سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۳۸)(اور مصر و اندلس میں قحط بڑا زبردست تھا،قرطبہ میں اس جیسا قحط اور وباء دیکھنے میں نہیں آئی،یہاں تک کہ مساجد مقفل کردئے گئے کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہا اور اس سال کو بڑی بھوکمری کا سال کہا جاتا تھا)۔

مقریزی تحریر کرتے ہیں:"**و بطلت الأفراح وا لأعراس من بين الناس،فلم يعرف أن أحداً عمل فرحاَ فى مدة الوبائو لا سمع صور غناءِ،و تعطل الأذان من عدة مواضع،و بقى فى المشهوربأذان واحد،وغلقت أكثر المساجدو الزوايا**"(السلوک لمعرفۃ دول الملوک ۴/۸۸)(شادیاں اور تقریبات لوگوں کے درمیان سے ختم ہوگئے،چنانچہ وباء کی مدت میں کسی نے کوئی خوشی کی تقریب منائی ہو یا گانے کی آواز سنی ہو،علم نہیں آیا،کئی جگہوں پر اذان بند کردی گئیں صرف ایک جگہ باقی رہی،اور اکثر مساجد وخانقاہوں میں تالا لگادیا گیا)۔

ابن حجر فرماتے ہیں:"**وفى أوائل هذه السنة وقع بمكة وباء عظيم بحيث مات فى كل يوم أربعون نفساَ وحصر من مات فى ربيع الاول ألفاَو سبع مأة،و يقال إن إمام المقام لم يصل معه فى تلک الايام إلا إثنين،و بقية الأئمة بطلوا،لعدم من يصلى معهم**"(إنباء الغمر بأبناء العمر ۳/۳۲۶)(اور اس سال

کے اوائل (یعنی سن ۸۲۷ھ) میں مکہ مکرمہ میں بہت بڑی وباء پھیلی، ہر روز اس کی وجہ سے چالیس لوگ مرتے تھے، اور ماہ ربیع الاول میں مرنے والوں کی تعداد ایک ہزار سات سو شمار کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ محلے کے امام کے ساتھ صرف دو لوگ ہی نماز پڑھتے تھے، بقیہ ائمہ بیکار سے ہو گئے تھے، اس لئے کہ ان کے ساتھ کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے)۔

۹- جمہور فقہاء ایک ہی شہر میں تعدد جمعہ سے منع کرتے ہیں (جمعہ کے معنی تکثیر واجتماع اور ملاقات) کو باقی رکھنے کے لئے، اور مساجد میں تکثیر جماعت اس کے منافی ہے، شیخ تقی الدین سبکیؒ نے اس مسئلہ سے متعلق "**الاعتصام بالواحد الأحدمن إقامة جمعتين فی بلد**" نامی مستقل ایک رسالہ لکھا ہے، اور بلا ضرورت عدم تعدد جواز والے قول کو ترجیح دی ہے، پھر فرمایا ہے: "**وأما تخيل أن ذلک-أی تعدد الجمعة-يجوز فی كل المساجدعند عدم الحاجة،فهذا من المنكر بالضرورة فی دين الإسلام**" (فتاوی السبکی ۱/۱۸۰) (اور جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے کہ یہ-یعنی تعدد جمعہ)۔

بغیر ضرورت ہر مسجد میں جائز ہے، تو یہ دین اسلام میں ایک منکر ہے،، قابل غور بات یہ ہے کہ جب مساجد میں تعدد جمعہ درست نہیں تو گھروں میں کیسے درست ہوسکتا ہے، اور جب فقہاء ایک ہی شہر میں تعدد جمعہ سے منع کرتے ہیں حالانکہ وہ مسجد میں، امام اور مجمع کثیر کی موجودگی میں ادا کی جاتی ہے تو وہ گھروں میں، بغیر امام (مسجد) وہ بھی تین چار افراد کی موجودگی میں تعدد جمعہ کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں؟ اور کیا یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ ایک ایک گاؤں اور ایک ایک محلے میں دسیوں، بیسیوں جمعہ قائم کئے جائیں؟۔

۱۰- اصل ضرورت پر قول جواز کی بنیاد رکھنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ضرورت کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مکلّف اس کا مخاطب ہو، اور صحیح بات یہ ہے کہ عذر کورونا کیوجہ سے تکلیف ساقط ہے، بلکہ تکلیف تو اس بھی کم درجہ کے اعذار سے ساقط ہوجاتی ہے، جیسے بارش، آندھی، سخت ٹھنڈی اور خوف وغیرہ، نیز گھروں میں اقامت جمعہ کی اجازت کی صورت میں نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ بیماری اور آفت ختم ہونے کے بعد بھی اسی پر قائم رہیں اور مسجد جانے کو حقیر سمجھنے لگیں، نیز جن علماء معاصرین نے اس کی اجازت دی ہے انھوں نے اپنے فتاوی کی بنیاد آفت اور بیماری پر نہیں رکھی ہے، بلکہ ان عام فقہی اقوال پر رکھی ہے جو ہر احوال واوقات پر صادق آتے ہیں۔

۱۱- علماء نے جمعہ اور عرفہ کے درمیان موازنہ اور تقابل کیا ہے اور صرف لوگوں کے اجتماع اور دعا کیوجہ سے فضیلت کا حکم لگایا ہے چنانچہ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "**صلاة الجمعة التی هی من آكد فروض الاسلام، و من آعظم مجامع المسلمين، و هی آعظم من كل مجمع يجتمعون فيه، و أفرضه سوی مجمع عرفة**" (نماز جمعہ جو کہ

اسلام کے اہم تاکیدی فرائض میں سے ہیاور مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہے، وہ ہر اس مجمع سے بڑا ہے اور فرضیت کا حامل ہے جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں، سوائے عرفہ کے مجمع کے) تو کیا اس طرح کا فریضہ گھروں میں، وہ بھی دو تین لوگوں سے ادا ہوسکتا ہے؟

۱۲- اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنی قرارداد میں لکھا ہے: مساجد بند ہونے کی صورت میں لوگ جمعہ کی نماز گھروں ظہر کی نیت سے پڑھیں گے، کیونکہ گھروں میں جمعہ جائز نہیں ہے اور گھروں میں جمعہ پڑھ لینے سے فرضیت ساقط نہیں ہوگی (دیکھئے: توصیات الندوة الطبیة الفقهیہ الثانیة للعام ۲۰۲۰ م- بعنوان: فیروس کورونا المستجد (کوفید-۱۹) وما یتعلق بہ من معالجات طبیة و أحکام شرعیة)۔

خلاصہ یہ کہ نماز جمعہ اپنی معروف صورت وشرائط کے ساتھ مفاخر اسلام میں شمار کی جاتی ہے، اواہل اسلام پر اللہ کی ایک نعمت ہے، ابن قیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں لکھا ہے کہ نماز جمعہ دیگر نمازوں کے مقابلہ تینتیس خصوصیات سے مخصوص کی گئی ہے مثلاً اجتماع، مخصوص تعداد اقامت کے شرائط وغیرہ، اور گھروں میں اقامت جمعہ کی اجازت دینا ان امتیازات وخصوصیات کوختم کرنے کے مرادف ہوگا، لہذا ائمہ اور عامة المسلمین پر ضروری ہے کہ جمعہ کی مخصوص شرعی صفات اور صورت کو لازم پکڑیں، اور اس کو کسی ایسی صورت میں ہرگز تبدیل نہ کریں جو کسی بھی صورت فقہاء اولین مراد نہیں تھی۔

مسجد میں ایک ہی جماعت کے علاوہ جو لوگ رہ جائیں وہ گھروں میں جماعت بناسکتے ہیں، اسی طرح مجمع کم کرنے کے لئے جماعت ثانیہ کا اہتمام کیا جاسکتا ہے، جماعت ثانیہ عام حالات میں فقہاء احناف کے یہاں مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر ہیئت اولی پر نہ ہو تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں اجازت ہے، چنانچہ شامی میں ہے: "**وعن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الاولى، لا تكره، وإلا تكره، و هو الصحيح**" (فتاوی الشامی ۱/ ۵۵۳) (امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر جماعت ہیئت اولی پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے ورنہ (یعنی اگر ہیئت اولی پر ہو تو) مکروہ ہوگی اور یہی صحیح ہے،، نیز جماعت ثانیہ کہ کراہت کی علت تقلیل جماعت ہے یعنی کہ پہلی جماعت میں مجمع کم ہو جائے گا اس لئے دوسری جماعت کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہاں تو مجمع کم کرنا ہی مقصود ہے اس لئے یہاں پر جماعت ثانیہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے)۔

کورونا سے وفات پانے والے میت کی تغسیل وتکفین کا حکم:

جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ فتاوی واحکام زمان ومکان اور ظروف واحوال کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں اور فقہ اسلامی میں ایسے اصول وقواعد پائے جاتے ہیں جو استثنائی صورتحال اور ضرورت کے حالات کی رعایت کرتے ہیں، مثلاً:

"الضرورات تبیح المحظورات"اور"المشقة تجلب التیسیر""لا تکلیف إلا بالمقدور" اوران تمام قواعداور ان کے نظائر وفروع کی بنیادنصوص پر ہے جیسے اللہ کا ارشاد:"لا یکلف الله نفسا إلا وسعها"،"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"(سورۂ حج:۷۸)،اورآپ ﷺ کا یہ ارشاد:"یسروا ولا تعسروا" (حدیث)وغیرہ۔

ان ہی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کورونا سے وفات پانے والے مسلم میت کے غسل اور جنازے کے متعلق آراء تحریر کرتے ہیں:

مسلمان میت کی تغسیل کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جمہور فقہاء وجوب کے قائل ہیں، جبکہ احناف و مالکیہ کے ایک قول کے مطابق تغسیل میت سنت مؤکدہ ہے، اور سبب اخلاف یہ ہے کہ غسل عمل سے ثابت ہے نہ کہ قول سے، اور عمل میں کوئی ایسا صیغہ نہیں ہوتا جس وجوب یا عدم وجوب سمجھا جائے، بہر حال راجح یہی ہے کہ میت کو غسل دینا عام طبعی احوال میں واجب ہے، البتہ استثنائی صورتحال میں جیسے طاعون، وباء اور کورونا وغیرہ میں ترک تغسیل وتیمّم جائز ہوگا۔

یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ کورونا سے وفات پانے والے کو غسل اور تیمّم دینے والا تعدی کے خطرے سے محفوظ نہیں ہے جیسا کہ ادارۂ صحت کا بیان ہے، قواعد فقہیہ اور نصوص شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صحیح اور تندرست زندہ انسان کی زندگی کی حفاظت کو میت کے حق میں سنت یا واجب کی ادائیگی پر مقدم رکھا جائے گا، اور اس سلسلہ میں غلبۂ ظن کافی ہوگا، (یعنی یہ گمان غالب ہو کہ غسل دینے والوں کو جراثیم منتقل ہوجائیں گے اور بیماری لگ جائے گی) اور اس وائی صورت میں میت کو اس طرح (بغیر غسل وتیمّم) دفن کرنے سے ثواب کم نہیں ہوگا، اور گھر والے اور مسلمان شرعاً ذمہ سے بری ہوجائیں گے، کیونکہ بعض نصوص ایسے ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ عند اللہ شہید ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:"فلیس من عبد یقع فی الطاعون فیمکث فی بلده صابراً یعلم أنه لا یصیبه إلا ما کتب الله له إلا کان له مثل أجر الشهید"(رواہ البخاری) (جو بندہ بھی طاعون میں مبتلا ہوا اور صبر کر کے اپنے ہی شہر میں ٹھہرا رہا اس یقین کے ساتھ کہ اللہ نے جو مقدر میں لکھ دیا ہے وہ لاحق ہو کے رہے گا، تو اس کو شہیدوں جیسا اجر ملے گا)۔

نماز جنازہ:

نماز جنازہ میت کا حق ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک فرض کفایہ ہے، اگر بعض لوگ ادا کرلیں تو بقیہ مکلفین کی طرف سے ساقط ہوجائے گا، اور قانوناً جن کو اجازت ہو ان کا پڑھ لینا کافی ہوگا، خواہ وہ دوتین ہی ہوں، بلکہ بعض علماء کی رائے تو یہاں تک ہے کہ اگر ایک مکلّف مرد یا عورت بھی نماز پڑھ لیتے ہیں تو وجوب ساقط ہوجائے گا، جیسا کہ احناف، شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے، چنانچہ" فتاوی ہندیہ" میں ہے:"و الصلاة علی الجنازة تتأدی بأداء الإمام وحده، لأن

الجماعة ليست بشرط للصلاةعلى الجنازة،كذا فى النهاية"(الفتاوی الہندیہ الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت ۱/۱۶۲)۔

(نماز جنازہ تنہا امام کے پڑھ لینے سے ادا ہو جاتی ہے،اس لئے کہ نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں ہے،، نیز اسی میں ہے:"**الصلاة على الجنازة فرض كفاية إذا قام به البعض واحدا كان أو جماعة ذكرا كان أو أنثى سقط عن الباقين،وإذاترک الكل أثموا،هكذا فى التتار خانية**"(حوالہ سابق)(نماز جنازہ فرض کفایہ ہیا گر کچھ لوگ اس کو ادا کرلیں خواہ ایک ہو یا پوری جماعت، مرد ہو یا عورت،تو بقیہ کی طرف سے ساقط ہے جائے گا،اور اگر سب نے چھوڑ دی تو سب گنہگار رہوں گے)۔

لہذا کورونا سے فوت ہونے والے شخص کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جائے گی جیسے دوسرے امراض میں فوت ہونے والوں کی پڑھی جاتی ہے،البتہ بسا اوقات طبی عملہ کورونا کے میت کو خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کرتا ہے،اور لاش متعلقین کے حوالہ نہیں کرتا، یا کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ بعض اوقات تدفین کی خبر دیتا ہےاور جگہ بتا دیتا ہے،اور کبھی تو جگہ بھی نہیں بتاتا،تو ایسی صورت میں:

الف:اگر متعلقین کو قبرستان اور قبر کا علم ہو جائے، یا طبی عملہ میت کو حوالہ کردے مگر دفن کے علاوہ مزید کسی چیز کی اجازت اور موقع نہ دے،تو مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر قبر پر اس کی نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے:

۱-" **عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلى على قبرٍ**"(صحیح مسلم ۱/۳۰۵ رقم الحدیث:۹۵۵)(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نماز (جنازہ) پڑھی ہے)۔

۲-"**عن جابر رضی اللہ عنہ أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم صلى على قبر إمرأة بعد ما دفنت**"(نسائی،رقم:۲۰۲۷)(حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پر تدفین کے بعد نماز جنازہ ادا کی)۔

۳-" **عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ أن رجلا أسود أو امرأة سوداء كان يقمّ المسجد،فمات،فسأل النبى صلی اللہ علیہ وسلم عنه، فقالوا: مات، قال: أفلا كنتم آذنتمونى به دلونى على قبره،أو قال: قبرها،فأتى قبره فصلى عليه**"(صحیح البخاری،باب کنس المسجد رقم:۴۲۶ کتاب الجنائز رقم:۱۳۳۷)(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالا مرد یا کالی عورت مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی،ان کی وفات ہوگئی ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں پوچھا،صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تو انتقال ہوگیا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم نے مجھ کو خبر کیوں نہیں دی؟ مجھے ان کی قبر کا پتہ بتاؤ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور جنازہ کی نماز پڑھی)۔

معلوم ہوا کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ لاش پھٹی نہ ہو،اور جب تک اس بات کا غالب گمان ہو کہ لاش نہیں پھٹی ہوگی اس وقت تک نماز جنازہ پڑھنا فرض ہوگا،اور اگر لاش کے پھٹ جانے کا غالب گمان ہوتو جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی،اور ایسی صورت میں جنازہ نہ پڑھنے والے گنہگار ہوں گے،انھیں کثرت سے توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہئے۔

اور راجح قول کے مطابق لاش پھٹنے کا کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے،کیونکہ موسم،جگہ،اور میت کے موٹے اور پتلے ہونے کی وجہ سے مدت مختلف ہوسکتی ہے،چنانچہ ''رد المحتار'' میں ہے:'' **(وإن دفن)وأهيل عليه التراب (بغير صلاة)أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له(صلى على قبره)استحسانا،ما(لم يغلب على الظن تفسخه)من غير تقدير هو الأصح......لأنه يختلف باختلاف الأوقات حراَوبرداَوالميت سمنا وهزالا والأمكنة...... إلخ**''(ردالمحتار،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنازۃ ۳/۱۴۶-۴۷)۔

(اور ہندیہ میں ہے:''**ولو دفن الميت قبل الصلاةأو قبل الغسل فإنه يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام،و الصحيح أن هذا ليس بقدير لازم بل يصلى عليه ما لم يعلم أنه قد تمزق،كذا فى السراجية**''(فتاوی ہندیہ،کتاب الصلاۃ،الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت ۱/۶۵)(اور اگر میت کو نماز سے قبل (جنازہ پڑھے بغیر) یا غسل سے قبل دفن کر دیا گیا تو تین دن تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے،لیکن صحیح یہ ہے کہ (تین دن کا) اندازہ لازم نہیں ہے بلکہ اسوقت تک قبر پر نماز پڑھی جاسکتی ہے جب تک لاش پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو''سراجیہ'' میں مسئلہ اسی طرح ہے)۔

اور اگر لاش کے پھٹ جانے میں شک وشبہ ہوتو ایسی صورت میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

مسئلہ کی یہ تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ قبر پر مٹی ڈال دی گئی ہو،اگر ابھی مٹی نہیں ڈالی گئی ہے اور پتہ چل جائے تو لاش کو نکالیں گے اور غسل و جنازہ پڑھ کر تدفین کریں گے۔

خلاصہ بحث:

جمعہ یا جماعت ثانیہ کی اجازت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ہوسکتی ہے:

۱-اذان واقامت کا اعادہ نہ کیا جائے۔

۲-پہلی جماعت کی جگہ بھی چھوڑ دی جائے۔

۳-روزانہ یا ہمیشہ کے لئے اس کو معمول نہ بنایا جائے۔

۴-تداعی (لوگوں کو بلانا یا ترغیب دینا) نہ ہو۔

۵-امام علاحدہ ہو۔

ایسی مسجدیں جن میں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور مقتدی معلوم ہوں، نیز جماعت کے اوقات بھی متعین ہوں اور وہاں پنجوقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو تو ایسی مسجد میں ایک مرتبہ اذان واقامت کے ساتھ محلے والوں یا اہل مسجد کے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرلینے کے بعد دوبارہ نماز کے کے لئے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، وجہ یہ ہے کہ دوسری جماعت سے لوگوں کے دلوں سے پہلی جماعت کی اہمیت وعظمت ختم ہوجائے گی اور پہلی جماعت کے افراد بھی کم ہوجائیں گے نیز جماعت میں کثرت بھی مطلوب ہے، جبکہ ایک سے زائد جماعت کرنے میں کثرت کے بجائے قلت اور تفریق ہے۔

روایات میں آتا ہے: ”**عن أبی بکرۃأن رسول اللہ ﷺأقبل من نواحی المدینۃیرید الصلاۃ، فوجد الناس قد صلوا،فمال إلی منزلہ،فجمع أھلہ فصلی بھم**“ (طبرانی المعجم الاوسط، رقم ۴۶۰۱) (حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ کے مضافات سے تشریف لائے، نماز ادا کرنا چاہتے تھے، لیکن معلوم ہوا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو جمع کیا اور (جماعت سے) نماز پڑھائی)۔

”**عن عبد الرحمن بن المجبر قال:دخلت مع سالم بن عبد اللہ مسجد الجمعۃ، وقد فرغوا من الصلاۃ،فقالو ا:ألا تجمع الصلاۃ؟فقال سالم:لا تجمع صلاۃ واحدۃ فی مسجد واحد مرتین**“ (إعلاء السنن ۴/ ۲۸ط: إدارۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی) (حضرت عبدالرحمٰن بن مجبرؒ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سالم بن عبداللہ کے ساتھ مسجد جمعہ میں داخل ہوا، وہ لوگ نماز سے فارغ ہوچکے تھے، انھوں کہا کیا آپ جماعت نہیں کریں گے؟ تو حضرت سالم نے فرمایا: ایک ہی مسجد میں ایک ہی نماز کی دوبار جماعت نہیں ہوتی ہے)۔

البتہ ایسی مساجد جو راستوں پر بنی ہیں اور ان میں امام مقرر نہیں ہوتا، جہاں مسافر آکر اپنی جماعت کرتے ہیں تو اس قسم کی مساجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اسی نوعیت کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”جس مسجد میں پنج وقتہ جماعت اہتمام وانتظام سے ہوتی ہو، اس میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے، اور مسجد میں ایک وقت کی فرض نماز ایک ہی جماعت مطلوب ہے، حضور انور ﷺ کے زمانۂ مبارک اور خلفاء اربعہ اور صحابہؓ کرامؓ کے زمانوں میں مساجد میں صرف ایک ہی مرتبہ جماعت کا معمول تھا، پہلی جماعت کرنے کے بعد پھر جماعت کرنے کا طریقہ اور رواج نہیں تھا، دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت میں نمازیوں کی حاضری میں سستی پیدا ہوتی

ہے،اور جماعت اولی کی تقلیل لازمی ہوتی ہے،اس لئے جماعت ثانیہ کوحضرت امام صاحبؒ نے مکروہ فرمایا اور اجازت نہیں دی،اور جن ائمہ نے اجازت دی انھوں نے بھی اتفاقی طور پر جماعت اولی سے رہ جانے والوں کو اس طور سے اجازت دی کہ وہ اذان واقامت کا اعادہ نہ کریں،اور پہلی جماعت کی جگہ بھی چھوڑ دیں،لیکن روزانہ دوسری جماعت مقرر کر لینا اور اہتمام کے ساتھ اس کو ادا کرنا اور اس کے لئے تداعی-یعنی لوگوں کو بلانا اور ترغیب دینا-یہ تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے،نہ اس کے لئے کوئی فقہی عبارت دلیل بن سکتی ہے،یہ تو قطعاً ممنوع اور مکروہ ہے(کفایت المفتی ۳/۱۴۰)۔

''فتاوی شامی''میں ہے:''**ویکره تکرار الجماعةبأذان وإقامةفی مسجد محلة،لا فی مسجد طریق أو مسجد لا إمام له و لا مؤذن .قوله:ویکره ،أی تحریماً،لقول الکافی: لا یجوز،والمجمع؛لا یباح،و شرح الجامع الصغیر:إنه بدعةکما فی رسالة السندی،قوله:بأذان وإقامة إلخ....والمراد بمسجد المحلة ما له إمام وجماعة معلومون،کما فی الدر وغیرها،قال: فی المنبع:والتقیید بالمسجد المختص بالمحلةإحتراز من الشارع،وبالأذان الثانی إحتراز عما إذاصلی فی مسجد المحلةجماعةبغیر أذان حیث یباح إجماعاً**''(فتاوی الشامی کتاب الصلاۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد ۱/۵۵۲)(اور محلّہ کی مسجد میں ایک ہی اذان و اقامت سے تکرار جماعت مکروہ ہے،البتہ راستے کی مسجد یا ایسی مسجد جس کا کوئی امام اور مؤذن نہ ہو اس میں تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے)۔

ان کے قول''مکروہ ہے''سے مکروہ تحریمی مراد ہے،کافی کے قول''جائز نہیں ہے''اور مجمع کے قول''مباح نہیں ہے''اور جامع صغیر کی شرح''یہ بدعت ہے''کی وجہ سے،اور ان کے قول''ایک ہی اذان اور اقامت سے الخ''اور''محلّہ کی مسجد''سے مراد وہ مسجد ہے جس میں امام متعین ہو اور جماعت معلوم ہو،جیسا کہ''الدر''وغیرہ میں ہے،اور''منبع''میں فرمایا ہے کہ محلّہ کی مختص مسجد کی قید سے شارع کی طرف سے احتراز مقصود ہے،اور اذان ثانی کے ذریعہ اس سے احتراز مقصود ہے کہ اگر محلّہ کی مسجد میں بغیر اذان جماعت سے نماز پڑھی گئی تو بالا جماع جماعت ثانیہ مباح ہوگی''۔

''**ویؤیده ما فی الظهیریةلو دخل جماعةالمسجدبعد ما صلی فیه اهله یصلون وحدانا،وهو ظاهر الروایة**''(اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو''ظہیریہ''میں ہے کہ اگر کوئی جماعت میں داخل ہوئی اہل محلّہ کے نماز پڑھ لینے کے بعد تو وہ اپنی نماز تنہا پڑھیں گے،اور یہی ظاہر الروایۃ ہے)۔

غائبانہ نماز جنازہ:

غائبانہ نماز جنازہ کا مسئلہ شروع دور سے ہی اختلافی رہا ہے، احناف اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور شوافع وحنابلہ اسے جائز مانتے ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل:

۱-"**عن أبی هریرةؓ قال: نعی النبیﷺ النجاشی فی الیوم الذی مات فیه، خرج بهم إلی المصلی فصف بهم، و کبر علیه أربع تکبیرات**" (بخاری رقم: مسلم رقم:) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کی وفات کی خبر دی اس دن جس دن ان کا انتقال ہوا، اور صحابہؓ کو لے کر عیدگاہ گئے اور ان کی صف بندی کی اور چار تکبیر کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی)۔ صحیح مسلم میں یہی روایت ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں: "**فقام فأمنا و صلی علیه**" (صحیح مسلم ۱/۳۰۹) (چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور ہماری امامت کروائی، اور ان کی جنازہ کی نماز پڑھی)۔

مانعین جواز کے دلائل:

۱- یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص تھا، آپ غائبانہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، امت نہیں پڑھ سکتی (دیکھئے: فتح الباری: ۳/ ۲۴۳)۔

۲- آپ ﷺ اور نجاشی کی میت کے درمیان سے تمام حجابات اٹھالئے گئے تھے اور میت کو آپ کے سامنے ظاہر کردیا گیا تھا۔

۳- نجاشی کے علاوہ کسی اور کی غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا گیا حالانکہ آپ ﷺ کی حیات میں بہت سے صحابہؓ فوت ہوئے۔

۴- نجاشی ایسے علاقہ میں فوت ہوئے جہاں مسلمان نہیں تھے اور اسلامی طریقہ کے مطابق ان کی نماز جنازہ نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

۵- آپ ﷺ کا جنازہ پڑھنا امت کے لئے برکت اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے، چنانچہ صحیح مسلم اور "ابن حبان" میں ہے: "**فصلی علی القبر، ثم قال: إن هذه القبور مملوئة ظلمة علی أهلها و أن الله ینورها لهم بصلاتی علیهم**" (التعلیق الممجد ۲/ ۱۲۴ رقم: ۳۱۷) (آپ ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی، پھر فرمایا: یہ قبور اہل قبور پر تاریکیوں سے بھرے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے کی وجہ سے ان کے لئے ان کی قبر کو منور کرتے ہیں)۔

بہر حال مسئلہ زیرِ بحث میں چونکہ کورونا کے میت کی نماز ہی نہیں پڑھی گئی ہے اسلئے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہی نہیں بلکہ وجوب کا درجہ رکھتا ہے، اور امام خطابی، رویانی (فخر الاسلام قاضی ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل، شافعی فقیہ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیمؒ وغیرہ محققین علماء کی رائے یہی ہے۔

چنانچہ ''زاد المعاد'' میں ابن قیمؒ لکھتے ہیں: ''**و قال شیخ الاسلام ابن تیمیة: الصواب أن الغائب إن مات ببلد لم یصل علیه فیه، صلی علیه صلاة الغائب، کما صلی النبی ﷺ علی النجاشی، لأنه مات بین الکفار و لم یصل علیه**''(زاد المعاد)۔

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اور درست یہ ہے کہ اگر (میت) غائب ایسے شہر میں فوت ہوا ہے جہاں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی ہے تو اس غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، کیونکہ آپ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھی تھی کیونکہ وہ کفار کے درمیان فوت ہوئے تھے اور ان جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی)۔

دور حاضر کے ایک محقق حنبلی عالم شیخ صالح العثیمینؒ فرماتے ہیں: اہل علم کے اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، الا یہ کہ اس نماز جنازہ پڑھی ہی نہ گئی ہو، مثلاً کوئی شخص کسی کافر ملک میں فوت ہوگیا اور اس ک کسی نے جنازہ نہیں پڑھا، یا کوئی سمندر یا دریا یا وادی میں غرق ہوگیا ہو اور اس کی لاش نہ ملی ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے(من ارکان الصلاۃ:ص:۳۳۹، الشرح الممتع ۵/۴۴۰)۔

☆☆☆

کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل
شرعی نقطۂ نظر سے

مفتی سید باقر ارشد قاسمی☆

کورونا کے ماحول میں نمازِ جمعہ:

نماز جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے، چنانچہ اس کے لئے شرائط رکھنے کا سبب بھی یہی ہے کہ اس کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، جب یہ ادا ہو تو قدرتی آفات کے علاوہ کسی کی بھی صورت میں اس کی ادائیگی میں کوئی رخنہ نہ پڑے۔

چنانچہ نمازِ جمعہ گاؤں کی سب سے بڑی مسجد میں قائم کیا جائے، اگر ضرورت ہو (بڑی مسجد سارے گاؤں کے مصلیوں کے لئے ناکافی ہو) تو دوسری مساجد میں بھی جماعت بنائی جاسکتی ہے۔

نمازِ جمعہ کی جماعت اگر چھوٹ جائے تو پھر مصلی کو چاہئے کہ وہ نمازِ ظہر انفرادی طور پر پڑھ لے۔

چار چھ لوگوں کی نماز جمعہ کی جماعت چھوٹ جائے تو ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسجد میں یا گھر ہی میں نمازِ جمعہ کی جماعت بنالیں، بلکہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نمازِ ظہر ادا کریں۔

نمازِ جمعہ ایسی مسجد میں ادا کی جائے جس میں پنج وقتہ نماز با جماعت ادا کی جاتی ہو۔

گھر میں نمازِ جمعہ کی جماعت جائز نہیں ہے۔

یا پھر ایسے جماعت خانہ یا کمیونٹی ہال میں بھی نمازِ جمعہ کی جماعت جائز نہیں ہے جو جماعتی سرگرمیوں کے لئے مختص ہو۔

نمازِ جمعہ کسی گاؤں میں بڑی مسجد میں یا چند مساجد میں قائم ہوتا ہو تو دوسری مساجد سے جہاں ظہر پڑھی جاتی ہو اذانِ ظہر بآوازِ بلند یا لاؤڈ اسپیکر پر دینا مکروہ ہے۔ اس سے نمازِ جمعہ کی بے توقیری لازم آتی ہے۔

ان مسائل کی روشنی میں اب اگر قدرتی آفت یا کوئی وبائی ماحول جیسے کورونا دور میں نمازِ جمعہ و دیگر نمازوں کی ادائیگی کے لئے احتیاطی پہلو لی ہوئی ہدایات جاری کی گئی ہیں تو ایسی صورت میں یہ مسئلہ کہ نمازِ جمعہ کی جماعتِ ثانی یا متعدد جماعتوں

☆ محلّہ مفتیان، چن پٹن، بنگلور، کرناٹک۔

کا آیا جواز ہے یا پھر مسئلہ کے مطابق وبائی ماحول میں بھی نمازِ جمعہ کی جماعت ثانی مکروہ ہوگی؟

کورونا کے دور میں سوشیل ڈسٹنس، سماجی فاصلہ کی پابندی ضروری ہوتی ہے چاہے وہ بازار ہو یا کوئی عوامی جگہ حتیٰ کہ عبادت گاہوں میں بھی اس کی پابندی ضرری قرار دی گئی ہے۔

لہٰذا جتنے نمازی مسجد میں سما سکتے ہوں وہ نماز جمعہ قائم کرلیں، بقیہ لوگ گھروں میں فرداً فرداً نمازِ ظہر کا اہتمام کرلیں۔ کیونکہ گھروں میں نمازِ جمعہ کا قیام جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نمازِ جمعہ کی جماعت کے لئے ایسی مسجد کا ہونا شرط ہے جس میں پنج وقتہ نماز با جماعت ادا ہوتی ہو۔

اور مسجد میں جماعت ثانی مکروہ ہوگی، خود نبی کریم ﷺ کے عہد میں شدید سردی، مطرو بارش اور اس جیسے شرعی اعذار کے موقع پر الصلوٰۃ فی الرحال اور صلوا فی بیوتکم کے الفاظ سے گھروں میں نماز ادا کرنے کا حکم اور واقعات ملتے ہیں لیکن ایک بھی واقعہ ان اعذار کے وقت مسجد میں جماعت ثانی کا نہیں ملتا، حتیٰ کہ خود رسول اکرم ﷺ سے ایک دفعہ دو مسلمانوں کے مابین جھگڑے پر صلح کرانے میں تاخیر ہوگئی اور جماعت چھوٹ گئی، تو ایسے موقع پر آپ ﷺ نے بجائے مسجد میں جماعت ثانی بنانے کے گھر میں جا کر مع اہل وعیال نماز با جماعت ادا فرمائی۔

چنانچہ روایات وواقعات کی روشنی میں مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانی جائز نہیں ہوگی۔

بہ نسبت دو تین دہائیوں قبل؛ آج گاؤں کی صرف ایک مسجد ہی میں نمازِ جمعہ نہیں ہوتی، بلکہ ہر محلّہ کی ہر مسجد میں حتیٰ کہ محلّہ کی دو دو تین تین مساجد میں بھی نمازِ جمعہ کا قیام ہو رہا ہے۔ اس لئے مصلیوں کے لئے مساجد نا کافی ہونے کا کوئی سوال نہیں، لو بالفرض کچھ لوگوں کو نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لئے جگہ نہ مل پائے تو وہ گھروں میں انفرادی طور پر نمازِ ظہر کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

لیکن ایک ہی مسجد میں نمازِ جمعہ کی جماعتِ ثانی جائز نہیں ہے۔ عام نمازوں کی اجازت بعض علماء نے اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ جس مصلی پر مسجد کی جماعت اولیٰ ادا ہو جائے اب بحالت عذر دوسری جماعت کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ جگہ بدل لی جائے دوسری یا تیسری صف میں امام کھڑا ہو اور نمازِ با جماعت ادا کرے۔ جب کہ نمازِ جمعہ میں یہ ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ محدود افراد پر مشتمل یا جتنے مسجد میں حاضر ہو سکتے ہوں اتنے افراد جماعت جمعہ بنالیں اور بقیہ افراد اپنے اپنے گھروں میں انفرادی طور پر نمازِ ظہر ادا کرلیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِي الدِّيْنِ مِن حَرج ''(سورۃ الحج:۷۸)۔

''مَا يُرِيْد الله ليجعل عليكم من حرج''(سورۃ المائدۃ:۶)۔

"يُرِيْدُ بِكُمُ اللهُ الْيُسرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسرَ"(سورۃ البقرہ:۱۸۵)۔

"فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أو رُكْبَاناً فاذا امنتم فأذكروا الله كما علمكم ما لم تكونوا تعلمون" (سورۃ البقرۃ:۲۳۹)۔

وفی سنن ابن ماجہ "عن عبدالله بن عباسؓ قال قال النبی ﷺ مَن سَمِعَ النِّدَاء فَلَم يَأتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ اِلَّا مِن عُذْرٍ" (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ)۔

وفی صحیح المسلم؛"عن عبدالله بن عباسؓ أنّهُ قَالَ لِمُوَذِّنِهِ فِي يَومٍ مَطَرٍ ؛ اِذَا قُلتَ ؛ أشْهَدُ أن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ، أشْهَدُ أنّ مُحَمَّداً رَّسُولُ الله فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلىٰ الصَّلَاة۔ قُل صَلُّوا فِي بُيُوتِكُم ۔ قَالَ فَكَانَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا ذٰلِكَ ، فَقَال أتَعْجَبُونَ مِن ذَا؟ قَدْ فَعَلَ ذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنّي ، اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ، و اِنّي كَرِهْتُ أن أُخْرِجَكُمْ فَتَمْشُوا فِي الطِّيْنِ و الدَّحْضِ"(صحیح المسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا)۔

"قوله: اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ"؛اس سے مراد یہ ہے کہ باوجود مشقت کے نماز جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا افضل ہے، ویسے حدیث میں بصورت عذر شرعی نمازِ جمعہ کی جماعت میں شامل نہ ہونے کی رخصت واجازت ہے۔

"اذّن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان، ثمقال صلّوا فی رحالكم ، فأخبرنا أن رسول الله ﷺ كان يأمر مؤذنا يؤذن ثم يقول على اِثره "ألا صلّوا فی الرحال فی ليلة الباردة أو المطرة فی السفر" (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد)۔

وفی صحیح المسلم:"وعن جابرؓ قال؛ خَرجنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فی سَفَرٍ فَمُطِرْنَا ۔ فَقَالَ لِيُصَلِّ مَن شَاءَ مِنْكُم فِي رَحْلِهِ"(صحیح المسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر)۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ شدید سردی، ہوا، بارش ومطر یا ان جیسے اعذار کی بناء پر باجماعت نماز کے حکم میں گنجائش ورخصت رکھی گئی ہے۔ جب کوئی عذر شرعی نہ ہوتو باجماعت نماز کی تاکید ہے، اگر عذر ہوتو جماعت میں حاضر نہ ہونے کی رخصت ہے،عذر کے باوجود مشقت اٹھا کر جماعت میں شامل ہونا افضل ہے۔

وفی الفقہ الاسلامی وادلتہ:"أن الحنفية قالوا؛ يكره تكرار الجماعة بأذان و إقامة فی مسجد محله، اِلّا اذا صلى بها فيه أولاً غير أهله۔ أو أهله ليكن بمخافتة الأذان، أو كرر الجماعة بدون الأذان و الاقامة، أو كان مسجد طريق،أو مسجداً لا اِمام له ولا مؤذن، و يصلى الناس فيه فوجاً فوجاً، والأفضل أن يصلى كل فريق بأذان و إقامة على حدة۔

والمراد بمسجد محله ، ماله امام و جماعة معلومين۔ والكراهة اذا تكرر الأذان، فلو صلى

جماعة فی مسجد المحلة بغیر أذان أبیح، لکن ظاهر الروایة عند الحنفیة أنه مکروه، فما یفعل فی بعض المساجد من الصلاة بأئمة متعددة و جماعات مترتبه مکروه عندهم۔

دلیلهم أنه علیه الصلاة و السلام کان قد خرج لیصلح بین قوم فعاد الیٰ المسجد و قد صلی أهل المسجد، فرجع الیٰ منزله فجمع أهله و صلی، ولو جاز ذالک لما اختار الصلاة فی بیته علی الجماعة فی المسجد، ولأن ذلک حامل علی تکثیر الجماعة، فلو أبیح التکراربدون کراهة لا یجتمع الناس، لعلمهم أن الجماعة لا تفوتهم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۶۴)۔

مالکیہ کے نزدیک بھی جماعت اخریٰ مکروہ ہے، شافعیہ کے نزدیک بھی مسجد میں بغیر امام راتب کی اجازت کے جماعت قائم کرنا مکروہ ہے، اور حنابلہ کے نزدیک جماعت ثانیہ حرام ہے (کذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۶۴)۔

"یعذر المرء بترک الجمعة و الجماعة، فلا تجبان للاسباب الاتیة

۱۔المرض الذی یشق معه الحضور کمشقة المطر......۲۔ أن یخاف ضرراً فی نفسه أو ماله أو عرضه أو مرضا یشق معه الذهاب کما ذکر...۳، المطر ، والوحل (الطین) و البرد الشدید، الحر ظهراً و الریح الشدیدة فی اللیل لا فی النهار، الظلمة الشدیدة..... ۴ مدافعة الاخبثین (البول و الغائط)...۵ أکل منتن نیء ان لکم یکمنه ازالته و یکره حضور المسجد لمن أکل ثوماً أو بصلاً أو فحلاً و نحوه حتی یذهب ریحه... ۶۔ الحبس فی مکان..۷ أضاف الشافعیه تقطیر سقوف الأسواق و الزلزلة و السموم..." (الفقہ الاسلامی ودلتہ ۲/۱۷۱)۔

الف: ایک سے زائد جماعتوں کے لئے جب کہ امام الگ الگ ہوتو جواز کی صورت میں پابندیاں:

مسجد میں پنج وقتہ نمازوں کی جماعت ثانی مکروہ ہے۔

ہاں اگر عذرِ شرعی کی وجہ سے جماعت چھوٹ جائے تو محراب کے علاوہ کسی جگہ مصلی بنا کر جماعت ثانی ادا کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ امام الگ ہو۔

جماعت ثانی بغیر اذان کے صرف اقامت کے ساتھ ادا کی جائے گی۔اس کی اجازت ہے

لیکن جماعت ثانی بنانے کا معمول نہ ہو یعنی ہمیشہ یہ طرز نہ اپنالیا جائے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کا عمل مبارک کا پتہ اس روایت سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے میں دیر ہوگئی جس سے مسجد کی جماعت چھوٹ گئی، تو آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے گھر میں جماعت بنا کر نماز پڑھائی۔

اگر مسجد میں جماعت ثانی بنانا بلا کراہت جائز ہوتا تو پھر آپ ﷺ مسجد ہی میں نماز ادا کرتے نہ کہ گھر روانہ ہوتے اور گھر والوں کے ساتھ نمازِ باجماعت ادا کرتے۔

اب جبکہ کورونا جیسی وبا میں خاص وعام مبتلا ہیں، حکومتوں نے شدید تر احتیاطی تدابیر واحکام جاری کر دئے ہیں، سماجی فاصلہ کی سخت پابندی نیز لاک ڈاؤن جیسی صورت حال میں نمازوں کے لئے مساجد میں جماعت کی بھی حکومت کی طرف سے محدود اجازت ہے تو ایسی صورت میں ایک ہی مسجد میں متعدد جماعتیں یا جماعت ثانی کا کیا جواز ہے؟

اس سلسلہ میں عہد نبی ﷺ وصحابہ کے دور میں عذر کے موقع پر جماعت کے ترک کرنے کے سلسلہ میں روایات و واقعات تو وارد ہیں مگر کہیں بھی ایک مثال بھی ’’جماعتِ ثانی‘‘ کی یا متعدد جماعتوں کی نہیں آئی ہے۔شدید سردی کے موقع پر، مطر وبارش کے موقع پر اسی طرح کے اعذار شرعیہ پر جماعت کو ترک کرنے، گھر میں نماز ادا کرنے کا حکم تو آیا ہے مگر کہیں بھی مسجد ہی میں جماعت ثانی کا حکم نہیں آیا ہے۔ جب ان اعذار میں سے کوئی عذر ہوتا تو اذان کے ساتھ ہی ’’ **الصلوٰۃ فی الرحال** ‘‘یا’’ **صلوا فی بیوتکم** ‘‘ کا اعلان کرنے کا حکم ہوتا۔

لہٰذا افضل یہ ہے کہ مسجد کی جماعت عذر شرعی کی بنا پر چھوٹ جائے تو گھر میں جماعت بنا کر نماز ادا کی جائے، وگرنہ دوسری صورت میں مسجد میں جماعت ثانی بنانا ہو تو الگ مقام پر بنائی جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ:’’ **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِي الدِّيْنِ مِن حَرج** ‘‘(سورۃ الحج:۷۸)۔

’’ **مَا يُرِيْد الله ليجعل عليكم من حرج** ‘‘(سورۃ المائدۃ:۶)۔

’’ **يُرِيْدُ بِكُمُ اللهُ اليُسرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ العُسرَ** ‘‘(سورۃ البقرہ:۱۸۵)۔

’’ **فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَو رُكْبَاناً فاذا امنتم فأذكروا الله كما علمكم ما لم تكونوا تعلمون** ‘‘ (سورۃ البقرۃ:۲۳۹)۔

وفی سنن ابن ماجہ:’’ **عن عبدالله بن عباسؓ قال قال النبی ﷺ مَن سَمِعَ النِّدَاء فَلَم يَأتِهِ فَلَا صَلَاةَلَهُ اِلَّا مِن عُذْرٍ** ‘‘(سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعۃ)۔

وفی صحیح المسلم:’’ **عن عبدالله بن عباسؓ أَنَّهُ قَالَ لِمُوَذِّنِهِ فِي يَومٍ مَطَرٍ ؛ اِذَا قُلتَ ؛ أَشْهَدُ أن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ، أَشْهَدُ أَنِّ مُحَمَّداً رَّسُولُ الله فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلىٰ الصَّلَاة۔ قُل صَلُّوا فِي بُيُوتِكُم ۔ قَالَ فَكَانَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا ذَلِکَ ، فَقَال أَتَعْجَبُونَ مِن ذَا؟ قَدْ فَعَلَ ذَا مَنْ هُوَ خَيرٌ مِّنِّي ، اِنَّ الجُمُعَةَ عَزْمَةٌ، و اِنِّي كَرِهْتُ أن أُخْرِجَكُمْ فَتَمْشُوا فِي الطِّيْنِ و الدَّحْضِ** ‘‘(صحیح المسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا)۔

قوله اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ؛ اس سے مراد یہ ہے کہ باوجود مشقت کے نماز جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا افضل ہے، ویسے حدیث میں بصورت عذر شرعی نمازِ جمعہ کی جماعت میں شامل نہ ہونے کی رخصت واجازت ہے۔

"اذّن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان، ثمقال صلّوا فی رحالکم ، فأخبرنا أن رسول الله ﷺ کان یامر مؤذنا یؤذن ثم یقول علی اِثره "ألا صلّوا فی الرحال فی لیلة الباردة أو المطرة فی السفر" (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد)۔

وفی صحیح المسلم: "وعن جابرؓ قال؛ خرجنا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فی سَفَرٍ فَمُطِرْنَا ۔ فَقَالَ لِیُصَلِّ مَن شَاءَ مِنْکُم فِی رَحْلِهِ" (صحیح المسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر)۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ شدید سردی، ہوا، بارش ومطر یا ان جیسے اعذار کی بناء پر باجماعت نماز کے حکم میں گنجائش ورخصت رکھی گئی ہے۔ جب کوئی عذر شرعی نہ ہوتو باجماعت نماز کی تاکید ہے، اگر عذر ہوتو جماعت میں حاضر نہ ہونے کی رخصت ہے، عذر کے باوجود مشقت اٹھاکر جماعت میں شامل ہونا افضل ہے۔

وفی الفقہ الاسلامی وادلتہ؛ "أن الحنفیة قالوا ؛ یکره تکرار الجماعة بأذان و إقامة فی مسجد محله، اِلّا اذا صلی بها فیه أولاً غیر أهله. أو أهله لیکن بمخافتة الأذان، أو کرر الجماعة بدون الأذان و الاقامة، أو کان مسجد طریق،أو مسجداً لا اِمام له ولا مؤذن، و یصلی الناس فیه فوجاً فوجاً ، والافضل أن یصلی کل فریق بأذان و إقامة علی حدة.

والمراد بمسجد محله ، ماله امام و جماعة معلومین. والکراهة إذا تکرر الأذان، فلو صلی جماعة فی مسجد المحلة بغیر اذان أبیح، لکن ظاهر الروایة عند الحنفیة أنه مکروه، فما یفعل فی بعض المساجد من الصلاة بأئمة متعددة و جماعات مترتبه مکروه عندهم.

دلیلهم أنه علیه الصلاة و السلام کان قد خرج لیصلح بین قوم فعاد الیٰ المسجد و قد صلی أهل المسجد، فرجع الیٰ منزله فجمع أهله و صلی، ولو جاز ذالک لما اختار الصلاة فی بیته علی الجماعة فی المسجد، ولأن ذلک حامل علی تکثیر الجماعة فلو أبیح التکراربدون کراهة لا یجتمع الناس، لعلمهم أن الجماعة لا تفوتهم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۶۴)۔

مالکیہ کے نزدیک بھی جماعت اخریٰ مکروہ ہے، شافعیہ کے نزدیک بھی مسجد میں بغیر امام راتب کی اجازت کے جماعت قائم کرنا مکروہ ہے، اور حنابلہ کے نزدیک جماعت ثانیہ حرام ہے (کذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۶۴)۔

”یعذر المرء بترک الجمعة و الجماعة، فلا تجبان للاسباب الأتیة

١۔المرض الذی یشق معه الحضور کمشقة المطر......٢۔ أن یخاف ضرراً فی نفسه أو ماله أو عرضه أو مرضا یشق معه الذهاب کما ذکر...٣، المطر ، والوحل (الطین) و البرد الشدید، الحر ظهراً و الریح الشدیدة فی اللیل لا فی النهار، الظلمة الشدیدة..... ۴ مدافعة الاخبثین (البول و الغائط)...۵ أکل منتن نیء ان لکم یکمنه ازالته و یکره حضور المسجد لمن أکل ثوماً أو بصلاً أو فحلاً و نحوه حتی یذهب ریحه... ٦۔ الحبس فی مکان..٧ أضاف الشافعیه تقطیر سقوف الاسواق و الزلزلة و السموم...“(الفقہ الاسلامی وادلتہ ٢/١٧١)۔

نماز جمعہ کی جماعت ثانیہ کا حکم:

لیکن نمازِ جمعہ کی جماعت ثانی جائز نہیں ہے اگر چہ کہ امام الگ ہی کیوں نہ ہو۔کیونکہ اس سے نمازِ جمعہ و جماعت جمعہ کی بے توقیری کا اندیشہ ہے، کیونکہ نمازِ جمعہ اعلانیہ ادا کرنے والا فریضہ ہے، جماعت کثیر اور اہتمام خصوصی کے ساتھ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کا مطلب یہی ہے کہ یہ مسلمانوں کے دبدبہ اور ان کے وقار کو بلند کرنے کا ذریعہ ہے۔اب اگر اس جماعت کو متعدد جماعتوں میں بانٹ دیا جائے تو اس کا مقصد فوت ہوجائے گا اور نمازِ جمعہ کی جماعت کا جو تاثر اور دبدبہ ہے وہ ختم جائے گا۔

اسی لئے فقہانے یہ کہا ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمعہ کی ادائیگی کی جائے اور اگر کسی دوسری مسجد میں ظہر کی جماعت بنائی جارہی ہوتو امام و موذن کو چاہیئے کہ وہ آہستہ آواز سے اذان دیں اور نمازِ ظہر پڑھ لیں۔کیونکہ جمعہ کے دن نمازِ ظہر کی اذان کا مطلب جماعت جمعہ کی اہمیت کو کم کردینا ہے۔

نیز عوام اس موقع پر گڑبڑی، ہلچل نیز شور و شرابے سے گریز نہ کریں گے جس سے حکام کی جانب سے پابندی کی شرائط متاثر ہونگیں اور مساجد پر الزامات و اتہامات لگیں گے جس کا اثر عمومی طور پر مسلمانوں پر پڑے گا۔

لہٰذا ایک ہی مسجد میں نمازِ جمعہ کی جماعت ثانی یا متعدد جماعتیں مکروہ ہونگیں۔

اور جمعہ کے دن گھر میں ظہر کی نماز پڑھنے کی صورت میں بھی جماعت ظہر جائز نہیں ہوگی، بلکہ گھر میں بھی نمازِ جمعہ کے احترام میں ظہر کی نماز فرداً فرداً ادا کی جائے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:”وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِي الدِّيْنِ مِن حَرَجٍ“ (سورۃ الحج:٧٨)۔

”مَا يُرِيْد الله ليجعل عليكم من حرج“(سورۃ المائدۃ:٦)۔

”يُرِيْدُ بِكُمُ اللهُ اليُسرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ العُسرَ“(سورۃ البقرہ:۱۸۵)۔

”فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أو رُكْبَاناً فاذا امنتم فأذكروا الله كما علمكم ما لم تكونوا تعلمون“(سورۃ البقرۃ:۲۳۹)۔

وفی سنن ابن ماجہ:”عن عبدالله بن عباسؓ قال قال النبی ﷺ مَن سَمِعَ النِّدَاء فَلَم يَأتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ اِلَّا مِن عُذْرٍ “ (سنن ابن ماجہ،کتاب المساجد والجماعات،باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ)۔

وفی صحیح المسلم؛”عن عبدالله بن عباسؓ أَنَّهُ قَالَ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَومٍ مَطَرٍ ؛ اِذَا قُلتَ ؛ أَشْهَدُ أن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُولُ الله فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلىٰ الصَّلَاةِ۔ قُل صَلُّوا فِي بُيُوتِكُم ۔ قَالَ فَكَانَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا ذٰلِكَ ، فَقَال أَتَعْجَبُونَ مِن ذَا؟ قَدْ فَعَلَ ذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّی ، اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ، و اِنِّی كَرِهْتُ أن أُخرِجَكُمْ فَتَمْشُوا فِي الطِّيْنِ و الدَّحْضِ “(صحیح المسلم،کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا)۔

قولہ:”اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ“؛اس سے مراد یہ ہے کہ باوجود مشقت کے نماز جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا افضل ہے،ویسے حدیث میں بصورت عذر شرعی نمازِ جمعہ کی جماعت میں شامل نہ ہونے کی رخصت واجازت ہے۔

”اذّن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان، ثمقال صلّوا فی رحالكم ، فأخبرنا أن رسول الله ﷺ كان يامر مؤذنا يؤذن ثم يقول على اِثره ”ألا صلّوا فی الرحال فی ليلة الباردة أو المطرة فی السفر“ (صحیح البخاری،کتاب الأذان،باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد)۔

وفی صحیح المسلم:”وعن جابرؓ قال؛ خَرجنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فی سَفَرٍ فَمُطِرْنَا ۔ فَقَالَ لِيُصَلِّ مَن شَاءَ مِنْكُم فِي رَحْلِهِ“(صحیح المسلم،کتاب صلاۃ المسافرین،باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر)۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ شدید سردی،ہوا،بارش ومطریاان جیسے اعذار کی بناء پر باجماعت نماز کے حکم میں گنجائش ورخصت رکھی گئی ہے۔جب کوئی عذر شرعی نہ ہوتو باجماعت نماز کی تاکید ہے،اگر عذر ہوتو جماعت میں حاضر نہ ہونے کی رخصت ہے،عذر کے باوجود مشقت اٹھا کر جماعت میں شامل ہونا افضل ہے۔

وفی الفقہ الاسلامی وادلتہ؛”أن الحنفية قالوا ؛ يكره تكرار الجماعة بأذان و الاقامة فی مسجد محله، اِلّا اذا صلى بها فيه أولاً غير أهله۔ أو أهله ليكن بمخافتة الأذان، أو كرر الجماعة بدون الأذان و الاقامة، أو كان مسجد طريق،أو مسجداً لا اِمام له ولا مؤذن، و يصلى الناس فيه فوجاً فوجاً ، والافضل أن يصلى كل فريق باذان و اقامة على حدة۔

والمراد بمسجد محله ، ماله امام و جماعة معلومين۔ والكراهة اذا تكرر الأذان، فلو صلى

جماعة فی مسجد المحلة بغیر اذان أبیح، لکن ظاهر الروایة عند الحنفیة أنه مکروہ، فما یفعل فی بعض المساجد من الصلاة بأئمة متعددة و جماعات مترتبه مکروہ عندهم۔

دلیلهم أنه علیه الصلاة و السلام کان قد خرج لیصلح بین قوم فعاد إلیٰ المسجد و قد صلی أهل المسجد، فرجع الیٰ منزله فجمع أهله و صلی، ولو جاز ذالک لما اختار الصلاة فی بیته علی الجماعة فی المسجد، ولأن ذلک حامل علی تکثیر الجماعة فلو أبیح التکراربدون کراهة لا یجتمع الناس، لعلمهم أن الجماعة لا تفوتهم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۶۴)۔

مالکیہ کے نزدیک بھی جماعت اخریٰ مکروہ ہے، شافعیہ کے نزدیک بھی مسجد میں بغیر امام راتب کی اجازت کے جماعت قائم کرنا مکروہ ہے، اور حنابلہ کے نزدیک جماعت ثانیہ حرام ہے (کذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۶۴)۔

"یعذر المرء بترک الجمعة و الجماعة، فلا تجبان للأسباب الأتیة

۱۔المرض الذی یشق معه الحضور کمشقة المطر...... ۲۔ أن یخاف ضرراً فی نفسه أو ماله أو عرضه أو مرضا یشق معه الذهاب کما ذکر...۳، المطر ، والوحل (الطین) و البرد الشدید، الحر ظهراً و الریح الشدیدة فی اللیل لا فی النهار، الظلمة الشدیدة..... ۴ مدافعة الاخبثین (البول و الغائط)...۵ أکل منتن نیء ان لکم یکمنه ازالته و یکره حضور المسجد لمن أکل ثوماً أو بصلاً أو فحلاً و نحوه حتی یذهب ریحه... ۶۔ الحبس فی مکان..۷ أضاف الشافعیه تقطیر سقوف الاسواق و الزلزلة و السموم....." (الفقہ الاسلامی ودلتہ ۲/ ۱۷۱)۔

ب؛ نمازِ جمعہ کی متعدد جماعتیں قوم میں فساد کی صورت میں:

نمازِ جمعہ اتحاد کا مظہر ہے، لہٰذا اس کو ٹکڑیوں میں باٹنے کی گنجائش نہیں ہے، اگر جگہ ناکافی ہو تو دوسری مساجد میں بھی نماز جمعہ کی جماعت بنائی جاسکتی ہے، اور اگر نمازیوں کا آپس میں کوئی جھگڑا ہو تو اس کی وجہ سے مسجد کی جماعت کو باٹنا یہ مسلمانوں کی بدبختی ہے۔ مشہور ہے کہ وقت نمازِ جب آتا ہے تو بڑے سے بڑا دشمن بھی ایک صف میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوجاتا ہے۔

نمازِ جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے چنانچہ اس مظہر کو اپنے آپسی افتراق سے بانٹ دینا اور ایک جماعت کو دو جماعتوں میں بدل دینا کسی بھی طرح کی دانشمندی نہیں ہے۔ اگر اس موقع پر اس کی اجازت دی جائے تو پھر لوگ اسی کو معمول بنالیں گے اور اس کو مثال بنا کر مساجد میں دو دو، تین تین جماعتیں ہونی شروع ہوجائیں گی اسی لئے باہمی فساد کی جہ سے نمازِ جمعہ کی جماعت ثانی مکروہ ہوگی اور اگر وہ مسلکی یا گروہی جھگڑے کی وجہ سے ہو تو پھر اس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ اس بنیاد پر

جماعتِ ثانی کا اہتمام کرنا حرام ہوگا۔

ارشادِ باری تعالیٰ: ”وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِى الدِّيْنِ مِن حَرج “(سورۃ الحج:۷۸)۔

وایضاً: ”مَا يُرِيْد الله ليجعل عليكم من حرج“(سورۃ المائدۃ:۶)۔

وایضاً: ”يُرِيْدُ بِكُمُ اللهُ اليُسرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ العُسرَ“(سورۃ البقرہ:۱۸۵)۔

”فَإنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَو رُكْبَاناً فاذا امنتم فأذكروا الله كما علمكم ما لم تكونوا تعلمون “ (سورۃ البقرۃ:۲۳۹)۔

وفی سنن ابن ماجہ: ”عن عبدالله بن عباسؓ قال قال النبی ﷺ مَن سَمِعَ النِّدَاء فَلَم يَأتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ اِلَّا مِن عُذْر “ (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ)۔

وفی صحیح المسلم: ”عن عبدالله بن عباسؓ أَنَّهُ قَالَ لِمُوَذِّنِهِ فِى يَومٍ مَطَرٍ ؛ اِذَا قُلتَ ؛ أَشْهَدُ أن لَا اِلٰه اِلَّا اللهُ ، أَشْهَدُ أَنّ مُحَمَّداً رَّسُولُ الله فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلىٰ الصَّلَاة۔ قُل صَلُّوا فِى بُيُوتِكُم ۔ قَالَ فَكَانَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا ذَلِكَ ، فَقَال أَتَعْجَبُونَ مِن ذَا؟ قَدْ فَعَلَ ذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنّى ، اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ، و اِنِّى كَرِهْتُ أن أُخْرِجَكُمْ فَتَمْشُوا فِى الطِّيْنِ و الدَّحْضِ “(صحیح المسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا)۔

قوله: ” اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ“؛ اس سے مراد یہ ہے کہ باوجود مشقت کے نمازِ جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا افضل ہے، ویسے حدیث میں بصورت عذرِ شرعی نمازِ جمعہ کی جماعت میں شامل نہ ہونے کی رخصت واجازت ہے۔

و فی الفقہ الاسلامی و ادلتہ: ”أن الحنفية قالوا ؛ يكره تكرار الجماعة بأذان و اقامة فى مسجد محله، اِلّا اذا صلى بها فيه أولاً غير أهله۔ أو أهله ليكن بمخافتة الأذان، أو كرر الجماعة بدون الأذان و الاقامة، أو كان مسجد طريق،أو مسجداً لا اِمام له ولا مؤذن، و يصلى الناس فيه فوجاً فوجاً ، والافضل أن يصلى كل فريق باذان و اقامة على حدة۔

والمراد بمسجد محله ، ماله امام و جماعة معلومين۔ والكراهة اذا تكرر الأذان، فلو صلى جماعة فى مسجد المحلة بغير اذان أبيح، لكن ظاهر الرواية عند الحنفية أنه مكروه، فما يفعل فى بعض المساجد من الصلاة بأئمة متعددة و جماعات مترتبه مكروه عندهم۔

دليلهم أنه عليه الصلاة و السلام كان قد خرج ليصلح بين قوم فعاد الىٰ المسجد و قد صلى أهل المسجد، فرجع الىٰ منزله فجمع أهله و صلى، ولو جاز ذالک لما اختار الصلاة فى بيته على الجماعة فى المسجد، ولان ذلک حامل على تكثير الجماعة فلو أبيح التكرار بدون كراهة لا يجتمع

الناس، لعلمهم أن الجماعة لا تفوتهم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۶۴)۔

مالکیہ کے نزدیک بھی جماعت اخریٰ مکروہ ہے، شافعیہ کے نزدیک بھی مسجد میں بغیر امام راتب کی اجازت کے جماعت قائم کرنا مکروہ ہے، اور حنابلہ کے نزدیک جماعت ثانیہ حرام ہے (کذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۶۴)۔

"يعذر المرء بترك الجمعة و الجماعة، فلا تجبان للاسباب الاتية

۱۔المرض الذى يشق معه الحضور كمشقة المطر......۲۔ أن يخاف ضرراً فى نفسه أو ماله أو عرضه أو مرضا يشق معه الذهاب كما ذكر...۳، المطر ، والوحل (الطين) و البرد الشديد، الحر ظهراً و الريح الشديدة فى الليل لا فى النهار، الظلمة الشديدة..... ۴ مدافعة الاخبثين (البول و الغائط)...۵ أكل منتن نىء ان لكم يكمنه ازالته و يكره حضور المسجد لمن أكل ثوماً أو بصلاً أو فحلاً و نحوه حتى يذهب ريحه... ۶۔ الحبس فى مكان..۷ أضاف الشافعيه تقطير سقوف الاسواق و الزلزلة و السموم...."(الفقہ الاسلامی ودلتہ ۲/ ۱۷۱)۔

۲-محلّہ کے گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنانے کا حکم:

مسجد میں ایک ہی جماعت کا حکم ہے چاہے وہ جمعہ کی نماز ہو یا دوسری پنج وقتہ نماز ہو۔

اب محلّہ کے گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں روزانہ کی پنج وقتہ نمازوں میں تو جائز ہیں مگر گھروں میں، گھروں کی چھتوں پر نمازِ جمعہ کی جماعت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے جمعہ کی بے توقیری لازم ہوگی۔

پنج وقتہ نمازوں میں مسجد کی جماعت عذر شرعی کی بناء پر چھوٹ جائے تو گھر میں جماعت بنا کر نماز ادا کرنا جائز ہے بلکہ سنت ہے۔

جمعہ ایسی مسجد میں قائم ہوگا جس میں روزانہ کی پنج وقتہ نمازیں با جماعت ادا کی جاتی ہوں اور جس میں منبر موجود ہو۔اسی بناء پر گھر میں نمازِ جمعہ کی جماعت جائز نہیں ہوگی۔

اور جیسا کہ سوال نامہ میں ہے کہ ایسا کرنے سے تشتت پیدا ہوگا، لوگوں میں یہ مسجد کی جماعت سے لا پرواہی، غفلت اور کسلمندی کا رجحان پیدا ہوگا جس سے جماعت کی افادیت کم ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ: "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِى الدِّيْنِ مِن حَرج "(سورۃ الحج: ۷۸)۔

"مَا يُرِيْد الله ليجعل عليكم من حرج"(سورۃ المائدۃ: ۶)۔

"يُرِيْدُ بِكُمُ اللهُ اليُسرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ العُسرَ"(سورۃ البقرہ: ۱۸۵)۔

"فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أو رُكْبَاناً فاذا امنتم فأذكروا الله كما علمكم ما لم تكونوا تعلمون "(سورة البقرة:۲۳۹)۔

وفی سنن ابن ماجہ:"عن عبدالله بن عباسؓ قال قال النبی ﷺ مَن سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَم يَأتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ اِلَّا مِن عُذْرٍ" (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیط فی التخلف عن الجماعۃ)۔

وفی صحیح المسلم؛"عن عبدالله بن عباسؓ أَنَّهُ قَالَ لِمُوَذِّنِهِ فِي يَومٍ مَطَرٍ ؛ اِذَا قُلتَ ؛ أَشْهَدُ أن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُولُ الله فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلىٰ الصَّلَاةِ۔ قُل صَلُّوا فِي بُيُوتِكُم ۔ قَالَ فَكَانَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا ذٰلِكَ ، فَقَال أَتَعْجَبُونَ مِن ذَا؟ قَدْ فَعَلَ ذَا مَنْ هُوَ خَيرٌ مِّنِّي ، اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ، و اِنِّي كَرِهْتُ أن أُخْرِجَكُمْ فَتَمْشُوا فِي الطِّيْنِ و الدَّحْضِ "(صحیح المسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا)۔

قوله اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ؛اس سے مراد یہ ہے کہ باوجود مشقت کے نماز جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا افضل ہے، ویسے حدیث میں بصورت عذر شرعی نمازِ جمعہ کی جماعت میں شامل نہ ہونے کی رخصت واجازت ہے۔

وایضاً:"اذّن ابن عمر فی ليلة باردة بضجنان، ثمقال صلّوا فی رحالكم ، فأخبرنا أن رسول الله ﷺ كان يامر مؤذنا يؤذن ثم يقول على اِثره "ألا صلّوا فی الرحال فی ليلة الباردة أو المطرة فی السفر "(صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد)۔

وفی صحیح المسلم:"وعن جابرؓ قال؛ خَرجنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فی سَفَرٍ فَمُطِرْنَا ۔ فَقَالَ لِيُصَلِّ مَن شَاءَ مِنْكُم فِي رَحْلِهِ"(صحیح المسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر)۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ شدید سردی، ہوا، بارش ومطریاان جیسے اعذار کی بناء پر باجماعت نماز کے حکم میں گنجائش ورخصت رکھی گئی ہے۔جب کوئی عذر شرعی نہ ہوتو باجماعت نماز کی تاکید ہے، اگر عذر ہوتو جماعت میں حاضر نہ ہونے کی رخصت ہے، عذر کے باوجود مشقت اٹھا کر جماعت میں شامل ہونا افضل ہے۔

وفی الفقہ الاسلامی وادلتہ:"أن الحنفية قالوا ؛ يكره تكرار الجماعة بأذان و الاقامة فی مسجد محله، اِلّا اذا صلى بها فيه أولاً غير أهله۔ أو أهله ليكن بمخافتة الأذان، أو كرر الجماعة بدون الأذان و الاقامة، أو كان مسجد طريق،أو مسجداً لا اِمام له ولا مؤذن، و يصلى الناس فيه فوجاً فوجاً ، والافضل أن يصلى كل فريق باذان و اقامة على حدة۔

والمراد بمسجد محله ، ماله امام و جماعة معلومين۔ والكراهة اذا تكرر الأذان، فلو صلى جماعة فی مسجد المحلة بغير اذان أبيح، لكن ظاهر الرواية عند الحنفية أنه مكروه، فما يفعل فی بعض

المساجد من الصلاة بأئمة متعددة و جماعات مترتبه مکروه عندهم۔

دلیلهم أنه علیه الصلاة و السلام کان قد خرج لیصلح بین قوم فعاد الیٰ المسجد و قد صلی أهل المسجد، فرجع الیٰ منزله فجمع أهله و صلی، ولو جاز ذالک لما اختار الصلاة فی بیته علی الجماعة فی المسجد، ولان ذلک حامل علی تکثیر الجماعة فلو أبیح التکراربدون کراهة لا یجتمع الناس، لعلمهم أن الجماعة لا تفوتهم " (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۶۴)۔

مالکیہ کے نزدیک بھی جماعت اخریٰ مکروہ ہے، شافعیہ کے نزدیک بھی مسجد میں بغیرامام راتب کی اجازت کے جماعت قائم کرنا مکروہ ہے، اورحنابلہ کے نزدیک جماعت ثانیہ حرام ہے (کذافی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۶۴)۔

یعذر المرء بترک الجمعة و الجماعة، فلا تجبان للاسباب الاتیة

۱۔المرض الذی یشق معه الحضور کمشقة المطر......۲۔ أن یخاف ضرراً فی نفسه أو ماله أو عرضه أو مرضا یشق معه الذهاب کما ذکر...۳، المطر ، والوحل (الطین) و البرد الشدید، الحر ظهراً و الریح الشدیدة فی اللیل لا فی النهار، الظلمة الشدیدة..... ۴ مدافعة الاخبثین (البول و الغائط)...۵ أکل منتن نیء ان لکم یکمنه ازالته و یکره حضور المسجد لمن أکل ثوماً أو بصلاً أو فحلاً و نحوه حتی یذهب ریحه... ۶۔ الحبس فی مکان...۷ أضاف الشافعیه تقطیر سقوف الاسواق و الزلزلة و السموم...."(الفقہ الاسلامی وولتہ ۲/۱۷۱)۔

۳-گھر میں ظہر کی نماز کی جماعت کا حکم:

مسجد میں ایک ہی جماعت (جمعہ کی) کے علاوہ بقیہ لوگ پابندیوں کی وجہ سے رہ جائیں تو وہ گھر میں انفرادی طور پر ظہر کی نماز ادا کریں۔جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا عمل مبارک ہے کہ دومسلمانوں میں صلح کرانے میں تاخیر ہوگئی، مسجد کی جماعت چھوٹ گئی، اس پر آپ ﷺ نے گھر واپس آ کر اہل وعیال ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔آپ کا یہ عمل پنج وقتہ نمازوں میں سے کسی نماز کا ہے، جب کہ جمعہ کی جماعت چھوٹ جانے پر حکم یہ ہے کہ وہ گھر میں ظہر کی نماز انفرادی طور پر ادا کرلیں، کیونکہ جمعہ کے دن ظہر کی جماعت جمعہ کی اہمیت اوراس کے وقار میں کمی ہونے کے متراودف ہے۔

ارشاد باری تعالی:"وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِي الدِّيْن مِن حَرج "(سورۃ الحج:۷۸)۔

"مَا يُرِيْد الله ليجعل عليكم من حرج"(سورۃ المائدۃ:۶)۔

"يُرِيْدُ بِكُمُ اللهُ اليُسرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ العُسرَ"(سورۃ البقرہ:۱۸۵)۔

"فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَو رُكْبَاناً فاذا امنتم فأذكروا الله كما علمكم ما لم تكونواتعلمون "(سورۃ البقرۃ:۲۳۹)۔

"عن عبدالله بن عباسؓ قال قال النبی ﷺ مَن سَمِعِ النِّدَاء فَلَم يَأتِهِ فَلَا صَلَاةَلَهُ اِلَّا مِن عُذْرٍ"۔

وفی صحیح المسلم:"عن عبدالله بن عباسؓ أنّهُ قَالَ لِمُوَذِّنِهِ فِي يَومٍ مَطَرٍ ؛ اِذَا قُلتَ ؛ أَشْهَدُ أن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ، أَشْهَدُ أنّ مُحَمَّداً رَّسُولُ الله فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلىٰ الصَّلَاة۔ قُل صَلُّوا فِي بُيُوتِكُم ۔ قَالَ فَكَانَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا ذَلِكَ ، فَقَال أَتَعْجَبُونَ مِن ذَا؟ قَدْ فَعَلَ ذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنّي ، اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ، و اِنِّي كَرِهْتُ أن أُخْرِجَكُمْ فَتَمْشُوا فِي الطِّيْنِ و الدَّحْض "(صحیح المسلم،کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا)۔

قوله اِنَّ الجُمُعَةَ عَزَّمَةٌ؛اس سے مراد یہ ہے کہ باوجود مشقت کے نماز جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا افضل ہے، ویسے حدیث میں بصورت عذر شرعی نمازِ جمعہ کی جماعت میں شامل نہ ہونے کی رخصت واجازت ہے۔

"اِنَّ ابْنَ عُمَرَ اَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرِدٍ وَّ رِيحٍ ، فَقَالَ أَلَا صَلُّوا فِي الرِحَال، ثُمَّ قَالَ كَانَ رَسُولُ الله ﷺ يَامُرُ المُوذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَلَّةٌبَارِدَةٌ ذَاتُ مَطَرٍ، يقُولُ أَلَا صَلُّوا فِي الرِحَالِ"۔

وعن جابرؓ قال؛ خَرجنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فی سَفَرٍ فَمُطِرْنَا ۔ فَقَالَ لِيُصَلِّ مَن شَاءَ مِنْكُم فِي رَحْلِهِ"۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ شدید سردی، ہوا، بارش ومطریاان جیسے اعذار کی بناء پر باجماعت نماز کے حکم میں گنجائش ورخصت رکھی گئی ہے۔جب کوئی عذر شرعی نہ ہوتو باجماعت نماز کی تاکید ہے، اگر عذر ہوتو جماعت میں حاضر نہ ہونے کی رخصت ہے، عذر کے باوجود مشقت اٹھا کر جماعت میں شامل ہونا افضل ہے۔عذر کی بناء پر گھر میں جماعت بنا کر روزانہ کی پنج وقتہ نماز ادا کرنا جائز ہے، لیکن جمعہ کی نماز کی جماعت گھر پر بنانا جائز نہیں۔

وفی الفقہ الاسلامی وادلتہ:"أن الحنفية قالوا ؛ يكره تكرار الجماعة بأذان و إقامة فى مسجد محله، اِلّا اذا صلى بها فيه أولاً غير أهله. أو أهله ليكن بمخافتة الأذان، أو كرر الجماعة بدون الأذان و الاقامة، أو كان مسجد طريق،أو مسجداً لا اِمام له ولا مؤذن، و يصلى الناس فيه فوجاً فوجاً ، والافضل أن يصلى كل فريق باذان و اقامة على حدة۔

والمراد بمسجد محله ، ماله امام و جماعة معلومين۔ والكراهة اذا تكرر الأذان، فلو صلى جماعة فى مسجد المحلة بغير أذان أبيح، لكن ظاهر الرواية عند الحنفية أنه مكروه، فما يفعل فى بعض المساجد من الصلاة بأئمة متعددة و جماعات مترتبه مكروه عندهم۔

دلیلهم أنه علیه الصلاۃ و السلام کان قد خرج لیصلح بین قوم فعاد الیٰ المسجد و قد صلی أهل المسجد، فرجع الیٰ منزله فجمع أهله و صلی، ولو جاز ذالک لما اختار الصلاۃ فی بیته علی الجماعة فی المسجد، ولان ذلک حامل علی تکثیر الجماعة، فلو أبیح التکراربدون کراھة لا یجتمع الناس، لعلمهم أن الجماعة لا تفوتهم " (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱٦۴)۔

کورونا کے ماحول میں تجہیز وتکفین:

کورونا میں جہاں کئی ایک مسائل پیدا ہوئے، سماجی، معاشی، عبادات سے متعلق نیز معاشرتی وغیرہ ان میں سے بعض اہم مسائل طبی اور مابعد موت کے مسائل بھی ہیں جن سے کافی پریشانی عوام کو ہوئی۔ اول اوائل میں تو کئی لوگوں نے اپنے رشتہ داروں کی میتوں کو اسپتال سے لیا بھی نہیں اور یہ عموماً غیر مسلموں میں ہوا۔ جب کہ مسلمانوں میں میت کو حاصل کرنے، اوراس کی تدفین کرنے کے مراحل کو بعض رضا کارانہ خدمات کے لئے مختص اداروں اورنوجوانوں نے انجام دیا۔

اس میں بڑا مسئلہ تغسیل، تکفین، نماز جنازہ اور تدفین کا ہے، چنانچہ اکثر کورونا کی میتوں کو غسل دینے، کفنانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، کہیں کہیں پر نمازِ جنازہ کی بھی اجازت نہیں دی گئی مگر اکثر بلکہ نناوے فیصد میتوں کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اوران کو قبرستانوں میں دفن بھی کیا گیا۔

اکثر میتوں کو کووڈ عملہ نے اور اسپتال کے عملہ نے غسل دینے اور کفنانے کے لئے کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ جو کور اسپتال سے لپٹا ہوا آتا اسی میں میت کو دفن کرنے کی ہدایت کے ساتھ میت کو حوالہ کیا جاتا بلکہ بسااوقات خود عملہ بھی تدفین تک موجود رہتا۔

بسااوقات ہوا یہ کہ میت کو ورثا کے حوالہ نہیں کیا گیا بلکہ خود کووڈ ۱۹ عملہ نے اپنی نگرانی میں میتوں کو دفن کردیا بعد میں بتادیا گیا کہ آپ کے رشتہ دار کی قبر فلاں ہے۔ اس میں بڑی دھاندلیاں بھی ہوئیں، بہت سی لاپرواہیاں اور کوتاہیاں بھی ہوئیں مگر یہ سب اس دور میں ہوا جس میں خوف ودہشت سب پر طاری تھی، پینڈمک کا دور تھا ایسے میں یہ ممکن نہیں تھا اس مسئلہ پر کچھ اقدامات کئے جاتے، پھر بھی سوشیل میڈیا کے ذریعہ ان واقعات کو اٹھا کر مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی گئی۔

اب یہاں انہی مسائل پر شرعی حکم جاننے اوراس پر فقہاء کی آراء سے واقفیت کی کوشش کی گئی ہے۔

غسل وکفن کا مسئلہ:

میت اگر بغیر کور کئے دی جائے تو پھر اس کو غسل بھی دیا جائے گا اوراس کی تکفین بھی کی جائے گی۔

لیکن اگر میت کور کر کے اس ہدایت کے ساتھ دی جائے کہ اس کو کھولا نہ جائے تو پھر اس کی گنجائش ہے کہ اس کو بغیر

غسل وتکفین دفن کردیا جائے۔کیونکہ میت کو کھولنے میں انفیکشن کے پھیلنے کے امکانات ہیں، اسلئے ایسی میت کو اسپتال کے عملے نے اگر پلاسٹک کے کور میں بند کرکے دیا ہے تو وہی کور اس کے لئے کفن ہوگا، رہا غسل تو اس کے لئے اگر چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ہو تو تیمّم کرایا جائے یا پھر لوٹے یا ہاتھ میں پانی لے کر اس کو میت پر بنیت غسل چھڑک دیا جائے وگرنہ غسل یا تیمّم کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔کور کے اوپر کفن کا کپڑا ''لفافہ''لپیٹا جاسکتا ہے مگر ایسا ضروری نہیں۔

''فتاویٰ محمودیہ''میں مجذوم کو بلا غسل دفن کرنے کے سلسلہ میں ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے؛

اگر اس کو ہاتھ لگا کر غسل دینا دشوار تھا تو اس پر لوٹے یا مشک سے پانی بہادیا جاتا اگر یہ بھی نہ ہوسکتا تھا تو ہاتھ پر تھیلی باندھ کر صرف تیمّم کرادیا جاتا، پھر نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاتا اور اس کے لئے قبر کا بنانا بھی ضروری تھا گڈھے میں ڈھکیل دینا بھی غلط ہوا (فتاویٰ محمودیہ ۱۳؍ ۲۰۴)۔

نیز''موسوعۃ الفقہیۃ''(اردو) میں ہے کہ:اگر مردے کو بلا غسل دفن کردیا گیا تو جمہور فقہاء (مالکیہ،شافعیہ وحنابلۃ) کی رائے ہے کہ اس کو قبر سے کھود کر نکالا جائے اور غسل دیا جائے، ہاں اگر پھٹنے کا اندیشہ ہو تو رہنے دیا جائے، یہی رائے ابوثور کی بھی ہے۔

اور حنفیہ کا کہنا ہے کہ نیز یہی ایک قول شافعیہ کا بھی ہے کہ اس کو قبر سے نکالا نہیں جائے گا کیونکہ قبر سے نکالنا مثلہ ہے جس کی ممانعت ہے۔

اگر نمازِ جنازہ کے بغیر دفن کردیا گیا تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت جس کو قاضی نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ اس کو نہ نکالا جائے، اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ حدیث ہے؛''**ان النبی** ﷺ **صلی علی قبر المسکینۃ**''اور اس کو کھود کر نہیں نکالا۔مالکیہ کی رائے اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ قبر کو کھود کر اس کو نکالا جائے گا پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی......الخ اور اگر اس میں تغیر آچکا ہے تو کسی بھی حال میں کھود کر نہیں نکالا جائے گا۔

اگر بلا کفن دفن کردیا گیا تو شافعیہ کے یہاں اصح اور حنابلہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ قبر کا پردہ ہی کافی ہے،اور اسی میں اس کے احترام کی حفاظت ہے۔نیز اس لئے کہ کفن کا مقصد ستر ہے جو ہو چکا ہے الخ (الموسوعۃ الفقہیۃ (اردو)،۲۱؍ ۴۴)۔

وفی الفتاویٰ الہندیۃ:''**ولو کان المیت متفسخا یتعذر مسحه کفی صب الماء علیه**''(فتاویٰ الہندیۃ؛ ۱؍ ۱۵۸،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل الثانی فی الغسل)۔

”ثم غسل المیت و تکفینه و الصلوٰۃ علیه و دفنه فروض کفایة بالاجما ع“(حلبی کبیر ص۵۷۹،فص فی الجنائز)۔

وفی الموسوعۃ الفقہیۃ:”ان دفن المیت من غیر غسل، فذهب جمهور الفقهاء المالکیة و الشافعیة و الحنابلة الیٰ انه ینبش و یغسل اِلّا ان یخاف علیه أن یتفسخ، فیترک و به قال أبو ثور ۔ وقال الحنفیة وهو قول لدی الشافعیّة أنّه لا ینبش، لأن النبش مثلة و قد نهی عنها۔

أما ان دفن قبل الصلاة علیه ، فذهب الحنفیةوالشافعیة وهو روایة عن الحنابلة اختارها القاضی أنه یصلی علی القبر و لا ینبش، لأن النبی ﷺ صلّی علی قبر المسکینة ولم ینبشها

ویری المالکیة وهو روایة عن أحمد أنه ینبش ویصلی علیه....الخ امّا ان تغیر فلا ینبش بحالٍ۔

”وان دفن بغیر کفن فالأصح عند الشافعیة و هو وجه عند الحنابلة انه بترک اکتفاء یستر القبر و حفظاًلحرمته و لأن القصد بالکفن السّتر وقد حصل۔الخ“(الموسوعۃ الفقہیۃ۲۱/۱۰)۔

فی الدر المختار:”(وجد راس الآدمی) او احد شقیه (لا یغسل و لا یصلی علیه) بل یدفن الا ان یوجد اکثر من نصف و لو بلا راس“(کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنازۃ)۔

فی الدر المختار:”(لو وجد میت فی الماء فلا بد من غسله ثلاثا) لانا امرنا بالغسل فیحرکه فی الماء بنیة الغسل ثلاثاً“(کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنازۃ)۔

فی الدر المختار:”و لو کان فی مکان لیس فیه، إلا واحد و ذلک الواحد لیس له، إلا ثوب لا یلزمه تکفینه به “ (کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنازۃ)۔

کورونا کے ماحول میں نمازِ جنازہ:

(الف) قبر پر نماز جنازہ:

جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ کبھی کبھی طبی عملہ کورونا کی میت کو خود قبرستان لے جا کر سپر دِ خاک کر دیتا ہے اور متعلقین کے حوالہ نہیں کرتا، یا پھر کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ بعض اوقات تدفین کی خبر دیتا ہے اور جگہ بتا دیتا ہے اور کبھی جگہ بھی نہیں بتا تا تو ایسی صورت میں اگر قبرستان اور قبر کا علم اس کے متعلقین کو ہو جائے تو میت کے لئے نمازِ جنازہ اس کی قبر پر ادا کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح میت تو حوالہ کردی مگر غسل، تکفین ونمازِ جنازہ کی اجازت نہیں دی تو ایسی صورت میں صرف دفن کا مرحلہ انجام دینے کا موقع تھا تو بعد تدفین کے اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔

قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی شرط یہ ہے کہ میت کے نہ پھٹنے کا یقین ہو، اگر اتنے دن ہوگئے کہ جس میں میت پھٹ جاتی ہو یا اس میں تغیر آجاتا ہو تو پھر اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

اسی طرح اگر میت پر نماز جنازہ پڑھ دی گئی ہو خواہ کسی نے بھی پڑھی ہو اب دوبارہ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

کمافی الدرالمختار؛"**وقال؛ وإن دفن بغير صلاة، صلی علی قبره، مالم يغلب على الظن تفسخه**" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۳/۱۲۵)۔

أما إن دفن قبل الصلاة عليه ، فذهب الحنفيةوالشافعية وهو رواية عن الحنابلة اختارها القاضى أنه يصلى على القبر و لا ينبش، لأن النبى ﷺ صلّى على قبر المسكينة ولم ينبشها۔۔۔ويرى المالكية وهو رواية عن أحمد أنه ينبش ويصلى عليه۔۔۔۔الخ امّا ان تغير فلا ينبش بحالٍ۔الخ"(الموسوعة الفقہیۃ ۲۱/۱۰)۔

وکذافی الفقہ الاسلامی وادلتہ:"**أما الصلاة على الميت بعد الدفن فجائز باتفاق الفقهاء اذا لم يكن صلى عليه؛ لأن النبى ﷺ صلى على قبر امرأة من الأنصار۔ و يحسن ذكر عبارات الفقهاء لمعرفة القيود الشرعية للصلاة**

قال الحنفية ان دفن الميت و لم يصل عليه، صلىٰ علىٰ قبره استحساناً مالم يغلب على الظن تفسخه، والمعتبر فى معرفة عدم التفسخ أكبر الرأئى من غير تقدير فى الاصح، لاختلاف الحال و الزمان و لمكان" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۵۰۳،کذافی مراقی الفلاح، باب احکام الجنائز، فصل الصلاۃ علیہ/ص ۳۴)۔

(ب) قبر کا علم نہ ہونے پر غائبانہ نمازِ جنازہ:

قبر کا علم نہ ہونا غائب کے حکم میں ہے اور غائب پر نماز جنازہ جائز نہیں ہے، اسی لئے اب اس پر صرف ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاسکتی۔

"**فلا تصح على غائب......الخ**" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۳/۱۰۵)۔

☆☆☆

کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مفتی محمد اسعد بن مولانا عبدالرزاق پالن پوری فلاحی☆

ا-کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

شریعت میں نماز جمعہ کی اہمیت اور عامۃ المسلمین کی طرف سے اس کا اہتمام معلوم ومعروف ہے؛ عوام کی بڑی تعداد صرف جمعہ کی ہی حد تک نماز کا اہتمام کرتی ہے اور اس کی وجہ سے صرف ایک دن مسجد میں آتی ہے اور مسجد سے مسلم معاشرے سے جڑتی ہے، کچھ دین کی باتیں بھی سن لیتی ہیں؛ کورونا کی وجہ سے عام نمازوں اور جمعہ میں جو پابندی لگی، تو کئی سوالات سامنے آئے کہ مسجدوں میں پابندیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی متعدد جماعتیں کی جائیں یا مسجد کی ایک جماعت سے الگ مکانات وغیرہ میں بھی نماز جمعہ کا انعقاد کیا جائے؟ یا مسجد کی ایک جماعت پر اکتفا کر کے بقیہ لوگ جمعہ ادا کرنے کے بجائے ظہر پڑھیں اور اگر ظہر ادا کریں تو جماعت سے یا تنہا جبکہ اس صورت میں عوام کی بڑی تعداد نماز جمعہ ونماز ظہر دونوں سے دور رہتی ہے اور ابھی جیسا کہ اطلاعات ملیں کہ جن جگہوں میں تعدد جمعہ کا نظام نہیں بنا ہے، وہاں عامۃ المسلمین بالکل بیگانہ ہو گئے اور اب تک ان پر اثر ہے۔

(الف) سوال مذکور کے جواب سے قبل یہ بات جان لینی چاہیے کہ مساجد دو طرح کی ہوتی ہیں:

(۱) مسجد سوق وطریق (یعنی بازار اور عام سڑک کی وہ مسجد جس کے امام ومؤذن متعین نہ ہوں) (۲) مسجد حی (محلے کی مسجد جس کے امام ومؤذن متعین ہوں)

جہاں تک تعلق ہے مسجد سوق وطریق کا اگر ان کے امام ومؤذن متعین نہ ہوں (کیونکہ بعض مساجد میں امام و مؤذن متعین ہوتے ہیں) تو جماعت ثانیہ کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ جیسا کہ کتب فقہ وفتاوی میں مصرح ہے؛ چنانچہ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اپنی کتاب ''موسوعۃ الفقہ الاسلامی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''أما مسجد الشارع: فالناس فيه سواء، لا اختصاص له بفريق دون فريق؛ و على هذا لا يكره تكرار الجماعة فی مساجد الطريق؛ وهي ما ليس لها إمام و جماعة معينون''(موسوعۃ الفقہ الإسلامی والقضایا

☆ خادم الحدیث والافتادار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور، بھروچ، گجرات۔

المعاصرۃ،مکتبۃ دارالفکر دمشق ۲/ ۱۵۳)۔

رہ گئی مسجد حی (محلے کی مسجد) تو اس میں لوگوں کے تغافل اور تقلیل جماعت کے اندیشے کی وجہ سے عام حالات میں تو احناف کے نزدیک تکرار جماعت مکروہ ہے؛ پھر امام ابوحنیفہؒ کراہت کو مقید کرتے ہیں اس صورت کے ساتھ جبکہ محلے والوں نے اذان واقامت کے ساتھ پہلی نماز باجماعت پڑھ لی ہو؛ پس اگر پہلی نماز محلے والوں کے علاوہ دیگر لوگوں نے پڑھی ہے یا محلے والوں ہی نے پڑھی ہے؛ لیکن بغیر اذان واقامت کے پڑھی ہے، تو ان دونوں صورتوں میں تکرار جماعت مکروہ نہیں ہوگی اور امام ابو یوسفؒ مقید کرتے ہیں، جبکہ جماعت ثانیہ میں مصلیوں کی تعداد جماعت اولی کے مقابلے میں زیادہ ہوں؛ پس اگر تین چار مصلی ہوں اور مسجد کے ایک گوشے میں الگ ہو کر باجماعت نماز پڑھ لیں تو کوئی کراہت نہیں ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک کراہت اس وقت ہے، جبکہ جماعت ثانیہ علی سبیل التداعی ہو، پس اگر علی سبیل التداعی نہ ہو، تو کراہت نہیں ہوگی۔

''الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ'' میں لکھا ہے: ''**فالحنفية يقيدون كراهة التكرار بما إذا صلى فى مسجد الحى أهله بأذان و إقامة؛ فإذا صلى فيه أولًا غير أهله أو صلى فيه أهله بدون أذان و إقامة لا يكره تكرار الجماعة فيه؛ كذالک روى عن أبى حنيفةؒ و أبى يوسفؒ أنه يكره التكرار إذا كانت الجماعة الثانية كثيرة؛ فأما إذا كانوا ثلاثة أو أربعة، فقاموا فى زاوية من زوايا المسجد و صلوا بجماعة فلا يكره؛ و روى عن محمدؒ أنه يكره التكرار إذا كانت الجماعة الثانية على سبيل التداعى و الاجتماع، فأما إذا لم يكن فلا يكره**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ،مطبوعۃ وزارۃ الشئون الإسلامیۃ الکویت: ۲۷/ ۱۷۶)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے ''موسوعۃ الفقہ الاسلامی'' میں لکھا ہے: ''**أن الحنفية قالوا: يكره تكرار الجماعة بأذان و إقامة فى مسجد محلة، إلا إذا صلى بهما فيه أولًا غير أهله، أو أهله لكن بمخالفته الأذان، أو كرر أهله الجماعة بدون الأذان و الإقامة، أو كان مسجد طريق، أو كان مسجد طريق، أو مسجدًا لا إمام له و لا مؤذن**'' (موسوعۃ الفقہ الإسلامی والقضایا المعاصرۃ،مکتبۃ دارالفکر دمشق: ۲/ ۱۵۳)۔

اور علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**و لو كرر أهله بدونهما........جاز إجماعًا**'' (ردالمحتار مطبوعۃ مکتبۃ زکریا دیوبند: ۲/ ۲۸۸)۔

خلاصہ اور اپنی ذاتی رائے: مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ تکرار جماعت کی کراہت بعض مخصوص صورتوں میں ہے، ان کے علاوہ صورتوں میں جبکہ جماعت ثانیہ علی سبیل التداعی نہ ہو، بغیر اذان واقامت کے ہو، جماعت

ثانیہ کا امام الگ ہو اور محراب سے قدرے ہٹ کر مسجد کی کسی ایک سمت میں ہو تو کراہت لازم نہیں آئے گی؛ پس کورونا جیسے وبائی امراض کے زمانے میں ایک جماعت کے ساتھ تمام مصلیوں کا نماز ادا کرنا دشوار ہو تو مذکورہ شرائط اور پابندیوں کی رعایت کے ساتھ؛ نیز نماز باجماعت کے فضائل اور اس کے اجر و ثواب کو مد نظر رکھتے ہوئے اور موجودہ دور میں لوگوں کی نماز اور دیگر عبادات کے تعلق سے غفلت وغیرہ کو دیکھتے ہوئے بدرجۂ مجبوری جماعت ثانیہ کی اجازت دی جائے تو بندے کی ناقص رائے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

(ب) جمعہ کے روز شہر کی بعض چھوٹی مساجد کو چھوڑ کر مخصوص بڑی مساجد ہی میں جمعہ کی نماز قائم کرنے میں حضرات فقہانے جو حکمتیں لکھی ہیں، وہ یہ ہیں کہ اس روز بڑی تعداد میں مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے، جس سے ان کی شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے، ایک کلمے پر ان کا اجتماع ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر کفار و مشرکین اور ہنود و اعدائے اسلام پر ان کا رعب قائم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ بلا ضرورت شدیدہ تعدد جمعہ کے عدم جواز پر امام شافعیؒ کی دلیل بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''موسوعۃ الفقہ الاسلامی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''**الاقتصار على واحدة أدعى لتحقيق المقصود من إظهار شعار الاجتماع و اجتماع الكلمة**'' (موسوعۃ الفقہ الإسلامی والقضایا المعاصرۃ، مکتبۃ دار الفکر دمشق: ۲/۲۵۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب مذکور مقصد ایک مسجد میں ایک مرتبہ نماز جمعہ قائم کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے تو ضرورت پڑنے پر ایک سے زائد مرتبہ میں قائم کرنے پر تو بدرجۂ اولی حاصل ہوگا؛ کیوں کہ جب ایک بڑی تعداد ایک مرتبہ نماز جمعہ قائم کر کے مسجد سے باہر نکلے گی اور اسی کے فوراً بعد بڑی تعداد میں لوگ مسجد میں داخل ہوں گے، پھر وہ نماز ادا کر کے باہر نکلیں گے تو اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت اور ان کی شان و شوکت کا مزید ظہور ہوگا؛ نیز ان کا رعب و دبدبہ اغیار اور اعدائے اسلام پر پہلے سے زیادہ پڑے گا اور مذکور مقصد بدرجہ اتم حاصل ہوگا۔

نیز کسی شہر کی ایک بڑی مسجد جمعہ کے مصلیوں کے لیے ناکافی ہو، یعنی مسجد اپنے مصلیوں کے لیے تنگ پڑتی ہو، یا مسافت بعیدہ طے کر کے مصلیوں کا کسی ایک مخصوص مسجد میں نماز جمعہ کے لیے حاضر ہونا دشواری کا باعث ہو، تو ان صورتوں میں حضرات فقہائے احناف کے یہاں ضرورت کے مطابق شہر کی ایک سے زائد مساجد میں نماز جمعہ قائم کرنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے اور لوگوں کو تنگی سے بچانے کے لیے اسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے اور فتوی بھی اسی پر ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اپنی کتاب ''موسوعۃ الفقہ الاسلامی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''**أما الحنفية على المذهب و عليه الفتوى فقالوا: يؤدى أكثر من جمعة فى مصر واحد بمواضع كثيرة دفعًا للحرج؛ لأن فى إلزام**

اتحاد الموضع حرجًا بيِّنًا، لتطويل المسافة على أكثر الحاضرين، و لم يوجد دليل على عدم جواز التعدد، و الضرورة أو الحاجة تقتضى بعدم اشتراطه، لا سيما فى المدن الكبرى۔

و الحق: رجحان هذا الرأى، لاتساع البنيان، و كثرة الناس، و للحاجة فى التيسير عليهم فى أداء الجمعة؛ و لأن منع التعدد لم يقم عليه دليل صحيح ....و قال ابن تيمية: إقامة الجمعة فى المدينة الكبيرة فى موضعين للحاجة يجوزعند أكثر العلماء؛ و لهذا لما بنيت بغداد و لها جانبان، أقاموا فيها جمعة فى الجانب الشرقى، و جمعة فى الجانب الغربى، وجوز ذلک أكثر العلماء'' (موسوعۃ الفقہ الإسلامی و القضایا المعاصرۃ، مکتبۃ دار الفکر دمشق: ۲/ ۲۵۳، ۲۵۴)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے شہر میں بوقت ضرورت ایک سے زائد مساجد میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے، جب بوقت ضرورت ایک سے زائد مساجد میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے،تو اس سے استیناس کرتے ہوئے یہ حکم بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی مقام پر مصلیوں کی کثرت اور ازدحام کی وجہ سے ایک مسجد میں ایک مرتبہ میں سب مصلیوں کا نماز جمعہ ادا کرنا ممکن نہ ہو،تو دوسری اور تیسری مرتبہ بھی جمعہ کی نماز قائم کی جاسکتی ہے۔

نیز جیسا کہ سوال میں اس بات کی بھی صراحت ہے: '' کہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے ایک مرتبہ میں سارے لوگوں کا نماز جمعہ ادا کرنا دشوار ہو اور مسجد سے باہر ادا کرنے کی صورت میں مسائل پیدا ہوتے ہوں'' یہ بھی ایک سے زائد مرتبہ نماز جمعہ قائم کرنے کی معقول وجہ ہے؛ کیوں کہ بعض بڑے شہروں میں دیکھا گیا ہے کہ نمازیوں کی کثرت اور ازدحام کی وجہ سے مسجد سے باہر عام سڑک پر بھی چٹائیاں بچھائی جاتی ہیں اور ان پر صفیں لگتی ہیں، جو گزرنے والوں کے لیے عمومی تکلیف کا باعث بنتا ہے،جس کی احادیث میں شدت کے ساتھ ممانعت وارد ہوئی ہے؛ ایک طرف جمعہ جیسے عظیم فریضے کی ادائیگی ہو رہی ہے اور دوسری طرف یہی نمازی عام لوگوں کے لیے ایذا رسانی کا سبب بھی بنتا ہے،جس کی اسلام میں کہیں پر بھی گنجائش نہیں؛ پھر یہی چیز کبھی کبھار فریقین کے درمیان تناؤ، کشیدگی اور ہنگامہ آرائی کا ذریعہ بن جاتی ہے،فریقین کے درمیان لاٹھیاں چلتی ہیں،خون خرابے تک کی نوبت آتی ہے،مقدمات چلتے ہیں اور زندگیاں تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی ہیں وغیرہ۔

اس لیے ان تمام فتنوں سے بچنے کے لیے ایک مسجد میں تعدد جمعات کی اجازت دینے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

خلاصہ اور اپنی ذاتی رائے: مذکورہ بالا چاروں وجوہات (اقامت جمعہ کی حکمتیں، سارے مصلیوں کے لیے مسجد کے ناکافی ہونے، مسافت طویلہ و بعیدہ طے کرنے میں دشواری کا باعث ہونے اور مسجد سے باہر نماز جمعہ ادا کرنے میں مسائل

کے پیدا ہونے) کی بنیاد پر بندے کی مضبوط اور قوی رائے یہ ہے کہ بوقت ضرورت ایک مسجد میں تعدد جمعات کی اجازت ہونی چاہیے۔

۲- کورونا جیسے وبائی امراض کیزمانے میں آنکھوں دیکھا حال یہ تھا حکومت کی جانب سے مساجد اور دیگر مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں میں پانچ سے زائد آدمیوں کے داخلے پر پابندی تھی، بل کہ بعض جگہوں پر تو دیکھا گیا کہ گلی کوچوں کے ساتھ ساتھ مساجد کے دروازوں پر بھی ایسے سخت پہرے بٹھائے گئے تھے، جیسے کسی جانی اور خوں خوار دشمن کے مقابلے کے لیے بٹھائے جاتے ہیں، ایسے ماحول میں لوگوں کا اپنے گھروں سے نکل کر مساجد کا رکھ کرنا اپنا ہاتھ شیر کے منہ میں دینے کے مترادف ہو گیا تھا، پھر ستم بالائے ستم میڈیا نے اپنا خطرناک رول ادا کر کے لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس کا ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ انسان انسان سے ملنے کو ڈرتا تھا، مساجد میں اتصال صفوف کو بالائے طاق رکھ کر لوگوں نے سوشل ڈسٹن اور ماسک کو اپنے نبی کی سنتوں سے بڑھ کر سنت بنالیا تھا۔

اب ایسے پر آشوب ماحول میں لوگوں کو جمعہ کی نماز سے جوڑے رکھنے کی ایک ہی شکل تھی کہ محدود تعداد میں چند لوگوں کو لے کر مساجد کے ماحول کو زندہ رکھا جائے اور بستی اور محلے کے مابقیہ لوگوں کے لیے الگ الگ مکانات اور گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنائی جائیں، تاکہ اس بہانے سے لوگ کم از کم جمعہ جیسی عظیم نماز سے جڑے رہیں اور اس کے ثواب سے محروم نہ ہوں؛ کیونکہ بوقت ضرورت تعدد جمعات کی اجازت حضرات فقہا نے دی ہے؛ جیسا کہ ماقبل میں بعض فقہی عبارات اس سلسلے میں گزر چکی ہے۔

خلاصہ اور اپنی ذاتی رائے: پس ان ناگفتہ بہ حالات میں مساجد میں ایک دو جماعتیں قائم کر کے مابقیہ مصلیوں کے لیے ہمیشہ کا معمول بنائے بغیر عارضی طور پر اگر گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظام بنایا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بل کہ بندہ اپنی ناقص رائے میں اس طریقے کو "مالا یدرک کله لا یترک کله" کی وجہ سے احسن طریقہ سمجھتا ہے؛ نیز فقہائے احناف کے یہاں نماز جمعہ کی لیے مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ صحت جمعہ کے تمام شرائط کے پائے جانے کے بعد نماز جمعہ اگر کسی میدان میں ادا کی جارہی ہے، تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، نماز درست ہو جائے گی؛ جیسا کہ تبلیغی اجتماعات کے موقعوں پر دیکھا جاتا ہے؛ اس کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ اگر مسجد کی ایک دو جماعتیں کرنے کے بعد مابقیہ مصلیوں کے لیے گھروں میں جماعتوں کا انتظام کیا جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے، ان چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی بھی اگر اجازت نہ دی گئی، تو لوگوں کی دین بیزاری اور نماز جیسی مہتم بالشان عبادت کے تعلق سے ان کی لاپرواہی اور غفلت کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ نماز جمعہ تو کیا بل کہ پنج وقتہ نماز ہی نہ پڑھتے؛ اس لیے اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے۔

اور بعض لوگوں کا یہ خیال: ’’اس سے تشتت پیدا ہوگا اور لوگ اس کو آئندہ کے لیے اپنا معمول بنالیں گے‘‘ یہ صرف چند لوگوں کا اپنا ذاتی خیال ہوسکتا ہے، اس کی طرف کوئی خاص توجہ کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ اس طرح کے خیالات کی طرف اگر توجہ دی گئی، تو ان جیسے حالات میں ان لوگوں کے لیے جن کو مساجد میں حاضری کا موقع نہیں ملا ہے، نماز جمعہ اور باجماعت نماز کا کوئی راستہ ہی باقی نہیں رہے گا۔

۳- صورت مسئولہ میں حتی الامکان کوشش تو یہ ہونی چاہیے کہ مسجد کی جماعت کے بعد جو لوگ نماز جمعہ کی ادائیگی سے رہ گئے ہیں، ان کے لیے گھروں میں جماعتوں کا انتظام کیا جائے، تاکہ جمعہ کی فضیلت سے وہ محروم نہ رہیں، جیسا کہ ماقبل میں بالتفصیل یہ بات لکھی جاچکی ہے اور بوقت ضرورت تعدد جمعات کی حضرات فقہا کی طرف سے اجازت دی گئی ہے؛ لیکن اگر کوشش کے باوجود گھروں میں جمعہ قائم کرنے کی کوئی شکل نہ بنتی ہو؛ مثلاً: لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو یا جمعہ کی نماز پڑھانے والا کوئی نہ ہو وغیرہ، تو اب ظہر کی نماز کی طرف رجوع ہوگا؛ پھر ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے یا باجماعت؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ:

احناف کے یہاں مسافر، قیدی، مریض اور ان کے علاوہ دیگر معذورین کے لیے شہر میں (جہاں جمعہ کی نماز قائم کی جاتی ہے) جمعہ کے روز قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ دونوں صورتوں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ اس میں نماز جمعہ (جو کئی جماعتوں کی جامع ہوتی ہے) میں خلل لازم آئے گا اور بسا اوقات غیر معذور بھی عذر کا بہانہ بنا کر جمعہ چھوڑ کر نماز ظہر کی اقتدا کرنے لگ جائے گا جو جمعہ کے لیے تقلیل جماعت کا سبب بھی بن سکتا ہے؛ نیز اس میں ایک طرح سے نماز جمعہ سے اعراض بھی لازم آرہا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ اپنی کتاب ’’موسوعۃ الفقہ الاسلامی‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

”قال الحنفية: يكره أيضًا أن يصلى المعذورون من مسافر و مسجون و مريض و غيرهم الظهر بجماعة يوم الجمعة فى موطن إقامة الجمعة (فى المصر) قبل الجمعة و بعدها؛لما فيه من الإخلال بالجمعة، إذا هى جامعة للجماعات، و ربما يتطرق غير المعذور إلى الاقتداء بهم، و لما فيه من صورة معارضة الجمعة بإقامة غيرها“ (موسوعۃ الفقہ الإسلامی والقضایا المعاصرۃ، مکتبۃ دار الفکر دمشق: ۲/ ۲۸۰، ۲۸۱)۔

اور ’’درمختار‘‘ میں ہے: **”(و كره) تحريمًا (لمعذور أو مسجون) و مسافر (أداء ظهر بجماعة فى مصر) قبل الجمعة و بعدها لتقليل الجماعة و صورة المعارضة۔**

و فى رد المحتار قوله: (لتقليل الجماعة) لأن المعذور قد يقتدى به غيره، فيؤدى إلى تركها؛

بحر۔ و کذا إذا علم أنه یصلی بعدها بجماعة ربما یترکها لیصلی معه؛ فافهم۔

قوله:(و صورة المعارضة) لأن شعار المسلمین فی هذا الیوم صلاة الجمعة، و قصد المعارضة لهم یؤدی إلی أمر عظیم، فکان فی صورتها کراهة التحریم"(ردالمحتار مطبوعہ مکتبۂ زکریا دیوبند: ۳/ ۳۲، ۳۳)۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ معذورین کے لیے جمعہ کے روز قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنے کی کراہت جو ذکر کی گئی ہے وہ کراہت معلول بالعلۃ ہے؛ یعنی ان لوگوں کا قبل الجمعہ یا بعد الجمعہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنے کی صورت میں نماز جمعہ میں خلل یا تقلیل جماعت یا صورۃً معارضے کا لازم آنا یا غیر معذور کا بہانہ بنا کر نماز ظہر کی اقتدا کرنا وغیرہ اور مذکور علتوں میں سے کوئی بھی علت سوال میں جن مصلیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں نہیں پائی جارہی ہیں؛ کیونکہ سوال مذکور کا مطلب یہ ہے کہ کورونا جیسی بیماری کی وجہ سے مسجد میں صرف ایک جماعت کی گئی ہے، اب جو لوگ رہ گئے ہیں ان کو اپنے گھروں میں نماز ظہر کس طرح ادا کرنی ہے؟ باجماعت یا بغیر جماعت؟

خلاصہ اور اپنی ذاتی رائے: ظاہری بات ہے کہ ان مذکور مصلیوں کا مقصد نماز جمعہ سے تخلف نہیں ہے، بل کہ ان کا مقصد تو نماز جمعہ میں شرکت کرنا ہی تھا؛ لیکن مجبوری کی وجہ سے وہ لوگ جمعہ میں شرکت نہیں کر سکے ہیں؛ لہذا جمعہ کے روز قبل الجمعہ یا بعد الجمعہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنے کی کراہت کی جو علتیں ذکر کی گئیں ہیں وہ علتیں ان مصلیوں کے اندر نہیں پائی جاتی ہیں؛ پس ان لوگوں کے لیے عام حالات میں تو جمعہ کے روز قبل الجمعہ یا بعد الجمعہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنا مکروہ تحریمی ہوگا؛ لیکن کورونا جیسی بیماری کی وجہ سے پابندیوں کی بنیاد پر جو لوگ نماز جمعہ سے رہ گئے ہیں، ان کے لیے بہتر تو یہی ہے کہ وہ نماز ظہر تنہا تنہا پڑھیں، تاکہ حکم کی بھی رعایت ہوجائے اور اگر باجماعت پڑھتے ہیں تب بھی بندے کی ناقص رائے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ باجماعت کراہت کی مذکور علتیں ان کے اندر نہیں پائی جارہی ہیں۔

۳-تجہیز وتکفین:

سوال مذکور میں دو امور کے متعلق حکم دریافت کیا گیا ہے:

پہلا امر یہ ہے کہ میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر سپرد کیا گیا ہے اور ہسپتال کے عملے کی طرف سے اس کو کھولنے کی اجازت نہیں ہے، تو کیا وہی کور کفن کے قائم مقام سمجھا جائے گا یا اس کو الگ سے مستقل کفن دینا پڑے گا؟

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ حتی الامکان کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہسپتال کے عملے کو اپنا کفن پیش کر کے اس بات کی تاکید کی جائے کہ وہ لوگ میت کو اس کفن میں لپیٹ کر اولیا کے حوالے کریں؛ خواہ اس کے اوپر وہ پلاسٹک کا کور لپیٹیں؛ لیکن اگر کسی وجہ سے یہ بات ممکن نہ ہو یا تو ہسپتال کا عملہ کپڑے کا کفن لے کر لپیٹنے کے لیے تیار نہ ہو یا کفن دیے جانے سے پہلے ہی

انہوں نے میت کو کور کے اندر لپیٹ دیا ہے یا ان کے علاوہ اور کوئی وجہ ہو، تو ان صورتوں میں چونکہ ایسی مجبوری ہے کہ جس کا کوئی حل ہمارے پاس نہیں ہے اور شریعت نے چونکہ انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بنایا ہے؛ اس لیے مذکور صورت میں بندے کی ناقص رائے میں اسی پلاسٹک کے کور کو کفن کے قائم مقام ٹھہرا دیا جائے اور ''مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ'' والے قاعدے پر عمل کر کے اسی کور میں لپیٹ کر میت کو دفن کر دیا جائے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ اس میت کو غسل دیا جائے یا تیمّم کروایا جائے؟

تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اولاً ہسپتال کے عملے سے اس سلسلے میں بات چیت کر کے میت کو غسل دینے کی اجازت طلب کی جائے اور اس کے لیے جتنی کوشش ہو سکتی ہے کر ڈالے؛ جیسا کہ بعض میت کے متعلق یہ بات محقق اور پختہ ذرائع سے سنی گئی کہ جب متعلقین نے ہسپتال کے عملے سے بات چیت کی اور انسان کے انتقال کے بعد اس کے ساتھ اسلامی طور وطریق کیا اختیار کیا جاتا ہے، انہیں سمجھایا گیا، تو بات ان کی سمجھ میں آئی اور غسل کی اجازت دے کر میت سرپرستوں کے حوالے کی، پھر متعلقین اور سرپرستوں نے اس کے ساتھ تغسیل وتکفین کا کام انجام دے کر میت ان کے حوالے کی، اس کے بعد انہوں نے میت کو پلاسٹک کے کور میں لپیٹ کر یا تو از خود دفن کیا یا کچھ متعین اور مخصوص لوگوں کے ذریعہ دفن کروایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوشش کے بعد اگر غسل کی کوئی شکل بنتی ہو، تو نور علی نور اور اگر کوئی شکل نہ بنتی ہو اور چہرہ وہاتھ کھولنے کی بھی اجازت نہ ہو، تو اب صحت تیمّم کی بھی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے؛ اس لیے اسی پلاسٹک کے کور کے اوپر کفن لپیٹ کر میت کو دفن کر دیا جائے، اس کفن پر یا کور پر تیمّم کروانے سے فریضہ ساقط نہیں ہوگا، جس طرح ٹوپی یا عمامے پر مسح کرنے سے فریضہ ساقط نہیں ہوتا ہے۔

۵-نماز جنازہ:

(الف): سوال میں مذکور جیسی کوئی شکل اگر کسی میت کے ساتھ بن جائے، تو حضرات فقہا نے قبر پر چند شرائط کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد ولی نے اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی ہو، اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی ہے، تو کسی دوسرے کے لیے اس پر نماز جنازے کی اجازت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ ولی کے نماز جنازہ پڑھنے سے فریضہ ادا ہو گیا ہے اور نماز جنازہ میں تنفل مشروع نہیں ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ اپنی کتاب ''موسوعۃ الفقہ الاسلامی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''**فإن صلى عليه غير الولي والسلطان و نائبه، فللولي إعادة الصلاة، ولو على قبره إن شاء، لأجل حقه، لا لإسقاط الفرض؛ و إن**

صلی الولی لم یجز لأحد أن یصلی علیه بعده؛ لأن الفرض تأدی بالأول، و التنفل بالصلاۃ علی الجنازۃ غیر مشروع"(موسوعۃ الفقہ الإسلامی والقضایا المعاصرۃ، مکتبۃ دار الفکر دمشق: ۲/ ۴۲۶)۔

اس کی دلیل ذکر کرتے ہوئے صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

کہ آپ ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت یزید بن ثابتؓ آپ ﷺ کے ساتھ کہیں نکلے اور جنت البقیع میں ایک قبر کے پاس سے ان کا گزر ہوا، تو آپ ﷺ نے اس قبر کے متعلق پوچھا: کہ یہ کس کی قبر ہے؟ تو حضرات صحابہ نے بتلایا کہ فلاں عورت کی (اس کا نام لیا) تو آپ ﷺ نے اس کو پہچان لیا؛ پھر آپ نے فرمایا: کہ تم لوگوں نے اس کے انتقال کے بعد مجھے اطلاع کیوں نہیں کی؟ تو حضرات صحابہ نے جواب دیا: کہ آپ دوپہر میں روزے سے تھے اور قیلولہ فرما رہے تھے؛ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: کہ (آئندہ سے تم) ایسا مت کرنا، جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں، تم میں سے ہر انتقال کرنے والے کے متعلق مجھے اطلاع کر دیا کرو؛ کیوں کہ میرا اس پر نماز جنازہ پڑھنا اس کے لیے باعث رحمت ہے؛ پھر آپ نے قبر پر تشریف لا کر حضرات صحابہ کو ساتھ لے کر چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

"عن یزید بن ثابتؓ قال: خرجنا مع رسول اللہ ﷺ، فلما وردنا البقیع إذا ہو بقبر، فسأل عنہ؟ فقالوا: فلانۃ فعرفہا؛ فقال: ألا آذنتمونی؟ قالوا: کنت قائلًا صائمًا؛ قال: فلا تفعلوا؛ لا أعرفن ما مات منکم میت ما کنت بین أظہرکم إلا آذنتمونی بہ؛ فإن صلاتی علیہ رحمۃ؛ ثم أتی القبر، فصففنا خلفہ و کبر علیہ أربعًا"(فتح القدیر، مطبوعۃ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ: ۲/ ۱۲۳)۔

اور امت کے لیے آپ ﷺ سے بڑھ کر اور کون ولی ہوسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ ولی نے اگر نماز جنازہ نہ پڑھی ہو، تو اس کو قبر پر نماز جنازہ کی اجازت حاصل ہے۔

صاحب "اعلاء السنن" تحریر فرماتے ہیں:"**قال صاحب الہدایۃ: و إن صلی الولی لم یجز لأحد أن یصلی بعدہ (أی: إلا إذا کان أولی من الولی کالنبی ﷺ)**" (إعلاء السنن، إدارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ کراچی: ۸/ ۲۸۷)۔

دوسری شرط یہ ہے کہ میت قبر کے اندر پھول پھٹ نہ گئی ہو اور اس کا اندازہ میت کی حالت اور زمان و مکان کے ذریعے لگایا جاسکتا ہے؛ یعنی جسمانی طور ہر میت کیسی ہے؛ موٹی تازی ہے یا دبلی پتلی؟ اگر موٹی تازی ہے تو جلد پھول پھٹ جائے گی اور دبلی پتلی ہے، تو اس کے پھولنے پھٹنے میں وقت لگے گا؛ کس موسم میں اسے دفن کیا گیا ہے؛ موسم سرماں میں یا موسم گرماں میں؟ اگر موسم سرماں میں دفن کیا گیا ہے، تو جلدی نہیں پھٹے گی اور موسم گرماں میں اگر دفن کیا گیا ہے، جلد پھول

پھٹ جائے گی؛ کس جگہ دفن کیا گیا ہے؟ کیوں کہ جگہ کا اختلاف کا بھی میت کے جلدی یا دیر سے پھولنے پھٹنے میں مؤثر ہوتا ہے۔

''صاحب ہدایہ'' تحریر فرماتے ہیں:''(و يصلى عليه قبل أن يتفسخ) و المعتبر فى معرفة ذلك أكبر الرأى؛ هو الصحيح لاختلاف الحال والزمان و المكان.

و فى فتح القدير: قوله: (لاختلاف الحال) أى: حال الميت من السمن و الهزال؛ و الزمان من الحر و البرد؛ و المكان إذ منه ما يسرع بالإبلاء و منه لا''(فتح القدیر، مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرّمۃ: ۲/ ۱۲۴، ۱۲۵)۔

اور''موسوعۃ الفقہ الاسلامی'' میں ہے:''فإن دفن و لم يصلَّ عليه صلّى على قبره، ما لم يغلب على الظن تفسخه لاختلاف الحال و الزمان و المكان''(موسوعۃ الفقہ الإسلامی والقضایا المعاصرۃ، مکتبۃ دار الفکر دمشق: ۲/ ۴۲۶)۔

خلاصہ اور اپنی رائے: مذکورہ بالا دونوں شرائط کے ساتھ اگر قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے، اس سے میت کا حق ادا ہوجائے گا اور ذمہ بھی ساقط ہوجائے گا۔

(ب): عام حالات میں تو فقہائے احناف کے یہاں نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں اور نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ جو غائبانہ آپ ﷺ نے پڑھی تھی، حضرات فقہائے احناف کی طرف سے اس کی مختلف تاویلات کی گئیں ہیں؛ ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ درمیان کی تمام حیلولتیں ختم کر کے جنازہ آپ کے سامنے حاضر کر دیا گیا، اس لیے نماز جنازہ غائبانہ نہیں ہوئی؛ بلکہ حاضرانہ ہوئی، پس کوئی اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے؛ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، امت کے کسی فرد کے لیے جائز نہیں۔

لیکن دوسری جانب اگر دیکھا جائے، تو بعض فقہائے احناف کی کتابوں میں کچھ ایسی عبارتیں ملتی ہیں، جن سے احناف کے یہاں بھی غائبانہ نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے؛ مثلاً: علامہ عینی شارح بخاری عمدۃ القاری میں خصوصیت کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''هذا تأويل فاسد؛ لأن رسول الله ﷺ إذا فعل شيئًا من أفعال الشريعة، كان علينا اتباعه و الإيتاء به؛ و التخصيص لا يعلم إلا بدليل؛ و مما يبين ذلك أنه ﷺ خرج بالناس إلى الصلاة، فصف بهم، فصلوا معه؛ فعلم أن هذا التأويل فاسد''(عمدۃ القاری شرح البخاری: ۸/ ۲۲)۔

یعنی غائبانہ نماز جنازہ کو آپ ﷺ کا خاصہ قرار دینا، تاویل فاسد ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ افعال شریعت میں سے

کوئی کام کرتے ہیں، تو اس کو نمونہ بنانا اور اتباع کرنا ہم پر لازم ہے اور تخصیص نہ ہونے کی وضاحت تو اسی بات سے ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر گئے، ان کی صفیں بنوائیں اور سب نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی (یعنی یہ نماز اگر آپ ﷺ کی خصوصیت ہوتی تو حضرات صحابہ ساتھ کیوں جاتے؟)، لہذا یہ کہنا کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے، تاویل فاسد ہے۔

علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں اسی بات کو دلیل بنا کر خصوصیت کہنے والوں کو ان کا وہم کہہ کر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہوتی تو آپ ﷺ حضرات صحابہ کو ڈانٹ دیتے یا کم از کم ان کو اپنے ساتھ نماز پڑھنے سے روک تو ضرور دیتے؛ پس جب آپ ﷺ نے ان کو نہ روکا اور نہ ڈانٹا؛ بلکہ خود انہیں اپنے ساتھ لے کر نماز پڑھی، تو یہ آپ ﷺ کی کی خصوصیت کہاں ہوگئی؟ (نصب الرایۃ: ۲/ ۲۸۲، ۲۸۳)۔

اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق احناف کی طرف سے جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ درمیان کے تمام حجابات کو اٹھا کر جنازہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا، اس پر شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**إن ربنا عليه لقادرٌ و أن نبينا أهلٌ لذلک؛ و لکن لا تقولوا إلا ما رويتم، و لا تخترعوا حديثًا من عند أنفسکم، و لا تحدّثوا إلا بالثابتات، و دعوا الضعاف؛ فإنها سبيل تلاف إلى ما ليس به تلاف**" (فتح الباری: ۳/ ۲۴۳)۔

یعنی: ہمارا رب اس بات پر قادر ہے اور ہمارے نبی بھی اس بات کے اہل ہیں؛ مگر بات وہی کرو جو روایت سے ثابت ہو، اپنی طرف سے کوئی حدیث مت گھڑو، صرف وہی بیان کرو جو مضبوط احادیث سے ثابت ہو اور ضعیف روایات کو چھوڑو؛ کیونکہ یہ ایسی تباہی کا راستہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

ابن دقیق العید نے بھی لکھا ہے: "**هذا يحتاج إلى نقل، و لا يثبت بالاحتمال**" اس بات کو ماننے کے لیے دلیل نقلی کی ضرورت پڑے گی، صرف احتمال سے یہ ثابت نہ ہوگا اور علامہ کرمانی بھی فرماتے ہیں: "**قولهم: رفع الحجاب منه ممنوع**"، یعنی یہ کہنا کہ میت سے تمام حیلولتوں کو دور کر کے اس کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا تھا، قابل تسلیم نہیں ہے؛ پھر آگے فرماتے ہیں کہ بالفرض یہ مان بھی لیا جائے، تو جن حضرات صحابہ نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی تھی، ان سے تو جنازہ غائب ہی تھا اور آپ ﷺ کی موجودگی میں یہ عمل ہوا ہے، پس یہ ماننا پڑے گا کہ نماز جنازہ غائبانہ تھی (فتح الباری: ۳/ ۲۴۳)۔

مرعاۃ المفاتیح میں لکھا ہے: "**و أما الاستناد للتخصيص إلى ما ذکروه من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ و حديث عمران بن حصين رضی اللہ عنہ فليس بشيء**" (مرعاۃ المفاتیح: ۵/ ۴۷۵)۔

یعنی عبداللہ بن عباس اور عمران بن حصین کی احادیث کے حوالے سے تخصیص کی جو بات منسوب کی جاتی ہے، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

پھر عمران بن حصین کی حدیثؓ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے اس طرح سمجھا کہ میت ہمارے سامنے ہے؛ اس سے ذہنی سوچ ثابت ہوتی ہے اور غائبانہ نماز میں بھی یہی نسبت کی جاتی ہے، ورنہ فی الواقع میت سامنے نہیں تھی، اس کی تائید میں حضرت عمران بن حصینؓ ہی کی ایک حدیث جو ترمذی اور نسائی میں اس طرح ہے؛ فرماتے ہیں: ''**فقمنا فصففنا كما يصف على الميت، و صلينا عليه كما يصلى على الميت**'' (رواہ الترمذی ۱/۲۰۱، النسائی ۱/۲۳۶)۔

یعنی: ہم کھڑے ہوئے اور صفیں بنائیں جس طرح میت پر صفیں بنائی جاتی ہیں اور نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔

اگر حقیقۃً میت سامنے ہوتی، تو تشبیہ دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی؛ پھر مرعاۃ المفاتیح اور فتح الباری اور دیگر کتابوں میں طبرانی کے حوالے سے حضرت مجمع بن جاریہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے: '' **فصففنا خلفه صفين و ما نرى شيئًا**''۔

ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے دو صفیں بنائیں اور ہم کچھ نہیں دیکھ رہے تھے۔

یعنی: ہمارے سامنے میت اور جنازہ وغیرہ کوئی چیز نہیں تھی؛ یہ روایت بھی اپنے معنی میں بہت واضح ہے؛ امام شافعیؒ نے غالباً اسی وجہ سے اپنی کتاب ''الام'' میں یہ بات لکھی ہے: ''**و لا بأس أن يصلى على الميت بالنية، فقد فعل ذلك رسول الله ﷺ بالنجاشي، صلى عليه بالنية؛ و قال بعض: لا يصلى عليه بالنية، و هذا خلاف سنة رسول الله ﷺ الذى لا يحل لأحد خلافها، و ما نعلمه روى فى ذلك شيئًا إلا ما قال برأيه**'' (کتاب الأم للإمام الشافعی، مطبوعۃ بیروت: ۲/۱۴۲)۔

یعنی: میت پر صرف نیت سے ہی نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا؛ یعنی: میت غائب کو حاضر فی الذہن مان کر ہی نماز جنازہ پڑھی تھی؛ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غائب میت پر نیت سے نماز جنازہ نہ پڑھی نہ جائے، یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے، جس کی مخالفت کرنا کسی کے لیے حلال نہیں ہے، ہم نہیں جانتے ہیں کہ ایسا کہنے والے نے کوئی دلیل روایت کی ہو سوائے اپنی رائے کے۔

مزید برآں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام شافعیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں: ''**الصلاة على الميت دعاء له و هو إذا كان ملفَّفًا يصلى عليه، فكيف لا يدعى له وهو غائب أو فى القبر بذلك الوجه الذى يدعى له و هو ملفَّفٌ**''۔

یعنی: نماز جنازہ میت کے لیے دعا ہے،تو جب میت کفن میں لپٹی پڑی ہو،تو اس کے لیے دعا کی جاسکتی ہے،تو جب میت غائب ہو یا قبر میں مدفون ہو،تو اس کے لیے دعا کیوں نہیں کی جاسکتی،جس طریقے سے کفن میں لپٹی ہوئی میت پر کی جاتی ہے؟

نیز ابن حزم ظاہری نے''محلی''میں میت غائب پر امام اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا عنوان قائم کیا ہے اور دلیل میں بھی نجاشی والی حدیث پیش کی ہے اور اخیر میں لکھا ہے:''**و هذا إجماع منهم لا يجوز تعدية**'' یعنی: یہ حضرات صحابہ کا اجماع ہے،اس سے تجاوز اور زیادتی درست نہیں ہے۔

خلاصہ اور اپنی ذاتی رائے: عام حالات میں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں ہے؛لیکن سوال میں مذکور جیسی کوئی صورت اور مجبوری پیش آجائے،تو ان حالات میں مذکورہ عبارات کی روشنی میں اگر کسی میت پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھ لی جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے،جبکہ بعض کتب احناف کے حوالے سے بھی عبارتیں پیش کی گئیں ہیں،جن سے غائبانہ نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے اور امام حضرت امام شافعیؒ جیسی جلیل القدر شخصیت اور امام کا مسلک بھی یہی ہے،امت کا سواد اعظم جن کی تقلید کرتا ہے؛اس لیے مجبوری کے وقت اگر عمل کرلیا جائے،تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

☆☆☆

کورونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مولانا ابومحمد،محمد سعد نور القاسمی ☆

کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

کورونا کی وجہ سے امت جن مسائل سے دوچار ہے اس میں ایک یہ ہے کہ مساجد میں مختصر جماعت کی جائے زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ ہو جس کے نتیجہ میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ بقیہ لوگ نماز کہاں ادا کریں آیا اسی مسجد میں دوسری جماعتوں کا نظم کیا جائے یا پھر بقیہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں باجماعت نماز ادا کریں۔تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ عام حالات میں کسی بھی نماز کی جماعت ثانیہ منع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل محلّہ واہل مسجد نے معمول کے مطابق نماز ادا کر لی اور اس کے بعد اسی نماز کی دوسری جماعت کی جائے بالخصوص جبکہ اہل محلّہ ایسا کریں یہ منع ہیں اور خود آنحضرت ﷺ کا معمول بھی یہی تھا چنانچہ روایت میں ہے: ”**أن رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الأنصار فرجع وقد صلى فى المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ فى منزل بعض أهله فجمع أهله فصلى بهم جماعة**“ (شامی ۲/ ۶۴)۔

کہ آپ ﷺ انصار مدینہ کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے اور جب آپ واپس آئے تو مسجد نبوی میں جماعت ہو چکی تھی تو آپ اپنی ایک بیوی کے گھر تشریف لے گئے اور سب کو اکٹھا کر کے باجماعت نماز ادا کی پتہ چلا کہ اگر تکرار جماعت میں کوئی حرج نہ ہوتا تو مسجد میں ہی نماز ادا فرماتے۔اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی معمول یہی نقل کیا گیا ہے۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں :” **أن أصحاب رسول الله ﷺ كانوا إذا فاتتهم الجماعة فى المسجد صلوا فى المسجد فرادى** “جب حضرات صحابہ کرام کی نماز باجماعت فوت ہو جاتی تو وہ مسجد میں تنہا نماز پڑھتے لیکن دوسری جماعت نہ کرتے۔اور دوسری جماعت کی کراہت کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں **ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة** (شامی ۲/ ۶۴)۔

کہ تکرار کی وجہ سے جماعت میں افراد کی تعداد کم ہوگی تقلیل جماعت ہو جائے گی۔اس لئے اگر لوگ مسجد میں

☆ مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم،مسجد نکھٹو شاہ،98/136،بیکن گنج،کانپور۔

جماعت کے بعد آئیں تو تنہا تنہا نماز ادا کریں گے باجماعت نہیں" **فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه، فإنهم يصلون وحداناً وهو ظاهر الرواية**" (شامی ۲؍۶۴ زکریا)۔

معلوم ہوا کہ مسجد میں ایک بار نماز باجماعت ہوجانے کے بعد دوسری جماعت تقلیل جماعت کے اندیشہ سے مکروہ ہے اور یہی رائے مذاہب اربعہ کے فقہاء کی ہے۔

لیکن اگر کسی جگہ پر تقلیل جماعت مطلوب ہو، جیسا کہ کورونا جیسی صورت حال میں تو خود تقلیل جماعت مطلوب ہے۔ حکومت کی طرف سے ایک مخصوص جماعت سے زائد افرادِ کا جمع کرنا منع ہے تو اس صورت میں اگر دوسری جماعتوں کا اہتمام کیا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے اور کراہت بھی باقی نہ رہے گی اور اس سلسلہ میں امام ابویوسفؒ کے قول سے سہارا لیا جاسکتا ہے جس کو خود علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے: "**وعن أبي يوسف: إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره، وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة**" (شامی ۲؍۶۴)۔

یعنی اگر ہیئت اولی پر نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں اور اختلاف ہیئت کا مطلب یہ ذکر کیا ہے کہ محراب سے ہٹ کر دوسری جماعت کی جائے اس کے علاوہ ایک سے زائد جماعت کے لئے ضروری ہے کہ امام بھی الگ ہو۔

اگرچہ اس زمانہ میں بعض اہل علم نے مجمع کی کثرت کی وجہ سے عام حالات میں بھی ایک مسجد میں متعدد جماعت کی اجازت دی ہے ممبئی کی کتنی مسجدوں میں اس کے مطابق عمل ہورہا ہے چنانچہ (محمود الفتاوی ۳؍ ۱۸۷، ۱۸۹) میں مفتی احمد خانپوری صاحب فرماتے ہیں کہ "اگر وہاں قریب میں کوئی ایسا مکان یا بڑا ہال میسر ہو کہ اس میں جمعہ کی دوسری جماعت کی جاسکتی ہو تو وہ صورت اختیار کی جائے اور اگر کوئی ایسا مکان یا ہال میسر نہیں تو بدرجہ مجبوری جمعہ کی دوسری نماز اسی مسجد میں قائم کی جاسکتی ہے۔

جب مجمع کی کثرت کی وجہ سے بدرجہ مجبوری دوسری جماعتیں ہوسکتی ہیں تو کورونا کی وجہ سے جو حالات پیدا ہوئے ہیں وہ تو اس سے زیادہ سخت ہے اس لئے ظاہر ہے اس میں بدرجہ اولی جماعت ثانیہ کی اجازت ہوگی تاہم احقر کی رائے ہے کہ اگرچہ مسجدوں میں دوسری جماعتوں کی گنجائش ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں پھر بھی مساجد میں ایک ہی جماعت پر اکتفاء کیا جائے اور بقیہ لوگوں کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ گھروں میں خواتین اور بچوں کو لے کر باجماعت نماز کا اہتمام کریں، تاکہ خواتین اور بچوں کو بھی جماعت کا ثواب مل جائے اور خواتین کی وقت پر نماز پڑھنے کی عادت پڑ جائے اور اس میں بچوں کی تربیت کا پہلو بھی نمایاں ہیں کیونکہ وہ بڑوں سے ہی سیکھتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی اس میں بہت سے فائدے ہیں جو اہل علم و فکر کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہی رائے مفتی محمد سلمان منصور پوری کی بھی ہے، جیسا کہ انہوں نے ایک رسالہ

'موجودہ حالات میں فقہی رہنمائی'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ب-ایک دوسرا مسئلہ جو بہت شدت سے اٹھایا گیا کہ کورونا جیسی صورتحال میں جمعہ کی جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے؟ اوراس مسئلہ میں کئی جہت سے اختلاف پایا جاتا ہےایک اختلاف یہ ہے کہ آیا مسجد میں جمعہ کی ایک جماعت کے بعد جماعت ثانیہ ہونی چاہئے یانہیں اس سلسلہ میں بھی علماء کی دورائیں ہیں بعض حضرات اجازت دیتے ہیں کہ کورونا جیسی صورتحال میں اگرلوگوں کومنع کردیا تو وہ جمعہ تو جمعہ نماز سے ہی غافل ہوجائیں گے اس لئے مسجد میں جماعت ثانیہ میں کوئی حرج نہیں،جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں مفتی احمد خانپوری کا فتوی نقل کیا گیا ہے۔اور ممبئی وغیرہ بڑے شہروں میں جہاں آبادی کی کثرت کی بنیاد پر مساجد میں عام حالات میں جمعہ کی جماعت ثانیہ کی اجازت ہےاور سالوں سےلوگ اس پر عمل بھی کررہے ہیں اور ظاہر ہے کہ کورونا کی صورت اس سے زیادہ سخت ہے۔اس لئے اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔جبکہ دوسرے بعض حضرات مسجد میں جماعت ثانیہ منع کرتے ہیں،جیسا کہ دارالعلوم دیوبنداوراسکے ہم خیال بعض اہل علم کی رائے ہے۔

پھر دوسرااختلاف تعدد جمعہ میں ہے کہ آیا جمعہ کی دوسری جماعت کی مساجد کے علاوہ دوسری جگہوں میں اجازت ہے یانہیں تواس مسئلہ میں بھی اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔بعض حضرات مساجد کے علاوہ گھروں کی بیٹھکوں اورکارخانوں وغیرہ میں جمعہ کی جماعت ثانیہ کی اجازت دیتے ہیں دارالعلوم دیوبند کا فتوی جولاک ڈاؤن کے حالات میں بہت کثرت سے سوشل میڈیا وغیرہ پر گردش کررہا تھااس میں بھی یہی ہے کہ لوگ اپنے گھروں وغیرہ میں جہاں شرائط پائی جاتی ہیں وہاں جمعہ کی جماعت ثانیہ کرسکتے ہیں۔جبکہ دوسرے بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ جمعہ کی دوسری جماعت کے بجائے ظہر کی نمازادا کی جائے۔چنانچہ اس سلسلے میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا فتوی نظر سے گذراجس میں مفتی صاحب نے فرمایا کہ جتنا بھی غور کیا یہی سمجھ میں آتا ہے کہ گھروں میں جمعہ کا مسئلہ درست نہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اب تک جتنے فقہا کی عبارتیں دیکھیں تو ان میں یہ نظر آتا ہے کہ اگر کسی کا جمعہ فوت ہوجائے تو مثلاعبارت ہے:''**وکذااھل مصر فاتتھم الجمعة یصلون الظھر بغیر أذان ولااقامة ولاجماعة**''(درمختار۔۳/۳۳)۔

اور پھرظہیریہ کے حساب سے خلاصہ میں یہ ہے کہ :''**جماعة فاتتھم الجماعة فی مصر، فانھم یصلون الظھر بغیر أذان ولاإقامة ولاجماعة**'' (بحوالہ امدادالاحکام۔۱/۷۸۳)تو یہ کہیں نہیں کہا گیا لوگوں کو کہ جنکا جمعہ فوت ہوگیا ہے جاکرگھر میں جماعت کرلیں۔

دوسری بات یہ کہ جو جمعہ کا تصور ہے وہ مسجد کے بغیرنہیں الا یہ کہ کوئی بہت بڑا حلقہ کبیر ہو۔بڑااجتماع ہوتوایسے گھر میں آئندہ اگراسکی اجازت دے دی گئی تولوگ کہیں گے'' بھئی اچھا آج ذراہمارے پاس مصروفیت ہےتو بجائے اسکے کہ مسجد

میں جا کر جمعہ ادا کریں، ہم اپنے گھر میں پڑھ لیتے ہیں'' تو اس قسم کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے، لہٰذا رجحان اسی طرف ہے کہ ظہر پڑھنا چاہئے۔

آگے فرماتے ہیں کہ ''البتہ جن لوگوں نے فتوی دیا ہے اور جن لوگوں نے مفتی کے فتوی کی بنیاد پر جمعہ پڑھ لیا تو چونکہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے تو اس واسطے کسی فتوائے مفتی کی بنیاد پر پڑھ لیا تو ہم اس کو باطل نہیں کہیں گے انشاء اللہ۔ اللہ تعالی نے چاہا وہ معذور ہوگا اس کو ہم فاسد نہیں کہیں گے کہ وہ نماز ہی نہیں ہوئی اسکی۔

پھر اسی مسئلہ میں تیسرا پہلو جس میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں وہ یہ ہے کہ جو حضرات جمعہ کے بجائے ظہر پڑھنے کی بات کہہ رہے ہیں ان میں یہ اختلاف ہوا کہ ظہر با جماعت پڑھیں گے یا تنہا تنہا بغیر جماعت اور اذان واقامت کے ادا کریں اس میں اہل علم کی دو رائے ہیں اس پر ہم سوال نمبر تین کے تحت بحث کریں گے۔ انشاء اللہ

ان تمام آراء میں اتنی بات قدر مشترک ہے جمعہ کی جماعت ثانیہ کے ناجائز ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں سب کے نزدیک جمعہ ہو جائے گا۔ چاہے مساجد میں ادا کی جائے یا مختلف مکانوں اور دوکانوں میں۔ بس اختلاف اس میں ہے کہ افضل اور بہتر کیا ہے۔ تو کسی کے نزدیک مساجد میں ہی بہتر ہے اور کسی کے نزدیک مساجد کے علاوہ گھروں اور بیٹھکوں میں ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ تاہم جس شق پر بھی عمل کر لیا جائے نماز ادا ہو جائے گی۔

احقر کی رائے یہ ہے کہ ان مسائل میں تشدد کے بجائے نرمی اور اختلاف کے بجائے اتحاد کے پہلو پر نظر رکھتے ہوئے اور وسعت قلبی کو فروغ دیتے ہوئے ان حالات میں جہاں جس صورت پر آسانی سے عمل ہو جائے عمل کر لیا جائے۔ باقی اہل علم حضرات بہتر جانتے ہیں۔

۲- یہ بات درست ہے کہ مسجد میں ایک جماعت پر اکتفا کرتے ہوئے یا مزید دو ایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازیوں کے لئے محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظام معمول کے خلاف ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ حالات انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ رب العالمین کے پیدا کردہ حالات ہیں۔ جن کی وجہ سے خلاف معمول اقدام کرنے پڑے۔ اور پھر شریعت مطہرہ نے عام حالات کے لئے عام احکام دیئے ہیں اور خاص حالات میں وہ خاص احکام جاری کرتی ہے ویسے تو نماز کے لئے اگر کوئی عذر نہ ہو تو وضو کر کے نماز پڑھنی ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص یا قوم کسی جگہ محبوس ہوں اور وہاں وضو کے لئے پانی نہ میسر ہو تو پھر سب کو تیمّم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح با جماعت نماز ادا کرنا صحیح اور تندرست لوگوں کے لئے سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے۔ لیکن کوڑھی اور ایسے بیمار لوگوں کے لئے جو لوگوں کے لئے نفرت کا باعث ہوں ایسے لوگوں کو مسجد سے دور رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تا کہ جماعت متاثر نہ ہو ایسے ہی عام حالات میں مساجد کی جماعت کو مضبوط

کرنے کے لئے یہ کہہ دیا گیا کہ سارے لوگ ایک وقت آ کر نماز پڑھیں اور جماعت متاثر نہ ہو اسی لئے جماعت ثانیہ کو مکروہ قرار دے دیا۔ لیکن اس وقت کورونا جیسی صورتحال میں، جبکہ پانچ لوگوں سے زیادہ مسجد میں شریک جماعت ہونے کی اجازت نہیں ہے بقیہ لوگوں کو اگر دوسری جماعتوں اور مسجد کے علاوہ باہر جماعتوں سے منع کر دیا جائے گا تو پھر لوگ عام طور پر جماعت سے ہی محروم ہو جائیں گے اور ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ لوگ جمعہ تک سے ہی محروم ہو گئے ہیں۔ لوگوں کی روحانی کیفیات متاثر ہو گئیں، جنکی تکبر اولی نہیں چھوٹتی تھی وہ نماز قضا کرنے سے نہ بچ سکے۔ اس لئے اس کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنے گھروں میں خواتین اور بچوں کیساتھ باجماعت نماز ادا کرے جس کے بے شمار فوائد ہیں اور یہ عمل عین سنت ہے، کیونکہ آپ ﷺ اور صحابۂ کرام کی جب مسجد میں جماعت چھوٹ جایا کرتی تھی تو وہ حضرات اپنے گھروں میں ازواج واولاد کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرلیا کرتے تھے اور یہاں بھی حکومتی سختی کی بنیاد پر وہ مسجد کی جماعت سے محروم ہو رہے ہیں تو پھر ان کو گھروں میں باجماعت نماز کی ہدایت دی جائے تاکہ وہ کم از کم نماز سے محروم نہ ہو جائیں۔

اور رہا یہ مسئلہ کہ اس سے تشتت پیدا ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف معمول عمل خلاف معمول حالات کی بنیاد پر علماء کی ہدایت سے ہو رہا ہے اور امت حضرات علماء کرام کی ہدایت و رہنمائی میں ہی ان پر عمل کر رہی ہے اور جب حالات معمول پر آ جائیں گے تو، پھر انشاء اللہ وہ علماء کرام کی ہدایت و رہنمائی میں، پھر ان متفرق جماعتوں کے نظام کو ختم کر کے مسجد کی ایک جماعت کے نظام پر آ جائیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ابھی جب تک حالات معمول کے مطابق نہ ہوں تو ان کو اسی طرح عمل کرنے دیا جائے ورنہ جو کچھ ہو رہا ہے امت اس سے بھی محروم ہو جائے گی۔

۳- یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے اہل علم کے درمیان زیر بحث رہا ہے کہ اگر کسی وجہ سے جمعہ کے دن نماز جمعہ سے محروم رہ گئے تو ظہر ادا کرنی ہے۔ آیا باجماعت ادا کرنی ہے۔ یا تنہا تنہا، تو اگرچہ متقدمین فقہاء کی کتابوں کی روشنی میں تو یہی بات واضح نظر آتی ہے کہ "**جماعة فاتتهم الجمعة فی مصر، فانهم یصلون الظهر بغير أذان ولاإقامة ولاجماعة**" (بحوالہ امداد الأحکام ۱/۷۸۳) کہ اگر کچھ لوگوں کی جمعہ کی جماعت چھوٹ جائے تو ان کو ظہر تنہا پڑھنی ہے بغیر اذان واقامت اور بغیر جماعت کے، اسی بنیاد پر اہل علم کے ایک طبقہ کی رائے یہی ہے کہ ظہر پڑھنی ہے۔ چنانچہ

(۱) دارالعلوم دیوبند کے فتوی میں ہے کہ" (۲)، قصبہ یا بڑے گاؤں مین جن لوگوں کے لئے جمعہ کا نظم نہ ہو سکے یا وہ کسی عذر کی بناء پر یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے جماعت کے ساتھ نہیں، کیونکہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لئے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علمائے

دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے۔اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے اور جولوگ ظہر باجماعت کی اجازت دیتے ہیں ان کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتوی کا عدم اطمینان بجا ہے۔

"قوله: وصورة المعارضة: لأن شعار المسلمين فى هذا اليوم صلوة الجمعة وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم، فكان فى صورتها كراهة التحريم رحمتي"(شامی۔۳/۳۳۔زکریا)۔

(۲) مفتی سلمان منصور پوری صاحب لکھتے ہیں:'' جس بڑی آبادی میں عذر کی وجہ سے لوگ مسجد کی جمعہ کی جماعت میں شامل نہ ہوسکیں وہ اپنے اپنے گھروں میں بلا جماعت ظہر کی نماز پڑھیں گے معلوم ہوا کہ ظہر بلا جماعت تنہا تنہا ادا کی جائے گی (موجودہ حالات میں فقہی رہنمائی ص:۲)۔

اس کے بالمقابل ایک دوسرے طبقہ کی رائے یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے جس اسباب وعلل کی بنیاد پر جمعہ کے دن ظہر کی نماز کو مکروہ قرار دیا اور اس سے منع فرمایا وہ اس زمانے میں مفقود ہے اور وہ اقوال عام حالات کے اعتبار سے تھے اور یہاں کورونا کی وجہ سے صورتحال بالکل الگ ہے،اس لئے ان حالات میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز فوت ہوجانے کے بعد ظہر باجماعت ہی ادا کی جائے، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب ایک فتوی میں تحریر کرتے ہیں کہ'' جہاں تک ظہر کے بارے میں ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیا وہ جماعت سے پڑھی جائے یا انفراداً پڑھی جائے تو اس میں بھی رجحان یہ ہوا کہ جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے ان حالات میں۔

اس وجہ سے کہ یہ جو بعض فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ ظہر انفراداً پڑھی جائے، جماعت نہ کی جائے، جماعت کو مکروہ قرار دیا،اس کے تین اسباب بیان فرمائے:

۱۔ایک یہ کہ معارضہ ہوگا مسجد جامع سے، یہاں یہ بات نہیں پائی جارہی ہے،کوئی معارضہ نہیں، مسجد جامع کے اندر جو جمعہ ہورہا ہے، وہ بھی محدود ہے۔

۲۔دوسرا یہ کہا تھا تقلیل جماعت ہوگی، تو یہاں پر اس کا بھی تصور نہیں ہے، تقلیل جماعت کا۔

۳۔تیسری بات یہ تھی کہ بعض غیر معذور لوگ بھی جب دیکھیں گے کہ جماعت ہورہی ہے تو وہ شامل ہوجائیں گے۔ اس کا بھی یہاں کوئی تصور نہیں ہے۔

تو اس وجہ سے تینوں وجوہات جن کی بنا پر ظہر کی جماعت کو مکروہ کہا گیا تھا، تو وہ موجود نہیں ہیں۔تو اب بہتر یہ ہے کہ اب جماعت سے پڑھیں نماز کو، کیونکہ ایک طرف تو آدمی کا جمعہ چھوٹ گیا، دوسری طرف جماعت بھی گئی، تو کم از کم ظہر کی نماز جماعت سے پڑھ لیں۔

اس کے اوپر’’ امداد لاحکام‘‘ میں علامہ شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے، تو اب وہ کراہت تنزیہی بھی اس مجبوری کے حالات میں، میں سمجھتا ہوں کہ کراہت تنزیہی بھی شاید نہ ہو، بلکہ افضل یہ ہو کہ وہ نماز جماعت سے پڑھی جائے، جیسے عام حالات میں ہماری نماز کوئی فوت ہوجائے، خدانہ خواستہ، ظہر ہے، عصر ہے تو ہم گھر میں تنہا پڑھیں گے؟! یا جماعت کے ساتھ پڑھیں گے؟ ظاہر ہے کہ جماعت سے پڑھیں گے۔

تو یہاں جو علتیں بیان کی گئی تھیں، وہ علتیں اولاً تو یہاں پائی نہیں جارہی ہیں، اور ان علتوں کے ساتھ بھی علامہ شامی کہتے ہیں کہ یہ صرف کراہت تنزیہی تھی، اور اس کی تائید میں’’ مضمرات‘‘ کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ ” یصلون وحدانا استحبانا“ یعنی اکیلے پڑھنا مستحب ہے، یہ کہا ہے، تو علامہ شامی اس سے یہ استدلال کررہے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعت سے پڑھنا زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی ہے۔

وہ جو علتیں تھیں وہ چونکہ مفقود ہیں، لہذا میں سمجھتا ہوں کہ ان شاءاللہ جماعت سے پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہے (مفتی محمد تقی عثمانی - دارالافتاء، جامعہ دارالعلوم کراچی)۔

اور اس مسئلے میں کرونا کے سخت حالات کے پیش نظر یہی رائے مناسب اور درست معلوم ہوتی ہے۔

تجہیز و تکفین:

موت ایک طبعی چیز ہے جو انسانوں کے لئے بھی ہے جو کبھی بیماریوں کے بعد آتی ہے اور کبھی اچانک آکر لے جاتی ہے شریعت مطہرہ نے موت کے بھی احکام تفصیل سے بیان کئے ہیں جو فقہی کتابوں میں مذکور ہیں۔

واضح رہے کہ جس طرح عام حالات میں غسل، کفن، نماز جنازہ اور دفن کرنا فرض کفایہ ہے اسی طرح کورونا کے ماحول میں بھی مسلمانوں کو غسل دے کر اور اس پر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کرنا فرض کفایہ ہے، لیکن چونکہ کورونا میں مرنے والے کی لاش کو بہت محتاط طریقہ پر کوَر وغیرہ میں پیک کرکے دیتے ہیں جسکو کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں اگر کسی طرح میت متعلقین کے حوالے ہوجائے تو اس کو گھر والے باقاعدہ غسل وکفن دیکر نماز پڑھیں گے اور دفن کردیں گے، اور اگر اسپتال والے پیک کرنے کے بعد اس کو ہرگز کھولنے کی اجازت نہیں دیتے جس سے میت کو نہ غسل کراسکتے ہیں اور نہ تیمّم تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے اُسی کوَر کو کفن مان کر اوپر سے پانی بہادیا جائے یا تیمّم کرادیا جائے یا اس کو کفن کے حکم میں نہیں مانا جائے گا اور ایسی صورت میں غسل و تیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا۔

اس مسئلے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ میت جس پلاسٹک میں بند ہے اس کے اوپر غسل کی نیت سے پانی بہادیا جائے، کیونکہ میت کو

غسل دینا واجب ہے اور یہ مسلمان کے ذمے اس کا حق ہے جو صرف بیماری لگنے کے خطرے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ فتاوی تاتارخانیہ (۳/۱۰) میں ہے :"**ولو المیت متفسخا یتعذر مسحه کفی صب الماء علیه وکذا فی مراقی الفلاح** "(ص:۲۱۴)۔

یعنی ان حضرات کے نزدیک میت کا کورکفن کے حکم میں مان کر اس کے اوپر پانی بہا کر نماز پڑھ لی جائے گی۔ یہ رائے دارالعلوم کراچی کے دارالإفتا اور اس کے ہم خیال اہل علم کی ہے۔ نیز بعض حضرات کی یہ بھی رائے ہے کہ کوَر کے اوپر سے بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا وغیرہ پھیر دیا تاکہ مسح کے قائم مقام ہوجائے اور کسی نہ کسی درجہ میں طہارت کے مسئلے پر عمل ہوجائے ،جبکہ اس کے بالمقابل دارالعلوم دیوبند اور اس کے ہم خیال اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اگر براہ راست میت کو غسل یا تیمّم کرانے کی کوئی شکل نہ بن سکے اور اسپتال کے عملے کی طرف سے میت کو مخصوص تھیلے میں پیک کر دیا گیا ہو اور اُسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو تو ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی اور ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

جس طرح نمازی کی کلی یا جزوی طہارت ایسی شرط ہے جو عذر مجبوری میں ساقط ہوجاتی ہے اسی طرح نماز جنازہ کے لئے میت کی طہارت بھی ایسی شرط ہے جو عذر مجبوری میں ساقط ہوجاتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص بیمار ہو اور غسل اعضاء اور تیمّم پر قادر نہ ہو تو وہ بلاطہارت نماز پڑھے گا۔ "**بخلاف الطرفین إذالم یستطع غسل الأعضا ولاالتیمم، فإن الأعضا یجعل کالذاهبة أصلاً للعذر فلهذا یصلی بغیر طهارة**"(الضیاء المعنوی۔ص:۱۸۳)۔

اسی طرح اگر کسی کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت اور دونوں پیر ٹخنے سمیت کٹے ہوئے ہوں اور چہرے پر زخم ہو جس کی وجہ سے چہرہ پر مسح وغیرہ نہ ہو سکے تو طہارت کا حکم ساقط ہوجائے گا اور ایسا شخص بلاطہارت نماز پڑھے گا۔ "**ولو قطعت یداه و رجلاه من المرفق والکعب وبوجهه جراحة صلی بغیر طهارة ولایتمم ولایعید وهو الأصح** " (درمختار، زکریا۔۱/ ۴۲۳)۔

اسی طرح اگر نماز جنازہ کے بغیر میت کی تدفین کردی گئی تو اس وقت تک قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب تک میت کے پھٹنے کا یقین یا غالب گمان رہے اس صورت میں حرمت نفس کی وجہ سے میت کو غسل یا تیمّم دینے کا حکم ساقط ہوجائے گا: "**وان دفن وأهیل علیه التراب بغیر صلاة أوبها بلاغسل صلی علی قبره استحساناً مالم یغلب علی الظن تفسخه من غیر تقدیر، و هو الأصح فظاهره أنه لوشک فی تفسخه صلی علیه**"(درمختار مع الشامی ۳/ ۱۲۵، طبع زکریا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کورونا وائرس میں انتقال کرنے والی میت کو اگر تمام تر کوشش کے باوجود غسل دینے یا تیمّم کرانے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو ایسی مجبوری میں غسل یا تیمّم کا حکم ساقط ہو جائے گا اور اُسی حالت میں اس کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی۔ دونوں حضرات کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد اہل علم کی رائے یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے ہم خیال علماء کی رائے مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ جبیرہ یا جبیرہ جیسی چیز پر مسح اس وقت جائز ہوتا ہے جب وہ عضو پر بندھی ہوئی ہو، یعنی جسم سے اچھی طرح چپکی ہوئی ہو، جیسا کہ علامہ طحطاوی نے صراحت فرمائی۔

"**وقوله (ولو علی جبیرة) ویجب شدھا ان لم تکن مشدودة**" (حاشیۃ الطحاوی علی الدرا/۱۳۷)

اور کور یا باڈی بیگ وغیرہ جسم سے منفصل ہوتا ہے، لہذا باڈی بیگ اور تابوت وغیرہ پر مسح جائز نہ ہوگا، ورنہ صندوق کی طرح قبر پر بھی مسح جائز ہونا چاہئے، حالانکہ فقہاء نے قبر پر مسح کا حکم نہیں فرمایا۔

۲۔ دوسری وجہ: غسل اعضاء زخم یا پٹی پر مسح اور تیمّم سے متعلق فقہاء نے جو جزئیات ذکر فرمائی ہیں ان سے اصولی طور پر حسب ذیل چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

الف: احناف کے نزدیک وضو یا غسل میں غسل اعضاء اور تیمّم دونوں جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ وضو یا غسل میں غسل اعضاء اصل ہے اور تیمّم بدل ہے اور بلا دلیل اصل اور بدل کا اجتماع درست نہیں، اسی لئے اگر جنبی یا محدث کے کچھ اعضاء صحیح اور زخمی یا چیچک زدہ ہوں تو غسل اور تیمّم دونوں کا حکم نہیں ہوتا، بلکہ اگر اکثر اعضاء صحیح ہوں تو غسل کا حکم ہوتا ہے اور اگر اکثر زخمی یا چیچک زدہ ہوں تو تیمّم کا۔

"**ولایجمع المکلف بینھما أی بین التیمم والغسل لمافیہ من الجمع بین البدل والمبدل ولانظیرلہ فی الشرع، فیکون للأکثر حکم الکل**" (منح الغفار شرح تنویر الأبصار ا/۲۹)۔

"**واذا أجنب الرجل وعلی جمیع جسدہ أوعلی اکثرہ جراحہ أوبہ جدری فانہ یتیمم ولایمسح علی الجراحة ولایغسل الموضع الصحیح، فإن کان أکثر بدنہ صحیحا، فإنہ یغسل الصحیح ومسح علی الباقی**" (مقدمۃ الغزنوی ص:۳۳)۔

ب: زخم یا پٹی پر مسح غسل عضو کا بدل نہیں ہے، بلکہ غسل ہی کے درجے میں ہے، لہذا غسل اعضاء کے ساتھ زخم یا پٹی پر مسح میں کچھ حرج نہیں اس لے اگر جنبی یا محدث کے اکثر اعضاء صحیح ہوں اور کچھ زخمی یا چیچک زدہ ہو تو صحیح کو دھونے اور زخمی پر مسح کا حکم ہوتا ہے اور اگر زخم پر مسح نقصان دہ ہو اور پٹی باندھ کر اس پر مسح ممکن ہو تو پٹی باندھ کر پٹی پر مسح کرنا ضروری ہوتا ہے۔

"(حکم مسح جبیرة) ھی عیدان یجبربھا الکسر (وخرقة قرحه و موضع فصد) وکی (ونحوذلک) کعصابة جراحة ولوبرأسه (تغسل لما تحتھا)" (الدرالمختارمع الشامی۔۱/۶۸۔زکریا)۔

ج: جس طرح غسل اعضاء اور تیمّم کا اجتماع درست نہیں ہیں اسی طرح تیمّم اور زخم یا پٹی پر مسح کا اجتماع بھی درست نہیں، کیونکہ زخم یا پٹی پر مسح غسل کے درجہ میں ہوتا ہے۔

د: تیمّم کا حکم اس وقت ہوتا ہے جس میں اکثر اعضاء کا غسل متعذر ہو اور اگر اس صورت میں تیمّم بھی متعذر ہو تو دوبارہ غسل کی طرف عود نہیں کیا جاتا، لہذا اس صورت میں مسح کی طرف عود نہیں کیا جائے، کیونکہ یہ بدل سے اصل کی طرف عود کرنا ہے جبکہ اصل کے تعذر ہی کی وجہ سے بدل کی طرف رجوع کیا گیا تھا۔ نیز تیمّم سے عجز غسل اور مسح سے عجز کو مستلزم ہے پس تیمّم سے عجز کی صورت میں غسل کی طرح مسح کا بھی حکم نہیں ہوسکتا۔

"ویترک المسح کالغسل إن ضر، وإلا لایترک وھو مسحھا مشروط بالعجز عن مسح نفس الموضع، فإن قدر علیه، فلا مسح علیھا" (الدرالمختارمع الشامی۱/۴۷۰)۔

ان اصولی جزئیات سے واضح ہوا کہ اگر میت کو غسل دینا یا تیمّم کرانا ممکن نہ ہو تو باڈی بیگ یا کور وغیرہ پر پانی بہانے یا مسح کا حکم نہ ہوگا، کیونکہ یہ بدل ہے اور دوبارہ اصل کی طرف لوٹنے کے مترادف ہے نیز شریعت میں کل اعضاء پر مسح کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

۳۔ تیسری وجہ: فقہی جزئیات ودلائل کی روشنی میں بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وضو یا غسل میں پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح کا مسئلہ زندہ لوگوں کے ساتھ خاص ہے مرحومین کے غسل میں پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پر مسح نہیں ہے، بلکہ اگر میت کے جسم پر کوئی پلاسٹر یا پٹی وغیرہ ہو تو غسل میں پلاسٹر کاٹ دینا چاہئے اور بندھی ہوئی پٹیاں کھول دینی چاہئے، جیسا کہ بعض اکابر کے فتاوی میں بھی ہے۔ چنانچہ "فتاوی محمودیہ" میں مفتی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: پلاسٹر کی کیا ضرورت رہی اس کو چھڑا کر غسل دیا جائے (۸/۵۰۰۔ڈابھیل)۔

اگر میت کی یہ پوزیشن ہوچکی ہو کہ کسی صورت میں اس پر پانی ڈال کر غسل نہیں دیا جاسکتا، بلکہ آہستہ آہستہ ڈال کر غسل دینے میں بھی میت کی کھال یا گوشت الگ ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں میت کو تیمّم کرایا جائے گا غسل نہیں دیا جائے گا۔ تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے فقہ مالکی کے مشہور فقیہ: شیخ محمد علیش مالکی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں فقہاء نے جبائر پر مسح کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ اگر غسل میت میں مسح علی الجبائر جائز ہوتا تو کفن پر بھی مسح درست ہوتا، جبکہ کفن پر مسح توارثِ امت کے خلاف ہے اس لئے غسل میت میں جبائر پر مسح کا حکم نہیں ہے۔ "قوله " کخوف تقطیع الخ: ولم یذکروا

هنا مسحاً على الجبائر والالمسح على الكفن وليس من عمل الناس"(التقریرات علی حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر(۱/۴۱۰)۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر کور یا باڈی بیگ وغیرہ پر بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیر کر مسح کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ عذر و مجبوری کی وجہ سے طہارت کا حکم سرے سے ساقط ہوجائے اور اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی۔

۵-الف: نماز جنازہ میت کا حق ہے، اور وہ فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے، لہذا کسی وبا میں فوت ہونے والے کی نماز جنازہ بھی اسی طرح ادا کی جائے گی، جس طرح دوسرے امراض میں فوت ہونے والوں کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔

اگر کسی میت کو غلطی یا لاعلمی یا حکومت کی سختی کی بناء پر بغیر غسل دیئے یا جنازہ پڑھے بغیر قبر میں رکھ دیا گیا، تو قبر پر مٹی ڈالنے سے قبل اگر انہیں یاد آجائے، یا اس بات کا علم جائے کہ ہمیں میت کو غسل دینا چاہئے تھا یا اس کا جنازہ پڑھنا چاہئے تھا تو ایسی صورت میں اگر میت کو غسل نہیں دیا تھا اور غسل دنیا ممکن ہو تو اسے غسل دے کر نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا جائے، اور اگر غسل دیے دیا گیا تھا تو پھر ایسی صورت میں صرف نماز جنازہ پڑھا کر دفنا دیا جائے۔

لیکن اگر قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد یاد آئے یا اس بات کا علم ہوجائے کہ ہمیں غسل یا جنازہ پڑھنا چاہئے تھا تو اب قبر کو کھولنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں حکم یہ ہے جب تک گمان غالب یہ ہے کہ لاش نہیں پھٹی ہوگی، قبر پر ہی نماز ادا کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت یا مرد کی نماز جنازہ قبر پر ادا فرمائی تھی۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: " **أن أسود رجلا او امرأة كان يكون فى المسجد يقم المسجد فمات ولم يعلم النبى ﷺ بموته، فذكره ذات يوم فقال: مافعل ذلك الإنسان؟ قالو: مات يا رسول الله ، قال: أفلا آذنتمونى؟ فقالو: انه كان كذا وكذا قصته قال: فحقروا شأنه، قال: فدلونى على قبره فاتى قبره فصلى عليه**"(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر بعد مایدفن ج ۲۔ص:۸۹ رقم الحدیث ۱۳۳۷)۔

(کالے رنگ کا ایک مرد یا ایک کالی عورت مسجد کی خدمت کیا کرتی تھیں ان کی وفات ہوگئی، لیکن نبی کریم ﷺ کو ان کی وفات کی خبر کسی نے نہیں دی۔ ایک دن آپ ﷺ نے خود یاد فرمایا کہ وہ شخص دکھائی نہیں دیتا۔ صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان کا تو انتقال ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہ نے عرض کی کہ یہ وجوہ تھیں (اس لئے آپ کو تکلیف نہیں دی گئی) گویا لوگوں نے ان کو حقیر جان کر قابل توجہ نہیں سمجھا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ چلو مجھے ان کی قبر بتادو)۔

چنانچہ آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔معلوم ہوا کہ اگر تدفین سے پہلے نماز جنازہ پڑھنے کا موقع میسر نہ ہوا ہو تو تدفین کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھ لینا ضروری ہے،لیکن حضرات فقہاء نے اس کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ جب تک لاش پھٹی نہ ہو کیونکہ اگر لاش پھٹنے کا گمان غالب ہو تو پھر اب نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔اور راجح قول کے مطابق لاش پھٹنے کا کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے، کیونکہ جگہ،موسم اور میت کی جسامت کے موٹے یا پتلے ہونے کی وجہ سے مدت مختلف ہوتی ہے۔لہذا جب تک اس بات کا غالب گمان ہے کہ لاش نہیں پھٹی ہوگی نماز جنازہ ادا کرنا فرض ہے اور لاش پھٹ جانے کا غالب گمان ہونے پر جنازہ کی نماز ادا نہ کی جائے۔

چنانچہ ”شامی“ میں ہے:”**أقول: نص الأصحاب علی أنه لایصلی علیه مع الشک فی ذلک**“ (شامی ۳/۱۶۷۔رشیدیہ)”**وفی حاشیة الطحطاوی: لوشک فی تفسخه لایصلی علیه**“(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح۔ج۱/۳۹۸)۔

”**(وإن دفن واهیل علیه التراب (بغیر صلوة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولایة له (صلی علی قبره) استحسانا(مالم یغلب علی الظن تفسخه) من غیر تقدیر هو الاصح وظاهره انه لوشک فی تفسخه صلی علیه، لاکن فی النهر عن محمد لاکانه تقدیما للمانع (الدرالمختار) (قوله:وأهیل علیه التراب)، فإن لم یهل أخرج وصلی علیه کما قدمناه....(قوله هو الاصح) لانه یختلف باختلاف الاوقات حراً وبرداً والمیت سمنا وهزالا والامکنة ... وقبل یقدر بثلاثة ایام، وقیل عشرة، وقیل شهر ... (قوله: کانه تقدیما للمانع)...، اقول وفی الحلیة نص الاصحاب علی انه لا یصلی علیه مع الشک فی ذلک**“(ردالمحتار: کتاب الصلوۃ رباب صلوۃ الجنازہ،ج ۳ص ۱۴۶/۱۴۷،رشیدیہ)۔

”**ولودفن المیت قبل الصلوة اوقبل الغسل، فإنه یصلی علی قبره إلی ثلاثة أیام، والصحیح أن هذا لیس بتقدیر لازم، بل یصلی علیه ما لم یعلم أنه قد تمزق، کذافی السراجیه**“(الفتاوٰی الھندیہ: کتاب الصلوۃ رالفصل الخامس فی الصلوۃ علی المیت،ج ۱ص ۱۶۵،رشیدیہ)۔

اسی طرح ایک سوال کے جواب میں مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس میت کو بلا غسل ونماز دفن کردیا جائے تو اس کے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے جب تک اس کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کا ظن غالب نہ ہو (فتاوی محمودیہ ۸/۵۰۲،ڈابھیل)۔

ب– نماز جنازہ کی درستگی کے لئے میت میں جس شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان میں ایک شرط یہ ہے کہ جنازہ،یعنی

میت امام کے سامنے موجود ہو، درمختار میں ہے :" ووضعه وكونه هو اواكثر امام المصلي وكونه للقبلة فلا تصح على غائب" (درمختار ۳/ ۱۲۳، رشیدیہ)۔

لہذا اگر جنازہ سامنے موجود نہ ہو تو نماز جنازہ درست نہ ہوگی یہ رائے ائمہ اربعہ میں دو بڑے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کی ہے۔

جب کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک غائب پر بھی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حبش کے اسلام قبول کرنے والے بادشاہ اصحمہ نجاشی پر مدینہ میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی (دیکھئے: نووی علی مسلم ۱/ ۳۰۹)۔

اسی طرح حضرت معاویہ لیثیؓ پر بھی آپ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

ہماری طرف سے ان حضرات کی دلیل کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ نجاشی نے غیر مسلموں کے درمیان ایک غیر اسلامی ملک میں اسلام قبول کیا تھا اور وہاں ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی اسلئے آپ نے نماز جنازہ پڑھی مگر ظاہر ہے کہ یہ جواب اس وقت درست ہوسکتا ہے کہ کم از کم ایسے شخص پر غائبانہ نماز کو درست کہا جائے جس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جاسکی ہو حالاں کہ احناف مطلقاً غائبانہ نماز کو منع کرتے ہیں اسلئے زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی میت کو نماز کے وقت آپ کے سامنے کردیا تھا آپ بچشم سر جنازہ کو بطور معجزہ دیکھ رہے تھے گو صحابہؓ نے نہ دیکھا تھا اور امام کا جنازہ کو دیکھنا کافی ہے مقتدیوں کا دیکھنا ضروری نہیں چنانچہ ابن حبان اور صحیح ابن عوانہ وغیرہ کی روایت میں موجود ہے کہ صحابہ ایسا محسوس کررہے تھے کہ گویا حضور اکرم ﷺ کے سامنے جنازہ ہے یا یہ کہ یہ ان دونوں حضرات کی خصوصیت تھی، کیونکہ آپ ﷺ کا عام معمول غائبانہ نماز جنازہ کا نہیں تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں ان دو حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام کی وفات ہوئی، قراء صحابہ جو آپ کے عزیز ترین صحابہ میں سے تھے وہ سفر میں شہید ہوئے، حضرت جعفر طیارؓ جو آپ کے چچازاد بھائی تھے، حضرت زید بن حارثہؓ جو آپ کے متبنی تھے ان سب کا انتقال سفر اور حالت جہاد میں ہوا، آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ میں خبر ملی تو آپ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، حالاں کہ مدینہ طیبہ میں وفات پانے والے حضرات پر نماز جنازہ پڑھنے کا آپ بہت اہتمام فرماتے تھے اور آپ نے ہدایت فرما رکھی تھی کہ تم میں سے کسی کا بھی انتقال ہو تو مجھے ضرور خبر کرو کیونکہ اس پر میرا نماز پڑھنا اس کے لئے رحمت ہے۔

"اوجز المسالک" میں ہے :" وقال أبوحنيفه ومالكؒ : هذا خاص به وليس ذالك لغيره، قال أصحابهما : ومن الجائز أن يكون رفع له سريره فصلى عليه وهو يرى صلاته على الحاضر المشاهد،

وإن کا ن علی مسافة من البعد والصحابة، وإن لم یروہ فھم تابعون للنبی ﷺ ، قالوا: ویدل علی ھذا أنه لم ینقل انه ﷺ کان یصلی علی کل الغائبین غیرہ ... ویؤیدہ ماذکرہ الواحدی بلا اسناد عن ابن عباسؓ قال: کشف النبی ﷺ علی سریرالنجاشی حتی رآہ وصلی علیه وابن حبان عن عمران بن حصینؓ فصلینا خلفه ونحن لا نری الا ان الجنازة قدامنا واجیب ایضا بأن ذلک خاص بالنجاشی لاشاعة انه مات واستئلاف قلوب الملوک الذین اسلموا فی حیاته اذ لم یأت فی حدیث انه ﷺ صلی علی میت غائب "(اوجزالمسالک کتاب الجنائز ۴/ ۲۱۸، ۲۱۹،ادارہ تالیفات اشرفیہ)وکذافی عمدۃ القاری کتاب الجنائز ۸/ ۲۲)۔

شامی میں ہے :"وصلوة النبی ﷺ علی النجاشی لغویة أو خصوصیه (درمختار) قوله : (اوخصوصیه) أولأنه رفع سریرہ حتی رآہ علیه السلام بحضرته، فتکون صلوة من خلفه علی میت یراہ الإمام وبحضرته دون المأمومین وھذا غیر مانع من الاقتداء من جملة ذلک : أنه توفی خلق کثیر من اصحابه ﷺ من أعزھم علیه القراء ولم ینقل عنه انه صلی علیھم مع حرصه علی ذلک حتی قال: لا یموتن أحدکم منکم إلا آذ نتمونی به، فان صلوتی رحمة له " (ردالمحتار کتاب الصلوۃ ۳/ ۱۲۳، ۱۲۴،رشیدیہ، مزید تفصیلات کے لئے علامہ شبیراحمد عثمانیؒ کی فتح الملہم ۲/ ۲۹۶،اورمحقق ابن الہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے)۔

اب یہاں پر ایک مسئلہ یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز کی جو بات حضرات احناف نے کہی ہے یہ تمام حالات ومواقع کے لئے ہے یا صرف عام حالات کے لئے ہےاورکورونا جیسی وبائی بیماری کے موقع پر جبکہ اموات کی کثرت ہورہی ہےاورحکومت کے کارندے بعض علاقوں میں گھر والوں کواطلاع تک نہیں دیتے ، بلکہ خود ہی دفن کردیتے ہیں اور گھر والوں کوقبر تک کا علم نہیں ہوتا ان حالات میں اس کا حکم الگ ہوگا اوراس جیسے خاص حالات میں اہل خانہ کے لئے غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی تو اس سلسلہ میں اہل علم کی دونوں رائے ہیں بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ: غائبانہ نماز جنازہ اگرچہ احناف ومالکیہ کے یہاں جائزنہیں ،لیکن حضرات شوافع وحنابلہ کے یہاں اس کی اجازت ہےاس لئے ایسے خاص مواقع پر اگران حضرات کے مذہب پرعمل کرتے ہوئے نماز جنازہ ادا کرلیں توگنجائش ہوگی اسلئے کہ یہاں ایسا نہیں ہے کہ نماز ادا کرکے دفن کیا گیا ہےاوردوبارہ دوسری بارکچھ لوگ غائبانہ نماز جنازہ ادا کررہے ہیں، بلکہ نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تو نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ دوسرے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ خود نبی کریم ﷺ نے باوجوداس کے کہ آپ کومرنے والوں کی نماز جنازہ پڑھنے کا بڑااہتمام رہتا تھا آپ سے دوحضرات کے علاوہ کسی کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں۔قراء صحابہ کس بے دردی کے ساتھ شہید کئے گئے ان کی بھی غائبانہ نماز جنازہ آپ نے نہیں پڑھی اسی طرح اوربھی صحابہ کرام کا انتقال

ہوا،لیکن پوری زندگی میں آپ سے ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں ،اس لئے کورونا کے مرنے والوں پر بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔دوسری بات یہ ہے کہ نماز جنازہ کی مشروعیت کا مقصد صلاۃ علی المیت ہے یعنی میت کے لئے دعا اور استغفار کرنا ظاہر ہے کہ اس کے لئے نماز جنازہ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ مقصد نماز جنازہ کے بغیر بھی دعا واستغفار سے حاصل ہوسکتا ہے،اس لئے احقر کے نزدیک یہی راجح ہے کہ نماز جنازہ نہ ادا کر کے میت کے لئے استغفار دعا اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائے تو یہ انشاء اللہ کافی ہوگا۔

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر تحریریں

کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

ڈاکٹر قاری ظفرالاسلام صدیقی ☆

۱-الف: کرونا جیسی عالمی مہلک اور تباہ کن بیماری کے پیدا ہونے سے نت نئے مسائل نے جنم لیا ہے جن میں سے ایک جمعہ اور جماعت مسجد کی شدید ممانعت کا مسئلہ ہے، اب تو بہت سارے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ جمعہ کب آیا اور کب گیا، جمعہ اور جماعت کا اہتمام تو بہت دور کی بات ہے، اس لئے ایسے حالات میں امام کی ہیئت اولی کی تبدیلی، اور امام کو چھوڑ کر کم از کم تین آدمی ہوں تو متعدد جمعہ ایک مسجد میں قائم کئے جاسکتے ہیں۔

"**نعم قد علمت أن الصحيح أنه لا يكره تكرار الجماعة إذا لم تكن على هيئة الأولى**" (ردالمحتار ۲/۲۶۵ زکریا)۔

شیخین کے یہاں تین یا چار آدمی مسجد کے کسی دوسرے گوشے میں جماعت ثانی کرسکتے ہیں، امام محمدؒ نے تداعی اور اجتماع کی صورت میں کراہت کا قول ذکر کیا ہے: "**فأما اذا كانوا ثلثة أو أربع فقاموا فى زاوية من زوايا المسجد وصلوا الجماعة لا يكره وروى عن محمد أنه إنما يكره إذا كانت الثانية على سبيل الله أى، والاجتماع، فأما إذا لم يكن فلا يكره**" (بدائع الصنائع ۱/۳۷۹ زکریا)۔

فقہاء کے یہاں جماعت ثانیہ کی کراہت کا قول اس بنیاد پر ہے کہ اس سے جماعت اولی کی حیثیت متاثر ہوتی ہے جس کا تعلق اختیاری وعمومی حالات سے ہے، یہاں ایسا بالکل نہیں ہے یہ تو اضطراری حالات ہیں، اس لئے ایک مسجد میں متعدد جمعہ قائم کرسکتے ہیں یہ اس لئے بھی ہے کہ مسجد سے بے تعلقی اور مساجد کی جماعت میں عدم شرکت سرے سے جماعت اور مسجد کی حیثیت ہی کو مجروح کردے گی۔

ب-سداًللذریعۃ ایسے مقامات پر متعدد جمعہ قائم کئے جاسکتے ہیں اور متعدد جمعہ مسجد واحد میں قائم کرنے کی گنجائش ملنی چاہئے۔

☆ سابق شیخ الحدیث وپرنسپل دارالعلوم مئو، اترپردیش۔

۲- اس عمل سے تشتت تو پیدا ہوگا ہی اس سے بڑھ کر مسجد و جماعت مسجد کی بے توقیری لازم آئے گی اور اصراف سے جماعت مسجد کا کلیتا ترک لازم آئے گا جو بڑی تباہی اور گناہ عظیم کا باعث ہے۔

۳- اگر پابندیوں کی وجہ سے رہ جائیں تو گھر پر ظہر با جماعت پڑھ سکتے ہیں اگر اپنی سستی وکاہلی کی وجہ سے مسجد میں حاضر نہ ہوسکے تو اس کی اجازت نہ ہوگی بلکہ فرادی فرادی ظہر پڑھی جائے گی۔

۴- تجہیز و تکفین:

میت کو ذمہ داروں کے حوالہ کرنے کے بعد مسئلہ تو ظاہر ہے کرونا کے سبب مرنے والوں کے وارڈ میں جن ڈاکٹروں کی ڈیوٹی تھی ان سے معلوم ہوا کہ اس سبب سے مرنے والوں پر بوقت موت کو کپڑے ہوتے ہیں ان کو انہیں کپڑوں میں پیک کرتے ہیں، سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے ساتھ شہداء کا معاملہ ہونا چاہئے وہی کو رکفن کے حکم میں ہوگا، اگر ہاتھ وہ چہرہ کھلا ہے تو تیمّم کرادیا جائے۔

۵- الف، ب: میت کے اجزاء منتشر ہونے اور ان کے پھٹنے سے پہلے پہلے تک ان پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، فقہاء نے اس کی تحدید تین یوم کے ساتھ کی ہے، ”**وبعد مضى الثلاث تنشق ويتفرق فلا يبقى البدن**“ (بدائع الصنائع ۲/۵۵ زکریا)، حضرت امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ کے یہاں جنازہ علی الغائب درست نہیں، امام شافعی وامام احمدؒ نے اس کی اجازت دی ہے (مدارج النبوۃ) احقر کے نزدیک غیر عمومی حالات میں اس کی اجازت ہونی چاہئے، بہت سارے مسائل میں دیگر ائمہ کے اقوال بدرجہ مجبوری لئے گئے ہیں۔

☆☆☆

کرونا سے پیدا شدہ چند فقہی مسائل

مولانا اختر امام عادل قاسمی☆

مسجد میں جماعت ثانیہ کا مسئلہ:

(الف) کرونا کی وجہ سے دیگر شعبۂ حیات کی طرح مسجد کا نظام جماعت بھی متاثر ہوا ہے، شریعت میں تکثیر جماعت مطلوب ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”وَإِنَّ صَلاَةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْکَی مِنْ صَلاَتِهِ وَحْدَهُ وَصَلاَتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْکَی مِنْ صَلاَتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا کَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَی اللّٰهِ تَعَالَی“ (سنن أبی داؤد باب فضل صلاۃ الجماعۃ ۲/ ۲۴۸، حدیث نمبر: ۵۵۴)۔

جب کہ کرونا کی پابندیوں کی ایام میں بڑی جماعت کرنا ممکن نہیں ہے، تو کیا ایک مسجد میں چھوٹی چھوٹی متعدد جماعتیں ہو سکتی ہیں؟

حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں ایسی مساجد میں جہاں اذان و جماعت کا نظام قائم ہو، یعنی امام وغیرہ موجود ہو، جماعت اولیٰ کے بعد دوسری جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس کی علت تقلیل جماعت بتائی گئی ہے:

”إِنْ صَلَّى فِيهِ أَهْلُهُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، أَوْ بَعْضُ أَهْلِهِ يُكْرَهُ لِغَيْرِ أَهْلِهِ وَلِلْبَاقِينَ مِنْ أَهْلِهِ أَنْ يُعِيدُوا الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ،......وَلِأَنَّ التَّكْرَارَ يُؤَدِّي إِلَى تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ؛ لِأَنَّ النَّاسَ إِذَا عَلِمُوا أَنَّهُمْ تَفُوتُهُمْ الْجَمَاعَةُ فَيَسْتَعْجِلُونَ فَتَكْثُرُ الْجَمَاعَةُ، وَإِذَا عَلِمُوا أَنَّهَا لَا تَفُوتُهُمْ يَتَأَخَّرُونَ فَتَقِلُّ الْجَمَاعَةُ، وَتَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ مَكْرُوهٌ“ (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ فصل فی بیان محل وجوب الأذان ۱/ ۱۵۳)۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اگر دوسری جماعت بہت مختصر یعنی تعداد شرکاء تین سے بھی کم ہو تو اس کی گنجائش ہے: ”عَنْ أَبِی حَنِيفَةَ لَوْ كَانَتْ الْجَمَاعَةُ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ يُكْرَهُ التَّكْرَارُ وَإِلَّا فَلَا“ (حاشیہ رد المحتار شرح تنویر الابصار فقہ ابوحنیفہ ۱/ ۳۹۵، ۳۹۶)۔

☆ جامعہ ربانی منورواشریف، بہار۔

حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک اگر جماعت ثانیہ جماعت اولی کی ہیئت پر نہ ہوتو اس میں حرج نہیں، مثلاً محراب سے ہٹ کر نماز پڑھی جائے، یا بلا اذان واقامت نماز پڑھی جائے وغیرہ، اور حضرت امام محمدؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ جماعت ثانیہ بغیر کسی خبر اور اہتمام کے ہو جائے تو کراہت نہیں:

"نَعَمْ قَدْ عَلِمْت أَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ إذَا لَمْ تَكُنْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى........ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إذَا لَمْ تَكُنْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى لَا تُكْرَهُ وَإِلَّا تُكْرَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ، وَبِالْعُدُولِ عَنْ الْمِحْرَابِ تَخْتَلِفُ الْهَيْئَةُ" (حاشیہ ابن عابدین، حوالہ سابق)۔

"وفي الْمُجْتَبَى وَيُكْرَهُ تَكْرَارُهَا في مَسْجِدٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَعَنْ أبي يُوسُفَ إنَّمَا يُكْرَهُ تَكْرَارُهَا بِقَوْمٍ كَثِيرٍ أَمَّا إذَا صلى وَاحِدٌ بِوَاحِدٍ وَاثْنَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِهِ وَعَنْهُ لَا بَأْسَ بِهِ مُطْلَقًا إذَا صلى في غَيْرِ مَقَامِ الْإِمَامِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ إنَّمَا يُكْرَهُ تَكْرَارُهَا على سَبِيلِ التَّدَاعِي أَمَّا إذَا كان خُفْيَةً في زَاوِيَةِ الْمَسْجِدِ لَا بَأْسَ بِهِ" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۱/۳۶۷)۔

ائمہ احناف کی ان فقہی آراء کی روشنی میں کرونا اور لاک ڈاؤن کی مجبوریوں کے دوران اگر جماعت اولی کی ہیئت تبدیل کردی جائے تو وقتی طور پر دوسری تیسری جماعتوں کی گنجائش نظر آتی ہے، بشرطیکہ ہر جماعت کا امام الگ ہو، اس لئے کہ زیر بحث صورت میں تقلیل جماعت کی علت موجود نہیں ہے، جماعت اولی کی قلت جماعت ثانیہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ لاک ڈاؤن کی پابندیوں کی بنا پر ہے، اسی لئے فقہاء نے ایسی مسجدوں میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی ہے جہاں کوئی نظام جماعت قائم نہ ہو، یا تعدد جماعت سیاست کے نظام پر اثر نہ پڑتا ہو، مثلاً دھیمی آواز سے اذان واقامت دے کر کچھ لوگ مسجد میں جماعت کر لیں تو دوسری مقررہ اعلانیہ جماعت کرنے میں کچھ حرج نہیں:

" وقال الْقُدُورِيُّ لَا بَأْسَ بها في مَسْجِدٍ في قَارِعَةِ الطَّرِيقِ وفي أَمَالِي قاضيخان مَسْجِدٌ ليس له إمَامٌ وَلَا مُؤَذِّنٌ وَيُصَلِّي الناس فيه فَوْجًا فَوْجًا " (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۱/۳۶۷)۔

فَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَ كُلُّ فَرِيقٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ على حِدَةٍ وَلَوْ صلى بَعْضُ أَهْلِ الْمَسْجِدِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ مُخَافَتَةً ثُمَّ ظَهَرَ بَقِيَّتُهُمْ فَلَهُمْ أَنْ يُصَلُّوا جَمَاعَةً على وَجْهِ الْإِعْلَانِ اه "(حاشیہ علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ۱/۳۲۸)۔

ایک مسجد میں تعدد جمعہ کا مسئلہ:

(ب)- جمعہ کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے، اگر اس مسجد کیعلاوہ کوئی دوسری متبادل جگہ (مسجد یا میدان وغیرہ) میسر نہ

ہوتو حسب ضرورت مسجد میں تعدد جمعہ کی گنجائش ہے،فقہاء نے جمعہ کے باب میں ایک جزئیہ لکھا ہے کہ اگر لوگ کسی شخص کے پیچھے جمعہ نماز پڑھنے کو اچانک اکٹھے ہوجائیں،تو گو کہ امیر وقت سے اس کی اجازت نہ لی گئی ہو،لیکن نماز جمعہ درست ہوجائے گی،جیسا کہ امیر المؤمنین ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ کے محاصرہ کے موقعہ پر ان کی اجازت کے بغیر حضرت علیؓ نے جمعہ کی امامت فرمائی تھی جب لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے اچانک جمع ہوگئے تھے،اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت مقررہ امام کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز جمعہ پڑھ لی جائے تو گنجائش ہے،بشرطیکہ وہاں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہو،اسی سے زیر بحث مسئلہ کو بھی استیناس کیا جاسکتا ہے:

"واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز للضرورة، كما فعل على فى محاصرة عثمانؓ وإن فعلوا ذلک لغير ما ذكر لا يجوز لعدم الضرورة، وروى ذلک عن محمد فى العيون، وهو الصحيح" (شامی باب الجمعہ ۱۵/۳)۔

۲-مساجد کے علاوہ گھروں میں جمعہ کی چھوٹی جماعتیں:

اگر مسجد میں ایک یا دو جماعت کے بعد لوگ اپنے گھروں میں چھوٹی جماعتوں کا نظام قائم کریں،تو بوقت ضرورت اس کی بھی گنجائش ہے،اس لئے کہ صحت جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں ہے۔

"(قَوْلُهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ) لِأَنَّ فِي إلْزَامِ اتِّحَادِ الْمَوْضِعِ حَرَجًا بَيِّنًا" (حوالہ سابق)۔

گو کہ اس میں بظاہر تشتت پایا جاتا ہے،لیکن ترک جمعہ یا جماعت کے مقابلہ میں یہ تشتت قابل تحمل ہے،ورنہ تجربہ یہ ہے کہ لوگ نماز ہی چھوڑ بیٹھیں گے،البتہ اسی کے ساتھ ایسی کوششیں بھی جاری رہنی چاہئے کہ لوگوں کا مسجد سے رابطہ قائم رہے،اور حالات ٹھیک ہوتے ہی لوگ مسجد کی طرف لوٹ آئیں۔

۳-جمعہ کے دن گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کی جائیگی با جماعت نہیں:

جن مقامات پر جمعہ کا نظام قائم ہے اگر وہاں کچھ لوگوں کی جماعت جمعہ فوت ہوجائے یا کسی وجہ سے وہ شریک نہ ہوسکیں،اور جمعہ قائم کرنے کی کوئی شکل موجود نہ ہو،تو وہ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے،ایسے مقامات پر جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے یا بعد ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے،اس دن مسلمانوں کے لئے دو ہی راستے ہیں،جمعہ میں حاضر ہوں یا ظہر کی نماز تنہا ادا کریں،فقہاء نے قیدیوں کے ضمن میں یہ بات لکھی ہے،کہ اگر وہ شہر میں جمعہ نہ پڑھ سکتے ہوں تو ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے:

”(قَالَ) وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الظُّهْرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمِصْرِ جَمَاعَةً فِي سِجْنٍ أَوْ فِي غَيْرِ سِجْنٍ هَكَذَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – وَلِأَنَّ النَّاسَ أَغْلَقُوا أَبْوَابَ الْمَسَاجِدِ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْأَمْصَارِ فَدَلَّ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي جَمَاعَةً فِيهَا وَلِأَنَّ الْمَأْمُورَ بِهِ فِي حَقِّ مَنْ يَسْكُنُ الْمِصْرَ فِي هَذَا الْوَقْتِ شَيْئَانِ: تَرْكُ الْجَمَاعَةِ وَشُهُودُ الْجُمُعَةِ وَأَصْحَابُ السِّجْنِ قَدَرُوا عَلَى أَحَدِهِمَا وَهُوَ تَرْكُ الْجَمَاعَةِ فَيَأْتُونَ بِذَلِكَ. (وَكُرِهَ) تَحْرِيمًا (لِمَعْذُورٍ وَمَسْجُونٍ) وَمُسَافِرٍ (أَدَاءُ ظُهْرٍ بِجَمَاعَةٍ فِي مِصْرٍ) قَبْلَ الْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا “۔

۴-کرونا سے مرنے والوں کی تجہیز وتکفین:

کرونا سے فوت شدہ لوگوں کی لاشیں عموماً ہسپتال کی طرف سے کور میں پیک کر کے حوالے کی جاتی ہیں، اور ورثہ کیلئے ان کوکھولنے کی اجازت نہیں ہوتی، ایسی صورت میں تجہیز وتکفین کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہوجاتا ہے، جہاں تک کفن کا مسئلہ ہے تو مجبوری کی حالت میں اسی کور کو شرعی طور پر کفن متصور کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ زندگی میں جس چیز کو پہننا جائز ہے، اس کو کفن بنانا بھی جائز ہے، البتہ اس کا ساتر ہونا ضروری ہے، کہ اندر سے جسم کی کھال نمایاں نہ ہو:

”اتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى أَنَّ تَكْفِينَ الْمَيِّتِ بِمَا يَسْتُرُهُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ“(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳/ ۲۶۵، بحوالہ فتح القدیر ۱/ ۴۵۲، حاشیۃ الرہونی ۲/ ۲۰۹، المجموع ۵/ ۱۴۰، کشاف القناع ۲/ ۱۰۳، بخاری ۳/ ۹۳)۔

”وَيُشْتَرَطُ فِي الْكَفَنِ أَلَّا يَصِفَ الْبَشَرَةَ، لِأَنَّ مَا يَصِفُهَا غَيْرُ سَاتِرٍ فَوُجُودُهُ كَعَدَمِهِ، وَيُكْرَهُ إِذَا كَانَ يَحْكِي هَيْئَةَ الْبَدَنِ، وَإِنْ لَمْ يَصِفِ الْبَشَرَةَ “(الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۳/ ۲۶۸، بحوالہ بدائع الصنائع ۱/ ۳۰۷، المجموع ۵/ ۱۴۷، الشرح الصغیر ۱/ ۵۴۹، المغنی لابن قدامہ ۲/ ۴۶۴، نہایۃ المحتاج ۲/ ۴۴۷، کشاف القناع ۲/ ۱۰۲، روضۃ الطالبین ۲/ ۱۰۹)۔

ويجب تكفينه بما يستره ولو لم يملك غيره ولابأس بالزيادة مع التمكن من غير مغالاة ويكفن الشهيد فى ثيابه التى قتل فيها وندب التطيب بدن الميت وكفنه.أقول: أما تكفينه بما يستره فلأمره ﷺ بإحسان المكفن كما فى حديث "إذا كفن أحدكم أخاه فليحسن كفنه" وهو فى صحيح مسلم وغيره من حديث أبى قتادة والكفن الذى لا يستره ليس بحسن“ (الدراری المضیۃ شرح الدرر البہیہ ۱/ ۱۳۵)۔

اسی طرح کفن کے نصاب کی تکمیل بھی کی جائیگی، اگر کور کا استر ایک ہی ہوتو مرد کے لئے عدد مسنون تین یا کم ازکم دو اور عورت کیلئے پانچ یا کم ازکم تین کا نصاب پورا کرنا ضروری ہے، بایں طور کہ اسی کور پر مزید کفن لپیٹ دیئے جائیں، اس سے کم بغیر مجبوری کے مکروہ ہے۔

"وَكُلُّ مَا يُبَاحُ لِلرِّجَالِ لُبْسُهُ فِي حَالِ الْحَيَاةِ يُبَاحُ تَكْفِينُهُ بَعْدَ الْوَفَاةِ وَمَا لَا يُبَاحُ لَهُ لُبْسُهُ حَالَ الْحَيَاةِ لَا يُبَاحُ تَكْفِينُهُ بَعْدَ الْوَفَاةِ، كَذَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ "(ہندیہ ۱/۱۶۱)۔

"وَيُكْرَهُ أَنْ يُكَفَّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ؛ لِأَنَّ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ تَجُوزُ صَلَاتُهُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مَعَ الْكَرَاهَةِ، فَكَذَا بَعْدَ الْمَوْتِ يُكْرَهُ أَنْ يُكَفَّنَ فِيهِ إِلَّا عِنْدَ الضَّرُورَةِ بِأَنْ كَانَ لَا يُوجَدُ غَيْرُهُ لِمَا رُوِيَ أَنَّ »مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ لَمَّا اُسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي نَمِرَةٍ فَكَانَ إِذَا غُطِّيَ بِهَا رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا غُطِّيَ بِهَا رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – أَنْ يُغَطَّى بِهَا رَأْسُهُ وَيُجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْإِذْخِرِ.«وَكَذَا رُوِيَ »أَنَّ حَمْزَةَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – لَمَّا اُسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَمْ يُوجَدْ لَهُ غَيْرُهُ« فَدَلَّ عَلَى الْجَوَازِ عِنْدَ الضَّرُورَةِ ."۔

"وَيُكْرَهُ الِاقْتِصَارُ عَلَى ثَوْبَيْنِ لَهَا وَكَذَا لِلرَّجُلِ عَلَى ثَوْبٍ وَاحِدٍ إِلَّا لِلضَّرُورَةِ"(ہندیہ ۱/۱۵۸)۔

" وَأَدْنَى؛مَا يُكَفَّنُ فِيهِ فِي حَالَةِالِاخْتِيَارِ ثَوْبَانِ: إِزَارٌ وَرِدَاءٌ لِقَوْلِ الصِّدِّيقِ: كَفِّنُونِي فِي ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ؛ وَلِأَنَّ أَدْنَى مَا يَلْبَسُهُ الرَّجُلُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ ثَوْبَانِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ فِيهِمَا وَيُصَلِّيَ فِيهِمَا مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ، فَكَذَا يَجُوزُ أَنْ يُكَفَّنَ فِيهِمَا أَيْضًا."(بدائع الصنائع ۱/۳۰۶،۳۰۷)۔

" وَأَدْنَى مَا تُكَفَّنُ فِيهِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ: إِزَارٌ، وَرِدَاءٌ، وَخِمَارٌ؛ لِأَنَّ مَعْنَى السَّتْرِ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ يَحْصُلُ بِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ حَتَّى يَجُوزَ لَهَا أَنْ تُصَلِّيَ فِيهَا وَتَخْرُجَ فَكَذَلِكَ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُكْرَهُ أَنْ تُكَفَّنَ الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبَيْنِ"(بدائع الصنائع ۱/۳۰۷)۔

☆ رہا میت کے غسل کا معاملہ،تو اگر غسل دینا قانونی ممانعت کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو کور پر ہی پانی بہادینا غسل کیلئے کافی ہوگا،فقہاء نے ایسی لاشوں کیلئے جس کو غسل دینا ممکن نہ ہو یہی حکم تحریر کیا ہے:

"لَوْ كَانَ الْمَيِّتُ مُتَفَسِّخًا يَتَعَذَّرُ مَسْحُهُ كَفَى صَبُّ الْمَاءِ عَلَيْهِ "(ہندیہ ۱/۱۵۸)۔

اگر غسل دینے کی کوئی صورت نہ ہو اور تیمم دینا ممکن ہو، چہرہ اور دونوں ہاتھ کھولنے کی اجازت ہو تو تیمم کرایا جائیگا:

"وَإِذَا مَاتَ الرَّجُلُ فِي السَّفَرِ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَاءٌ طَاهِرٌ يُيَمَّمُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ، هَكَذَا فِي الْمُحِيطِ.رَجُلٌ مَاتَ وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَيَمَّمُوهُ وَصَلَّوْا عَلَيْهِ ثُمَّ وَجَدُوا مَاءً غُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ ثَانِيًا فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ – رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى – كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ"(ہندیہ ۱/۱۶۰)۔

" وَلِأَنَّ تَرْكَ الْغُسْلِ لَوْ كَانَ لِلتَّعَذُّرِ لَأَمَرَ أَنْ يُيَمَّمُوا، كَمَا لَوْ تَعَذَّرَ غُسْلُ الْمَيِّتِ فِي زَمَانِنَا

لِعَدَمِ الْمَاءِ"(بدائع الصنائع ۱/۳۲۴)۔

لیکن اگر غسل یا تیمّم کی کوئی صورت ممکن نہ ہوتو مجبوراً بلا غسل ہی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا جائے گا، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر غسل دینا ممکن نہ ہوتو غسل ساقط ہو جائیگا، لیکن نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

"فَلَوْدُفِنَ بِلاَغُسْلٍ وَلَمْ يُمْكِنْ إِخْرَاجُهُ إِلَّابِالنَّبْشِ سَقَطَ الْغُسْل وَصُلِّىَ عَلَى قَبْرِهِ بِلاَغُسْلٍ لِلضَّرُورَةِ "(الموسوعة الفقہیۃ ۱۶/۲۹-۲۸)۔

" قوله (وإن صلى عليه أو لا) أى ثم تذكروا أنه دفن بلا غسل قوله (استحسانا) لأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل جوهرة "(حاشیہ ردالمحتار ۲/۲۰۸)۔

"وَشَرْطُهَا إِسْلَامُ الْمَيِّتِ وَطَهَارَتُهُ مَا دَامَ الْغُسْلُ مُمْكِنًا وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ بِأَنْ دُفِنَ قَبْلَ الْغُسْلِ وَلَمْ يُمْكِنْ إخْرَاجُهُ إلَّا بِالنَّبْشِ تَجُوزُ الصَّلَاةُ عَلَى قَبْرِهِ لِلضَّرُورَةِ"(الفتاوی الہندیہ ۴/۴۴۶)۔

(۵)الف - اگر کرونا سے مرنے والے شخص کی تدفین نماز جنازہ کے بغیر کر دی گئی ہو اور اس کی قبر معلوم ہو تو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی، جب تک کہ لاش کے متغیر ہو جانے کا اندازہ نہ ہو، اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، موسم اور علاقہ کے لحاظ سے اس کا اندازہ کیا جائے گا۔

"(وَإِنْ دُفِنَ) وَأُهِيلَ عَلَيْهِ التُّرَابُ (بِغَيْرِ صَلَاةٍ) أَوْ بِهَا بِلَا غُسْلٍ أَوْ مِمَّنْ لَا وِلَايَةَ لَهُ (صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ) اسْتِحْسَانًا (؛مَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى الظَّنِّ تَفَسُّخُهُ) مِنْ غَيْرِ تَقْدِيرٍ هُوَ الْأَصَحُّ ."(درمختار مع الشامی کتاب الصلاۃ باب صلاۃ الجنازۃ ۳/۱۲۵)۔

(ب) لیکن اگر مقام تدفین کا علم نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے:

"(قَوْلُهُ: وَشَرْطُهَا) أَیْ شَرْطُ صِحَّتِهَا....... وَهِیَ: سَتْرُ الْعَوْرَةِ، وَحُضُورُ الْمَيِّتِ، وَكَوْنُهُ أَوْ أَكْثَرُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّی"(شامی ۲/۲۰۷)، وَمِنْ الشُّرُوطِ حُضُورُ الْمَيِّتِ وَوَضْعُهُ وَكَوْنُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّی فَلَا تَصِحُّ عَلَى غَائِبٍ"(ہندیۃ الجنائز ۱/۱۶۴)۔

☆☆☆

کرونا سے متعلق چند اہم مسائل اور ان کے شرعی احکام

مفتی محمد ابوبکر قاسمی☆

۱- کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

کرونا کے ماحول میں اگر حکومت مسجد میں جانے پر پابندی عائد کردے اور صرف مخصوص تعداد ہی کو جمعہ اور جماعت میں شرکت کی اجازت دے تو ایسی صورت میں حکومت کے قانون پر عمل کرتے ہوئے مخصوص لوگ ہی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کی تعداد حضرات طرفین امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام کے علاوہ تین مرد ہوں اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک امام کے علاوہ دو مرد کا ہونا بھی کافی ہے، چنانچہ ''شرح وقایہ'' میں ہے:

''والجماعة وهم ثلاثة رجال سوى الإمام عندها، وعند أبي يوسف إثنان سوى الإمام''(شرح وقایہ ۱/۲۰۰)۔

مولانا عبدالحئ فرنگی محلیؒ نے ''حاشیہ شرح وقایہ المسماۃ بہ عمدۃ الرعایۃ'' میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا ذکر کر کے امام ابوحنیفہؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے، مولانا فرماتے ہیں:

''قوله: والجماعة كونها شرطا لصحة الجمعة مجمع عليه بين الأئمة وغيرهم كما فى القنية والبناية، والأصل فيه قوله تعالى: ''فاسعوا الى ذكر الله'' وبه استدل محمد، والإمام على أن أهل الجماعة فيه أربعة مع الإمام لأن الأمر بالسعى وردبصيغة الجمع وأقله ثلاثة، وفهم منه، أن الذكاكر غيرهم، وعند أبى يوسف يكفى فيه ما يكفى بغيرها وهو الثلاثة مع الإمام ورجح الشارحون دليل قول الإمام قاله قاسم بن قطلوبغا فى تصحيح القدورى''(حاشیہ شرح وقایہ باب الجمعۃ ۲۰۰/۷)۔

اگر طرفین کے نزدیک چار سے کم ہو اور امام ابویوسف کے نزدیک تین سے کم ہو تو ایسی صورت میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے الغرض تنہا پڑھنے کے بجائے جماعت سے پڑھنا افضل وبہتر ہے،''قال الله تعالى: ''واركعوا

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ دربھنگہ بہار۔

مع الراکعین" أی صلوا مع المصلین"(جلالین۹)، یادرہے کہ جن جگہوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے وہاں اگر مسجد میں بڑی جماعت کی ممانعت ہوتو گھر پر بھی نماز جمعہ جماعت کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہے، کیونکہ جواز جمعہ یا جماعت کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، اور لاک ڈاؤن کے زمانے میں اللہ تعالی نے گھروں کو نماز کے لئے تیار رکھ کر وہیں نماز پڑھنے کی تاکید وتلقین کی ہے، جیسا کہ سورۂ یونس میں فرعون کے زمانہ میں اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا، "وأوحینا الی موسی وأخیه أن تبوّ أن تتخذا لقومکما بمصربیوتا، واجعلوا بیوتکم قبلة، مصلی تصلون فیه لتأمنوا من الخوف وکان فرعون منعهم من الصلاة"(جلالین ص ۱۷۷)۔

جلالین کے محشی نے 'حاشیہ صاوی' کے حوالہ سے لکھا ہے: "قوله: وکان فرعون منعهم من الصلاة أی فی أول أمرهم فأمرالله موسی ومن معه أن یصلوا فی بیوتهم خفیة لئلا یظهروا علیهم ویوذوهم ویفتنوهم عن دینهم، وذلک کما کان علیه المسلمون فی أول الإسلام بمکة"(حاشیہ جلالین ص ۱۷۷، ۲۴)۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ گھر پر جمعہ پڑھنے کی صورت میں اذن عام نہیں ہوگا جو صحت جمعہ کے لئے شرط ہے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جواز جمعہ کے لئے اذن عام کی شرط کتب ظاہر الروایہ میں مذکور نہیں ہے، اور نہ ہی یہ شرط قطعی دلائل سے ثابت ہے، لہذا اس شرط کے بغیر بھی جیل خانہ، کارخانہ اور فیکٹریوں میں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے، اور بہت سے علماء نے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، چنانچہ "شرح وقایہ" کے حاشیہ میں حضرت مولانا عبدالحیؒ نے لکھا ہے:

"قوله: الإذن العام هذا للشرط لم یذکرفی الهدایة، ولا أثرله فی ظاهر الروایة، وإنما هو مذکور فی النوادر ومشی علیه أصحاب المتون واستنبط ذلک من قوله تعالی: یا ایها الذین آمنوا إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکرالله، فإن النداء للاشتهار، وفیه نظرلا یخفی"(حاشیہ شرح وقایہ ر۱۰)۔

اسی طرح مولانا محمد تقی عثمانی نے "فقہی مقالات" میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے:

کرونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زیادہ جماعت کی شرعا اجازت ہے، جبکہ ہر جماعت کا امام الگ الگ ہو، البتہ صحت جمعہ کے لئے جماعت میں جتنے افراد کا ہونا ضروری ہے، اتنے لوگ موجود ہوں تب ہی جمعہ کی نماز شرعا درست ہوگی، ورنہ نہیں، جیسا کہ اوپر یہ بحث مدلل گزر چکی ہے، جمعہ کے دن جمعہ پڑھنے کی جس قدر تاکید آئی ہے ویسی تاکید صراحت کے ساتھ نماز ظہر کے متعلق وارد نہیں ہے، لہذا جمعہ کے دن نماز جمعہ ہی کا پڑھنا زیادہ موجب اجر ہے، اور ہمارے فقہاء نے تو بلا عذر کے نماز ظہر جماعت سے پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، چنانچہ 'ہدایہ' میں ہے: "ومن صلی الظهر فی

منزله يوم الجمعة قبل صلوة الإمام ولا عذرله كره له ذلك، وجازت صلواته" (ہدایہ/۱۷۹)، اور امام زفرؒ نے تو جمعہ کے دن نماز ظہر پڑھنے کو بالکل ناجائز لکھا ہے۔

"وقال زفر: لا يجزيه، لأن عنده الجمعة هى الفريضة أصالة، والظهر كالبدل عنها ولا مصير إلى البدل مع القدرة على الأصل"(ہدایہ/۱۸۰)، امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے اقوال ودلائل کی واقفیت کے لئے ہدایہ اور اس کے حواشی کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

جمعہ کے دن یا عیدین کے دن نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی کمی کے سبب ایک مسجد میں تکرار جماعت شرعا درست ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:"ماجعل عليكم فى الدين من حرج"(سورۂ حج:۷۸)، اسی طرح حدیث نبوی ﷺ ہے:"يسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا" (بخاری عن انس ۱/ ۲۳، کتاب العلم حدیث/ص ۷۰)۔

ایک مسجد میں تکرار جماعت کی کراہت جماعت اولی کی اہمیت واضح کرنے اور لوگوں کو اختلاف وانتشار سے بچانے کی غرض سے ہے، اور جگہ کی تنگی کی صورت میں یہ وجہ پائی نہیں جاتی، لہذا سوالنامہ کی مذکورہ صورت میں تکرار جماعت کی شرعا اجازت ہوگی پہلے زمانے میں ایک گاؤں یا محلّہ میں جتنے لوگ رہتے تھے دور حاضر میں بعض بڑے شہروں کی ایک بلڈنگ میں اتنے لوگ رہا کرتے ہیں، اس لئے پہلے زمانے میں ہر محلّہ میں مسجد بنانے کی تاکید تھی، اب ہر بلڈنگ میں، بلکہ اس کی ہر منزل میں مسجد بنانے کا حکم ہوگا، پہلے زمانے میں فقہاء نے ایک شہر میں تعدد جمعہ سے منع کیا تھا، اب ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں جمعہ کی فقہاء نے اجازت دی ہے، اب دور حاضر کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر ایک مسجد میں بھی تکرار جماعت کی بہ سبب جگہ کی تنگی کے اجازت ہوگی۔

"قال الله تعالى: واركعوا مع الراكعين"(سورۂ بقرہ:۴۳)، "اى صلوا مع المصلين" (جلالین/ص ۹)، "عن أبى اسحاق أن عليا أمر رجلا فصلى بضعفة الناس يوم العيد فى المسجد ركعتين" (کنز العمال ۴/ ۷ ۳۳)۔

"فيه دلالة على جواز تعدد الجمعة فى المصر قياسا على تعدد العيد، قال فى البدائع: روى محمد عن أبى حنيفة أنه يجوز الجمع فى موضعين أو ثلاثة أو أكثر عن ذلك"(بدائع الصنائع ۸/ ۹۱-۹۰)۔

"وتؤدى الجمعة فى مصرواحد فى مواضع كثيرة، وهو قول أبى حنيفة ومحمدرحمهما الله تعالى، وهو الأصح"(فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۴۵)۔

"ولا بأس بالجمعة فى موضعين أو ثلاثة فى مصر واحد الصحيح عند أبى حنيفة ومحمد

یجوز‘‘(فتاوی تاتارخانیہ ۲/۵۵۰ص۳۲۴۸)۔

’’قیل: بل یجوز عند الحاجة أن نصلی جمعتان فی المصر، کما صلی علی عیدین للحاجة‘‘(اعلاء السنن ۸/۹۱)۔

’’وتؤدی فی مصرواحد بمواضع کثیرة مطلقا علی المذهب، وعلیه للفتوی(درمختار)وتحته فی الشامیة وقوله: مطلقا أی سواء کان المصر کبیرا أولا، وسواء کان التعدد فی مسجدین أو أکثر دفعا للحرج‘‘(شامی کراچی ۲/۱۴۴،زکریا ۳/۱۶،۱۵)۔

’’وفی الفتاوی الغیاثیة: لوصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قوی، وفیها وال وحاکم جازت الجمعة بنو المسجد أولم یبنوا وهذا أقرب الأقاویل إلی الصواب والمسجد الجامع لیس بشرط، ولهذا أجمعوا علی جوازها بالمصلی فی فناء المصر‘‘(حلبی کبیر لاہورص۵۵۱،طحطاوی علی المراقی ۵۵۰۶)۔

’’قال ابن عابدین فی ردالمحتار فی باب الأذان، إن الصحیح أنه لا یکره تکرار الجماعة إذا لم تکن علی الهیئة الأولی، وسیأتی فی الإمامة أن الأ صح أنه لو جمع بأهله لا یکره وینال فضیلة الجماعة لکن جماعة المسجد أفضل فاغنتم هذا التحدید الفرید‘‘(شامی زکریا ۲/۸۱)،’’وذکر ابن عابدین فی کتاب الصلوة لا یکره تکرار الجماعة فی مسجد واحد‘‘ (شامی ۲/۴۹)۔

۲-کرونا کے پیش نظر جبکہ مسجد میں بڑی جماعت کی ممانعت ہو کیا کرے:

کرونا کے پیش نظر اگر مسجد میں جماعت کرنے یا جمعہ پڑھنے کی ممانعت ہو صرف چند لوگوں کو اجازت ہو ایسی صورت میں نماز جمعہ کے لئے مشروط تعداد امام کے علاوہ تین آدمی حاضر ہو جائیں تو ان کے ساتھ مسجد میں جمعہ پڑھنا واجب ہے اور بقیہ گھروں میں اگر وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہو باجماعت نماز جمعہ پڑھیں، کیونکہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کی زیادہ تاکید آئی ہے، بلکہ امام زفر کے نزدیک نماز ظہر جائز نہ ہوگی اور ہمارے حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز ظہر پڑھنا بھی جائز ہے۔

’’ہدایہ‘‘میں ہے:’’ومن صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة قبل صلوة الإمام ولا عذرله کره له ذلک، وجازت صلوته، وقال زفر: لا یجزیة‘‘ لأن عنده الجمعة هی الفریضة أصالة الظهر کالبدل عنها ولا مصیرإلی البدل مع القدرة علی الأصل، ولنا أن أصل الفرض هو الظهر فی حق الکافة هذا هو الظاهر، إلا أنه مامور باسقاطه بأداء الجمعة، وهذا لأنه متمکن من أداء الظهر بنفسه دون الجمعة،

لتوقفها على شرائط لا تتم به وحده، وعلى التمكن يدور التكلف " (ہدایہ ص ۱۷۰)۔

''ہدایہ'' کے حاشیہ میں فریقین کے دلائل کا ذکر ہے جو اس طرح ہے:''قوله هى الفريضة أصاله؛ لأنه مامور بالسعى إليها منهى عن الاشتغال بالظهر مالم يتحقق فوت الجمعة، وهذه صورة الأصل والبدل، عناية، قوله: هو الظهر بالنص هو قول النبى ﷺ وأول وقت الظهر حين تزول الشمس مطلقا فى الأيام "۔ امام محمد کے ایک قول کے مطابق جمعہ اور ظہر میں سے جو بھی ادا کرے نماز ہو جائے گی، کیونکہ کسی کا اصل ہونا متعین نہیں ہے''الفرض أحدهما غير عين''(حاشیہ ہدایہ ۱۷۰/۷)۔

۳- کرونا کے حالات میں نماز ظہر جماعت سے پڑھنا:

جہاں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو وہاں جمعہ کے دن نماز ظہر تنہا پڑھنے کے بجائے عام دنوں کی طرح ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے گی، شامی میں ہے:''ومن لا يجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة''(شامی ۳۳/۳)، اور فتاوی ہندیہ میں ہے:''ومن لايجب عليهم الجمعة من أهل القوى والبوادى لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة، بأذان وإقامة''(الفتاوی الہندیہ ۱۴۵/۱)۔

''فتاوی تاتارخانیہ''میں ہے:''واختيار المشائخ أنه إذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هو الجمعة إن أدرك وصلى، وإن لم يدرك فضرضة الظهر''(الفتاوی التاتارخانیہ ۵۴۵/۲ رقم ۳۲۵۸)۔

کرونا کے مریض کی تجہیز وتکفین اور غسل کا مسئلہ:

کرونا کے مریض کی تجہیز وتکفین اور غسل سے حکومت نے نہ روکا ہو تب تو کرونا کے مریض مردہ کی تجہیز وتکفین اور غسل وغیرہ عام مردوں کے طرح انجام دیا جائے گا، لیکن اگر حکومت کی طرف سے کرونا کے مریض کو مردہ ہونے کی صورت میں چھونے اور کور میں لپیٹ کر دینے کی صورت میں اس کو کھولنے کی اجازت نہ ہو تو ایسی صورت میں حسب استطاعت عمل کیا جائے گا، اگر کور کے علاوہ مزید کفن دینے کی اجازت ہو تو اس میں شرعاً اضافہ کی گنجائش ہے، چنانچہ شہداء کو ان کے کپڑوں کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے، اور کمی کی صورت میں کفن میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، چنانچہ'' ہدایہ'' میں ہے:

''ويزيدون وينقصون ماشاء وا إتماما للكفن''(ہدایہ باب الشہید ص ۱۹۹)۔

اسی طرح دفن سے پہلے غسل دیا جا سکتا ہو تو میت کو غسل دیا جائے گا اور اگر حکومت نے بغیر غسل کے ہی میت کو دفن کروا دیا ہو اور اس پر مٹی ڈال دی گئی ہو تو پھر غسل کے لئے قبر کو کھودا نہیں جائے گا، چنانچہ'' موسوعہ فقہیہ''(۶۴/۱۳) میں ہے:

"لودفن الميت بغير غسل، ولم يهل عليه التراب فلا خلاف أنه يخرج ويغسل، وأما بعده فذهب الحنفيه وهو قول للشافعية إلى أنه لا ينبش لأجل تغسيله، لأن النبش مثلة، وقد نهى عنها ولما فيها من الهتک–ويرى المالكية وهو الصحيح لدى الشافعية والحنابلة أنه ينبش ويغسل مالم يتغير ويخاف عليه أن ينفسخ، واليه ذهب أبوثور"۔

موسوعہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ اور شوافع کے صحیح مسلک کے مطابق اگر کسی میت کو بغیر غسل کے دفن کر دیا گیا ہو تو جب تک میت کے بگڑ جانے اور پھٹ جانے کا خوف نہ ہو اس وقت تک اس کی قبر کو کھود کر اور میت کو نکال کر غسل دیا جائے گا پھر اس کی دوبارہ تدفین کر دی جائے گی۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ ابن حبیب مالکی نے وبا اور کثرت اموات کی صورت میں بغیر وضع کے ایک مرتبہ میت پر پانی بہا دینے کو غسل کے قائم مقام قرار دیا ہے، چنانچہ "موسوعہ" میں ہے:

"ويرى ابن حبيب من المالكية أنه لابأس عند الوباء وما يشتد على الناس من غسل الموتى لكثرتهم أن يجتزء وا بغسلة واحدة بغير وضوء يصب الماء علهم صبا" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳/ ۵۳)۔

حضرات فقہاء نے میت کے کفن کی تین قسمیں لکھی ہیں: کفن ضرورت، کفن کفایت، کفن سنت۔

کفن ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ ستر پوشی کے لئے جتنا کپڑا میسر ہو اسی میں میت کو دفن کر دیا جائے، مثلاً ایک کپڑا اور کفن کفایت مرد کے لئے دو کپڑ اور عورت کے لئے تین کپڑا اور زیادہ سے زیادہ سات کپڑا تک دیا جا سکتا ہے، ستر پوشی کے بقدر کپڑے میں میت کی تکفین کو فقہاء نے فرض کفایہ لکھا ہے، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں ہے: "اتفق الفقهاء على أن تكفين الميت بما يستره فرض على الكفاية" (موسوعہ ۱۳/ ۲۳۷)۔

اسی طرح جمہور فقہاء نے مسلمان میت کے غسل دینے کو واجب کفایہ لکھا ہے، "موسوعہ" میں ہے: "ذهب جمهور الفقهاء إلى أن تغسيل المسلم واجب كفاية بحيث إذا قام به البعض سقط عن الباقين لحصول المقصود بالبعض" (موسوعہ فقہیہ ۱۳/ ۴۹)۔

۵- کرونا کے مریض مردہ شخص کی نماز جنازہ کا حکم:

اگر کرونا کی بیماری سے مرنے والے شخص کو طبی عملہ نے از خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کر دیا اور میت کو اس کے متعلقین کے حوالہ نہیں کیا، البتہ تدفین کے بعد دفن کی جگہ بتا دیا تو ایسی صورت میں قبر پر میت کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے، چنانچہ "ہدایہ" میں ہے:

”وان دفن الميت ولم يصل عليه صلى على قبره؛ لأن النبى ﷺ صلى على قبر امرأة من الأنصار ويصلى عليه قبل أن يتفسخ والمعتبر فى معرفة ذلک أكبر الراى هو الصحيح لاختلاف الحال والزمان والمكان“(ہدایہ ۱/ ۱۸۰-۱۹۲)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی احناف کے یہاں قبر پر اس کی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد میت کا جسم پھول کر پھٹا نہ ہو، وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے، زمان ومکان یا حال کے اختلاف سے عجلت وتاخیر سے کام لیا جاسکتا ہے۔

۶-کرونا کے مریض کی وفات کے بعد قبر یا قبرستان کا علم نہ ہونے کی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

کرونا سے مرنے والے کی قبر یا قبرستان کا علم نہ ہونے کی صورت میں حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں تو غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے، البتہ شوافع اور حنابلہ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ اسی طرح معاویہ بن معاویہ مزنی کی نماز جنازہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے غائبانہ نماز جنازہ کو درست لکھا ہے، معاویہ بن معاویہ کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی اوران کی نماز جنازہ حضور ﷺ نے مقام تبوک میں پڑھی تھی۔

علامہ خطابی نے غائبانہ نماز جنازہ کی یہ شرط بیان کی ہے کہ جس جگہ میت کا انتقال ہوا وہاں اس پر کوئی جنازہ پڑھنے والا موجود نہ ہو تو شافعیہ میں سے رویانی کے بھی اس قول کو پسند کیا ہے، امام ابن حبان نے لکھا ہے غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کی شرط یہ ہے کہ مصلی کی نسبت سے میت جانب قبلہ میں ہو، لہذا اگر میت کا علاقہ مصلی کی نسبت سے قبلہ کی جانب مخالف میں ہو تو غائبانہ نماز جائز نہ ہوگی (ملاحظہ ہو: درس ترمذی ۳/ ۲۹۹)۔

”عن أبى هريرةؓ ان النبى ﷺ صلى على النجاشى“(ترمذی، بخاری ۱/ ۱۷۶، مسلم ۱/ ۳۰۹)۔

مسلم کی شرح ”فتح الملہم“ میں ہے: ”قد استدل بهذه القصة على مشروعية الصلاة على الميت الغائب عن البلد، وبذلک قال الشافعى و أحمد وجمهور السلف، حتى قال ابن حزم لم يأت من الصحابة منعه، وعن الحنفية والمالكية لا يشرع ذلک ونسبه ابن عبد البر لا كثر العلماء، وعن بعض أهل العلم إنما يجوز ذلک فى اليوم الذى يموت فيه الميت أو ما قرب لا ماطالت المدة، حكاه ابن عبد البر، وقال ابن حبان: إنما يجوز ذلک لمن فى جهة القبلة، فلو كان بلد الميت مستدبرالقبلة مثلا لم تجز الصلوة عليه“(فتح الملہم ۲/ ۴۹۶)۔

”وفى الموسوعة الفقهيه: ووافق الشافعية الحنابلة على عدم اشتراط حضوره وتجويز الصلوة على الغائب، ووافقت المالكية الحنفية على اشتراط حضوره“(موسوعہ ۱۶/ ۲۰)۔

کرونا کے شرعی مسائل

مفتی غلام اللہ کاوی☆

ہمارے فقہاء نے جو اصول بیان کئے ہیں، ان سے جواب میں بڑی مدد ملے گی۔

"**الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف**"(شرح المجلہ ۱/۳۱)۔

"**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمها ضررا بارتكاب أخفهما**"(مجموعہ قواعد الفقہ: شرح المجلہ ۱/۳۲)۔

"**يختار أهون الشرين**"(شرح المجلہ ۱/۳۲،۲۹)۔

"**در المفسد أولى من جلب المنافع**"(شرح المجلہ ۱/۳۲)۔

ایک اسلامی اصل کو قائم رکھنے پر ایسا اصرار جس سے اصل کی بہ نسبت بہت زیادہ دینی و دنیوی نقصان برداشت کرنا پڑے یہ حکمت عملی ہی نہیں ہے، بلکہ حکمت دینی کے بھی خلاف ہے، اس لئے حکومت سے ٹکراؤ کے مقابلہ تعدد جماعت فی صلوۃ الجمعہ والصلوات کی اجازت دے کر دینی نقصان برداشت کر لیا جائے، حکومت سے ٹکراؤ بڑا ہی خطرناک ہے، دینی و دنیوی نقصان بھگتنا ہوگا۔

توحید کی اہمیت کسی جاننے والے سے پوشیدہ نہیں، اس کی اہمیت کے پیش نظر اس میں ذرہ بھی لچک کی گنجائش نہ ہونی چاہئے، مومن کا کام یہ ہے کہ اس کے سامنے بندوق کی گولی کی دھمکی، یا تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں پھر بھی وہ توحید کے اقرار و اعلان سے ہرگز نہ پھرے۔

مگر قرآن نے ایسے حالات میں، جبکہ ایک شخص کو ظالموں سے جان کا خطرہ ہو، یا اسے ناقابل برداشت اذیت دی جائے، تب کلمہ کفر کہہ کر بچ جانے کی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ دل سے عقیدہ توحید پر قائم رہے، "**من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**" (النحل:۱۰۶)، یہ عزیمت کا مقام نہ ہو، مگر رخصت کا مقام ضرور ہے۔

درج بالا عبارتوں سے واضح ہے کہ ہمارے مقابلہ میں ظالم و جابر حکومت جن کی اسلام دشمنی روز روشن کی طرح عیاں ہے، معمولی معمولی بہانوں سے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا ان کا شیوہ رہا ہے، اور موقع ملتے ہی جانی و مالی نقصان

☆ دارالعلوم کنتھاریہ، بھروچ، گجرات۔

پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتے، اس لئے خیر و بھلائی اسی میں ہے کہ تعدد جماعت فی الجمعہ والصلوات کی اجازت دے دی جائے، ہاں مگر یہ جماعت کا امام الگ الگ ہونا چاہئے، ایک امام متعدد جماعتوں کی امامت نہ کرے۔

ب- مسائل کا پیدا کرنا مؤمن کا عمل نہیں، باہر سڑکوں پر نماز ادا کرنے سے اس راستہ پر گزرنے والوں کو انتظار کرنا پڑتا ہے، کبھی رہ گزرنے والوں میں مریض بھی ہو سکتے ہیں کسی راہ گزر کی ٹرین کا ٹائم ہو چکا ہوتا ہے، انہیں تکلیف میں ڈالنا مزاج شریعت کے سراسر خلاف ہے، بلکہ احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے: ''ملعون من ضار مؤمنا ......'' اس حدیث میں کسی مومن کو تکلیف پہنچانے پر معلون قرار دیا ہے، دوسری حدیث میں ہے: ''من ضار ضار الله به، ومن شاق شاق الله عليه'' (مظاہر حق ۵/۵۷۷)، حدیث میں ایسی سخت وعیدیں ہیں، فساد کا خطرہ جس میں مسلمانون ہی کو جانی و مالی کثیر نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، مصلحت اسی میں ہے تعدد جماعہ فی صلوۃ الجمعہ کی اجازت دے دی جائے۔

قرآن مجید میں ہے: ''ولا تلقوا بايديكم إلى التهلكه'' (سورۂ بقرہ:۱۹۵)، قرآن مجید کے اس حکم سے بھی اجازت دے دینا واضح ہے، یہاں علت کراہت ہی موجود نہیں ہے (محمود الفتاوی)۔

نیز دوسری جماعت کی کراہت کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ اگر دوسری جماعت کی بلا کراہت اجازت دے دی گئی تو یہ چیز پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں پہلی جماعت کے لئے حاضری کا اہتمام لوگ، اس لئے نہیں کریں گے کہ ان کو اطمینان ہے کہ ہم جب بھی چاہیں گے اپنی جماعت کر کے نماز پڑھ لیں گے، اسی طرح ان کو جماعت فوت ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا، اور یہ چیز ان کے لئے پہلی جماعت میں حاضری سے سستی اور کاہلی کا سبب بنے گی، اس کے برخلاف جب ان کو معلوم ہوگا کہ دوسری جماعت مکروہ ہے، تو وہ لوگ اہتمام تاکید کے ساتھ پہلی جماعت میں حاضری کی کوشش کریں گے۔

مذکورہ علت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں یہ علت موجود نہ ہو کراہت کا حکم جاری نہ ہوگا، چنانچہ مسجد سوق میں تعدد جماعت کی اجازت بلکہ افضلیت اسی لئے ہے کہ وہاں علت موجود نہیں (محمود الفتاوی ۳/ ۲۳۳)۔

حضرت مولانا عبد الحیؒ تعدد جماعت کی اجازت دیتے ہیں: ''چونکہ تعدد جماعت جمعہ بمذہب جائز ہے، اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے، اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں، اس لئے ان لوگوں کو جمعہ باجماعت مع خطبہ ادا کرین، اگر اسی سے مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اولی یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو (مجموعہ مولانا عبد الحیؒ، ۱/ ۲۹۲، ۲۹۳ از محمود الفتاوی)۔

خیر الفتاوی (۳/ ۹۵) پر بھی مذکورہ صورت میں فتاوی عبد الحیٔ کے حوالہ سے جمعہ کی دوسری جماعت کی اجازت دی

گئی ہے۔

امداد الاحکام (۱/۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳) میں حضرت مولانا عبد الکریم کمتھلویؒ کا رجحان بھی مذکورہ مسئلہ میں جواز کا ہے۔

مفتی محمود الحسنؒ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی وجہ سے تمام لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے تو کیا بقیہ لوگ دوسری مرتبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا: کہ یہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعت ثانیہ نہیں (ملفوظات فقیہ الامت ۷/۳۸)۔

مندرجہ بالا پہلے تین جوابات (مجموعہ فتاوی عبد الحئیؒ، خیر الفتاوی، امداد الاحکام) میں تو اس صورت میں جب کہ وہ دس پندرہ آدمی جمعہ کی جماعت میں بروقت پہنچ نہ سکنے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، ان کو دوسری جماعت کی اجازت دی گئی، حالانکہ صورت مسئولہ میں فی الجملہ ان کا قصور بھی ہے کہ وہ بروقت حاضر نہ ہوئے، اور آنے میں تاخیر کے مرتکب ہوئے، چاہئے تھا کہ ان کو جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی جائے، اور تنہا ظہر پڑھنے کا حکم دیا جاتا، لیکن صرف اس بنیاد پر کہ ان پر جمعہ فرض ہے، اس لئے ان کا ظہر پڑھنا درست نہیں، ان کو اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت کرنے کی اجازت دی جارہی ہے، آپ نے اپنی سوال میں جس نماز کے لئے دریافت کیا ہے وہ عید کی نماز ہے، جو بقول راجح واجب ہونے کے ساتھ ساتھ اگر چھوٹ جائے تو اس کا کوئی بدل نہیں، نیز آپ کے یہاں جو لوگ پہلی جماعت میں شریک نہیں ہورہی ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی طرف سے کوئی کوتاہی یا کاہلی پائی گئی، جس کے نتیجہ میں ان کو پہلی جماعت میں شرکت کا موقع نہیں ملا، بلکہ وہ حضرات بھی وہاں مجمع میں شروع سے موجود ہیں لیکن جس جگہ عید کی نماز باجماعت ادا کی جارہی ہے وہ جگہ محدود ہونے کی وجہ سے تمام حضرات جو موجود ہیں، جماعت میں شرکت نہیں کر سکتے گویا جماعت میں عدم شرکت ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں......مطلب یہ کہ صورت مسئولہ میں دوسری جماعت کی اجازت کسی حال میں پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث نہیں، بلکہ دوسری جماعت کو جماعت ثانیہ کا نام دینا بھی محل تامل ہے (از محمود الفتاوی ۳/ ۲۳۳ تا ۲۳۶)۔

تعدد جماعت فی صلوۃ الجمعہ والصلوات الخمس کی اجازت مذکورہ سوال کے پیش نظر دیا گیا ہے، جہاں حکومت سے مقابلہ فسادات کا خطرہ، جان و مال وعزت وعفت بھی خطرہ میں ڈالنے والے حالات کے پیش نظر دیا گیا ہے، عام حالات میں نہیں۔

۲- شروع میں فقہاء کے چند اصول کا ذکر کر دیا گیا تھا، دوم پھر ذکر کر دیتا ہوں:

"**الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف**" (شرح المجلہ ۱/۳۱)۔

"إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمها ضررا بارتکاب أخفهما" (مجموعہ قواعد الفقہ: شرح المجلہ ۱/ ۳۲)۔

"یختار اهون الشرین" (شرح المجلہ ۱/ ۳۲، ۲۹)۔

"در المفسد أولی من جلب المنافع" (شرح المجلہ ۱/ ۳۲)۔

ایک طرف خلاف معمول عمل یہ عمل خلاف شرع نہیں ہے، دوسری طرف ترک جماعت یہ سنت مؤکدہ جس کی حدیثوں میں سخت تاکید ترک پر سخت وعیدیں، اگر محلّہ میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظام بناؤ گے تو مصلیین کی باجماعت نماز ادا ہوگی، اگر یہ نظم نہیں بنتا ہے تو مصلیین کی باجماعت نماز ادا نہ ہوگی، اور تارک جماعت سخت وعیدوں کا مستحق قرار پائے گا۔

اگر محلّہ میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظم ہوگا تو مصلیین یا جماعت نماز ادا کر کے بڑے ثواب کا مستحق قرار پائے گا، اس کے مقابل خلاف معمول اور تشنیت اک تو ہم معمولی بات ہے، اس کا وبال خاص بڑا نہیں، لہذا محلّہ میں چھوٹی چھوٹی جماعت کا معمول جائز اور مناسب ہے، کوئی حرج نظر نہیں آتا، اثر تشتت جہاں یقینی ہو وہاں یہ نظم نہ بنائیں، کیونکہ تشتت یہ بڑا ضرر ہے۔

۳- اگر بغیر ضرر کے گھر میں جماعت ہوسکتی ہو تو اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا ہے، ہاں: کوئی ضرر وفتنہ کا اندیشہ ہو تو تنہا ادا کرلیں تجہیز وتکفین۔

۴- جہاں حکومت کی طرف سے پابندیاں عائد ہو، وہاں ہم مجبور ومعذور ہیں اگر حکومت کی طرف سے پابندیاں نہ ہو اور ہم بغیر ضرر کے غسل وکفن دے سکتے ہوں تو غسل، کفن دینا ہی ہوگا، یہاں شرعی حکم ترک نہیں کیا جائے گا۔

۵- لاش جب تک پھٹی پھولی نہ ہو تو نماز جنازہ ادا کر سکتے ہیں، پھول جانے اور پھٹ جانے کے بعد نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی۔

درمختار مع الشامی میں ہے: "وإن دفن بغیر صلوة صلی علی قبره استحسانا، مالم یغلب علی الظن تفسخه من غیر تقدیر" (الدر المختار مع الشامی ۱/ ۸۲۶، ۸۲۷، البحر الرائق ۲/ ۱۸۳)۔

۶- غائبانہ نماز جنازہ نہ خیر القرون میں پڑھی گئی ہے، اور نہ خیر القرون کے بعد۔ فقط حضور ﷺ نے نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ ادا کی تھی، محدثین کرام فرماتے ہیں یہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں ادا کی گئی تھی، بلکہ نجاشی کا جنازہ حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا تھا، بعدہ نماز جنازہ ادا کی گئی، بعض محدثین اس کو سوال ﷺ کی خصوصیت بتلاتے ہیں (ملاحظہ ہو تفصیل: فتاوی رحیمیہ ۳/ ۵۱۴)۔

الجواب: غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے، نماز جنازہ صحیح ہونے کے لئے جنازہ کا سامنے ہونا شرط ہے، حضور ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جس روز نجاشی کا انتقال ہوگیا، اور صحابہ کے ہمراہ آپ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی، آپ ﷺ کھڑے ہوگئے، اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صف بندی فرمائی، اور چار تکبیریں کہہ کر جنازہ کی نماز پڑھائی۔

صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنازہ آپ ﷺ کے سامنے ہے، نیز اس میں نجاشی کا اعزاز بھی مقصود تھا، لہذا یہ حکم عام نہ ہوگا، اور اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا، نیز خود حضور ﷺ کے زمانہ میں بے شمار صحابہ مدینہ منورہ کے باہر شہید ہوئے اور ان کے شہید ہونے کی خبر خود حضور ﷺ نے صحابہ کو دی، بیر معونہ کا مشہور حادثہ پیش آیا، جس میں ستر قراء صحابہ کو دشمان اسلام نے دھوکہ سے شہید کر دیا، مگر حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، نیز غزوہ موتہ میں خود حضور ﷺ نے زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر دی ان کے لئے دعا مغفرت کی مگر نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ کا عام حکم ہوتا تو آپ ﷺ ہر ایک کی نماز جنازہ پڑھتے، اور آپ کی اتباع کرتے ہوئے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہؓ بھی پڑھتے، مگر اس کا صحیح طور پر ثبوت نہیں، لہذا اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھے، اگر پڑھے گا تو یہ خلاف سنت ہوگا۔

درمختار میں ہے: ”**وكونه أمام المصلى، وكونه للقبلة، فلا تصح على غائب ومحمول على نحو دابة......وصلوة النبى ﷺ على النجاشى لغوية أو خصوصية(قول أو خصوصية)أو أنه رفع سريره حتى راه عليه السلام بحضرته فتكون صلوة من خلفه على ميت يراه الإمام وبحضرته دون المامومين، وهذا غير مانع من الاقتداء فتح، واستدل لهذين الاحتمالين بما لامزيد عليه، فارجع إليه ۔من جملة ذلك:أنه توفى خلق كثير من أصحابه ﷺمن أعزهم عليه القراء، ولم ينقل عنه أنه صلى عليهم مع حرصه على ذلك حتى قال: لا يموتن أحدمنكم الا آذنتمونى به، فإن صلوتى عليه رحمة**“ (درمختار مع الشامی ۱/ ۸۱۳)۔

”مراقی الفلاح“ میں ہے: ”**الصلوة على النجاشى كانت بمشهده كرامة له ومعجزة للنبى ﷺ (قوله كانت بمشهده) اى بمشهد النبى ﷺ أى بمكان راه وشاهده فيه ﷺ ، فرفع له سريره حتى راه بحضرته، فتكون صلوة من خلفه على ميت يراه الإمام دون المامومين، وهذا غيرمانع من الاقتداء**

أوأنها خصوصية للنجاشی أوأن المراد بالصلوة الدعاء، لاالصلوة المخصوصة، ومثل ما ذكر يقال فی صلواته ﷺ علی زيد بن حارثه وجعفر بن أبی طالب حين استشهد بموته" (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۹، فصل فی الصلوۃ علی الجنازہ)۔

''زجاجۃ المصابیح'' میں ہے: "عن أبی هريرةؓ أن النبی ﷺ نعی للناس النجاشی اليوم الذی مات فيه، وخرج بهم إلی المصلی، فصف بهم، وكبر أربع تكبيرات" (متفق علیہ)۔

"وروی ابن حبان فی صحيحه عن عمران بن حصين أن النبی ﷺ قال: إن أخاكم النجاشی توفی، فقوموا صلواعليه، فقام رسول الله ﷺ وصفوا خلفه، فكبر أربعا، وهم لايظنون إلا أن جنازته بين يديه، وفی رواية أبی عوانة فصلينا خلفه ونحن لا نری إلا أن الجنازه قدامنا" (زجاجۃ المصابیح ۱/ ۴۵۸، ۴۵۹)۔

''ترمذی شریف'' کے حاشیہ میں ہے: "نقول رفع له سريره حتی رآه بحضرته دون المامومين، وهذا غير مانع من الاقتداء–وقيل: ذلک مخصوص بالنجاشی فلا يلحق به غيره، كذا فی اللمعات، وفی المرقاة وعن ابن عباسؓ قال: كشف للنبی ﷺ سرير النجاشی حتی راه وصلی عيه" (ترمذی شریف ۱/ ۱۳۳، باب ماجاء فی صلوۃ النبی ﷺ علی النجاشی)۔

''عمدۃ الفقہ'' میں ہے: میت کا وہاں موجود ہونا -- پس غائب کی نماز جنازہ درست نہیں ہے، حضور ﷺ نے نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی ہے، یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے سے جنازہ کے درمیان کے پردے اللہ تعالی نے ہٹادیئے، اوراس کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کردیا، دوسرے لوگ ان کونہیں دیکھ رہے تھے، تو آپ کا امام ہوکر اس کی نماز جنازہ حاضر میت پر ہوئی، اور صحابہؓ کا آپ ﷺ کی اقتدا کرنا اگرچہ وہ میت کو نہ دیکھ رہے ہوں جائز ہوا اس میں کوئی مانع نہیں، اگر غیر موجود میت پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو حضور ﷺ ان صحابہ کی نماز جنازہ غائبانہ ضرور پڑھتے جو کثیر تعداد میں آپ کے دور نبوت میں فوت ہوئے اور دفن ہوئے، حالانکہ باوجود آپ کے نماز جنازہ پر بہت حرص فرمانے کے اور باوجود حکم الٰہی کے کہ "ان صلوتک سکن لهم" (سورۂ توبہ: ۱۰۳)، اور آپ ﷺ نے فرمایا: "لايموتن أحدمنكم إلا آذنتمونی به، فإن صلوتی عليه رحمة له" کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں ہوا، پس کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا درست نہیں ہے، اور جن لوگوں نے حدیث نماز جنازہ بادشاہ نجاشی سے سند پکڑ کر اس کا رواج ڈالا ہے یہ غلط اور غیر مشروع ہے (عمدۃ الفقہ ۵۱۶/ ۵۱۷ کراچی)۔

کرونا کے سبب پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مولانا رحمت اللہ ندوی☆

کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کی بڑی فضیلت اور اہمیت ہے، اور حدیث شریف میں جمعہ کے دن کو اللہ کے نزدیک سب سے افضل دن قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو: مسند احمد ۲/ ۴۵۷، مصنف عبدالرزاق ۵۵۶۳، ابن حبان ۲۷۵۹ وغیرہ)۔

جمعہ، مسلمانوں کی ہفتہ واری عید ہے، اور اللہ تعالی نے دین کی تکمیل اور اپنی نعمت کا اتمام اسی دن کیا ہے (سورۂ مائدہ: ۳، بخاری: ۴۵، مسلم ۳۰۱۷ وغیرہ)۔

نماز جمعہ فرض عین ہے، ہر اس مسلمان پر جو مکلّف ہو، سوائے ان کے جن کو مستثنی کر دیا گیا ہے، اور اسکی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت، سب سے ثابت ہے (صحیح فقہ السنۃ ۱/ ۵۷۳-۵۷۴)۔

بلا عذر جمعہ چھوڑنے والے کے لئے سخت وعید آئی ہے، اور تین جمعہ مسلسل ترک کرنے والے کو دل پر مہر لگنے کی بات کہی گئی ہے۔

عام حالات میں مسنون ہے کہ ایک ہی شہر میں بلا ضرورت ایک سے زائد جمعہ نہ ہو، اگر مسجد تمام نمازیوں کے لئے تنگ ہو تو ایک سے زائد جمعہ ہو سکتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ ہوتا تھا اور تمام مسجد معطل رہتی تھیں۔

آج کل تو مسجدوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ قائم کرنے میں افراط ہے، شاہراہوں اور متصل آبادی اور محلوں کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ ہو رہا ہے جب کہ بڑی مسجدوں سے کام چل سکتا ہے اور چھوٹی مسجدوں میں جمعہ کی ضرورت نہیں ہے۔

بلا شبہ امت کو اس طرح تقسیم کرنا ہے، جو قابل رحم ہے اور جمعہ کو اس کے موضوع سے خارج کرنا اور اس کی اہمیت

☆ استاذ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

اور شان کو گھٹانے والا ہے (صحیح فقہ السنہ ۱/ ۵۹۴)۔

لیکن کرونا یا اس طرح کی بیماری اور لاک ڈاؤن اور اس جیسے حالات میں جبکہ عام نمازوں یا جمعہ پر پابندی عائد کردی جائے یا تعداد مختصر اور محدود کردی جائے اور وہاں جمعہ کی شرائط موجود ہوں تو ایک مسجد میں کئی جماعتیں ہوسکتی ہیں اور الگ الگ مکانات اور جگہوں پر جماعت اور جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، جن لوگوں کا جمعہ فوت ہوجائے یا وہ جمعہ ادا کرنے سے رہ جائیں وہ اس خاص حالت میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لیکن اگر ظہر پڑھنا چاہیں تو جماعت کے بجائے تنہا پڑھیں گے، ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

”**وتصح الجمعات كلها فى البلد الواحد في المذهب الحنفى دفعا للحرج، ويكره تحريما صلاة الظهر بعد الجمعة بجماعة**“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۳۳۲) (مذہب حنفی میں دفع حرج کے لئے ایک شہر میں تمام جمعے درست ہیں، اور بعد از جمعہ ظہر باجماعت مکروہ تحریمی ہے)۔

معلوم ہوا کہ متعدد جمعے ہوسکتے ہیں، اگرچہ بہتر ایک جمعہ ہی ہے، اگر کوئی ظہر تنہا پڑھنا چاہے تو کوئی ممانعت نہیں، البتہ جمعہ کے بعد باجماعت ظہر سے ممانعت پر عمل مناسب ہے، تاکہ مسلمانوں کی وحدت کو تحفظ حاصل ہوسکے۔

معذورین کے لئے ظہر باجماعت عندالاحناف مکروہ تحریمی ہے جہاں جمعہ قائم ہوسکتا ہے، خواہ جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں، کیونکہ جمعہ میں خلل پیدا ہوگا، اس لئے کہ وہ جامعۃ الجماعات ہے۔

لیکن جو دیہات اور گاؤں کے رہنے والے ہیں، جن پر جمع نہیں ہے، ان کے لئے باجماعت ظہر ہے، شہریوں میں سے جس کا جمعہ چھوٹ گیا ہو، اس کے لئے باجماعت ظہر مکروہ ہے، وہ تنہا پڑھیں گے، نہ جماعت، نہ اذان، نہ اقامت۔

مریض کے لئے امام کی فراغت تک ظہر موخر کرنا مستحب ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۳۳۴)۔

احناف کے علاوہ جمہور کہتے ہیں، جن کی نماز جمعہ کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو یا جن پر جمعہ واجب نہ ہو، ان کے لئے باجماعت ظہر پڑھنا جائز ہے، تاکہ حدیث میں مذکورہ ثواب مل جائے، ”**صلاة الجماعة تفضل صلاة الفرد بخمس وعشرين درجة**“ (جماعت کی نماز، تنہا نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے) (ایضا: ۱۳۳۴)۔

کرونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت جائز ہے، کیونکہ عام حالات میں جماعت ثانیہ کی کراہت تقلیل جماعت کے سبب ہے، اور پہلی جماعت کی حیثیت اور اہمیت ختم ہوجانے کا اندیشہ، بلکہ امکان قوی ہے، لیکن کرونا جیسے ماحول میں، جبکہ حکومت کی طرف سے پابندی ہے اور تعداد محدود ہے تو ایسے میں جماعت ثانیہ کی کراہت کی علت نہیں ہے (کرونا مسائل واحکام از مفتی عبیداللہ اسعدی/ص ۵۰)۔

لیکن یہ خیال رہے کہ جو اجازت حالات کے ناساز گار ہونے کی وجہ سے ہے وہ حالات بہتر اور ساز گار ہونے پر نہ ہوگی، لوگ اس کو معمول نہ بنائیں اور بلا ضرورت مسجد میں جماعت ثانیہ نہ کریں، بہتر یہ ہے کہ مسجد میں تو ایک ہی جماعت کی جائے اور دیگر جماعتوں کے لئے بقیہ نمازیوں کا انتظام محلّہ کے مکانات میں کیا جائے (کرونا-مسائل واحکام، ص ۵۲)۔

مسجد میں یا مکانات میں جمعہ قائم کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ عوام میں جمعہ کی اہمیت باقی رہے گی، جمعہ کے نام پر وہ مسجدوں اور نمازوں سے بڑی حد تک مربوط رہیں گے، اور دین کی بات سننے اور کچھ دیر دینی ماحول میں رہنے کا موقع ملے گا، اس طرح جمعہ ان کے دین وایمان کی حفاظت کا ضامن ہوگا۔

یہ اندیشہ درست نہیں ہے کہ متعدد جمعہ اور جماعت سے تشتت پیدا ہوگا، کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ایسا مخصوص حالات اور مجبوری کی وجہ سے کیا جارہا ہے اور یہ نظام وقتی اور عارضی ہے۔

کرونا کے میت کا غسل اور تیمّم:

اگر کسی مسلمان کا کرونا وائرس سے انتقال ہوجائے تو عام مرحومین کی طرح اسے بھی غسل دینا شرعاً ضروری ہوگا، بالخصوص جب کہ طبی اعتبار سے غسل دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، کیونکہ WHO (یعنی عالمی ادارہ صحت) کی تحقیق کے مطابق کرونا وائرس میں انتقال کرنے والے افراد کی لاشوں کے ساتھ تعامل سے کسی کے متاثر ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ میت کو رکھنے، اٹھانے اور غسل وغیرہ میں حفاظتی احتیاطی تدابیر بہ طور خاص ملحوظ رکھی جائیں، ان میں غفلت وبے احتیاطی نہ کی جائے۔

اور اگر کسی جگہ ہسپتال کا عملہ غسل دینے کی اجازت نہ دیتا ہو تو علاقہ کے بااثر ورسوخ حضرات یا ملی تنظیمیں، ذمہ داران اعلی سے رابطہ کر کے اس مسئلہ کو حل کریں اور عالمی ادارہ صحت کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کی بنیاد پر غسل کی اجازت حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کریں، البتہ اگر وہ ہسپتال ہی میں غسل کا انتظام کریں یا اپنے عمل کے ذریعہ غسل دلائیں تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور اگر خدانخواستہ میت کو غسل دینے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو میت کو پیک کرنے سے پہلے تیمّم کرادیا جائے، مجبوری میں یہ تیمّم غسل کے بدل ہوجائے گا، اور اگر ہسپتال کا عملہ تیمّم کا طریقہ سیکھ کر خود تیمّم کردائے تو یہ بھی کافی ہوگا۔

اور اگر کسی جگہ تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے اور ہسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک اور سیل کردیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو اور بہ صورت دیگر مختلف ناقابل برداشت مسائل وپریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دست بردار ہوجانا یا یوں ہی نماز جنازہ کے بغیر دفن کردینا درست نہیں ہوگا، بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور

تیمّم کا حکم شرعاً ساقط ہوجائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی۔

اور اس صورت میں چونکہ میت کی پیکنگ یا لفافے پر پانی بنانے، بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیرنے یا اوپر ہی سے تیمّم کرانے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، اس لئے پیکنگ پر پانی بہانے، مسح کرنے یا تیمّم کرانے کی ضرورت نہیں، لہذا ان سب چیزوں سے پرہیز کیا جائے......اور پیکنگ یا لفافے پر پانی بہانا، مسح کرنا یا تیمّم کرانا اس لئے درست نہیں کہ شریعت میں غسل یا تیمّم کا حکم براہ راست بدن سے متعلق ہوجاتا ہے، کسی پیک کردہ چیز سے نہیں، اور پانی بہانے یا مسح کرنے کو مسح علی الجبیرۃ پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ یہ بدل سے اصل کی طرف عود کرنا ہے، جو غلط و باطل ہے، کیونکہ پانی بہانا یا مسح کرنا غسل ہی کے درجہ میں ہوتا ہے، اور تیمّم متعذر ہو چکا ہے، اور شریعت میں وضو یا غسل کے تمام اعضاء پر مسح کی کوئی نظیر نہیں ہے (فتوی دارالعلوم دیوبند: ۱۱۴-۷۴۹، (۱۴۴۱) جواب: ۱۷۸۷۴۵)۔

مناسب ہے کہ جہاں کا معاملہ و مریض و میت ہو وہاں کے طبی عملہ کی ہدایات کا پورلحاظ کیا جائے، اگر اسپتال والے میت کی لاش کو بغیر کسی کور وغیرہ کے دیں اور کہیں کہ متعلقین لے جا کر اپنے معمولات کے مطابق کفن دفن کریں تو ایسی صورت میں غسل دیا جاسکتا ہے مگر احتیاط کے ساتھ، اور بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل نہ دے کر تیمّم پر اکتفا کی جائے، اس لئے کہ غسل کی صورت میں میت کے بدن کو زیادہ ہاتھ لگے گا اور زیادہ دیر تک اس کے پاس رہنا ہوگا۔

اور اگر اسپتال والے لاش پیک کر کے محض دفن کے لئے دیں تو پھر غسل و تیمّم دونوں ہی ناممکن ہیں کہ بدن کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکے گا تو غسل یا تیمّم کیسے ہوگا؟ لہذا دونوں ساقط ہوں گے۔ جیسے کہ اس صورت میں ہوگا جب کہ طبی عملہ ہی براہ راست میت کی تدفین کردے اور متعلقین کو نہ لاش دے اور نہ معاملہ ان کے سپرد کرے (کرونا مسائل و احکام ص ۱۰۴)۔

اسپتال والے اگر لاش کو پیک کئے بغیر متعلقین کے سپرد کریں تو متعلقین ضابطہ کے مطابق کفن کا انتظام کریں گے اور کفن دیں گے جیسے غسل کی اجازت ہو یا تیمّم کی تو غسل و تیمّم کا عمل اپنائیں گے۔

کفن اور نماز جنازہ:

طبی عملہ اگر لاش کو متعلقین کے سپرد کرتا ہے خواہ پیک کر کے یا پیک کئے بغیر تو قاعدہ کے مطابق نماز ادا کی جائے گی، اگر لاش متعلقین کے سپرد نہ کی جائے بلکہ طبی و سرکاری عملہ براہ راست اس کو دفن کردے تو متعلقین کو چاہئے کہ قبر کا علم ہونے پر وہاں جا کر قبر پر نماز ادا کریں۔ حنفیہ کے یہاں بھی قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت ہے، جبکہ کسی میت کو نماز کے بغیر دفن کیا گیا ہو، اور اگر نہ تو لاش دی جائے اور نہ پتہ چل سکے کہ میت کو کہاں دفن کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ ہوسکتی ہے، جو حنفیہ کے یہاں نہیں ہے، لیکن ایسی خاص صورت میں حنفی حضرات اگر غائبانہ نماز ادا کریں تو گنجائش ہے، اس

لئے کہ نماز کے بغیر ہی دن کر دیا گیا ہے، دوبارہ وسہ بارہ نماز کی طرح نہیں ہے (ایضا)۔

تدفین:

میت کو بغیر غسل دفن کرنے کے بعد جمہور (مالک، شافعی، احمد، داؤد، ابن حزم) کے نزدیک غسل کے لئے قبر کھولنا واجب ہے بشرطیکہ تغیر نہ ہوا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ مٹی ڈال دینے کے بعد واجب نہیں ہے (صحیح فقہ السنۃ ۱/ ۶۲۸)۔

غسل میت جمہور علماء کے نزدیک فرض کفایہ ہے بلکہ امام نووی نے تو اجماع نقل کیا ہے، مسلمانوں کا عمل عہد نبوی ﷺ سے اب تک یہی ہے (ایضا ص ۶۱۷)۔

"**ولو دفن قبل الغسل، لزم نبشه ويغسل**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۴۸۴) (اگر غسل سے پہلے دفن کر دیا گیا ہو تو قبر کھول کر غسل دینا لازم ہے)۔

اگر نماز کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو دفن کے بعد میت پر نماز باتفاق فقہاء جائز ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ایک انصاری خاتون کی قبر پر نماز پڑھی ہے، بشرطیکہ تغیر نہ ہوا ہو، اور تغیر کا اندازہ احناف کے یہاں حال، زمان اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہوسکتا ہے، اور حنابلہ کے نزدیک ایک ماہ تک قبل پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، مالکیہ کے یہاں اگر دفن سے فراغت نہ ہوئی ہو تو نماز کے لئے نکالا جاسکتا ہے اور دفن کر دیا گیا ہو تو قبر پر نماز پڑھی جائے گی، جب تک تغیر نہ ہوا ہو (ایضا: ۱۵۳۰)۔

پھولی پھٹی نعش نماز جنازہ کے قابل نہیں، "بحر الرائق" میں ہے: "**لايصلى عليه بعد التفسخ؛ لأن الصلاة شرعت على بدن الميت فإذا تفسخ لم يبق بدنه قائما**" (۲/ ۱۸۲ کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلاتہ)۔

"فتاوی رحیمیہ" میں نماز غائبانہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھنا درست نہیں، نماز جنازہ صحیح ہونے کے لئے جنازہ کا سامنے ہونا شرط ہے (اس کے آگے نجاشی پر نماز جنازہ کا مفصل جواب ہے (فتاوی رحیمیہ ۷/ ۴۵-۴۷)۔

"ہدایہ" میں ہے: "**وإن دفن الميت ولم يصل عليه صلى على قبره، لأن النبى** ﷺ **قبر امرأة من الأنصار، ويصلى قبل أن تتفسخ**" (ہدایہ اول/ ۱۸۰، فقہ السنہ ۱/ ۶۵۱، ۶۵۲)۔

جماعت مسلمین پر میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے، میت پر نماز، شہید کے سوا، زندوں پر بالاجماع فرض کفایہ ہے، تجہیز و تکفین اور غسل و تدفین کی طرح، لہذا عام حالات میں یہ ساقط نہیں ہوں گے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۴۹۸)۔

کورونا کی صورت حال سے متعلق چند مسائل

مفتی شاہد علی قاسمی☆

ا-الف: مسجد میں نماز جمعہ کی جماعت کا تکرار:

حنفیہ کا موقف واضح ہے کہ جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر ہواور مخصوص مقتدی ہوں اس میں تعدد جماعت بلا عذر مکروہ ہے، جیسا کہ مصنف ابن شیبہ میں صحابہ کا معمول نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ مسجد آتے اور جماعت ہو چکی ہوتی تو تنہاء نماز پڑھ لیتے:

"عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، و قد صلى فيه صلوا فرادى" (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: 7188)۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ جھگڑنے والے کچھ لوگوں کے درمیان صلح کرانے تشریف لے گئے، واپسی میں تاخیر ہوگئی، واپس ہوئے تو دیکھا کہ جماعت ہو چکی تھی، تو آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور اہل خانہ کو جمع کر کے جماعت سے نماز پڑھی (دیکھئے: ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: 1/135)۔

مسجد میں تکرار جماعت کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت چھوٹی ہوگی، مجمع بڑا نہیں ہوگا، جبکہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ جماعت بڑی سے بڑی ہو، اور نماز جمعہ میں تو مجمع کا بڑا ہونا اور زیادہ مطلوب ہے، اس لئے یہ بات پسندیدہ ہے کہ جمعہ کی نماز کم سے کم جگہ پر ہو تا کہ مجمع بڑا سے ہو، گو کہ فی زمانہ شہر کی گلی گلی میں نماز جمعہ ہوتی ہے، جو کم از کم نامناسب ہے، موجودہ حالات میں کورونا وائرس کی وجہ سے محدود لوگوں کو ایک ساتھ نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت ہو تو ظاہر ہے کہ یہ ایک مجبوری کی کیفیت ہے، جس کے احکام معتدل حالات کے احکام سے قدرے مختلف ہوں گے، اس پس منظر میں کیا ایک ہی مسجد میں تکرار جماعت کی اجازت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تکرار جماعت کی علت تقلیل جماعت ہے جو یہاں مفقود ہے، کیونکہ مجمع کا بڑا ہونا مطلوب ہی نہیں ہے، اور جب علت مفقود ہے تو تکرار جماعت کی کراہت بھی نہیں

☆ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

آئیگی۔ چنانچہ ''مبسوط سرخسی'' میں ہے:

"إنا أمرنا بتكثير الجماعة، و في تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها، لأن الناس إذا عرفوا أنه لا تفوتهم يؤخرون فيؤدي إلى تقليل الجماعات'' (المبسوط، کتاب الصلاۃ 1/379، ط: بیروت)۔

تاہم نماز جمعہ کی صحت کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ کسی بھی کھلی جگہ یا ایسی جگہ جہاں اذن عام ہو نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے، جیسے شادی خانہ، اسکول، کالج، ایسا ہال جس میں عام لوگوں کو آنے کی اجازت ہو وغیرہ، تو کوشش کرنی چاہیے کہ نماز جمعہ کی جماعت مسجد میں ایک ہی مرتبہ ہو، بچے ہوئے لوگ مذکورہ بالا جگہوں میں سے کسی جگہ کا انتخاب کریں، تا کہ کراہت کا شبہ بھی باقی نہ رہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر آبادی میں متبادل ملنا دشوار ہوتا ہے، اس پس منظر میں بہتر بات یہ ہوگی کہ جس آبادی میں متبادل جگہ ہو وہاں مسجد میں تکرار جماعت سے احتراز کیا جائے اور جہاں متبادل جگہ نہ ہو یا اس کا حصول دشوار ہو وہاں مسجد میں تکرار جماعت در نماز جمعہ ہو۔

اگر متبادل جگہ رہتے ہوئے مسجد ہی میں تکرار جماعت ہو تو موجودہ مجبوری میں کراہت تحریمی والی بات نہیں ہوگی، گو کہ اسے ناپسندیدہ کہا جائیگا۔ ناپسندیدہ اس لئے کہ متبادل جگہ جماعت کا قیام ممکن تھا جس کی کوشش نہیں کی گئی اور کراہت تحریمی نہ ہونا اس وجہ سے کہ کراہت تحریمی کی علت تقلیل جماعت ہے جو یہاں مفقود ہے، نیز امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہیئت ثانیہ میں تکرار جماعت کی اجازت ہے، موجودہ حالات میں اس قول سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی۔ لہذا اگر مصلیان مسجد تکرار جماعت کرنا ہی چاہیں تو ہیئت اولی سے ہٹ کر نماز پڑھی جائے، علامہ شامی رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

"عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره، و إلا تكره، و هو الصحيح و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية'' (رد المحتار: باب الامامۃ: 1/553)۔

جماعت ثانیہ میں اس بات کا خیال لازم ہے کہ دوسری جماعت کا امام پہلی جماعت کے امام کے علاوہ ہو، تا کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل لازم نہ آئے، اسی طرح یہ ضروری ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ ہو، پہلی نماز کا خطبہ دوسری نماز کے لئے کافی نہیں ہوگا، کیونکہ دوسری نماز مستقل ہے، اس لئے خطبہ بھی مستقل ہوگا۔

ب: ازدحام کی وجہ سے نماز جمعہ کی جماعت کا تکرار:

جیسا کہ کورونا جیسے وبائی امراض اور حکومتی گائیڈ لائن کے پس منظر میں تکرار جماعت کی گنجائش ہے، اسی طرح عام حالات میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد تنگ پڑ جائے تو تکرار جماعت کی گنجائش ہوگی، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس ملک

کے بعض بڑے شہروں کے بعض محلوں میں لوگوں کا کافی ازدحام ہوجاتا ہے، اور مسجد تنگ پڑ جاتی ہے، دوسری مسجد قریب نہیں ہوتی ہے اور متبادل جگہ دستیاب نہیں، اس پس منظر میں جماعت ثانیہ کرنا واقعی مجبوری کے دائرہ میں آجاتا ہے، جماعت ثانیہ کی کراہت کی علت تقلیل جماعت کا خوف ہے، جو یہاں مفقود ہے، بلکہ یہاں جماعت ثانیہ کی اجازت نہ ہوتو بہت سے لوگ نماز جمعہ سے محروم ہوجائیں گے، اس لئے اس صورت حال میں جماعت ثانیہ کی اجازت ہوگی، چنانچہ علامہ کاسائیؒ فرماتے ہیں:

"**التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة، و إذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة، و تقليل الجماعة مكروه**" (بدائع الصنائع 153/1)۔

تاہم لوگوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ کسی ہال یا شادی خانہ وغیرہ میں جماعت کا نظم کریں اور اس کے ساتھ مستقبل قریب میں موجودہ مسجد کی توسیع یا دوسری مسجد کی تعمیر کی فکر کریں، اگر ہال یا شادی خانہ یا کوئی اور مناسب جگہ دستیاب نہ ہوتو جب تک توسیع مسجد یا نئی مسجد کی تعمیر نہ ہو اسی مسجد میں جماعت ثانیہ کرلیں۔

۲-محلّہ کے مکانات میں نماز جمعہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں:

الف: جس آبادی والوں پر نماز جمعہ فرض ہے، ان پر نماز جمعہ کی ادائیگی ضروری ہے، البتہ مخصوص اعذار میں نماز ظہر کی ادائیگی درست ہے۔

ب: یہ ایک حقیقت ہے کہ کورونا وائرس کی وجہ سے حکومتی گائیڈ لائن کو ملحوظ رکھتے نماز جمعہ کا قیام بعض علاقوں میں دشوار امر ہے، خواہ نماز مسجد کے علاوہ کسی ہال یا بیٹھک میں کیوں نہ ہو، البتہ ہر علاقہ کی یہ صورت حال نہیں ہے، بعض علاقوں میں حکومتی پابندیاں قدرے نرم ہیں، اس پس منظر میں مسلمانوں کو چاہیے کہ مقامی حالات اور موجودہ مصلحتوں کو نظر انداز نہ کریں، اپنے آپ کو زیادہ مشقت یا جوکھم میں نہ ڈالیں، اور نماز جمعہ پڑھنے پر اصرار نہ کریں۔

ج: جس گھر کے لوگ کورونا سے متاثر ہوں، انہیں احتیاط برتتے ہوئے اختلاط سے بچنا چاہیے، ایسے لوگ انفرادی نماز ظہر پڑھیں کہ یہ نماز جمعہ چھوڑنے کا معقول عذر ہے۔

د: معمر، ضعیف اور کسی دوسرے مرض میں مبتلا لوگ احتیاطی تدابیر کے طور پر گھروں میں رہتے ہوں اور وہ نماز جمعہ کی جگہ نماز ظہر پڑھنا چاہتے ہوں تو انہیں اس کی اجازت ہوگی۔

ھ: مسلمانوں میں جہالت عام ہے، اور اس کے نتیجہ میں دین سے دور بھی ہیں، اکثریت کا حال یہ ہے کہ ان کی

مسلمانیت کا اظہار نماز جمعہ میں شرکت سے ہوتا ہے، اگر نماز جمعہ کا انعقاد نہ ہوتو ایسے کثیر لوگ دین سے اور زیادہ دور ہوجائیں گے، اور اسلام سے ان کا رشتہ مزید کمزور ہوجائیگا۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد اب عرض ہے کہ گو نماز جمعہ میں اجتماعیت مطلوب ہے، گھر گھر نماز جمعہ مزاج شریعت کے خلاف ہے، لیکن اس وبائی دور میں حکومتی گائیڈ لائن کے پیش نظر مقاصد و مصالح کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ نماز جمعہ کی شرطوں کا لحاظ رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ جماعت کا اہتمام ہونا چاہیے، کیونکہ:

اول: جس آبادی والے پر نماز جمعہ فرض ہے ان پر نماز جمعہ کی ادائیگی ضروری ہے۔

دوم: نماز جمعہ کا اہتمام نہ ہو، بلکہ نماز ظہر پڑھنے کی ہدایت ہوتو بڑی تعداد میں مسلمان نماز ظہر نہ پڑھتے ہوئے مدتوں کوئی نماز ہی نہیں پڑھیں گے، اور دین سے دور ہوتے چلے جائیں گے، یہ ایسا نقصان ہے جس کا تدارک ضروری ہے، اس کی خاطر نماز جمعہ کے لئے بڑے اجتماع والی مصلحت کو نظر انداز کرنا درست ہے، ویسے بھی کورونا وائرس کے دور میں اجتماعیت سے بچنا مطلوب ہے۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”**و تؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ**“ (الدر المختار مع الرد 2/144)۔

اس کے تحت علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”**أی سواء کان المصر کبیرا أو لا، و سواء فصل بین جانبیه نهر کبیر کبغداد أو لا، .....و مقتضاہ أنه لا یلزم أن یکون التعدد بقدر الحاجة کما یدل علیه کلام السرخسی، ....لأن فی إلزام اتحاد الموضع حرجا بینا لاستدعائه تطویل المسافة علی أکثر الحاضرین و لم یوجد دلیل عدم جواز التعدد، بل قضیة الضرورة عدم اشتراطه لا سیما إذا کان مصرا کبیرا کما قاله الکمال**“ (رد المحتار 2/145)۔

جہاں تک یہ بات کہ کثرت نماز جمعہ کی وجہ سے تشتت پیدا ہوگا اور لوگ آئندہ کے لئے معمول بنالیں گے، تو یہ بات ایک حد تک درست ہے، ایسا اندیشہ ضرور ہے، لیکن یہ محدود افراد واشخاص کے اعتبار سے ہے، عمومی طور پر نہیں ہے، جیسا کہ اس کا مشاہدہ ہے، اس لئے راقم الحروف کے خیال میں چھوٹے چھوٹے مکانات میں نماز جمعہ کا قیام بڑی مصلحت کے عین مطابق ہے۔ جس کے لئے چھوٹی مضرتوں کو گوارہ کرلینا بجا ہے۔

واضح ہو کہ چھوٹی چھوٹی نماز جمعہ کی جماعت کے لئے دیگر شرطوں کے علاوہ امام کے علاوہ تین بالغ مرد اور اذن عام کا ہونا ضروری ہے، اور اذن عام سے مراد یہ ہے کہ لوگ نماز میں شریک ہونا چاہیں تو بلا روک ٹوک شریک ہوسکیں، خواہ کسی مصلحت کی وجہ سے دروازہ بند کرنا پڑے۔

" أن يأذن للناس اذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه"(ردالمحتار مع الدر:151/2)۔

۳-جمعہ کے دن گھروں میں نماز ظہر جماعت سے پڑھنے کا حکم:

اس سلسلہ میں صحیح قول یہی ہے کہ جس آبادی والوں پر نماز جمعہ پڑھنا ضروری ہو اور وہاں نماز جمعہ کا اہتمام ایک یا چند جگہ ہوتا ہو، خواہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہوتی ہوں وہاں نماز ظہر پڑھنے والے لوگ تنہا تنہا نماز ظہر پڑھیں، جماعت سے نماز ظہر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کی دو علتیں بیان کی گئی ہیں، ایک تو تقلیل جماعت (در نماز جمعہ) کا اندیشہ ہے، دوسرے نماز جمعہ سے معارضہ کی کیفیت کا پایا جانا ہے، پہلی علت تو یہاں مفقود ہے، کیونکہ موجودہ حالات میں تکثیر جماعت مطلوب نہیں ہے۔ البتہ معارضہ کی کیفیت موجود ہے۔ اس لئے نماز ظہر انفرادی طور پر پڑھنی چاہیے، علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"و كره تحريما لمعذور و مسجون و مسافر أداء ظهر بجماعة فى مصر قبل الجمعة و بعدها لتقليل الجماعة و صورة المعارضة"(الدر المختار مع الرد157/2)۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے اوقات میں مصر والوں پر دو چیزیں واجب ہیں، ایک (نماز ظہر کی) جماعت کا ترک، دوسرے نماز جمعہ میں حاضری، معذور اشخاص نماز جمعہ میں حاضری پر قادر نہ ہوں تو ترک جماعت پر تو قادر ہیں، اس لئے نماز ظہر انفرادی پڑھیں۔

"لأن ساكن المصر مامور بشيئين فى هذا الوقت بترک الجماعات و شهود الجمعة، والمعذور قدر على أحدهما و هو ترک الجماعات فيؤمر بالترک"(بدائع الصنائع270/1)۔

یہ تو بنیادی حکم ہے، البتہ جو لوگ جاہل ہیں، اور نماز صحیح سے پڑھنا نہیں جانتے ہیں، خصوصاً قرائت قرآن نہیں کر پاتے ہیں، ایسے لوگ جماعت سے نماز ظہر پڑھ لیں تو اجازت ہوگی، کہ اس اجازت سے ان کی نماز درست ہوجائیگی؛ کیونکہ ایسے ناواقف لوگ یا تو تنہاء نماز ہی نہیں پڑھیں گے، اور اگر پڑھیں بھی تو نماز کے فساد کا غالب گمان ہے، اس لئے اس بڑی مضرت سے بچنے کے لئے جماعت سے نماز ظہر پڑھنے کی اجازت ہوگی، جیسا کہ مشہور قاعدہ ہے:

"لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر، فإن الأشد يزال بالأخف"(الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الخامسۃ)۔

ظاہر ہے کہ یہ اجازت عمومی نہیں ہے، بلکہ مخصوص افراد و اشخاص کے لئے مخصوص حالات میں ہے۔

۴،۵-(الف): کورونا سے متاثر میت کوغسل دینے اور نماز جنازہ کے احکام:

میت کوغسل دیا جانا حتی المقدور ضروری ہے، کورونا سے فوت شدہ میت کوغسل دینا مرض کی تعدی کا باعث ہوگا؟ یہ کوئی امر محقق نہیں ہے، اگر ایسا شبہ ہو یا میت کے قریبی لوگ ہمت نہ کر پاتے ہوں تو پائپ وغیرہ کے ذریعہ فاصلہ سے پانی بہایا جا سکتا ہے، اسی طرح ہاسپٹل میں انتقال ہوا ہو تو وہاں کے عملہ سے غسل کروایا جا سکتا ہے؛ البتہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب حکومتی انتظامیہ کی طرف سے میت کو کور میں لپیٹ کر حوالہ کیا جاتا ہے، اس صورت میں حتی المقدور اسے کور سے نکال کر غسل دینے کی کوشش کرنی چاہیے، اگر اس کی اجازت نہ ملے تو کم از کم چہرہ اور ہاتھ پر تیمّم کرانے کی اجازت حاصل کرلی جائے، یا ہاسپٹل ہی میں کور سے لپیٹے جانے کے موقع پر غسل ممکن نہ ہو تو تیمّم کرادیا جائے، غسل یا تیمّم کے بعد نماز جنازہ پڑھنے اور نماز کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اگر انتظامیہ کی طرف سے کور کھولنے کی بالکل اجازت نہ ہو یا تدفین کے بعد مطلع کیا ہو تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ غسل وتیمّم متعذر ہو چکا ہے، اور جب اس پر قدرت باقی نہ رہی تو مکلفین پر اس کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی، اس خاص صورت کے لئے راقم الحروف کو کوئی صریح جزئیہ تو نہ مل سکا، البتہ شریعت کا ضابطہ ہے:

" **لا يكلف الله نفسا إلا وسعها**" (البقرہ:286) یعنی اللہ تعالی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتے ہیں، نیز فقہی کتابوں میں فی الجملہ غسل کے ساقط ہونے کی نظیر ملتی ہے کہ اگر کسی میت کو غسل دئے بغیر نماز جنازہ پڑھی گئی، اور تدفین بھی کر دی گئی تو اب غسل کے لئے میت کو نہیں نکالا جائیگا، اور چونکہ غسل پر قدرت کے باوجود بلا غسل نماز پڑھی گئی، اس لئے نماز فاسد ہوگئی، اب نماز کا اعادہ ہوگا، اور جب تک میت کے تفسخ یعنی پھولنے پھٹنے کا اندیشہ نہ ہو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائیگی، چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

" **وإن دفن و أهيل عليه التراب بغير صلاة أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له صلى على قبره استحسانا ما لم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير، هو الأصح**"(الدر المختار مع الرد 2/224)۔

دوسری نماز بلا غسل اس لئے درست ہوگئی کہ اب غسل دیا جانا متعذر رہو گیا۔

اس مسئلہ کو متعدد فقہاء کرام نے نقل کیا ہے، اس جزئیہ سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ فی الجملہ (مخصوص حالات میں) بغیر غسل کے بھی نماز جنازہ درست ہو جاتی ہے۔

لہذا زیر بحث مسئلہ میں جب غسل وتیمّم پر قدرت نہ رہے اور غسل یا تیمّم کرانے کی کوششیں ناکام ہو جائیں تو اسی حال میں بلا غسل میت کی نماز جنازہ پڑھ لی جائیگی۔ خواہ میت کی تدفین ہوئی ہو یا نہیں۔ البتہ تدفین کے بعد قبر پر نماز درست

ہونے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ میت کا جسم پھولا پھٹا نہ ہو، اب یہ بات کہ نہ پھولنے پھٹنے کی بابت کیسے فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں اس علاقہ کے ماہرین کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ ہر علاقہ کے موسم اور مٹی میں نمی اور خشکی وغیرہ کے فرق سے پھولنے پھٹنے کا وقت مختلف ہوسکتا ہے، بعض علاقوں میں اس کے لئے تین دن کا وقت کافی ہوسکتا ہے، اور بعض علاقوں میں بیس دن کا وقفہ بھی ناکافی ہوسکتا ہے۔ علاقہ اور موسم کی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے اس میدان کے جانکار حضرات درست رائے پیش کرسکتے ہیں، گوکہ بعض فقہاء نے اس کی مدت کو محدد کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ ایک قول میں تین دن کی بات ہے، دوسرے قول میں دس دن اور تیسرے قول میں ایک ماہ کی بات کہی گئی ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

” و قيل: يقدر بثلاثة أيام و قيل عشرة و قيل شهر ط عن الحموى“(ردالمحتار مع الدر 2/224)۔

ان اقوال میں عدم تحدید والا قول قوی ہے، جیسا کہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ کی پیش کردہ عبارت میں واضح ہے۔

جہاں تک کور سے ڈھکی ہوئی میت کو مسنون کپڑے پہنانے کی بات ہے، تو یقیناً یہ پسندیدہ عمل ہوگا اور فقہی اعتبار سے اسے مسنون کہا جائیگا، کیونکہ مردوں کو تین لباس میں اور عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنانے کی بات منصوص ہے، لہذا ایسا کرنے کی کوشش ہونی چاہیے، تاہم میت کے کور سے مستور ہونے کی وجہ ستر پوشی کا فریضہ ادا ہو چکا ہے، اگر میت کو ہاتھ لگانے میں لوگ دشواری محسوس کررہے ہوں یا تو انتظامیہ کی وجہ سے یا ذاتی خوف و دھشت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، تو اسی کور کے ساتھ بھی تدفین درست ہے۔ تاہم مسنون کفن کا اهتمام اصولی طور پر بہرصورت مسنون رہے گا۔

۵-غائبانہ نماز جنازہ:

اگر ہاسپٹل کے کارندوں یا حکومتی انتظامیہ کے لوگوں نے ایسی جگہ دفن کردیا کہ کوشش کے باوجود قبر کا پتہ نہ چل سکا تو اس پر غائبانہ نماز جنازہ درست ہوگی؟

اس مسئلہ میں دو نقاط نظر ہیں، ایک تو شوافع اور حنابلہ کا نقطۂ نظر ہے کہ اس صورت حال میں غائبانہ نماز جنازہ درست ہے، ان حضرات کا استدلال بادشاہ نجاشی کے واقعہ سے ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی (بخاری شریف، حدیث نمبر:1245، کتاب الجنائز)۔

ان حضرات نے فرمایا کہ بیان جواز کے لئے یہ واقعہ کافی ہے۔

دوسرا نقطہ نظر غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز کا ہے، یہ رائے حنفیہ اور مالکیہ کی ہے:” وعن أبى حنيفة و المالكية لا يشرع ذالک“ (بذل المجہود 4/208)۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نجاشی والا واقعہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، کہ اللہ تعالیٰ نے بہ طور معجزہ ان کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کردیا تھا، یا درمیان کے حجابات اٹھادئے گئے تھے، اگر غائبانہ نماز جنازہ کی باضابطہ مشروعیت ہوتی تو اس کی بہ کثرت مثالیں عہد رسالت اور عہد صحابہ میں ملتیں، اس سلسلہ میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال أصحابنا: لا يصلى على ميت غائب، و قال الشافعي: يصلى عليه استدلالا بصلاة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي و هو غائب، و لا حجة له فيه لما بينا على أنه روى أن الأرض طويت له ولا يوجد مثل ذالک فی حق غيره" (بدائع الصنائع:2/48)۔

بہرحال، حنفیہ کے نزدیک میت پر نماز جنازہ درست ہونے کے لئے اس کا سامنے ہونا ضروری ہے .غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہی نہیں ہے، گویا غائبانہ نماز جنازہ ہی نہیں ہے، موجودہ حالات میں کیا مسلک شوافع وحنابلہ سے استفادہ کی گنجائش ہوگی؟ تو راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ مسئلہ ایسی حاجت وضرورت میں داخل نہیں ہے کہ اس کے لئے مسلک سے عدول کیا جائے، نماز جنازہ کا مقصد میت کے لئے دعاء اور اس کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرنا ہے، اس مقصد کے لئے کبھی کبھار اجتماعی اور حسب منشاء انفرادی طور پر دعاؤں کے اہتمام کرنے کی تلقین ہو۔ غائبانہ نماز جنازہ کا چلن عام کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ مشروع ہی نہیں ہے۔

☆☆☆

کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مولانا حفیظ الرحمن اعظمی مدنی☆

۱-کرونا کے حالات میں نماز جمعہ:

(الف) جماعت ثانیہ کا مسئلہ فقہ میں مشہور ومعروف ہے کہ جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔حدیث کی روشنی میں بھی واضح ہے اور فقہاء کے اقوال سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

(۱) "إن رسول الله ﷺ كان خرج ليصلح بين قوم فعاد إلى المسجد، وقد صلى أهل المسجد فرجع إلى منزله فجمع أهله وصلى" (اعلاء السنن ۴/ ۲۴۷، کراچی پاکستان)۔

(۲)"ولودخل أهل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية"(شامی ۲/ ۲۸۹، طبع زکریا)۔

(۳)"وإذا دخل القوم مسجدا وصلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان وإقامة، ولكنهم يصلون وحدانا بغير أذان ولاإقامة"(المبسوط للسرخسی ۱/ ۱۳۵ طبع کراچی)۔

اور اصل علت اس میں فقہاء نے تقلیل جماعت کو قرار دیا ہے۔بدائع صنائع میں ہے:

"المستفاد: وإذا علموا أنها لاتفوتهم الجماعة فيتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التى على قوارع الطريق؛ لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لايؤدى إلى تقليل الجماعة"(بدائع الصنائع ۱/ ۳۸۰ زکریا دیوبند)۔

"يكره تكرار الجماعة فى المسجد الواحد بأن يصلى فيه جماعة بعد أخرى. الحنفية قالوا: لايكره تكرار الجماعة فى مساجد الطرق وهى ما ليس لها إمام وجماعة معينون، أما مساجد المحلة وهى ما لها إمام وجماعة معينون، فلايكره تكرار الجماعة فيها أيضا، إن كانت على غير الهيئة الأولى، فلو صليت الأولى فى المحراب والثانية صليت بعد"(الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۱/ ۳۸۴)۔

☆ استاذ: مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد، مئو (یوپی)۔

مذکورہ نصوص فقہیہ کی روشنی میں واضح ہے کہ اگر تقلیل جماعت کا اندیشہ نہ ہو یا امام متعین نہ ہو اور پہلی جماعت کی جگہ سے ہٹ کر ہو تو جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔ اور کرونا ولاک ڈاؤن کے حالات میں ایک جماعت کے لیے بھی پانچ افراد سے زیادہ کی پابندی رہی؛ بلکہ بہت سے مقامات پر سرے سے مسجد میں نماز ہی کی پابندی رہی تو جماعت ثانیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ لہذا گھروں پر جماعت کی اجازت ہوگی، ورنہ پنجوقتہ نماز باجماعت سے شریعت کا مقصد اجتماعیت شدید طریقے پر فوت ہوجائے گا؛ اس لیے کہ نماز باجماعت ادا کرنا اسلام کا شعار ہے، جن نمازوں کو باجماعت ادا کرنا مشروع کیا گیا ہے، حتی الامکان باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ ”إن الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا“ (سورۂ نساء: ۱۰۳) اگر مسجد میں پابندی ہے تو گھروں پر ہی سہی۔

ب- جہاں تک ایک مسجد میں دو بار نماز جمعہ پڑھنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں یہ مسئلہ معروف ہے کہ ایک مسجد میں دو بار جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اگر لوگ جان لیں گے تو پہلی جماعت میں حاضر نہیں ہوں گے اور یہ تقلیل جماعت کا باعث ہوگا۔ دلائل:

(۱) ”والظاهر أنه يغلق أيضا بعد إقامة الجمعة لئلا يجتمع فيه أحد بعدها“ (شامی باب الجمعۃ، ج: ۳، ص: ۳۳، زکریا)۔

(۲) ”وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا وعليه الفتوى“ (درمختار باب الجمعۃ، زکریا ۳/۵۱)۔

(۳) ”**ويكره تحريما تكرار الجماعة بأذان وإقامة فى مسجد محلة لافى مسجد طريق وفى مسجد لاإمام له ولامؤذن، ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار فى مسجد المحلة ولوبدون أذان، ويؤيده ما فى الظهيرية: لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية**“ (درمختار، زکریا ۲/۲۸۹)۔

اسی طرح جمعہ اسلام کا شعار ہے اور اس میں اجتماعیت ملحوظ ہے، حتیٰ کہ چار افراد سے کم کی جماعت کے ساتھ جمعہ صحیح نہیں ہے، اس اجتماعیت میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی ہے، نیز اسلامی تہذیب اور تعلیمات سے روشناس ہونے کے لیے ذہن سازی ہے۔ اور اس کے برعکس ایک مسجد میں دو جماعت کرنے میں تشتت اور انتشار ہوتا ہے؛ لیکن بعض مجبوریاں اور حاجات ایسی ہوتی ہیں جس سے ممنوعات مباح اور جائز ہوجاتی ہیں، اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ ”**الضرورات تبيح المحظورات**“ (الاشباہ والنظائر)۔

اب ایسی مسجد جہاں مصلیان جمعہ کی تعداد زیادہ ہو، مسجد تنگ پڑ رہی ہو، آس پاس دوسری مسجد نہ ہو اور مسجد کے

باہر پڑھنے کی اجازت نہ ہو یا فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو اور بہت سے نمازیوں کے وقت پر پہنچنے کے باوجود جمعہ کی نماز سے محروم ہونے کا خطرہ ہو تو ایک مسجد میں دو بار جمعہ کی جماعت جائز ہوگی، جب کہ دوبارہ اذان نہ دی جائے اور دونوں کا امام الگ ہو؛ کیوں کہ اس میں تقلیل جماعت اور انتشار کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

۲- محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظام خلاف معمول تو ہے اس لیے کہ فرض نمازیں جماعت کے ساتھ فرض ہیں،''إن الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا''(سورۂ نساء:۱۰۳) اور اسی طرح وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے جماعت نماز میں شریک نہ ہونے والے کے گھر کو آگ لگانے والی بات فرمائی۔

اسی طرح جماعت کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جوڑنا بھی پایا جاتا ہے؛ تاکہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں اور اس کے کام آئیں؛ لیکن اضطرار کی وجہ سے بہت سے ممنوعات جائز ہوجاتے ہیں، جیسا کہ کرونا اور لاک ڈاؤن کے حالات رہے، جس میں مسجدوں کی حاضری پر سرکاری پابندی رہی، اب ایسی حالت میں جبکہ جماعت کا اہتمام بھی ضروری ہے اور سرکاری آرڈر کی پابندی بھی لازم ہے، ضروری ہے کہ محلّہ کے مکانات میں احادیث مبارکہ سے استفادہ کرتے ہوئے چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظام بنایا جائے۔

اس کی نظیر عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ملتی ہے کہ جب بارش ہوتی اور گھروں سے مسجد جانے میں زحمت ومشکل کا سامنا ہوتا تو اذان کے ساتھ اعلان کیا جاتا تھا کہ لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیں:''ألا صلوا فی الرحال''، اے لوگو! نماز اپنے ٹھکانوں میں پڑھ لو(بخاری کتاب الاذان، ج:۱،ص:۹۲،نسخہ ہندیہ ممبئی)۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسجد سے علاحدہ جماعت کا نظام بنانے سے مزاجوں میں تشتت پیدا ہوگا اور لوگوں کو الگ پڑھنے کا بہانہ مل جائے گا، یہ کوئی ایسی اہم وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ جس کی بنیاد پر گھروں میں جماعت کو مناسب نہ سمجھا جائے۔ اولاً یہ کہ یہ مجبوری کی حالت ہے، دوسرے یہ کہ لاک ڈاؤن کی پابندی طویل ہونے کے باوجود لوگ پوری طرح مسجد کی طرف متوجہ رہے اور مسجد میں نمازیں پڑھنے کے خواہش مند رہے، بہانہ بازی اور کسل مندی کا مزاج بالکل نہیں بنا۔ ان حالات سے سمجھ میں آتا ہے کہ تشتت وانتشار کی بنیاد پر محلّہ کی چھوٹی جماعتوں سے روکا نہیں جاسکتا۔

۳- فقہ کی کتابوں میں جمعہ کی صحت کے لیے ۷/شرطوں کا ذکر ہے:

''ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر، والثانی السلطان، والثالث وقت الظهر، والرابع الخطبة منه، والخامس كونها قبلها، والسادس الجماعة، والسابع الإذن العام''(شامی ۵/۳ تا ۲۵، زکریا)۔

”وعن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق، وفیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غیره“(شامی ۳/۵،۶، زکریا)۔

ان نصوص کی روشنی میں جہاں مذکورہ شرائط ہوں، وہاں جمعہ صحیح ہے۔ اور لاک ڈاؤن کے حالات کی وجہ سے مذکورہ شرائط فوت نہیں ہورہی ہیں؛ لہذا پابندیوں کی وجہ سے مسجد میں پانچ افراد کی جماعت کے علاوہ گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے گی، ظہر کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، نہ تنہا اور نہ باجماعت؛ اس لیے کہ ظہر کی نماز جہاں جمعہ صحیح نہیں وہاں جمعہ کا بدل ہوتی ہے۔ ”فتاوی عالم گیری“ میں ہے:

”السلطان إذا أراد أن یجمع بحشمه فی داره فإن فتح باب الدار، وأذن إذنا عاما جازت صلوته شهدها العامة أولم یشهدوها، کذا فی المحیط“(ہندیۃ الباب السادس عشر صلوۃ الجمعۃ، ۱/۱۴۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔

”لوصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع، والقریة کبیرة لها قریٰ وفیها وال وحاکم، جازت الجمعة بنوا المسجد أولم یبنوا“ (حلبی کبیر فی صلوۃ الجمعۃ، ۱/۵۱۱، اشرفیہ دیوبند، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)۔

۴- اگر میت کو مخصوص کور میں لپیٹ کر دیا جائے اور کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو شہدائے جنگ پر قیاس کرتے ہوئے الگ سے کفن دینا چاہیے، جیسا کہ نصوص فقہیہ سے سمجھ میں آتا ہے:

”فینزع عنه مالایصلح للکفن ویزاد إن نقص ما علیه من کفن السنة وینقص إن زاد لأجل أن یتم کفنه المسنون ویصلی علیه بلاغسل ویدفن بدمه وثیابه“(درمختار باب الشہید، کتاب الصلوۃ زکریا، ۳/۱۶۱)۔

”ویزیدون فی أکفانهم ما شاؤوا وینقصون ما شاؤوا، قیل معناه یزاد علی ما علیه من الثیاب إذا قل حتی یبلغ السنة“(الفتاوی التاتارخانیہ الصلوۃ الفصل ۳۲، الجنائز تکفین الشہید، ج: ۳/۲۴ زکریا)۔

”قیل: معناه یزاد علی ما علیه من الثیاب ثوب جدید تکرما له“(المحیط البرہانی ۲/۲۹۸، فی تکفین الشہداء دار إحیاء التراث بیروت لبنان)۔

ان نصوص کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ کفن میں اکرام وتعظیم کا پہلو بھی ہے؛ لہذا مخصوص کور کے اوپر سے کفن دینا چاہیے۔

اور اگر سرکاری عملہ کی طرف سے لاش کو پیک کر کے حوالہ کیا جائے تو غسل اور تیمّم دونوں ہی ناممکن ہے؛ لہذا بغیر غسل اور تیمّم کے دفن کردیا جائے گا، ظاہری بات ہے، پورا جسم کور میں ملفوف ہے، جب کہ غسل یا تیمّم دونوں ہی کے لیے جسم کا کھلا ہونا ضروری ہے، تو غسل یا تیمّم کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

۵- اگر قبرستان یا قبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہوجائے یا دفن کے علاوہ کا موقع نہ دیا جائے تو قبر پر نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے، جب تک کہ جسم پھولے پھٹے نہ اس لیے کہ نماز جنازہ میت پر پڑھنا مشروع ہے نہ کہ متفرق اجزاء پر اور امام ابو یوسفؒ سے تین دن تک قبر پر نماز پڑھنا منقول ہے۔

''إنما يصلى عليه ما لم يعلم أنه تفرق أجزاؤه؛ لأن المشروع الصلاة على الميت، لاعلى أجزائه المتفرقة.

قال الحاكم الشهيد فى الأمالى: عن أبى يوسف أنه يصلى على الميت فى القبر إلى ثلاثة أيام، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم، لأنه يختلف تفرق الأجزاء لاختلاف الأوقات فى الحر والبرد وباختلاف الأمكنة وحال الميت فى السن والهزال'' (المحیط البرہانی ۲/ ۳۲۷، دار احیاء التراث بیروت لبنان)۔

''عن أبى هريرةؓ أن أسود رجلا أو امرأة مات ... قال فدلونى على قبره فأتى على قبره فصلى عليه'' (بخاری نسخہ ہندیہ، الجنائز، باب الصلوۃ علی قبر بعد ما یدفن، ۱/ ۱۷۸، کذا فی مسلم رشیدیہ دہلی ۱/ ۳۰۹، وأبی داؤد ۲/ ۲۵۷ رحیمیہ دیوبند)۔

''وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أوبها بلاغسل أوممن لا ولاية له صلى على قبره استحسانا ما لم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير'' (شامی کتاب الصلوۃ باب صلاۃ الجنائز ۳/ ۱۲۵، زکریا دیوبند)۔

ب- امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جائز ہے، جواز کا استدلال نجاشی کے جنازہ سے ہے، اس کا جواب احناف کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ معجزانہ طور پر درمیان سے حجاب اٹھا دیا گیا تھا اور نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے تھا؛ اس لیے وہ درحقیقت غائبانہ نماز جنازہ نہیں تھی۔

نماز جنازہ کے لیے میت کا سامنے ہونا اور قبلہ کی طرف ہونا ضروری ہے اور غائبانہ نماز جنازہ میں یہ شرط نہیں پائی جاتی، اس وجہ سے صحیح نہیں اور نجاشی کے جنازہ کو سامنے کر دیا گیا تھا منجانب اللہ، لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا؛ البتہ یہ کہ نماز جنازہ ضروری ہے اور فرض کفایہ ہے؛ اس لیے بدرجۂ مجبوری دوسرے امام کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے غائبانہ نماز جنازہ کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

''(ووضعه) وكونه هو أوأكثره، (أمام المصلى) وكونه للقبلة فلاتصح على غائب وصلاة النبى ﷺ على النجاشى لغوية أوخصوصية. ... لأنه رفع سريره حتى رآه بحضرته'' (الدر المختار باب صلاۃ الجنائز، زکریا دیوبند ۳/ ۱۰۵)۔

’’**فلاتجوز على غائب الخ**‘‘ (البحر الرائق،زکریا۲/۳۱۴)۔

’’**قال أصحابنا: لايصلى على ميت غائب الخ**‘‘ (بدائع الصنائع،زکریا۲/۴۸)۔

’’**هذا تشريع منه وسنة لإمامة الصلوة على كل غائب وهذا قول الشافعي وأحمد في احدى الروايتين، وقال أبوحنيفة ومالك: هذا خاص به، وليس ذلک لغيره**‘‘(أوجزالمسالک ۴/ ۴۴۴،رقم:۱۴۵۱۸، ط: مرکز جامعہ اسلامیہ مظفرپوراعظم گڑھ یوپی-مولاناتقی الدین ندوی)۔

☆☆☆

کورونا سے متعلق چند مسائل کا شرعی حل

مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی☆

کورونا کے حالات میں نماز جمعہ یا نماز ظہر؟

کورونا وبا کے ماحول میں نماز جمعہ کس طرح ادا کی جائے گی اور اگر ظہر پڑھنا ہو تو تنہا یا جماعت کے ساتھ؟ اس حوالے سے مادر علمی دار العلوم دیوبند کا وہ مفصل اور مدلل فتوی امت کی رہنمائی کے لئے کافی ہے، جو وہاں کے مہتمم مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب کے ایک استفتاء کے جواب میں دار العلوم دیوبند کے مفیان کرام نے ۶/شعبان ۱۴۴۱ھ مطابق یکم اپریل ۲۰۲۰ء کو تحریر فرمایا تھا۔

الف: جن شہروں، قصبات یا بڑے گاؤں میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں اور وہاں کی مساجد میں باقاعدہ جمعہ ہوتا آرہا ہے وہاں موجودہ صورت حال میں ملک کی انتظامیہ کی طرف سے جتنے افراد کی اجازت ہو ان کے ساتھ جمعہ قائم کیا جائے، بشرطیکہ امام کے علاوہ کم از کم تین مرد مقتدی ہوں، اور اگر کسی شہر یا قصبہ میں موجودہ صورت حال سے پہلے وہاں کی بعض مساجد میں جمعہ ہوتا تھا اور بعض میں نہیں، تو جن مساجد میں جمعہ نہیں ہوتا تھا وہاں بھی حالات کی بحالی تک (انتظامیہ کی اجازت کے مطابق) چار پانچ افراد کے ساتھ جمعہ ادا کر لیا جائے تاکہ کچھ لوگوں کا جمعہ وہاں ہو جائے۔

ب: محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ ادا نہ کر سکیں وہ اپنی بیٹھک یا باہر کے کمرہ میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر اذن عام کے ساتھ جمعہ قائم کر سکتے ہوں، یعنی آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کر دی جائے تاکہ جو کوئی جمعہ میں آنا چاہے آسکے، اگرچہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کر دیا جائے، تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لے کر مختصر خطبہ جمعہ اور مختصر قرات کے ساتھ جمعہ ہی ادا کریں، اور اگر کسی جگہ انتظامیہ کی جانب سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو تو جمعہ سے پہلے زبانی بات چیت کے ذریعہ انہیں اعتماد میں لے لیا جائے۔

☆ جامعہ اسلامیہ جلالیہ ہوجائی، آسام۔

ج: اور جو حضرات اپنی بیٹھک یا باہر کے کمرہ میں اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق جمعہ قائم نہ کر سکیں، خواہ اس وجہ سے کہ کوئی جمعہ پڑھانے والا میسر نہ ہو یا انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو یا کسی کی طبیعت پر خوف وہراس غالب ہو یا امام کے علاوہ مرد مقتدی صرف ایک یا دو ہوں، وہ حضرات شریعت کی نظر میں معذور ہوں گے، اور ان کے لئے جمعہ کی جگہ ظہر پڑھنا بلا کراہت درست ہوگا کیوں کہ اسلام میں اپنے کو پریشانی میں ڈالنے کا حکم نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی اجازت ہے۔

د: شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لئے جمعہ کا نظم نہ ہو سکے یا وہ کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں، کیوں کہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ، وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لئے ظہر کی نماز با جماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علماء دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے، اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے، اور جو لوگ ظہر با جماعت کی اجازت دیتے ہیں ان کی رائے پر اکثر اہل علم اور اصحاب فتوی کا عدم اطمینان بجا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بہر صورت مساجد میں جمعہ کی ایک ہی جماعت ہو اور باقی حضرات اپنے گھروں کی بیٹھک یا باہری کمروں میں حکومت کی گائیڈ لائن کے مطابق نماز جمعہ ادا کریں، اور اگر کسی وجہ سے جمعہ کی نماز ادا کرنا مشکل ہو تو پھر ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھی جائے گی، جماعت کے ساتھ نہیں۔

مساجد میں جماعت ثانیہ کا حکم:

نماز، اسلام کا ایسا اہم رکن ہے جس میں مردوں کے حق میں انفرادیت کے مقابلہ میں اجتماعیت زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے حتی کہ تنہا نماز پڑھنا اداء قاصر ہے جیسا کہ نماز با جماعت ادا کرنا ادائے کامل (نور الانوار ص ۳۶ مکتبہ بلال)، اسی طرح انفرادا نماز ادا کرنے والے کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے والے علی اختلاف الروایتین ۲۵ یا ۲۷ گنا زیادہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے (بخاری ۱/۸۹)، مزید برآں نماز با جماعت کی بہت ساری حکمتیں اور فوائد ہیں جن کی بنیاد پر فقہاء احناف نے مردوں کے حق میں اسے سنت موکدہ (واجب کے قریب) قرار دیا ہے: "**والجماعة سنة مؤكدة للرجال**" (الدر المختار کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ۱/ ۵۵۲) اسی اجتماعیت اور فوائد کثیرہ کو مستحکم طور پر باقی رکھنے کے لئے محلّہ کی مسجد میں جہاں امام، موذن وغیرہ مقرر ہو جماعت ثانیہ ممنوع یعنی مکروہ ہے۔

چونکہ تکرار جماعت کی وجہ سے جماعت کی اہمیت باقی نہیں رہتی، لہذا کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں بھی

جماعت ثانیہ سے احتراز ہی بہتر ہے، اگر پہلی جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو اپنے گھر میں با جماعت یا تنہا نماز ادا کرے ایسی صورت میں وہ جماعت ہی کے ثواب کا مستحق سمجھا جائے گا، چوں کہ وہ معذور ہے اور معذور کے لئے ترک جماعت کی گنجائش ہے (الفتاوی العالمگیریہ کتاب الصلاۃ، الباب الخامس)۔

اگر مسجد ایسی جگہ واقع ہو جہاں کے مصلیوں کو نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کے علاوہ اور کوئی جگہ میسر نہ ہو تو وہ حضرات بھی مسجد میں فردا فردا ہی نماز پڑھے، جماعت ثانیہ نہ کرے، ''وإن صلی فی مسجدحیة مفردا فحسن'' (ردالمحتار کتاب الصلاۃ باب الامامۃ۔ج ۱ص ۵۵۵)، البتہ جہالت اور بے دینی کی وجہ سے بسا اوقات لوگ تنہا نماز پڑھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے یا اس کے علاوہ کوئی معقول عذر ہو جس کی بنیاد پر با جماعت ہی نماز ادا کرنا ضروری ہو تو پھر حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے تکرار جماعت کی اجازت دی جائے گی، امام موصوف کے نزدیک تبدیل ہیئت اولی کے ساتھ جماعت ثانیہ درست ہے، ''وعندابی یوسف لاباس به مطلقاإذاصلی فی غیرمقام الإمام'' (البحرالرائق باب الامامۃ ج ۱ص ۶۰۵)، نیز ''وعن أبی یوسف أنه إذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الأولیٰ لاتکره وإلاتکره، وهوالصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة'' (ردالمحتار ۱/ ۵۵۳)،یعنی اگر تبدیل ہیئت کے ساتھ دوسری جماعت ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، ورنہ مکروہ ہے، اور محراب سے الگ ہوجانے سے بھی ہیئت بدل جاتی ہے۔

الغرض محلّہ کی مسجد میں جہاں عموما امام وموذن مقرر ہوتے ہیں تکرار جماعت درست نہیں، البتہ اگر سخت مجبوری ہو تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے، اور کورونا وائرس ایسی مجبوری نہیں ہے، کہ جماعت ثانیہ کے واسطے لوگوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی جائے، بلکہ اس کی وجہ سے مسلم محلوں میں آمد ورفت میں اضافہ ہوگا اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے واسطے حکومت کو اچھا بہانہ مل جائے گا۔

کورونا سے وفات پانے والوں کی تجہیز وتکفین

مذہب اسلام میں زندہ انسانوں کے مانند مرنے والوں کے بھی بہت سارے حقوق ہیں ان ہی میں غسل دینا، کفن کا انتظام کرنا اور پھر ان کی نماز جنازہ ادا کرکے انہیں قبر میں دفن کرنا، لہذا اگر کورونا وائرس کی وجہ سے کسی مسلمان کا انتقال ہوجائے تو عام مرحومین کی طرح اسے بھی غسل دینا ضروری ہوگا، جبکہ طبی اعتبار سے غسل کرانے میں رکاوٹ نہ ہو، حتی کہ اگر ہسپتال کا طبی عملہ غسل کی اجازت نہ دیتا ہو تو علاقہ کے با اثر حضرات، یا ملی تنظیموں کے ذمہ داران اعلی سے رابطہ کرکے اس مسئلہ کو حل کرنے کی بھر پور کوشش کی جائے، اس کے باوجود بھی خدانخواستہ میت کو غسل دینے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو

مخصوص تھیلی (body bag) میں یا کور میں پیک کرنے سے پہلے تیمّم کرادیا جائے، مجبوری میں یہی تیمّم غسل کا بدل ہوجائے گا، اور اگر تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے، بلکہ ہسپتال کی جانب سے میت کو (body bag) میں مکمل پیک یا سیل کردیا گیا ہو اور اس کے کھولنے کی بالکل اجازت نہ ہو یا کھولنے کی وجہ سے مختلف ناقابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں غسل کے ساتھ تیمّم کا بھی حکم ساقط ہوجائیگا، اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ ادا کر کے تدفین کردی جائے گی، اور اس صورت میں چوں کہ میت کے پیکنگ یا کور پر پانی بہانے، بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیرنے یا اوپر ہی سے تیمّم کرانے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، اس لئے پیکنگ کے اوپر پانی بہانے یا تیمّم کرانے کی ضرورت نہیں ہے، لہذا ان سب امور سے پرہیز کیا جائے۔

الغرض کورونا وائرس میں وفات پانے والوں کو اگر تمام تر کوشش کے باوجود غسل دینے یا تیمّم کرانے کی کوئی صورت نہ ہوسکے تو ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا، اور بغیر غسل و تیمّم کے ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کی تدفین کردی جائے گی۔

قبر پر نماز جنازہ:

الف: اگر کورونا وائرس سے وفات پانے والے میت کو طبی عملہ اس کے متعلقین کے حوالہ نہ کرے بلکہ بلا نماز جنازہ از خود وہی لوگ اسے دفن کردیں البتہ رشتہ داروں کو اس کی قبر کا علم ہوجائے چاہے جس طرح بھی ہو تو قبر پر اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی، ابوداؤد کتاب الجنائز میں حدیث موجود ہے: ”**عن أبی هريرة ان امرأة سوداء أو رجلا كان يقم المسجد ففقده النبی ﷺ فسأل عنه فقيل: مات، فقال: ألا اٰذنتمونی به، قال دلونی علی قبره، فدلوه فصلی عليه**“ (ابوداؤد ۲/۱۰۱)، البتہ قبر پر نماز جنازہ اس وقت تک ہی ادا کی جائے گی جب تک میت کا جسم پھٹا نہ ہو، اور اگر پھٹنے کا ظن غالب ہوجائے تو پھر قبر پر بھی نماز جنازہ ادا کرنا درست نہیں۔ ”**فان دفن بلا صلاة صلی علی قبره مالم يتفسخ لان النبی ﷺ صلی علی قبر امرأة الانصار**“ (البحر الرائق کتاب الصلاۃ باب الجنائز: ۲/۳۱۹)۔

ب: اور اگر طبی عملہ نے میت کے متعلقین کو بتائے بغیر اسے ایسی جگہ دفن کردیا کہ بہت کوشش کے باوجود قبر یا جائے دفن کا کچھ پتہ نہ چل سکے تو چونکہ احناف کے نزدیک نماز جنازہ کے لئے میت کا حاضر ہونا ضروری ہے اس لئے اس میت کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی۔ ”**فلا تصح علی غائب**“ (الدر المختار کتاب الصلاۃ باب الجنائز ۲ ص ۲۰۸) ”**وبهذا القيد علم انه لاتجوز علی غائب**“ (کبیری ۵۳۹ بحوالہ فتاوی محمودیہ ۸ ص ۶۶۲، اشرفی)۔

☆☆☆

کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ

مولانا عبدالخالق ندوی ☆

۱-**الف:** اسلام دین فطرت ہے۔اس کا مزاج بھی فطری ہے،اس لئے ہر شعائر وعبادت میں اجتماعیت کی روح جاری و ساری ہے۔اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو عام حالات میں ایک مسجد میں کسی بھی نماز کی ایک ہی جماعت ہونی چاہئے ،دوسری ممنوع ہونی چاہئے کیونکہ جماعت کی اہمیت وروح اجتماعیت اوراس کے پیچھے جو مقاصد ہیں سب فوت ہوجائیں گے،جیسا کہ خلیج کے ملکوں میں دیکھا جارہا ہے،وہاں پہلی جماعت کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی اورلوگوں نے جماعت کوایک کھیل تماشا بنالیا ہے،گوکہ عام حالات میں بھی مؤلف ''المغنی''اورامام شعبی اورنخعی رحمہم اللہ دوسری جماعت کو جائز کہتے ہیں ،لیکن احناف کے یہاں مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے دوسری جماعت عام حالات میں ممنوع ہے۔

اب رہا مسئلہ یہ کہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی یا نہیں، جب کہ ہر جماعت کا امام الگ ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں بھی ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ نماز باجماعت سنت مؤکدہ ہے اورانسانوں کی جانوں کی حفاظت واجب ہے،اس طور پر سنت کوواجب پر مقدم کرنا درست نہیں ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ نماز باجماعت کی روح اور مقصد کے خلاف ومنافی بھی ہے،اور نیز اس طرح ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کرنے کی وجہ سے لوگ بیماری کے تعدیہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے ،اس لئے کہ مسجد میں آنے جانے سے ان کا اختلاط ہوگا،مختلف افراد ایک ہی جگہ الگ اوقات میں سجدہ کریں گے،مسجد کا دروازہ کھولیں گےتو اس پر ان کے ہاتھ لگیں گے،اس سے بہتر ہے کہ ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت جائز نہ ہو۔مزید انسانی جان کی حفاظت کے تعلق سے یہ بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات انسانی زندگی کی حفاظت کرنے اوراسے ہر طرح کی اذیت سے بچانے کی تلقین کرتی ہیں۔اس کا شماران اعلیٰ اقدار میں ہوتا ہے جنھیں اسلام نے استحکام بخشا ہے۔انسانی زندگی کی حفاظت کواسلام نے اتنی

☆ جامعۃ الصالحات،رامپور۔

اہمیت دی ہے کہ جبر و اکراہ کی صورت میں مسلمان کو کلمۂ کفر زبان پر لانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "إلا من أكره و قلبه مطمئن بالإيمان" (سورۂ نحل:۱۰۶) اسی طرح عبداللہ بن حذافہ سہمی کا واقعہ ہے کہ انھوں نے اپنی اور مسلمان قیدیوں کی جان ایک دشمن اسلام کی پیشانی کو بوسہ دے کر بچا لی، جب یہ واقعہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے خود ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور لوگوں سے کہا ان کی پیشانی کو بوسہ دو۔ اسلام نے مریض اور مسافر کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، تا کہ شدید مشقت اور مرض سے بچا رہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "من كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر" (سورۂ بقرہ:۱۸۴) (اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے) ان چیزوں کی اجازت اس کے باوجود دی گئی ہے کہ ان میں عزیمت اور افضل عمل کو چھوڑنا پڑتا ہے، اس بنا پر بدرجۂ اولی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کورونا وائرس کے تعدیہ سے لوگوں کو بچانے کے مقصد سے ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت نہ ہو، حکومت کی گائیڈ لائن کے مطابق مسجد میں جماعت ہو اور دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں میں جماعت سے نماز ادا کریں اگر ممکن ہو۔

شریعت کے کچھ متفق قواعد ہیں: مثلاً "لاضرر ولاضرار" (ضرر کو دور کیا جائے) "المشقة تجلب التيسير" مشقت کی صورت میں آسانی کا حکم دیا جاتا ہے، موجودہ حالات میں ان قواعد کے استدلال کے ساتھ ساتھ درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يوردنّ ممرض على مصح" مریض صحت مند کے پاس ہرگز نہ جائے (بخاری ۵۷۷۱، مسلم:۲۲۲)، ڈاکٹروں نے یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی ہے کہ کورونا وائرس کے حامل شخص پر مرض کی علامت بعض اوقات طویل مدت تک ظاہر نہیں ہوتی ہیں، اس لئے وہ ہر اس شخص تک جس سے ملاقات کرے گا وائرس منتقل کر سکتا ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ بہتر یہ ہوتا کہ حکومت کی گائیڈ لائن کے مطابق وہی پانچ لوگ ہمیشہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھیں، دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں میں اگر ممکن ہو تو جماعت سے نماز ادا کریں، ورنہ تنہا پڑھیں۔

ب-نماز جمعہ، اصل اس کا تعبدی اور توقیفی ہونا ہے، یعنی جیسے رسول اللہ ﷺ نے اسے ادا کیا، اسی طرح ادا کی جائے، آپ ﷺ نے کبھی جمعہ کی نماز ایک سے زائد نہیں ادا کرائی ہے، نہ صحابہ کرامؓ نے اور نہ ان کے بعد کے لوگوں نے۔ امام احمد اور امام بیہقی نے نقل کیا، کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ کو خطبہ میں کہتے سنا: بے شک نبی کریم ﷺ نے یہ مسجد بنائی اور ہم مہاجرین وانصار آپ کے ساتھ تھے جب رش ہوا اور سجدہ کی جگہ نہ ملی تو آپ نے ان سے کہا مسجد میں اندر آ کر پڑھو (صحیح

مسند احمد ۲۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۱۸۳، فقہ السنۃ ۱/ ۳۱۸)۔

مسند احمد اور بیہقی کی اس حدیث سے جو صحیح ہے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رش کی وجہ سے ایک سے زائد جماعت ایک مسجد میں نہ ہو البتہ شہر کی مساجد میں نماز جمعہ منعقد کرا دی جائے، گو کہ قدیم فقہاء نے ایک شہر کی کئی مساجد میں نماز جمعہ سے منع کیا ہے اور اسے ایک بڑی مسجد میں ادا کرنے کو کہا ہے، اس کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار تھا، لیکن جدید دور کے فقہاء نے حالات کے تناظر میں خاص طور سے ہندوستان کے حالات کے تناظر میں اس کی اجازت دی ہے تو اس طرح اس مسئلہ کا حل نکالا جا سکتا ہے اور نماز جمعہ شہر کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جائز ہوگی، جیسا کہ آج کل اس کا معمول ہے۔

۲- گھروں اور محلے کے مکانات میں نماز جمعہ درست نہ ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں:

ابھی میں نے عرض کیا تھا کہ نماز جمعہ میں اصل اس کا تعبدی اور توقیفی ہونا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے اسے ادا کیا اسی طرح ادا کی جائے۔ آپ ﷺ نے کبھی جمعہ کی نماز گھر میں ادا نہیں کی، نہ صحابہ کرام نے اور نہ ان کے بعد کے لوگوں نے۔

۲۔ جمعہ اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اس کا اعلان کیا جائے اور ایسی جگہ پر ادا کیا جائے جہاں عام مسلمان آسانی سے پہنچ سکیں، اسی لئے جن لوگوں کے نزدیک جمعہ کے لئے مسجد ہونا شرط نہیں ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی ایسی جگہ ہونا چاہئے جو تمام مسلمانوں کے لئے عام ہو، گھروں میں نماز جمعہ قائم کرنے کی صورت میں یہ شرط پوری نہیں ہوتی۔

۳۔ جمعہ کے لیے احناف کے نزدیک اذن عام کی شرط ہے، یعنی تمام لوگوں کو معلوم ہو کہ جمعہ کی نماز کہاں ہو رہی ہے؟ اور ان کے اس میں شریک ہونے کے لئے دروازے کھلے ہوئے ہوں، گھروں میں نماز جمعہ کی صورت میں یہ شرط پوری نہیں ہوگی۔

۴۔ اسلامی تاریخ میں کبھی نماز جمعہ مکانوں میں نہیں پڑھی گئی۔ متعدد مرتبہ وبائیں آئیں حتی کہ مسجدوں میں جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں موقوف ہوگئیں، لیکن گھروں اور مکانوں میں نماز جمعہ ادا نہیں کی گئی۔

۵۔ قدیم فقہاء نے تو ایک شہر کی کئی مساجد میں نماز جمعہ ادا کرنے سے منع کیا ہے اور اسے ایک بڑی مسجد میں ادا کرنے کو کہا ہے اس کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار تھا، پھر ان کے قول کے مطابق گھروں میں تین چار افراد کا مل کر جمعہ پڑھنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ بلکہ بعض حضرات کی بات بجا ہے کہ اس سے تشتت وتفرق پیدا ہوگا اور لوگ اس کو آئندہ نظیر بنا کر معمول بنالیں گے۔

۳- جمعہ کی فرضیت مخصوص طریقہ پر متعین مقاصد کے لئے ہے۔ اگر چہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جمعہ کے دن

نماز جمعہ فرض ہے یا نماز ظہر، لیکن ان کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ کون سی نماز اصل ہے اور کون سی بدل؟ راجح قول یہ ہے کہ ظہر اصل ہے اور جمعہ بدل ہے، اس لیے کہ ظہر کی فرضیت اسراء کے موقع پر ہو گئی تھی اور جمعہ بعد میں فرض ہوا، اس لئے اگر کسی عذر کی بنا پر جمعہ قائم نہ کیا جا سکے تو اصل، یعنی ظہر کی جانب لوٹا جائے گا، اس لیے جو لوگ پابندی کی وجہ سے جماعت میں شریک نہیں ہو پا رہے ہیں تو وہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں جماعت کے ساتھ نماز ظہر ادا کر سکتے ہیں۔ اگر اتنے لوگ ہوں کہ جماعت بن سکتی ہے تو ایسا کر لیں۔

تجہیز و تکفین:

۴- حالات بدلنے سے فتویٰ میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ فقہ اسلامی میں متعدد ایسے قواعد وضع کیے گئے ہیں جن میں استثنائی صورتوں اور ناگزیر حالات کی رعایت کی گئی ہے۔ نعشوں کو دفن کرنے کے سلسلہ میں ممالک کے قوانین اور متعلقہ محکموں کی ہدایات کی پابندی ضروری ہے۔ ان کی روشنی میں کورونا کے مرض میں ہلاک ہونے والے شخص کی تجہیز و تکفین کے احکام درج ذیل نکات میں بیان کیے جاتے ہیں:

ا۔ جہاں تک کورونا کے مرض میں وفات پانے والے شخص کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں طویل بحثوں اور وبائی علاقوں میں کام کرنے والے ڈاکٹروں سے معلومات حاصل کرنے کے بعد، کونسل برائے فتویٰ و تحقیق اس رائے تک پہنچی ہے کہ میت کو اسی بیگ اور تابوت میں جس میں اسے اسپتال سے نکالا گیا ہے بغیر غسل یا تیمّم کے (چاہے قانونی طور پر اس کی اجازت ہو) دفن کرنا بہتر ہے۔

الف۔ مسلمان میت کے غسل کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور اسے واجب قرار دیتے ہیں، مالکیہ و احناف کے ایک قول کے مطابق یہ سنت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ غسل قول سے نہیں بلکہ عمل سے منقول ہے اور عمل کا کوئی ایسا صیغہ نہیں ہوتا جس سے وجوب کا پتہ چلتا ہو۔ راجح یہ ہے کہ میت کو غسل دینا واجب ہے، لیکن یہ حکم عام حالات کے لئے ہے۔ استثنائی حالات میں مثلاً وباؤں کے موقعہ پر میت کو غسل دینے یا تیمّم کرانے کو ترک کرنا جائز ہے، کیونکہ علمی حلقوں میں آج کل یہ معروف بات ہے کہ میت کو غسل دینے یا تیمّم کرانے والے اگر تمام تر احتیاطی تدابیر اختیار کریں اس کے باوجود تعدیہ کا خطرہ باقی رہتا ہے، خاص طور پر اس صورت میں غسل دینے والے کو احتیاطی تدابیر کے سلسلہ میں ٹریننگ اور انتہائی احتیاطی تدابیر کے باوجود غسل دینے والے جنھیں اس کی مہارت نہیں ہوتی ہے اور جو میت کے براہ راست رابطے میں رہتے ہیں وہ بھلا کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ نیز فقہی قواعد اور شرعی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ صحت مند شخص کی زندگی کی حفاظت کو میت کے حق میں سنت یا واجب پر عمل کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے گی۔ احکام کے سلسلہ میں غسل دینے

والوں کے تعدی کا شکار ہو جانے اور ان سے دوسرے لوگوں کو تعدیہ ہو جانے کے ظن غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔کونسل برائے فتویٰ وتحقیق نے اس جانب بھی توجہ مبذول کرائی ہے کہ اس وبا میں وفات پا جانے والے شخص کو اگر بغیر غسل دیئے اور کفن پہنائے اسی کور میں دفن کر دیا جائے گا تو اس کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اس کے اہل خانہ اور مسلمان اس کے غسل وتکفین سے بری الذمہ ہوں گے۔نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص بارگاہ الٰہی میں شہید کے درجہ میں ہوگا (بخاری ۵۷۳۴،سنن ابی داؤد ۳۱۱۱،سنن نسائی ۴/ ۱۳،صحیح مسلم: ۱۹۱۵،تفصیل کے لئے دیکھئے فقہ السنہ ۱/ ۴۷۶)۔

نماز جنازہ:

۵- مندرجہ ذیل تین شرطوں کے ساتھ تدفین کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے:

ا۔سر پرست نے نماز جنازہ نہیں پڑھی ہے یا کسی نے بھی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو۔

۲۔تین دن کے اندر اندر پڑھی جاسکتی ہے،اس کے بعد نہیں۔جو حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے شہداء احد کی آٹھ برس بعد نماز جنازہ پڑھی ہے وہ شہداء کے ساتھ خاص ہے۔

۳۔میت کا جسم ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوا ہو،یعنی پھٹا نہ ہو،اس کے جسم کے پھٹنے کے بعد نماز نہیں پڑھی جائے گی۔سیدنا زید بن ثابتؓ کہتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نکلے،جب بقیع پہنچے تو آپ کی نظر ایک تازہ قبر پر پڑی۔پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ فلاں عورت کی ہے،یہ مسجد کی صفائی کرنے والی ایک بے سہارا خاتون تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس کے مرنے کی خبر کیوں نہ دی تھی؟عرض کیا آپ روزے سے تھے اور قیلولہ فرما رہے تھے تو ہم نے برا جانا کہ آپ کو زحمت دیں،فرمایا جب تک میں زندہ ہوں جو بھی فوت ہو مجھے آگاہ کیا کرو،کیونکہ میرا نماز جنازہ پڑھنا باعث رحمت ہے،کہتے ہیں پھر آپ قبر کے پاس آئے ہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں تو آپ نے چار تکبیریں کہیں (سنن ابن ماجہ ۱۵۲۸،صحیح ابن حبان ۳۰۸۷)،آپ ﷺ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی،کیونکہ آپ ﷺ سر پرست تھے اور قبر ابھی تازہ تھی گو کہ لوگوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھ لی تھی (الفقہ الحنفی وادلتہ ۱/ ۲۹۳)۔

ب-صحیح ہے کہ حنفیہ کے یہاں عام حالات میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہیں ہے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے اور اسی طرح معاویہ بن معاویہ کی غائبانہ نماز جنازہ والی روایت ضعیف ہے،اس لیے احناف و مالکیہ عام حالات میں غائبانہ نماز جنازہ کو جائز نہیں کہتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھیں مصدر سابق،ص ۲۹۴) لیکن چونکہ یہ عام حالت نہیں ہے اور اس پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی گئی ہے،جب کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے،اگر کچھ لوگوں نے نماز جنازہ پڑھ لی ہوتی تو ہم کہتے جائز نہیں ہے،لیکن یہاں مسئلہ دوسرا ہے،اس لئے اس صورت میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

کرونا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی☆

جمعہ کی نماز کی اہمیت کے پیش نظر کرونا کے حالات میں چند استثنائات عائد ہوتے ہیں، عارض کے مدنظر بقدر ضرورت کچھ احکام میں رخصتیں حاصل ہوتی ہیں، تیسویں سمینار کے موضوع 'کرونا کے شرعی مسائل' سے متلق جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

۱-کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

الف-کرونا میں احتیاطی پابندیوں کے پیش نظر ایک مسجد میں جمعہ کی متعدد جماعتیں جائز ہیں، احناف کے یہاں ہر جماعت کا الگ امام ہونا ضروری ہے، جبکہ شافعیہ کے یہاں ایک شخص متعدد جماعتوں کا امام ہوسکتا ہے، جماعت کے اہتمام کے ساتھ کرونا سے بچاؤ کی تدابیر اور پابندیوں کا التزام ضروری ہے، ضرورت اور نمازیوں کے لئے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے فقہاء نے ایک شہر میں ایک سے زائد مسجدوں رجگہوں میں جمعہ کی اجازت دی ہے (کاسانی، طبع دوم دارالفکر بیروت، بدائع الصنائع ۲/ ۱۹۱-۱۹۳)۔ یہی حکم ایک محلّہ کی مسجد میں وسعت نہ ہونے کی صورت میں درست ہوگا۔

ب-ایک مسجد میں ایک وقت میں تمام نماز پڑھنے والوں کی وسعت نہ ہوتو جمعہ کی متعدد جماعتیں درست ہیں، فسادات یا ٹریفک کے نظام میں خلل جیسے بڑے نقصانات سے بچنا ضروری ہے اور یہ متعدد جماعتیں تفرقہ بازی کے لئے نہیں، بلکہ جمعہ کی فضیلت اور اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ہیں۔

۲- حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ جمہور علماء کے نزدیک جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں ہے (کاسانی، طبع دوم دارالفکر بیروت، بدائع الصنائع ۲/ ۱۹۱-۱۹۳)، جماعت شرط ہے، لہذا جمعہ کی اہمیت اور کرونا کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے محلّہ کے مکانات میں جمعہ کی جماعتوں کا نظم کرنا جائز ہے۔ تشتت کا احتمال وہمی ہے، حالات کے درست ہوتے ہی عارضی حکم ختم ہوکر اصل حکم عائد ہوگا اور لوگ اصل کی طرف ایسے ہی لوٹ آئیں گے جیسے اور دوسرے امور دنیاوی میں عود کرتے ہیں، بلکہ ہندوستان جیسے اقلیت میں

☆ استاذ خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

رہنے والوں کے لئے مخصوص حالات میں ضروری ہے ورنہ عوام کا رشتہ دین سے کمزور پڑتا جائے گا جو جمعہ کا بنیادی مقصد اور شعار اسلام کا اظہار ہے۔گھروں میں جماعت کرنے سے جس خدشہ کا خطرہ ہے کہ جماعت، جمعیت اور اظہار شعار اسلام میں کمی آئے گی وہ علت یہاں نہیں پائی جاتی، بلکہ اس کے برعکس مقاصد جمعہ حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔عام حالات میں بھی بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے تو پھر کرونا جیسے حالات میں تو بدرجہ اولی درست ہوگا۔فقہاء کرام کے یہاں اس سلسلے میں دو قول ملتے ہیں:

اول: مشروط عدد کے ساتھ گھروں اور جیلوں میں جمعہ کی نماز درست ہے، امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، بعض شوافع اور ابن حزم کا مذہب ہے۔کلیہ اصول الدین زقازیق کے استاذ محمد نے تین لوگوں کو گھر میں جمعہ قائم کرنے کو درست کہا ہے (جریدۃ الیوم السابع ۲۳/۳/۲۰۲۰)۔

دوم: گھروں اور جیلوں میں جمعہ درست نہیں۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ بہت سے معاصر علماء کا بھی یہی رجحان ہے جیسے ابن باز، عثیمین، بین الاقوامی فقہ اکیڈمی جدہ اور ڈاکٹر محمد بن طالب شنقیطی۔ان کی دلیلیں یہ ہیں:

-گھروں میں جمعہ کی ضرورت کے باوجود سلف کا مسجدوں میں جمعہ پڑھنا۔ یہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک کے اثر سے مندفع ہوتا ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے حسن کہا ہے:

"عن عبد الرحمن بن كعب بن مالک، وکان قائد أبيه بعد ما ذهب بصره، عن أبيه: أنه كان إزا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زراة فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زراة قال؛ لأنه أول من جمع بنا في هزم النبيت من حرة بني بياجة في نقيع يقال له نقيع الخضمات قلت: كم أنتم يومئذ قال أربعون" (سنن ابی داؤد ا/۲۸۰، رقم:۱۰۶۹، صحیح ابوداؤد رقم:۱۰۶۹، ارواء الغلیل ۳/۶۷)۔

-نماز جمعہ کے لئے سعی، محلّہ اور شہر والوں کا ایک جگہ جمع ہونا اور اسلام کا ظاہری شعار ہونا یہ عام حالات میں ہے لیکن اس وقت کرونا کے مخصوص حالات میں ان امور کے اقل درجہ کو حاصل کرنا زیادہ اہم ہے نماز جمعہ کے لئے مسجدیں بند کر کے اجتماعی جمعہ کو منع کر دینا یہاں تک کہ کرونا کی احتیاطی تدابیر کے باوجود اس پر روک لگا دینا۔مسلم وغیر مسلم ملکوں میں اسے ضروری امور میں داخل نہ کرنا جن کے کرنے کی کرونا میں بھی اجازت ہوتی ہے، ایسے حالات میں گھروں میں بھی جمعہ قائم نہ کرنا مقاصد جمعہ کے خلاف ہے۔اس لئے ایسی صورت حال میں خاص طور سے ہندوستان کے پس منظر میں جمعہ کو گھروں میں قائم کرنا ہی مذکورہ مقاصد کو حاصل کرنا ہے اور منع کرنا ابطال مقاصد ہے۔ان حالات میں شعار اسلام کا اظہار جمعہ کے قائم کرنے میں ہے نہ کہ منع کرنے میں اور مجبوری کی حالت میں گھروں میں اسے قائم کر کے اقل درجہ کا اظہار ممکن

ہے، جب حالات درست ہوں گے تو اعلیٰ درجہ کی طرف رجوع ضروری ہے۔

بعض اہل علم کے نزدیک جمعہ کے لئے حاکم کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے بغیر امام کی اجازت کے جمعہ قائم نہیں کر سکتے۔ یہ شرط ہندوستان میں معتبر نہیں۔ اگر عام حکومتی اذن کی بات ہو تو اس میں بھی کرونا کی ہدایات کے مطابق گھروں میں پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک ایک شہر میں تعدد جمعہ کی اجازت نہیں سوائے معتبر عذر کی وجہ سے جیسے لوگوں کی کثرت کا ہونا اور مسجد کا تنگ ہونا یا آپس میں دشمنی کا ہونا وغیرہ۔ اس لئے گھروں میں تعدد جمعہ بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ یہ قیاس درست نہیں کیونکہ جب ان اعذار کی وجہ سے عام حالات میں ایک شہر میں تعدد جمعہ کی اجازت ہے تو کرونا جیسی وبائے عام آپسی دشمنی یا مسجدوں کے تنگ ہونے سے کہیں بڑا عذر ہے جبکہ مسجدوں میں کرونا کے وقت ہدایات کے مطابق بھی نماز جمعہ کی اجازت نہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو حجتیں اور قیاس گھروں میں جمعہ کے نہ ہونے کے قائم کئے گئے ہیں وہ عام حالات کے لئے ہیں جہاں جمعہ اذن عام کے طور پر قائم ہو رہا ہو اور اس کے مقابلہ میں گھروں میں قائم کرنے سے شعار اسلام میں کمی یا افتراق کا خطرہ ہو کرونا کے حالات میں مسجدیں بند ہیں اور عام اجازت بھی نہیں تو ایسے استثنائی حالات میں جمعہ قائم کرنا چاہے گھروں میں ہی کیوں نہ ہو اقل درجہ میں ضروری ہے ورنہ جمعہ کے مقاصد میں بڑا خلل واقع ہوگا اور جو دلائل عدم جواز کے ہیں وہ اس صورت حال کے لئے ضعیف ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس کے علاوہ منع کرنے والوں میں اکثر عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں جب کہ جمعہ تاکید و وجوبیت میں زیادہ ارجح ہے۔

۳- محلّہ کی مسجد میں ایک یا متعدد جماعتوں یا مکانات کی جماعتوں کے بعد جو لوگ رہ جائیں وہ گھروں میں ظہر کی نماز ادا کریں اگر جماعت سے پڑھ سکتے ہوں تو بہتر ہے ورنہ تنہا پڑھیں۔ جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کی ممانعت کی وجہ انتشار اور جمعہ کی نماز میں جمعیت کے کم ہونے کا خطرہ ہے۔ جو مسلمانوں کی جماعت کے اتحاد و اتفاق کے خلاف ہے۔ لیکن کرونا کی پابندیوں کے وقت جب کہ ایک ساتھ جمع ہونا مسلم وغیر مسلم ملکوں میں قانونی طور پر منع ہے اور اذن عام نہیں تو جماعت کی علت نہ پائے جانے کی وجہ سے جماعت ظہر جائز ہے۔ اس لئے باقی رہے مسلمانوں کے لئے گھر میں جماعت میں کوئی نقصان نہیں۔

”وأما ما يكره في يوم الجمعة فنقول تكره صلاة الظهر يوم الجمعة بجماعة في المصر في سجن وغير سجن هكذا روي عن عليؓ وهكذا جرى التوارث بإغلاق أبواب المساجد في وقت

الظهر يوم الجمعة في الأمصار فدل ذلک على كراهة الجماعة فيها في حق الكل؛ولأنا لو أطلقنا للمعذور إقامة الظهر بالجماعة في المصر فربما يقتدي به غير المعذور فيؤدي إلى تقليل جمع الجمعة، وهذا لا يجوز؛ ولأن ساكن المصر مأموربشيئين في هذا الوقت بترک الجماعات وشهود الجمعة، والمعذور قدر على أحدهما وهو ترک الجماعات فيؤمر بالترک، وأما أهل القرى فإنهم يصلون الظهر بجماعة بأذان وإقامة؛ لأنه ليس عليهم شهود الجمعة، ولأن في إقامة الجماعة فيها تقليل جمع الجمعة ،فكان هذا اليوم في حقهم كسائر الأيام"(کاسانی طبع دوم دارالکتب بیروت، بدائع الصنائع ۲/۲۲۰)۔

۴-تجہیز وتکفین:

پابندیوں کی صورت میں میت کومخصوص کور میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے اور کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو وہی کور کفن کے حکم میں ہوگا۔الگ سے کفن ضروری نہیں،مسئلہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں جب کھولنے کی اجازت نہیں توغسل یا تیمّم کہاں سے کرائیں گے۔قانونی بندشوں اور خطرات احیاءکودیکھتے ہوئے کچھ نہیں کرسکتے اورضررعام کی وجہ سے اس کا مطالبہ بھی ترک کرنا ہوگا۔میت کواسی طرح دفن کردیا جائے اور کورکوبحکم کفن مان لیا جائے۔الگ سے کفن کا اہتمام نہیں ہوسکتا چونکہ کھولنے کی اجازت نہیں۔ہاں اسی کور کے اوپر کفن کے لوازمات ادا کئے جائیں البتہ مقامی انتظامیہ سے احتیاطی پابندیوں کے ساتھ اس کے اہل خانہ کوان امور میں شراکت داری کا مطالبہ کیا جائے چونکہ یہ ایک شرعی حق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام زندہ ومردہ دونوں صورتوں میں انسان کی عزت واحترام پرقائم ہے اسی لئے میت کے غسل،کفن،نماز جنازہ،ساتھ جانا اور تدفین کاحکم ہے۔مگر استطاعت نہ ہونے یاضرر کی صورت میں اس فرض کفایہ کے مکلّف کیسے ہوسکتے ہیں،ارشاد باری تعالی ہے:"**لا يكلف الله نفسا إلا وسعها**" (سورۂ بقرہ:۲۸۶)،"**لايكلف الله نفسا إلا ما آتاها**" (سورۂ طلاق:۷)، "**فاتقوا الله مااستطعتم**"(سورہ تغابن:۱۶)۔

ارشادرسول اللہ ﷺ:"**إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ماستطعتم**"(صحیح بخاری باب الاقتداء،حدیث نمبر:۷۲۸۸)، "**لا ضررولاضرار**" (سنن ابن ماجہ)۔

علامہ کاسانی اسی طرح کی صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"**ولو ذكروا بعد الصلاة على الميت أنهم لم يغسلوه فهذا على وجهين:إما أن ذكروا قبل الدفن، أو بعده:فإن كان قبل الدفن غسلوه وأعادوا الصلاة عليه؛ لأن طهارة الميت شرط لجواز الصلاة عليه، كما أن طهارة الإمام**

شرط؛ لأنه بمنزلة الإمام فتعتبر طهارته، فإذا فقدت لم يعتد بالصلاة فيغسل ويصلى عليه، وإن ذكروا بعد الدفن لم ينبشوا عنه؛ لأن النبش حرام حقا لله تعالى، فيسقط الغسل ولا تعاد الصلاة عليه؛ لأن طهارة الميت شرط جواز الصلاة عليه لما بينا، وروي عن محمد أنى يخرج ما لم يهيلوا عليه التراب؛ لأن ذلک ليس بنبش،فإن أهالوا التراب لم يخرج، وتعاد الصلاة عليه؛ لأن تلک الصلاة لم تعتبر لتركهم الطهارة مع الإمكان، والآن فات الإمكان فسقطت الطهارة فيصلى عليه"(کاسانی طبع دوم دار الکتب علمیہ بیروت ۲۰۰۳، بدائع الصنائع ۲/۳۴۶-۳۴۷)۔

۵-الف: نماز جنازہ:

اگر قبرستان وقبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہوجائے یا میت کو حوالہ کردیا جائے مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جاسکتی ہے بشرطیکہ: جسم خراب نہ ہو، اور اس سے پہلے نماز نہ پڑھی گئی ہو، البتہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر پڑھی گئی ہو تو ولی کو اعادہ کا حق ہے۔

"ولا يصلى على ميت إلا مرة واحدة لا جماعة ولا وحدانا عندنا؛ إلا أن يكون الذين صلوا عليها أجانب بغير أمر الأولياء، ثم حضر الولي فحينئذ له أن يعيدها، وقال الشافعي:يجوز لمن لم يصل أن يصلي واحتج بما روي أن النبى ﷺ صلى على النجاشى:"ولا شک أنه كان صلى عليه وروى"أنه ﷺ مر بقبر جديد فسأل عنه فقيل:قبر فلانة فقال: هلا آذنتموني بالصلاة عليها فقيل:إنها دفنت ليلا فخشينا عليک هوام الأرض فقال ﷺ :إذا مات إنسان فآذنوني فإن صلاتي عليه رحمة، وقام وجعل القبر بينه وبين القبلة وصلى عليه"(بدائع الصنائع ۲/۳۳۷)۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:"ولو دفن بعد الغسل قبل الصلاة عليه صلي في القبر ما لم يعلم أنه تفرق وفي الأمالي عن أبي يوسف أنه قال: يصلى عليه إلى ثلاثة أيام، هكذا ذكر ابن رستم عن محمد، أما قبل مضي ثلاثة أيام فلما روينا أن النبى ﷺ صلى على قبر تلک المرأة فلما جازت الصلاة على القبر بعد ما صلي على الميت مرة فلأن تجوز في موضع لم يصل عليه أصلا أولى.وأما بعد الثلاثة أيام لا يصلى؛ لأن الصلاة مشروعة على البدن وبعد مضي الثلاث ينشق ويتفرق، فلا يبقى البدن وهذا؛ لأن في المدة القليلة لا يتفرق وفي الكثيرة يتفرق، فجعلت الثلاث في حد الكثرة؛ لأنها جمع والجمع ثبت بالكثرة؛ولأن العبرة للمعتاد والغالب في العادة أن بمضي الثلاث يتفسخ ويتفرق

أعضاؤه، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم؛لأن يختلف باختلاف الأوقات فى الحر والبرد، وباختلاف حال الميت في السمن والهزل، وباختلاف الأمكنة، فيحكم فيه غالب الرأي وأكبر الظن، فإن قيل:روى عن النبى ﷺ أنى صلى على شهداء أحد بعد ثمان سنين'فالجواب أن معناه والله اعلم۔أنه دعا لهم قال الله تعالىٰ':وصل عليهم إن صلاتک سكن لهم(توبة:۱۰۳)، والصلاة في الآية بمعنى الدعاء، وقيل: إنهم لم تتفرق أعضاؤهم فإن معاوية لما أراد أن يحولهم وجدهم، كما دفنوا فتركهم" (کاسانی کتاب بدائع الصنائع ۱/۳۴۶-۳۴۷)۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں تعدد نہیں مگر صرف ولی پڑھ سکتا ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تعدد جائز ہے، اسی طرح ان کے نزدیک قبر کی میت پر نماز کے لئے کوئی مدت کی بھی قید نہیں۔

"جاء في 'مغنى المحتاج'للخطيب الشربينيؒ:يصلى على الغائب عن البلد، وإن قربت المسافة ولم يكن في جهة القبلة، خلافا لأبي حنيفة ومالک،ويقول ابن قدامة الحنبلي–مستدلا بحديث الصلاة على النجاشي:ولنا أن نقتدي بالنبي ﷺ مالم يثبت مايقتضي اختصاصه"(المغنی)۔

"وقال المرداوي في 'الإنصاف':هذا المذهب مطلقا، وعليه جماهير الأصحاب وقطع به كثير منهم"۔

سعودیہ عرب کے مفتی عام شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد آل شیخ کے نزدیک تو کچھ لوگ قبرستان میں نماز پڑھ سکتے ہیں اور کچھ گھروں میں غائبانہ نماز یہاں تک کہ کرونا کے وقت میں بھیڑ سے احتیاط کے لئے متعدد گھروں میں متعدد نماز جنازہ ادا کر سکتے ہیں۔

ب-اگر قبر کا علم نہ ہو سکے تو اس مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی، احناف کے نزدیک تو غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں لیکن شافعیہ وحنابلہ کے یہاں درست ہے، کرونا کے مخصوص حالات میں اس لئے بھی درست ہے کہ میت پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اور یہ اس کا حق ہے قبر کا بھی علم نہیں کہ وہاں پڑھی جاسکے، لہذا ایسی صورت میں شافعیہ و حنابلہ کی رائے پر عمل کرنا مناسب ہوگا۔

امام کاسانی فرماتے ہیں:"وعلى هذا قال أصحابنا:لا يصلى على ميت غائب، وقال الشافعي:يصلى عليه استدلالا بصلاة النبي ﷺ على النجاشي وهو غائب، ولا حجة له فيه" (کاسانی، کتاب بدائع الصنائع ۱/ص ۳۳۸)۔

کرونا کے شرعی مسائل

مولانا محمد اکرم بن مولانا اسلم رشید☆

الف-کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد میں ہر فرض نماز کی جماعت ایک ہی مرتبہ ہوتی تھی، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اگر صحابہ کی جماعت چھوٹ جاتی تو مسجد میں تنہا تنہا نماز ادا کر لیتیں: ''روی عن أنس أن أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا إذا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی'' (شامی:۱/۳۹۵)۔اس لئے فرض نماز کے بعد مسجد میں اس طرح جماعت کرنا کہ امام ومقتدی اسی فرض نماز کو ادا کر رہے ہوں حدیث سے ثابت نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ تکرار جماعت سے جماعت کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں کم ہوجائے گی، اور یہ چیز تقلیل جماعت کا سبب بنے گی، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور بہت سے فقہاء کے نزدیک عام حالات میں مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، چنانچہ ''فتاوی تاتارخانیہ'' میں ہے:

''رجل دخل مسجدا صلی فیه أهله، فإنه یصلی وحده من غیر أذان و إقامة، و یکره له أن یصلی بجماعة بأذان و إقامة'' (فتاوی تاتارخانیہ:۲/۱۵۵، ط: مکتبہ زکریا دیوبند)۔

البتہ فقہاء نے جماعت ثانیہ کی کراہت سے بعض صورتوں کو مستثنی قرار دیا ہے:

(۱) ایسی مسجد جس میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں تو وہاں اذان واقامت کے ساتھ بھی مکرر جماعت کی جا سکتی ہے، ''شامی'' میں ہے:

''مَا لَیْسَ لَهُ إمَامٌ وَمُؤَذِّنٌ رَاتِبٌ، فَلَا یُکْرَهُ التَّکْرَارُ فِیهِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ'' (شامی:۱/۳۹۵)۔

(۲) اگر دوسری جماعت میں تین سے زیادہ افراد نہ ہوں تب بھی مکروہ نہیں ہے، شامی میں ہے:

''وَعَنْ أَبِی حَنِیفَةَ لَوْ کَانَتْ الْجَمَاعَةُ أَکْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ یُکْرَهُ التَّکْرَارُ وَإِلَّا فَلَا'' (شامی:۳/۱۹۵)۔

(۳) وہ مسجد مسجد محلّہ نہ ہو؛ بلکہ بازار یا شارع عام کی مسجد ہو جس میں گزرنے والے نماز پڑھ لیا کرتے

☆ دار العلوم مدرسہ عربیہ تعلیم المسلمین، لوناواڑا گجرات۔

ہوں، ’’فتاوی ہندیہ‘‘ میں ہے: ’’وَكَذَا فِي مَسْجِدِ قَارِعَةِ الطَّرِيقِ‘‘ (فتاوی ہندیہ: ۱/ ۸۳)۔

(۴) مسجد محلّہ ہی میں پہلے غیر اہل محلّہ نے اذان واقامت کے ساتھ جماعت کر لی ہو، تو اب اہل محلّہ کا دوبارہ جماعت کرنا مکروہ نہیں ہے، ’’درر الحکام‘‘ میں ہے:

’’(وَلَا تُكَرَّرُ) الْجَمَاعَةُ (فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ)...إِلَّا إِذَا صَلَّى بِهِمَا) أَيْ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ (فِيهِ أَوَّلًا غَيْرُ أَهْلِهِ)؛ لِأَنَّ حَقَّهُمْ لَا يَسْقُطُ بِفِعْلِ غَيْرِهِم‘‘ (درر الحکام: ۱/ ۸۵)۔

(۵) پہلی جماعت اذان کے ساتھ ہوئی ہو اور دوسری جماعت بغیر اذان کے ہو، ’’فتاوی ہندیہ‘‘ میں ہے:

’’وأما إذا صلوا بغير أذان يباح اجماعا‘‘ (فتاوی ہندیہ: ۱/ ۸۳)۔

(۶) امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر دوسری جماعت کی ہیئت پہلی جماعت سے مختلف ہو تو اس صورت میں بھی بغیر اذان واقامت دوسری جماعت کی جاسکتی ہے، ہیئت مختلف ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ پہلی جماعت مسجد کے جس حصہ میں ہوئی ہے اس حصہ سے ہٹ کر دوسری جماعت کی جائے، ’’اللباب‘‘ میں ہے:

’’إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة‘‘ (اللباب: ۱/ ۷۹)۔

نیز علامہ شامی رقمطراز ہیں: ’’عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِذَا لَمْ تَكُنِ الْجَمَاعَةُ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى لَا تُكْرَهُ وَإِلَّا تُكْرَهُ، وَهُوَ الصَّحِيحُ، وَبِالْعُدُولِ عَنِ الْمِحْرَابِ تَخْتَلِفُ الْهَيْئَةُ كَذَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ انْتَهَى .وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنِ الْوَلْوَالِجِيَّةِ: وَبِهِ نَأْخُذُ‘‘ (شامی: ۱/ ۵۵۳)۔

یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ امام ابو یوسف کے اس قول کو فقہاء نے صحیح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے اس کے ذیل میں ’’ہو الصحیح‘‘ کہہ کر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

مذکورہ استثنائی صورتوں اور احناف کے عمومی فتوی کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اصولی طور پر ایک ہی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے؛ البتہ اتفاقاً یا ہنگامی حالات (کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول) کی وجہ سے مجبوراً ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہوگی، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے مندرجۂ ذیل فتوی سے مخصوص حالات میں جماعت ثانیہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے:

’’لیکن اگر یہ دشوار ہو تو عذر کی وجہ سے دوبارہ جماعت کی گنجائش ہوگی، کیوں کہ خاص حالات میں فقہاء نے تکرار جماعت کی اجازت دی ہے‘‘ (کتاب الفتاوی: ۳/ ۸۲)۔

مفتی سلمان منصور پوری تحریر فرماتے ہیں: ''اگر کبھی کسی عذر کی بنا پر جماعت ثانیہ کر لی جائے تو جائز ہے؛ لیکن اس کی عادت بنالینا گناہ ہے'' (کتاب النوازل: ۴/۵۱۵)۔

البتہ دوسری یا تیسری جماعت کرنے کی صورت میں مندرجۂ ذیل امور پیش نظر رہیں:

(۱) صرف پہلی جماعت سے پہلے اذان اور اقامت ہو، دوسری یا تیسری جماعت کے لئے اذان اور اقامت نہ کہی جائے، تا کہ اس قول کے مطابق کہ ''دوسری جماعت بغیر اذان و اقامت درست ہے'' تکرار جماعت درست قرار پائے۔

(۲) پہلی جماعت میں امام جہاں کھڑا ہو دوسری جماعت میں اس سے کسی قدر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اور دوسری جماعت میں امام کی جو جگہ ہو تیسری جماعت میں امام اس سے بھی ہٹ کر نماز پڑھائے، اس طرح تغیر ہیئت کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، جو امام ابو یوسف کے قول پر مکروہ نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ایسا ضروری نہیں ہے کہ متعدد جماعت کرنے کی صورت میں بھی وہ تمام حضرات شامل ہو سکیں جو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے خواہشمند ہوں، اس لئے کہ کورونا جیسی وبائی صورت میں پانچ چھ افراد سے زیادہ کا ایک ساتھ نماز ادا کرنا قانوناً ممنوع ہوگا، جیسا کہ بہت سی جگہوں پر اس کا تجربہ ہو چکا ہے، اس لئے متعدد جماعت کرنے کی صورت میں جو لوگ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے رہ گئے ہوں ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ گھر پر (جمعہ کی نماز کے علاوہ کہ اس کا حکم آگے آ رہا ہے) جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، بنایہ میں ہے:

''وإن فاتته الجماعة جمع بأهله، وصلى بهم، وإن صلى وحده جاز'' (بنایہ: ۲/۳۲۵)۔

(ب): جمعہ کے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہونے اور نمازیوں کے مسجد سے باہر نماز ادا کرنے کی صورت میں مسائل پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں جمعہ کی نماز کی ایک سے زیادہ جماعت کی گنجائش ہوگی، حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ سے اسی طرح کا ایک سوال کیا گیا جس کے جواب سے جماعت ثانیہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے:

''عرض: جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی وجہ سے تمام لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے، تو کیا بقیہ لوگ دوسری مرتبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

ارشاد: یہ دوسرے لوگوں کی جماعت ثانیہ نہیں ہے'' (ملفوظات فقیہ الامت: ۷/۳۸)۔

نیز اسی طرح کے ایک استفتاء کے جواب میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جمعہ چونکہ شعائر دین کے درجہ میں ہے، اس لئے جمعہ کا بہر حال اہتمام ہونا چاہئے، اس لئے فقہاء نے جمعہ کے

قیام کے لئے بعض شرائط کے بارے میں تخفیف ورعایت سے کام لیا ہے۔۔۔۔۔ان نظائر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ شریعت میں اقامت جمعہ کی جو اہمیت ہے، فقہاء نے اپنے اجتہادات میں اس کو بڑی اہمیت دی ہے، اس لئے تکرار جماعت کی کراہت سے بڑھ کر یہ ہے کہ کچھ مسلمان جمعہ کی سعادت سے محروم ہو جائیں، لہذا راقم الحروف کی رائے ہے کہ:

(الف) اولاً تو مسجد کے ذمہ داران اس بات کی کوشش کریں کہ جمعہ کے لئے مستقل طور پر کوئی ہال حاصل ہو جائے۔

(ب) جب تک یہ سہولت حاصل نہ ہو تکرار جماعت ہی کے ذریعہ سہی مسلمانوں کو جمعہ سے محروم نہ ہونے دیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے ان کی دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر مرتب ہوگا'' (کتاب الفتاوی: ۳؍۸۰)۔

مفتی احمد خانپوری صاحب رقمطراز ہیں: ''اگر وہاں قریب میں کوئی ایسا مکان یا بڑا ہال میسر ہو کہ اس میں جمعہ کی دوسری جماعت ادا کی جاسکتی ہو تو وہ صورت اختیار کی جائے، اور اگر ایسا کوئی مکان یا ہال میسر نہیں تو بدرجۂ مجبوری جمعہ کی دوسری جماعت اسی مسجد میں قائم کی جاسکتی ہے؛ البتہ اس کے لئے ایسی ترتیب اختیار کی جائے کہ دونوں جماعتوں کا حق ادا ہو کر کسی ایک کی تقلیل یا اس کی طرف سے بے التفاتی لازم نہ آئے'' (محمود الفتاوی: ۳؍۱۹۰)۔

نیز عید کے موقع پر مسجد شرعی میں جماعت ثانیہ کے متعلق ان کے فتوی کا ایک چشم کشا اقتباس ملاحظہ ہو جس سے نماز جمعہ میں جماعت ثانیہ کے حکم پر بھی روشنی پڑتی ہے:

''مندرجۂ بالا پہلے تین جوابات میں تو اس صورت میں جب کہ وہ دس پندرہ آدمی جمعہ کی جماعت میں بروقت پہونچ نہ سکنے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے ان کو دوسری جماعت کی اجازت دی گئی حالاں کہ صورت مسئولہ میں فی الجملہ ان کا قصور بھی ہے، وہ بروقت حاضر نہ ہوئے اور آنے میں تاخیر کے مرتکب ہوئے، چاہئے تھا کہ ان کو جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی جاتی اور تنہا ظہر پڑھنے کا حکم دیا جاتا؛ لیکن صرف اس بنیاد پر کہ ان پر جمعہ فرض ہے، اس لئے ان کا ظہر پڑھنا درست نہیں ان کو اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت کرنے کی اجازت دی جارہی ہے، نیز آپ کے یہاں جو لوگ پہلی جماعت میں شریک نہیں ہورہے ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کی طرف سے کوئی کوتاہی یا کاہلی پائی گئی جس کے نتیجہ میں ان کو پہلی جماعت میں شرکت کا موقع نہیں ملا؛ بلکہ وہ حضرات بھی وہاں مجمع میں شروع سے موجود ہیں، لیکن جس جگہ پر عید کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جارہی ہے وہ جگہ محدود ہونے کی وجہ سے تمام حضرات جو موجود ہیں جماعت میں شرکت نہیں کرسکتے، گویا جماعت میں عدم شرکت ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں، نیز یہاں پر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت کی تقلیل لازم آئے گی، مطلب کہ صورت مسئولہ میں دوسری جماعت کی اجازت کسی حال

میں پہلی جماعت کی تقلیل کا باعث نہیں، بلکہ دوسری جماعت کا جماعت ثانیہ کا نام دینا یہ بھی محل تأمل ہے، اسی لئے غالباً مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ نے اپنے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعت ثانیہ نہیں ہے، یعنی یہ وہ جماعت ثانیہ نہیں ہے جس پر کراہت کا حکم جاری ہوتا ہے'' (محمود الفتاوی: ۲۳۶/۳)۔

خیر الفتاوی میں ہیں: ''چونکہ تعدد جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے، اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں، اس لئے ان لوگوں کو چاہئے جمعہ با جماعت مع خطبہ ادا کریں، اگر اسی مسجد میں ہو تو بھی کوئی حرج نہیں، اور اولی یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو'' (خیر الفتاوی: ۹۵/۳)۔

مفتی سلمان صاحب منصور پوری رقم فرماتے ہیں: ''ایک مسجد میں بلا عذر شرعی دو مرتبہ جمعہ کی نماز کی جماعت مکروہ ہے؛ لیکن اگر کوئی عذر ہے، مثلاً بارش شدید ہے اور مسجد کے علاوہ نماز کی کوئی اور جگہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں تکرار جماعت کی گنجائش ہے'' (کتاب النوازل: ۵۱۹/۴)۔

فتاوی قاسمیہ میں ہے: ''اگر شہر میں اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد دور دور تک نہیں ہے، جہاں جا کر یہ لوگ اپنا فریضہ ادا کر سکیں، اور دوسری جماعت کرنے کے لئے کوئی دوسری جگہ بھی نہیں ہے، اور دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کی ایک بھاری تعداد جمعہ سے محروم ہو جاتی ہے، اور اس تعداد کو وقت پر حاضر ہونے میں کوئی تاخیر بھی نہیں ہوتی، تو ایسی شدید ضرورت کے تحت اس مسجد میں دو مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی جانے کی گنجائش ہے'' (فتاوی قاسمیہ ۲۷۵/۹)۔

۲-۳: جمعہ کے دن مسجد میں جماعت کے علاوہ جو لوگ رہ جائیں ان کے لئے گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے نظام کے بہتر ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں دو نظریئے پائے جاتے ہیں:

پہلا نظریہ:

دار العلوم دیوبند کے فتوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ ہی سہی جمعہ قائم کیا جائے، چنانچہ دار العلوم دیوبند کا فتوی ملاحظہ ہو:

''محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ ادا نہ کر سکیں، اور وہ اپنی بیٹھک یا باہری کمروں میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر اذن عام کے ساتھ جمعہ قائم کر سکتے ہوں، یعنی آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کر دی جائے، تا کہ جو لوگ آنا چاہے آسکیں، اگر چہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کر دیا جائے، تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لیکر مختصر قرأت اور مختصر خطبہ کے ساتھ جمعہ ہی ادا کریں'' (فتوی دار العلوم دیوبند، ۱۴۴۱/۸/۶ھ چہار شنبہ)۔

دوسرا نظریہ:

مولانا خالد سیف اللہ صاحب کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں لوگ جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ادا کریں، چنانچہ وہ رقم فرماتے ہیں:

’’جمعہ کے درست ہونے کے لئے مسجد ضروری نہیں ہے؛ بلکہ شہر میں کسی بھی جگہ جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، گھر میں بھی اگر لوگوں آنے کی اجازت ہوتو جمعہ درست ہوجائیگا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب مسجد کی جماعت کو بیماری کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے محدود کیا گیا، اور چند افراد کے ساتھ جمعہ قائم کرنے کی تلقین کی جارہی ہے، ؛ تاکہ اسلام کا ایک شعار پورا ہوجائے، اور انسانی زندگی کی مصلحت بھی برقرار رہے، تو اگر گھروں میں بھی جمعہ قائم کیا جائے تو یہ مصلحت تو پھر بھی فوت ہوجائے گی، اور قانون کی بھی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے موجودہ حالات میں گھروں پر جمعہ کی نماز نہیں رکھنی چاہئے ؛ بلکہ جمعہ کے بجائے گھروں پر ظہر کی نماز ادا کرنی چاہئے۔

دونوں نقطۂ نظر کے حاملین کی مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہیکہ دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے نقطۂ نظر کے علاوہ کی صورت میں عدم جواز کی بات نہیں کہی ہے، اس لئے جمعہ کے دن مسجد میں دو یا تین جماعت کے علاوہ جو لوگ رہ جائیں وہ اپنے گھروں پر نماز ظہر پڑھیں یا شرائط کے مطابق نماز جمعہ پڑھیں، دونوں صورتیں جائز ہیں، تاہم یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ مسجد کی جماعت کو بیماری کے پھلاؤ کو روکنے کے لئے محدود کیا گیا ہے، حالانکہ بہت سی جگہوں پر یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ گھروں پر نماز جمعہ پڑھنے کی صورت میں ایک ہی جگہ پر نمازیوں کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ جس مقصد کے تحت مسجد کی جماعت کو محدود کیا گیا تھا اس مقصد کا فوت ہونا لازم آیا اور بعض جگہوں پر پولس وغیرہ کے ذریعہ مقدمہ وغیرہ کی بھی نوبت آئی، لہذا بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں گھروں پر نماز ظہر ادا کی جائے، نیز گھروں پر نماز ظہر تنہا ادا کریں جماعت کے ساتھ ادا نہ کریں، اس لئے کہ فقہاء احناف نے جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے؛ لیکن وہ کسی عذر وجہ سے جمعہ ادا نہ کرسکیں ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ظہر کی نماز بغیر جماعت کے ادا کریں، جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہوگا، علامہ حصکفی رقمطراز ہیں:

”(وكره) تحريما (لمعذور ومسجون) ومسافر (أداء ظهر بجماعة فى مصر) قبل الجمعة، وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة“ (الدر مع الرد: ۲/۱۵۷)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: ’’وَصُورَةِ الْمُعَارَضَةِ لِأَنَّ شِعَارَ الْمُسْلِمِينَ فِي هَذَا الْيَوْمِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ وَقَصْدُ الْمُعَارَضَةِ لَهُمْ يُؤَدِّي إلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ فَكَانَ فِي صُورَتِهَا كَرَاهَةُ التَّحْرِيمِ‘‘ (شامی: ۲/۱۵۷)۔

''محیط برہانی''میں ہے:"قال محمد رحمه الله: ويكره أن يصلى الظهر يوم الجمعة فى المصر بجماعة فى سجن وغير سجن، هكذا روى عن على رضى الله عنه، والمعنى فيه: أن المأمور به فى حق من يسكن المصر فى هذا الوقت شيآن، ترك الجماعة وشهود الجمعة، فأصحاب السجون قدروا على أحدها، وهو ترك الجماعة، فيأتون بذلک"(محیط برہانی:۲/۹۲)۔

۴- صورت مسئولہ میں اگر ہسپتال کے عملہ کی طرف سے میت کو مخصوص کور میں پیک کر دیا گیا ہو، اور اسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو، اور بصورت دیگر مختلف نا قابل برداشت مسائل اور پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں وہی کور کفن کے حکم میں ہو جائے گا، اور ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم ساقط ہو جائیگا، نیز اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی، اس سلسلہ میں دار العلوم دیوبند کا تفصیلی فتوی انٹرنیٹ پر موجود ہے، وہاں اس کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے (کورونا وائرس کی وجہ سے میت کو غسل دینے کے متعلق ایک اہم استفتاء، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)۔

۵-الف: اگر طبی عملہ میت کو حوالہ ہی نہ کریں؛ مگر قبرستان اور قبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہو جائے یا میت کو حوالہ کریں مگر دفن کے علاوہ کوئی موقع نہ دیا جائے، تو جب تک میت کے پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو وہاں تک میت کی نماز جنازہ اس کی قبر پر ادا کی جاسکتی ہے، اور پھٹنے کی مدت ہر جگہ کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے، اسی طرح موسم کے اعتبار سے بھی مختلف ہوسکتی ہے، شامی میں ہے:

"قَوْلُهُ فَيُصَلَّى عَلَى قَبْرِهِ بِلَا غُسْلٍ) أَىْ قَبْلَ أَنْ يَتَفَسَّخَ"(شامی:۲/۲۰۷)۔

علامہ ابن ہمام رقمطراز ہیں:"وَإِنْ دُفِنَ الْمَيِّتُ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى عَلَى قَبْرِ امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ (وَيُصَلَّى عَلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَتَفَسَّخَ) وَالْمُعْتَبَرُ فِى مَعْرِفَةِ ذَلِكَ أَكْبَرُ الرَّأْيِ هُوَ الصَّحِيحُ لِاخْتِلَافِ الْحَالِ وَالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ"(فتح القدیر:۳/۳۷۴)۔

''عنایہ''میں ہے:"(وَالْمُعْتَبَرُ فِى ذَلِكَ) أَىْ فِى عَدَمِ التَّفَسُّخِ .وَقَوْلُهُ (هُوَ الصَّحِيحُ) احْتِرَازٌ عَمَّا رُوِىَ عَنْ أَبِى يُوسُفَ فِى الْأَمَالِى أَنَّهُ يُصَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ فِى الْقَبْرِ إلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ؛ وَبَعْدَهُ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ، وَهَكَذَا ذَكَرَ ابْنُ رُسْتُمَ فِى نَوَادِرِهِ، عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِى حَنِيفَةَ .وَالصَّحِيحُ أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِتَقْدِيرٍ لَازِمٍ، لِأَنَّ تَفَرُّقَ الْأَجْزَاءِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ حَالِ الْمَيِّتِ مِنَ السِّمَنِ وَالْهُزَالِ، وَبِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ مِنَ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ، وَبِاخْتِلَافِ الْمَكَانِ مِنَ الصَّلَابَةِ وَالرَّخَاوَةِ"(عنایہ:۲/۱۲۱)۔

۵-ب: فقہاء احناف کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے، اور حضور ﷺ نے نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ غائبانہ طور پر جو پڑھی تھی در حقیقت اس میں تمام حجابات اٹھا دیئے گئے تھے، اور آپ ﷺ کے سامنے معجزہ کے طور پر نجاشی کا جنازہ کر دیا گیا تھا، تو ایسی صورت میں وہ غائبانہ نماز جنازہ نہ تھی، یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں بے شمار واقعات وفات پیش آئیں، بہت سے صحابۂ کرام کے شہادت و وفات کے واقعات ہوئے، مگر یہ ثابت نہیں ہے کہ ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی ہو، خلفائے راشدین کے عہد میں بھی غائبانہ نماز جنازہ کا معمول کہیں منقول نہیں ملتا، نیز علامہ شامی نے ایک مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ڈوب کر مر جائے اور اس کی لاش نہیں ملی تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، چنانچہ جہاں پر انہوں نے میت کو بغیر نماز کے دفن کے متعلق بحث کی ہے اس کے ضمن میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے:

"يَنبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي حُكْمِ مَنْ دُفِنَ بِلَا صَلَاةٍ مَنْ تَرَدَّى فِي نَحْوِ بِئْرٍ أَوْ وَقَعَ عَلَيْهِ بُنْيَانٌ وَلَمْ يُمْكِنْ إِخْرَاجُهُ بِخِلَافِ مَا لَوْ غَرِقَ فِي بَحْرٍ لِعَدَمِ تَحَقُّقِ وُجُودِهِ أَمَامَ الْمُصَلِّي" (شامی: ۲/ ۲۲۴)۔

لہٰذا سوال میں ذکر کی گئی صورت میں کورونا میں وفات پانے والے کے متعلق اگر قبرستان اور قبر کا کوئی علم نہ ہو سکے تو بھی اس کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؛ کیونکہ اگر میت کی قبر وغیرہ کے پتہ نہ ہونے کی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی گنجائش ہوتی تو ڈوبنے والے مسئلہ میں ضرور گنجائش دی جاتی حالانکہ اس صورت میں بھی گنجائش نہیں دی گئی۔

☆☆☆

کرونا سے متعلق چند فقہی مسائل

ڈاکٹر سیّد اسرار الحق سبیلی ☆

۱-(الف) کورونا کے ماحول میں جماعتِ ثانیہ:

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عام حالات میں بھی محلّہ کی مسجد میں بغیر دوسری اذان واقامت کے جماعتِ ثانیہ کی اجازت ہے، تو کورونا کے ماحول میں جہاں لوگوں کی بھیڑ کو کم سے کم کرنے کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، ایک ہی مسجد میں بغیر دوسری اذان واقامت کے جماعتِ ثانیہ کی اجازت بدرجۂ اولیٰ دی جا سکتی ہے، جیسا کہ ''فتاویٰ عالم گیری'' میں ہے:

''المسجد اذا كان له امام و جماعة معلومة فی محله فصلى اهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير اذان يباح إجماعا وكذا فی مسجد قارعة الطريق'' (الفتاویٰ الھندیۃ:۱/ ۸۳، المکتبۃ الشاملۃ)۔

جس محلّہ کی مسجد کا امام اور جماعت میں شریک ہونے والے افراد معلوم ومتعین ہوں، اور محلّہ والوں نے جماعت سے نماز پڑھ لی ہو، تو اس مسجد میں دوسری اذان کے ساتھ دوسری جماعت قائم کرنا جائز نہیں ہے، البتہ جب بغیر اذان کے دوسری جماعت قائم کی گئی ہو تو بالاتفاق مباح ہے، یہی حکم شاہ راہ کی مسجد کا ہے۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ اس سلسلہ میں مزید وضاحت سے بیان فرماتے ہیں: **''ومنها حكم تكرارها فی مسجد واحدففی المجمع: ولا نكررها فی مسجد محلةباذان ثان، وفی المجتبیٰ: ويكره تكرارهافی مسجد بأذان وإقامة۔وعن ابی يوسف إنما يكره تكرارهابقوم كثير، أما إذا صلى واحد بواحد واثنين فلا بأس به، وعنه لا بأس به مطلقاً إذا صلى فی غير مقام الامام''** (البحر الرائق:۱/ ۳۶۷)۔

اور ان ہی میں سے ایک مسجد میں مکرر جماعت کا حکم ہے، چنانچہ ''مجمع الانھر''، میں ہے کہ ہم محلّہ کی مسجد میں دوسری

☆ اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج سِدّی پیٹ۔502103 تلنگانہ۔

اذان کے ساتھ مکرر جماعت کی اجازت نہیں دیں گے، ''مجتبیٰ'' میں ہے کہ ایک ہی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ دوسری جماعت مکروہ ہے، امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ زیادہ لوگوں کے ساتھ مکرر جماعت مکروہ ہے، البتہ ایک دو آدمیوں کے ساتھ پڑھنے کوئی حرج نہیں، اوران ہی سے منقول ہے کہ جب امام کی جگہ چھوڑ کر مکرر جماعت کی جائے تو اس میں مطلق کوئی حرج نہیں ہے۔

ب۔ایک ہی مسجد میں متعدد نمازِ جمعہ:

چوں کہ فقہاء نے جماعتِ ثانیہ کی اجازت دی ہے، اور بڑے شہروں میں نمازیوں کے ازدحام اور مساجد کی تنگ دامانی کی وجہ سے تکرارِ جماعت کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ جمعہ کی نماز کی اجازت دی جاسکتی ہے، البتہ چوں کہ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لئے خطبہ شرط ہے، اس لئے اذانِ ثانیہ، خطبہ اور اقامت کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی جائے گی، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے: **"وعنه لابأس به مطلقاً اذا صلى في غير مقام الامام"** (البحر الرائق: ۱/۳۶۷)۔

۲-چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا حکم:

مسجد میں ایک جماعت پر اکتفا کرتے ہوئے یا مزید دو ایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازیوں کے لئے محلّہ کے مکانات میں جمعہ کے علاوہ دوسری نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ با جماعت نماز پڑھنے میں ستائیس گنا زیادہ ثواب ہے، البتہ گھروں میں یا بڑی عمارت میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنا مکروہ ہوگا، جیسا کہ ''مراقی الفلاح'' میں ہے:

"والخامس من شروط صحة الجمعة"الإذن العام"كذا في الكنز،لأنها من شعائر الاسلام و خصائص الدين،فلزم اقامتها علىٰ سبيل الاشتهار والعموم،حتى غلق الامام باب قصره او المحل الذى يصلى فيه بأصحابه لم يجز،وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت،ولكن لم يقض حق المسجد الجامع فيكره" (مراقی الفلاح: ۱/۱۹۴)۔

جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی پانچویں شرط ''عام اجازت'' کا ہونا ہے، جیسا کہ ''کنز الدقائق'' میں ہے، اس لئے کہ یہ اسلام کے شعائر اور دین کی خصوصیات میں سے ہے، لہٰذا اعلانِ عام کے طور پر اس کو قائم کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ حاکم اپنے محل کا دروازہ بند کردے جہاں وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھارہا ہو تو یہ جائز نہیں ہے، اور اگر محل میں عوام کو داخل ہونے کی اجازت ہو تو جمعہ کی نماز درست ہوگی، لیکن جامع مسجد کا حق ادا نہیں ہوگا، اس لئے مکروہ ہوگا۔

۳- جمعہ کے دن گھروں میں نمازِ ظہر:

لاک ڈاون کے دنوں میں مسجد میں صرف چار پانچ افراد کو جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے، بقیہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے ہیں، عام دنوں میں تو وہ پنج وقتہ نماز جماعت سے ادا کر سکتے ہیں، لیکن جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہوگا، ان کے لئے ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ صاحبِ مراقی الفلاح لکھتے ہیں:

" وكره للمعذور كمريض ورقيق ومسافر والمسجون اداء الظهر بجماعة فى المصريومها" أى يوم الجمعه،يرویٰ ذلک عن على رضى الله عنه" (مراقی الفلاح:۱/۱۹۹)۔

معذور جیسے مریض، غلام، مسافر اور قیدی کے لئے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ سیدنا علیؓ سے منقول ہے۔

علامہ طحطاوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **" اداء الظهر بجماعة،،سواء كان قبل الجمعة او بعدها،وانما قيّد بالمعذور ليعلم حكم غيره بالأولیٰ۔ووجه الكراهة إنها تفضى الىٰ تقليل جماعة الجمعة،لانه ربماتطرق غير المعذور للاقتداء بالمعذور،ولان فيه صورة المعارضة باقامة غيرها"** (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۱/۵۲۲)۔

ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا خواہ جمعہ سے قبل ہو یا جمعہ کے بعد مکروہ ہے، معذور کا حکم خاص طور پر اس لئے بیان کیا گیا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ غیر معذور کے لئے بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہوگا، کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے جمعہ کی جماعت میں کمی ہو سکتی ہے، کیونکہ بسا اوقات غیر معذور شخص بھی معذور کے پیچھے نماز کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے، اور اس بنا پر بھی کہ اس میں جمعہ کی نماز سے مقابلہ کی شباہت ہوتی ہے۔

۴- کورونا کے میت کی تکفین اور غسل:

اگر کرونا کے میّت کو مخصوص غلاف میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے اور غلاف کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو ایسی صورت میں اسی غلاف کو کفن کے حکم میں شمار کیا جا سکتا ہے، اور چونکہ میت کو تین کپڑوں میں کفن دینا مسنون ہے، اس لئے غلاف کو شمار کرتے ہوئے تین کی تعداد پوری کرنا بہتر ہوگا، اور ایسے میت کو اگر غسل یا تیمّم کرانا ممکن نہ ہو اور غلاف کھول کر غسل یا تیمّم کرانے کی صورت میں دوسرے صحت مند لوگوں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو تو مسح علی الجبیرہ پر قیاس کرتے ہوئے بغیر غسل و تیمّم کے کور کے اوپر کفن کے کپڑوں میں لپیٹ کر دفن کیا جا سکتا ہے۔

فقہاء نے شہیدِ جنگ کے علاوہ تمام میتوں کے لئے غسل کو فرض قرار دیا ہے، اور غسل ممکن نہ ہو تو تیمّم کو ضروری قرار دیا ہے، غسل اور تیمّم کے بغیر میت کو دفن کرنے کا ذکر فقہاء کے یہاں نہیں ملتا ہے، البتہ فقہی قواعد سے اس سلسلہ میں روشنی ملتی ہے:

ا۔ "إذا تعارض مفسدتان روعی اعظمهما بارتكاب أخفهما"۔

۲۔"درء الفاسد أولیٰ من جلب المنافع"۔

"فاذا تعارضت مفسدة ومصلحةقدم المفسدة غالباً...ومن ذلک ماذکره البزازی فی فتاواه:ومن لم یجدسترة ترک الاستنجاء ولو علی شط نهر،لأن النهی راجح علی الامر....والمرأة إذا وجب علیهاالغسل ولم تجد سترة من الرجال تؤخره" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم :۱/۷۸)۔

ا۔ جب دو خرابیاں آپس میں مدمقابل ہوں تو ان میں سے سب سے ہلکی خرابی کو اختیار کرتے ہوئے بڑی خرابی کو دور کیا جائے گا۔

۲۔نقصان کو دور کرنا فائدے حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

لہذا جب نقصان اور فائدے کی باتوں میں ٹکراؤ ہو تو عام طور پر نقصان کو دور کرنا مقدّم ہوگا، اسی بنا پر علامہ بزازی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص کو پردہ کی جگہ میسر نہ ہو تو وہ طہارت لینا چھوڑ دے، اگر چہ کہ وہ نہر کے کنارے ہو- اور جب کسی عورت پر غسل واجب ہو اور اسے مردوں سے پردہ کرنے کی جگہ نہ ملے تو غسل کو مؤخر کردے۔

۵-(الف) قبر پر نمازِ جنازہ کا حکم:

بعض مرتبہ طبّی عملہ کورونا کے میت کو خود قبرستان لے جا کر دفن کر دیتا ہے اور متعلقین کے حوالہ نہیں کرتا، بلکہ بعض اوقات تدفین کی خبر دیتا ہے اور جگہ بتا دیتا ہے، اور کبھی تو جگہ بھی نہیں بتاتا، تو اگر قبرستان و قبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہو جائے، یا میت کو حوالہ کردے مگر دفن کے علاوہ غسل و نماز کا موقع نہ دے تو ایسی صورت میں حنفیہ کے مطابق میت کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا کرنے کی گنجائش اس وقت تک ہوگی جب تک کہ لاش پھول کر پھٹ نہ جائے، علامہ ابنِ نجیم لکھتے ہیں:

"ولاتصح علی من لم یغسل،لانه له حکم الامام من وجه لا من کل وجه،وهذاالشرط عند الامکان، فلودفن بلا غسل ولم یمکن اخراجه الا بالنبش صلی علی قبره بلا غسل للضرورة" (البحر الرائق:۲/۱۹۳)۔

جس میت کو غسل نہ دیا گیا ہو اس کی نمازِ جنازہ درست نہیں ہے، کیوں کہ بعض اعتبار سے نہ کہ کلی اعتبار سے میت کی حیثیت امام کی ہے، اور یہ شرط بقدرِ امکان ہے، تو اگر بغیر غسل دیئے میت کو دفن کر دیا گیا ہو، اور بغیر قبر کھولے میت کو نکالنا ممکن

نہ ہوتو بغیر غسل کے میت کی قبر پر ضرورۃً نماز پڑھی جائے گی۔

علامہ ابن نجیم مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"**فان دفن بلا صلاة صلى على قبره ما لم يتفسخ،لأن النبى ﷺ صلى على قبرامرأة من الأنصار،أطلقه فشمل ما إذا كان مدفونا بعد الغسل أو قبله كما قدمناه،وهو رواية ابن سماعة عن محمد...وقيده بعدم التفسخ؛لانه لا يصلى بعد التفسخ**"(البحرالرائق:۲/ ۱۹٦)۔

تو اگر میت کو بغیر نماز پڑھے دفن کر دیا گیا ہوتو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی تا آں کہ لاش پھٹی نہ ہو، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے انصار کی ایک عورت کی قبر پر نماز پڑھی ہے،آپ ﷺ کا یہ عمل مطلق ہے،لہذا غسل کے بعد یا غسل سے پہلے دونوں کو شامل ہوگا،جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے،اور ابنِ سماعہ نے امام محمدؒ سے یہی نقل کیا ہے،اور لاش نہ پھٹنے کی قید اس لئے ہے کہ لاش پھٹ جانے کے بعد نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔

البتہ حنابلہ کے نزدیک وفات سے ایک مہینہ تک قبر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی،اس کے بعد نہیں:"**تتوقت الصلاة على الغائب عند الحنابلةبشهر كالصلاة على القبر**"(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۲/ ۱۵۳۲)۔

اسی طرح شیخ ابو مالک کمال بن سید سالم نے قبر نماز پڑھنے کو راجح اور دلائل سے ثابت شدہ قرار دیا ہے:

"**الراجح:الأدلةثابتة فى الصلاة على القبر ثبوتاً لايقابل بغير القبول،فامل فيمن لم يصل عليه فالأمرأوضح من أن يخفى ،ولا تزال الصلاة مشروعة عليه ماعلم الناس أنه لم يصل عليه احد**" (صحیح فقہ السنۃ وادلتہ وتوضیح مذاہب الاربعۃ:۱/ ٦۵۲)۔

ترجیح: قبر پر نماز پڑھنے کا مسئلہ ایسی دلائل سے ثابت ہے جنھیں قبول کئے بغیر چارہ نہیں ہے،جس میت کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی ہو اس کے بارے میں غور کریں، کیونکہ حکم بالکل واضح ہے،اور قبر پر نماز پڑھنے کا عمل برابر مشروع رہا ہے،جبکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ میت پر کسی نے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی ہے۔

ب-کورونا کے میت پر غائبانہ نمازِ جنازہ:

حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک عام حالات میں غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے،لیکن اگر کرونا کے میت کی تدفین طبّی عملہ کے ذریعہ عمل میں آئی ہو،اور انہوں نے میّت کی قبر اور قبرستان کی نشان دہی نہ کی ہوتو اس مخصوص صورت میں غائبانہ نمازِ جنازہ کی اجازت دی جاسکتی ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حبش کے بادشاہ نجاشی کی نمازِ جنازہ باجماعت پڑھی ہے، دوسرے ائمہ اس سے استدلال کرتے ہوئے عام اجازت دیتے ہیں، جب کہ حنفیہ و مالکیہ اسے مخصوص واقعہ قرار دیتے ہیں کہ نجاشی کی

موت حالتِ اسلام پر ہوئی تھی، اور اس کی رعایا عیسائی تھی اور اس کی مملکت میں اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی، اس پسِ منظر میں کہ کورونا کے میت کی بھی بغیر نمازِ جنازہ پڑھے طبی عملہ نے تدفین کردی ہو، اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے، سید سابق لکھتے ہیں:

"قال ابن حزم:ویصلی المیت الغائب بإمام و جماعة،وقد صلی رسول الله ﷺ علی النجاشی رضی الله عنه ومات بارض الحبشة،وصلی معه اصحابه صفوفاً،وهذا إجماع منهم لا یجوز تعدیه،وخالف فی ذلک أبو حنیفة ومالک،ولیس لهما حجة یمکن ان یعتد بها" (فقہ السنۃ: ۱/ ۵۳۵)۔

ابن حزمؒ نے کہا: غائب میت پر امام اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشیؓ کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہے۔ جن کا انتقال حبشہ کی سرزمین میں ہوا، آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے اصحاب نے صف بستہ ہوکر نماز پڑھی۔ اس پر ان کا اجماع ہے، اس سے انحراف جائز نہیں، اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔

ڈاکٹر شیخ وہبہ زحیلیؒ کے مطابق جنابلہ کے نزدیک وفات سے ایک مہینہ کے اندر ہی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی گنجائش ہوگی، اس کے بعد نہیں:

"تتوقف الصلاة علی الغائب عند الحنابلة بشهر کالصلاة علی القبر؛لأنه لایعلم بقاء ه من غیر تلاش أکثر من ذلک" (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۲/ ۱۵۳۲)۔

حنابلہ کے نزدیک ایک ماہ تک غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی تحدید کی گئی ہے، جیسا کہ قبر پر نماز پڑھنے کا حکم ہے، کیوں کہ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک کھوجے بغیر اس کا باقی رہنا یقینی نہیں ہے۔

☆☆☆

کرونا کے مسائل

مفتی محمد معزالدین قاسمی☆

جمعہ کی نماز ادا کرنے کی تین شکلیں سوال نامہ میں ذکر کی گئی ہیں، پہلی صورت یہ بیان کی گئی کہ ایک مسجد میں کئی جماعتیں کی جائیں، اور جو لوگ جماعت سے رہ جائیں وہ اپنے اپنے گھروں میں ظہر بغیر جماعت کے ادا کریں، لیکن اس صورت کو لاک ڈاؤن میں اختیار کرنا کسی بھی اعتبار سے ممکن العمل نہیں ہوسکا، چونکہ حکومت کی طرف سے جو گائڈ لائن دی گئی تھی اس میں تمام مساجد میں امام ومؤذن کے علاوہ بڑی مشکل سے دو یا تین افراد کی اجازت تھی، ظاہر ہے کہ یہی پابندی جمعہ کے دن بھی برقرار رہی، لہذا ایسی صورت میں مساجد میں کئی جماعتوں کے کرنے کی عملا کوئی صورت نہیں ہوسکی۔

نیز اس صورت میں لوگوں کے بھیڑ کرنے اور ایک جگہ جمع ہونے کی صورت بنتی ہے، جبکہ حکومت بھیڑ کرنے اور ایک جگہ جمع ہونے کو کسی صورت میں برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی، اور خاص بات یہ بھی ہے کہ لاک ڈاؤن کے علاوہ عام حالات میں بھی مساجد سے باہر نماز جمعہ کے ادا کرنے پر بعض مقامات خاص طور پر مصروف ترین شہروں میں یہ مسئلہ خود قابل اعتراض بنا، اس کو عنوان بنا کر بعض فرقہ پرست عناصر نے اس کے خلاف آواز اٹھائی، لہذا مساجد میں تعدد جماعت کی شکل عملا لاک ڈاؤن میں کسی بھی اعتبار سے ممکن نہیں ہوسکی، اور شرا اس کو اختیار کرنا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے۔

دوسری صورت جو سوالنامہ میں ذکر کی گئی ہے کہ پابندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے مسجد میں ایک جماعت کر لی جائے اور بقیہ لوگوں کے لئے محلے کے چند مکانوں میں نماز ظہر کا نظم کیا جائے اس طور پر کہ اطراف کے گھروں کے لوگوں کو ان کے گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے، جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب شامی میں ذکر کیا گیا ہے جس کو ''الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید'' میں ذکر کیا گیا ہے: **''ویشترط أن تؤدی فی مکان عام یسع بدکوله لجمیع الناس؛ لأنها من شرائط الإسلام وخصائص الدین''** (۳۱۹/۱)۔

یہ صورت ان حالات کے اعتبار سے عملاً ایسر ہے اور کسی معنی کر اس صورت میں نماز جمعہ کے تمام نہیں تو اکثر لوگوں

☆ امیر شریعت مرہٹوارہ اورنگ آباد، مہاراشٹرا۔

کے جمعہ ادا کرنے کی صورت بنتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ یہ عمل معمول کے خلاف ہے تو لاک ڈاؤن میں کونسی ایسی بات ہے جو معمول کے مطابق انجام دی جاری ہے پوری زندگی کے اعمال معمول کے خلاف انجام دیئے جارہے ہیں، لہذا یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ اس سے تشتت پیدا ہوگا اور لوگ اس کو آئندہ کے لئے معمول بنالیں گے، یہ بات بھی کوئی قرینہ قیاس معلوم نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ تشتت جمعہ کے لئے، اور ایک مقام (جگہ پر) کئی جمعہ کی نمازوں کے ادا کرنے کی صورتیں عام حالات میں بھی پائی جاتی ہیں، لہذا تمام لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ ہم نے ان حالات میں بھی جمعہ کی نماز ادا کی اب یہ کہ افراد کچھ کم تھے ظاہر ہے کہ یہ بات تو سب کے ذہنوں میں لاک ڈاؤن کی وجہ سے تمام ہی چیزوں میں غیر شعوری طور پر پہلے ہی سے بیٹھی ہوئی ہے، اور یہ چیز بھی فقہ حنفی میں موجود ہے کہ نماز جمعہ جماعت کے ساتھ پڑھی جائے، اور جماعت کے لئے کم سے کم تعداد امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ہے۔

"ولا یؤدی صلوة الجمعة إلا بجماعة اقلها ثلاثة رجال سوی الإمام؛ لأن طلب الحضور إلی الجمعة بلفظ الجمع،(فاسعوا) فلزم ان یکون مع الامام جمع"(ردالمحتار ۱/ ۵۴۵، الفقہ الحنفی ۱/ ۳۱۹)۔

اب رہی یہ بات کہ لوگ اس کو آئندہ کے لئے معمول بنالیں گے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے عام حالات میں ادنی سے ادنی ایمانی حالت رکھنے والا شخص بھی جمعہ کے دن کسی گھر میں اس قسم کی شکل میں جمعہ ادا کرنے کو روا نہیں سمجھے گا اور نہ ہی اس کو اختیار کرے گا، لہذا اسی صورت کو اختیار کرنا فقہ حنفی کے لحاظ سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح تیسری صورت جو ذکر کی گئی جس میں قانونی پابندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے مسجد میں ایک جماعت جمعہ ادا کرلی جائے اور جو لوگ رہ جائیں وہ اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز بلا جماعت کے ادا کریں ظاہر ہے کہ جمعہ کے قائم کرنے میں جو حکمتیں ذکر کی گئی ہیں اس کے خلاف ہے اس صورت مین جمعہ اور عام نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا، بلکہ عام نمازوں میں تو ظہر جماعت سے پڑھی جارہی تھی اور جمعہ کے دن ظہر کی نماز بلا جماعت پڑھی جائے گی، لہذا یہ صورت جمعہ کے دن مناسب نہیں ہے۔

اب رہا تجہیز وتکفین کا مسئلہ تو اس میں یہ بات واضح ہے کہ جب میت کو ورثاء کے حوالہ کردیا جائے تو مسنون طریقہ کے مطابق غسل بھی دیا جائے اور کفن بھی دیا جائے، البتہ ایسی صورت میں جب میت کو کسی مخصوص کور میں لپیٹ دیا جائے اور کرونا کی وجہ سے اسے کھولنے کی اجازت بھی نہ دی جائے، بلکہ اسے ہاتھ لگانے اور اس کے قریب آنے سے بھی روکا جائے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اسی کور کو کفن سمجھا جائے اور اگر ہاتھ لگانے کی اجازت دی گئی ہو تو اس کور کے اوپر کفن لپیٹ

دیا جائے یہ سب صورتیں ان مخصوص حالات کی ہیں جن کہ کرونا کی وجہ سے گورنمنٹ کے کارندے حد درجہ احتیاط برتنے پر مصر ہوں، اوران حالات میں ہمیں بھی جتنا ہوسکتا ہے اور شرعی گنجائشوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر عمل کر سکتے ہیں، کرنا چاہئے اسی طرح غسل میت کے بارے میں بھی ان تمام صورتوں میں جن میں میت کو کور میں لپیٹ کر دے دیا گیا ہو اور اس کو کھولنے کی اجازت نہ ہو، نہ ہاتھ باہر نکال سکتے ہیں نہ چہرہ، تو ایسی حالت میں میت کو غسل نہ دیا جائے ان صورتوں میں غسل ساقط ہوجائے گا، اس جگہ ہمیں فقہاء کرام کی اس صراحت سے کام لینا چاہئے جس میں غسل میت اور کفن میت کے احترام کے پیش نظر ہے، خاص طور پر غسل جنابت (ناپاکی) کا غسل نہیں ہے کہ اگر کسی صورت میں میت کو غسل نہ دیا گیا ہو تو میت کو ناپاک دفن ہونے کی وجہ سے گناہ ہوگا بلکہ یہ غسل وکفن احترام انسانیت کے پیش نظر ہے جیسا کہ فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے: ''**فيجب نظيره بالغسل شرعاكرامة له وشرفا صححه في الكافي ونسبه في البدائع إلى عامة المشائخ قال في فتح القدير وقدوري في حديث أبي هريرة: سبحان الله أن الميت لا ينجس حيا ولا ميتا**'' (رواه البخاري، البحر الرائق ۳/۳۰۷)، نیز غسل میت اس صورت میں ممکن نہیں ہے اور غسل میت اس صورت میں لازم ہوتا ہے جبکہ ممکن ہو، ''**وشرطها اسلام الميت وطهارته مادام الغسل ممكنا**'' (فتاوی ہندیہ ۲/۳۹۲)۔

اب میت کے دفن کے بارے میں جو مختلف صورتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے طبی عملہ اگر میت کو حوالہ نہ کرے، بلکہ خود لے جا کر دفن کردے یا حوالے کرے، لیکن کچھ کرنے کی اجازت نہ دے، البتہ جگہ متعین ہو تو اس صورت میں قبر پر نماز جنازہ ادا کرلیں، لیکن اس کے لئے شرط...... کے اندر ہو، ایک مرتبہ پڑھی جائے بار بار نہ پڑھیں۔ ''**إذا دفن قبل ان يغسل ويصلى عليه يصلى على قبره؛ لأنه صار تعذر غسله**'' (فتاوی الولوالجیہ ۱/۱۵۵)۔

البتہ ایسی صورت کہ طبی عملہ میت کسی قبرستان میں دفن کئے جانے کی اطلاع تو دے، لیکن قبر کا تعین نہ کرے اور نہ ہی کسی اور ذریعہ سے قبر کی تعین ہو تو اس صورت میں نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جائے، اس لئے کہ ہمارے پاس فقہاء احناف نے نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لئے میت کا حاضر ہونا شرط بتلایا ہے، ''**ومن الشروط حضور الميت ووضعه وكونه أمام المصلي، فلا تصح على الغائب...... كذا في النهر الفائق**'' (فتاوی ہندیہ ۲/۳۹۹)۔

☆☆☆

کرونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم سوالات کے مدلل جوابات

مفتی صالح الزماں قاسمی ازہری☆

ا- الف: سوال کی تمہید میں مسجد واحد میں تعدد جمعہ و جماعات کے تعلق سے ممانعت (کراہت تحریمی) کی جوبات فقہ حنفی کی روشنی میں رکھی گئی ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے اور عمومی حالات میں وہی معمول بہا ہے، اس لئے تکرار و تعدد کی گنجائش نہیں ہوگی۔

"ویکره تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة/الدر-وفی الرد:قوله"ویکره"ای: تحریما لقول الکافی لایجوز، والمجمع لایباح، وشرح الجامع الصغیر أنه بدعة کما فی رسالة السندی"(۲/۲۸۸، زکریا دیوبند)۔

"وقدمنا فی باب الاذان......وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة، کذا فی البزازیة وفی التاتارخانیه عن الولوالجیة"(ردالمحتار ۲/۲۹۸)۔

"......وقد علمت ان تکرارهامکروه فی ظاهر الروایة"(ردالمحتار ۶/۵۲)۔

لیکن کرونا اس جیسی دوسری وبائی بیماری کے موقع پر مختلف مقامات و مکانات میں جمعہ و جماعات کی پابندیوں کے وقت بوجہ مجبوری مسجد واحد میں ایک سے زائد جمعہ وعیدین کی جماعت کی اجازت ہونی چاہئے، اور فقہاء احناف خاص کر ہمارے ائمہ ثلاثہ میں سے اگر کسی کے قول سے اس اضطراری حالت میں حکم خاص کی تائید ہوجائے تو مسئلہ میں اور زیادہ تقویت پیدا ہوجاتی ہے، چنانچہ دریں صورت تکرار جماعت کے جواز پر امام ثانی حضرت امام ابویوسفؒ کے قول مجیز سے استمداد موزوں رہے گا، نیز اس کی وجہ سے اس حکم خاص کی بناء پر خروج مذہب سے بھی احتراز رہے گا۔

لہذا اس طرح کی اضطراری و شدید مجبوری کی حالت کے اندر مسجد واحد میں تکرار جماعت کی اجازت ہونی چاہئے اور یہ عین حکمت بھی ہے، لیکن کچھ شرائط کے ساتھ مثلاً پہلی جماعت کے علاوہ جتنی جماعتیں مسجد واحد میں ہوں وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہیئت اولی پر نہ ہوں، اور پہلی کے علاوہ اور جماعتیں اگر محراب سے ہٹ کر الگ الگ جگہوں پر ہوں تو اس

☆ استاذ جامعہ اشرف العلوم محمود آباد، کیندراپاڑہ، اوڈیشا۔

پر بھی ہیئت اولی پر نہ ہونا صادق آتا ہے۔

"وعن أبی یوسف:إذا لم تکن علی الهیئة الأولی لا تکره، وإلاتکره وهو الصحیح" (ردالمحتار۶/۵۲)۔

اسی طرح ہر جماعت کے ائمہ الگ الگ ہوں، نیز اذان صرف جماعت اولی کے وقت دی جائے، اور دوسری جماعتوں کے وقت صرف اقامت پر اکتفا کیا جائے۔

"أما إذا صلوا بغیر أذان یباح إجماعا"(الفتاوی العالمگیریہ ۱/۱۴۰)۔

ب-جیسا کہ ''الف'' کے تحت یہ بات آچکی ہے کہ عمومی حالات میں مسجد واحد میں تعدد جمعہ و جماعت کی اجازت نہیں ہے کیونکہ کچھ ائمہ نے اسے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے تو کچھ نے ناجائز اور کچھ نے بدعت،(کما مرذکرہ آنفا) چنانچہ ان اقوال سے مسئلہ کی سنگینی کا پتہ چلتا ہے اس لئے کرونا اور اس طرح کے دوسرے وبائی امراض کے وقت متعدد جتنا اقامت جمعہ پر ہلکی پابندیوں یا کوئی دوسری اضطراری شکل کے درآنے کے وقت تو مکان واحد و مسجد واحد میں تکرار جماعت کی گنجائش ہوگی، باقی عمومی حالت میں نہیں، لہذا جن علاقوں میں آبادی کی کثرت کی بنا پر مسجد واحد میں تمام لوگ کی ایک دفعہ میں گنجائش نہ ہو، وہاں مسلمان مختلف نئی نئی مساجد کی تعمیر کی فکر اوڑھیں، ورنہ کم از کم دین اسلام کے اتنے عظیم شعار کو بلا کراہت انجام دینے کے لئے کسی میدان یا بڑے ہال، یا پارکنگ کا شہر یا علاقے کے مختلف مقامات میں نظم کریں، اور ایسا کرنے میں کسی طرح کی دشواری کا سامنا بھی نہیں کرنا ہوگا، اور مسجد واحد میں تکرار جماعت کی کراہت و ناپسندیدگی سے بھی احتراز ہوجائے گا، مزید برآں! بقول امام سرخسیؒ احناف کا راجح مذہب یہ ہے کہ جہاں میں صحت جمعہ کے شرائط موجود ہوں وہاں ایک سے زائد جمعہ کی کئی جماعتیں بلا کراہت کی جاسکتی ہیں۔

"وتؤدی الجمعة فی مصرواحد فی مواضع کثیرة، هو قول أبی حنیفة ومحمدؒ وهو الاصح، وذکر الامام السرخسی انه الصحیح من مذهب ابی حنیفةؒ، وبه ناخذ، وهکذا فی البحر الرائق"(فتاوی العالمگیریہ ۲۰/۵۱،وتؤدی فی مصرواحد بمواضع کثیرة مطلقا علی المذهب/الدر)۔

"وفی الرد:قوله"علی المذهب" فقد ذکر الإمام السرخسی أن الصحیح من مذهب ابی حنیفة جواز إقامتها فی مصرواحد فی مسجدین وأکثر، وبه نأخذ لاطلاق 'لاجمعة الا فی مصر' شرط المصر فقط، وبما ذکرنا اندفع ما فی البدائع من ان ظاهر الروایة جوازها موضعین، لافی اکثر وعلیه الاعتماد، فإن المذهب الجواز مطلقا"(بحر/۱/۵۳-۱۶)۔

”......وعلی الروایة المختارة عند السرخسی وغیره من جوازتعددها“(فتح القدیر ۲/ ۶۲ دارالکتب العلمیۃ)۔

نیز صحت جمعہ کے لئے مسجد ہونا بھی شرط نہیں، بلکہ کسی بھی بڑے میدان، ہال، کمرہ وغیرہ کا بھی اس کے لئے کافی ہے، الغرض! اتنی سہولیات وفراوانی کے باوجود سخت مجبوری حالت کے علاوہ مسجد واحد میں تکرار کی اجازت دینا دراصل قوم و ملت کو شتر بے مہار بنانے کے مترادف ہے۔

نیز مجبوری کی شکل کے علاوہ عمومی حالات میں جہاں اسے اداء کرنے کے اور بھی بے شمار بے غبار طریقے ہوں، انہیں نہ اپنا کر تکرار جماعت کی اجازت دینے میں بظاہر ابتداءً تو تقلیل جماعت کا خدشہ نہیں ہے، لیکن مآلاً یہ تقلیل کا کافی بڑا سبب ہوگا، اور رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے اجتماعیت اور کثرت اسی طرح جماعت اولی میں شرکت کے لئے سبقت کی اہمیت کم ہوتی جائے گی، کیونکہ ہر کوئی اس چکر میں رہے گا ابھی تو وقت باقی ہے، پہلی میں شرکت نہ ہوسکے تو کیا ہوا دوسری تیسری میں جماعت مل ہی جائے گی، اور امور دینیہ میں عوام کے اندر جو سستی و بے راہ روی و بے رغبتی ہے اس تکرار کی گنجائش دینے سے ان میں بجائے سدھار کے معاملہ اور بگڑ جائے گا، اسی طرح کے خطرات کے درآنے کا علامہ کاسانیؒ وعلامہ شامیؒ نے بھی خدشہ ظاہر کیا ہے۔

”ولأن فی الاطلاق هكذا تقليل الجماعة، معنى، فإنهم لايجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم“(شامی ۲/ ۲۸۹)۔

”ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يستعجلون، فتكثر الجماعة، وإذا علموا انها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه“(بدائع الصنائع ۱/ ۳۸۰ زکریا)۔

جبکہ مسجد واحد کے علاوہ دوسری جگہوں میں جماعت ثانیہ وثالثہ کرنے سے تقلیل جماعت خطرہ نہیں ہے، کیونکہ دوسری یا تیسری جماعتیں کہاں ہورہی ہیں، کتنے فاصلے پر ہورہی ہیں قریب ہیں کے دور؟ ان سب چیزوں کی بناء پر جماعت اولی کی اہمیت وقعت اپنی جگہ برقرار رہے گی، دوسری جماعتوں کی وجہ سے اس میں کسی بھی طرح کی خفت پیدا نہ ہوگی۔

۲- اگر بات عمومی حالت کی ہو تو اس میں مسجد واحد کے اندر تکرار جمعہ کی اجازت نہ ہونا معلوم ومصرح ہے کمامر، اور اگر بات کرونا یا اس جیسے کسی وبائی مرض کے درپیش ہونے کے وقت سرکاری پابندی کی بنا پر مختلف مقامات میں اقامت جمعہ میں دشواری لاحق ہوتی ہو تو جیسا کہ سوال اول کے جواب میں کہا گیا کہ ہیئت اولی سے ہٹ کر دیگر شرائط کی مکمل رعایت کرتے

ہوئے مسجد واحد میں دوسری تیسری جماعتیں کی جاسکتی ہیں، اور اگر اس طرح کی شدید مجبوری کی حالت میں بھی مسجد سے بھیڑ بھاڑ کم کرنے کے لئے مسجد واحد میں ایک دو جماعت جمعہ پر اکتفاء کرتے ہوئے علاقے و محلے کے مختلف مکانات میں خفیہ طریقہ پر چند چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظم کیا جاسکتا ہو تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اگر بسہولت اس طرح کا نظم ممکن ہو تو مسجد واحد میں تکرار جماعت کی مجبوری نہ رہے گی، اور جہاں تک اس طرح کے نظام سے تشتت اور آئندہ اسے معمول بنانے کے خطرہ کی بات ہے تو یہ "احتمال نا شئ من غیر دلیل" کی قبیل سے ہے، کیونکہ ہر کس و ناکس کو اتنی تو ضرور سمجھ ہے مساجد سے دور گھر گھر میں جمعہ کی جماعتیں قائم کرنا خوشی سے نہیں، بلکہ شدید مجبوری کی وجہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ سال بھر لاک ڈاؤن کے زمانے میں مساجد سے دور گھروں میں جمعہ و جماعت کے کرنے کے باوجود بھی جب حالات سازگار ہوئے تو لوگوں میں وہی اس وبائی مرض کے لاحق ہونے سے قبل کا جذبہ مزید جوش کے ساتھ واپس ہوا، اور مساجد کھلنے کے بعد کوئی بندہ اب تک ایسا نہیں ملا جو لاک ڈاؤن میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہونے والی کا حوالہ دے کر اب بھی مسجد سے الگ انہیں چھٹی جماعت سے جمعہ ادا کرتا ہو، اور سال بھر کا وقت کافی لمبا اور ایک حالت کے بدلنے کے لئے مجرب بھی ہوتا ہے اسی لئے تو وجوب زکات کے لئے حولان حول کی شرط لگائی گئی ہے، لہٰذا وہ تشتت کا اندیشہ ایک امر موہوم ہے اس کی وجہ سے اس کامیاب نظام کے نفاذ سے انحراف نہیں کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ اگر مسجد واحد میں تعدد جمعہ کے بجائے ایک ہی جماعت پر اکتفاء کیا جانا، اور دوسری چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا مختلف محلوں یا مکانات میں بسہولت انتظام کیا جانا ممکن ہو تو اسے ضرور اپنایا جائے، کیونکہ یہ نظام ہر اعتبار سے بہتر اور بے غبار ہے۔

۳- اگر ایسی صورت پیش آجائے تو جو لوگ پابندیوں کی وجہ سے رہ جائیں، مسجد میں جمعہ کی نماز ادا نہ کر سکیں تو اگر بسہولت ان کے لئے چار پانچ افراد پر مشتمل چھوٹی چھوٹی جمعہ کی جماعت کرنے کا نظم ہو سکے تو وہ جمعہ ہی ادا کریں، اور اگر یہ شکل نہ بن سکے مثلاً امام بروقت نہ مل پانے کا خطرہ ہو، یا سخت پابندیوں کی بنا پر چار پانچ افراد کا اجتماع قانونا مشکل ہو تو درایں صورت باقی ماندہ افراد اپنے اپنے گھروں میں تنہا تنہا بھی ظہر اداء کر سکتے ہیں، اور اہل خانہ کے ساتھ جماعت کر کے بھی ظہر ادا کر سکتے ہیں۔

باقی جن فقہی عبارتوں میں اس دن جماعت ظہر کی کراہت منقول ہے وہ دراصل اس وقت ہے جب اقامت جمعہ میں نہ کسی طرح کی پابندی ہو، اور نہ پریشانی، جیسا "العنایۃ" کے کراہت کی تعلیل یہ بیان کی گئی ہے: "ویکرہ أن یصلی......لما فیه من الإخلال بالجمعة، اذھی جامعة للجماعات" کہ مختلف جگہوں میں جمعہ قائم کرنے سے کوئی

امر مانع نہ ہونے کے باوجود جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنے میں جمعہ میں تقلیل جماعت اور عوام کے دلوں سے اس کی وقعت میں کمی آنے کی وجہ سے خلل پیدا ہوگا، اور معذورین کے ساتھ غیر معذورین بھی بہانے لگا کر شریک ہونے لگیں گے جو مشروعیت جمعہ کی مصلحت کے عین مخالف ہے، اس لئے عمومی حالت میں یہی معمول بہا ہے، لیکن اس طرح کی اضطراری ومجبوری کی شکل میں جب مساجد میں اقامت جمعہ کا معاملہ ہی خطرہ میں رہتا ہے تو وہاں تقلیل وتکثیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کراہت کا محل الگ ہے، اور خصوصی احوال کے احکام الگ ہوں گے، بریں بنا درایں صورت صرف اہل خانہ ساتھ اداء ظہر کی نہ صرف اجازت ہوگی بلکہ فضیلت جماعت کے حصول کے لئے ایسا کرنا مستحب ہوگا۔"**جامعة وذكر القدوری:یجمع باهله، ویصلی بهم یعنی وینال ثواب الجماعة**"(کذا فی الفتح،شامی ۲/۲۹۱)۔

"**وسيأتى فى الإمامة أن الأصح أنه لوجمع بأهله كايكره، وينال فضيلة الجماعة**" (شامی ۶/۵۲)۔

"**ويكره ان يصلى المعذورون الظهر بجماعة يوم الجمعة فى المصر……لما فيه من الاخلال بالجمعة، اذ هى جامعة للجماعات**"(العنایہ ۱/۴۲۷،دارالکتب العلمیہ)۔

"**ولنا:ماورى عبد الرحمن ابن ابى بكر عن أبيهؓ ان رسول اللهﷺ خرج من بيته ليصلح بين الانصار لتشاجر(جرى) بينهم، فرجع وقد صلى فى المسجد بجماعة فدخل رسول اللهﷺ فى منزل بعض أهله فجمع أهله فصلى بهم جماعة**"(بدائع الصنائع ۱/۳۷۹ طبع زکریا)۔

۴- اس سوال کی دوشقیں ہیں:۱-کرونا کے میت کو جس مخصوص کور میں لپیٹ کر اہل خانہ کو سپرد کیا جاتا ہے اگر اس کور کو قانونا بدلنے کی اجازت نہ ہو اور نہ ہی سرکاری عملہ اس کے لئے تیار ہو تو ایسی مجبوری کی شکل میں چونکہ وہ کور مکمل ساتر ہوتا ہے اس لئے وہی کور کفن کے حکم میں ہوجائے گا، کیونکہ حضرات فقہاء نے کفن کی تین قسمیں کی ہیں:

۱-کفن مسنون!مرد کے حق میں تین اور عورت کے حق میں پانچ کپڑے ہوتے ہیں، بحالت اختیار اس سے کم نہیں کرنا چاہئے۔

۲-کفن کفایہ!مرد کے حق میں دو اور عورت کے حق میں تین کپڑے، بحالت اختیار اس سے کم کرنا مکروہ وناپسندیدہ ہے،"**وقال فى البحر:قالوا:ويكره فى ثوب واحد حالة الاختيار، لأن فى حال حياته تجوز صلاته فى ثوب واحد مع الكراة**"(شامی/۳۹۸)۔

۳-کفن ضرورت!یہ مرد وعورت دونوں کے حق میں یکساں ہے، یعنی جتنا بھی میسر ہوجائے جس سے ستر جو

چھپایا جاسکے، خواہ وہ کپڑا پورے بدن کے لئے ساتر ہو یا نہ ہو، جیسا کہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت حمزہؓ کو بوقت ضرورت ایک ہی کپڑے میں دفن کیا گیا تھا، اور زیر بحث مسئلہ کے اندر نہ کفن مسنون پر قدرت ہے اور نہ کفن کفایہ پر، بلکہ دونوں سے انسان عاجز رہتا ہے اس لئے بحالت عجز یہاں کفن ضرورت پہنانے یا اسی کور کو کفن ضرورت ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں، لہٰذا اس کور کو کفن کے قائم مقام تسلیم کرلیا جائے گا۔

"لكن لايخفى ان كفن الضرورة مالايصار إليه إلا عند العجز، فلا يناسب تقييده بشيء، ولذا عبر المصنف بما يوجد، نعم مايعم البدن هو كفن الفرض كما صرح به فى شرح المنية، فيسقط الفرض عن الكملفين" (شامی ۹۸/۳)۔

"ويكره ان يكفن فى ثوب واحد، لأن حالة الحياة تجوز صلاته فى ثوب واحد مع الكراهة، فكذا بعد الموت يكره أن يكفن فيه الاعندالضرورة، بأن كان لايوجد غيره لما روى "ان مصعب بن عمير لما استشهد كفن فى نمرة، فكان إذا غطى بها رأسه بدت رجلاه، واذا غطى بها رجلاه بدا رأسه، فأمر النبى ﷺ أن يغطى بها رأسه، ويجعل على رجليه شيء من الاذخر' وكذا روى' ان حمزةؓ لما استشهد كفن فى ثوب واحد لم يوجد له غيره 'فدل على الجواز عند الضرورة" (بدائع ۳۸/۲)۔

"وفى الفتح: ويكره الاقتصار على ثوب واحد إلافى حالة الضرورة؛ لأن مصعب بن عميرؓ حين استشهد كفن فى ثوب واحد، وهذاكفن الضرورة" (۱۱۸/۲ دارالکتب العلمیہ)۔

۲- عموماً اس طرح وبائی مرض کی وجہ سے وبات پانے والے میت کو غسل وغیرہ دلانے کے لئے اہل خانہ کے سپرد نہیں کیا جاتا، باقی اگر کہیں سپرد کردیا جائے اور غسل دینے کا موقع مل جائے تو اس ہمہ ہمی میں گو غسل مسنون ضروری نہیں ہوگا، البتہ نفس غسل دینا تو بہر حال ضروری ہوگا، اور اگر غسل دلانے کی اجازت نہ ہو تو اگر میت کو تیمّم کرانے کا موقع مل جائے مثلاً ہاتھ اور چہرے دیکھنے اور چھونے کی اجازت ہو تو اسے تیمّم کرنا ضرور ہوگا، اور یہ مانا جائے گا کہ وہ پانی کے استعمال پر قادر نہیں ہے جو مبیح تیمّم ہے۔

"يمم لفقد ماء وصلى/الدر المختار–وفى الرد: قال فى الفتح: ولولم يوجد فيمموا الميت وصلوا عليه" (۵۹/۴)۔

اور اگر میت کو تیمّم کرانا بھی دشوار ہو جائے بایں معنی کے ہاتھ اور چہرا کھولنے کی اجازت نہ ہو تو اس شدید اضطراری ولاچاری کی حالت میں بغیر غسل دیئے اسی کور کے ساتھ دفنانے، اور اسی کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنے کی گنجائش ہوگی، کیونکہ

اب بھی اگر غسل یا تیمّم کو ضروری قرار دیا جائے تو اس سے ’تکلیف مالا یطاق‘ لازم آئے گی جس میں سراسر حرج وتنگی ہے، اور ضابطہ ہے، ’والحرج مدفوع فی الشرع‘ اور اس سلسلے میں فتاوی ہندیہ کی عبارت نہایت ہی واضح اور مسئلہ ہذا کی تحلیل میں کافی معین ہے بایں معنی کہ میت کی طہارت کے شرط قدرت وامکان پر موقوف ہے، چنانچہ اگر طہارت پر قدرت نہ ہو جیسے زیر بحث مسئلہ کے اندر تو پھر یہ حکم ساقط ہو جائے گا اور بلا طہارت بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

”**وشرطها: اسلام الميت وطهارته، مادام الغسل ممكنا، وإن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل ولم يمكن إخراجه الابالنبش تجوز الصلاة على قبره للضرورة**“ (فتاوی ہندیہ ۱۲۲/۱ اتحاد دیوبند)۔

۵-الف: سوال میں مذکور اس طرح کی ناگزیر شکل میں اگر تدفین کا وقت معلوم ہو جائے، اور قبر کی شناخت بھی ہو جائے، البتہ کفن دفن پر اتنا وقت نہ گزرا ہو کہ جس سے لاش پھٹ جانے کا غالب گمان ہو جائے تو قبر پر ہی نماز جنازہ کی ادائیگی کی اجازت ہوگی، اب چاہے نہ پھٹنے کا ظن غالب ہو یا پھول پھٹ جانے میں شک وتردد ہو، اور اس کا مستدل حدیث مسکینہ ہے جسے صحیح ابن حبان اور موطا امام مالک وغیرہ کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک تنگ دست عورت کی وفات کی خبر بعد میں ملنے پر اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی۔

”......**أصله ماروى عن النبى ﷺ أنه صلى على قبر المسكينة**“ (تحفۃ الفقہاء مع الہامش ۳۹۸/۱، مکتبہ دار التراث، بدائع ۷۴۷/۲، زکریا، فتح القدیر ۱۲۳/۲)۔

ہاں اگر کفن دفن پر ایک لمبا وقت گذرنے کے بعد (جس میں عموماً لاش پھٹ جاتی ہے) اہل خانہ کی اطلاع ملی ہو، تو اب قبر پر نماز جنازہ کی اجازت نہیں ہوگی، اب صبر کرنے اور میت کے لئے دعا مغفرت کے علاوہ اور کوئی سبیل نہیں۔ اب اور نعش پھٹنے کی مدت ہر جگہ کے اعتبار سے مختلف ہے، اس کی تعیین نہیں ہوسکتی، یہی زیادہ صحیح ہے (احکام میت: ۶۹)۔

”**والصحيح أن هذا ليس بتقدير معلوم، لأنه يختلف باختلاف الاوقات فى الحر والبرد، وباختلاف حال الميت فى السمن والهزال، وباختلاف الأمكنة، فيحكم فيه غالب الرأى وأكبر الظن**“ (بدائع ۵۵/۲)، ”**وفى الفتح: والمعتبر فى معرفة ذلك أكبر الرأى هو الصحيح لاختلاف الحال والزمان والمكان**“ (۵۲/۱۲)۔

”**وإن دفن واهيل عليه التراب بغير صلاة، أوبها بلا غسل صلى على قبره استحسانا**“ (الدر)۔

”**وفى الرد: وقال الكرخى يصلى وهو الاستحسان، لأن الولى لم يعتد بها لترك الشرط مع الإمكان، والآن زال الإمكان فسقطت فرضية الغسل، وهذا يقتضى ترجيح الإطلاق، وهو**

الأولی"(شامی ۱۲/ ۵۳)۔

ب-اس مخصوص بھی غائبانہ نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ کسی بھی لاش پر نماز جنازہ کی صحت کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ لاش مکمل یا سر سمیت اکثر حصہ سامنے موجود ہو،اور زیر بحث صورت میں ایسا نہیں ہے،اور یہ فقہاء احناف کا اجماعی مسئلہ ہے،لہذا اس میں لچک پیدا کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ،جیسا کہ 'احکام میت' کے اندر ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفیؒ لکھتے ہیں:حضور اکرم ﷺ غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے،لیکن یہ صحیح ہے کہ آپ نے شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی، اور حضرت معاویہ لیثی پر بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی،لیکن ہوسکتا ہے کہ میت حضور ﷺ پر منکشف کردی گئی ہو، یا یہ بات حضور ﷺ کی خصوصیت ہو (آگے لکھتے ہیں) غائبانہ نماز جنازہ کو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ مطلقا منع کرتے ہیں (مدارج النبوۃ) اور ائمہ حنفیہ کا اس کے عدم جواز پر اتفاق ہے، جنازہ کے سامنے موجود ہونا صحت نماز جنازہ کی شرط ہے (۸۰-۸۱ جمہور بک ڈپو دیوبند)۔

اور رہا حضور ﷺ کا نجاشی بادشاہ کی غائبانہ نماز ادا کرنے کا واقعہ تو فقہاء و محدثین احناف نے اس کی کئی توجیہات کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نجاشی بادشاہ کی لاش حضور ﷺ کے سامنے کردی گئی تھی تو آپ کے سامنے ہونے کی وجہ سے آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی، غائبانہ طور پر نہیں، ورنہ آپ کی حیات طیبہ میں تو بہت سارے ایسے حضرات صحابہ کی وفات کی خبر آپ کو ملی جو آپ کے پاس نہیں تھے، لیکن جنازہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے ذخیرہ احادیث میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ آپ نے ان پر غائبانہ نماز پڑھی ہو (سوائے شاہ حبشہ اور حضرت معاویہ لیثی کے)، جبکہ آپ کے دلی خواہش رہتی تھی کہ اپنے ساتھیوں اور رشتہ داروں کی نماز جنازہ میں آپ کی شرکت ہو، جیسا کہ حدیث میں موجود ہے، پتہ چلا کہ آپ ﷺ بھی نماز غائبانہ کے حق میں نہیں تھے، اس توجیہ کے اعتبار سے نماز غائبانہ کے جواز کے لئے حدیث نجاشی کو مستدل بنانا بھی درست نہیں ہوگا۔

"وشرطها أيضاحضوره ووضعه وكونه أو أكثره أمام المصلى......فلا تصح على غائب......وصلاة النبى على النجاشى لغوية أو خصوصية"(الدر)۔

"وفى الرد:قوله'حضوره'أى كله أو أكثره،كالنصف مع الرأس كما مر......قوله'خصوصية' أو لأنه رفع سريره حتى رآه عليه الصلاة والسلام بحضرته......ومن جملة ذلك أنه توفى خلق كثير من أصحابه ﷺ من أعزهم عليه القراء، ولم ينقل عنه أنه صلى علهم مع حرصه على ذلك حتى قال:'لايموتن احدمنكم الا آذيتمونى به، فإن صلاتى عليه رحمة له" (شامی ۱۰/ ۴۳-۵۱۰)۔

کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

مولانا سلمان انور قاسمی☆

۱-کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

شریعت میں نماز جمعہ کی اہمیت اور عامۃ المسلمین کی طرف سے اس کا اہتمام معلوم ومعروف ہے، عوام کی بہت بڑی تعداد صرف جمعہ کی حد تک نماز کا اہتمام کرتی ہے اور اس کی وجہ سے صرف ایک دن مسجد میں آتی ہے اور مسجد سے اور مسلم معاشرہ سے جڑتی ہے۔ کورونا کی وجہ سے عام نمازوں اور جمعہ میں جو پابندی لگی تو کئی سوالات سامنے آئے۔

واضح رہے کہ شریعت مطہرہ میں ایسی مسجد میں ایک نماز کی دو جماعتیں کرانے کو مکروہ قرار دیا ہے، جس میں امام ومؤذن مقرر ہوں اور اس کے مخصوص نمازی بھی ہوں۔ صحابہ کا معمول یہی تھا کہ جب مسجد میں آتے اور وہاں نماز ہو چکی ہوتی تو بعض دوسری جگہ کی مسجد میں شامل ہو جاتے، اس لیے فقہاء احناف کے یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے، لیکن موجودہ حالات میں، جبکہ کورونا بیماری کی وجہ سے حکومت کی طرف سے مختلف قسم کی پابندیاں ہیں، اس میں امام ابو یوسفؒ کے قول پہ گنجائش ہے، ان کے نزدیک اگر ہیئت اولیٰ پر نہ ہو تو حضرت امام ابو یوسف نے اس کی گنجائش دی ہے۔ "**عن أبي يوسفؒ أنه إذا تكن الجماعة على الهيئة الأولى لاتكره، وإلا تكره وهو الصحيح**" (فتاویٰ شامی ۱/ ۵۵۳)۔

اسی طرح جماعت ثانیہ کی علت تقلیل جماعت ہے، یعنی کہ پہلی جماعت میں مجمع کم رہے گا، اس لیے دوسری جماعت کرنے سے منع کیا گیا، لیکن حکومت کی طرف سے چار پانچ لوگوں کی جو اجازت ملی ہے تو جماعت ثانیہ ہی کی صورت میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک مسجد میں تکثیر جماعت کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے لوگوں کے گھروں اور دوسرے مقامات پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ ہمارے شہر مئو میں اسی پر عمل کیا گیا۔

۲- جمعہ کی نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اس لیے عام طور پر جمعہ کی جماعت بڑی ہوتی ہے، فقہاء نے جمعہ قائم کرنے کے لیے پانچ شرائط ذکر کی ہیں:

☆ استاذ تفسیر وفقہ مدرسہ امداد العلوم، کوپا گنج مئو۔

(۱) شہر یا قصبہ یا اس کے فنا کا ہونا (۲) ظہر کا وقت ہونا (۳) ظہر کے وقت نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینا (۴) جماعت یعنی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مردوں کا خطبے کی ابتدا سے پہلی رکعت کے سجدہ تک موجود رہنا (۵) اذن عام (یعنی قائم کرنے والوں کی طرف سے نماز میں آنے والوں کی اجازت) کے ساتھ جمعہ کا پڑھنا۔

موجودہ حالات میں ظاہری تدابیر اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ مساجد کو آباد رکھنے اور اللہ کی جانب رجوع کرنے کی زیادہ فکر کرنی چاہیے، البتہ اگر کہیں پر حکومت کی طرف سے مساجد میں باجماعت نمازوں پر پابندی ہو یا تعداد کو محدود کر دیا گیا ہو تو ایسی صورت حال میں اپنے اپنے گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جمعہ کی نماز کے لیے چونکہ شریعت میں جماعت شرط ہے، لہٰذا شہر میں یا فنائے شہر میں امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد نمازی ہوں اور ان کی طرف سے دوسرے آنے والوں کو نماز میں شرکت کی ممانعت نہ ہو، اور جس جگہ نماز قائم ہو وہاں کا دروازہ کھلا ہو تو نمازِ جمعہ ادا کی جاسکتی ہے (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱/ ۹۵۲)۔

"و أما الشرائط التی ترجع الی المصلی فخمسة فی ظاهر الروایات المصر الجامع، والسلطان والخطبة، والجماعة، والوقت"

اس سے زیادہ واضح عبارت "شامی" میں ہے: **"السابع (الإذن العام) أی یأذن للناس إذنًا عامًا، بأن لا یمنع أحدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذی تصلی فیه"** (شامی ۳/ ۲۵)۔

ان عبارتوں سے واضح مفہوم نکلتا ہے، چار یا پنچ افراد کسی مکان میں دروازہ بند کر کے نماز جمعہ ادا کریں تو یہ درست نہیں ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں جو لوگ مسجد میں جمعہ نہیں پڑھ سکتے تو کیا وہ گناہ گار ہوں گے؟ تو اس کا واضح جواب ہے کہ عذر کی وجہ سے جمعہ کا ترک کرنا باعث گناہ نہیں (بنایہ ۲/ ۳۲۴)، اور اس وقت وبائی مرض کا پھیلاؤ ہے اور اس کی وجہ سے بڑی تعداد میں جمع ہونے کی قانونی ممانعت یقیناً ایک معقول عذر ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ جگہ جگہ مسجدوں میں یا گھروں میں نماز جمعہ نہ قائم کیا جائے، کیونکہ جمعہ کا جو تصور ہے وہ مسجد کے بغیر مناسب ہے، اگر اس کی عام اجازت دے دی گئی تو لوگ کہیں گے کہ آج میری مصروفیت ہے، اس لیے مسجد میں جانے کے بجائے گھر میں جمعہ کر لیتے ہیں تو اس قسم کا بھی دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے، لہٰذا رجحان اسی طرف ہے کہ اس کی عام اجازت نہ دی جائے ورنہ پھر جمعہ کی جو اہمیت ہے وہ لوگوں کے دلوں سے دھیرے دھیرے رخصت ہو جائے گی۔

۳- عاقل و بالغ اور صحت مند مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جماعت کے ساتھ

نماز پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس گنا زیادہ ہے: ”**عن أنس مالک قال: قال رسول اللہ ﷺ: صلاۃ الرجل فی بیتہ بصلاۃ وصلاتہ السجد القبائل بخمس وعشرین صلاۃ وقوۃ فباالمسجد الذی یجمع فیہ بخمس مأۃ صلاۃ وصلاۃ فی المسجد الأقصی**“(مشکوۃ شریف:ص ۷۲)۔

عام نمازوں کے لیے جماعت کی شرط یہ ہے کہ کم سے کم دو نمازی ہوں کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاف فرمایا: ”**اثنان فما فوقھما جماعۃ**“ (بخاری شریف: حدیث نمبر ۶۷۲)۔

اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امام کے علاوہ ایک مقتدی بھی ہو تو جماعت قائم ہو جائے گی، اسی پس منظر میں ملک کے ارباب افتاء نے کہا کہ موجودہ حالات میں مسجد میں چار پانچ افراد کے ساتھ مل کر جماعت کرلی جائے۔ علامہ شامیؒ کے بقول اس کو جماعت میں شرکت کا ثواب بھی ملے گا۔ اور دوسرے نمازی اپنے گھروں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے (ردالمحتار ۱/ ۵۵۴)۔

کورونا وائرس جیسے حالات میں چھوٹی چھوٹی جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ہمارے مئو وغیرہ کے علاقوں میں لوگوں نے اپنے حال اور احاطہ کو خوشی اور بشاشت کے ساتھ دے دیا اور اس میں کوئی تشتت پیدا نہیں، اس لیے ایسے حالات میں لوگوں کو حفظان صحت کے لیے ایسا بندوبست کرنا چاہیے جس میں شریعت پر عمل کرتے ہوئے کسی طرح کی قانونی رکاوٹ نہ پیدا ہو، البتہ جمعہ کے قیام کے لیے یہ صورت حال نامناسب ہے۔

۴- موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جبکہ مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد محدود ہو تو جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ فقہاء نے مصر یا فناء میں جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو جو مکروہ کہا ہے اس کی تین بنیادی علتیں ذکر کی ہیں: (۱) تقلیل جماعت (۲) معارضہ (۳) غیر معذورین کا جمعہ کو ترک کر کے جماعت میں شریک ہونا۔

معارضہ ہوگا مسجد جامع سے تو یہاں معارضہ کی صورت نہیں پائی جارہی ہے، اس لیے کہ جامع مسجد میں بھی نمازیوں کی تعداد محدود ہے۔ دوسری صورت تقلیل جماعت کو قرار دیا ہے تو اس کا بھی یہاں تصور نہیں ہے۔ اور تیسری صورت تھی کہ بعض غیر معذور لوگ جب دیکھیں گے کہ جماعت ہو رہی ہے تو وہ بھی شامل ہو جائیں گے تو یہ سبب بھی نہیں پایا جارہا ہے۔ تو یہ تینوں وجوہات جن کی بنا پر ظہر کی جماعت کو مکروہ کہا گیا تھا وہ موجود نہیں ہیں، تو اب اگر یہ کہا جائے کہ ظہر تنہا پڑھے، ایک طرف جمعہ بھی نہیں پڑھ سکا اور تنہا ر پڑھنے کی صورت میں جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا، مولانا تقی عثمانی صاحب نے آخری بیان میں اسی صورت کو ترجیح دیا ہے۔ اس لیے جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، البتہ جن لوگوں نے کسی مفتی یا عالم

سے مسئلہ پوچھ کر جمعہ پڑھنے پر یا ظہر کی نماز انفرازی طور پر ادا کرنے پر عمل کیا تھا امید ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

"وکره تحری ما قبل الجمعة وبعدها تقليل الجماعة وصورة المعارضة" (شامی ۳/۳۰)۔

"ولأنا لو أطلقنا للمعذور إقامة الظهر بالجمعة فی المصر فربما يقتدی به غير المعذور" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع)۔

تجہیز و تکفین:

اگر کسی مسلمان کا کورونا وائرس میں انتقال ہوجائے تو عام مرحومین کی طرح اسے بھی غسل دینا شرعاً ضروری ہوگا، بالخصوص جب کہ طبی اعتبار سے غسل دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، کیونکہ W.H.O. (ڈبلیو، ایچ، او) یعنی عالمی ادارۂ صحت کی تحقیق کے مطابق کورونا وائرس میں انتقال کرنے والے افراد کی لاشوں کے ساتھ تعامل سے کسی کے متاثر ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ میت کو رکھنے، اٹھانے اور غسل وغیرہ میں حفاظتی احتیاطی تدابیر بطور خاص ملحوظ رکھنی چاہیے ان میں غفلت و بے احتیاطی نہ کیا جائے، اگر کسی جگہ ہسپتال کا عملہ غسل دینے کی اجازت نہ دیتا ہو تو علاقہ کے بااثر حضرات یا ملی تنظیمیں ذمہ داران اعلیٰ سے رابطہ کر کے اس مسئلہ کو حل کریں اور (ڈبلیو، ایچ، او) کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کی بنیاد پر غسل کی اجازت حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کریں، البتہ اگر وہ ہسپتال ہی میں غسل کا انتظام کریں یا اپنے عملہ کے ذریعہ غسل دلائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر خدانخواستہ میت کو غسل دینے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو میت کو پیک کرنے سے پہلے تیمّم کرایا جائے، مجبوری میں یہ تیمّم غسل کا بدل ہوجائے گا اور اگر ہسپتال کے عملہ میں مسلمان بھی ہوں اور تیمّم کا طریقہ سیکھ کر خود تیمّم کرادیں تو یہ بھی کافی ہے۔

"(الثامن) منها من شروط التيمم، زوال ما يمنع المسح على البشرة (كشمع وشحم؛ لأنه يصير به المسح عليه لا على الجسد)" (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی علیہ کتاب الطہارۃ باب التیمّم: ص ۱۲۱)۔

کفن کے سلسلہ میں سنت طریقہ کے مطابق مرد کو تین کپڑوں میں دفن کیا جائے اور عورت کو پانچ کپڑوں میں، اگر ڈاکٹر کی طرف سے اجازت ہو تو اس پر عمل کیا جائے، اگر لاشیں حوالہ نہ کی جائیں اور اس بات کی سہولت ہو کہ کفن کے کپڑے اسپتال کے حوالہ کردیے جائیں اور وہاں کے عملہ اسی ترتیب پر کفن پہنادے تو یہ بہتر ہوگا، لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو اور اسپتال کی طرف سے ہی لاش کپڑے میں لپیٹ کر دی جاتی ہو اور حکومت کی طرف سے اسی طرح اس کو دفن کرنے کا حکم ہو تو اس صورت میں جس کپڑے میں لپیٹا گیا ہے وہی اس کا کفن ہے اور یہ کافی ہوجائے گا۔ کیونکہ اس درجہ کا کفن ضروری ہے جس سے میت کا جسم ڈھک جائے اور ستر کے تقاضے پورے ہوجائیں، اسی پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

"اتفق الفقهاء على أن تكفين الميت بما يستره فرض على الكفاية" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۳/ ۲۳۷)۔

نماز جنازہ:

نماز جنازہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ بعض جگہ غسل دیے بغیر تابوت میں لاش رکھ کر تابوت حوالہ کیا جاتا ہے اور کھولے بغیر تابوت حوالہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

اس صورت میں اہم سوال یہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے مردہ کو غسل دینا واجب ہے، کیونکہ موت بھی جسم کے ناپاک ہونے کا سبب ہے اور غسل کے ذریعہ اس کا جسم پاک ہوتا ہے اور پاکی ہونے کے بعد ہی اس پر نماز پڑھی جانی چاہیے تو اس صورت میں دو راستہ ہے، ایک یہ کہ اسی تابوب پر نماز جنازہ پڑھی جائے کیونکہ فقہاء شوافع کے نزدیک اگر کسی مردہ کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو بغیر غسل کے بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

شوافع کے علاوہ بعض مالکیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے: "ذهب ابن حبيب عن المالكية والحنابلة وبعض المتأخرين من الشافعية أنه يصلى عليه مع التعذر الغسل والتيمم" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/ ۱۱۹)۔

چنانچہ ایسی دشواریوں کی صورت میں دوسرے فقہاء کی رائے پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے بعد قبر پر نماز پڑھ لی جائے، خود رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی خدمت کرنے والی ایک خاتون کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔ فقہاء احناف نے بھی لکھا ہے کہ اگر غسل دیئے بغیر مردہ کو دفن کر دیا گیا اور دوبارہ لاش نکال کر غسل دینا ممکن نہ ہو تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

"وإن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل ولم يمكن إخراجه إلا بالنبش تجوز الصلاة على قبره للضرورة" (فتاویٰ ہندیہ)۔

کورونا وبا میں بعض علاقوں میں سوشل میڈیا اور اخبارات کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ کورونا مریض کی لاش ورثاء کے حوالہ نہیں کی گئی اور حکومت کی طرف سے اس کی تدفین بھی ہوگئی اور یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ قبر کہاں بنی، لہٰذا اس صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

ایک سال قبل کورونا سے متعلق انقلاب اخبار میں اس موضوع پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا مضمون آیا تھا، اور انھوں نے مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب سے تبادلۂ خیال کرنے کے بعد تحریر فرمایا تھا کہ اگرچہ احناف غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں، لیکن دوسرے فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں، اس لیے ایسے حالات میں اس رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے اور غائبانہ نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔ احناف اس استدلال کا یہی جواب دیتے ہیں کہ چونکہ حبش میں مسلمان نہیں تھے اور وہاں ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکتی تھی، اس لیے غائبانہ نماز ادا کی گئی تو جو صورت موجودہ حالات کی بنا پر ہے اور اس میں انسانی زندگی کا تحفظ مقصود ہے، اس لیے قانون پر عمل کرنا چاہیے۔

نماز جنازہ کے لیے خاص تعداد تو کجا جماعت بھی شرط نہیں، اگر تنہا ایک شخص بھی پڑھ لے تب بھی نماز ادا ہو جائے گی۔

”والصلاة على الجنازة تنعقد بأداء الإمام وحدة؛ لأن الجماعة ليست لشرط الصلاة على الجنازة“ (فتاویٰ ہندیہ)۔

لہٰذا حکومت کی طرف سے جتنی اجازت ملی ہے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

☆☆☆

کرونا کے مسائل

مفتی سلمان پالنپوری☆

۱-الف: کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

حنفیہ کی ظاہرالروایہ کے مطابق عام حالات میں تو یہی حکم ہے کہ مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے 'فتاوی ظہیریۂ' کے حوالہ سے اس کی صراحت فرمائی ہے، البتہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ اگر دوسری جماعت ہیئت اولی کے ساتھ نہ ہو تو جماعت ثانیہ مکروہ نہیں، البتہ ہیئت اولی کے کے ساتھ جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔

اگرچہ عام حالات میں ظاہر الروایہ ہی کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، لیکن موجودہ کرونا جیسی حالت میں، جبکہ ایک محدود تعداد کے ساتھ جماعت کی اجازت ہے، اگر بہ ضرورت درج ذیل شرائط کو ملحوظ رکھ کر ایک ہی مسجد میں مقرر جماعت کر لی جائے تو انشاء اللہ گنجائش ہوگی۔

-پہلی جماعت میں مسجد اچھی طرح بھر جائے، وہاں مزید کی گنجائش نہ رہے۔

-دوسری جماعت محراب سے ہٹ کر کی جائے۔

-جمعہ کی نماز میں خطبہ والی اذان، اقامت اور خطبہ ہر جماعت کا الگ الگ ہو۔

-امام اور مقتدی بھی ہر جماعت کے الگ الگ ہوں۔

دوسری جماعت کی ممانعت کی وجہ اصل ومطلوبہ جماعت میں خلل اندازی اور کمی ہے، کہ دوسری جماعت کا نظام ہونے پر لوگ پہلی اور اصل جماعت کو اہمیت نہ دیں گے، جیسا کہ ان جگہوں اور مسجدوں میں دیکھنے میں آتا ہے، جہاں معمول کی جماعت کے بعد برابر جماعت ہوتی رہتی ہے۔

"لأن فی الإطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فإهم لايجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتهم" (ردالمحتار ۲/۲۴۶)۔

☆ صدر مفتی جامعہ خلیلیہ ماہی، پالنپور گجرات۔

لیکن مذکورہ صورت میں اصل جماعت متأثر نہیں ہوتی ہے، نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آج کل کے ماحول میں عام مسلمانوں نے نمازوں کا عمومی اہتمام جمعہ کی حد تک ہے، بقیہ نمازوں کا حال معمولی ہے، اس لئے موجودہ حالات میں خصوصاً نماز جمعہ کے لئے مقرر جماعت کی مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ گنجائش ہوگی۔

ب- اگر کسی مسجد کے جمعہ کے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو، اور ایک مرتبہ سب مسجد میں نہ آسکتے ہوں تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جمعہ کی دوسری جماعت کی گنجائش ہوگی۔

- نمازیوں کے مسجد کے باہر مسجد کی پہلی جماعت کی اقتداء میں نماز ادا کرنے میں مسائل پیدا ہوتے ہیں۔
- آس پاس کی دوسری مساجد بھر جاتی ہوں۔
- مسجد کے علاوہ وہاں کوئی خالی جگہ یا میدان یا ہال وغیرہ کا انتظام نہ ہو، جہاں دوسری جماعت کی جاسکے۔
- دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں بڑی تعداد جمعہ سے محروم ہوجاتی ہو۔

تو ایسی شدید ضرورت کے تحت مسجد میں دوسری مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی جانے کی گنجائش ہے، اور یہ گنجائش اس وقت تک ہے جب تک دوسری مسجد کا یا دوسری جماعت کے لئے کسی مناسب جگہ کا نظم نہ ہو۔

تکرار جماعت کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے اصل جماعت متاثر ہوجاتی ہے، مگر مذکورہ صورت میں اصل جماعت متاثر نہیں ہوتی ہے، "**لأن فی الإطلاق هكذا الجماعة معنى، فإنهم لايجتمعون إذا علموا أنها لاتفوتهم**" (ردالمحتار ۲/۲۴۶)۔

۲- کرونا جیسی صورت حال میں حکومتی پابندی کی وجہ سے مجبوراً مسجد میں ایک جماعت پر اکتفاء کرتے ہوئے بقیہ نمازیوں کا محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کی گنجائش ہے، جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں، شہر و فناء شہر میں کسی بھی جگہ مثلاً مکان یا ہال یا کھلے میدان میں نماز جمعہ درست ہے، "**ولا يشترط الصلوة فی البلد بالمسجد فتصح بفضاء فيها**" (مراقی الفلاح ص ۲۷۹)۔

بلاشبہ اس طرح جماعت کرنا معمول کے خلاف ہے، لیکن سبھی جانتے ہیں کہ یہ ایک وقتی ضرورت اور مجبوری کی حالت کا نظام ہے، یہ کوئی مستقل نظام نہیں ہے، اس لئے اس سے تشتت پیدا ہونے اور لوگوں کے اس کو آئندہ کے لئے معمول بنالینے کا اندیشہ بظاہر قوی معلوم نہیں ہوتا ہے، نیز محض اس موہوم اندیشہ کی وجہ سے بڑی بھاری تعداد کو جس پر جمعہ واجب ہے اور مسجد میں جمعہ ادا کرنے کے لئے بھی تیار ہے، لیکن حکومت کی طرف سے پابندی ہونے کی وجہ سے وہ مسجد نہیں جاسکتے ہیں، ان کو ترک جمعہ کا حکم دے کر ظہر پڑھنے کا فتوی دینا مناسب نہیں، بلکہ حیرت انگیز ہے، جبکہ صحت جمعہ کے لئے

مسجد بھی شرط نہیں، اور محلّہ کے مکانات میں بوقت مجبوری جمعہ ادا کر کے اپنے واجب سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

۳- اس سلسلہ میں حضرات اہل علم کی آراء مختلف ہوئی ہیں، احقر یہ سمجھتا ہے کہ ایسی صورت میں تنہا ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے، اس لئے کہ جو لوگ جمعہ میں شریک نہ ہو سکتے ہوں ان کے لئے حکم یہ ہے کہ تنہا ظہر پڑھ لیں، جیسے کہ قیدی حضرات کو تنہا ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم ہے، موجودہ حالات میں ہماری مثال بھی قیدیوں کے ہی مماثل ہے۔

"**قوله:وصورة المعارضة: لأن شعار المسلمين فى هذا اليوم صلوة الجمعة، وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم فكان فى صورتها كراهة التحريم رحمتي**"(شامی، کتاب الصلوۃ باب الجمعۃ)۔

"**لأن المأمور به فى حق من يسكن المصر فى هذا الوقت شيئان ترک الجماعة وشهود الجمعة وأصحاب السجن قدروا على أحدهما، وهو ترک الجماعة، فيأتون بذلک**"(المبسوط للسرخسی، باب صلوۃ الجمعۃ ۲/۲۶)۔

بعض ارباب افتاء نے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے کو کہا ہے، اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ جہاں جمعہ قائم ہو وہاں پر ظہر کی جماعت قائم کرنے کی ممانعت تقلیل جمعہ کی علت سے ہے، اور وہ علت یہاں پر مفقود ہے، اس لئے ظہر کی جماعت کی جا سکتی ہے، تاہم دونوں آراء میں سے کسی پر بھی عمل کر لیا جائے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ ہر طرح کے دلائل ہیں، اور ہر رائے کو ہندوستان کے معتبر دارالافتاء اور ارباب افتاء کا اعتماد بھی حاصل ہے۔

۴- تجہیز و تکفین:

کرونا کی میت کو اسپتال کی طرف سے مکمل پیک اور سیل کر دیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو، اور بہ صورت دیگر مختلف ناقابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم شرعاً ساقط ہو جائے گا، اور ایسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔

اور اس صورت میں چونکہ میت کی پیکنگ یا کور پر پانی بہانے، بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیرنے یا اوپر ہی سے تیمّم کرانے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، اس لئے پیکنگ پر پانی بہانے، مسح کرنے یا تیمّم کرانے کی ضرورت نہیں، صورت مسئولہ غسل اور تیمّم ساقط ہونے کی دلیل یہ ہے جس طرح مطلق نماز کے لئے نمازی کی کلی یا جزوی طہارت ایسی شرط ہے جو عذر و مجبوری میں ساقط ہو جاتی ہے، اسی طرح نماز جنازہ کے لئے میت کی طہارت بھی ایسی شرط ہے جو عذر و مجبوری میں ساقط ہو جاتی ہے، فقہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، پیکنگ یا کور پر پانی بہانا، مسح کرنا یا تیمّم کرانا اس لئے درست نہیں کہ

شریعت میں غسل یا تیمّم کا حکم براہ راست بدن سے متعلق ہوتا ہے۔

۵-الف: اگر طبی عملہ کرونا کی میت کو خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کرتا ہے اور متعلقین کو تدفین کی خبر دیتا ہے اور جگہ بتا دیتا ہے یا میت کو حوالہ کر دے مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جائے گی، بلکہ ضروری ہے، بشرطیکہ قبر سامنے ہو اور غالب گمان ہو کہ لاش نہیں پھٹی ہوگی اور راجح قول کے مطابق لاش پھٹنے کا کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے، کیونکہ جگہ موسم اور میت کی جسامت کے موٹے اور پتلے ہونے کی وجہ سے مدت مختلف ہوتی ہے۔

”وإن دفن وأهيل عليه التراب (بغير صلوة) أو بها بغير غسل أو ممن ولاية له (صلى على قبره) استحسانا (مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير هو الأصح“(درمختار باب صلوۃ الجنازۃ ۳/۱۱۷)۔

ب-اگر قبرستان اور قبر کا علم نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں جہاں تک مسئلہ غائبانہ نماز جنازہ کا ہے تو فقہاء احناف کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ مکروہ ہے، اس لئے کہ نماز جنازہ کے لئے میت کا سامنے ہونا یا اس کے اکثر بدن کا موجود ہونا ضروری ہے،”**کونه هو أو أكثره أمام المصلى**“(الدر المختار مع الرد المختار ۲/۹۸)۔

”موسوعہ فقہیہ“ میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ڈوب کر مر گیا اور اس کی لاش نہیں ملی تو اس پر حنفیہ کے نزدیک جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس لئے موجودہ صورت میں لاش حوالہ نہ کی گئی ہو تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، صرف ایصال ثواب اور مغفرت کی دعا کی جائے گی۔

☆☆☆

کرونا-احکام ومسائل

مفتی یحی معین سمر

ا-کرونا کے ماحول میں نما جمعہ:

الف-کرونا جیسے پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں متعدد جماعت کی اجازت ہوگی، بشرطیکہ ہر جماعت کا امام الگ ہو۔

ب-کرونا کے مذکورہ حالات کی بناء پر شہروں میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت قائم کرنا جائز ہے، مسجد میں دو تین جماعتوں کے ادا کرنے کے بعد مزید نمازی بچ جائیں تو محلے کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظام بنانے کے سلسلے میں درج ذیل دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مساجد اگر حکومت کی جانب سے مکمل طور پر بند ہوں اور جماعتوں کی اجازت بالکل نہ ہوتو ایسی صورت میں مسجد کی جماعت کے علاوہ محلے کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظام بنانے کی اجازت ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مساجد کھلی ہو اوران میں پابندیوں اور قیودات کے ساتھ جمعہ وجماعت سے نماز ادا کرنے کی اجازت ہوتو پھر محلے کے مکانات میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، بلکہ بقیہ مصلیان کے لئے مساجد ہی میں جمعہ کی متعدد جماعت کا نظام بنایا جائے۔

مسجد میں ایک یا دو جماعتوں کے علاوہ حکومتی پابندیوں کی وجہ سے جو مصلیان جمعہ کی نماز ادا کرنے سے رہ جائیں وہ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے۔

۴-تجہیز وتکفین:

ایسی صورت میں کور کفن کے حکم میں نہیں ہوگا، بلکہ الگ سے کفن دینا ضروری ہوگا اس لئے کہ تکفین ایک مستقل عبادت ہے اور عبادت میں علت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اختیار یا ممکن کی صورت میں مسنون طریقے پر اس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

غسل کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ کور کو کھلوا کر یا کھول کر غسل دینے کی کوشش کی جائے اگر یہ ممکن نہ ہو تو چہرہ و ہاتھ کھول کر تیمّم کرایا جائے، اگر چہرہ و ہاتھ بھی کھولنا ممکن نہ ہو تو اس کے اوپر ہی سے تیمّم کا تشبہ کر لیا جائے۔

۵-نماز جنازہ:

الف-اگر قبرستان و قبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہو جائے یا میت کو حوالہ کر دیں مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جا سکتی ہے بشرطیکہ ولی موجود ہو۔

ب-اگر قبرستان اور قبر کا کوئی علم نہ ہو سکے تو اس مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی۔

☆☆☆

احكام الجمعة والجماعة وصلاة الجنازة والتكفين

مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی ☆

تكرار الجماعة فى مسجد واحد:

صلاة الجماعة شعار من شعائر المسلمين، ولها فضائل كثيرة، وقد ورد أحاديث متعددة في الحث عليها والزجر على تركها، حتى لايجوز للمسلم المكلف أن يتركها بغير عذر، ولكن بسبب عظمتها كره العلماء تكرارها في مسجد المحلة؛ لأنها إذا كثر عددها تقل عظمتها والاهتمام بها، ويأتي الناس في أوقاتهم المختلفه ويعقد الجماعة كلهم على حسب فراغهم، ولا يهتمون بجماعة المسجد فلا تحصل فائدة الجماعة وهي الاجتماع والألفة بين الناس، قال في إعلاء السنن: "قال في كنز العباد نقلا عن الكافي: لا يجوز تكرار الجامعة عندنا وفي الجامع الصغير: رجل دخل مسجدا قد صلى أهله فيه، فإنه يصلى بغير أذان وإقامة؛لأن في تكرار الجامعة تقليلها، بأن كل واحد لايخاف فوت الجماعة، فيكون مكروها، كذا في القطوف الدانية لشيخنا المحدث الكنكوهي(اعلاء السنن/۱۳۴۳).

وأما في المسجد الشارع والسوق أجاز العلماء تكرار الجماعة؛ لأنه ليس لها جماعة معينة، فلا يكون التكرار تقليلا لعظمتها، قال في إعلاء السنن:"وإنما اختصت الكراهة بمسجد المحلة لانعدام علتها في مسجد الشارع، والسوق، ونحوهما، فإن الناس فيه سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق، وهذا هو مذهب أبي حنيفة، وإليه ذهب مالک والشافعي كما في رحمة الأمة ونصه:ومن دخل المسجد فوجد إمامه قد فرغ من الصلاة، فإن كان المسجد في غير ممر الناس كره له أن يستأنف فيه جماعة عند أبي حنيفة، ومالک، والشافعي، وقال أحمد: لا يكره إقامة الجماعة بعد الجماعة بحال اھ"(اعلاء السنن/۱۳۴۳).

فعلى هذا، ينبغي أن يكون تكرار الجماعة للصلوات الخمسة جائزا في هذه الحالة الوبائية،

☆ بدر العلوم اسلامیہ اوجرہ، کولم کیرالہ۔

إذا احتاج إليه الناس بسبب إجراء ا ت الحكومية، أو الصحية من تحديد عدد المسلين أو إذا كانت المساجد صغيرة حيث لا تسع للمصلين كلهم مع التباعد الاجتماعي، لأنه ليس فيه تقليل الجماعة، بل فيه تعظيم الجماعة وتقريب الناس اليها فيجوز تكرار الجماعة في مسجد واحد مع مراعاة هذه الامور التالية:

۱ –أين يكون لكل جماعة وقت معين وإمام معين ولا يعقدها كل من يأتي ويذهب

۲ –تحديد عدد تكرار الجماعة حسب الحاجات؛ لأن الضرورة تقدر بقدرها، فلا يزاد تكرارها فوق الحاجة

۳ –أن يؤذن مرة واحدة فقط

۴ –أن يعلن وقت كل جماعة معينة

تكرار الجمعة في مسجد واحد:

والجمعة أيضا هكذا في هذه الحالة الوبائية، يجوز تكرارها مع مراعاة هذه الأمور إذا احتاج إليه الناس؛ لأن الجمعة يجوز تعددها في بلدة واحدة عندنا مثل جماعة الصلوات الأخرى، فينبغي أن يكون تعددها في المسجد الواحد جائزا بعذر من الأعذار اعتبارا بالجماعات الأخرى إذا كانت الحاجة ماسة إليها، قال في فتح القدير:''وعن محمد يجوز تعددها مطلقا ورواه عن أبي حنيفة، ولهذا قال السرخسي: الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد من مسجدين فأكثر، وبه نأخذ لإطلاق:لا جمعة إلا في مصر، شرط المصر، فإذا تحقق تحقق في حق كل منها، وجه رواية المنع أنها سميت جمعة لاستدعائها الجماعات فهي جامعة لها، والأصح الأول خصوصا إذا كان مصر كبير(فتح القدير۲/۵۲)۔

هذه العبارة تبين جواز تعددها، فكذا تكرارها لعذر من الأعذار، لأن الضرورة تبيح المحضورات۔

تعدد الجمعة في الأماكن المختلفة سوى المسجد:

المساجد لها فضائل كثيرة لاتحصلها الا فيها ولكن يجوز الصلاة في غير المساجد أيضا؛ لأن النبیﷺ قال: ''جعلت لنا الأرض كلها مسجدا وطهورا''، فعلى هذا الحديث يجوز الجمعة في

الأماكن المختلفه غير المسجد عند تعذر الاجتماع في المسجد، وليس هذا تشتت، بل هذا تحريض الناس على الجمعة والجماعة، لأنه إذا منعناهم عنها يتركون الجمعة وهذا غير مناسب، لأن في الحديث عن عبد الله بن عمر وأبي هريرة: أنهما سمعا رسول الله ﷺ يقول على أعواد منبره: لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات، أو ليختمن الله على قلوبهم، ثم ليكونن من الغافلين(صحيح مسلم/٨٦٥).

وقال أيضا: "الجمعة على من سمع النداء"(ابوداؤد/١٠٥٦).

وكذلک هذا التشتت أو تعدد الجمعة في هذه الحالة ليس بسبب التفرق والعصبية، بل هذا بعذر من الاعذار ، فينبغي أن يكون جائزا.

صلاة الظهر بغير جماعة أفضل في يوم الجمعة:

إذا فاتت الجمعة بعد فرضيتها بسبب من قبل الحكومة أو بعذر من الأعذار يكره لهم الجماعة فى الظهر، بل يصلي الظهر فرادى اعتبارا بالمسجون والمرضى، قال المرغيناني في مختارات النوازل: أهل القرى والبوادي يجوز لهم أن يصلوا الظهر بجماعة بأذان وإقامة يوم الجمعة، بخلاف أهل السجن والمرضى يكره لهم الجماعة في الظهر في يوم الجمعة(١/٣٨٦).

المسائل المتعلقة بالميت:

تكفين الميت:

تكفين الميت فرض كفاية والأفضل فيه أن يفعل على وجه الكمال؛ لأنه من تكريم الميت وتعظيمه، قدورد في الحديث عن جابر بن عبد الله: إذا كفن أحدكم أخاه، فليحسن كفنه إن استطاع (اسناده صحيح على شرط مسلم، اخرجه مسلم: ٩٤٣، وأبوداؤد: ٣١٤٨، والنسائي: ١٨٩٥، وأحمد: ١٤٥٢٤ واللفظ له).

فعلى ضوء هذا الحديث والأحاديث الأخرى في هذا الباب، على المسلمين أن يكفنوا الميت على وجه السنة ان استطاعوا عليه، فإن كان الميت مغطيا بغطاء بلا ستيكي لا يمكن نزعه فالأفضل التكفين فوق الغطاء على وجه السنة ويعتبر البلاستيک ثوبا زائدا، ولا بأس بالزيادة في الكفن كما في الدر: ولا بأس بالزيادة على الثلاثة ويحسن الكفن لحديث 'حسنوا أكفان الموتى فإنهم يتزاورون فيما بينهم ويتفاخرون بحسن أكفانهم(الدرمع الرد٢/٢١٩).

فإن منعوا من التكفين فوق الغطاء البلاستيكي أيضا من قبل الحكومة يجوز دفنه في الغطاء، ويعتبر الغطاء البلاستيكي كفن الضرورة، قال في الدر: وكفن الضرورة لهما ما يوجد، وأقله مايعم البدن(الدر مع الرد٢/ ٢٢١)۔

الصلاة على الجنازة بلا غسل:

الغسل شرط لصحة صلاة الجنازه ولكن تسقط فرضية الغسل إذا زال الإمكان على الغسل بمنع من الحكومة قياسا على من مات في نحو بئر أو وقع وليه بنيان ولم يمكن إخراجه فيصلي عليه بلا غسل، وكذا من دفن بلا صلاة ولا غسل يصلى عليه عند قبره قبل تمزق الميت، قال في ردالمحتار:وقال الخرخى:يصلى وهو الاستحسان؛ لأن الأولى لم يعتد بها لترك الشرط مع الإمكان، والآن زال الإمكان فسقطت فرضية الغسل، وهذا يقتضي ترجيح الإطلاق، وهو الأولى نهر(الدر مع الرد٢/ ٢٤٢)۔

وهكذا حكم من دفن في مقبرة من قبل الحكومة بلا غسل ولا صلاة فيصلي قبل التمزق في المقبرة أمام قبره إذا علم القبر، واذا لم يعلم القبر بالتعيين يجوز الصلاة أمام المقبرة حيث يكون القبر أمامه، لأن الشرط وجود الميت، والميت موجود فى المقبرة۔

الصلاة على الجنازة الغائبة:

وأما الميت الذي لا يدري أين قبره فلا يجوز الصلاة عليه غائبا على ظاهر الرواية وهو الأصح، وهي جائزة مطلقا عند الشافعية، وأجازها ابن تيمية رحمه الله إذا لم يصل عليه، نقله ابن القيم في زاد المعاد ونصه:وقال شيخ الاسلام ابن تيميه: الصواب أن الغائب إن مات ببلد لم يصل عليه فيه، صلي عليه صلاة الغائب كما صلى النبي ﷺ على النجاشي، لأنه مات بين الكفار ولم يصل عليه، وإن صلى عليه حيث مات، لم يصل عليه صلاة الغائب؛لأن الفرض قد سقط بصلاة المسلمين عليه(زاد المعاد، فصل في هديه صلى الله ﷺ في الصلاة على الغائب)۔

فالأفضل ترك الصلاة على الغائب والدعاء لمغفرتهم، لأن النبي لم يكن منه هديه وسنته-ﷺ الصلاة على كل ميت غائب، فقد مات خلق كثير من المسلمين وهم غيب، فلم يصل عليهم۔

هذا ماوجدته من الكتب المختارة في أحكام هذه المسائل۔

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

کرونا سے متعلق چند اہم مسائل

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی:

محترم حضرات! آپ کے سامنے کرونا کے تعلق سے بعض اہم مسائل کا عرض مسئلہ پیش ہوا، اس کے سوال ۲ کے اندر جو مسئلہ اٹھایا گیا ہے کہ مسجد میں ایک جماعت یا مزید ایک دو جماعتوں کے بعد بقیہ نمازوں کے لئے محلّہ کے مکانات اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے نظام کا کیا حکم ہے؟ یعنی یہ جائز ہے کہ جائز نہیں ہے یہی سوال کا حاصل ہے اور مدعی ہے، اس سلسلہ میں بہرحال جو کچھ بھی ذکر ہوا وہ آپ کے سامنے ہے اور اختصار کے ساتھ دلائل بھی سامنے آئے ہیں، اور میرا نقطہ نظر بھی تو آ گیا ہے، چونکہ ہم گھروں میں جمعہ کی نماز کے قیام کے قائل نہیں ہیں اور کچھ باتوں پر انہوں نے اشارہ کیا ہے، لیکن دو باتوں کی وضاحت طلب کرتا ہوں، چونکہ عارض مسئلہ کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ جس نقطہ نظر کے وہ حامل ہوتے ہیں اسی کی نمائندگی کرتے ہوئے پورے طور پر دلائل تو پیش کرتے ہیں وہ، لیکن مخالف نظریہ کا ہوتا ہے ان کے دلائل کو اس انداز سے پیش نہیں کرتے جس انداز سے کرنا چاہئے اور اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وقت نہیں ہے، یہ مناسب نہیں ہے۔

اہل علم کی مجلس ہے دونوں کے دلائل امانت کے ساتھ آنے چاہئے، تاکہ بعض وہ حضرات جو نہیں لکھے ہیں ان کے سامنے تو بات آئے گی نا؟'' کیا حقیقت ہے اور کیا نہیں ہے، ورنہ دلائل نہیں آئیں گے تو کیا سمجھیں گے لوگ۔ بہرحال عرض یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو حضرات گھروں میں جمعہ کی نماز کو قائم کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں انہوں نے کوئی نص پیش نہیں کیا ہے، پہلا میرا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی، کسی صحابہ کا اثر پیش نہیں کیا، ایک مصلحت انہوں نے پیش کی ہے کہ جائز قرار نہیں دیتے ہیں تو پھر لوگ نماز جمعہ سے دور ہو جائیں گے، یہ مصلحت پیش کی ہے، اگر یہ مصلحت ایک طرف ہے تو دوسری طرف ایک اور مصلحت ہے اس کو بھی سامنے رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ پھر جمعہ کی نماز کی اہمیت دلوں سے نکل جائے گی اور آج تو فتوی دے دیں گے کہ یہ کرونا وائرس کی وجہ سے ہم نے یہ جائز قرار دیا، جن حضرات نے کرونا وائرس کی وجہ سے جائز قرار دیا انہوں نے یہ بھی نہیں بعد میں لکھا، لکھنا چاہئے تھا کہ جب کرونا وائرس کا موسم ختم ہو جائے گا تب جمعہ کی نماز گھروں میں نہیں پڑھ سکتے۔ وہ جائز نہیں ہوگا، اگر جائز نہیں ہوگا تو وجہ کیا ہوگی، یہ بھی لکھنی چاہئے یہ بات نہیں آئی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مصلحت ایک یہ بھی ہے کہ اگر آپ اس طرح فتوی دیتے ہیں تو پھر جمعہ کی نماز کی اہمیت دلوں سے نکلے گی وہ الگ بات ہے اور چار پانچ آدمی مل کر کے مسجد جانے کی کیا ضرورت ہے، آج کل جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں عام نمازوں کے اندر، خیر ہندوستان میں بیٹھ کر تو کچھ بھی فیصلہ لے سکتے ہیں، ہندوستان سے باہر خلیجی ممالک میں جایئے اور جگہوں پر جایئے پنج وقتہ نمازوں کے اندر مسجد میں لوگ کم پہنچتے ہیں، آفسوں میں لوگ نماز پڑھ لیتے ہیں، کیونکہ ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہے، اور گھروں میں نماز قائم کر سکتے ہیں، آفسوں میں کر سکتے ہیں، تو کر رہے ہیں وہ لوگ، اسی طرح اس صورت کے اندر جمعہ کے دن بھی ایسا ہی ہوگا، پھر وہ جمعہ کا اہتمام نہیں کریں گے، بلکہ وہ اپنے آفسوں میں، گھروں میں، دو چار آدمی مل کر جمعہ کی نماز قائم کرتے رہیں گے، پھر جمعہ کی نماز کے قیام کا جو مقصد ہے کہ لوگوں پر رعب طاری ہو اور لوگوں تک پیغام پہنچے، ہفتہ واری جو پیغام ہوتا ہے وہ پہنچے، تو پھر یہ سب کہاں ہوگا؟، پھر یہ کہ جو راستہ چل کر جاتے ہیں، صفائی ستھرائی کا انتظام ہونا، اچھے کپڑے پہن کر جانا اور یہ سنت وہ سنت تو پھر جمعہ کی جو سنتیں ہیں وہ سب کہاں جائیں گی؟، وہ سب تو رکھی کی رکھی رہ جائیں گی، تو ایک بات تو یہ ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو میں ایک سوال کرتا ہوں کہ کیا اس سے پہلے وبائی مرض نہیں آیا کیا؟ کیا تاریخ میں یہ پہلی بار آیا ہے؟ اس سے خطرناک سے خطرناک وبائی امراض آچکے ہیں، اس کے باوجود حضرات صحابہ کرام، حضرات تابعین، کسی نے بھی جمعہ کو گھروں میں قائم کرنے کے بارے میں (ہمارے علم کے مطابق) اگر ہے تو بتائیں وہ، ایسی کوئی بات نہیں ہے ناقص علم کے مطابق بول رہا ہوں، کسی نے فتوی نہیں دیا ہے قائم کرنے کا اور نہ کسی نے عملی نمونہ پیش کیا ہے، اگر ہے تو آپ پیش کریں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ آپ جانتے ہیں جمعہ کے دن اصل راجح قول کے مطابق اصل نماز جمعہ ہے، نماز ظہر نہیں ہے، چونکہ قرآن کی آیت موجود ہے کہ جمعہ کے دن اصل نماز جمعہ ہے نماز ظہر نہیں ہے نماز ظہر متبادل ہے، اگر کسی پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے، اس کے متبادل کے طور پر ظہر کی نماز پڑھے گا، میرا سوال صرف یہ ہے کہ شرعی حکم کے اندر جس کا متبادل موجود ہو، اس متبادل کو گویا اختیار نہ کرکے، رخصت کو چھوڑ کر کے اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں جری قرار دیتے ہوئے، یہی حکم نہیں ہے اور بھی کئی احکام پر اس کے اثرات پڑیں گے، تو یہ نص کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

پانچویں بات جب متبادل موجود ہے تو اصل کے اوپر عمل کرنے کے لئے وہی قیاس کے ذریعہ مصلحت کی بنیاد پر اصرار کرنا میرے خیال میں مناسب نہیں ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے وضو کا متبادل تیمّم ہے، گویا تیمّم کرلیں گے نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن آپ کہیں کہ نہیں وضو ہی کرنا پڑے گا چاہے جا کر کہیں سے پانی لانا پڑے، کہیں سے کچھ بھی کرے وہ، تو پھر کیا مطلب

رہے گا متبادل رہنے کا، اگر آپ متبادل کو چھوڑ کر گھروں میں جمعہ کو جائز قرار دیں گے تو اس کا کیا مطلب رہے گا؟ مجھے بتایا جائے، متبادل ہے تو اس کا کیا جواب ہوگا؟، وہی میں چاہتا ہوں کہ مجلس میں خوب جم کر بحث ہو تو اچھا ہے۔

مولانا عبیداللہ اسعدی:

معاملہ یہ ہے کہ جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ یقیناً اہم ہے، اس کے ساتھ حالات عوام کے، ان کا جو تقاضا ہے اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں، دوسرے ملکوں کو جانے دیجئے، اپنے میں رہئے نماز پانچ وقت کی فرض ہے، ہر مسلمان پر کتنے فیصد مسلمان پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں ایک بڑی تعداد ہے جو صرف جمعہ کے واسطے سے نماز اور مسجد اور دین سے جڑی ہوتی ہے، تمام شہروں کی بڑی بڑی کئی کئی منزلہ جو مسجدیں ہیں ان مسجدوں کا پیٹ صرف جمعہ کو بھرتا ہے، ورنہ پنج وقتہ نمازوں میں نیچے کی منزل بھی پوری نہیں ہوتی، یہ عوام میں جمعہ کا اہتمام ہے جس کی برکت سے ایک دن مسجد آتے ہیں، ایک دن کا مسجد سے رشتہ ہے، مسجد کے نظام سے رشتہ ہے، مسجد کے وعظ سے رشتہ ہے، اور ہم یہاں یہ محسوس کرتے ہیں اپنے ملک میں یہ جو جمعہ کا مسجد کا نظام ہے بالخصوص وعظ کا جس کا اہتمام یہاں بہت ہے ہمارے جنوب میں ماشاء اللہ بہت اچھا ہے، ہم لوگوں کے یہاں اتنا نہیں ہے، اسی کے واسطے سے جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں ان کا ذہن بنتا ہے ان کی فکر بنتی ہے اور ان کا مسلک بنتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے اور بسا اوقات جمعہ کی نماز سے مسلکی ذہن ومزاج میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور نقصان پہنچتا ہے، دونوں باتیں میں کہہ رہا ہوں، ایک ماحول میں مثلاً دیوبند سے منسوب لوگ نہیں پڑھتے جمعہ، اسی گاؤں میں یا قریب میں نماز جمعہ ہوتی ہے اور اتفاق سے جو ذمہ دار ہے اس کا ذہن ومزاج کچھ اور ہے، اب جمعہ کی وجہ سے آدمی وہاں جاتا ہے، اس مسجد میں جاتا ہے، ان کی باتیں سن کر بہت حد تک اس کا ذہن وہیں رہے گا، جہاں رہنا چاہئے، عوام کی نسبت سے یہ چیز بڑی اہم ہے، ہمارے یہاں جمعہ کے لئے مسجد کی شرط نہیں ہے، جماعت کی شرط ہے، بنیادی بات ہے، عام حالات میں بھی ضرورت پڑنے پر مسجد کے علاوہ کہیں اگر جماعت سے نماز پڑھ لیں تو گنجائش ہے۔

حتی کہ فتاوی میں یہ بات موجود ہے کہ کچھ لوگوں کی جماعت جمعہ کی چھوٹ گئی تو وہ پڑھ سکتے ہیں، جمعہ کی نماز کہیں جمع ہو کر، یہ اپنے اکابر کے فتاوی میں موجود ہے، ٹھیک ہے، یہ تو اجتہادی مسائل ہیں کچھ لوگوں نے کہا کہ نہیں بالکل نہیں اور بڑے ہی نامناسب تبصرے بھی کئے ہیں، اسی کرونا کے ماحول میں جب اس پر کچھ وسعت دی گئی، لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ جمعہ کے دن مسجد میں آنے اور جمعہ کی نماز پڑھنے کے عادی تھے اور تو نماز پڑھتے ہی نہیں تھے، انہوں نے بالکل چھوڑ دیا نہ مسجد آئے نہ دوسری جگہ جمعہ ہوا، چونکہ منع کر دیا لوگوں نے کہ نہیں ہوگا، مہینوں جمعہ کی نماز چھوٹ گئی، جیسے یہ ہوا کہ لاک ڈاؤن میں تنخواہیں بند کر دی گئی، شہروں میں مسئلہ اتنا بڑا نہیں ہے، لیکن دیہاتوں میں جو لوگ پڑھاتے ہیں

گاؤں میں وہ پنج وقتہ نماز اور جمعہ سب پڑھاتے ہیں، باہر کے اکثر ہوتے ہیں تنخواہ بند کر دی بعض بڑوں نے تو چھوٹوں کو بہانہ مل گیا، فلاں فلاں جگہ تنخواہ بند ہوگئی، اب امام صاحب چلے گئے کئی مہینہ تک جمعہ نہیں ہوا، یہ پنج وقتہ نمازوں کا نظام وہاں قائم رہ سکا، چونکہ چلا گیا ٹوٹا پھوٹا جو پڑھانے والا تھا، عوام بیچارے ہمت نہیں کرتے، ایک جگہ پورا گاؤں جمع ہے جمعہ کی نماز کے لئے اتفاق سے حافظ جی نہیں تھے، جن کو اہل سمجھا جاتا تھا تو لوگوں نے ظہر پڑھ لی، جبکہ وہاں جمعہ ہوتا تھا، تو بہت سے لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا، یہ تو ان حالات کی بات ہے اور عمومی طور پر آپ، ہم دیکھ سکتے ہیں، اس لئے میرا تو اپنا ذہن ہے اور اس میں مذاکرہ بھی ہے اپنے بڑوں سے، آتے جاتے جو حالات دیکھ رہے ہیں کہ حتی الامکان عوام کو جمعہ کی نماز سے جوڑنے کی سعی اس زمانے میں، ان کو دین کی راہ پر رکھنے کے لئے بہت ضروری ہے، بعض بستیوں میں ہمارے یہاں دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم وغیرہ سے فارغ ہو کر لوگ پہنچے چالیس سال، پچاس سال پہلے اور ابھی بھی ہو سکتا ہے انہوں نے جمعہ بند کرا دیا، جمعہ ہوتا چلا آ رہا تھا، زیادہ تر یہی تھا بند کرا دیا، بند ہو گیا، کوئی فتنہ نہیں ہوا، خیر کا زمانہ تھا آج سے پہلے، میرے گاؤں میں خود بستی میں جمعہ بند ہوا، حالانکہ بستی میں جمعہ نہیں بند ہوا، کچھ لوگوں نے چھوڑ دیا، کچھ پڑھتے رہے کوئی فتنہ نہیں ہوا، تو اب بند کر دیا، آج جو حالات ہیں تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ بھائی یہ ہو رہا ہے، یہ ہو رہا ہے سوچتے ہیں کہ جمعہ پڑھنا چاہئے، اب دار العلوم دیوبند سے مفتی صاحب بلائے جاتے ہیں وہ آتے ہیں دیکھتے ہیں اب وہ شرائط بھی بہت دور کی تلاش کرتے ہیں اکثر حضرات، معاف کریں، تو وہ فتوی لکھ کر بھیجتے ہیں کہ ابھی آپ کی بستی کے حالات نہیں ہیں، مزید انتظار کیجئے، اس مزید انتظار میں وہ دائیں بائیں کی مسجدوں میں جا رہے ہیں گاؤں کے لوگ اور ان کا ذہن و مزاج خراب ہو رہا ہے۔

تو اس لئے آج تو اس بات کی ضرورت ہے کہ جہاں بھی ہماری مناسب آبادی ہے وہاں جمعہ قائم کیا جانا چاہئے، عوام کا دین سے جڑا رہنا اور ان کے دین وایمان کی حفاظت یہ بہت اہم چیز ہے، حضرت تھانویؒ نے اگر کسی موقع پر تعزیہ کی اجازت دی ہو یہ کہہ کر کہ ان کے لئے تعزیہ بدعت وقایہ کفر ہے، تو اس سے زیادہ سوچنا پڑے گا جمعہ کے دن دیہات میں نماز ہوئی سب لوگ پہنچ گئے، اور ظہر کی نماز جمعرات کی ہو یا جمعہ کی پانچ دس سے زیادہ نہیں ہوتے، یہ پہلو بھی سوچنے کا ہے، گفتگو ہو رہی تھی اس موضوع پر حضرت مولانا قاسم صاحبؒ سے جو ہمارے رکن بھی تھے، کرونا کے ماحول میں ہی گفتگو ہو رہی تھی، مولانا نے فرمایا: علامہ بلیاویؒ فرماتے تھے مولوی صاحب جمعہ کی فرضیت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور شرائط دلائل ظنیہ سے ہم اصرار نہیں کر سکتے، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے کئی فتووں میں یہ بات لکھی ہے جمعہ جہاں ہو رہا ہو اس کو بند نہ کرایا جائے، فتنہ پیدا ہوتا ہے، ہمارے دیگر اکابر نے اعتراف تو کیا ہے کہ کچھ ہو سکتا ہے، لیکن فتوی عام طور سے نہیں دیا، ٹھیک ہے اپنی جگہ۔

لیکن آج حالات اس سے ابتر ہو چکے ہیں تو عمومی طور پر بھی یہ چیز قابل غور ہے اور یہ جو کرونا میں صورت ہوئی اور ہمارے بعض احباب نے بالکل ناجائز کہا ہے اور ایک صاحب نے بڑا سخت مضمون لکھا کہ فلاں صاحب نے کہہ دیا تو بالکل درست نہیں ہے دارالعلوم دیوبند کا، اس کے فتوی کا مذاق اڑایا نامناسب انداز میں، اب تو بہت سے لوگ پیدا ہو گئے ہیں، گستاخی معاف فتوی دینے والے یا مفتی نہیں ہے مناسبت نہیں جو سمجھ میں آیا لکھ دیا، تو بات یہ نہیں، بات یہ بھی سوچنی پڑیگی، چھوٹی چھوٹی جماعتیں مسجد میں، اگر بڑی جماعتیں نہیں ہو رہی ہیں تو کیوں کی جا رہی ہیں، کیوں کیوں کی گئی، عام حالات کے احکام اپنی جگہ پر، خاص حالات کے اور یہ سب چیزیں ہمارے سامنے پیش نظر رہنی چاہئے، اب ہر چیز میں آپ کہیں کہ نص دکھادو تو ہر مسئلہ میں نص ہوتی نہیں ہے، واسطہ در واسطہ ہوتی ہے، کچھ اور چیزیں بھی اس کے ساتھ جوڑی جاتی ہیں، یہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں آیا جتنا میں سمجھ سکا۔

اس زمانے میں سوال و جواب ہوا تو اس کے مطابق میں نے جواب بھی دیا تھا اور وہ تحریر شائع بھی ہوگئی، مسئلہ اجتہادی ہے، فکری ہے، تو اختلاف ضروری ہے، موافقت ضروری نہیں، لیکن مصالح جیسے آپ بتا رہے ہیں تشتت ہوگا تو جمعہ ہے عوام کی نسبت سے اس کو ہمارے لئے سوچنا بہت ضروری ہے، کہ کس حد تک ہم ان کو جوڑے رکھیں، اور کس حد تک ہم نیچے جا سکتے ہیں، اسی پر آپ غور کر لیجئے، آج اگر بات آجائے اس بات کی کہ ہم لوگ مسلمان ہیں ہندو نہیں ہو گئے ہیں، تعزیہ کرتے ہیں مثال کے طور پر، تو ہم کیا کہیں گے...... لاحول ولاقوۃ إلا باللہ...... تعزیہ کا دین سے کیا تعلق، اسلام سے کیا تعلق، لیکن حضرت تھانویؒ نے برملا فرمایا ٹھیک ہے تعزیہ کرتے رہیں، اب اسی موقع پر ایک صاحب نے کہا کہ حضرت تعزیہ تو بدعت ہے، حضرت نے فرمایا یہ بدعت ان کے لئے وقایہ کفر ہے اور ملفوظات میں ایک موقعہ پر اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کانپور ضلع اور دیہات کا ہے، حضرت نے سند کے طور پر ایک بات ذکر کی ہے، ہم جتنے کام کرنیوالے ہیں ہم سب کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے، کیونکہ اس کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے ہم سے کام کرنے والوں سے تشدد کی چیزیں، سختی کی چیزیں جس سے دوسرا فرقہ اور خیال بھڑکتا ہے اور بھڑک کر اپنے علماء کو بلاتا ہے اور ایک مرتبہ عالم آ گیا ان کا آپ سمجھ لیں، پھر کوئی دوسرا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے، حضرت نے فرمایا، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ ایک زمانے میں اجمیر میں تھے، اجمیر میں محرم کے مہینہ میں شیعوں کا اور ہندوؤں کا جھگڑا ہو گیا، یہی تعزیہ کے مسئلہ میں، بات اتنی بڑھ گئی کہ قتل و قتال کا اندیشہ ہو گیا، سنی حضرات میں ایک بے چینی پیدا ہوئی، رشتہ داریاں بھی تھیں اور رشتہ داروں کے لئے تو میں نے یہ سنا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے زمانے سے آج تک اس خاندان کی رشتہ داریاں برابر شیعوں میں چلی آ رہی ہیں اور اجمیر میں اچھی خاصی تعداد شیعوں کی ہے، تو لوگ پریشان، فتوی لیا علماء سے، سب نے کہہ دیا کہ کیا سوال پیدا ہوتا ہے، اس کا اسلام سے کیا

تعلق ہے؟، یہ تو بدعت ہے،کوئی یا کچھ لوگ پہنچے مولانا یعقوب صاحب کے پاس، مولانا نے سب سنا اور فرمایا وہ سب صحیح کہہ رہے ہیں کہ یہ بدعت ہے، لیکن یہ جھگرا سنت اور بدعت کا نہیں ہے یہ اس عنوان سے مسلم اور غیر مسلم کا ہے، تم جا کر ان کا ساتھ دو، حضرت نے اپنے اس فتوی کی دلیل کے لئے حضرت مولانا یعقوب صاحب کا یہ واقعہ نقل کیا جو ملفوظات میں آپ کو مل جائے گا اور نفس واقعہ آپ کو اشرف السوانح میں تیسری جلد میں ملے گا، کنجیر کانپور میں ایک دیہات ہے وہاں کا یہ قصہ ہے، معاملہ یہ ہے کہ ہمیں ان چیزوں کو جو کام کرنے والے ہیں عوام کی نسبت سے، ہم اپنی جگہ متصلب رہیں گے اور رہنا چاہئے یہی دعوت ہے اور یہی کام کا طریقہ ہے، لیکن عوام کے لئے ہم کو نیچے اترنا پڑے گا کہ یہ کسی طرح مسلمان باقی رہیں، اور یہ مروج فتنوں سے بچانے کے لئے بہت بڑا ذریعہ ہے، اس کے پیش نظر یہ پہلو بھی اختیار کیا گیا، وقت تو گزر گیا اللہ تعالی اب ان حالات کو ختم کردے، لیکن کل کو کبھی ایسے حالات پھر ہو سکتے ہیں تو اپنا جس کی رائے ہے جس کو انشراح ہو سمجھ میں آئے تو کوئی حرج نہیں۔

مولانا عبدالقدوس ندوی:

مولانا یہ ایک سمجھنے کی بات ہے، اعتراض نہیں ہے۔

مولانا عبیداللہ اسعدی:

نہیں کوئی حرج نہیں ہے۔

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی:

آپ نے فرمایا کہ ہر چیز میں نص کی تلاش ضروری نہیں، یہ بات معقول ہے ہم لوگ طالب علم کی حیثیت سے پڑھتے ہیں: ''الأصل في العبادات الحظر'' عبادات کے باب میں اصل تو ممانعت ہے، دلیل تلاش کرنی چاہئے، ''الأصل فی الأشیاء الإباحۃ'' یہ قاعدہ کا تعلق معاملات فلاں فلاں سے ہے ہم پڑھتے ہیں، تو ''الأصل في العبادات الحظر'' اس لئے ہے تاکہ سنت اور بدعت میں فرق ہو سکے، ورنہ تو فرق باقی نہیں رہے گا، دوسری بات آپ نے فرمائی اور یہ مجلس اہل علم کی مجلس ہے ہم سب سے درخواست بھی کرتے ہیں اگر یہاں سے کوئی اعلامیہ جاری ہوتا ہے کہ گاؤں دیہات میں نماز جمعہ قائم ہونا چاہئے، چاہے دس ہی آدمی کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ جمعہ کے قیام کی جو شرطیں ہیں وہ سب ظنی ہیں منصوص نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسرے مذہب پر فتوی دیتے ہوئے جیسے آپ نے فرمایا کہ چونکہ ارتداد کا زمانہ ہے مسلمان کو مسلمان باقی رکھنا ہے، میں گجرات میں رہتا ہوں میں نے وہاں دیکھا کہ کثیر تعداد میں بعض جگہوں پر مسلمان رہتے ہیں، لیکن ہمارے علماء

دیوبند کے مسلک وہاں جمعہ قائم کرنے نہیں دے رہے ہیں، تو ان سے بھی درخواست ہے کہ یہاں سے وفد جائے اور ان کو سمجھائے کہ ایسا کیوں کررہے ہیں، اس لئے کہ جمعہ کی نماز نہیں پڑھیں گے تو عام نماز کہاں سے پڑھیں گے؟ ایک فتوی یا ایک اعلامیہ یہاں سے جاری ہونا چاہئے کہ گاؤں دیہات میں جہاں دس ہی مسلمان کیوں نہ ہو، وہاں جمعہ کی نماز قائم ہو، چونکہ وہ شرائط ظنی ہیں اس کے پیش نظر شاید گنجائش نکل سکتی ہے، جیسے کہ یہاں گنجائش نکالی جارہی ہے، ایک درخواست تو یہ تھی بس۔

مولانا عبیداللہ اسعدی:

آپ نے گجرات کا نام لیا، مفتی صاحب سے معذرت کے ساتھ، پورے گجرات کی بات تو میں نہیں جانتا، لیکن مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پالنپور کے بڑے دیہات جہاں مسلمانوں کی اچھی آبادی ہے، لیکن جمعہ نہیں ہوتا، چونکہ مولانا نذیر صاحبؒ جو علاقے کے بڑے داعی اور مصلح تھے وہ صرف ایک جگہ پورے شہر میں جمعہ کے جواز کے قائل تھے، حتی کہ کہیں جاتے تھے تو شہر کے علاوہ کسی دوسرے جگہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے، اس کے نتیجہ میں پورے پالنپور میں تقریباً یہی حال ہے، ایسا میں نے سنا ہے، بلکہ بعض لوگوں سے کہا بھی کہ تحریک شروع کرو، لوگوں کو جمع کرو اس چیز کو سمجھو کہ یہ چیز بہت نقصان دہ ہے، یہ سب چیزیں ہم سب کے لئے قابل غور ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا مصطفیٰ صاحب یہ پوری مجلس آپ کے اور مولانا اسعدی صاحب کے نام ہے، لیکن کچھ اور لوگوں کو بھی مناقشہ کرنے دیجئے۔

مولانا حذیفہ داحودی:

مجھے مولانا کی بات پر ہی کچھ کہنا ہے، مولانا کہہ رہے تھے کہ نص نہیں ہے، اگر کتاب وسنت کے نص کی بات ہے تو مولانا عبیداللہ صاحب نے اس کی وضاحت کردی، اگر فقہی نصوص کی بات ہے بعض کتب فقہیہ میں اس طرح کی عبارت ہے کہ جس میں مسجد کے علاوہ دار، یا مکان وغیرہ میں جمعہ قائم کرنے کی گنجائش دی گئی ہے، ایک مختصر عبارت ہے: ''**السلطان إذا أراد أن يجمع ......في داره، فان فتح باب الدر وأذن إذناعا جازت صلاته شهدها العامة أولم يشهدها**''، لوگ آئیں نہ آئیں انہوں نے اجازت کا راستہ اختیار کرلیا ہے تو اس دار میں بھی نماز جمعہ ادا ہوسکتی ہے اس کے علاوہ ہمارے اکابر کے فتاوی میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی میرے سامنے ہے، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے تین فتاوی

میرے سامنے ہیں، فتاوی رحیمیہ کا ایک فتوی میرے سامنے ہے، ان پانچوں فتاوی میں مکان میں دس بیس کی تعداد بھی ذکر کی گئی ہے، بعض میں، ان محدود تعداد کے لوگوں کو جمعہ کی اجازت دی گئی ہے، ہمارے اکابر ہی نے دی ہے، اس لئے ان مخصوص حالات میں جو گنجائش دی گئی ہے وہ گنجائش بجا تھی، دوسری بات مولانا نے کہی کہ جمعہ کے جواز پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، میری طرف سے عرض ہے جو بھی جواز کہہ رہے ہیں وہ اصرار نہیں کررہے ہیں کہ جمعہ ضروری ہے، وہ اجازت دے رہے ہیں کہ ان حالات میں اگر کوئی مکان میں کوئی چھوٹی جگہ میں یا کسی چھوٹے ہال میں جمعہ پڑھتے ہیں تو ان کے لئے گنجائش ہے، وہ پڑھ سکتے ہیں، جمعہ ادا ہوجائے گا۔

مولانا خالد نیموی:

جمعہ کے قیام کے تعلق سے از سر نو غور وخوض کی ضرورت، اس لئے پڑی ہے کہ عالمی سطح پر جو وبا ہے پہلے تو اس کو سازش کہا گیا، پھر یہ کہا گیا کہ رمضان المبارک میں ہمیں عبادت سے محروم رکھنے کی یہ سازش ہے، بہت مشکل سے لوگوں نے اعتراف کیا کہ یہ ایک وباء ہے، مصیبت ہے، ابتلاء من جانب اللہ ہے، یہ الگ مسئلہ ہے۔

جمعہ کی نماز کا مسئلہ بہت اہم ہوجاتا ہے ایسے حالات میں، ایک طرف فقہاء نے اس کے لئے جو شرائط رکھی ہیں تو ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ بہت سی چیزوں کا تعلق دار الاسلام سے ہے، یعنی ایسے حالات میں ہم جب گفتگو کررہے ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے شاید خلافت بنوامیہ یا خلافت بنوعباسیہ کے زمانے میں زندگی گزار رہے ہیں، ابھی جو حالات ہیں، وجہ ارتباط دین سے صرف جمعہ کی نماز ہے اور کچھ نہیں، کوئی علامت نہیں، بہار شریف میں ۱۹۴۶ میں جو فسادات ہوئے تھے تو وہ پورا علاقہ ویران ہوگیا اور بہت سے علاقوں میں مسجدیں ہیں، لیکن اس کو آباد کرنے والا نہیں ہے، حضرت امیر شریعتؒ کو اس صورت حال سے واقف کرایا تو انہوں نے اجازت دی کہ ان بستیوں میں جاکر لوگوں کو جمعہ کے نام پر جمع کیا جائے، تو اس کوشش کی غیر مسلموں نے مخالفت کی، لیکن ان کو سمجھایا گیا کہ جمعہ کا دن ہے، جمعہ کی نماز ادا کریں گے اور کوئی مسئلہ نہیں، صرف جمعہ کے عنوان سے الحمد للہ اس میں سے زیادہ تر مساجد آباد ہوگئیں، یہ کوئی مفروضہ نہیں، بلکہ حقائق ہیں جو ہم شب و روز دیکھتے ہیں، مجھے ''البدائع الصنائع'' کی وہ عبارت یاد آرہی ہے جس میں شرائط اقامت جمعہ میں ایک یہ ہے کہ ایک بڑا شہر ہے جس کے درمیان سے نہر گزر رہی ہے تو نماز کہاں ہوگی جمعہ کی اس حصہ میں یا اس حصہ میں یا دونوں میں، تو اس زمانے کے علماء نے فتوی دیا تھا کہ اس دوئی کا چکر ختم کردیا جائے مطلب بیچ میں جو پل ہے اس کو ہٹا دیا جائے اور یہاں بھی نماز پڑھی جائے اور وہاں بھی نماز ادا کی جائے، اب بتائیں کہ ابھی اس زمانے میں تصور کیا جاسکتا ہے کہ پل کو ہٹائیں پہلے تاکہ

عذر حقیقی متصور ہو، تو اس زمانے میں ایسا پل نہیں ہوتا تھا، لکڑی وغیرہ کا ہوتا تھا، ہٹایا اور بات ختم، تو ہمیں اس پس منظر میں بھی اس کو دیکھنا چاہئے، جو وجہ ارتباط ہے دین کے ساتھ، دین کے شعائر کے ساتھ، انہیں باقی رکھنے کے لئے ہمیں کچھ ایسا کرنا پڑے گا کہ شریعت کے واضح نصوص کی خلاف ورزی بھی نہ ہو اور کام بھی ہو جائے، یہی گزارش ہے امید کہ توجہ دی جائے گی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

وہ اصل میں وحدت جمعہ اور تعدد جمعہ سے متعلق ہے جمعہ فی القری سے متعلق نہیں ہے، چونکہ بعض فقہاء کے یہاں وحدت جمعہ ضروری ہے، ایک مصر میں، اور مستحب ہمارے یہاں بھی ہے تو اس لئے بعض فقہاء کے یہاں یہ بات ملتی ہے۔

مولانا نذیر احمد کشمیری:

کرونا کے سلسلہ میں تقریبا ہر طبقہ سے بہت زیادہ افراط وتفریط پایا گیا، ڈاکٹروں کی طرف سے، علماء کی طرف سے انتہائیں پائی جاتی رہیں، کاش وہ انتہائیں نہ رہی ہوتی تو اتنے مسائل پیدا نہیں ہوتے، ڈاکٹروں کی طرف سے اتنا خوف پیدا کر دیا گیا کہ بے شمار علاقوں میں بغیر غسل کے، بغیر جنازے کے لوگوں کو دفن کیا جانے لگا، علماء کی طرف سے افراط کیا پائی گئی کہ صاحب صورت حال یہ ہے کہ یا تو جمعہ سرے سے پڑھنا ہی نہیں ہے، مثلاً ہر جگہ مسجد میں پانچ آدمی جمعہ پڑھنے کے لئے آئیں گے، باقی کو نہیں پڑھنے دیا جائے گا، اب ہمارے سامنے مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یہ جمعہ پڑھیں یا نہ پڑھیں، ہم نے اپنے علاقہ میں یہ کہا ہے کہ جن بستیوں میں جمعہ پہلے سے جائز ہے ان مسجدوں میں تعدد جمعہ پر عمل کر لیا جائے اور جن مسجدوں میں جمعہ پہلے سے نہیں ہے وہاں ظہر پڑھ لی جائے، لیکن کچھ علماء نے کہا کہ سرے سے جمعہ ہونے ہی نہیں دینا ہے۔ تو افراط وتفریط چاروں طرف سے پائی گئی ہیں، میں عرض کرنا چاہوں گا کہ جب مسئلہ دو چیزوں کے درمیان دائر ہو یا تو پڑھنا ہے یا سرے سے چھوڑ دینا ہے تو اس پر غور کیا جانا چاہئے کہ پڑھنے کی اجازت اگر نکل سکتی ہے تو امت کو وہی راستہ دکھانا چاہئے، بجائے اس کے کہ ترک کر دیں، مقالات جن حضرات نے لکھے ہیں بہت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، ہمیں دو چیزوں میں فرق کرنا ہوگا، ترک اور عمل اگر یہ ہو کہ عمل کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہتر یہ ہے اس میں شرائط ڈھونڈھی جائیں، یا تو کہنا ہے سرے سے پڑھو مت مگر اس طرح پڑھو، تو اس وقت ہمیں یہ پہلو لینا چاہئے، غالبا میں اپنی بات عرض کر پایا، امید ہے کہ کچھ بہتر امت کے سامنے نقشہ آ جائے۔

مفتی عثمان بستوی گورینی:

جب مساجد میں تالے ڈال دیئے گئے اور صرف چار افراد کو اجازت دی گئی تو ویسی صورت میں دو چار لوگ جمعہ ادا

کرلیں، پھر بقیہ پوری قوم کے لوگ ان جگھوں میں بھی جہاں جمعہ کے شرائط موجود ہیں لوگ ترک کرنے پر اتفاق کرلیں، عملی طور پر سارے لوگ جمعہ کو ترک کردیں، یہ ایک صورت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر ایک جگہ نہیں جمع ہوسکتے ہیں تو لوگ اپنی اپنی وسعت کے مطابق چھوٹی چھوٹی جماعتیں گھروں میں کرلیں، اب اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے کچھ لوگوں نے کہہ دیا کہ نہیں یہ صورت زیادہ بہتر ہے کہ دو چار لوگ جمعہ پڑھ لیں مساجد میں، بقیہ سارے لوگ چھوڑ دیں، یہ بات عقل سے بالاتر ہے جس کی وجوہات یہ ہیں کہ حضرات احناف کے نزدیک اعذار کے وقت تعدد جمعہ بلا کراہت مطلقا جائز ہے، اور یہی مفتی بہ ہے اور یہی ظاہر الروایۃ بھی ہے، اب جب شرائط جمعہ کی پائی جارہی ہیں جمعہ پڑھانے والا موجود ہے پھر ترک کرنے کی وجہ کیا ہوگی، اگر ترک کیا جائے گا تو کیا ترک جمعہ کا وبال نہیں آئے گا؟ یہ بات غور کرنے کی ہے۔

رہے مسائل و جزئیات کہ جمعہ فوت ہوجانے کی صورت میں تو اس پر غور کرنا چاہئے یہ اتفاقی صورتیں ہیں کہ کبھی بسا اوقات ایک دو فرد جمعہ پڑھنے سے پیچھے رہ گئے جمعہ میں شریک نہیں ہوسکے، تو ان کے لئے کہا گیا کہ انفرادا پڑھیں یا جماعت سے پڑھیں ان کے لئے وہ مسائل ہیں، لیکن جب پوری قوم کو جمعہ سے روک دیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اب جمعہ قائم ہی نہیں ہوگا پورے شہر میں صرف مساجد میں دو افراد یا چار افراد پڑھ کر اکتفا کرلیں تو جب گھروں میں جمعہ کی شرائط موجود ہوں اور امام بھی موجود ہو تو اس کو کیوں ترک کیا جائے؟ اس کی وجہ ضرور ذکر کرنی چاہئے، یہ بات تو عقل سے بالاتر ہے کہ ساری قوم کو جمعہ کا تارک بنا دیا جائے۔

دوسری بات حضرات اکابر کے فتاوی میں یہ جزئیات ملتے ہیں کہ اگر عیدین کی نماز بہت سے افراد سے چھوٹ گئی جیسا کہ بہت ساری جگہوں میں ہوتا ہے تو ان پر ان حضرات نے لکھا کہ اگر کوئی پڑھانے والا مل جائے تو ضرور پڑھ لیں، تاکیدی حکم دیا ہے، اس لئے کہ یہ سب شعائر اسلام ہیں اور تیسری چیز کہ جمعہ کے ذریعہ سے خاص طور سے اپنے ہندوستان میں اسلام سے ربط باقی ہے جس دن جمعہ کو چھوڑا گیا یا چھڑایا گیا اور یہ کہہ دیا گیا کہ نہیں اب جمعہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ،لوگ اب ظہر پڑھیں تو سب کو معلوم ہے کہ ظہر پڑھنے کی ضرورت اب کسی کو محسوس نہیں ہوگی، تو نہ ظہر ہوگی نہ جمعہ ہوگا اور پھر دھیرے دھیرے جو ان کی جمعہ کی عادت تھی وہ بھی ختم ہوجائے گی اور نتیجہ یہاں تک پہنچے کہ وہ دین ہی سے دور ہوجائیں گے، اور اگر یہ مسئلہ مہینے یا دو مہینے کا ہوتا تو کچھ غور کیا جاتا، لیکن یہاں تو مسائل ایسے پیش آئے کہ سال سال بھر یہ حالات چلتے رہے مساجد بند رہیں، پھر ان حالات میں بھی ہم وہی جو عارضی حکم ہے یہاں نافذ کردیں اور وہی حکم منطبق کریں، یہ عقل سے بالاتر ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ جب شرائط موجود ہوں اور پڑھنے پر قدرت ہو تو پھر گھروں میں بھی جمعہ کا قیام

ضروری ہے۔

تیسری بات مساجد میں تعدد جمعہ کے بارے میں ہے بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک مسجد میں اتنے افراد آ سکتے ہیں اور جس سے مسجد بھر جاتی ہے، پھر بہت سے افراد چھوٹ جاتے ہیں جو مسجد میں نہیں آ سکتے، اب ان کے لئے مسائل پیش آ سکتے ہیں کہ وہ کسی میدان میں جا کر جمعہ کا انتظام کریں، تو اپنے ماحول میں اگر غور کیا جائے تو کسی میدان میں جمعہ کے لئے انتظام کرنا ہر ہفتہ، ان کے وضو کا اور مصلی کا اور ہر چیز کا اہتمام کرنا کہ لوگ آسانی سے شریک ہو جائیں یہ کارے دارد، اب ایسی صورت میں کیا کیا جائے کہ مسجد میں جماعت ثانیہ قائم کریں، یا ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ جا کر میدان میں کوئی جگہ خالی کرائیں، جبکہ اس میں فتنہ بھی ہوتا ہے، اس صورت میں میرا خیال اور رجحان یہ ہے کہ مسجد میں جماعت ثانیہ جمعہ کی اجازت یہ افضل ہے، بنسبت میدان میں، اس لئے کہ اس میں دشواری ہے اور فتنہ کا باعث بھی ہے، اس کی وجہ ایک یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک جمعہ کی صحت کے لئے مسجد کا ہونا شرط ہے، تو یہ مسئلہ جب غیر مسجدوں میں ادا کیا جائے تو امام مالکؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا اور مسجد میں اگر ادا کیا جائے گا تو بالاتفاق صحیح ہو جائے گا، تو مختلف فیہ سے بچ کر کے متفق علیہ کو اختیار کرنا یہ راجح اور مقدم ہوگا، اس لئے ایسی صورت میں اہتمام اس کا ہونا چاہئے کہ فتنے کم سے کم ہوں، لوگوں کو مشقت کم سے کم ہو، زیادہ سے زیادہ لوگ شرکت کر سکیں اور تمام ائمہ کے مطابق نماز صحیح ہو سکے۔

مفتی عبدالرشید کانپور:

جہاں تک تعلق ہے مسجد میں تعدد کا تو اب تک اکیڈمی سے تجویز یا فتوی کچھ بھی دیا جائے، لیکن لوگوں نے عمل کرنا اس پر شروع کر دیا ہے شہروں میں، کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، کانپور کی ہم مثال دیتے ہیں کہ مسجد بھر جاتی تھی اور سڑک پر بھی لوگ جمع ہو جاتے تھے، لیکن اب حکومت نے بین کر دیا ہے سڑک پر نماز کی ادائیگی سے، مجمع زیادہ ہے ظاہر ہے یہ مسئلہ اکثر مساجد کے ساتھ ہے، اکیڈمی تجویز کچھ بھی پاس کرے ان کو اسی مسجد میں پڑھنا ہے پڑھنا ہی پڑھنا ہے، تو ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے، ممبئی کے بارے میں شاید کچھ اسی طرح سننے میں آیا ہے، کہ میدان میں جمعہ قائم کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ اب حکومت نے منع کر دیا ہے، البتہ شادی وغیرہ کا ہال لیا جا سکتا ہے جس کے اخراجات الگ ہوں گے اور تکلفات بھی۔

دوسری بات شرائط جمعہ کی آتی ہے، یہ بڑا نازک مسئلہ ہے اس وقت جو ہمارے مفتیان کرام افتاء کا کام کر رہے ہیں ان کو جتنی دقت اس میں پیش آتی ہے کہیں کسی نے پوچھ لیا کہ چلئے دیکھئے ہمارے یہاں جمعہ ہوگا یا نہیں، اتنی دقت کسی اور چیز میں پیش نہیں آتی ہے۔ یہاں دو باتیں ہیں ایک تو مجمع دوسرے ضروریات کا ہونا اگر ان سے پوچھا جاتا ہے کہ بھائی

ضروریات ملتی ہیں تو وہ مثال دیتے ہیں کہ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کے یہاں حضرت مفتی محمود صاحب تشریف لے گئے، حضرت شاہ صاحبؒ کا رخ تھوڑا سا سخت تھا کہ بھائی یہاں ساری ضروریات مل جاتی ہیں تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہاں کیا اس وقت برف مل جائے گی، ظاہر بات ہے کہ اس وقت وہاں برف ملنا بڑا مشکل تھا، اور مفتی صاحب ہر زمانے میں ٹھنڈا پانی پیتے تھے تو یہ کہاں پر کیا چیز ملے گی یہ بھی مسئلہ ہے، ہم کہیں کہ ساری ضروریات ہیں تو اسپتال ہے کہ نہیں تو اسپتال کس نوعیت کا ہو، بہت سے اسپتال تو ایسے ہیں جو شہروں میں بھی نہیں ہیں تو یہ بھی ایک عجیب سی بات ہے اس سلسلہ میں اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ کیا مسلک غیر پر بھی فتوی دیا جائے جمعہ کے تعلق سے، تو جب اتنی نزاکتیں اور اس نوعیت تک بات پہنچ گئی ہیں کہ مسلک غیر پر فتوی دیا جائے، یا مسلک غیر پر فتوی نہ دیا جائے، تو اندازہ کر سکتے ہیں کہ صورت حال کیا ہے۔

آخری بات یہ کہ جو مفتی نذیر احمد صاحب نے فرمایا کہ جنازہ کے دفن کرنے کے تعلق سے تو مفتی صاحب کو شاید اپنے علاقے کے اعتبار سے غلط فہمی ہوئی، یہاں لوگ نہیں ڈرے ہوئے تھے بلکہ یہاں حکومت کی طرف سے اجازت نہیں تھی، باقی جن جن لوگوں کو موقع ملا باقاعدہ کفن بھی دیا گیا، غسل بھی دیا گیا اور دفنایا گیا۔

مولانا عبیداللہ اسعدی:

ہردوئی کے گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ تھا، مشاہدہ کے لئے حضرت مولانا ابرارالحق صاحب اور حضرت مفتی محمود صاحب دونوں تشریف لے گئے تھے، مولانا ابرارالحق صاحب نے کسی کو جوابی کارڈ (پوسٹ کارڈ) لانے کے لئے پیسے دیئے، مگر نہیں ملا، تو مولانا نے فرمایا کہ جس گاؤں میں جوابی کارڈ نہ ملے جو کہ آج کی ضرورت ہے تو وہاں جمعہ کیسے جائز ہو سکتا ہے، مفتی محمود صاحبؒ ہر موسم میں ٹھنڈا پانی پیتے تھے اور دسمبر کے مہینے میں ہردوئی جیسے شہر میں برف نہیں ملا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی جس شہر میں برف نہ ملتی ہو اور ہر وقت نہ ملتی ہو وہاں جمعہ جائز ہوگا؟ یہ واقعہ تھا جس کی طرف مولانا عبدالرشید صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

مولانا امانت علی قاسمی:

تعدد جمعہ کے تعلق سے ہی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، کرونا کی صورتحال تو انشاءاللہ ختم ہو جائے گی، لیکن ایک بڑا مسئلہ اس وقت بھی ہے اور آئندہ مزید صورت حال تشویش ناک پیدا ہو گئی کہ بڑے شہروں کے اندر اب مسجد کے لئے پرمیشن لینی پڑ رہی ہے اور ہر جگہ مسجد بنانے کی اجازت نہیں مل رہی ہے کئی کئی کیلومیٹر تک مسجدیں نہیں ہیں اور ہمارے یہاں اب تک بڑے دارالافتاء سے یہی فتوی جا رہا ہے کہ ایک مسجد میں دوبارہ جمعہ ادا نہیں کر سکتے، یا تو آپ میدان میں پڑھئے یا ہال بک

کریں، فتاوی رحیمیہ وغیرہ کے اندر، یا یہ کہ کرائے پر جگہ لی جائے ہر ہفتہ، میں نہیں سمجھتا کہ بڑے شہر کے مسلمان بھی اس کے متحمل ہوں گے، اور ممبئی میں تو عملی صورت حال پیدا ہو چکی ہے، میں نے دیکھا کہ بہت ساری مساجد کے اندر دو دو اور تین تین جمعہ کی نمازیں ہو رہی ہیں، وہاں پر بات کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ مسجد ایک منزل ہے اور دوسری منزل بنانے کی اجازت نہیں مل رہی، ایسی صورت حال میں تفصیل سے بات ہونی چاہئے اور ایک تجویز صحیح آنی چاہئے کہ جہاں پر وسعت نہیں ہے اور مسجد کے باہر جمعہ قائم کرنا ممکن نہیں ہے وہاں مسجد کے اندر دوسرے جمعہ کی اجازت ہوگی، البتہ اب تک جو دار الافتاء سے فتاوی جارہے ہیں وہ تعدد جمعہ کے عدم جواز کے جارہے ہیں جس کی بنیاد پر بہت ساری جگہوں پر تشویش کی صورت حال پیدا ہو رہی ہے، اس پر غور ہونا چاہئے کہ وہی حکم باقی رہے گا یا تبدیلی حالات کی وجہ سے حکم بھی بدلے گا اور فتوی بھی تبدیل ہوگا۔

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی:

مجھے غائبانہ نماز جنازہ کے تعلق سے عرض کرنا ہے کہ حضور ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کیوں پڑھی؟ اس پر دو احتمال بیان کئے جاتے ہیں کہ کفار کے درمیان ان کی موت ہوئی اور ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، اس وجہ سے آپ ﷺ نے نماز پڑھی، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ ان کی نماز جنازہ بالکل ہی نہیں پڑھی گئی تھی، ہوسکتا ہے کہ کچھ مسلمان وہاں رہے ہوں انہوں نے نماز کی ادائیگی کی ہو، پھر آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، گویا یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، ہمارے فقہاء نے بھی جو مختلف جزئیات ذکر کئے ہیں گویا یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، اس وجہ سے ہم لوگ نماز غائبانہ نہیں پڑھیں گے، لیکن نہ کسی حدیث کی کتاب میں، نہ فقہاء کی عبارت ملتی ہے کہ اگر کسی وباء کی وجہ سے کسی مسلمان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تو کیا اس صورت میں اس کی نماز غائبانہ پڑھی جائے گی یا نہیں، تو گویا فقہاء کے یہاں اس کا تذکرہ ہی نہیں ہے اور یہ ایک نئی صورت حال ہے، تو اس نئی صورت حال میں ہمیں دین کے مزاج کو اور کتاب وسنت کی جو تعلیمات ہیں اس کو پیش نظر رکھ کر غور کرنا ہوگا کہ اگر مسلمان کا جب حق ہے نماز جنازہ تو جب اس کی کوئی شکل ہی نہیں ہے کہ سامنے ہو اور نماز جنازہ ادا کی جائے، تو ایسی صورت میں نماز غائبانہ کی گنجائش ہونی چاہئے، اس کو قدیم فقہاء کی عبارتوں میں لانا درست نہیں ہوگا جو پہلے تھا ہی نہیں تو اس کا حکم انہوں نے بیان ہی نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نئی چیز ہے اور نئی چیز کو پرانی چیز میں کیسے داخل کرسکتے ہیں، مثال کے طور پر ہوائی جہاز پہلے نہیں تھا، اس لئے فقہاء کے یہاں سجدہ کسے کہتے ہیں: ''وضع الجبہۃ علی الأرض، علی الأرض'' کی قید اس لئے لگائی کہ عام طور پر کسی چیز کا ٹھہراؤ پیشانی کا، اس وقت اسکی صورت یہی تھی کہ زمین پر سجدہ ہو، لیکن ہوائی جہاز کا جو فرش ہے وہ بھی زمین کی طرح ہے اس کا تصور ہی نہیں تھا ان کو کہ کوئی انسان فضا میں بھی پرواز کرسکتا ہے، لہذا اس قید سے استدلال کرتے ہوئے، جیسا کہ بعض مفتیان نے کہہ بھی دیا کہ ہوائی جہاز میں نماز

نہیں پڑھ سکتے ہیں، جائز نہیں ہے، کیونکہ علی الأرض کی قید نہیں پائی جاتی ہے تو ہمارے بعض اکابر نے یہی بات لکھی کہ وہ چیز تو پہلے تھی نہیں، اس میں اس قید کو کیسے داخل کیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیا مسئلہ ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس پر غور ہونا چاہئے، نماز غائبانہ کی جو بھی شکل آپ ﷺ کے عہد میں رہی یا بعد کے ادوار میں فقہاء نے جو ذکر کیا تو اس میں یہ شکل ہے نہیں، کسی فقیہ نے یہ بات ذکر نہیں کی کہ اگر کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی وباء کی وجہ سے تو اس کی نماز غائبانہ پڑھی جائے گی یا نہیں پڑھی جائے گی، تو گویا ایک نیا مسئلہ ہے جس کو ہمیں کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرنا ہے۔

مولانا محمد سلطان کشمیری:

تعدد جمعہ کے تعلق سے کچھ عرض کرنا ہے، مناقشہ میں جو بات آئی کہ تعدد جمعہ عذر کی بنا پر درست ہے اور کچھ اختلافات بھی رہے تو عرض کرنا کہ وادی کشمیر میں عام حالات میں بھی کچھ ادارے ایسے ہیں جو مسجد میں جانے نہیں دیتے، تقریباً پورے سال یہ سلسلہ رہتا ہے، اور مفتی حضرات سے لوگ پورے سال یہ مسئلہ پوچھتے رہتے ہیں کہ کیا ہم اپنے کمرہ میں جمعہ پڑھیں اور اس کے بعد وقتی طور پر کبھی اجازت دیتے ہیں کبھی مشورہ دیتے ہیں، ایک تو اس مسئلہ پر غور وفکر کی ضرورت ہے، اور اس کے علاوہ اگر اکیڈمی کی طرف سے کوئی تحریر فتوی کی صوورت میں آتی کہ گاؤں میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، عدول عن المسلک کے طور پر، لیکن اس میں ممکن ہے ہارجیت کا مسئلہ ہو، کہیں یہ کہہ دیں کہ ہمارے مسلک پر آگئے، تاہم یہ بات ہم عرض کردیں کہ ہر علاقے کے لوگ جو گاؤں کے ہیں یا علماء ہیں وہ اپنی صوابدید پر جاکر گاؤں کا جائزہ لے کر جمعہ کے قیام کے سلسلہ میں مثبت طور پر سمجھانے کی کوشش کریں فتوی کی شکل نہ ہو تو اس محنت کو اگر جاری کیا جائے اور اس کو رکھا جائے تو ممکن ہے اس کا فائدہ ہو۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اصل میں اکیڈمی کوئی فتوی نہیں دیتی، اکیڈمی ارباب افتاء کے لئے غور وفکر کا راستہ اور اس کا مواد اور جن پہلوؤں کو سامنے رکھنا چاہئے ان کو پیش کرتی ہے لوگوں کے سامنے اور دنیا میں جہاں بھی فقہ اکیڈمیاں ہیں ان کا یہی موقف ہوتا ہے، رابطہ عالمی اسلامی کے تحت ''المجمع الفقہی'' ہے اور وہاں کی فتوی کمیٹیاں ہیں ''ہیئۃ کبار العلماء'' دونوں کی رائے میں فرق ہوتا رہتا ہے، حالانکہ جو اکابر علماء ہیں ان کے وہ دونوں میں شامل ہیں تو اکیڈمی ارباب افتاء کے لئے فتوی میں سہولت پیدا کرتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک ایسا مسئلہ جو صدیوں سے ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلافی رہا ہے، جمعہ فی القری کا مسئلہ اس میں ہم اور آپ یہ اعلان نہیں کرسکتے کہ جمعہ فی القری مطلقا جائز ہے، دلائل ہیں اس کی بنیادیں ہیں اس کی، یہ اسمیں اصل

میں مقامی علماء کا کردار زیادہ اہم ہے خاص کر ہندوستان جیسے ملک میں، جمعہ صرف ایک نماز نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کو اسلام سے مربوط رکھنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، مولانا اسعدی صاحب نے ابھی فرمایا کہ بہت سارے لوگ واقعی اپنے مسلمان ہونے کی پہچان جمعہ سے سمجھتے ہیں تو علماء اس بات کی کوشش کریں کہ وہ زیادہ سے زیادہ جہاں گنجائش ہوسکتی ہو نکالیں، چونکہ آپ جانتے ہیں کہ قریہ سے کیا مراد ہے؟ مصر سے کیا مراد ہے؟ قریۃ جامعۃ سے کیا مراد ہے اسمیں فقہاء کے اقوال بہت سارے ہیں اور بعض میں بہت تنگی ہے اور بعض میں بہت وسعت ہے، میں جب پہلی دفعہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی خدمت میں رائے بریلی حاضر ہوا تو حضرت کی صحبت میں چند دن رہا تو حضرت نے مجھ سے سوال کیا کہ ہندوستان کے ماضی قریب کے علماء میں کن کے فتاوی سے آپ کو زیادہ مناسبت ہے کن کے فتاوی آپ کو زیادہ اچھے معلوم ہوتے ہیں، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا تو حضرت نے پوچھا کیوں؟ تو میں نے کہا کہ میرے مطالعہ میں ان کا فتاوی زیادہ اوفق بالزمان ہے، زمانے کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہوتے ہیں، تو مولانا نے تصویب کی ہماری اور کہا کہ بالکل صحیح ہے، پھر ایک دلچسپ بات نقل فرمائی کہا کہ مولانا الیاسؒ کے پاس جب لوگ نماز جمعہ کے سلسلہ میں آتے تھے کہ ہم اپنے گاؤں میں جمعہ شروع کریں یا نہیں، تو مولانا فرماتے تھے کہ دیکھو مفتی کفایت اللہ صاحب سے جا کر پوچھو، اور اس کے بعد ان کو آہستہ سے کہتے تھے کہ دیکھو دیوبند سہارنپور نہیں جانا، حضرت سے پوچھ لو، چونکہ حضرت مولانا الیاسؒ خود داعی تھے مسلمانوں کے احوال سے باخبر تھے اور خود ہندوستان جیسے ملک میں لوگوں کے اسلام و ایمان کی بقاء میں جمعہ کا جو رول ہے اس پر ان کی نظر تھی، اس پر وہ فرماتے تھے تو یہ چیز مقامی طور پر ہی اہل علم کے طے کرنے کی، سمجھانے کی، اور رہنمائی کرنے کی ہے، اگر اکیڈمی اس طرح کا بیان جاری کرے تو اس سے جو اختلاف پہلے سے اہل علم میں چلا آ رہا ہے اس میں ایک اور اضافہ ہی ہو جائے گا۔

مفتی جمیل احمد نذیری:

ابھی کچھ دیر پہلے یہ کہا گیا کہ کرونا کی وجہ سے جو نماز غائبانہ کا مسئلہ سامنے آیا ہے وہ نئی بات ہے، اس سے پہلے چونکہ اس طرح کا کوئی معاملہ سامنے نہیں آیا تھا، اس لئے قدیم فقہاء کے یہاں اس کا کوئی جواب بھی موجود نہیں، اس لئے ہم کو نئے حالات میں سوچنا ہے اور غور کرنا ہے، میرا عرض کرنا یہ ہے کہ کوئی نئی صورت حال نہیں ہے، البتہ اس سے مماثل صورتیں روزانہ ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں، آج کے حالات میں اور جو ملک کے اندر فسادات ہوتے ہیں اس میں تو یہ چیزیں بہت آتی ہیں، کرونا سے زیادہ دردناک واقعات پیش آتے رہتے ہیں، مثلاً فسادات کے موقعوں پر کسی مسلمان کا غائب ہو جانا، یہ بہت ہوتا ہے، مسلمان تو غائب ہو گیا اور نعش تک نہیں ملتی، جبکہ اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شہید کر دیا گیا ہے، مگر اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں کی جاتی، اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ کرتا ہے اور نہ کوئی اس مسئلہ کو اٹھاتا ہے یہ تو آئے دن ہوتا رہتا

ہے ہمارے ملک کے حالات میں، اور اس کے ساتھ جڑی ہوئی دوسری بات یہ ہے کہ نماز جنازہ کے لئے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے، جب میت سامنے نہیں ہے تو چاہے کرونا کی صورتحال ہو یا کوئی اور صورتحال سب کا حکم ایک ہی ہوگا اور جن فقہاء کرام نے غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز کا حکم بیان کیا ہے وہ بنیاد یہی رکھتے ہیں کہ میت سامنے موجود نہیں ہے اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلہ میں نجاشی کے قصہ سے دلیل لی جاتی ہے جو بخاری اور مسلم میں اور سنن اربعہ میں مختلف صحابہ کرام سے مروی ہے، مگر اس سے مطلق غائبانہ نماز جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، صرف دو واقعات ملتے ہیں غائبانہ نماز جنازہ کے، میں نے اس کا حوالہ دیا ہے کہ ''رہا نجاشی کا واقعہ تو اس کے بارے میں امام خطابی نے جو تفصیل ذکر کی ہے وہی قوی ہے، کیونکہ اگر ہر غائب میت کی نماز جنازہ مشروع ہوتی تو حضور اکرم ﷺ نجاشی کے علاوہ کم از کم کسی ایک کی تو نماز جنازہ ادا کرتے، جبکہ آپ ﷺ سے ایسا قطعا ثابت نہیں، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اگر میت غائب پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو نبی کریم ﷺ صحابہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتے، شرق وغرب میں مسلمان خلفاء اربعہ اور دیگر لوگوں کی بھی نماز پڑھتے، لیکن ایسا کرنا کہیں پر بھی منقول نہیں تو دو واقعہ جو ہے وہ ایک معاویہ بن معاویہ والا ہے جو ثابت نہیں ہے اور نجاشی کا واقعہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے غائبانہ نماز جنازہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور جہاں تک گاؤں دیہات میں جمعہ قائم کرنے کی بات ہے تو میں نے اپنی کتاب ''رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز'' میں نماز جمعہ کے تعلق سے بحث کرتے ہوئے دلائل دیئے ہیں جو حنفیہ کے ہیں کہ جمعہ کے مصر شرط ہے، خود قرآن کریم کی جو آیت ہے: ''فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع'' کہ اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور بیع وشراء کو چھوڑ دو یہ خود اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جمعہ کا وقت ہوجائے تو کاروبار بند کرو اور جمعہ کے لئے دوڑ پڑو، بہرحال اس میں اور بھی دلائل ہیں، لیکن میں اس میں یہ بحث بھی شامل کی ہے جہاں جمعہ پہلے سے قائم ہوا گرچہ شرائط جمعہ نہ پائی جاتی ہوں وہاں جمعہ بند کرنے سے اگر فتنہ ہو یا یہ ہو کہ ہفتہ ہفتہ میں تو لوگ آجاتے ہیں جمعہ بند کرنے سے اس میں بھی نہیں آئیں گے تو وہاں جمعہ کو باقی رکھا جائے، اور جہاں اس طرح کی کوئی ضرورت نہیں وہاں جیسے ہے ویسے ہی چھوڑ دیا جائے۔

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی:

جو مسئلہ زیر بحث ہے کہ کرونا جیسی وبائی بیماری میں مکانوں میں جمعہ کی نماز درست ہے یا نہیں؟ ظاہر سی بات ہے کہ جن مقامات میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے وہاں کے لئے سوال ہے کہ تعدد جمعہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس لئے مجبوری میں مکانوں میں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں پڑھ سکتے ہیں؟ میرے خیال سے اس پر سب لوگ متفق ہوں گے، جہاں تک یہ مسئلہ ہے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز درست ہے یا نہیں؟ کتب فقہ حنفی میں اس کی صراحت موجود ہے کہ درست نہیں ہے، لیکن

مفتی کفایت اللہ صاحب سے جب پوچھا گیا کہ دیہات میں جمعہ کی نماز شروع کردی گئی ہے تو ہم لوگ کیا کریں، آپ نے فرمایا کہ پڑھتے رہیں۔

پھر دوسرا سوال ہوا کہ جب وہاں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے تو پڑھیں گے تو جمعہ کی نماز نہیں ہوگی، ان کے ذمہ سے ظہر کی نماز بھی ساقط نہیں ہوگی تو کیا محض اس بنیاد پر کہ جمعہ کی نماز قائم ہوگئی ہے، کیا ایک فریضہ کو اپنے اوپر لے کر جائیں گے تو مفتی صاحب نے جواب دیا کہ "مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر" کے لئے وجہ جواز ہیں، یہ ان کا جملہ ہے، اس لئے یہ جو رائے آرہی ہے کہ جہاں جمعہ کی نماز گاؤں میں ہی سہی اگر شروع کردی گئی ہے تو اس کو نہ روکا جائے، مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے ہمارے یہاں تو میں پوچھتا ہوں کہ جمعہ کی نماز ہورہی ہے یا نہیں؟ کہتا ہے کہ ہورہی ہے تو میں کہتا ہوں پڑھ لو، اس کو روکو نہیں اور اگر جمعہ کی نماز نہیں ہورہی ہے تو میں کہتا ہوں کہ پہلے جمعہ کی نماز قائم کرلو پھر آکر کے مسئلہ پوچھو۔

یہ جمعہ کی شرائط کے سلسلہ میں جو فقہاء کی تصریحات ہم دیکھتے ہیں کہ بہت آہستہ آہستہ نزول ہوا ہے، پہلے یہ شرط لگی تھی کہ جہاں حاکم ہو، جہاں حدود وقصاص نافذ ہوتا ہو، جب یہ دیکھا گیا کہ اس شرط پر تو شاید ہندوستان میں کوئی شہر آئے، تو یہ کہا گیا کہ حاکم ہو، قاضی ہو، اور ان میں حدود وقصاص قائم کرنے کی صلاحیت ہو، جب یہ دیکھا گیا کہ یہ بھی نہیں ہورہا ہے، تب یہ کہا گیا کہ ایک بڑی بستی ہو، بڑی جگہ ہو جہاں پر کئی مسجدیں ہوں، وہاں پر آبادی اتنی بڑی ہو کہ بڑی مسجد میں سب نہ آسکتے ہوں تو گویا کہ وہاں بھی جمعہ کی نماز درست ہے، پھر مسئلہ آیا تو آگے بڑھا "**وتقع فیها القصبات والقری الكبيرة التي فيها أسواق**" اس طرح کی عبارتیں آئیں، تو یہ نرمی ہوتی گئی، اب ان حالات میں جب کہ یہ بات آرہی ہے کہ دین سے مربوط رکھنے کی ایک مؤثر شکل یہ ہے تو میرے خیال سے اس مسئلہ میں زیادہ شدت نہیں برتنی چاہئے مفتیان کرام کو اور جہاں جمعہ کی نماز ہورہی ہے ہونے دیا جائے اور جہاں پر نہیں ہورہی ہے وہاں پر کہہ دیا جائے کہ پہلے قائم کرلو، پھر آکر مسئلہ پوچھو، تاکہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتوی کے مطابق کچھ گنجائش نکالی جاسکے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بھوپال کی ایک بزرگ شخصیت مولانا شاہ یعقوب مجددیؒ حضرت مولانا علی میاںؒ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور ان سے بہت گہرا تعلق تھا، ان کے ملفوظات کو حضرت مولانا علی میاںؒ نے جمع کیا، ان ملفوظات میں ایک واقعہ ہے کہ بھوپال کے اطراف میں دیہاتوں میں جہاں دینی ماحول نہیں تھا ایک مولوی صاحب نے جا کر محنت کی اور وہاں کے لوگوں کو آمادہ کیا کہ نماز تو پڑھا کرو، مسجد گاؤں میں ہے تو کم سے کم جمعہ ہی پڑھ لیا کرو، کچھ لوگ تیار ہوئے اور جمعہ کی نماز شروع ہوگئی، شاہ یعقوب مجددیؒ پیر تھے اس علاقے کے، کبھی کبھی وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے ایک بار جب گئے تو دیکھا کہ لوگ جمعہ کی

نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا کہ یہ تو بہت چھوٹا سا گاؤں ہے یہاں جمعہ کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک یہ درست نہیں،ظہر پڑھو، جمعہ نہ پڑھو، پیر صاحب کا حکم تھا بات کون نہیں مانتا، جمعہ بند ہوگیا اور نمازی جو ہفتہ میں ایک دن آتے تھے وہ بھی چھوٹ گئے،تو مولوی صاحب جب دوبارہ اس گاؤں میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ جمعہ بند ہو چکا ہے،معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ جمعہ یہاں درست نہیں،تو وہ حضرت شاہ صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت کتنے دنوں کی محنت کے بعد تو جمعہ میں ان کو جمع کیا تھا، جمعہ قائم بھی ہوگیا تھا آپ تشریف لے گئے اور وہاں صورت حال بدل گئی اور جمعہ بند ہوگیا،لوگ اب نماز پڑھتے ہی نہیں، شاہ صاحب نے فرمایا مجھے لے چلو، شاہ صاحب دوبارہ اس گاؤں میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں پچھلی بار یہاں آیا تھا تو ہم کو ایک مسئلہ بتایا گیا تھا، میں نے حاشیہ نہیں دیکھا تھا، اور حاشیہ دیکھے بغیر فتوی دے دیا، اب میں نے مطالعہ کیا ہے تو جمعہ تم لوگ پڑھا کرو ضرور پڑھا کرو، میرا پہلا فتوی صحیح نہیں تھا، اب میرا فتوی یہ ہے کہ جمعہ تم پڑھا کرو، تو جو بات ہو رہی ہے کہ واقعی جن دیہاتوں میں اس طرح کی بے دینی ہے تو وہاں کم سے کم جمعہ کے نام سے ارتباط دین سے ہوتا ہے، اس کی ضرورت ہے۔

اب مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے جو فتاوے ہیں ان کے احوال زمانہ سے واقفیت کی بڑی دلیل ہے، یہ مسئلہ اجتہادی اور مختلف فیہ ہے، اور جہاں جن حالات میں جس مسلک پر عمل کرنے سے وہاں دین زندہ ہوتا ہے اس کی گنجائش شریعت میں ہے، عام فتوی ہم نہ دیں الگ بات ہے، لیکن جو حالات اس ملک میں پیدا ہو رہے ہیں ان حالات میں ہم کو گنجائش ان مسائل میں پیدا کرنی ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ گھر میں جمعہ کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں، کیا کیا جائے، وہ سب شرطیں جو بحثیں آپ نے کی ہیں وہ اپنی جگہ قابل قدر ہیں، لیکن ان خاص حالات میں ہمارا فتوی کبھی اس کا ذریعہ بن جائے کہ لوگ گھروں میں جمعہ پڑھنے لگیں اور مساجد خالی رہیں تو ایسا کوئی راستہ نہیں کھلنا چاہئے تجویز مرتب کرنے میں ان ساری شرطوں اور قیدوں کا لحاظ ضروری ہے، تاکہ غلط فہمی نہ ہو، باقی جو اصل حکم ہے عام حالات کی بات ہے تو ٹھیک ہے، دو مسجد چار مسجد ہے جمعہ کی نماز ہوتی ہے ہم جا کر وہاں پڑھیں گے گھر میں پڑھنے کی ضرورت کیا ہے؟، مذہب غیر، کسی نے کبھی کہا تھا کہ یہ تعبیر بھی مذہب غیر لفظ غیر سے غیریت پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ سارے مسالک فقہ اسلامی کا حصہ ہیں، تو جہاں کسی ایک مسلک کے مسئلہ پر عمل کرنے میں دشواریاں ہیں مسلمانوں کے لئے وہاں دوسرے مسلک کو اختیار کر لینا اس لئے کہ وہ بھی شریعت کا حصہ ہے، شریعت ہی پر عمل کرنا ہے، لہذا اس میں ہمارے یہاں اتنی تنگی نہیں ہونی چاہئے، وہ بھی ائمہ اربعہ یا جو بھی مجتہدین ہیں ان کے اقوال ہیں، مسالک ہیں، کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور ضرورت کے وقت میں جب دشواری پیش ہو اس طرح کے حالات ہوں اس

میں خاص طور سے ان مسائل پر عمل کرنا شرح صدر کے ساتھ ہونا چاہئے۔اللہ تعالی ہم سب کو دین کے لئے فکر مند ہونے اور مسائل شرعیہ میں صواب تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

صدارتی خطاب

مفتی احمد دیولوی:

الحمدللہ فقہ اکیڈمی کے سمینار میں مناقشہ کے اوقات بڑھ گئے ہیں، یہ بہت خوبی کی بات ہے، عام طور سے ذہن میں ہوتا ہے کہ یہ تو یہیں بیٹھ کر پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے، اسی کے مطابق تجویز پاس کردیتے ہیں، اور اس میں ہماری جو تجویز پاس کرنے کی کمیٹیاں بنتی ہیں ان کو بھی چاہئے کہ مناقشوں میں جو چیزیں آتی ہیں جو رائے پیش کی گئی ہے ان کو تجویز مرتب کرتے وقت سامنے رکھیں۔

یہاں دومسئلے جو پیش آئے ایک رویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ اور دوسرا جمعہ کی نماز کے تعدد کا مسئلہ۔مولانا یعقوب قاسمی صاحب جب انگلینڈ تشریف لے گئے تو وہاں پر چونکہ رویت کا مسئلہ رہتا ہے، چاند اکثر نظر نہیں آتا، تو یہ مسئلہ پیش آیا کہ کیا کیا جائے، تو انہوں نے جو استفتاء مرتب کیا تھا مجھے بھیجا تھا، اسی کے ساتھ تعدد جمعہ کا مسئلہ بھی اس میں تھا، تعدد جمعہ کا مسئلہ یوں تھا کہ وہاں پر اکثر لوگ ملازم ہوتے ہیں، اب ایک جماعت سے پڑھ چکے، پھر دوسرے لوگ آتے تھے جمعہ پر تو کیا کریں، وہ جمعہ پڑھیں گے کہ نہیں، تعدد جمعہ ہوسکتا ہے یا نہیں، میں نے اس استفتاء کو ہندوستان اور پاکستان کے مفتیان کرام کو بھیجا، اس کے جوابات بھی آئے، بعد میں سعودی والی بات پیدا ہوئی اس سے پہلے سعودی والی بات وہاں نہیں تھی، سعودی حکومت کا فیصلہ ماننے کی، وہ تو وہی تھی کہ جو قریب ملک میں ہے اس کے فیصلے پر عمل کیا جائے سب کا قول آیا تھا، تعدد جمعہ کا بھی وہاں پر فیصلہ کیا گیا تھا، کہ جو لوگ بعد میں آئیں کیا وہ پھر اپنی جماعت کرسکتے ہیں، تاکہ جمعہ فوت نہ ہو، یہ ہمارے یہاں اب جو کرونا کا مسئلہ پیش آیا، میری اپنی بہت پہلے سے یہ رائے ہے کہ حکومت ہند کو اس مسئلہ کو جس طرح سے حل کرنا چاہئے تھا اس طرح نہیں کرپائی، اور لوگوں کے درمیان خوف و ہراس پیدا کردیا، مثال کے طور پر میت کو غسل نہ دینا، میت کو ہاتھ نہ لگانا، مساجد میں تین یا پانچ سے زائد لوگوں کو جمع نہ ہونا وغیرہ، اس وقت علماء بھی بہت متاثر ہوگئے اور فتوی دینے میں جو احتیاط برتنی چاہئے تھی وہ احتیاط برتی نہیں گئی، تو عرض یہ کرنا ہے کہ جب اس طرح کے نئے حالات پیش آئیں تو جو ہمارے علماء کا طریقہ چلا آرہا ہے تو ان کے اصولوں اور ماخذ کو لیکر مسائل حل کیا جائے اور ابھی یہی ہوا ہے، اور ابھی جمعہ کی نماز کا مسئلہ ہو یا میت کو دفن کرنا مسئلہ، اس قسم کے جو بھی مسائل ہیں ہمارے علماء نے حل کیا الحمدللہ، اور ان شاء اللہ آئندہ بھی ہمارے

مسائل حل ہوتے رہیں گے، ابھی ایک صاحب نے کہا کہ بڑے شہروں میں مسجد بنانے کی اجازت نہیں ملتی تو نفس مسجد کے نام سے یا مندر کے نام سے کوئی بھی عمارت تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ملے گی، اگر آپ عبادت گاہ، یا پرے ہال وغیرہ کے نام سے اجازت مانگیں تو آپ کو اجازت ضرور ملے گی، پورے ملک میں ممانعت ہے مندر بنانے کی بھی اور مسجد بنانے کی بھی، بہرحال ماشاء اللہ آج کا ہمارا اجلاس اور خاص کر کے مناقشہ کے اوقات بڑی خوشی کی بات ہے، اللہ تعالی یہ سلسلہ قائم و دائم رکھے۔

☆☆☆